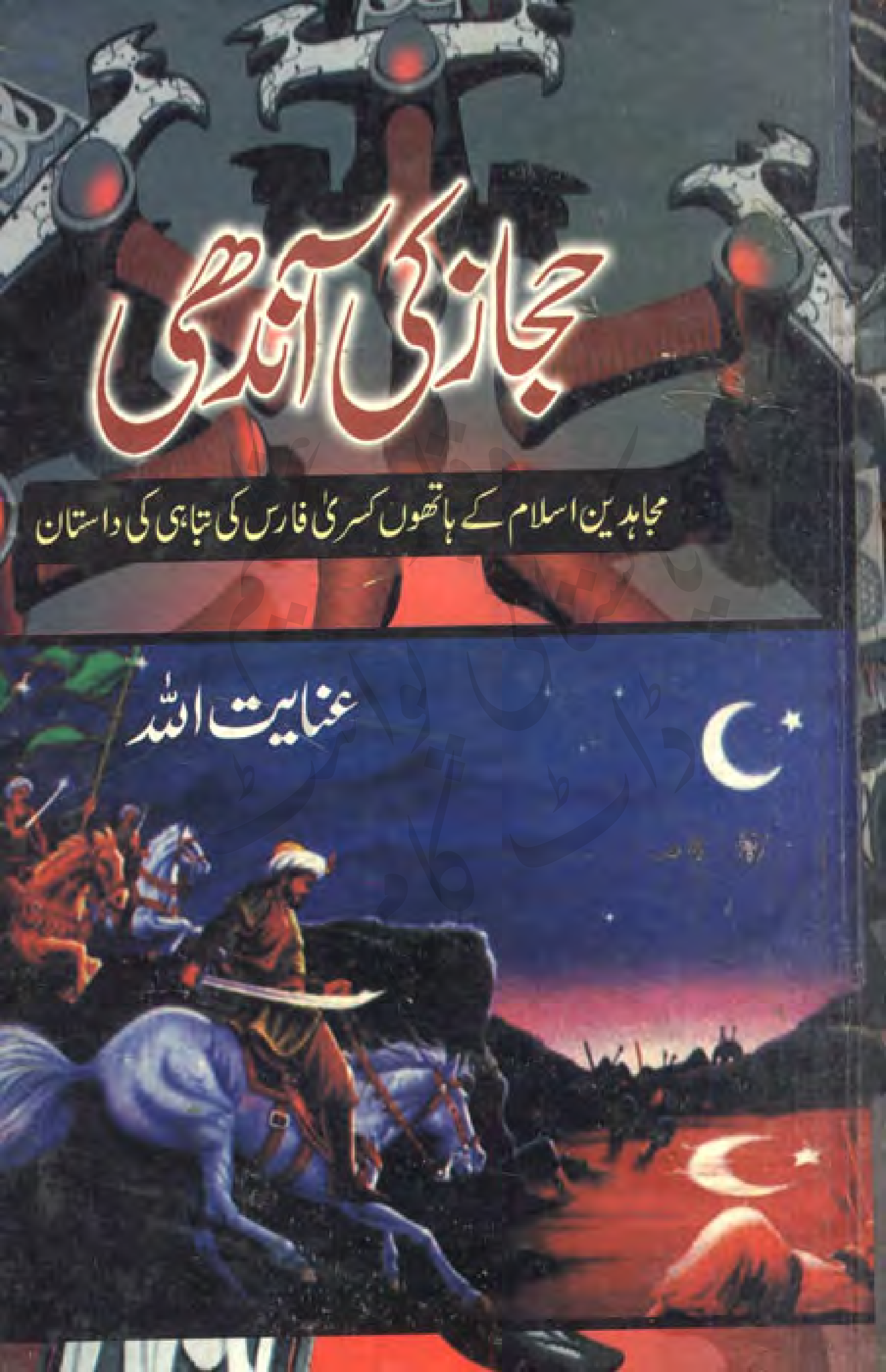

حجاز کی آندھی
مجاہدین اسلام کے ہاتھوں کسریٰ فارس کی تباہی کی داستان
عنایت اللہ

پیش لفظ

میں نے کتاب ـــ "حجاز کی آندھی" ـــ اس انداز سے لکھی ہے کہ قارئین کرام اسے تاریخی ناول کہیں گے۔ مجھے اس پر اعتراض تو نہیں لیکن ہمارے ملک میں "تاریخی ناول" یا "اسلامی تاریخی ناول" اتنے زیادہ لکھے گئے اور لکھے جا رہے ہیں کہ یہ صنف رسوا ہو گئی ہے سنجیدہ ذہن اور ذوق کے قارئین اور تاریخ میں دلچسپی رکھنے والے خواتین و حضرات "تاریخی ناول" کو قبول ہی نہیں کرتے۔ ان کا یہ رویہ بلا جواز نہیں۔ ناپسندیدگی کی وجہ قابلِ فہم ہے۔

وجہ یہ ہے کہ "تاریخی ناولوں" کے بیشتر مصنف تاریخ کم اور ناول زیادہ لکھتے ہیں۔ ان کا یہ انداز کاروباری ہے۔ وہ کہانی کو زیادہ سے زیادہ دلچسپ اور سنسنی خیز بنانے کی کوشش میں تاریخ کو مسخ کر دیتے اور تاریخ کے اصل واقعات کو گڈمڈ کر دیتے ہیں یہاں تک کہ بعض اہم واقعات حذف ہو جاتے ہیں۔ واقعات کا تسلسل بھی تہ و بالا ہو جاتا ہے۔

وہ ناول ہی کیا جس میں رومان نہ ہو، عشق و محبت کی چاشنی اور حسنِ بے مثال کا چسکا نہ ہو تاریخی ناول لکھنے والوں نے ناول کے یہ مطالبات پورے کرنے پر زیادہ زورِ بیان صرف کیا ہے۔ تاریخی ناول بلکہ اسلامی تاریخی ناول لکھنے والے ایک مشہور و معروف ناول نویس ہیں جن کا یہ دعویٰ صحیح ہے کہ اس صنف کے خالق وہی ہیں۔ ان کے متعلق ایک مبصر نے کہا تھا کہ ان کے ہاں مجاہد کی پہچان یہ ہے کہ اس کے ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے بازو میں ایک نوخیز حسینہ ہو۔

کتابوں کی منڈی میں اسلامی تاریخی ناولوں کا سیلاب آیا ہوا ہے۔ ایک ناول نویس اس وقت تک تقریباً چار درجن اسلامی تاریخی ناول لکھ چکے ہیں۔ پاکستانی فلموں کی طرح ان ناولوں میں ایک ہی فارمولا کہانی ملتی ہے۔

کہنے کا مطلب یہ ہے کہ کاروباری ذہن کے ناول نویسوں اور ناشروں نے تاریخِ اسلام کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا ہے۔ تاریخ کے مطالعے سے یہ لوگ عاری ہوتے ہیں۔

"حجاز کی آندھی" اسلامی تاریخی ناول ہی ہے لیکن اس میں آپ کو مستند تاریخ ملے گی اور یہ تاریخ متعدد مؤرخوں کی کاوشوں کا نچوڑ ہے۔ یہ میری شبانہ روز محنت سے کی ہوئی ریسرچ کا حاصل ہے۔ اس میں آپ کو کہانی کی دلچسپیاں بھی ملیں گی لیکن کوئی ایک بھی واقعہ اور کوئی ایک بھی کردار فرضی اور غیر حقیقی شامل نہیں کیا گیا۔ تمام کردار اور واقعات حقیقی ہیں۔

یہ داستان اُس وقت سے شروع ہوتی ہے جب خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکر صدیقؓ نے وفات سے کچھ دن پہلے حضرت عمر فاروقؓ کو خلیفہ مقرر کیا تھا۔ انہوں نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ میں ایک دو دن ہی زندہ رہ سکوں گا۔ ایک لشکر تیار کر کے مثنیٰ بن حارثہ کے ساتھ عراق بھیج دینا۔

یہ لشکر جس طرح تیار ہُوا، ایک ڈرامائی کہانی ہے، پھر اس لشکر نے عراق جا کر ایرانی آتش پرستوں کو جو اس دَور کی ہیبت ناک جنگی طاقت تھے، ایسی شکستیں دیں کہ یورپ کے غیر مسلم مؤرخوں نے بھی حیرت کا اظہار کرتے ہُوئے مسلمانوں کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔

تاریخ کے مشہور صحابی سپہ سالار سعدؓ بن ابی وقاص نے اسی محاذ پر تاریخِ اسلام کی انتہائی خونریز جنگیں لڑی تھیں جن میں جنگِ قادسیہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ اسی محاذ پر مجاہدین نے سیلابی دریائے دجلہ میں گھوڑے اتار دیئے اور آتش پرستوں کا دارالحکومت مدائن فتح کیا تھا۔ اسی محاذ پر سعدؓ بن ابی وقاص نے مشہور سپہ سالار مثنیٰ بن حارثہ کی بیوہ سلمیٰ کو اپنے عقد میں لیا اور ایک بڑا ہی جذباتی واقعہ رُونما ہُوا تھا۔

تاریخِ عالم کا مشہور و معروف جرنیل رستم بھی جسے آج تک طاقت اور بہادری کی علامت کہا جاتا ہے، اسی محاذ پر لڑا اور ایک مجاہد کے ہاتھوں بڑے ہی ڈرامائی طریقے سے مارا گیا تھا۔

اس تاریخی ناول میں کسریٰ کے خاندان کی محلاتی سازشیں بھی ملیں گی اور ایسے جذباتی اور پراسرار واقعات بھی ملیں گے جو افسانہ لگتے ہیں لیکن یہ حقیقی واقعات ہیں جو تاریخ کے دامن میں محفوظ ہیں۔

"حجاز کی آندھی" میں حضرت عمرؓ فاروق کی شخصیت اور قیادت کی بڑی صاف جھلک ملے گی۔ یہ کتاب ہر گھر میں موجود ہونی چاہیئے تاکہ بچیاں اور بچے اپنی درخشاں روایات اور اسلام کی عسکری روح سے آگاہ ہوں۔ اس داستانِ شجاعت میں صحیح تاریخ کے ساتھ ساتھ کہانی کی تمام تر دلچسپیاں موجود ہیں۔

اگر آپ سمجھیں کہ میں اپنی اس کاوش میں کامیاب نہیں تو براہِ کرم مجھے میری خامیوں سے آگاہ کیجئے۔ میں آپ کا ممنون ہوں گا۔

عنایت اللہ
مدیر۔ ماہنامہ "حکایت" ۔ لاہور

مدینہ سے تیس پینتیس میل دُور شمال مشرق میں ایک ہرا بھرا نخلستان تھا۔ چھوٹی سی ایک جھیل تھی۔ جھیل کے کنارے کھجور کے پیڑوں کے جھُنڈ اور صحرائی پودے لق و دق تپتے ہوئے اس صحرا میں جنت کا سماں پیدا کیے ہوتے تھے۔ یہ نخلستان اس ریگزار میں یوں لگتا تھا جیسے دہکتے ہوئے انگاروں میں ایک پھول کھلا ہُوا ہو۔ اس کے اردگرد صحرا ایسا بھیانک تھا کہ مسافر ادھر سے گذرتے گھبراتے تھے اور اگر کوئی بھولا بھٹکا مسافر اُدھر جا بھی نکلتا تو دُور سے نخلستان کو دیکھ کر یقین نہیں کرتا تھا کہ یہ نخلستان ہے بلکہ وہ اسے سراب سمجھتا تھا — نظر کا دھوکہ!

نخلستان تو اس ریگزار میں بہت تھے لیکن اس جیسا کوئی نہ تھا۔ اس کے اُس طرف بھی خاصی اونچی پہاڑی تھی جدھر سے سورج طلوع ہوتا تھا اور ایک پہاڑی اُدھر بھی تھی جدھر سورج غروب ہوتا تھا۔ ان پہاڑیوں کی وجہ سے یہ نخلستان دن کا خاصا حصہ سُورج کی جلا دینے والی گرمی سے محفوظ رہتا تھا۔ کھجور کے درختوں کے علاوہ جھکے جھکے درختوں کی دو چار قسمیں اور بھی تھیں۔

جونہی سورج غروب ہونے سے پہلے مغرب والی پہاڑی کے پیچھے چلا جاتا، اس نخلستان کی محدود سی دنیا ٹھنڈی ہونے لگتی تھی اور غروبِ آفتاب کے بعد ایسی خنکی کہ آسمان تلے بیٹھنے والا ٹھٹھرنے لگتا تھا۔

اس دلفریب نخلستان میں پانچ چھ خیمے نصب تھے جن میں ایک چوکور اور بڑا تھا۔ اس کے دو طرف دروازے اور دروازوں کے آگے ریشمی پردے لٹکے ہُوتے تھے۔ خیمے کے اندر کسی شاہی محل کے کمرے کا گمان ہوتا تھا۔ فرش پر خیمے کی لمبائی اور چوڑائی جتنا ایرانی قالین بچھا ہُوا تھا۔ ایک طرف گدّے پڑے تھے جن پر ریشمی چادریں بچھی ہُوئی تھیں اور گاؤ تکیے پڑے ہوتے تھے۔ اوپر رنگارنگ فانوس لٹکے ہوتے تھے۔ خیمے کے اندر جو کپڑا لگا ہُوا تھا وہ بھی ریشمی تھا اور اس کے کئی رنگ تھے۔ اندر کی فضا طلسماتی تھی۔

رات کا پہلا پہر تھا۔ گدّوں پر گاؤ تکیوں سے ٹیک لگائے تین آدمی کچھ بیٹھے کچھ نیم دراز سے تھے۔ ان کے سامنے مختلف النوع کھانے رکھے تھے۔ ایک شیشے کی صراحی تھی اور ساتھ

کچھ جام بھی تھے۔ ان تین آدمیوں کے ساتھ جو گاؤ تکیوں سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے، دو آدمی دائیں اور دو بائیں بیٹھے تھے۔ شراب کے جام صرف ان کے ہاتھوں میں تھے۔ باقی تین آدمی شراب نہیں پیتے تھے۔

ان سب آدمیوں کے لباس بتاتے تھے کہ یہ عربی ہیں اور مالدار عربی ہیں۔ وہ الف لیلےٰ کی داستانوں کے کردار لگتے تھے.... شاہی خاندان کے افراد.... ان کے سامنے ایک نیم عریاں رقاصہ رقص کی اداؤں سے ان سات آدمیوں کو مسحور کر رہی تھی۔ اُس کی کمر سے ریشم کے دھاگوں کی بنی ہوئی رنگ برنگی رسیاں لٹک رہی تھیں جو اتنی گھنی اور گنجان تھیں کہ دُور سے کپڑا لگتی تھیں۔ ان میں رقاصہ عریاں نہیں لگتی تھی لیکن رقص کرتے اس کی ٹانگیں پاؤں سے کولہوں تک رسیوں سے باہر آجاتی تھیں۔ رقاصہ کے کھلے ہوئے بال بھی جیسے ریشم کے انتہائی باریک تار تھے جو اُس کے مرمریں شانوں پر جھول رہے تھے۔

خیمے کے ایک کونے میں سازندے بیٹھے تھے اور ان کے پاس رقاصہ کی عمر کی دو لڑکیاں بیٹھی گا رہی تھیں۔ ایک ادھیڑ عمر عورت دف کی تھاپ پر تالی بجا رہی تھی۔ رقص اُچھل کود نہیں تھا نہ دف اور سازوں نے واویلا بپا کر رکھا تھا۔ موسیقی مدھم اور خوابناک سی تھی اور رقص ایسا جیسے رقاصہ پھن دار ناگن کی مانند جھوم رہی ہو۔ اُس کا تبسم سحر انگیز تھا۔ گیت رُومانی تھا۔ اس کے الفاظ اور سُر تال ایسی جیسے خیموں سے کچھ دُور بیٹھے ہوئے اونٹوں اور بندھے ہوئے گھوڑوں پر بھی وجد طاری ہُوا جا رہا ہو۔

رقص جاری رہا، شراب چلتی رہی۔ خیمے میں بیٹھے یہ سات آدمی جھومتے اور خاموش اشاروں سے داد دیتے رہے اور جب رقاصہ نے جُھک کر ہاتھ ماتھے پر رکھا تو گاؤ تکیے کے ساتھ بیٹھے ایک آدمی نے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ رقص کی محفل برخاست ہوتی ہے۔

رقاصہ یوں خیمے سے جُھکی جُھکی باہر نکلی کہ اُس نے پیٹھ ان آدمیوں کی طرف نہ کی۔ گانے والیوں کا اور سازندوں کا انداز بھی یہی تھا۔

※

"اب کام کی کچھ باتیں ہو جائیں"۔۔۔ گاؤ تکیے کے ساتھ لگے درمیان والے آدمی نے گاؤ تکیے سے آگے ہو کر کہا۔۔۔ "دن کو ہم کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکے تھے۔ ہم خوش تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دنیا سے اُٹھ جانے کے بعد مسلمان پھر قبیلوں میں بٹ کر بکھر جائیں گے اور ہم انہیں ایک بار پھر ایک دوسرے کا دشمن بنا کر جاہلیت کے اُسی دور میں پہنچا دیں گے جہاں سے انہیں ان کے رسولؐ نے نکالا تھا۔ پھر ان کے خلاف ہر طرف بغاوت شروع ہو گئی تھی جسے یہ لوگ ارتداد کہتے ہیں۔ ہم اُس وقت اور زیادہ خوش ہوئے کہ اب اسلام ان باغیوں کے ہاتھ ہمیشہ کے لیے عرب کی ریت میں دفن ہو جائے گا۔ لیکن اُس بوڑھے ابوبکرؓ نے ایسا طوفان کھڑا کیا کہ مسیلمہ کذاب اور مالک بن نویرہ جیسے طاقتور باغی ان چند ایک مسلمانوں سے شکست کھا گئے۔"

"ابوسلمٰی!۔۔۔ دوسرے آدمی نے کہا۔۔۔ "اسلام کے یہ باغی اگر بغاوت سے پہلے متحد ہو جاتے تو کبھی شکست نہ کھاتے۔"

نہیں ابن داؤد!۔۔۔ ابوسلمٰی نے کہا۔۔۔ "وہ متحد ہوتے تو بھی شکست کھا جاتے۔ یہ کہو کہ مسلمانوں کے پاس خالد بن ولیدؓ اور ابوعبیدہؓ نہ ہوتے تو یہ باغی شاید کامیاب ہو جاتے.... خدائے یہودہ کی قسم! اگر ہمارا منصوبہ ان لوگوں نے قبول کر لیا اور ہماری باتیں مان لیں تو اسلام کا نام و نشان نہیں رہے گا۔"

"میں ایک بات کہوں ابوسلمٰی!۔۔۔ ایک اور آدمی بولا۔۔۔ "تم کامیاب نہیں ہو سکتے۔ تم یہودی ہو اور تمہاری تاریخ میں صرف منصوبے ملتے ہیں.... سازشوں کے منصوبے، قتل کرانے اور بھاگ نکلنے کے منصوبے.... تمہیں میری بات سے رنج نہیں ہونا چاہیئے۔ یہ نہ سمجھنا کہ میں نصرانی ہوں اس لیے یہودیوں کے خلاف بات کر رہا ہوں۔"

"تم کھل کر بات کرو اسحٰق!۔۔۔ ابوسلمٰی نے کہا۔۔۔ "ہم اس صورت میں ہی کامیاب ہو سکتے ہیں کہ ایک دوسرے کی خامیوں اور نقائص کی نشاندہی کریں۔ یہاں سوال میری ذات یا بنی اسرائیل کی توہین کا نہیں۔ ہمیں اسلام کا خاتمہ کرنا ہے جس کے لیے بہترین وقت یہی ہے.... تم چاروں نصرانی ہو اور ہم تین یہودی ہیں۔ میں اُس وقت کو تصوّر میں لا رہا ہوں جب نصرانیوں اور یہودیوں میں اتحاد ہو گا۔ اب بات کرو۔"

"میرا مقصد کسی کی توہین نہیں"۔۔۔ اسحٰق نے کہا۔۔۔ "میں کہنا یہ چاہتا ہوں کہ بنی اسرائیل جنگ سے گریز کرتے اور میدانِ جنگ سے دُور رہتے ہیں۔ اگر ہم نصرانیوں کی طرح تم لوگ بھی جنگجو ہو جاؤ اور یہودی اور نصرانی متحد ہو جائیں تو یہی ایک ذریعہ ہے اسلام کے خاتمے کا۔"

"بہت وقت چاہیئے"۔۔۔ ابوسلمٰی نے کہا۔۔۔ "کئی سال لگ جائیں گے دونوں قوموں کو قریب لاتے۔ ہمارے دانشمند بزرگ کہہ گئے ہیں کہ کسی قوم کو تباہ کرنا ہو تو اُس کی قیادت کو بدکردار بنا دو اور جو کردار سے دستبردار نہیں ہوتا، اُسے ایسے خفیہ طریقے سے قتل کر دو کہ قاتل کا سراغ نہ ملے۔"

"کس کس کو قتل کرو گے؟"۔۔۔ ایک اور نصرانی بولا۔۔۔ "ابوبکرؓ کو میں نے چند دن پہلے مدینہ میں دیکھا ہے۔ وہ اتنا بوڑھا ہو چکا ہے کہ دنیا سے جلدی اُٹھ جائے گا۔ اُسے قتل کرنے کی ضرورت نہیں، لیکن یہ سوچ لو کہ اس کے بعد ابن الخطاب آ گیا تو مسلمانوں کا محاذ اور مضبوط ہو جائے گا

اور اسلام شام کی سرحدوں سے بھی آگے نکل جائے گا۔ میں نے جو جاسوسی کرائی ہے، وہ یہ ہے کہ ان کا پہلا خلیفہ ابوبکرؓ خالدؓ بن ولید کو دمشق کی طرف روانہ کر رہا ہے۔"

"خالدؓ بن ولید کی بات کرتے ہو؟" ـــــ ابوسلمیٰ نے کہا ـــــ "دعا کرو کہ ابوبکرؓ کے بعد خلافت عمرؓ ابن الخطاب کو مل جائے۔ ان کے آپس میں اتنے زیادہ اختلافات ہیں کہ خالدؓ بن ولید ابن خطاب کے ہاتھوں گمنامی میں چلا جائے گا۔"

"میں نہیں مانتا" ـــــ اسحٰق نے کہا ـــــ "میں اُس وقت مدینہ میں تھا جب عمرؓ نے اُکسانے پر ابوبکرؓ نے خالدؓ بن ولید کو بطاح سے بلایا تھا کیونکہ اس نے ارتداد کے ایک قائد مالک بن نویرہ کو قتل کر کے اُس کی انتہائی خوبصورت بیوی کے ساتھ شادی کر لی تھی۔ خالدؓ بن ولید جب مدینہ پہنچا تو سیدھا مسجد میں گیا۔ عمرؓ وہیں تھا۔ ابن الولید کو دیکھتے ہی عمرؓ اس پر برس پڑا اور اس قدر لعن طعن کی جو بیٹا باپ کی بھی برداشت نہ کر سکے لیکن خالدؓ نے برداشت سے کام لیا کیونکہ عمرؓ اس سے بڑا تھا اور ابن الولید اسلام کی تعلیمات کا پابند تھا۔ اُس نے اپنی بے عزتی برداشت کر لی لیکن عمرؓ کی عزت رکھ لی۔ اس قوم میں یہ جو خوبی پیدا ہو گئی ہے اسے ختم کرنا محال نظر آتا ہے۔"

"کیا تم کوئی آسان کام کرنا چاہتے ہو؟" ـــــ ابوسلمیٰ نے کہا ـــــ "اسی محال کو ہم نے آسان کرنا ہے۔ باتیں بہت ہو چکی ہیں۔ بہت دنوں سے ہم باتیں ہی کیے جا رہے ہیں۔ یہ حقیقت اپنے سینے پر لکھ لو کہ اسلام کی بیخ کنی کوئی آسان کام نہیں۔ ہم یہ کام میدان جنگ میں نہیں کر سکتے نہ فوجیں اسلام کے خلاف کوئی کامیابی حاصل کر سکتی ہیں.... میں کہہ رہا تھا کہ کسی قوم کو تباہ کرنا ہو تو اس کی قیادت کو بدکردار اور بددیانت بنا دو۔"

"لیکن کیسے؟" ـــــ اسحٰق نے کہا ـــــ "میرا نظریہ بھی یہی ہے کہ اب باتوں کی بجائے کوئی عمل کیا جائے۔"

"کردار میں بدی خوبصورت عورت سے پیدا ہوتی ہے یا شراب سے" ـــــ ابن داؤد نے کہا ـــــ "مسلمان شراب نہیں پیتے۔ کیا تم نے دیکھا نہیں تھا کہ ایک روز ان کے رسولؐ نے اعلان کیا کہ آج سے شراب حرام ہے تو پانی کی طرح شراب پینے والے اہلِ اسلام نے اُسی وقت شراب کے مٹکے اور شراب کی صراحیاں باہر گلیوں میں انڈیل دی تھیں؟ وہ پیالے توڑ دیئے تھے جن میں وہ شراب پیتے تھے.... ہم تو یہودی ہیں، شراب نہیں پیتے۔ ان نصرانی بھائیوں سے پوچھو جو شراب کے رسیا ہیں۔ انہیں کہو کہ شراب کی یہ صراحی اور اپنے سامنے رکھے ہوئے جام اٹھا کر باہر پھینک دیں تو یہ ہنس کر ٹال دیں گے یا یہ کہہ دیں گے کہ

ایک دو دنوں بعد ہم شراب سے توبہ کر لیں گے۔ یہ توبہ نہیں کریں گے لیکن مسلمانوں نے آنِ واحد میں توبہ کر کے دکھا دی اور شراب کو اُمّ الخبائث قرار دے دیا۔"

ابوسلمیٰ اس طرح ہنسا جیسے اُس کے سامنے بیٹھے ہوئے یہ آدمی کم عقل اور طفلانِ مکتب ہوں۔

"مسلمانوں نے شراب چھوڑ دی ہے" ـــــ ابوسلمیٰ نے کہا ـــــ "عورت کا نشہ برقرار رکھا ہے۔ ایک ایک آدمی، خصوصاً سرداروں نے کئی کئی بیویاں رکھی ہوئی ہیں اور وہ خوبصورت اور جوان لڑکیوں کی تلاش میں رہتے ہیں۔ یہ نہ بھولو کہ خوبصورت اور جوان لڑکی ایک ایسی طاقت ہے جس نے بڑے بڑے جابر اور جنگجو بادشاہوں کے تاج اپنے قدموں میں رکھ لیے ہیں۔ ہم مرد کی اس کمزوری کو استعمال کریں گے.... اور یہ بھی دماغ میں بٹھا لو کہ جو لذت بدی میں ہوتی ہے وہ نیکی میں نہیں ہوتی۔ مسلمان اپنے رسولؐ کے اس وعدے پر نیک اور پاک ہو گئے ہیں کہ اگلے جہان انہیں جنت میں داخل کیا جائے گا جہاں حسن و جمال والی حُوریں ملیں گی اور شہد سے میٹھی شراب ملے گی۔ ہم ان لوگوں کو دنیا میں جنت دکھا دیں گے۔"

"بات آپ کی ہی درست معلوم ہوتی ہے" ـــــ ایک اور نصرانی نے کہا ـــــ "لیکن مسلمانوں پر جنگ و جدل کا جنون طاری ہو چکا ہے۔ یوں پتہ چلتا ہے جیسے ان کا کسی اور طرف دھیان ہی نہیں۔ کرنا ہے تو یوں کریں کہ یہودیوں اور نصرانیوں کو تیار کریں کہ وہ ظاہری طور پر اسلام قبول کر کے ان کی فوج میں شامل ہو جائیں اور میدانِ جنگ میں انہیں دھوکہ دیں اور ان کی شکست کا باعث بنیں لیکن مجھے یہ کام بھی کچھ آسان نظر نہیں آتا کیونکہ ان مسلمانوں میں صرف جوشِ جہاد اور شوقِ شہادت ہی نہیں بلکہ ان پر جہاد کا جنون طاری ہے۔ میدانِ جنگ میں اگر ان کا آدھے سے زیادہ لشکر مارا جائے تو باقی لشکر بھاگتا نہیں بلکہ پہلے سے دُگنی طاقت استعمال کر کے اپنے مرے ہوئے آدھے لشکر کی کمی پوری کر دیتا ہے۔"

"یہ کام بھی وقت طلب ہے" ـــــ ابوسلمیٰ نے کہا ـــــ "یہ بھی آگے چل کر کریں گے۔ یہ تو تم سب کو معلوم ہے کہ ہمارے کئی آدمی مسلمانوں میں نظریاتی تخریب کاری میں مصروف ہیں۔ مسلمان اپنے رسولؐ کی احادیث کے شیدائی ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ انہیں کہیں سے پتہ چلتا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہ بات بھی کہی تھی تو لوگ فوراً لکھ لیتے ہیں بنی اسرائیل کے یہ آدمی جن کا میں ذکر کر رہا ہوں، مسلمانوں میں من گھڑت احادیث مشہور کر رہے ہیں اور لوگوں نے انہیں صحیح احادیث میں شامل کرنا شروع کر دیا ہے۔ ہم نے بنی اسرائیل کے کچھ پڑھے لکھے آدمیوں کو اس کام پر لگا دیا ہے کہ وہ قرآن کا مطالعہ کریں اور دُور دراز کے مقامات پر جا کر مسجدوں

کے امام بن جائیں اور مسلمانوں کے ذہنوں میں قرآن کی غلط تفسیریں ڈالیں۔ ہم یہ محاذ کبھی کا کھول چکے ہیں۔ اب ہم عورت کو استعمال کریں گے۔ تم جانتے ہو کہ ساتھ والے خیمے میں جو تین لڑکیاں ہیں، انہیں ہم تیار کر چکے ہیں۔ میں آج تمہیں یہی بتانا چاہتا تھا کہ یہ مہم فوراً شروع کرنی ہے۔ اس لڑکی کو ابنِ داؤد مسلمان کے روپ میں اپنے ساتھ لے جائے گا.... ذرا ٹھہرو، میں اس لڑکی کو یہیں بلاتا ہوں۔ تم سب اس کے ساتھ باتیں کر کے مجھے بتانا کہ یہ لڑکی یہ کام کر سکے گی یا نہیں اور ہم نے اسے جو تربیت دی ہے وہ اس نے ذہن نشین کر لی ہے یا نہیں۔"

فوراً بعد ایک لمبوترے قد اور بڑے ہی دل کش جسم والی لڑکی خیمے میں داخل ہوئی۔ اُس کے نقش و نگار میں مسحور کُن جاذبیت تھی اور اُس کے چلنے کے انداز میں بھی جادو کا سا اثر تھا۔

"بنتِ یامین!" ــــ ابوسلمیٰ نے اس لڑکی سے کہا ــــ "اس وقت سے تم مسلمان ہو اور تمہارا نام یہی ہو گا۔ تم ایک مسلمان کی بیوی بننے جا رہی ہو۔"

بنتِ یامین نے فوراً وہ چادر جو اس نے کندھوں پر پھیلا رکھی تھی دونوں ہاتھوں سے اُٹھا کر اس سے اپنا سر ڈھانپ لیا اور پھر یہ چادر اس طرح لپیٹ لی کہ اُس کا سینہ اور اوپر ناک تک جسم ڈھانپا گیا۔ صرف آنکھیں نظر آتی تھیں۔ پیشانی پر بھی اُس نے چادر لے لی تھی پھر اُس نے سر جھکا لیا۔

خیمے میں بیٹھے ہوئے ہر آدمی نے اُس کے ساتھ کوئی نہ کوئی بات کی۔ لڑکی نے ہر بات اور ہر سوال کا موزوں جواب دیا اور جواب دینے کا انداز ایسا تھا جیسے وہ شرم و حیا سے مری جا رہی ہو۔ پھر اُس سے پوچھا گیا کہ ایک مسلمان کی بیوی بن کر وہ کیا کرے گی۔ اُس نے جو تربیت حاصل کی تھی، اُس کے مطابق تفصیلی جواب دیا۔

"میرے ساتھ زیادہ باتیں نہ کریں" ــــ بنتِ یامین نے کہا ــــ "آپ کے تمام سوالوں کے جواب میرے عمل سے ملیں گے جس کے لیے میں بالکل تیار ہوں۔"

ابوسلمیٰ نے اُسے اشارہ کیا کہ وہ چلی جائے۔ اس نے فوراً سر سے چادر اتاری اور پہلے کی طرح کندھوں پر پھیلا دی اور وہ اُٹھ کر باہر چلی گئی۔

"کیا خیال ہے؟" ــــ ابوسلمیٰ نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا۔

"باتوں کی حد تک لڑکی ہوشیار معلوم ہوتی ہے" ــــ اسحٰق نے کہا ــــ "اس خیمے میں تو اس نے ہمیں مطمئن کر دیا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ مسلمان کے خیمے میں جا کر یہ کیا کرے گی یا کیا کر سکے گی۔"

"اتنی حسین لڑکی کسی بھی مسلمان پر جادو کی طرح چھا سکتی ہے" ــــ ابوسلمیٰ نے کہا۔

"ہمیں تمہاری ہر بات سے اتفاق ہے ابوسلمیٰ!" ــــ ایک نصرانی نے کہا ــــ "ہمیں خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیئے۔ میں چاہتا ہوں کہ اپنے پچھلے ناکام تجربوں کو سامنے رکھیں۔ مسلمانوں کے خلاف ہماری ہر سازش ناکام ہوئی ہے۔ مجھے خیبر کا معرکہ یاد ہے۔ مسلمانوں کی قیادت ان کے اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وسلّم) کے ہاتھ تھی اور مسلمانوں نے فتح حاصل کر لی تھی۔ بنی اسرائیل کی ایک عورت زینب بنت الحارث نے جو سلام بن مشکم کی بیوی تھی، محمد (صلی اللہ علیہ وسلّم) کو قتل کرنے کا کتنا اچھا طریقہ آزمایا تھا۔"

اس نصرانی نے غزوۂ خیبر کے فوراً بعد کا واقعہ سنایا۔ اس یہودن نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے پاس جا کر عقیدت مندی کا اظہار والہانہ طریقے سے کیا اور عرض کی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو اپنے گھر کھانے پر مدعو کرنا چاہتی ہے۔ آنحضورؐ نے اس یہودن کی جذباتیت سے متاثر ہو کر دعوت قبول کر لی تھی اور اسی شام اس یہودن کے گھر چلے گئے۔ آپؐ کے ساتھ بشرؓ بن البارا تھے۔

زینب بنت الحارث نے سالم دنبہ بھونا تھا جو اس نے آنحضورؐ کے آگے رکھ کر پوچھا کہ آپؐ کو دنبے کا کون سا حصہ پسند ہے؟ آپؐ نے دستی پسند فرمائی۔ زینب نے دستی کاٹ کر آپؐ کے آگے رکھ دی۔ بشرؓ بن البارا نے ایک بوٹی کاٹ کر منہ میں ڈال لی اور چبانے لگے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے ایک بوٹی کاٹی اور منہ میں ڈالتے ہی اُگل ڈالی اور فرمایا ــــ "ابن البارا! اس گوشت میں زہر ملا ہوا ہے۔"

بشرؓ بن البارا بوٹی چبا رہے تھے جو انہوں نے اُگل تو دی لیکن زہر لعابِ دہن کے ساتھ حلق میں اُتر چکا تھا۔

"اے یہودن!" ــــ آنحضورؐ نے بنت الحارث سے فرمایا ــــ "خُدا کی قسم تُو نے اس گوشت میں زہر ملایا ہوا ہے۔"

آپؐ غصے سے اُٹھے تو یہودن نے فوراً تسلیم کر لیا کہ اُس نے اس گوشت میں سریع الاثر زہر ملا رکھا ہے۔

"اے محمدؐ!" ــــ زینب بنت الحارث نے بڑی دلیری سے کہا ــــ "خدائے یہودہ کی قسم، یہ میرا فرض تھا جو میں نے ادا کیا۔ آج میں ناکام ہو گئی تو کل کوئی اور کامیاب ہو جائے گا۔"

بشرؓ بن البارا اپنے حلق پر ہاتھ رکھ کر اُٹھے اور چکرا کر گر پڑے۔ زہر اتنا تیز تھا کہ اس نے بشرؓ کو پھر اُٹھنے نہ دیا۔ وہ زہر کی تلخی سے تڑپے اور فوت ہو گئے۔

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے زینب بنت الحارث اور اُس کے خاوند کے قتل کا حکم دیا

اور خیبر کے یہودیوں کے ساتھ آپؐ نے جو مشفقانہ رویہ اختیار کیا تھا وہ منسوخ فرمایا اور حکم دیا کہ یہودیوں پر اعتماد نہ کیا جائے اور ان کے ہر قول و فعل پر نظر رکھی جائے۔

مؤرخ ابنِ اسحٰق لکھتے ہیں — "مروان بن عثمان نے مجھے بتایا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخری مرض میں مبتلا تھے۔ آپؐ نے وفات سے دو تین روز پہلے امّ بشرؓ البراء سے جب وہ آپؐ کے پاس بیٹھی تھیں، فرمایا تھا — اُمّ بشر! میں آج بھی اپنے جسم میں اُس زہر کا اثر محسوس کر رہا ہوں جو اُس یہودن نے گوشت میں ملایا تھا۔ میں نے گوشت چبایا نہیں اگل دیا تھا مگر زہر کا اثر آج تک موجود ہے" — اس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری بیماری کا باعث یہی زہر تھا۔"

نصرانی نے یہ واقعہ ابو سلمیٰ، ابنِ داؤد اور سب کو سنایا۔

"مجھے یہ واقعہ یاد ہے" — ابو سلمیٰ نے کہا — "مجھے اپنے تمام تجربات یاد ہیں جن میں ہم ناکام رہے تھے۔ مدینہ پر قریش کا حملہ کوئی پرانی بات تو نہیں۔ مسلمانوں نے مدینہ کے اِردگرد خندق کھود ڈالی تھی۔ بنی اسرائیل مدینہ میں تھے۔ انہوں نے محمدؐ کو اپنی وفاداری کا یقین دلا رکھا تھا اور مسلمان ان پر اعتماد کرتے تھے۔ ہم نے اس اعتماد سے فائدہ اُٹھانے کی ٹھان لی۔

"مسلمانوں نے اپنی عورتوں اور بچّوں کو ایک قلعہ نما مکان میں اکٹھا کر لیا تھا۔ ہمارا ایک آدمی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے قتل کے لئے رات کے وقت جا رہا تھا۔ وہ اُس مکان کے قریب رُک گیا تو اُسے حسّان نے دیکھ لیا اور محمدؐ کی پھوپھی صفیہؓ کو بتایا کہ ایک یہودی مشکوک انداز سے کھڑا ہے۔ وہ بنو قریظہ کا آدمی تھا۔ اُس کے پاس برچھی تھی....

"صفیہؓ ایک ڈنڈہ لے کر باہر نکلیں اور عقب سے اِس آدمی کے قریب جا کر للکارا ہمارے آدمی نے گھوم کے دیکھا اور صفیہؓ پر وار کرنے کے لئے برچھی تانی مگر صفیہؓ نے فوراً اُس کے سر پر ڈنڈہ مارا۔ وہ تیورا کر گرا۔ صفیہؓ نے ڈنڈے کی ضربوں سے اُس کی کھوپڑی کچل ڈالی

"ہم نے تو اُن مسلمانوں پر جو مدینہ میں خندق کے اندر کی طرف رات کو سوتے یا بیٹھے ہوتے تھے، حملہ کرنے کی بھی سوچی تھی لیکن اس آدمی کے قتل سے یہ راز کھُل گیا کہ ہماری نیت ٹھیک نہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ محمدؐ کے حکم سے یہودیوں کو قتل کر دیا گیا۔"

"وہ وقت ہمارے لئے زیادہ موزوں تھا" — ابنِ داؤد نے کہا — "اُس وقت خالدؓ نے بھی اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ عکرمہ اور ابو سفیان بھی مسلمان نہیں ہوتے تھے۔ یہ تینوں بڑے دلیر اور اثر و رسوخ والے آدمی تھے اور خندق کے معرکے میں مدینے کے محاصرہ میں شریک تھے لیکن محمدؐ کی پھوپھی صفیہؓ نے بنو قریظہ کے اس آدمی کو قتل کیا تو ہمارا منصو

بے نقاب ہو گیا.... میرے رفیقو! یہ مت سوچو کہ پہلی ہی کوشش کامیاب ہُوا کرتی ہے۔ ناکامیاں مل کر کامیابی کی صورت اختیار کیا کرتی ہیں۔ اب ہم نئے منصوبے پر عمل کریں گے۔ بنتِ یامین کو کل بھیج دیں گے۔ مَیں یہ تمہیں بھی بتا دوں کہ ہم نے ایک مسلمان کو منتخب کر لیا ہے۔ ہمیں اُمید ہے کہ وہ بنتِ یامین کے ساتھ شادی کر لے گا۔"

جس مسلمان کا یہ یہودی ذکر کر رہا تھا وہ حبیب ابنِ کعب تھا۔ وہ مدینہ میں تجارت کے سلسلے میں جاتا رہتا تھا اور اکابر مسلمانوں کے مقربین میں سے تھا۔ اِن دنوں وہ کچھ عرصے کے لئے اپنے گاؤں آیا ہُوا تھا۔ اُس کی دو بیویاں تھیں جن میں ایک کسی لاعلاج مرض میں مبتلا تھی۔ اُسی کے علاج معالجے کے لئے گاؤں آیا تھا۔ اُس کا گاؤں مدینہ سے بیس میل کے لگ بھگ دُور تھا۔

یہودیوں نے سازشوں کا جال پھیلا رکھا تھا۔ بنو قریظہ کا ایک یہودی اس گاؤں میں آیا، وہ تجارت کی غرض سے آیا تھا۔ تجارت ہی یہودیوں کا پیشہ تھا۔ اُسے پتہ چلا کہ مدینہ کا ایک اہم آدمی آج کل اپنے گاؤں آیا ہُوا ہے تو اس یہودی نے اُس کے ساتھ دوستی پیدا کر لی اور سوچنے لگا کہ اس شخص کو مسلمانوں کے خلاف کس طرح استعمال کیا جائے۔ اُس کی ملاقات ابو سلمیٰ سے ہوتی تو ابو سلمیٰ نے یہ منصوبہ بنایا جس پر اب عمل ہو رہا تھا۔ اُس یہودی نے جس نے حبیب ابنِ کعب کے ساتھ دوستی پیدا کی تھی، حبیب کو ایک اور شادی کا مشورہ دیا اور اُسے یہ بھی کہا کہ وہ اُسے ایک بڑی خوبصورت مسلمان لڑکی لا دے گا۔

حبیب شادی کے لئے تیار ہو گیا تھا۔

عام طور پہ کہا جاتا ہے کہ عرب جسمانی آسودگی اور تعیش کے لئے زیادہ بیویاں رکھتے تھے۔ یہ صحیح نہیں۔ عرب دراصل زیادہ سے زیادہ نرینہ اولاد پیدا کرنے کے لئے زیادہ بیویاں رکھتے تھے۔ اُس وقت طاقتور اُسی کو سمجھا جاتا تھا جس کے بھائی اور بیٹے زیادہ ہوتے تھے۔ حبیب بھی انہی عربوں میں سے تھا۔ اُس کی دو بیویاں تھیں جن میں سے ایک کسی لاعلاج مرض سے قریب المرگ تھی۔ وہ دوسری شادی کا حاجت مند تھا۔

حبیب کا یہ یہودی دوست اپنا تجارتی مال بیچ کے چلا گیا۔ کچھ دنوں بعد ایک آدمی چادر میں لپٹی ہوئی ایک جوان لڑکی کو ساتھ لئے اُس کے گھر آیا۔ اُس نے اپنا نام ابنِ داؤد ہی بتایا۔
* اُس زمانے میں عرب کے نصرانیوں، یہودیوں اور مسلمانوں کے نام ایک جیسے ہی ہُوا کرتے تھے۔
ابنِ داؤد نے کچھ یہودی تاجروں کا حوالہ دیا۔

"مَیں بہت ہی غریب اور لُٹا پٹا آدمی ہوں" — ابنِ داؤد نے کہا — "مَیں نے اسلام قبول

کر لیا ہے۔ میرے قبیلے نے اسلام قبول کرنے پر مجھے مارا پیٹا اور لُوٹ بھی لیا ہے اور قبیلے سے نکال بھی دیا ہے۔ بڑی مشکل سے اپنی اس بیٹی کو چھُپا کر وہاں سے لایا ہوں۔ تمہارا دوست میرا بھی دوست ہے۔ مَیں تو اُس کے ہاں پناہ لئے ہوئے تھا۔ اُس نے مجھے بتایا ہے کہ تمہیں ایک بیوی کی ضرورت ہے۔ مَیں اپنی بیٹی کو تمہارے پاس لایا ہوں۔ مَیں نومُسلم ہوں۔ مجھ پر ایک کرم تو یہ کرو کہ میری بیٹی کو اپنے عقد میں لے لو اور مجھے مدینہ میں کہیں نوکری دلوا دو خواہ یہ کسی سردار کی غلامی ہی ہو۔ اگر اپنے لشکر میں بھرتی کرا دو تو ساری عمر دعائیں دوں گا۔"

حبیب نے شادی تو کرنی ہی تھی لیکن اُس نے جب ابنِ داؤد کی بپتا سُنی تو وہ بغیر سوچے سمجھے شادی کے لئے تیار ہو گیا، اور جب اُس نے لڑکی کو دیکھا تو اُس نے اُسی شام نکاح کا فیصلہ کر لیا۔

اگلے روز نکاح خواں کو بُلا کر حبیب نے بنتِ یامین کو اپنے عقد میں لے لیا۔

"ابنِ کعب!"— ابنِ داؤد نے کہا — "تم نے میرے سر سے اتنا بڑا بوجھ اُتار پھینکا ہے جس کے نیچے میں اور میری بیٹی کی عصمت کُچلی جا رہی تھی۔ مَیں کچھ دِنوں کے لئے جا رہا ہوں۔ اگر تم میرے لئے کوئی ذریعۂ معاش پیدا کر سکتے ہو تو مجھے بتاؤ کہ مَیں واپس یہیں آکر تمہیں ملوں یا تمہارے پاس مدینہ آجاؤں۔"

"اگر تمہارا کوئی اور ٹھکانہ نہیں تو تم میرے پاس رہ سکتے ہو۔ دس بارہ دِنوں بعد میں مدینہ واپس جا رہا ہوں میرے ساتھ چلے چلنا۔"

"نہیں"— ابنِ داؤد نے کہا — "مَیں تم پر اپنا بوجھ نہیں ڈالوں گا۔ مَیں اب اپنا ٹھکانہ مدینہ میں ہی بناؤں گا جہاں مجھے مسلمانوں کا تحفظ حاصل ہو گا۔"

"پھر تم دس بارہ دِنوں بعد مدینہ میں میرے پاس آجانا"— حبیب بن کعب نے کہا۔

ابنِ داؤد بنتِ یامین کے سر پر باپوں کی طرح پیار کر کے چلا گیا۔

※

کچھ دِنوں بعد وہی نخلستان تھا، اُس میں وہی خیمہ تھا۔ اندر سے اس کی سج دھج وہی تھی اور محفل بھی وہی تھی۔ وہی رقاصہ سازوں اور دف کی سُر تال پر تھرک رہی تھی اور صحرا کی ایک اور رات گُزرتی جا رہی تھی۔

اُبوسلمیٰ کے اشارے پر ساز خاموش ہو گئے۔ رقاصہ کا تھرکتا جسم ساکت ہو گیا۔ اُبوسلمیٰ نے سر کو ہلکی سی جنبش دی تو رقاصہ اور سازندے خیمے سے نکل گئے۔

"ابنِ داؤد کو آجانا چاہیئے تھا"— اُبوسلمیٰ نے کہا۔

"آتا ہی ہو گا"— اسحاق نے کہا — "وہ کوئی بچہ تو نہیں۔ آجائے گا.... اور مجھے اُمید ہے کہ کچھ کر کے ہی آئے گا.... ہو سکتا ہے صبح آجائے۔"

یہ یہودی اور نصرانی پھر اسلام کی بیخ کنی کی باتیں کرنے لگے۔ اُبوسلمیٰ پر غنودگی طاری ہونے لگی۔ محفل برخاست ہونے ہی لگی تھی کہ گھنٹیوں کی آواز سنائی دینے لگی جو قریب آ رہی تھی۔ اُبوسلمیٰ چونک اُٹھا۔ باقی سب کے بھی کان کھڑے ہو گئے۔

"وہ آ رہا ہے"— بیک وقت دو تین آدمیوں نے کہا۔

ایک نصرانی دوڑتا ہُوا باہر نکلا۔ صحرا کی شفاف چاندنی میں کچھ دُور ایک اُونٹ چلا آ رہا تھا جس پر ایک آدمی سوار تھا۔ اُونٹ کے گلے میں بندھی ہوئی گھنٹیاں جلترنگ کی طرح بج رہی تھیں۔ چھوٹے خیموں میں سے دو تین ملازم بھی باہر نکل آئے تھے۔ نصرانی جو باہر نکلا تھا، وہ اُونٹ کی طرف دوڑ پڑا۔

"تم ابنِ داؤد ہی ہو سکتے ہو"— نصرانی نے بلند آواز سے کہا۔

"تو اور کون ہو سکتا ہے!"— شُتر سوار نے جواب دیا۔

قریب آکر شُتر سوار جو ابنِ داؤد ہی تھا، چلتے اُونٹ پر سے کُود کر اُترا اور نصرانی سے بغلگیر ہو گیا۔ ایک ملازم نے آگے ہو کر اُونٹ کی مہار پکڑ لی اور اُسے اُدھر لے گیا جہاں دوسرے اُونٹ بندھے ہوئے تھے۔

"مَیں جانتا تھا تم آج رات آجاؤ گے"— ابنِ داؤد کے خیمے میں داخل ہوتے ہی اُبوسلمیٰ نے کہا —"آؤ، بیٹھو۔ کچھ کھا پی لو اور بتاؤ کیا کر آئے ہو؟"

"کیا دُنیا میں کوئی ایسا انسان ہے جو اتنے خوبصورت اور قیمتی نگینے کو بلاقیمت قبول نہ کرے؟"— ابنِ داؤد نے مُسکراتے ہُوئے کہا — "وہ شخص جس کا نام حبیب بن کعب ہے، کچھ میری باتوں سے اور زیادہ تر بنتِ یامین کو دیکھ کر آپے سے باہر ہو گیا تھا۔"

"آدمی کیسا ہے؟"— اسحٰق نے پوچھا۔

"ہمارے کام آجائے گا"— ابنِ داؤد نے جواب دیا — "مَیں نے ایک غریب اور مظلوم نومُسلم بن کر اُس کے ساتھ ایسی باتیں کیں کہ وہ میرے ساتھ کُھل کر باتیں کرنے لگا۔ مَیں نے جب اُسے کہا کہ میں ذریعۂ معاش کی تلاش میں ہوں تو اُس نے کہا کہ یہ تو کوئی مسئلہ ہی نہیں۔ مدینہ کے بڑے سے بڑے آدمی سے بھی مَیں اپنی بات منوا سکتا ہوں .... مختصر بات یہ ہے اُبوسلمیٰ! جیسا مجھے بتایا گیا تھا، وہ واقعی اثر و رسوخ رکھنے والا آدمی ہے اور قبیلوں کے سرداروں تک اُسے رسائی حاصل ہے۔"

"یہ [illegible] ربنت یامین کے ذریعے اُن سے جو کام کرانا ہے [illegible] اُنہیں [illegible] ہے کہ [illegible]"
— اُبوسلمیٰ نے کہا۔

"پلو میں چار دن بعد مدینہ کو روانہ ہو جاؤں گا" — ابنِ داؤد نے کہا — "اُس نے مجھے کہا ہے کہ میں اُس کے پاس پہنچ جاؤں.... کیا اب ہمیں سو نہیں جانا چاہئیے؟ بہت تھک گیا ہوں"۔

"سو ہی جائیں تو اچھا ہے" — اُبوسلمیٰ نے کہا۔

اور اس طرح یہ محفل برخاست ہوگئی۔

※

اگلے روز سورج سر پر آرہا تھا۔ کھجور اور دیگر درختوں کا ایک گھنا جھنڈ تھا جس نے چھاتے جیسا سایہ کر رکھا تھا۔ جدھر سے ہوا آرہی تھی اُدھر ایک قنات درختوں کے تنوں سے بندھی تنی ہوتی تھی۔ اس نے صحرا کی گرم ہوا اور اس کے ساتھ اُڑتی ریت کو روکا ہوا تھا۔ اس جھنڈ کے نیچے قالین بچھا ہوا تھا اور اُبوسلمیٰ، ابنِ داؤد، اسحٰق اور ان کے ساتھی بیٹھے ہوتے تھے۔ نوکر ان کے آگے کھانا چُن رہے تھے۔

ایک شُتربان جو اونٹوں کو ذرا پرے لے گیا تھا، دوڑتا آیا۔

"آقا!" — شُتربان نے اُبوسلمیٰ کو اطلاع دی — "دُور ایک گھوڑسوار آتا نظر آرہا ہے۔ کوئی عام سا مسافر نہیں لگتا۔ گھوڑے کی رفتار خاصی تیز ہے اور اُس کا رُخ اِدھر ہی ہے"۔

یہ سب اُٹھے اور قنات کے اُوپر سے اُس طرف دیکھنے لگے۔ گھوڑا اور سوار صاف نظر نہیں آرہے تھے۔ تپتی ہوتی ریت سے غیر مرئی سی بھاپ اُٹھ رہی تھی اور اس میں گھوڑے اور سوار کے خدوخال یوں نظر آرہے تھے جیسے جھیل کے ہلتے پانی میں کنارے کے عکس نظر آتے ہیں۔ یہ صرف صحرائی لوگ ہی پہچان سکتے تھے کہ آنے والا گھوڑسوار ہے یا شُتر سوار۔

"کوئی اپنا ہی ہوگا" — اُبوسلمیٰ نے کہا — "اس طرف سے گزرتا ہی کون ہے!"

وہ دیکھتے رہے۔ اُنہیں کسی قسم کا خوف نہیں تھا۔ وہ ڈاکو نہیں تھے نہ اُن کے پاس ڈکیتی کا مال تھا۔ وہ گھومنے پھرنے والے تاجر تھے جنہیں لُٹنے کا ڈر ہو سکتا تھا، لیکن ان پر یہ شُبہ نہیں کیا جا سکتا تھا کہ یہ کوئی رہزنوں کا خطرناک گروہ ہے۔

جُوں جُوں گھوڑا قریب آتا گیا اُس کے خدوخال واضح ہوتے چلے گئے۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے گھوڑا شفاف پانی میں ڈوبا ہوا اندر ہی اندر چلا آرہا ہو۔ تقریباً سو گز فاصلہ رہ گیا تو صاف پتہ چلنے لگا کہ یہ گھوڑا ہے اور اس کی پیٹھ پر اس کا سوار ہے۔ سوار نے بازو اُوپر کر کے دائیں بائیں ہلایا جو اشارہ تھا کہ میں تمہارا اپنا آدمی ہوں اور میں خوش ہوں کہ میں نے تمہیں پا لیا ہے۔

اُبوسلمیٰ اور اس کے تمام ساتھی قنات کے ایک طرف سے گزر کر گھوڑسوار کے استقبال کے لئے آگے چلے گئے۔ فاصلہ تھوڑا رہ گیا تو ابنِ داؤد نے اُس کا نام لے کر پُکارا۔ اُس کا نام مُوسیٰ تھا۔ اس نے ایڑ لگا کر گھوڑا دوڑا دیا اور ان لوگوں کے قریب آکر یکلخت روکا تو یوں لگا جیسے گھوڑا گر پڑے گا۔ مُوسیٰ گھوڑے سے کُود کر اُترا۔

"زبردست خبر لایا ہوں" — مُوسیٰ نے کہا — "ابوبکرؓ مر گیا ہے.... مسلمانوں کا پہلا خلیفہ"۔

قریب آکر مُوسیٰ نے سب کے ساتھ مصافحہ کیا اور یہ لوگ اُسے قنات کے اندر لے آئے جہاں کھانا رکھا جا چکا تھا۔

"اگلا خلیفہ عمرؓ ابن الخطاب تو نہیں بن گیا؟" — اسحٰق نے پوچھا۔

"تو اور کون بنتا!" — مُوسیٰ نے کہا — "ابوبکرؓ نے وفات سے پہلے وصیّت کی تھی کہ اُس کا جانشین عمرؓ ابن الخطاب ہوگا"۔

"یہ بہت بُرا ہُوا" — اُبوسلمیٰ نے کہا — "بڑا ہی ظالم انسان ہے۔ بنی اسرائیل کا تو نام نہیں سُننا چاہتا.... ابوبکرؓ کب فوت ہُوا؟"

"پرسوں شام غروبِ آفتاب کے وقت" — مُوسیٰ نے جواب دیا — "میں کل ہی آجاتا لیکن یہ دیکھنے کے لئے رُک گیا تھا کہ اگلا خلیفہ کون ہوگا اور کتنے لوگ اُس کے ہاتھ پر بیعت کریں گے اور کون بیعت کرنے سے گریز کرے گا"۔

※

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وصال کے بعد خلیفہ ابوبکر صدیقؓ کی وفات مسلمانوں کے لئے دوسرا بڑا صدمہ تھا۔ اُن کی وفات ۲۲ جمادی الآخر ۱۳ھ بمطابق ۲۲ اگست ۶۳۴ء غروبِ آفتاب کے وقت ہوئی تھی۔ مدینہ کے لوگ یہ خبر سُنتے ہی گھروں سے نکل آئے۔ عورتیں بھی خلیفہ اوّل کے گھر کی طرف دوڑ پڑیں۔ اُن کی سسکیاں اور ہچکیاں نکل رہی تھیں۔ ہر عورت اس طرح غمگین اور ماتم کناں تھی جیسے اُس کا اپنا باپ فوت ہو گیا ہو۔

ابوبکر صدیقؓ نے اپنی زندگی کے آخری دنوں میں ہی عمرؓ بن الخطاب کو اپنا جانشین نامزد کر دیا تھا۔ عمرؓ نے اس نامزدگی کو قبول کرنے سے ہچکچاہٹ کا اظہار کیا تھا، لیکن ابوبکرؓ نے صاف الفاظ میں کہا تھا کہ عمرؓ کے بغیر ان حالات پر جن میں سلطنتِ اسلامیہ گھری ہوتی ہے قابو پانے کی صلاحیت کسی میں نہیں۔

اُس دَور کی تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ عمرؓ بڑی ہی رُوح کُش ذہنی کیفیت میں مبتلا تھے۔ ایک تو ابوبکرؓ جیسا بزرگ اور مدبر ساتھی رخصت ہو گیا تھا اور اس کے ساتھ یہ مسئلہ کہ اُن

یہ ساتھی اپنی تمام تر ذمہ داریوں کا بوجھ اُن کے کندھوں پر ڈال گیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے ابو بکرؓ کے جنازے کے پاس کھڑے ہو کر یہ ماتمی کلمات کہے تھے — "اے خلیفہ رسول اللہؐ! آپ نے قوم کو کس مشکل میں ڈال دیا ہے۔ آپ اسے بہت بڑی مصیبت میں چھوڑ چلے ہیں۔ آہ! آپ جُدا ہو گئے۔ اب کیسے ملنا ہو گا؟"

ابو بکرؓ نے خلافت کے لئے عمرؓ کی نامزدگی اپنے طور پر ہی نہیں کر ڈالی تھی۔ ذاتی طور پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کبھی فیصلہ نہیں دیا تھا جس طرح آنحضورؐ اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا کرتے تھے، اسی طرح ابو بکرؓ نے بھی وصیت لکھواتے وقت مشورے لئے تھے۔ سب سے پہلے اُنھوں نے عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے پوچھا تھا کہ عمرؓ کے متعلق اُن کی رائے کیا ہے؟

"خدا کی قسم!" — عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے کہا تھا — "عمرؓ کے متعلق آپ کی جو رائے ہے وہ اس سے بھی بہتر ہے، لیکن ان کے مزاج میں سختی ہے۔"

"مَیں جانتا ہوں" — ابو بکرؓ نے کہا تھا — "اُس کے مزاج میں سختی اس لئے ہے کہ میرا مزاج بہت نرم تھا۔ جب عمرؓ پر ذمہ داری آپڑے گی تو وہ اپنے مزاج میں اس کے مطابق خود ہی تبدیلیاں کر لے گا .... اور ابو محمد! مَیں نے عمرؓ کو بہت قریب سے جانچا اور پرکھا ہے۔ مَیں نے ہمیشہ دیکھا کہ جب میں غصّے میں ہوتا تو وہ میرا غصہ ٹھنڈا کرنے کی کوشش کرتا تھا اور جب مَیں کسی معاملے میں نرمی برتنے لگتا تو عمرؓ مجھے سختی کا مشورہ دیتا تھا۔"

اس کے بعد ابو بکرؓ نے عثمان غنیؓ کو بلایا اور اُن سے عمرؓ کے متعلق پوچھا۔

"ہم سب سے بہتر جاننے والا اللہ ہے" — عثمان غنیؓ نے اپنی رائے ان الفاظ میں دی — "میری رائے یہ ہے کہ ان کا باطن ان کے ظاہر سے کہیں بہتر ہے اور ہم میں اُن جیسا کوئی نہیں۔"

اس کے بعد ابو بکرؓ نے سعید بن زیدؓ، اُسید بن حضیر اور کئی اور مہاجرین اور انصار سے عمرؓ کے متعلق پوچھا اور اُنھیں یہ بھی بتایا کہ وہ عمرؓ کو اپنا جانشین نامزد کر رہے ہیں۔

"میرا فیصلہ کس حد تک صحیح ہے؟" — انھوں نے ان لوگوں سے پوچھا۔

ان سب نے فرداً فرداً جو آراء دیں وہ تقریباً ایک جیسی تھیں جن کا لُبِ لُباب یہ تھا کہ عمرؓ کا مزاج اتنا سخت اور درشت ہے کہ وہ خلیفہ بن گئے تو مسلمانوں میں انتشار اور افتراق کا خطرہ پیدا ہو جائے گا۔ تاریخ کے مطابق طلحہؓ ان سب کی نمائندگی میں ابو بکرؓ کے پاس گئے تھے۔

"خلیفۃ الرسولؐ!" — طلحہؓ نے ابو بکرؓ سے کہا — "جب اللہ آپ سے یہ پوچھے گا کہ رعیت کو کس حال میں کس کے حوالے کر آئے ہو تو آپ کیا جواب دیں گے؟ عمرؓ کو آپ اپنا جانشین

مقرر کر رہے ہیں۔ کیا آپ نے کبھی دیکھا نہیں کہ وہ لوگوں کے ساتھ کیسا سلوک کرتا ہے؟ سوچ لیں جب قوم کو عمرؓ کے ساتھ براہِ راست واسطہ پڑے گا تو اللہ آپ سے جواب مانگے گا۔"

ابو بکرؓ کی عمر باسٹھ برس سے اُوپر ہو گئی تھی اور وہ علیل تھے۔ قریب المرگ تھے۔ اُن کے جسم میں اتنی سکت نہیں رہی تھی کہ اپنی طاقت سے اُٹھ کر بیٹھ جاتے۔ مورخ لکھتے ہیں کہ ابو بکرؓ طلحہؓ کی رائے سُن کر غصّے سے کانپنے لگے حالانکہ اُن کے مزاج میں غصّہ نہ ہونے کے برابر تھا۔ اتنا شدید غصّہ آجانا ثبوت تھا کہ وہ عمرؓ کو ہی مدبّر اور دانشمند سمجھتے ہیں۔

"مجھے بٹھاؤ" — ابو بکرؓ نے غصّے میں کہا۔

اُن کے ایک عزیز نے اُنھیں سہارا دے کر بٹھایا۔

"کیا تم مجھے اللہ سے ڈراتے ہو؟" — ابو بکرؓ نے غصّے سے کانپتی ہوئی آواز میں کہا — "مَیں نامراد ہو کر مروں اگر مَیں تم پر ایک ظالم کو مسلط کر کے جاؤں اور یہی میرا توشۂ آخرت ہو .... مَیں اللہ سے کہوں گا — اے اللہ! مَیں تیرے بندوں پر اُس شخص کو اپنا جانشین مقرر کر آیا ہوں جو تیرے رسولؐ کی اُمت میں سب سے بہتر تھا۔"

ابو بکرؓ کی آواز نقاہت کی وجہ سے بہت نحیف تھی جو صرف قریب بیٹھے ہوئے ایک دو آدمی ہی سُن سکتے تھے۔

"اور میری بات سنو طلحہؓ!" — ابو بکرؓ نے طلحہؓ کو اپنے قریب کر کے کہا — "جو بات مَیں نے کہی ہے وہ اپنے پیچھے بیٹھے ہوئے آدمیوں کو بھی سُنا دو۔"

طلحہ نے خلیفہ کے حکم کی تعمیل کی اور ابو بکرؓ پھر لیٹ گئے۔

٭

مستند تاریخوں میں آیا ہے کہ ابو بکرؓ اُس رات سو نہ سکے۔ یہ صورتِ حال اُنھیں پریشان کر رہی تھی کہ اُمتِ رسولؐ میں عمرؓ کی خلافت پر اختلاف پایا جاتا ہے۔ علی الصبح عبدالرحمٰن بن عوفؓ ان کی عیادت کو آئے تو گھر والوں نے اُنھیں بتایا کہ ابو بکرؓ نے رات آنکھوں میں کاٹ دی ہے۔

"خلیفۃ الرسُولؐ!" — عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے پوچھا — "رات سو نہ سکنے کا باعث کیا تھا؟"

"طلحہؓ اور دوسرے لوگوں کی باتوں نے مجھے بہت دُکھ دیا ہے" — ابو بکرؓ نے کہا — "مَیں نے اپنی عقل و دانش کے مطابق خلافت کی ذمہ داری اُس شخص کو سونپنی چاہی تھی جو تم سب میں ہر لحاظ سے بہتر ہے اور تم لوگ میرے اس فیصلے کو قبول نہیں کر رہے۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ یہ نازک ذمہ داری کسی اور کے سپرد کر دوں، یہ جانتے ہوئے کہ اُس سے بہتر آدمی موجود نہیں۔"

"اللہ آپ پر رحم کرے خلیفۃ الرسولؐ!" — عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے کہا — "اپنے دل پر

اس طرح بوجھ نہ ڈالیں۔ اس سے تو آپ کی بیماری اور بڑھے گی۔ مَیں جانتا ہوں کہ رائے دینے والے لوگ دو فریقوں میں بٹ گئے ہیں۔ ایک گروہ وہ ہے جو آپ کے فیصلے کو دل وجان سے قبول کرتا ہے اور وہ آپ کا ہی ساتھ دے گا۔ دوسرا گروہ وہ ہے جو آپ کی رائے سے اختلاف رکھتا ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ اس دوسرے فریق کی قیادت وہ شخص کر رہا ہے جو آپ کا مشیر ہے اور آپ کا دوست بھی ہے۔ ہم سب کو پورا پورا اعتماد ہے کہ آپ کا فیصلہ نیک نیّتی پر مبنی ہے اور آپ کا مقصود اُمت کی فلاح وبہبود اور اصلاح وہدایت کے سوا کچھ نہیں۔"

ابوبکرؓ کے لئے ایک عجیب صورتِ حال پیدا ہو گئی تھی۔ وہ اپنا فیصلہ ٹھونس بھی سکتے تھے، لیکن ان کی نظر اُس وقت پر تھی جس کا آغاز اُن کی وفات کے بعد ہونا تھا۔ اُنھوں نے عام لوگوں سے مشورہ لینے کا فیصلہ کر لیا۔ اُن کا مکان مسجد سے ملحق تھا۔ اتنی نقاہت کے باوجود با لاخانے پر گئے جس کی ایک کھڑکی مسجد کی طرف کھُلتی تھی۔ مسجد میں نمازی ظہر کی نماز کے بعد موجود رہے۔ اُنہیں بتا دیا گیا تھا کہ خلیفہ اُن کے ساتھ کوئی بات کرنا چاہتے ہیں۔ نماز کے بعد ابوبکرؓ کھڑکی کے سامنے آئے۔ لوگوں نے اُوپر دیکھا۔

"کیا تم اُس شخص کو پسند کرو گے جس کو میں جانشین مقرر کروں گا؟" — ابوبکرؓ نے پوچھا۔

"ہم وہ پسند کریں گے جو آپ کریں گے" — نمازیوں میں سے کئی ایک کی آوازیں سُنائی دیں۔

"خدا کی قسم!" — ابوبکرؓ نے کہا — "مَیں نے بہت ہی غور وفکر کے بعد یہ فیصلہ کیا ہے کہ میرے بعد خلافت کی ذمّہ داری عمر بن الخطابؓ سنبھالے گا۔ مَیں نے یہ عظیم منصب اپنے کسی قریبی رشتہ دار کو نہیں دیا .... مَیں جو کہہ رہا ہوں، وہ غور سے سُنو اور اس فیصلے کو قبول کرو کہ میرا جانشین عمرؓ بن الخطاب ہوگا۔"

تقریباً تمام آدمیوں کی آواز سنائی دی — "ہم نے خلیفۃ الرسولؐ کا کہنا سُن لیا اور مان لیا ہے۔"

ابوبکرؓ کی بوڑھی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اُنھوں نے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھائے۔

"اے اللہ!" — ابوبکرؓ نے لرزتی کانپتی آواز میں کہا — "مَیں نے عمرؓ کا انتخاب تیرے رسولؐ کی اُمت کی بہتری کے لئے کیا ہے اور اس اندیشے سے کہ ان میں اختلاف کے باعث فساد نہ ہو جائے، مَیں نے تیری ذات پر اعتماد کرتے ہوئے فیصلہ کیا ہے اور اے اللہ! دلوں کا حال تُو ہی بہتر جانتا ہے۔ مَیں نے ایک طاقتور شخص کو جانشین مقرر کیا ہے اور جو سخت مزاج اس لئے ہے کہ وہ صداقت پسند اور راست رو ہے اور مسلمانوں کی راست روی کا خواہش مند ہے۔"

مورّخ لکھتے ہیں کہ ابوبکرؓ کی یہ دُعا سُن کر مسجد میں جو لوگ دل میں اختلاف لئے چُپ بیٹھے

تھے وہ بھی پکار اُٹھے کہ ہمیں عمرؓ کی خلافت قبول ہے۔

کھڑکی میں کھڑے ابوبکرؓ کا جسم ڈول رہا تھا۔ اُنہیں سہارا دے کر نیچے لے گئے۔ ان میں تو اب بولنے کی سکت بھی نہیں رہی تھی، لیکن بستر پر جاتے ہی اُنھوں نے کہا کہ عمرؓ کو بلاؤ۔

عمرؓ آ گئے۔

"عمرؓ!" — ابوبکرؓ نے کہا — "کیا تم نے میری وصیت سُن لی ہے؟"

"سُن لی ہے خلیفۃ الرسولؐ!" — عمرؓ نے کہا — "مَیں اس قابل تو نہ تھا...."

"لیکن یہ میرا انتخاب اور میرا فیصلہ ہے عمرؓ!" — ابوبکرؓ نے جھنجلا کر کہا — "لوگ تمہارے حق میں بھی ہیں اور لوگ تمہارے خلاف بھی ہیں لیکن مَیں نے اللہ کی رہنمائی حاصل کر کے یہ ذمّہ داری تمہارے کندھوں پر رکھی ہے۔ اب مَیں اس کے خلاف کوئی دوسری بات سُننے کے لئے تیار نہیں۔"

"مجھے آپ کا فیصلہ قبول ہے" — عمرؓ نے کہا۔

اُمت پر یہ دن بڑی مشکل کے دن تھے۔ اُدھر عراق اور شام میں رُومیوں کے خلاف جنگ جاری تھی جس میں مسلمانوں کی پوزیشن کچھ کمزور ہو گئی تھی۔ صورتِ حال پسپائی والی نظر آ رہی تھی۔ ابوبکرؓ نے خالد بن ولیدؓ کو عراق کے محاذ سے ہٹا کر شام کے محاذ پر بھیج دیا تھا پھر بھی کوئی اچھی خبر سُننے میں نہیں آ رہی تھی۔ خالد بن ولیدؓ کے چلے جانے سے عراق کا محاذ کمزور پڑ گیا تھا۔ خلیفۃ الرسولؐ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ ان محاذوں سے اپنے لشکر واپس بلا لئے جائیں یا ذرا پیچھے ہٹا لئے جائیں۔

"عمرؓ!" — ابوبکرؓ نے کہا — "لگتا ہے جیسے مَیں آج ہی دُنیا سے رخصت ہو جاؤں گا۔ مَیں جو کہتا ہوں اُسے غور سے سُنو اور میرے بعد اس پر عمل کرنا۔ اگر مَیں آج ہی مر جاؤں تو غروبِ آفتاب سے پہلے پہلے مثنیٰ بن حارثہ کو کچھ لشکر دے کر عراق اور شام کے محاذ کو بھجوا دینا اور اگر رات ہو جائے تو صبح پہلا کام یہی کرنا کہ مثنیٰ کو روانہ کر دینا اور اگر شام کے محاذ پر خالدؓ کو فتح حاصل ہو جائے تو اُسے واپس عراق کے محاذ پہ بھیج دینا۔"

ابوبکرؓ نے عمرؓ کو اور بھی بہت سی ہدایات دیں جو عمرؓ خاموشی سے سُنتے رہے۔ عمرؓ کے ذہن پر دراصل بوجھ یہ تھا کہ خلافت کی ذمّہ داری بہت بڑی ذمّہ داری تھی اور اُنھوں نے خود کبھی بھی اس کی خواہش نہیں کی تھی۔

اُسی شام خلیفۂ اوّل ابوبکر صدیقؓ رحلت فرما گئے۔

رات کی تاریکی گہری ہو چکی تھی جب میت کو آخری غسل دیا گیا۔ جس تختے پر رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کا جسدِ مبارک مسجدِ نبویؐ میں لے جایا گیا تھا، اُسی تختے پر ابو بکرؓ کی میت مسجدِ نبویؐ میں لے جائی گئی اور اُنہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پہلو میں دفن کیا گیا۔

⁂

تاریخوں کے مطابق عمرؓ نے ساری رات سوچوں اور خیالوں سے اُلجھتے گزار دی۔ ایک اضطراب تو یہ تھا کہ صبح لوگ بیعت کے لئے آئیں گے تو کیا تمام لوگ بیعت کر لیں گے؟

صبح عمرؓ مسجدِ نبویؐ میں گئے۔ یہ دیکھ کر کہ لوگ بیعت کے لئے ہجوم کر کے آ گئے ہیں، اُن کا گزشتہ رات والا اضطراب ختم ہو گیا۔ بیعت میں ممکنہ اختلافات کا خطرہ عمرؓ یہ محسوس نہیں کر رہے تھے کہ وہ خلیفہ بنیں گے یا نہیں بلکہ اصل اندیشہ جو اُنہیں پریشان کر رہا تھا، وہ یہ تھا کہ یہ اختلاف پھیل گیا تو اُمت میں انتشار اور افتراق پیدا ہو جائے گا جو اسلام کے نہ صرف فروغ کے لئے نقصان دہ ہو گا بلکہ اسلام کی بقا بھی خطرے میں پڑ جائے گی۔

لوگ جوق در جوق آگے بڑھے اور عمرؓ کے ہاتھ پر بیعت کرنے لگے۔ ظہر کی نماز تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ ظہر کی اذان ہوئی۔ عمرؓ نے امامت کے فرائض ادا کئے۔ نماز کے بعد عمرؓ منبر پر کھڑے ہوئے۔ وہ منبر کی اُس سیڑھی پر کھڑے تھے جس پر کھڑے ہو کر ابو بکرؓ خطبہ دیا کرتے تھے۔ لوگوں نے دیکھا کہ عمرؓ اس سیڑھی سے ایک سیڑھی نیچے آ گئے۔ اس پر کھڑے ہو کر پہلے اللہ کی حمد و ثنا میں چند کلمات کہے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجا پھر ابو بکرؓ مرحوم کی خوبیاں اور اُن کے کارنامے بیان کئے اور اس کے بعد خطبہ شروع کیا۔ یہ خطبہ آج تک تاریخ کے دامن میں لفظ بلفظ محفوظ ہے:

"اے لوگو! مَیں تم ہی میں سے ہوں۔ تم جیسا ہی ایک انسان ہوں۔ اگر مجھ میں خلیفۃ الرسولؐ کی حکم عدولی کی جرأت ہوتی تو مَیں یہ ذمّہ داری کبھی قبول نہ کرتا۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ لوگ میرے مزاج کی سختی سے ڈرتے ہیں اور میری درشتی کی وجہ سے مجھے پسند نہیں کرتے۔ کچھ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ عمرؓ اُس وقت بھی ہم پر سختی کرتا رہا ہے جب ہمارے سروں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سایہ موجود تھا اور پھر وہ اُس وقت بھی ہم پر سختی کرتا رہا جب ہمارے اور اُس کے درمیان ابو بکرؓ حائل تھے۔ لوگ کہتے ہیں کہ اب کیا ہو گا جب کہ ہمارے معاملات اُسی کے ہاتھ میں ہیں.... جو کوئی بھی یہ کہتا ہے، وہ ٹھیک کہتا ہے۔ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مصاحبت کا شرف حاصل ہے۔ مَیں رسول اللہؐ کا غلام اور ایک ادنیٰ نوکر تھا۔ آپؐ کی نرمی اور رحمدلی میں آپؐ کا کوئی ثانی نہ تھا۔

آپؐ اللہ کے فرمان کے مطابق مومنین کے لئے راحت اور رحمت کا سرچشمہ تھے۔ بارگاہِ رسالت میں میری حیثیت ایک برہنہ شمشیر کی سی تھی۔ جب رسول اللہؐ چاہتے مجھے نیام میں ڈال لیتے اور جب چاہتے مجھے بے نیام کر دیتے۔ مَیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں اسی حیثیت میں رہا، اُس دن تک جس دن اللہ نے آپؐ کو یاد فرمایا اور اپنے ہاں بُلا لیا.... آنحضورؐ آخر وقت تک مجھ سے خوش اور مطمئن رہے۔ مَیں اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتا ہوں کہ آنحضورؐ مجھ سے خوش رہے اور یہ ایسی سعادت ہے جس پر مَیں ساری عمر فخر کرتا رہوں گا....

"آنحضورؐ کے وصال کے بعد آپؐ کی خلافت ابو بکر صدیقؓ کے سپرد ہوئی۔ کیا کوئی ابو بکرؓ کے تحمل، نرمی اور کرم نوازی سے انکار کر سکتا ہے؟ مَیں ابو بکرؓ کا بھی خادم اور معاون رہا۔ مَیں اپنی سختی کو ابو بکرؓ کی نرم مزاجی میں جذب کر دیا کرتا تھا۔ مَیں ایک برہنہ تلوار تھا جسے ابو بکرؓ نیام میں ڈال لیتے تھے یا کسی بہت ہی ضروری کام کے لئے مجھے نیام سے نکال کر استعمال کرتے تھے۔ میں اس حیثیت میں پوری فرمانبرداری سے اُن کے ساتھ رہا تھا یہاں تک کہ وہ بھی ہم سے جدا ہو گئے اور مَیں اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتا ہوں کہ ابو بکر صدیقؓ آخر وقت تک مجھ سے خوش اور مطمئن رہے اور اس سعادت پر بھی مَیں فخر کرتا ہوں....

"اور اب اے لوگو! تمہارے معاملات اور دیگر تمام احوال کی ذمّہ داری میرے کندھوں پر رکھ دی گئی ہے۔ مَیں تمہیں یہ باور کرانا چاہوں گا کہ میرے مزاج کی وہ سختی جس سے تم نالاں تھے، اب نرمی میں بدل گئی ہے، لیکن یہ بھی سُن لو کہ اُن لوگوں کے لئے میرے مزاج کی سختی قائم رہے گی جو مسلمانوں پر ظلم اور زیادتی کرتے ہیں۔ جہاں تک اُن لوگوں کا تعلق ہے جو امن و امان سے رہتے اور جرأتِ ایمانی رکھتے ہیں، ان کے لئے مَیں بہت زیادہ نرم ہوں گا، اور اگر کوئی کسی پر ظلم کرے گا تو مَیں اُس وقت تک اُسے نہیں چھوڑوں گا جب تک اُس کا ایک رخسار زمین پر نہ لگا دوں اور دوسرے رخسار پر اپنا پاؤں نہ رکھ دوں تاآنکہ وہ حق کے آگے ہتھیار ڈال دے، لیکن اس قدر سختی کے باوجود اہلِ عفاف اور اہلِ کفاف کے لئے میں اپنا رخسار خود زمین پر رکھ دوں گا....

"اے لوگو! مجھ پر جو تمہارے حقوق ہیں وہ مجھ سے لو۔ مَیں یہ حقوق بیان کر دیتا ہوں....

"مجھ پر تمہارا ایک حق یہ ہے کہ تمہارے خراج اور اُس غنیمت میں سے جو اللہ تمہیں عطا کرے، میں کوئی چیز ناحق نہ لوں۔ مجھ پر تمہارا یہ حق ہے کہ جب تم میں سے کوئی میرے پاس آئے تو مجھ سے اپنا حق وصول کر کے جائے۔ مجھ پر تمہارا یہ حق ہے کہ تمہارے عطیات اور وظائف میں اضافہ کروں اور تمہاری سرحدوں کو اتنا مستحکم کروں کہ دین کے دشمن ادھر کا رُخ نہ کر سکیں، اور مجھ پر تمہارا یہ حق ہے کہ تمہیں ہلاکت میں نہ ڈالوں اور محاذ سے تمہیں گھر واپس آنے سے نہ روکے رکھوں اور جب تم کسی محاذ پر لڑنے کے لئے جاؤ تو ایک باپ کی طرح تمہارے اہل وعیال کی دیکھ بھال کروں....

"اے اللہ کے بندو! اللہ سے ڈرو۔ میرے ساتھ عفو و درگزر کا رویہ اختیار کرو اور میرے ساتھ تعاون کرو۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں میری مدد کرو اور تمہاری جو خدمات اللہ نے میرے سپرد کی ہیں، ان کے متعلق مجھے نصیحت کرو۔ میں تم سے یہ بات کہہ رہا ہوں اور اپنے اور تمہارے لئے اللہ سے مغفرت طلب کر رہا ہوں۔"

ایک روایت یہ بھی ہے کہ عمرؓ نے یہ خطبہ نماز سے پہلے دیا تھا اور اس کے بعد نماز پڑھائی تھی۔ بہرحال لوگوں کے دلوں میں عمرؓ کی مزاجی سختی اور درشتی کا جو خوف سا بیٹھا ہوا تھا، وہ بالکل اُتر گیا۔ مستند مورخ لکھتے ہیں کہ عمرؓ تو خطبے کے بعد مسجد سے چلے گئے، لیکن لوگ مسجد میں بیٹھے یا باہر کھڑے اُن کے خطبے پر تبادلۂ خیالات کرتے رہے۔ زیادہ تر یہ بات سُنائی دی کہ عمرؓ کا ظاہر اور باطن ایک ہے اور عمرؓ سختی اور درشتی کے باوجود انصاف پسند انسان ہے۔

*

نخلستان میں مُوسیٰ اپنے گروہ کے سردار اُبوسلمیٰ اور دیگر ساتھیوں کو ابوبکرؓ کی وفات اور عمرؓ کی خلافت کی تفصیل سُنا رہا تھا۔ پھر سب کھانے میں مصروف ہو گئے۔

"اب یہ بتاؤ موسیٰ!" — ابوسلمیٰ نے کھانے کے بعد مُوسیٰ سے پوچھا — "تم دو دن وہاں گزار کر آئے ہو۔ وہاں تم نے لوگوں کا ردِ عمل اور رویہ دیکھا ہو گا۔"

"ہاں اُبوسلمیٰ!" — مُوسیٰ نے کہا — "میں نے یہ تفصیل سنائی ہی تھی۔ اس میں سب سے زیادہ ضروری عمرؓ کا خُطبہ ہے جو اُس نے مسجد میں دیا تھا۔ میں خود مسجد میں موجود تھا۔"

مُوسیٰ نے عمرؓ کا خُطبہ لفظ بلفظ سُنایا۔

"اور اس کے مخالفین نے بعد میں کچھ کہا تھا؟" — اُبوسلمیٰ نے پوچھا — "کچھ کیا تھا؟"

"میں نے تو یہ دیکھا ہے کہ جو عمرؓ کی خلافت کے حق میں نہیں تھے، وہ بھی اُس کے ہاتھ پر بیعت کر چکے ہیں" — مُوسیٰ نے جواب دیا — "میں تمہیں یہ بھی بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ عمرؓ کی شخصیت میں ایسا رُعب اور جلال ہے کہ اُس کی زبان سے نکلا ہُوا ہر لفظ اُس کے دُشمن کے دل میں بھی اُتر جاتا ہے اور وہ اُس کی بات کو قبول کر لیتا ہے.... میں رات تک لوگوں میں گھومتا پھرتا رہا اور اپنی رائے اس طرح لوگوں پر ظاہر کرتا رہا کہ کسی کے ساتھ مخالفانہ بات کی اور کسی کے ساتھ عمرؓ کے حق میں۔ میں نے دیکھا کہ جو اُس کے مخالف تھے وہ اگر اب بھی مخالف ہیں تو بھی اُنہوں نے اُس کے ہاتھ پر بیعت کر لی ہے اور دل کی گہرائیوں سے اُسے خلیفہ مان لیا ہے.... ایک صورتِ حال ایسی ہے جس سے ہم کچھ فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ عراق اور شام کے محاذوں پر مسلمانوں کے لشکر کچھ کمزور پڑ گئے ہیں اور مدینہ میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو فارسیوں کی جنگی قوت سے خائف ہیں۔"

"ہاں" — اسحٰق نے کہا — "محاذوں کی اس صورتِ حال سے ہم یہ فائدہ اُٹھا سکتے ہیں کہ مدینہ اور گردونواح کے لوگوں میں فارسیوں کا خوف پیدا کریں۔ اس سے یہ فائدہ ہو گا کہ لوگ محاذ پر جانے سے ہچکچائیں گے۔ یہ تو تم سب کو معلوم ہے کہ مسلمانوں کی کوئی باقاعدہ فوج نہیں نہ ان کے پاس تنخواہ دار سپاہی ہیں۔ یہ تو جہاد کا اعلان کرتے ہیں اور مسلمان جوق در جوق جہاد کو فرض سمجھتے ہوئے اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ آگے ان سالاروں کی عسکری فہم و فراست ہے کہ وہ ان لوگوں کو فوراً ایک باقاعدہ فوج کی صورت میں منظم کر لیتے ہیں اور ایسے طریقے سے لڑاتے ہیں کہ فتح ان کے قدموں میں آ گرتی ہے۔ ہم لوگوں کو جہاد سے ہٹا سکتے ہیں۔"

"ناممکن" — ایک نصرانی بولا — "جہاد کو یہ لوگ مذہبی فریضہ سمجھتے ہیں۔"

"ہمیں ناممکن کو ممکن کر دکھانا ہے" — اُبوسلمیٰ نے کہا — "میں پہلے کہہ چکا ہوں اور بار بار کہہ چکا ہوں کہ کام کوئی بھی آسان نہیں ہوتا۔ اسے آسان بنایا جاتا ہے۔ ہم نے مسلمانوں کے خلاف لڑائی نہیں لڑنی۔ ہم نے ایک ایسی تلوار سے ان کے عقیدے کو کاٹنا ہے جو نظر نہیں آتی" — اُبوسلمیٰ نے ابنِ داؤد سے پوچھا — "حبیب بنتِ یامین کو کب مدینہ لے جا رہا ہے؟"

"کل یا پرسوں۔"

"تم کل صبح روانہ ہو جاؤ" — اُبوسلمیٰ نے ابنِ داؤد سے کہا — "مدینہ پہنچو اور ان دونوں کا انتظار کرو۔ وہ پہنچ جائیں تو ان کے ساتھ رہو۔ حبیب بھی عمرؓ کے ہاتھ پر بیعت کرے گا۔ تم بھی اس کے ساتھ رہنا۔ آگے تمہیں معلوم ہے کیا کرنا ہے۔ ہمارا تمہارے ساتھ رابطہ رہے گا۔"

حبیب ابنِ کعب

اپنی نئی بیوی، بنت یامین کو ساتھ لے کر مدینہ چلا گیا۔ وہاں اُس کا اپنا مکان تھا۔ اس مکان سے پتہ چلتا تھا کہ وہ صاحبِ حیثیت ہے۔ وہ وہاں پہنچا ہی تھا کہ ابنِ داؤد بھی آ گیا۔

"میں تمہارے پاس زیادہ دن نہیں ٹھہروں گا ابنِ کعب!" — ابنِ داؤد نے حبیب سے کہا — "میں اپنی بیٹی کو دیکھنے آیا ہوں۔ تم نے مجھ غریب پر جو کرم کیا ہے وہ میں ساری عمر نہیں بھول سکوں گا اور میں اس کا صلہ دینے کے بھی قابل نہیں۔"

"اور میں نے اگر کرم ہی کیا ہے تو میں نے صلے کی توقع پر نہیں کیا" — حبیب نے کہا — "تم مجھے صلہ دے چکے ہو۔ بنت یامین سے زیادہ قیمتی اور صلہ کیا ہو گا.... اور میں امید رکھوں گا کہ یہ میرے ساتھ وفاداری کرے گی۔"

"میرے باپ نے اپنی بیٹی آپ کے حوالے کی ہے" — پاس بیٹھی ہوئی بنت یامین نے حبیب سے کہا — "اور میں اپنے جسم کے ساتھ اپنی روح بھی آپ کے حوالے کر چکی ہوں۔ میری وفا کو آپ گھر کی چار دیواری میں نہیں آزما سکیں گے۔ اگر آپ کبھی جہاد پہ گئے تو میں آپ کے ساتھ چلوں گی۔ میری وفا میدانِ جنگ میں دیکھنا۔"

حبیب ابنِ کعب ہنس پڑا۔ اس ہنسی میں پیار موجزن تھا۔

"اس کی یہ بات ہنسی میں نہ ٹالو ابنِ کعب!" — ابنِ داؤد نے کہا — "اسے جہاد میں شریک ہونے کا بہت ہی شوق ہے۔ میں نے محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے چار پانچ چاند پہلے اسلام قبول کر لیا تھا اور میرا سارا قبیلہ میرا دشمن ہو گیا تھا۔ میں نے تمہیں یہ بات پوری نہیں سنائی تھی۔ صرف اس بیٹی نے میرا ساتھ دیا اور اسلام قبول کر لیا تھا۔ میرے بیٹے بھی میرے دشمن ہو گئے اور میری بیوی بھی مجھ سے الگ ہو گئی۔ قبیلے والوں نے مجھے بہت مارا پیٹا۔ میں اس بیٹی کو ساتھ لے کر اپنے اُس دوست کے پاس چلا گیا جس نے مجھے تمہارے پاس بھیجا تھا۔ وہ یہودی ہے لیکن اُس نے میرے ساتھ دوستی نبھائی۔ اُس نے کہا تھا کہ مذہب اپنا اپنا لیکن مذہب دوستی اور محبت کے راستے کی رکاوٹ نہیں بن سکتا....

"میری یہ بیٹی بنت یامین تو دل سے مجھ سے پہلے اسلام قبول کر چکی تھی۔ اسے محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے کا بہت شوق تھا۔ میں اسے تین بار آنحضورؐ کی زیارت کے لیے مدینہ لایا تھا۔ یہ کہتی تھی کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے لیے یہیں رہنے دو۔ تم جانتے ہو ابنِ کعب! ہمارے رسولؐ اللہ میری بیٹی کی یہ خواہش کبھی قبول نہ کرتے۔ آپؐ کسی کی خدمت کو قبول نہیں کیا کرتے تھے۔ میں نے اسے کہا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بہترین خدمت یہ ہے کہ آپؐ کے بتائے ہوئے راستے پر چلو....

"آہ ابنِ کعب! میں اپنی اس بیٹی کی کون کون سی خوبی بیان کروں۔ میں نے اسے کہا کہ اپنے رسولؐ کے بتائے ہوئے راستے پر چلو تو اس نے کہا کہ پھر مجھے شہسوار بنا دو۔ مجھے برچھی بازی، نیزہ بازی، تیغ زنی اور تیر اندازی سکھاؤ۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بتایا ہوا بہترین راستہ جہاد ہے۔ میں کفر کے خاتمے کے لیے لڑوں گی اور میں شادی کرنے کی بجائے اپنی زندگی جہاد کے لیے وقف کر دوں گی۔ میں اپنے دوست کے گھر پناہ لیے ہوئے تھا۔ میں اسے شہسواری کیسے سکھاتا؟"

"وہ میں سکھا دوں گا" — حبیب نے کہا — "اور ابنِ داؤد! اپنے آپ کو تنہا، مجبور اور دوسروں کا محتاج سمجھنا چھوڑ دو۔ میں تمہارے روزگار کا بندوبست کر دوں گا۔"

"خدا کی قسم، تم اللہ کے نیک بندوں میں سے ہو ابنِ کعب!" — ابنِ داؤد نے کہا — "لیکن میرے یہودی دوست نے میرے لیے ذریعۂ معاش کا بندوبست کر دیا ہے۔ اب میں نہ اُس پر بوجھ بنوں گا نہ تم پر۔ میں اپنی کھوئی ہوئی حیثیت حاصل کر لوں گا۔"

"میں ایک بات کہوں گا ابنِ داؤد!" — حبیب نے کہا — "اگر تم ایک یہودی کا احسان نہ لیتے تو اچھا تھا۔ کوئی بھی یہودی بہت اچھا آدمی ہو سکتا ہے لیکن وہ مسلمان کے لیے اچھا دوست نہیں ہو سکتا۔ یہودی مسلمان کا دوست ہو ہی نہیں سکتا۔"

"ایسی بات نہ کہو ابنِ کعب!" — ابنِ داؤد نے کہا — "جس نے اسلام کی خاطر اپنا قبیلہ، اپنا گھر، اپنی بیوی اور اپنے چار بیٹے قربان کر دیئے ہیں وہ ایک یہودی کی دوستی تو آسانی سے قربان کر سکتا ہے۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں یہودی کی ذہنیت سے واقف نہیں؟ میں جہاں دیکھوں گا کہ یہودیوں کے ہاتھوں اسلام کو نقصان پہنچ رہا ہے تو اپنے یہودی دوست کے سب احسان بھول کر اسلام کو نقصان سے بچاؤں گا۔"

"تم شاید نہیں جانتے ابنِ داؤد!" — حبیب نے کہا — "یہودیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کی بھی کوشش کی ہے اور وہ بھی اس صورتِ حال میں کہ رسولؐ اللہ نے

یہودیوں کے ساتھ معاہدے کر کے انہیں اپنے ساتھ رکھنے کا فیصلہ کیا تھا۔ تم نے اسلام قبول کیا ہے تو میں چاہتا ہوں کہ تمہیں یہودیوں کے متعلق بتا دوں کہ وہ اسلام کے کتنے خطرناک دشمن ہیں۔"

"یہ تو میں ضرور سننا چاہوں گا" — ابن داؤد نے کہا — "میں مدینہ سے دُور کا رہنے والا ہوں، بہت سی باتوں سے بے خبر ہوں۔"

"مدینہ میں یہودیوں کے کچھ قبیلے آباد تھے" — حبیب ابنِ کعب نے کہا — "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جانتے ہوئے کہ یہودی فتنہ پرداز قوم ہے اور یہ قوم مسلمانوں کی بدترین دشمن ہے، یہودیوں کے ساتھ صلح کا معاہدہ کیا اور انہیں دوستوں کی طرح اپنے ساتھ رکھا لیکن انہوں نے غزوۂ بدر کے بعد معاہدے کی خلاف ورزی کی۔ اُس وقت مدینہ کے اندر اور خصوصاً مضافات میں یہودیوں کی اجارہ داری تھی اور ان کی آبادی بھی زیادہ تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ یہ معاہدہ کیا کہ مدینہ پر کوئی دشمن حملہ کرے گا تو یہودی مسلمانوں کی مدد کریں گے اور دشمن کی مدد نہیں کریں گے۔ اس کے عوض مسلمان یہودیوں کا ہر طرح خیال رکھیں گے اور ان کے ساتھ تعاون کریں گے....

'پھر جانتے ہو کیا ہوا ابن داؤد؟ یہودیوں نے درپردہ قریشِ مکہ سے رابطہ قائم کر لیا۔ یہودیوں کے یہ الفاظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کانوں میں پڑے — 'قبیلہ لڑنا جانتا ہی نہیں۔ مسلمان ہم سے لڑتے تو ہم انہیں دکھاتے کہ لڑائی کس طرح لڑی جاتی ہے' — اس کے ساتھ ہی یہودیوں نے اسلام کے خلاف محاذ بنا لیا۔ ماہ شوال ۲ ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ یہودیوں نے صلح کا معاہدہ توڑ ڈالا ہے تو آپؐ نے یہودیوں کے خلاف جنگی کارروائی کر کے انہیں مدینہ سے نکال دیا۔ یہودیوں کا یہ قبیلہ بنو قینقاع تھا....

"یہودیوں کا دوسرا قبیلہ بنو نضیر تھا۔ چونکہ اس قبیلے نے معاہدے کا کچھ پاس کیا تھا اس لیے اسے مدینہ میں ہی رہنے دیا گیا۔ دو سال بعد ۴ ہجری میں اس قبیلے کی ذہنیت بھی بے نقاب ہو گئی۔ کوئی ایسا معاملہ یا مسئلہ سامنے آ گیا جس کے متعلق گفت و شنید کی ضرورت پیش آئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو ساتھ لے کر یہودیوں کے سربراہ کے ہاں گئے۔ آپؐ اس سربراہ کے ٹھکانے کے قریب پہنچے ہی تھے کہ کسی نے آپؐ کو روک لیا اور ایک مکان کی چھت کی طرف اشارہ کیا....

"وہ ایک یہودی کا مکان تھا۔ اس کی چھت پر ایک یہودی جس کا نام عمرو بن حجاش تھا، چھپا ہوا تھا۔ اُس کے پاس ایک وزنی سل پڑی ہوئی تھی۔ اُسے یہودیوں نے یہ کام سونپا تھا کہ جب محمدؐ اس مکان کے قریب سے گزریں تو آپؐ کے سر پر سل گرا دے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سازش

کی اطلاع ملی تو آپؐ وہیں سے واپس آ گئے اور یہودیوں کو پیغام بھیجا کہ وہ مدینے سے نکل جائیں۔ بنو نضیر نے نکلنے کی بجائے لڑنے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے بنو نضیر کو تیاریوں کی حالت میں پکڑا گیا اور یہودی مدینے سے نکالے گئے....

"ان میں کچھ تو شام چلے گئے اور زیادہ تر خیبر میں جا آباد ہوئے۔ تم نے شاید ان کے سرداروں کے نام سنے ہوں گے۔ سلام بن ابی الحقیق، کنانہ بن الربیع اور حیی بن اخطب مشہور یہودی سربراہ تھے۔ یہ خیبر میں آباد ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے انتقام لینے کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔ یہودی سازش کے ماہر ہیں۔ اُنہوں نے مکہ جا کر قبیلہ قریش کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکایا اور وہ دوسرے علاقوں میں بھی گئے اور لوگوں کو مسلمانوں سے یوں خوفزدہ کیا کہ مسلمانوں کو مدینے میں ہی ختم نہ کیا گیا تو یہ سب کو ختم کر دیں گے....

"تم شاید نہیں جانتے ابن داؤد! یہودی کا دماغ سازش کے سوا اور کچھ سوچ ہی نہیں سکتا۔ یہ ایسے پُراثر الفاظ اور انداز سے لوگوں کو اکساتے اور مشتعل کرتے ہیں کہ ہر کوئی یہودی کی بات کو اپنے دل کی آواز سمجھنے لگتا ہے۔ اُنہوں نے قبیلہ قریش اور دوسرے قبیلوں کے سامنے اپنی مثال پیش کی کہ یہودی پشت در پشت مدینہ میں رہتے چلے آ رہے تھے۔ تم دیکھ رہے ہو کہ انہوں نے یہودیوں کو گھر سے بے گھر اور وطن سے جلاوطن کر دیا ہے اور مدینہ میں وہی چند ایک یہودی رہ گئے ہیں جنہوں نے مسلمانوں کی غلامی قبول کر لی ہے۔"

"ہاں ابنِ کعب!" — ابن داؤد نے معصومیت کے لہجے میں کہا — "میں یہودیوں کی ذہنیت اور اسلام دشمنی کے متعلق جانتا ہوں لیکن اتنا نہیں جتنا تم جانتے ہو۔ یہ باتیں مجھے سناؤ۔ میرا اٹھنا بیٹھنا یہودیوں کے ساتھ رہتا ہے۔ میں ان کی ہر بات کو سچ مان لیا کرتا ہوں۔"

"کیا تم ساری باتیں سننا پسند کرو گے؟" — حبیب نے پوچھا — "اُکتا تو نہیں جاؤ گے؟"

"نہیں ابنِ کعب!" — ابنِ داؤد نے کہا — "میں یہ باتیں سننا چاہتا ہوں۔"

"ان سے زیادہ تو مجھے یہ باتیں سننے کا شوق ہے" — بنت یامین نے کہا — "میں جب اسلام کے کسی دشمن کی بات سنتی ہوں تو میرے جسم میں آگ لگ جاتی ہے۔ میں کہتی ہوں اسے ابھی قتل کر دوں۔ یہودیوں سے مجھے اسی لیے نفرت ہے۔"

"تم دونوں سننا چاہو یا نہ چاہو" — حبیب نے کہا — "میرا دل آج ایسا بھر آیا ہے کہ یہی باتیں کرتے رہنے کو جی چاہتا ہے۔ یہ باتیں کوئی پرانی باتیں تو نہیں۔ رسول اللہؐ کے وصال کو ابھی دو سال اور کچھ مہینے ہی گزرے ہیں لیکن آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اپنی آنکھوں کے سامنے گھومتے پھرتے، میدانِ جنگ میں گرجتے برستے، مجاہدین کی قیادت کرتے، سالاروں کو ہدایات دیتے

نظر آرہے ہیں۔ میں نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں جنگِ خندق میں شامل ہُوا تھا۔ تم مدینے سے دُور کے رہنے والے ہو۔ تم نے شاید سنا ہوگا کہ اہلِ قریش نے دس ہزار کا لشکر اکٹھا کر کے مدینہ پر چڑھائی کر دی تھی۔ یہ پانچویں ہجری کا واقعہ ہے۔ کل کی ہی تو بات ہے۔ ابھی چھ سات سال گزرے ہیں۔"

"مجھے یاد ہے" — ابن داؤد نے کہا۔ "یہ خبر کچھ عرصے بعد میرے گاؤں تک پہنچی تھی۔ اہلِ قریش ناکام لوٹ گئے تھے۔"

"ناکام اس لیے لوٹ گئے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے مدینہ کے اردگرد خندق کھود دی گئی تھی" — حبیب نے کہا — "یہ ماہ شوال ۵ ہجری (۶۲۷ء) کا واقعہ ہے.... میں تمہیں سنا رہا تھا کہ یہودی مدینہ سے نکالے گئے تو انہوں نے قبیلہ قریش کو اور دوسرے قبیلوں کو بھی مسلمانوں کے خلاف ایسا مشتعل کیا کہ ابوسفیان دس ہزار آدمیوں کا لشکر لے کر مدینہ پر چڑھ دوڑا۔ خندق نے انہیں آگے نہ بڑھنے دیا....

"اہلِ قریش اور ان کے ساتھ آتے ہُوئے دوسرے قبیلوں نے مدینہ کو ایک ماہ پورا محاصرے میں لیے رکھا۔ اُنہوں نے خندق عبور کرنے کی بہت کوشش کی لیکن نہ کر سکے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ رات کو خندق کے ساتھ ساتھ پہرہ دیا جائے۔ صرف ایک طرف تھوڑے سے حصے میں خندق نہیں تھی۔ میں اسی طرف تھا۔ دشمن نے ادھر سے آگے بڑھنے کی کوشش کی تھی اور لڑائی بھی ہُوئی تھی۔ میں اس لڑائی میں شامل تھا۔ تم نے عرب کے ایک مشہور بہادر آدمی عمرو بن عبدود کا نام سنا ہوگا۔"

"وہ عمرو بن عبدود جس کے متعلق مشہور تھا کہ اُس کی طاقت پانچ سو گھوڑسواروں کے برابر ہے؟"

"ہاں ابنِ داؤد!" — حبیب نے کہا — "وہ واقعی بہت بہادر تھا۔ وہ اسی معرکے میں حضرت علیؓ کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ اُس نے دعویٰ کیا تھا کہ وہ اسلام کو مدینے کے اندر ہی ختم کر دے گا لیکن خود ختم ہو گیا.... جی میں آتی ہے کہ اُس وقت کی ایک ایک بات سناؤں لیکن میں تمہیں یہودیوں کی فریب کاریاں سنانا چاہتا ہوں....

"میں بتا رہا تھا کہ ایک طرف خندق نہیں تھی اس لیے اس طرف سے ہی حملے کا خطرہ تھا۔ ہم اُس طرف تیار موجود رہتے تھے۔ مدینہ میں ایک کشادہ مکان تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ہم نے عورتوں اور بچوں کو اس مکان میں منتقل کر دیا تھا۔ یہ ان کی حفاظت کا انتظام تھا۔ ایک آدمی کو اس مکان کے ساتھ مشکوک حالت میں آہستہ آہستہ چلتے

دیکھا گیا۔ اُس کے ہاتھ میں برچھی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی صفیہؓ کو خبر ہُوئی تو وہ ایک موٹا ڈنڈہ لے کر باہر نکلیں۔ اس آدمی پر انہوں نے عقب سے حملہ کیا اور سر پر ڈنڈے مار مار کر اُسے ختم کر دیا۔"

"کون تھا وہ؟" — بنت یامین نے پوچھا۔

"وہ یہودی تھا" — حبیب نے جواب دیا — "بنو قریظہ کا آدمی تھا.... عام خیال تو یہ تھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے جا رہا تھا لیکن کچھ دنوں بعد ایک یہودی نے راز کی یہ بات بتائی تھی کہ یہ آدمی ایک بیحد خطرناک سازش کے تحت آیا تھا۔ وہ اُن یہودیوں میں سے تھا جنہیں مدینہ سے نہیں نکالا گیا تھا کیونکہ انہوں نے مسلمانوں کے آگے غلامانہ انداز اختیار کر لیا تھا اور مسلمانوں کو اُن پر اعتبار آ گیا تھا....

"سازش یہ تھی کہ یہ یہودی اُس مکان کے اندر چلا جاتا گا جس میں ہماری عورتیں اور بچے تھے اور یہ ان پر برچھیوں سے حملہ کر دے گا۔ عورتوں اور بچوں نے شور و غل مچانا تھا اور ان میں بھگدڑ بھی بپا ہونی تھی۔ ظاہر ہے ہم سب نے ادھر دوڑے جانا تھا۔ اس صورتِ حال میں قبیلہ قریش اور دیگر قبیلوں نے راستہ صاف دیکھ کر حملہ کر دینا تھا لیکن یہ یہودی پہلے ہی مارا گیا اور دشمنوں کی سازش ناکام ہو گئی۔ تمام حملہ آور قبیلے مایوسی کے عالم میں واپس چلے گئے....

"قبیلہ قریش اور ان کے حامی قبیلے تو ہار مان گئے لیکن یہودی شیطانیت کی علمبردار قوم ہے اور ہار نہ ماننا شیطان کی خصلت ہے۔ وہ بدی کو دل سے نکلنے نہیں دیتا۔ یہودیوں کے تین سربراہ — سلام بن ابی الحقیق، کنانہ بن الربیع اور حیی بن اخطب — مدینے سے خیبر چلے گئے جہاں مدینہ کے یہودی جا کر آباد ہُوئے تھے۔ ان تین یہودیوں نے ایک عرب قبیلے بنو سعد کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکانا شروع کر دیا۔ انہوں نے ایسے ایسے انداز اختیار کیے کہ بنو سعد ان کے جھانسے میں آ گئے اور مسلمانوں کے خلاف لڑنے کے لیے تیار ہو گئے....

"یہ خندق کے معرکے کے ایک سال بعد کا واقعہ ہے۔ خیبر کی طرف سے آنے والے ایک تاجر نے مدینہ میں آ کر کسی سے ذکر کیا کہ خیبر میں بنو سعد مدینہ پر حملے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ یہ خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ گئی۔ آنحضورؐ کا یہ اصول تھا کہ دشمن تمہارے خلاف تیاری کر رہا ہو تو اُسے تیاری کی حالت میں اُس کے گھر جا پکڑو۔ اپنے گھر بیٹھے اُس کا انتظار نہ کرتے رہو۔ چنانچہ آپؐ نے حضرت علیؓ کو بنو سعد پر حملے کے لیے بھیجا۔ بنو سعد کو اس حملے کی توقع نہیں تھی۔ حضرت علیؓ کے ساتھ کوئی زیادہ لشکر نہیں تھا لیکن بنو سعد پر یہ حملہ ایسا اچانک تھا کہ وہ بھاگ نکلنے کے سوا کچھ بھی نہ کر سکے۔ حضرت علیؓ مجاہدین کے لشکر کے ساتھ مدینہ واپس آئے تو اُن کے

ساتھ بنوسعد کے پانچ سو اونٹ تھے۔"

"کیا تم بھی حضرت علیؓ کے ساتھ گئے تھے؟"۔۔۔ ابنِ داؤد نے پوچھا۔

"نہیں!"۔۔۔ حبیب ابنِ کعب نے کہا ۔۔۔ "میں دوسرے لشکر کے ساتھ گیا تھا اور یہی خیبر کی اصل لڑائی تھی۔ میں اس لڑائی کی ساری باتیں نہیں سناؤں گا۔ میں تمہیں یہودی کی اسلام دشمن ذہنیت سے خبردار کر رہا ہوں .... بنت یامین! کیا تم ناگن پر اعتبار کرو گی کہ تمہیں نہیں ڈسے گی؟"

"نہیں!"

"تم ناگن پر اعتبار کر سکتی ہو"۔۔۔ حبیب نے کہا ۔۔۔ "تم ایک طرف ہو جاؤ گی تو وہ تمہارے قریب سے گزر جائے گی لیکن کسی یہودن پر کبھی اعتبار نہ کرنا۔ اُسے جونہی پتہ چلے گا کہ تم مسلمان ہو تو وہ تمہیں ڈس لے گی .... بنوسعد کو ان یہودیوں نے بھڑکا کر مسلمانوں سے مروایا تو انہوں نے ایک اور قبیلے کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکانا شروع کر دیا۔ یہ تھا قبیلہ غطفان جو بنوسعد سے زیادہ طاقتور تھا۔ اس قبیلے نے مدینہ پر حملے کی تیاریاں شروع کر دیں اور اس کی بھی خبر مدینہ پہنچ گئی ....

"اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود خیبر کو روانہ ہوئے۔ ہجری کا ساتواں سال شروع ہو چکا تھا۔ میں اُن چودہ سو پیادوں کے ساتھ تھا جو خیبر پر حملہ کرنے گئے تھے۔ ہمارے ساتھ صرف دو سو گھوڑ سوار تھے۔ یہودیوں نے تھوڑے سے عرصے میں قلعے بنا لیے تھے۔ مجھے اُن کے نام یاد ہیں .... ناعم، قموص، صعب، وطیح اور سلالم .... ان میں وطیح اور سلالم بہت ہی مضبوط قلعے تھے۔ باقی سب قلعے فتح ہو گئے لیکن ان دو قلعوں کو فتح کرنا بہت ہی مشکل کام تھا۔ تم نے شاید ایک آدمی کا نام نہیں سنا ہو گا۔ یہ عمرو بن عبدود جیسا بہادر آدمی تھا۔ اُس کا نام مرحب تھا اور یہ دونوں قلعے اُسی کے تھے۔"

"نہیں"۔۔۔ ابن داؤد نے جواب دیا ۔۔۔ "میں نے اس کا نام کبھی نہیں سنا۔ تم اُس کی بہادری کی باتیں سناؤ۔ مجھے تمہاری باتیں اچھی لگ رہی ہیں۔"

"میں تو کہتا ہوں"۔۔۔ حبیب نے کہا ۔۔۔ "دن ہو یا رات، یہی باتیں سناتا رہوں۔ ہوا یوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکرؓ کو سپہ سالار مقرر کر کے ان دو قلعوں کو فتح کرنے کے لیے بھیجا۔ میں بھی اس لشکر کے ساتھ تھا۔ لشکر کیا تھا! چودہ سو پیادے اور دو سو گھوڑ سوار۔ ان میں کچھ زخمی ہو کر بیکار ہو چکے تھے اور چند ایک شہید بھی ہو گئے تھے۔ غطفان کے آدمیوں نے باہر آ کر اتنا سخت مقابلہ کیا کہ ہم ہار گئے۔ ہمارے سالار ابوبکرؓ لشکر کو پیچھے لے آئے ....

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو سالار مقرر کر کے علَم ان کے سپرد کیا۔ حضرت عمرؓ بن الخطاب نے ہمیں دو دن لڑایا مگر میں غطفان والوں کی بہادری کی تعریف کرتا ہوں کہ انہوں نے

ہمارے قدم نہ جمنے دیئے۔ عمرؓ بھی ناکام لوٹ آئے۔"

"وہ تو بہت ہی بہادر تھے"۔۔۔ ابن داؤد نے کہا ۔۔۔ "جنہوں نے مسلمانوں کو پسپائی پر مجبور کر دیا وہ یقیناً دلیر اور نڈر تھے۔"

"کچھ وہ دلیر اور نڈر تھے کچھ ہم تعداد میں بہت تھوڑے تھے"۔۔۔ حبیب ابن کعب نے کہا ۔۔۔ "اور ہم پہلی لڑائیوں کے تھکے ہوئے بھی تھے۔ اُن کی اصل طاقت مرحب تھا۔ وہ ان کی جرأت اور جاں نثاری کی علامت بنا ہوا تھا۔ ہمارے سالار کہتے تھے کہ مرحب کو مار لیا جائے تو یہ دونوں قلعے لیے جا سکتے ہیں ....

"ابوبکرؓ اور عمرؓ ابن الخطاب جیسے جری اور نامور سالار ناکام ہو گئے تو باقی تمام صحابہ کرام ہتھیاروں کو چمکا کر اور سج دھج کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور پیش ہوئے۔ ہر ایک علَم اور سپہ سالاری کی التجا کرنے لگا۔ مجھے وہ مسکراہٹ تاقیامت یاد رہے گی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک لبوں پر تھی۔ ان صحابہ کرام میں حضرت علیؓ بھی تھے۔ رسولِ اکرمؐ نے علَم اٹھایا اور حضرت علیؓ کے ہاتھ میں دے دیا ....

"عمرؓ نے اس موقع پر کہا کہ میں نے علَم اور سالاری کی کبھی خواہش نہیں کی تھی۔ اللہ نے یہ فخر علیؓ کی قسمت میں لکھ رکھا تھا .... علیؓ گئے اور مرحب کو للکارا۔ مرحب اس خوش فہمی میں مبتلا تھا کہ پہلے کی طرح اب وہ ایک بار پھر مسلمانوں کو پسپا کر دے گا، وہ علیؓ کے ہاتھوں مارا گیا۔ اُس کا علَم گر پڑا اور اس کے ساتھ ہی اہلِ غطفان میں بھگدڑ بپا ہو گئی۔ اس طرح وطیح اور سلالم بھی فتح ہو گئے ....

"یہاں یہودیوں نے ایک اوچھا وار کیا۔ ایک یہودن زینب بنت الحارث نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گوشت میں زہر ملا کر پیش کیا۔ آنحضورؐ نے پہلی بوٹی منہ میں ڈالتے ہی اُگل دی مگر آپؐ کے ساتھ ایک صحابی بشر بن البراءؓ تھے۔ انہوں نے ایک بوٹی کھا لی اور وہیں وفات پا گئے ....

"باتیں بہت ہیں ابن داؤد! مگر یہ بہت لمبی ہیں کب تک سنو گے۔ میں تمہیں اور بنتِ یامین کو یہودیوں سے خبردار کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ یہودی جب تمہیں دھوکہ دینے آئے گا تو وہ تم پر ظاہر نہیں ہونے دے گا کہ وہ یہودی ہے۔ وہ زاہد اور پارسا مسلمان کے روپ میں مظلوم بن کر یا تمہارا مونس و غمخوار بن کر آئے گا اور تم اُس کے جال میں آ جاؤ گے .... کیا اب ہمیں سو نہیں جانا چاہیئے؟"

صبح سویرے حبیب اپنے روزمرہ کے معمول کے مطابق نکل گیا۔ وہ کئی دنوں کی غیر حاضری

کے بعد مدینہ واپس آیا تھا اس لیے ابنِ داؤد اور بنتِ یامین سے کہہ گیا تھا کہ وہ شام تک ہی واپس آسکے گا۔"

"ابنِ داؤد!" ـــ حبیب کے جانے کے بعد بنتِ یامین نے کہا ـــ "کیسا پتھر میرے حوالے کر دیا ہے۔ کیا میں اس پتھر کو موم کر سکوں گی؟ ..... نہیں ..... نہیں!"

"کیوں نہیں؟" ـــ ابنِ داؤد نے کہا ـــ "پتھروں کو ہی موم کرنا ہے بنتِ یامین! اس شخص کو قتل کرنا ہوتا تو یہ بڑا ہی آسان کام تھا۔ تم جانتی ہو کہ اس کے ہاتھ سے قتل کروانے میں۔"

"سب سے پہلے ہم دونوں اس کے ہاتھوں قتل ہوں گے" ـــ بنتِ یامین نے کہا ـــ "اسے جوں ہی پتہ چلا کہ ہم یہودی ہیں تو یہ مجھے طلاق دے کر گھر سے نکال نہیں دے گا بلکہ مجھے قتل کر کے میری لاش باہر پھینک دے گا، پھر تمہیں تلاش کر کے تمہیں قتل کرے گا۔ کیا تم نے دیکھا نہیں کہ اس کے دل میں یہودیوں کی کتنی نفرت بھری ہوئی ہے؟ اس کی اتنی لمبی بات کا مطلب صرف یہ تھا کہ یہودی اسلام کا بدترین دشمن ہے اور یہودی کو زندہ رہنے کا حق نہیں۔"

"کیا تم سارے سبق بھول گئی ہو؟" ـــ ابنِ داؤد نے کہا ـــ "کیا تم اپنی اصلیت کو چھپا نہیں سکو گی؟ کیا تم اسے یہ یقین نہیں دلا سکو گی کہ تم رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی عاشق اور اسلام کی قندیل پر جل کر راکھ ہونے والا پروانہ ہو؟"

"یہ یقین دلانا تو میں نے شروع کر دیا ہے" ـــ بنتِ یامین نے کہا ـــ "کیا میں نے اسے کہا نہیں تھا کہ مجھے جہاد پر جانے کا بہت شوق ہے؟"

"تم عقل اور ہوش ٹھکانے رکھ کر اس گھر میں رہو" ـــ ابنِ داؤد نے کہا ـــ "جتنے دن اس کے پاس اکیلی ہو اسے شیشے میں اتارنے کی کوشش کرو۔ خدا نے تمہیں حسن دیا ہے۔ ہم نے تمہیں حسن کے استعمال کے طریقے سکھائے ہیں ..... اس کی دو بیویاں ہیں۔ ایک بیوی گاؤں میں بیمار پڑی ہے اور دوسری کو یہ اس کی تیمارداری کے لیے اس کے پاس چھوڑ آیا ہے۔ اس تنہائی سے فائدہ اٹھاؤ اور اس پر جادو کی طرح غالب آجاؤ۔"

"اور تم کیا کرو گے؟" ـــ بنتِ یامین نے پوچھا۔

"ضروری نہیں کہ میں تمہیں تفصیل سے بتاؤں کہ میں کیا کروں گا" ـــ ابنِ داؤد نے کہا ـــ "میرا کام مجھ تک رہنے دو۔ تم ہر وقت یہ اصول سامنے رکھو کہ ہم یہودی ہیں اور ہمارا ہر قول اور ہر فعل یہودیوں کے لیے وقف ہے ..... ایک بات تمہیں بتا دوں۔ یہ تمہیں پہلے بھی بتائی جا چکی ہے وہ یہ ہے کہ نیا خلیفہ عمرؓ فارس کے خلاف لشکر بھیجنا چاہتا ہے لیکن یہاں کے مسلمان فارسیوں سے خائف ہیں اور آگے نہیں آرہے ہیں۔"

"خائف کیوں ہیں؟" ـــ بنتِ یامین نے پوچھا۔

"مختلف لوگوں نے مختلف وجوہات پیدا کر رکھی ہیں" ـــ ابنِ داؤد نے کہا ـــ "جنگی امور اور مسائل کو سمجھنے والے کہتے ہیں کہ ہم عراق اور شام کے محاذ پر لڑ رہے ہیں اور وہاں رومی اتنا سخت مقابلہ کر رہے ہیں کہ مسلمانوں کو دشواریاں پیش آرہی ہیں۔ یہ مسلمان ہیں اور یہ پسپائی کو بہت بڑی بات سمجھتے ہیں۔ ان کی جگہ کسی اور قوم کی فوج ہوتی تو وہ کچھ عرصہ پہلے پسپا ہو چکی ہوتی۔ دانشمند مسلمان کہتے ہیں کہ ان حالات میں ایک اور محاذ نہیں کھولنا چاہیے۔ فارسی رومیوں جیسی بہت بڑی جنگی طاقت ہیں....

"یہ تو دانشمندوں کی رائے ہے جو بالکل صحیح ہے لیکن عام مسلمانوں کو یہ بتایا گیا ہے کہ فارسی رومیوں سے زیادہ طاقتور اور خوفناک ہیں۔ مسلمانوں نے فارسیوں سے لڑائیاں لڑی ہیں اور ہر لڑائی میں فتح حاصل کی ہے لیکن ان کا جانی نقصان بہت زیادہ ہوا ہے۔ جو زخمی ان لڑائیوں میں سے آتے ہیں، وہ بڑی خوفناک باتیں سناتے ہیں۔ ہم نے یہ کام کرنا ہے کہ مدینہ کے اندر اور مضافاتی علاقوں میں مسلمانوں میں مسلمان بن کر فارسیوں کی طاقت اور خونخواری کی ایسی باتیں مشہور کرنی ہیں کہ کوئی مسلمان اُس محاذ پر جانے کے لیے تیار ہی نہ ہو۔"

"اگر انہیں جبراً بھرتی کر لیا گیا تو ....؟"

"نہیں بیوقوف!" ـــ ابنِ داؤد نے بنتِ یامین کو آگے بولنے نہ دیا اور کہا ـــ "مسلمانوں کی کوئی فوج نہیں۔ یہ باتیں تمہیں بتائی جا چکی ہیں اور تم بھولتی جا رہی ہو۔ یہ لوگ لشکر اس طرح بناتے ہیں کہ خلیفہ کی طرف سے اعلان ہوتا ہے کہ فلاں محاذ پر اتنے ہزار آدمیوں کی ضرورت ہے۔ لوگ فوراً اکٹھے ہو جاتے اور منظم لشکر کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ ان پر ایسی کوئی پابندی نہیں ہوتی کہ یہ تنخواہ دار ہیں اس لیے محاذ پر نہ جانے یا محاذ سے بھاگ آنے پر انہیں سزا ملے گی۔"

"میں یہاں عورتوں کو خائف کر دوں گی" ـــ بنتِ یامین نے کہا۔

"تمہارے ساتھ میرا رابطہ رہے گا" ـــ ابنِ داؤد نے کہا ـــ "دو تین دن تو میں اسی گھر میں رہوں گا۔ یہاں اپنے دو تین آدمیوں سے ملنا ہے۔ یہ تو تم جانتی ہو کہ اس مہم میں ہم دونوں ہی نہیں، اور بھی آدمی یہی کام کر رہے ہیں۔ نوجوان لڑکیوں کو تربیت دی جا رہی ہے۔ انہیں سرکردہ مسلمانوں کی بیویاں بنایا جائے گا۔"

اُسی مدینہ میں جہاں بنی اسرائیل اسلام کے خلاف سازشوں کا جال بچھا رہے تھے خلیفہ دوم حضرت عمرؓ ذہن اور اعصاب پر ایسا بوجھ اٹھائے ہوئے تھے جسے وہی برداشت کر

سکتے تھے۔ یہ اُن مسائل کا بوجھ تھا جو اُمّتِ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے اتحاد کو پارہ پارہ کر سکتے تھے۔ ایک مسئلہ تو یہ تھا کہ عمرؓ کی خلافت کو سب لوگ تسلیم کرتے ہیں یا نہیں۔ اگر تسلیم کرتے ہیں تو کیا سچے دل سے کرتے ہیں یا رسمی طور پر۔

اس سوال کا جواب عمرؓ کو مل چکا تھا۔ اُن کے مخالفین کی کمی نہیں تھی لیکن اُن کے پہلے خطبے نے مخالفین پر نہایت اچھا اثر کیا تھا۔ اُن کے دلوں میں سے مخالفت نکل گئی تھی۔ ایک تو یہ خطبہ تھا جو سب نے سنا اور ذہنوں سے وسوسے نکل گئے لیکن خطبے کے بعد آگے بیٹھے ہوئے لوگوں نے حضرت عمرؓ کی زبان سے کچھ اور بھی الفاظ سنے تھے۔

"خدا کی قسم!___ مسجد سے باہر آکر لوگ ایک دوسرے کو بتا رہے تھے ___"میں نے خلیفہ کو دیکھا ہے۔ اُن کی آنکھوں میں آنسو تھے"۔

"خلیفہ نے ہاتھ اٹھا رکھے تھے"۔

"اور اُس کی نظریں آسمان کی طرف تھیں"۔

عمرؓ کی یہ دعا جن لوگوں نے سنی وہ باہر آکر سب کو سنا دی۔ خطبے کے بعد عمرؓ ہاتھ اٹھائے نظریں آسمان کی طرف کیے اللہ سے کہہ رہے تھے:

"یا اللہ! میں سخت ہوں، مجھے نرم کر دے.... میں کمزور ہوں، مجھے قوت عطا کر.... یا اللہ! میں بخیل ہوں، مجھے سخی بنا"۔

پھر آگے بیٹھے ہوئے لوگوں نے جو عمرؓ کی آواز سن سکتے تھے' باہر آکر سب کو بتایا کہ خلیفہ خاموش ہو گئے اور اپنے دونوں ہاتھ چہرے پر رکھ کر سر جھکا لیا۔ بیٹھے بیٹھے لوگوں کی طرف مڑے۔ خطبہ ختم ہو چکا تھا جو حضرت عمرؓ نے کھڑے ہو کر دیا تھا۔ وہ بیٹھ گئے تو مسجد میں تمام آدمیوں میں چہ میگوئیاں شروع ہو گئی تھیں۔ اُس وقت حضرت عمر بن الخطاب نے یہ بھی کہا تھا:

"اللہ نے میرے دو عظیم رفیقوں کے بعد مجھے یہ ذمہ داری سونپ کر میرے ساتھ تم سب کو بھی آزمائش میں ڈال دیا ہے۔ خدا کی قسم، تمہارا جو مسئلہ اور جو معاملہ میرے سامنے آئے گا، اُسے میں ہی سلجھاؤں گا، اور جو لوگ اور ان کے مسئلے میری نظروں سے دور ہوں گے، ان کی بھی کفایت اور امانت کو ہاتھ سے نہیں جانے دوں گا اور مسئلے مجھ سے کتنی ہی دور ہوتے، میں ان تک پہنچوں گا، اگر لوگوں نے میرے ساتھ بھلائی کا رویّہ روا رکھا تو میں یقیناً اُن کے ساتھ بھلائی کروں گا اور جو لوگ بُرائی سے باز نہیں آئیں گے، میں اُنہیں عبرتناک سزا دوں گا"۔

یہ تو ایک مسئلہ تھا جو بہت حد تک حل ہو گیا تھا۔ لوگوں نے مسجد سے باہر آکر خلیفہ عمرؓ کی یہ باتیں سنیں جو وہ اُن کی زبان سے نہیں سن سکے تھے تو جن کے دلوں میں کچھ مخالفت باقی رہ گئی تھی اُنہوں نے بھی اپنے دل صاف کر لیے اور عمرؓ کی خلافت کو دل و جاں سے تسلیم کر لیا۔

دوسرا مسئلہ جو پہلے بیان ہو چکا ہے، وہ محاذوں کا تھا۔ شام کے محاذ پر رومیوں نے تیور بدل لیے تھے اور مسلمانوں کی پوزیشن کمزور ہو گئی تھی۔ سب سے بڑی دشواری یہ پیش آ رہی تھی کہ رومیوں کے مقابلے میں مسلمانوں کی نفری بہت تھوڑی تھی۔ رومیوں کے ایک نامور جرنیل ہرقل نے بے انداز لشکر اکٹھا کر لیا تھا۔ ادھر تاریخ کے نامور سپہ سالار ___ ابُوعبیدہؓ بن الجرّاح، عمرو بن العاصؓ، یزید بن ابی سفیانؓ، مثنیٰ بن حارثہ اور خالدؓ بن ولید ___ موجود تھے، جنہوں نے کئی معرکوں میں رومیوں کے پاؤں اکھاڑ دیے تھے لیکن نفری کی کمی پریشان کرنے لگی تھی۔ خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکرؓ ابھی زندہ تھے تو محاذ سے مثنیٰ بن حارثہ مدینہ آئے اور خلیفہ کو محاذ کی صُورتِ حال سے آگاہ کر کے درخواست کی کہ کمک کی ضرورت اتنی شدید ہو گئی ہے کہ اس کے بغیر فتح ممکن نہیں رہی۔ مثنیٰ اُس وقت ابوبکرؓ کے ہاں پہنچے تھے جب وہ بسترِ مرگ پر تھے۔ انہوں نے اُسی وقت حضرت عمرؓ کو بلایا۔

"ابنِ خطاب!___ ابوبکرؓ نے نحیف سی آواز میں کہا ___"ابنِ حارثہ مدد مانگنے آیا ہے یہ جو کہتا ہے ایسا ہی کر اور اسے فوراً مدد دے کر محاذ کو واپس بھیج دے.... اور اگر میں اس دوران فوت ہو جاؤں تو یہ میری وصیّت ہے کہ محاذ کو کمک بھیجنے میں کوئی رکاوٹ نہ ہو"۔

اُسی شام یا ایک دو روز بعد ابوبکرؓ فوت ہو گئے۔ اُن کی وصیّت عمرؓ کے سینے پر لکھی ہوئی تھی۔ خلافت کے پہلے خطبے کے بعد عمرؓ نے لوگوں سے کہا کہ عراق اور شام کے محاذوں پر مدد کی شدید ضرورت ہے اس لیے لوگ ایک لشکر کی صورت میں منظّم ہو کر مثنیٰ کے ساتھ محاذ پر جائیں۔ عمرؓ کو یہ دیکھ کر مایوسی ہو رہی تھی کہ لوگوں میں محاذ پر جانے کے لیے ہچکچاہٹ سی نظر آ رہی تھی۔ اس کا سبب یہ تھا کہ مسلمانوں میں کچھ اس قسم کا تاثر پیدا ہو گیا تھا کہ رومی اور فارسی بہت بڑی جنگی طاقتیں ہیں، ان کے ہتھیار بھی بہتر قسم کے ہیں اور ان کی نفری بھی بہت زیادہ ہے۔

مدینے اور گرد و نواح کے لوگ اس وجہ سے بھی محاذ پر جانے سے پس و پیش کر رہے تھے کہ حضرت عمرؓ کی نظر رومیوں کی بجائے فارسیوں پر زیادہ تھی۔ عمرؓ فارس پر فوج کشی میں زیادہ دلچسپی رکھتے تھے اور خلیفہ بننے سے پہلے وہ اپنے اس ارادے کا ذکر کرتے رہتے تھے۔ اس کی وجہ یہی ہو سکتی تھی کہ عمرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا ایک فرمان پورا کرنے کو بیتاب تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے مختلف ملکوں کے بادشاہوں کو مراسلے روانہ کیے تھے کہ

وہ اسلام قبول کر لیں۔

اس دعوت نامے کے جواب میں بیشتر بادشاہ خاموش رہے تھے یا کسی ایک آدھ نے طنزیہ سا جواب دے دیا تھا لیکن فارس کے بادشاہ خسرو پرویز کا جواب سخت توہین آمیز تھا۔ اس کے دربار میں جب رسولِ کریمؐ کا قاصد پیغام لے کر گیا تو خسرو پرویز نے قاصد کے ہاتھ سے پیغام لے کر پڑھا اور آگ بگولا ہو گیا۔ اُس نے قاصد کی بے عزتی کی اور پیغام پھاڑ کر اس طرح ہوا میں اُچھال دیا کہ اس کے ٹکڑے اُس کے دربار میں بکھر گئے۔

قاصد نے واپس آکر رسولِ کریمؐ کو بتایا کہ خسرو پرویز نے پیغام پھاڑ کر اس کے ٹکڑے بکھیر دیتے تھے۔

"اُس کی سلطنت اسی طرح ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بکھر جائے گی"۔۔۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور خاموش ہو گئے۔

اب حضرت عمرؓ خلیفہ تھے اور لوگوں کو وہ وقت یاد آرہا تھا جب رسولِ کریمؐ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ نکلے تھے۔ عمرؓ اس وقت وہاں موجود تھے۔ فارس کے اس بادشاہ کی اس حرکت پر عمرؓ کو جو غصہ آیا تھا وہ ان کے چہرے سے ظاہر ہو رہا تھا۔ اب فارس کا بادشاہ خسرو پرویز تو نہیں تھا لیکن عمرؓ فارس کی طاقتور سلطنت کے ٹکڑے کر کے بکھیر دینے کا عزم لیے ہوئے تھے۔

مسلمانوں پر فارسیوں کی کچھ زیادہ ہی دہشت طاری تھی جس کی ایک وجہ یہ تھی کہ فارسیوں کے پاس ہاتھی تھے جنہیں جنگ کی خصوصی ٹریننگ دی گئی تھی۔ یہ ہاتھی سندھ سے بھیجے گئے تھے اور ہاتھی بھیجنے والا سندھ کے راجہ داہر کے خاندان کا تھا۔ فارس کی فوج کے ساتھ مسلمانوں کی مختلف محاذوں پر ٹکر ہوتی تھی۔ مجاہدین نے ہر معرکے میں فارسیوں کو شکست دی تھی لیکن انہیں بہت زیادہ دشواریاں پیش آئی تھیں۔

محاذوں سے جو شدید زخمی واپس آتے تھے خصوصاً وہ جن کے اعضا کٹ جاتے تھے، انہیں دیکھ کر لوگ ڈرتے تھے۔ یہ ڈر اُس نوعیت کا نہیں تھا جو بزدلی کی پیداوار ہوتا ہے نہ ہی زخمی مجاہدین لوگوں کو آکر ڈراتے تھے۔ وہ ایسے ڈرپوک ہوتے تو محاذوں پر جاتے ہی نہ۔ وہ دراصل شاکی تھے۔ شکوہ یہ تھا کہ اپنی نفری بہت کم تھی اور بیک وقت دو بہت ہی طاقتور بادشاہیوں سے جنگ شروع کر دی گئی۔ وہ کہتے تھے کہ پہلے ایک کو ختم کر کے پھر دوسرے کے ساتھ نبرد آزمائی کی جاتی۔

مؤرخ جن میں مصر کے محمد حسنین ہیکل خصوصی طور پر قابلِ ذکر ہیں، لکھتے ہیں کہ جب حضرتؓ

ظہر کی نماز کے بعد باہر نکلے تو لوگوں کا ہجوم تھا۔ عمرؓ نے ایک بار پھر کہا کہ رفیقِ رسولؐ اور خلیفۂ اوّل کی وصیت کا احترام کریں اور مثنیٰ بن حارثہ کو مایوس واپس نہ جانے دیں۔ محاذوں کے حالات تشویشناک ہوتے جا رہے ہیں۔

مؤرخ لکھتے ہیں کہ ہجوم پر سناٹا طاری ہو گیا اور لوگ ایک دوسرے کے منہ کی طرف دیکھنے لگے۔ لوگوں نے کھسر پھسر شروع کر دی اور کچھ ایسی آوازیں بھی سنائی دیں ۔۔۔ "جس مصیبت میں ہمارے بھائی گرفتار ہیں، کیا یہ ضروری ہے کہ ہم بھی اُسی مصیبت میں جا پھنسیں؟"

روایت ہے کہ حضرت عمرؓ کو وہ وقت یاد آیا جب حضرت ابوبکرؓ نے لوگوں کو شام پر لشکر کشی کی دعوت دی تھی تو قبیلوں کے سربراہوں پر ایسی ہی خاموشی طاری ہو گئی تھی۔

"اے مسلمانو!" ۔۔۔ حضرت عمرؓ نے انہیں یوں خاموش دیکھا تو گرج کر بولے ۔۔۔ "ہو کیا گیا ہے تمہیں؟ خلیفۃ الرسول اللہ کو تم جواب کیوں نہیں دیتے؟ یہ تمہیں اُس جہاد کی طرف بلا رہے ہیں جو مسلمان کی زندگی ہے اور جس میں موت ابدی زندگی ہے"۔

تب مسلمان آگے بڑھے اور دعوتِ جہاد پر لبیک کہا تھا۔

اب وہی صورتِ حال عمرؓ کی خلافت کے آغاز میں ہی پیدا ہو گئی تھی۔ عمرؓ پریشانی کے عالم میں اپنے گھر چلے گئے۔

●

حضرت عمرؓ نے وہ رات بھی جاگتے گزار دی۔ وہ اسی سوچ میں غلطاں و پیچاں رہے اور اس پریشانی سے نجات حاصل کرنے کے طریقے سوچتے رہے۔ انہیں پریشانی یہ دیکھ کر ہو رہی تھی کہ سرکردہ افراد جو قائدین کا درجہ رکھتے تھے، وہ گومگو کی کیفیت میں مبتلا تھے۔ ظاہر ہے کہ قبیلوں کے قائد کسی کام میں پس و پیش کرنے لگیں تو عوام آگے آنے کی بجائے دس قدم پیچھے ہٹ جاتے ہیں۔

صبح عمرؓ نماز کے لیے مسجد میں گئے۔ امامت کے فرائض سرانجام دیئے اور بیعت کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ لوگوں کا ایک ہجوم تھا جو بیعت کے لیے اُمڈ آیا تھا۔ اس میں کمی کی بجائے اضافہ ہو رہا تھا۔ عمرؓ نے مسجد میں کھانا کھایا اور ظہر کی نماز کا وقت ہو گیا۔

حضرت عمرؓ نے امامت کرائی اور نماز سے فارغ ہوتے ہی اُٹھ کھڑے ہوئے۔

"اے لوگو!" ۔۔۔ حضرت عمرؓ نے بلند آواز میں کہا ۔۔۔ "اللہ تم پر کرم کرے۔ میں خلیفہ کی حیثیت سے پہلا حکم یہ جاری کرتا ہوں کہ جن مرتدین کو تم نے غلام اور لونڈیاں بنا کے رکھا ہوا ہے، انہیں آزاد کر کے اُن کے رشتہ داروں کے حوالے کر دو۔ میں اسے بہت بُرا سمجھوں گا

کہ مسلمانوں میں غلامی کی رسم جڑ پکڑ لے۔ اللہ نے ہر انسان کو آزاد پیدا کیا ہے۔"

یہ حکم لوگوں کے لیے غیر متوقع تھا اور غیر معمولی طور پر جرأت مندانہ۔ لوگوں نے مرتدین کو اپنی مرضی سے غلام بنا کے نہیں رکھا تھا بلکہ یہ خلیفہ اوّل حضرت ابوبکرؓ کا حکم تھا جو انہوں نے ارتداد کے خلاف جہاد کے آغاز میں ہی دے دیا تھا۔ حکم یہ تھا کہ مرتدین اگر سچے دل سے اسلام قبول کرتے ہیں تو انہیں بخش دیا جائے اور جو کوئی انکار کرے اُسے پکڑ لیا جائے اور جو لڑے اُسے قتل کر دیا جائے۔ اُس کے گھر کو آگ لگا دی جائے اور اُس کی عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیا جائے۔

یہ حکم بہت ہی سخت اور ظالمانہ معلوم ہوتا ہے۔ اسلام میں ایسے حکم کم ہی ملتے ہیں لیکن مرتدین کا جرم ایسا گھناؤنا تھا کہ وہ اسی سزا کے حقدار تھے۔ یہ بہت سے قبیلے تھے جنہوں نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اسلام قبول کر لیا تھا اور انہیں وہ تمام مراعات حاصل ہو گئی تھیں جو مسلمانوں کے حقوق میں شامل تھیں۔ انہیں سب سے بڑا اعزاز تو یہ ملا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اعتماد حاصل ہو گیا تھا۔

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم رحلت فرما گئے تو اس کے ساتھ ہی بہت سے قبیلوں کے سردار اسلام سے نہ صرف منحرف ہو گئے بلکہ اسلام کے خلاف تخریبی کارروائیوں میں مصروف ہو گئے۔ انہوں نے پہلا کام یہ کیا کہ زکوٰۃ دینے سے صاف انکار کر دیا۔ یہی نہیں بلکہ ان میں سے رسالت اور نبوّت کے دعویدار اُٹھنے لگے۔

خلیفہ اوّل حضرت ابوبکرؓ زکوٰۃ کے معاملے میں بہت ہی سخت تھے۔ اُن کے یہ الفاظ تاریخ کے دامن میں محفوظ ہیں:

"اگر یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اونٹ باندھنے والی صرف ایک رسی بطور زکوٰۃ دیا کرتے تھے اور اب اس سے انکار کرتے ہیں تو خدا کی قسم میں ان سے جنگ کروں گا۔"

ان لوگوں کا دوسرا جرم تو اور زیادہ سنگین تھا۔ انہوں نے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد رسول کھڑے کر دیئے تھے۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ اسلام کا چہرہ مسخ کر کے اس مذہب کو ختم کر دیا جائے۔ وہ مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لیے مسلمان ہوئے تھے۔ تخریب کاری کے آغاز کے لیے انہوں نے نہایت موزوں وقت دیکھا یعنی رسول اللہ کی رحلت کا وقت۔ مرتدین نے سوچا تھا کہ مدینہ ماتم کدہ بنا ہوا ہو گا اور مسلمانوں کا حوصلہ اور جذبہ ختم نہ ہوا تو اتنا کمزور ضرور ہو گیا ہو گا کہ ان میں لڑنے کی ہمت نہیں ہو گی۔

ابوبکرؓ یہ جرائم معاف کرنے والے نہیں تھے۔ اُنہوں نے خالدؓ بن ولید اور عمروؓ بن العاص جیسے نامور اور تاریخ ساز سالاروں کو مرتدین کی سرکوبی کے لیے بھیجا۔ ان سالاروں کو خونریز لڑائیاں لڑنی پڑیں۔ انہوں نے تھوڑے سے عرصے میں بنو اسد، قضاعہ اور بنو تمیم جیسے طاقتور اور سرکش قبیلوں کو تہ تیغ کر لیا۔[1]

حضرت ابوبکرؓ نے مرتدین کی بیخ کنی کے لیے بڑے ہی سخت احکام دیئے تھے۔ اُن کے آدمیوں، عورتوں اور بچّوں کو غلام تک بنا لیا تھا لیکن عمرؓ نے حکم جاری کر دیا کہ ان غلاموں کو آزاد کر کے ان کے رشتہ داروں کے حوالے کر دیا جائے۔

مدینہ کے لوگوں کو یہ حکم پسند نہ آیا۔ مجمع میں مختلف آوازیں اُٹھیں۔ کوئی کہہ رہا تھا کہ ہم نے خلیفہ اوّل کے حکم سے غلامی میں رکھا تھا کسی نے کہا کہ خلیفہ اول کے حکم کی خلاف ورزی ان کی وفات کے بعد اچھا اقدام نہیں۔

مؤرخوں نے مختلف حوالوں سے رائے دی ہے کہ مرتدین نے اپنے عزائم اور مقاصد میں شکست کھائی تو ان میں سے بہت سے تائب ہو کر سچّے دل سے مسلمان ہو گئے تھے۔ جن کو غلام بنا لیا گیا تھا، وہ مسلمانوں کے حسنِ سلوک سے متاثر ہو کر ان کے وفادار ہو گئے تھے۔ حضرت عمرؓ بن الخطاب نے جب دیکھا کہ لوگ مثنیٰ بن حارثہ کے ساتھ محاذوں پر جانے کے لیے تیار نہیں ہو رہے تو اُنہوں نے اس توقع پر مرتدین کے غلام آزاد کرنے کا حکم دیا تھا کہ وہ خوش ہو جائیں گے اور ان میں سے جنہوں نے اسلام قبول کر لیا ہے وہ دعوتِ جہاد قبول کر کے عراق اور شام کے محاذوں پر چلے جائیں گے۔

بعض مبصرّوں نے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے کہا تھا کہ مسلمانوں میں غلام رکھنے کی رسم نہیں ہونی چاہیئے۔ اُنہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ اللہ نے انسان کو آزاد پیدا کیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے صرف اس لیے ان غلاموں کو آزاد کرنے کا حکم دیا تھا کہ مسلمانوں میں غلامی کا رواج پکّا نہ ہو جائے اور دوسرے اس لیے کہ انسان انسان کا غلام نہ رہے۔

لوگ اس حکم پر اعتراض کر رہے تھے۔ عمرؓ کی جو درشتی مشہور تھی وہ عود کر آئی۔ اُنہوں نے کہا:

"عرب کی مثال ایک اونٹ کی سی ہے جسے نکیل پڑی ہُوئی ہے اور وہ اپنے ساربان کے پیچھے پیچھے چلتا ہے۔ یہ دیکھنا ساربان کا فرض ہے کہ وہ اونٹ کو کس طرف لے جاتا ہے۔ ربِ کعبہ کی قسم، میں عربوں کو راہِ راست پر لا کے چھوڑوں گا۔"

مثنیٰ بن حارثہ نے کسی طرح محسوس کر لیا کہ لوگ فارس کی جنگی طاقت سے خائف ہیں۔ کسی

[1]: ارتداد کے خلاف خونریز جنگ کی تفصیلات "شمشیرِ بے نیام" حصہ اوّل اور دوم مصنف عنایت اللہ پڑھیے۔

قبیلے کے سردار نے اس خوف کا اظہار کر بھی دیا۔

"ہمارے پاس اتنی طاقت نہیں کہ ہم فارس پر حملہ کریں" — اس سردار نے کہا — "فارس کی جنگی طاقت کو کبھی میدان جنگ میں دیکھیں پھر بات کریں"۔

مثنیٰ بن حارثہ سے رہا نہ گیا۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے یہ بھی نہ دیکھا کہ خلیفہ لوگوں سے مخاطب ہیں۔

"اے لوگو!" — مثنیٰ نے بڑی ہی بلند آواز میں کہا — "وہ کون سا فارس ہے جس کا خوف تمہارے دلوں پر بیٹھ گیا ہے؟ کیا تم نہیں جانتے کہ ہم فارس کی جنگی طاقت سے ٹکرا چکے ہیں؟ ہم نے فارس کے باہر اس کی سلطنت کے ایک بہترین حصے پر قبضہ کر رکھا ہے۔ ہم فارسیوں کو کئی لڑائیوں میں شکست دے چکے ہیں۔ ہم نے بابل کے کھنڈرات میں فارسیوں کو شکست دی ہے لیکن مشکل یہ پیش آ گئی ہے کہ فارس کے بادشاہ نے اپنی ہاری ہوئی فوج کے لیے کمک بھیج دی ہے مگر ہم کمک سے محروم ہیں۔ کیا تم یہ بھی نہیں کر سکتے کہ جو مجاہدین شہید ہو گئے ہیں اُن کی کمی پوری کر دو؟ تمہارے دل اتنے پتھر کیوں ہو گئے ہیں کہ جو اللہ کی راہ میں کفر کے خاتمے کے لیے لڑتے ہوئے زخموں سے چھلنی ہو کر بیکار ہو گئے ہیں، اُن کی خالی جگہ پُر نہیں کرتے؟ خدا کی قسم مسلمان کسی سے کبھی نہیں ڈرے..... میں محاذ سے آیا ہوں۔ نفری کی کمی کی وجہ سے ہم قلعہ بند ہو گئے ہیں۔ ہم اپنے دفاع میں لڑ سکتے ہیں۔ قلعے سے نکل کر پیشقدمی نہیں کر سکتے۔ کیا تم اُس دن کے انتظار میں ہو جس دن تمہارے بھائی اور تمہارے بیٹے محاذ سے بھاگ کر آئیں گے اور تمہیں آکر بتائیں گے کہ وہ اپنے ساتھیوں کی لاشیں اور تڑپتے کراہتے ہوئے زخمی میدان میں چھوڑ آئے ہیں اور وہ فارسیوں کے گھوڑوں تلے روندے جا رہے ہیں"۔

مجمعے پر سناٹا طاری ہو گیا۔ حضرت عمرؓ لوگوں کے چہروں سے ان کے تاثرات اور ردِعمل معلوم کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ مثنیٰ بولتا جا رہا تھا اور لوگوں کے چہروں کے تاثرات بدلتے جا رہے تھے۔ پھر لوگوں میں بےچینی دیکھنے میں آئی۔ عمرؓ نے بھانپ لیا کہ لوگوں میں جذبہ بیدار ہو رہا ہے اور انہوں نے مثنیٰ کا اثر قبول کر لیا ہے۔ حضرت عمرؓ بن الخطاب اٹھ کھڑے ہوئے۔ مثنیٰ بیٹھ گیا۔

"اے ایمان والو!" — حضرت عمرؓ نے کہا — "کیا تم حجاز میں ہی قید ہو کے بیٹھ جانا چاہتے ہو؟ کیا وہ لوگ تم میں سے نہیں ہیں جو اپنے گھر بار چھوڑ کر کہاں سے کہاں جا پہنچے ہیں؟ وہ اُس سرزمین پر پھیل جانے کو چلے گئے ہیں جس کا وعدہ اللہ نے اپنی کتاب میں کیا ہے کہ وہ تمہیں اس کا وارث بنائے گا۔ اللہ تمہارے دین کو بے دین لوگوں کے دلوں پر غالب کرے گا۔ اللہ اپنے

دین کے پیروکاروں کو دوسری قوموں کی میراث عطا کرنے والا ہے۔ خدا کی قسم، تم اللہ کے وعدوں سے بھاگ رہے ہو یا فارسیوں کی ہیبت تم پر طاری ہو گئی ہے۔ کیا تم میں اللہ کے معبود ہونے کی شہادت دینے والا کوئی نہیں رہا؟ کیا تم باطل سے ڈرتے ہو اس لیے حق کی تلوار کو بے نیام نہیں کرتے؟"

لوگوں میں کھسر پھسر سنائی دینے لگی جو بلند ہوتے ہوتے اونچی آوازوں کی صورت اختیار کر گئی۔ پھر یہ آوازیں ایک آواز میں سمٹ گئیں۔

"خدا کی قسم، ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دکھاتے ہوئے راستے پر چل کر اللہ کے دین کو سربلند کیا اور اسے عرب کی سرحدوں سے باہر لے جا کر پھیلایا۔ وہ کون سی قوم تھی جس نے ہمیں للکارا اور ہم نے اُسے نیچا نہیں دکھایا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے جدا ہو گئے تو ہم نے خلیفہ ابوبکرؓ کی قیادت قبول کی اور ہر حال میں اُن کے ساتھ رہے۔ اللہ نے ہماری مدد کی۔ ہم میں سے کسی پر کبھی یہ کیفیت طاری نہیں ہوئی تھی جو آج ہو گئی ہے۔ ہمیں کیا ہو گیا ہے کہ اپنے خلیفہ عمرؓ کی دعوتِ جہاد پر خاموش بیٹھے ہیں"۔

یہ آواز ابوعبید بن مسعود بن عمر والثقفی کی تھی۔

"میں مثنیٰ بن حارثہ کے ساتھ جاؤں گا" — ابوعبید بن مسعود نے کہا۔

"اور میں بھی!" — ایک صحابی سلیطؓ بن قیس نے اُٹھ کر کہا۔

اور اس کے بعد لبیک لبیک کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ محاذ پر جانے والوں کی تعداد ایک ہزار تک پہنچ گئی۔ حضرت عمرؓ کا چہرہ خوشی سے تمتمانے لگا۔

مؤرخ لکھتے ہیں کہ جہاد پر جانے والے یہ تمام رضاکار مدینے کے رہنے والے تھے۔ ایک عجیب سوال پیدا ہو گیا۔

"خلیفۃ الرسولؐ!" — ایک سرکردہ مدنی نے اُٹھ کر کہا — "کیا آپ دیکھ نہیں رہے کہ محاذ پر جانے والوں میں اکثریت مدینے کے انصار اور مہاجرین کی ہے؟"

"میں دیکھ رہا ہوں" — حضرت عمرؓ نے کہا — "اور تم نے یہ بات کیوں کہی ہے؟"

"اس لیے کہی ہے کہ اس لشکر کا سالار کوئی مدنی ہی ہونا چاہیے" — مدنی نے جواب دیا — "کسی ایسے مہاجر یا انصاری کو اس کمک کی سالاری دیں جس نے پہلے کبھی میدانِ جنگ میں شجاعت دکھائی ہو اور وہ صحابہ کرام میں سے ہو"۔

"نہیں!" — حضرت عمرؓ نے کہا — "واللہ میں کسی مدنی یا کسی صحابی کو سالار نہیں بناؤں گا۔ اللہ نے تمہیں سربلندی اس لیے عطا فرمائی تھی کہ تم نے دین کے دشمنوں کے سر کچلنے کے لیے ہمّت

اور شجاعت کے جوہر دکھا رہے تھے مگر میں تین دنوں سے دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے چہروں پر بزدلی لکھی ہوئی تھی۔ تم دشمن کے سامنے جانے سے ڈر رہے تھے۔ تو کیا سالاری اور امارت کے لیے اس شخص نے برتری حاصل نہیں کر لی جو اپنے دین کی حفاظت اور فروغ کے لیے سب سے پہلے آگے آیا؟ خدا کی قسم، اس لشکر کا امیر یہی شخص ہو گا.... ابو عبید! اُٹھو میں نے تمہیں اس لشکر کا امیر مقرر کیا جو مثنیٰ بن حارثہ کے ساتھ جا رہا ہے۔"

پھر حضرت عمرؓ نے سعدؓ بن عبید اور سلیطؓ بن قیس کو پکارا۔ وہ دونوں اُٹھے۔

"تم ابو عبید کے بعد بولے تھے کہ تم محاذ پر جاؤ گے" — عمرؓ نے کہا — "ابو عبید سے پہلے اُٹھتے تو لشکر کے امیر تم ہوتے۔"

"ابن خطاب!" — سلیطؓ بن قیس نے کہا — "بیشک دلوں میں جو کچھ ہے وہ اللہ جانتا ہے میں جہاد پر امارت کے لیے نہیں اللہ کی خوشنودی کے لیے جا رہا ہوں۔"

اس کمک کی تعداد بھی بڑھ رہی تھی۔ حضرت عمرؓ نے مثنیٰ کا مدینہ میں رُکے رہنا مناسب نہ سمجھا۔ محاذوں کی صُورتِ حال تشویشناک تھی۔

"ابنِ حارثہ!" — عمرؓ نے کہا — "تم ابھی عراق کو روانہ ہو جاؤ اور محاذ کو سنبھالو۔ کمک ایک دو دنوں میں جنگ کی تیاری مکمل کر کے روانہ ہو گی۔ ایک ایک ساعت، ایک ایک لمحہ قیمتی ہے۔ یہاں انتظار نہ کرو..... اور ضروری احتیاط یہ ہے کہ جب تک یہ کمک نہ پہنچ جاتے، لڑائی سے گریز کرنا۔ کسی بھی طرف پیش قدمی کا خطرہ مول نہ لینا۔"

مثنیٰ بن حارثہ مسرور اور مطمئن محاذ کو روانہ ہو گیا۔

□

دو دنوں بعد کمک بھی روانگی کے لیے تیار ہو گئی۔ کسی بھی تاریخ میں اس کی تعداد نہیں لکھی۔ یہ تعداد یقیناً دو ہزار کے قریب تھی۔

"ابو عبید!" — حضرت عمرؓ نے بوقتِ رخصت ابو عبید کو آخری ہدایت دی — "تمہیں محاذ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی صحابہ کرام ملیں گے۔ وہ جو کہیں گے اُس پر عمل کرنا۔ تم کمک کے اس لشکر کے امیر ہو اور محاذ پر جا کر تم اس کے سالار ہو گے۔ کوئی کارروائی اور کوئی فیصلہ صحابہ کرام کے مشورے کے بغیر نہ کرنا۔ جلد بازی سے کام نہ لینا۔ تم بہت بڑی بادشاہی کے خلاف لڑنے جا رہے ہو۔ جنگ میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے ہر صورتِ حال کو ٹھنڈے دل سے سوچنے کی اور ہر موقع سے فائدہ اٹھانے کی ضرورت ہوتی ہے.... الوداع ابو عبید! اللہ تمہارے ساتھ ہے۔"

حضرت عمرؓ کچھ دُور تک اس لشکر کے ساتھ گئے۔ دُور جا کر ابُو عبید نے پیچھے دیکھا۔ مدینہ کے باہر اور مکانوں کی چھتوں پر مردوں اور عورتوں کے ہاتھ بلند ہو کر ہِل رہے تھے۔

کمک کا مسئلہ حل ہو گیا تو حضرت عمرؓ نے اپنے اس حکم پر توجہ مرکوز کر لی کہ ارتداد کے خلاف جہاد کے دوران جن مرتدین کو غلام بنایا گیا تھا، انہیں آزاد کر دیا جائے۔ ان غلاموں کے آقا اس حکم پر خوش نہیں تھے لیکن عمرؓ اپنے احکام منوانا جانتے تھے۔ اُنہوں نے اپنے انتظام کے تحت گھر گھر اپنا یہ حکم پہنچا دیا کہ غلاموں کو آزاد کر دیا جائے۔

لوگ غلاموں کو آزاد کرنے لگے۔

مدینہ کی چھوٹی سی ایک مضافاتی بستی میں اونٹوں اور گھوڑوں کا ایک تاجر رہتا تھا جس کا نام ابو زبیر تھا۔ دولت مند آدمی تھا۔ وہ تھا تو گھوڑوں کا سوداگر جو ادھر اُدھر سے گھوڑے لا کر بیچتا تھا لیکن وہ گھوڑوں کے دوسرے سوداگروں سے اس لحاظ سے مختلف تھا کہ وہ گھوڑوں کو جنگی تربیت بھی دیتا تھا۔ اُس کے سدھائے ہوئے گھوڑے میدانِ جنگ کے لیے کار آمد اور قابلِ اعتماد ثابت ہوتے تھے۔

اُبو زبیر جو اپنے قبیلے کا ایک سرکردہ فرد تھا، میدان جنگ کا شہسوار تھا اور تیغ زنی میں خصوصی مہارت رکھتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ارتداد کا فتنہ اٹھا تو خلیفہ اوّل ابو بکرؓ نے مرتدین کے خلاف جہاد کا اعلان کر دیا۔ ابو زبیر بھی اس جہاد میں شریک ہوا۔ اُس وقت اُس کی عمر ساٹھ سال ہو چکی تھی۔ مجاہدین کے لشکر میں اُسے کوئی عہدہ حاصل نہیں تھا۔ اُس کی حیثیت سپاہی جیسی تھی۔

اُس نے دو معرکے لڑے تھے۔ وہ ارتداد کے خاتمے تک لڑنے کا عزم لے کر گیا تھا لیکن اُس کے گھوڑے کی آنکھ میں تیر اُتر گیا۔ گھوڑا اتنی زور سے اُچھل کر بھاگا کہ ابو زبیر گھوڑے سے گر پڑا۔ یہ گھمسان کا معرکہ تھا۔ کسی اور گھوڑے کا پاؤں اُس کے کُولہے پر پڑا اور وہ اُٹھنے کے قابل نہ رہا۔ وہ بڑی مشکل سے اپنے آپ کو گھسیٹتا معرکے سے نکل گیا۔ اُس کی مرہم پٹی تو ہو گئی لیکن ٹانگ کے جوڑ میں ایسا نقص پیدا ہو گیا کہ وہ صرف چلنے کے قابل رہ گیا اور وہ بھی آہستہ آہستہ۔ وہ مدینہ کے قریب اپنے گاؤں واپس آ گیا۔ وہ خالی ہاتھ واپس نہیں آیا تھا۔ اُس کے ساتھ مرتدین کی ایک ادھیڑ عمر عورت اور اس عورت کی بیٹی تھی جس کی عمر سترہ اٹھارہ سال تھی۔ اُس کے قبیلے کے چند ایک آدمی اُس کے ساتھ جہاد میں شریک تھے۔ ابو زبیر زخمی ہو گیا اور مدینہ کو واپس جانے لگا تو اُس کے قبیلے کا ایک آدمی اس ادھیڑ عمر عورت اور اُس کی نوجوان بیٹی کو ساتھ لیے اُس کے پاس آیا۔

"یہ مالِ غنیمت ہے ابوزبیر!" — اس آدمی نے کہا — "اس کے اہل تم ہی ہو۔ یہ ماں بیٹی لونڈیاں ہیں۔ ہم انہیں کیا کریں گے۔ یہ تم جیسے خوشحال سوداگر کے گھر میں ہی اچھی لگتی ہیں۔"

ابوزبیر کا زخم ٹھیک ہو گیا اور وہ کام کاج کے قابل ہو گیا لیکن میدانِ جنگ کے قابل نہ ہو سکا۔ اب وہ آہستہ آہستہ چلتا تھا۔ اُس کی تین بیویاں تھیں جن سے اُس کے سات بیٹے تھے۔ سب سے بڑے بیٹے کی عمر تیس سال کے قریب تھی۔ باقی بیٹے جوان اور نوجوان تھے۔ اُس نے سب بیٹوں کو اپنے پاس بلا لیا۔

"میرے بیٹو!" — اُس نے کہا — "میں مرتدین کے خلاف لڑنے گیا تھا کہ یہ میرا فرض تھا اور میں یہ دو لونڈیاں اپنے ساتھ لایا ہوں کہ یہ میرا حق ہے لیکن ان پر میرا اور تمہارا ایسا کوئی حق نہیں کہ ہم میں سے کوئی بھی انہیں بغیر نکاح کے بیویاں بنا لے اور میں تم میں سے کسی کو اس نوجوان لونڈی کے ساتھ نکاح کرنے کی اجازت نہیں دوں گا۔ یہ گھر کا کام کاج کریں گی لیکن ان سے اتنا ہی کام لیا جائے گا جتنا یہ کر سکتی ہیں۔"

ابوزبیر نے اس لونڈی سے صرف ایک بار کہا تھا کہ وہ اپنی بیٹی کے ساتھ اسلام قبول کر لے تو ماں کی شادی اُس کی عمر کے کسی مسلمان کے ساتھ کرا دی جائے گی اور اُس کی بیٹی کو وہ اپنی بہو بنا لے گا۔ ابوزبیر اس لڑکی کی شادی اپنے بڑے بیٹے کے ساتھ کرنا چاہتا تھا۔

"ابوزبیر!" — اس عورت نے بڑے پختہ لہجے میں جواب دیا تھا — "میرا جواب ایک ہی بار سُن لے۔ میں اسلام قبول نہیں کروں گی۔ تُو نے سوچا ہوگا کہ میں تیرے ہاتھوں میں مجبور اور محتاج ہوں اور تیری ہر بات مان لوں گی۔ نہیں ابوزبیر! تُو جانتا ہے کہ میں کسی غریب باپ کی بیٹی نہیں نہ میرا خاوند غریب آدمی تھا۔ وہ قبیلے کے اہم آدمیوں میں سے تھا۔"

"میں تجھے حکم نہیں دے رہا عاصمہ!" — ابوزبیر نے کہا — "جبر نہیں کر رہا۔ تیرے بھلے کی بات کہی ہے۔"

"حکم دے کے دیکھ لے" — عاصمہ نے کہا — "جبر کر کے دیکھ لے۔ مسلمانوں کے ہاتھوں میرا خاوند قتل ہُوا۔ میرے دو بھائی قتل ہوئے ہیں۔ میرا گھر جلا دیا گیا ہے۔ تُو بھی اس لڑائی میں شامل تھا۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ میرے خاوند یا بھائیوں کا قاتل تُو ہی ہو؟"

"ہو سکتا ہے" — ابوزبیر نے کہا — "تو کیا ایسا نہیں ہُوا کہ تیرے خاوند اور بھائیوں کے ہاتھوں میرے کتنے ہی ساتھی زخمی اور قتل ہوئے ہوں۔ یہ لڑائی تھی عاصمہ! دونوں طرف کے آدمیوں کو زخمی اور قتل ہونا ہی تھا۔ اگر تیرا خاوند اور قبیلے کے سردار وغیرہ دھوکہ نہ دیتے تو آج تُو میرے گھر میں لونڈی نہ ہوتی۔"

"جسے تم لوگ دھوکہ کہتے ہو وہ ہمارے بزرگوں کی ایک چال تھی" — عاصمہ نے کہا — "ہم اسلام کو نقصان پہنچانا چاہتے تھے لیکن دُو بدُو جنگ کے لیے ہمارے پاس طاقت نہیں تھی۔ ہمارے سرداروں نے یہ چال چلی کہ مسلمان ہو گئے۔ اس سے یہ فائدہ ہُوا کہ تم لوگ ہمیں اپنا سمجھنے لگے اور ہم لوگ در پردہ تمہارے خلاف جنگ کی تیاریاں کرنے لگے۔ ہمارے بزرگ موزوں موقع ڈھونڈنے لگے۔"

"اور تم لوگوں کے بزرگوں کو وہ موقع مِل گیا" — ابوزبیر نے عاصمہ کی بات کاٹتے ہوئے کہا — "ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انتقال فرما گئے۔ تمہارے بزرگ اور سردار خوش ہوتے کہ اب مسلمان ..."

"ہاں ابوزبیر!" — عاصمہ درمیان میں بول پڑی — "تُو ٹھیک کہتا ہے .... تم لوگ جیت گئے لیکن میں اسلام قبول نہیں کروں گی۔ اپنے دشمنوں کا مذہب قبول نہیں کروں گی۔ میں تیری لونڈی ہوں۔ میری بیٹی تیری لونڈی ہے۔ ہم دونوں سے تجھے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔ تیری کسی بیوی کو کوئی شکایت نہیں ہوگی۔"

"اور تجھے اس گھر کے کسی فرد سے کوئی شکایت نہیں ہوگی" — ابوزبیر نے کہا — "میرا کوئی بیٹا تیری اتنی خوبصورت بیٹی کو مَیلی آنکھ سے نہیں دیکھے گا۔ تیری شادی نہیں ہُوتی تو کوئی فرق نہیں پڑے گا، تیری بیٹی کی شادی ہو جانی چاہیئے۔"

"شادی کے لیے میں اسے مسلمان نہیں ہونے دوں گی" — عاصمہ نے کہا — "میں لڑکی کے باپ کے قاتلوں کو لڑکی نہیں دوں گی۔"

ابوزبیر دیندار مسلمان تھا۔ وہ اس ماں بیٹی کے ساتھ اسلامی اصولوں کے مطابق سلوک کر رہا تھا۔ اُس نے عاصمہ کی طنزیہ اور جلی کٹی باتوں پر کسی اُلٹے پلٹے ردِ عمل کا اظہار نہ کیا۔ یہ اُن دنوں کی بات ہے جب عاصمہ اور اُس کی بیٹی کو یہاں آئے ہُوئے ابھی چند دن ہی ہوئے تھے۔ اس کے بعد ابوزبیر نے اُسے اسلام قبول کرنے کے لیے کبھی نہ کہا۔

□

عاصمہ کو ابوزبیر کے گھر آئے ہوئے دو تین مہینے گزر گئے تھے۔ وہ ایک روز کسی کام سے اصطبل میں گئی تو ابوزبیر ایک آدمی کو گھوڑے دکھا رہا تھا۔ اس آدمی کی عاصمہ کی طرف پیٹھ تھی۔ یہ شخص گھوڑا خریدنے آیا تھا۔ اُس نے مڑ کر دیکھا تو عاصمہ کو اُس کا چہرہ نظر آیا۔ وہ چونک پڑی۔ اس شخص کا ردِ عمل بھی کچھ ایسا ہی تھا۔ اُس کے چہرے پر حیرت کا گہرا تاثر آگیا۔

عاصمہ جس کام کے لیے آئی تھی وہ کر کے چلی گئی۔ اس شخص نے ایک گھوڑا خریدا اور اصطبل

سے نکل گیا۔ باہر اُس کا گھوڑا کھڑا تھا۔ اُس نے نئے گھوڑے کی رسّی اپنے گھوڑے کی پچھاڑی سے باندھی اور سوار ہو کر چلا گیا۔ وہ اِدھر اُدھر مڑ مڑ کر پیچھے دیکھتا جا رہا تھا جیسے وہ کسی کی تلاش میں ہو۔ گھوڑے کی رفتار بہت ہی آہستہ تھی۔

وہ شہر سے نکل گیا۔ اب وہ بار بار پیچھے دیکھتا تھا اور گھوڑا چلا جا رہا تھا۔

"ابنِ داؤد!" ——— اُسے ایک نسوانی آواز سنائی دی۔

اُس نے اُدھر دیکھا۔ کھجور کے تین درخت ایک دوسرے سے ملے کھڑے تھے۔ ان کے ساتھ ہی ریتلی مٹی کی ڈھیری تھی۔ وہاں ایک عورت کھڑی تھی۔

"عاصمہ!" ——— ابنِ داؤد گھوڑے سے کود کر اُترا اور عاصمہ کے قریب جا کر کہنے لگا ——— "میں تمہیں دیکھتا آ رہا تھا..... تم یہاں کیسے؟ مسلمان ہو گئی ہو؟ گھوڑوں کے اس سوداگر کی بیوی بن گئی ہو؟"

"بیوی نہیں، لونڈی" ——— عاصمہ نے افسردہ سے لہجے میں جواب دیا ——— "غلامی کی زندگی بسر کر رہی ہوں۔ مسلمان نہیں ہوتی نہ ہوں گی"

"تو چلو میرے ساتھ!" ——— ابنِ داؤد نے کہا ——— "تمہارے آقا کو پتہ چلنے تک اتنی دور پہنچا دوں گا جہاں تک کوئی نہیں پہنچ سکتا"

"بیٹی کو چھوڑ کر کیسے چلی جاؤں" ——— عاصمہ نے کہا ——— "وہ بھی میرے ساتھ ہے..... کیا تم نہیں جانتے کہ میرا خاوند اور دو بھائی لڑائی میں مارے گئے ہیں؟..... ہم نے بہت بُری شکست کھائی ہے ابنِ داؤد! ہم نے جو مقصد حاصل کرنا چاہا تھا وہ نہ کر سکے۔ میں نے سنا تھا کہ بنی اسرائیل کے دانشور جو منصوبہ بناتے ہیں وہ ناکام نہیں ہوا کرتا لیکن تمہاری قوم کا یہ منصوبہ ایسا ناکام ہوا کہ ہم لوگ ساری عمر اُٹھنے کے قابل نہیں رہے"

"اس ناکامی کی ذمہ داری نہ مجھ پر عائد ہوتی ہے نہ تم پر" ——— ابنِ داؤد نے کہا ——— "منصوبہ ہر لحاظ سے کارآمد اور مکمل تھا لیکن لڑنے والوں نے ہمت ہار کر اتنا اچھا منصوبہ خاک میں ملا دیا۔ جانی نقصان تو ہونا ہی تھا۔ سب سے بڑا نقصان یہ ہوا ہے کہ اسلام کی جڑیں پہلے سے زیادہ مضبوط ہو گئی ہیں"

"لیکن میں ابھی ہاری نہیں" ——— عاصمہ نے کہا ——— "میں نے اپنے بھائیوں اور اپنے خاوند کے خون کا انتقام لینا ہے۔ کبھی تو جی میں آتی ہے کہ اپنے اس آقا ابوزبیر کو قتل کر دوں۔ یہ بھی ہمارے خلاف لڑا تھا، لیکن تمہاری بات یاد آتی ہے کہ کسی ایک آدمی کو قتل کرنے سے ہمارا اتنا بڑا منصوبہ کامیاب نہیں ہو سکتا بلکہ اسے نقصان پہنچ سکتا ہے"

"میری دوسری باتیں بھی یاد رکھنا جو تمہیں بتا رہا ہوں" ——— ابنِ داؤد نے کہا ——— "کتنا اچھا

ہوا ہے کہ تم یہاں مل گئی ہو۔ ہم نے تم سے بہت کام لینا ہے۔ تمہاری بیٹی جوان ہو گئی ہے اُس سے بھی کام لینا ہے"

"میں اُس کی تربیت اپنے نظریات اور اپنے منصوبے کے مطابق کر رہی ہوں۔ اُس کے دل میں اسلام کی نفرت پیدا کر دی ہے"

"تم نے اصل ہدایت دی ہی نہیں ہو گی" ——— ابنِ داؤد نے کہا۔

"میں جان گئی ہوں تم کس ہدایت کی بات کر رہے ہو" ——— عاصمہ نے کہا ——— "میں نے اسے اچھی طرح سمجھا دیا ہے کہ قبیلوں کے سرکردہ افراد کے بیٹوں کو محبت کے جال میں پھانس کر انہیں آپس میں لڑانا ہے۔ وفاداری کا حلفیہ وعدہ ہر کسی کے ساتھ کرنا ہے لیکن کسی ایک کے بھی ساتھ وفاداری نہیں کرنی"

عاصمہ وہاں زیادہ دیر نہیں ٹھہر سکتی تھی۔ ابنِ داؤد نے اُس سے پھر ملنے کا وعدہ کیا اور چلا گیا۔

تاریخ جو حقائق اپنے دامن میں لیے ہم تک پہنچی ہے، وہ اس راز کو بے نقاب کرتے ہیں کہ فتنۂ ارتداد کے بھی پسِ پردہ یہودی تھے اور مرتدین میں سے جنہوں نے نبوت کے دعوے کیے تھے وہ یہودیوں کے پروردہ تھے۔

□

عاصمہ کے ساتھ ابنِ داؤد کی یہ ملاقات اُس وقت سے ایک سال پہلے ہوئی تھی جب حبیب بن کعب بنت یامین کے ساتھ شادی کر کے اسے مدینہ لایا تھا اور کچھ دنوں بعد ابنِ داؤد ان کے پاس پہنچ گیا تھا۔ اس ایک سال کے عرصے میں ابنِ داؤد اور عاصمہ کی متعدد ملاقاتیں ہوئی تھیں۔ عاصمہ بنتِ یامین سے بھی ملی لیکن یہ کوئی لمبی ملاقات نہیں تھی۔

اس ایک سال میں عاصمہ نے ابوزبیر پر اپنا ایسا تاثر پیدا کر لیا تھا کہ ابوزبیر کی نگاہوں میں عاصمہ کی حیثیت لونڈی جیسی رہی ہی نہیں تھی۔ ابوزبیر کی بیویاں بھی عاصمہ کو لونڈی نہیں سمجھتی تھیں۔ عاصمہ نے اپنی شارعیہ بنت عقیل کو اپنے حسن و جمال کے استعمال کے طریقے عملاً ازبر کرا دیئے تھے اور اُسے یہ اصول ذہن نشین کرایا تھا کہ اپنے جسم کو مرد کے ہاتھ میں کھلونا نہیں بننے دینا اور جسے دامِ محبت میں لو اُس کے لیے بڑا ہی دلکش اور صحرا کی رات جیسا ٹھنڈا سراب بنے رہنا، اور جب وہ تھک کر اور مایوس ہو کر رکنے لگے تو اسے بازوؤں سے تھام لینا اور اپنے ان ریشم جیسے نرم و ملائم بالوں اور پھول کی پتیوں جیسے گالوں کے لمس سے اس کے وجود میں نئی روح پھونک کر اُسے تر و تازہ کر دینا۔

شارعیہ کے بال بھی ریشم جیسے نرم و ملائم تھے اور گال بھی پھول کی پتیوں جیسے تھے۔ وہ عرب کے حسن کا شاہکار تھی اور اُس نے اپنے حسن و جمال کے دام میں جسے پھانسا تھا وہ اُس کے آقا کا ایک نوجوان بیٹا سلمان تھا۔ ابوزبیر نے اپنے بیٹوں کو سختی سے کہہ رکھا تھا کہ وہ عاصمہ اور اُس کی بیٹی شارعیہ کے ساتھ بے تکلفانہ مراسم پیدا نہ کریں۔ ابوزبیر شارعیہ کی جوانی اور اُس کے حسن کو دیکھ کر خطرہ محسوس کرتا رہتا تھا کہ اُس کا کوئی بیٹا کوئی اُلٹی سیدھی حرکت کر بیٹھے گا۔ یہ خطرہ صرف اس صورت میں ختم ہو سکتا تھا کہ عاصمہ اور شارعیہ اسلام قبول کر لیں اور ابوزبیر اپنے کسی ایک بیٹے کی شادی شارعیہ کے ساتھ کر دے لیکن عاصمہ اسلام قبول کرنے سے صاف انکار کر چکی تھی۔

ابوزبیر کو معلوم نہیں تھا کہ وہ جب رات کو گہری نیند سویا ہُوا ہوتا ہے، اُس وقت اُس کا بیٹا سلمان اصطبل سے ملحق نوکروں کے کمرے میں شارعیہ کے پاس ہوتا ہے اور عاصمہ کچھ دیر کے لیے باہر چلی جاتی ہے۔

عاصمہ نے شارعیہ کو کہنا شروع کر دیا تھا کہ اب وہ ابوزبیر کے ہی ایک اور بیٹے کو یا باہر کے کسی آدمی کو سلمان کا رقیب بنا دے اور ان میں ایسی دشمنی پیدا کر دے کہ مسلمانوں کے دو قبیلے نہیں تو خاندان آپس میں ٹکرا جائیں۔ شارعیہ ماں کو یقین دلا رہی تھی کہ وہ ابُوزبیر کے خاندان سے ہٹ کر ایک خاندان کو دیکھ رہی ہے۔

□

حضرت عمرؓ کے ایک حکم نے اس خطرے کو ختم کر دیا لیکن خطرے میں اضافے کا امکان بھی تھا۔ حکم یہ تھا کہ مرتدین کے جن افراد کو غلام اور لونڈیاں بنایا گیا تھا، انہیں آزاد کر کے اُن کے رشتہ داروں کے حوالے کر دیا جائے۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اس حکم پر اُن لوگوں نے اعتراض کیا تھا جن کے پاس غلام اور لونڈیاں تھیں۔ اس کی اجازت خلیفہ اوّل حضرت ابوبکرؓ صدیق نے دی تھی لیکن خلیفہ دوم حضرت عمرؓ کی سیاست کچھ اور تھی۔ سالار مثنیٰ بن حارثہ نے بھی (تاریخی روایت کے مطابق) عمرؓ کو مشورہ دیا تھا کہ مرتدین میں سے بہت سے لوگ تائب ہو چکے ہیں۔ بہتر ہوگا کہ انہیں اعتماد میں لے لیا جائے اور ان کے عزیز رشتہ دار واپس کر دیئے جائیں۔ عمرؓ نے خود بھی یہی سوچا تھا۔ مرتدین اب سچے دل سے مسلمان ہو تے تھے۔ یہ اسلام کی عسکری طاقت تھے۔

عمرؓ نے غلاموں اور لونڈیوں کو آزاد کرنے کا حکمنامہ جاری کر دیا۔

ابوزبیر نے عاصمہ اور اس کی بیٹی شارعیہ کو اپنے پاس بلایا۔

"آج سے تم اس گھر کی لونڈیاں نہیں ہو" ــــ ابوزبیر نے انہیں کہا ــــ "تم نے خلیفہ کا حکم سن لیا ہے لیکن میں تمہیں گھر سے نہیں نکال سکتا۔ تم یہ بتاؤ کہ میں تمہیں کس کے حوالے کروں؟ اپنا کوئی قریبی رشتہ دار بتاؤ۔ میں تمہیں وہاں چھوڑ آؤں گا۔"

"یہ میں ایک دو روز بعد بتا سکوں گی" ــــ عاصمہ نے کہا ــــ "میرا دُور کا ایک رشتہ دار مدینہ میں ہے۔ اُس نے اسلام قبول کر لیا ہے اور اُس نے کچھ عرصہ پہلے یہاں سے ایک گھوڑا بھی خریدا تھا۔"

عاصمہ اسی روز ابنِ داؤد سے ملی۔ ابنِ داؤد ابھی مدینہ میں تھا۔ اب وہ حبیب بن کعب کے گھر نہیں بلکہ ایک دوست کے گھر رہتا تھا۔ اُس کا یہ دوست دراصل یہودی تھا جس نے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کر رکھا تھا۔ وہ بڑھئی کا کام کرتا تھا۔ وہ مدینہ کا رہنے والا نہیں تھا۔ کوئی دور دراز کا گاؤں بتاتا تھا جہاں سے وہ روزی کمانے کے لیے مدینہ آیا اور یہیں آباد ہو گیا تھا۔

شارعیہ کی ملاقاتیں عاصمہ نے ابنِ داؤد سے بھی کرائی تھیں۔ ابنِ داؤد نے شارعیہ کو بتایا تھا کہ اُس نے مسلمانوں سے اپنے باپ اور دو ماموؤں کے خون کا انتقام لینا ہے اور اسلام کو تخریب کاری سے تباہ کرنا ہے۔ ابنِ داؤد نے اس لڑکی کو تخریب کاری کے بہت سے طریقے بتاتے اور یہ بھی بتایا کہ بنتِ یامین مسلمان نہیں یہودی ہے۔

"کیا ابوزبیر کے بیٹے سلمان کے ساتھ عشق و محبت کا ناٹک ٹھیک چل رہا ہے؟" ــــ ابنِ داؤد نے اُس سے پوچھا تھا۔

"وہ تو میرے عشق میں پاگل ہُوا جا رہا ہے" ــــ شارعیہ نے ہنستے ہوئے جواب دیا تھا "لیکن اُس کے باپ نے حکم دے رکھا ہے کہ میرے ساتھ اُس کا کوئی بیٹا شادی نہیں کر سکتا۔ سلمان کہتا ہے کہ باپ نے شادی کی اجازت نہ دی تو وہ مجھے ساتھ لے کر مدینہ سے ہمیشہ کے لیے نکل جائے گا۔ میں بتا نہیں سکتی کہ اُس کی حالت کیا ہو رہی ہے۔"

"اب ایسے ہی ایک اور نوجوان کو پاگل کر دو" ــــ ابنِ داؤد نے کہا ــــ "میں تمہیں بتاتا ہوں وہ کون ہے" ــــ ابنِ داؤد نے اُسے ایک نوجوان کا نام اور خاندان بتا کر کہا تھا ــــ "اِسے سلمان سے ٹکرا دو پھر سلمان کے باپ کے کان میں ڈال دو کہ اس خاندان کے اس لڑکے نے تم پر دست درازی کی ہے" ــــ ابنِ داؤد نے اُسے کچھ اور ہدایات بھی دی تھیں۔

"تم دیکھتے چلو ابنِ داؤد!" ــــ شارعیہ نے کہا تھا ــــ "میں گھر کی دیواروں کے اندر رہ کر مدینہ میں خون کی ندیاں بہا دوں گی۔"

ذہن میں ایک سوچ اور مقصد رکھو" ابنِ داؤد نے کہا تھا — "مقصد یہ ہے کہ ان مسلمانوں کو جاہلیت کے اُن ہی اندھیروں میں واپس دھکیلنا ہے جہاں سے انہیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے نکالا تھا۔ ان کے آپس کے اختلاف موجود ہیں۔ ہم نے ان اختلافات کو دشمنی کا رنگ دینا اور انہیں آپس میں ٹکرانا ہے تاکہ یہ ایک دوسرے کا خون بہا بہا کر ختم ہو جائیں۔ ہم کئی اور طریقے استعمال کر رہے ہیں"

"میں جانتی ہوں" — شارعیہ نے کہا — "ماں نے مجھے سب کچھ بتا دیا ہے"

اس کے بعد شارعیہ اور بنتِ یامین کی بھی ملاقاتیں ہوئیں۔ بنتِ یامین نے شارعیہ کو بتایا تھا کہ اُس نے حبیب بن کعب کو اپنی مٹھی میں لے کر اُس کا دماغ خراب کرنا شروع کر دیا ہے۔

□

یہودی اسلام میں نظریاتی اور دیگر طریقوں سے تخریب کاری میں لگے ہی رہتے تھے لیکن خیبر کی شکست نے انہیں سانپ اور بچھو بنا دیا تھا۔ ان کے تین قبیلے — بنو قریظہ، بنو نضیر اور بنو قینقاع — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں شکست کھا کر منتشر ہو گئے تھے مگر در پردہ اکٹھے ہو کر انہوں نے مسلمانوں کے خلاف زمین دوز کارروائیاں شروع کر دیں بلکہ پہلے سے زیادہ خطرناک اور زیادہ تیز کر دی تھیں۔ انہوں نے تو غزوۂ خیبر کے فوراً بعد ایک یہودن کے ہاتھوں رسول اللہؐ کو زہر تک دے دیا تھا۔

عاصمہ اور شارعیہ کو ابو زبیر نے آزاد کر کے ابنِ داؤد کے حوالے کر دیا۔ ابنِ داؤد انہیں بڑھئی دوست کے گھر لے گیا۔ ابو زبیر کا بیٹا سلمان وہاں بھی شارعیہ سے تین چار دن ملتا رہا۔

ان تین چار دنوں میں عاصمہ اور شارعیہ کو ابنِ داؤد نے ابو سلمیٰ، اسحاق وغیرہ کے متعلق بتایا کہ تخریب کاری کی کمان اور ہدایت کاری ان دونوں کے ہاتھ ہے اور وہ فلاں سمت ایک نخلستان میں ٹھہرے ہوتے ہیں۔ ابن داؤد عاصمہ اور شارعیہ کو ایک دو دنوں کے لیے وہاں لے جانا چاہتا تھا۔

ابنِ داؤد نے حبیب بن کعب کو یہ بتا رکھا تھا کہ وہ بنتِ یامین کا باپ ہے بنتِ یامین ایک دنوں سے حبیب سے کہہ رہی تھی کہ وہ دو چار دنوں کے لیے اپنے گاؤں جانا چاہتی ہے۔ حبیب پر وہ جادو بن کر غالب آ گئی تھی۔ وہ کہتی تھی کہ اپنے باپ کے ساتھ جائے گی اور اُسی کے ساتھ واپس آ جائے گی۔ ابنِ داؤد نے بھی حبیب سے التجا کی کہ وہ اپنی بیٹی کو دو تین دنوں کے لیے گاؤں لیجانا چاہتا ہے۔ حبیب نے اجازت دے دی۔

اگلی صبح ابنِ داؤد دو گھوڑے لے آیا۔ ایک پر خود سوار ہوا، دوسرے پر بنتِ یامین سوار ہوئی اور وہ روانہ ہو گئے۔

"اب گھوڑے کو ہلکی سی ایڑ لگا دو" — شہر سے کچھ دُور جا کر ابنِ داؤد نے بنت یامین سے کہا — "وہ کچھ دیر پہلے نکل گئے ہیں۔ ہم اُن تک پہنچ جائیں گے"

دونوں گھوڑوں کی رفتار تیز ہو گئی۔

اُفق سے سورج اُبھر رہا تھا جب انہیں ڈیڑھ ایک میل دُور تین گھوڑسوار جاتے دکھائی دیئے ان کے ساتھ ایک اونٹ بھی تھا جس کی مہار ایک گھوڑے کے پیچھے بندھی ہوئی تھی — ایک پر عاصمہ سوار تھی، دوسرے پر شارعیہ اور تیسرا گھوڑسوار ابنِ داؤد کا بڑھئی دوست تھا۔ اونٹ پر کھانے پینے کا اور کچھ دیگر سامان لدا ہوا تھا۔ ابنِ داؤد اور بنتِ یامین نے گھوڑے دوڑا دیئے اور اُن تک پہنچ گئے۔ یہ سب ابو سلمیٰ کے پاس جا رہے تھے۔ ان کی منزل دو دنوں کی مسافت پر تھی۔

انہوں نے شام کو ایک پڑاؤ کیا اور صبح صادق کے وقت چل پڑے۔

اگلی شام اسی جگہ ایک اور قافلہ خیمہ زن ہو رہا تھا کہ ابنِ داؤد کا قافلہ اپنی منزل پر پہنچ گیا۔ منزل وہی تھی جو اس داستان کے آغاز میں بیان ہو چکی ہے — مدینہ کے شمال مشرق میں تیس پینتیس میل دُور ایک ہرا بھرا نخلستان، چھوٹی سی ایک جھیل، اس کے ارد گرد کھجور کے پیڑوں کے جھنڈ اور صحرائی پودے — یہ نخلستان جو تپتے ہوئے صحرا میں دہکتے ہوئے انگاروں پر کھلے ہوئے پھول کی طرح لگتا تھا، ایسے دشوار گزار اور بھیانک علاقے میں تھا کہ اس علاقے میں کوئی مسافر داخل ہی نہیں ہوتا تھا اور کسی کو معلوم ہی نہیں تھا کہ اس خوفناک علاقے میں اتنا خوبصورت اور ٹھنڈا نخلستان ہو گا۔

اس نخلستان میں ابو سلمیٰ یہودی نے خیموں کی ایک حسین دنیا آباد کر رکھی تھی۔

جس رات ابنِ داؤد اپنے مختصر سے قافلے کے ساتھ یہاں پہنچا، اس رات اُنہوں نے آرام کیا۔ اگلی رات ابو سلمیٰ نے ان کے اعزاز میں نشاط کی محفل منعقد کی۔ شراب کی صراحیاں کھل گئیں اور جام حرکت میں آ گئے۔ ایک رقاصہ سازوں کی لے پر بل کھانے لگی۔

وہ قافلہ جو ابنِ داؤد کے چھوڑے ہوئے پڑاؤ والی جگہ پر گذشتہ شام خیمہ زن ہوا تھا وہ اگلی صبح وہاں سے چل پڑا تھا اور وہ ابنِ داؤد کے قافلے کے نقوشِ پا پر جا رہا تھا۔

رات جب ابوسلمیٰ کے جھگڑے اور محل کے کمرے جیسے بڑے خیمے میں رقص و شراب اور ساز و آواز کی محفل گرم تھی تو کسی نے کہا۔ ایسے لگتا ہے جیسے میں نے گھوڑوں کے ٹاپ سنے ہوں۔

"تھوڑی سی اور پی لو"۔۔۔ ابوسلمیٰ کے ساتھی اسحٰق نے کہا ۔۔۔"تمہارے کان بجنے بند ہو جائیں گے۔"

"کون ہو؟"۔۔۔ باہر سے کسی کی آواز سنائی دی۔

"خاموش!"۔۔۔ کسی اور کی آواز آئی۔ اس کے ساتھ ہی کسی نے بلند آواز میں کہا ۔۔۔"جہاں ہو وہیں رہو۔ تم سب گھیرے میں ہو۔"

بڑے خیمے کے اندر ساز اور دف خاموش ہو گئے۔ رقاصہ جہاں تھی وہیں بت بن گئی۔ ڈراؤنا سا سناٹا طاری ہو گیا۔

"صحرائی قزاق!"۔۔۔ ابوسلمیٰ نے آہستہ سے کہا۔

اس کمرے جیسے خیمے کے دو دروازے تھے۔ دونوں طرف سے آدمی اندر آنے لگے۔ ہر ایک کے ہاتھ میں ننگی تلوار تھی۔ ان میں ایک ابوزبیر، اُس کا بیٹا سلمان اور تین اور بیٹے تھے۔ حبیب بن کعب تھا اور چار اُس کے دوست تھے۔

"بنتِ یامین!"۔۔۔ حبیب نے اپنی بیوی سے پوچھا ۔۔۔"تم تو اپنے گاؤں جانا چاہتی تھیں۔ یہاں کیسے آ گئیں؟ کیا ابنِ داؤد تمہارا باپ ہے؟ کیا تم مسلمان ہو؟"

بنتِ یامین کا منہ حیرت اور خوف سے کھل گیا تھا۔ وہ کچھ بول نہ سکی۔ حبیب کے ہاتھ میں تلوار تھی۔ وہ آہستہ آہستہ بنتِ یامین کے قریب گیا۔ فانوسوں کی روشنی میں حبیب کی تلوار آسمانی بجلی کی طرح چمکی اور دوسرے لمحے بنتِ یامین کا سر فرش پر گرا اور دھڑ الگ گرا۔ رقاصہ اور اس کی ساتھی لڑکیوں کی چیخیں نکل گئیں۔

"شارعیہ!"۔۔۔ ابوزبیر نے کہا ۔۔۔"تم ان سے الگ ہٹ جاؤ۔۔۔ اِدھر آ جاؤ۔"

شارعیہ تیز تیز چلتی ابوزبیر کے ساتھ جا کھڑی ہوئی۔

"بدطینت لڑکی!"۔۔۔ ابنِ داؤد نے دانت پیستے ہوئے شارعیہ سے کہا ۔۔۔"انہیں تو یہاں لائی ہے۔ یہ کرتوت تیری ہی ہو سکتی ہے۔"

"کیا یہ سچ ہے؟"۔۔۔ عاصمہ نے شارعیہ سے پوچھا ۔۔۔"کیا تو نے مخبری کی ہے؟ کیا تو نے اپنی ماں کو بھی دھوکہ دیا ہے؟۔۔۔ غدار!"۔۔۔ وہ درندوں کی طرح پنجے آگے کر کے اور غصے سے دانت نکال کر شارعیہ کی طرف بڑھی ۔۔۔"میں تیرا گلا گھونٹ دوں گی۔"

وہ شارعیہ پر جھپٹنے ہی لگی تھی کہ ابوزبیر کی تلوار کے بھرپور وار نے اُس کے سر اور جسم کا رشتہ کاٹ دیا۔

"باقی سب سن لو"۔۔۔ شارعیہ نے کہا ۔۔۔"ان سب کو میں یہاں لائی ہوں۔ ابنِ داؤد نے سارا راز مجھے دے دیا تھا۔"

"تم بدقسمت ہو لڑکی!"۔۔۔ ابنِ داؤد نے کہا ۔۔۔"تمہیں جو دولت ہم سے ملنی تھی وہ تمہیں ان لوگوں سے نہیں مل سکتی۔"

"مجھے جو دولت ان لوگوں سے ملی ہے وہ تم نہیں دے سکتے تھے"۔۔۔ شارعیہ نے کہا ۔۔۔"میری ماں ان کی لونڈی تھی۔ میں ان کی لونڈی تھی۔ ابوزبیر اور اُس کے بیٹے ہمارے ساتھ جو سلوک چاہتے کر سکتے تھے لیکن انہوں نے ہمیں حقیر نہ جانا بلکہ ہمیں اپنے گھر کے فرد جیسی عزت دی۔ کیا آپ نہیں جانتے کہ غلاموں کے ساتھ آقا کیا سلوک کرتے ہیں؟۔۔۔ مجھ جیسی خوبصورت اور جوان لونڈی کو نہ ابوزبیر نے نہ اس کے بیٹوں نے بُری نظر سے دیکھا۔ یہ سلمان کھڑا ہے۔ میں اسے چاہنے لگی۔ ہم راتوں کو ملتے رہے۔ میرا جسم تو غلام تھا ہی، میرا دل بھی اس کا غلام ہو گیا لیکن اس نے میرے جسم کے ساتھ کوئی دلچسپی نہیں رکھی۔ یہ کہتا تھا کہ مسلمان ہو جاؤ پھر میں باپ سے اجازت لے کر تمہارے ساتھ شادی کروں گا۔"

شارعیہ جوش و خروش سے بولے جا رہی تھی اور سب خاموشی سے سن رہے تھے۔ صحرا کی خنک رات گزرتی جا رہی تھی۔

"اور ایک تم ہو جو میرے حُسن اور جوانی سے اپنے مقاصد کی تکمیل کرنا چاہتے ہو"۔۔۔ شارعیہ کہہ رہی تھی ۔۔۔"ابنِ داؤد کو میں اپنا باپ سمجھتی تھی۔۔۔ اُس نے دو بار مجھے ہوس کا نشانہ بنانے کی کوشش کی لیکن میں نے اسے ٹال دیا۔ میں بہت دن پہلے مسلمان ہو چکی ہوتی مگر میری ماں نے مجھے کسی اور راستے پر چلانے کی باتیں شروع کر دیں اور ابنِ داؤد نے مجھے سبق دینے شروع کر دیئے۔ میں نے ارادہ کر لیا کہ ان سے سارا راز لے لوں پھر کچھ کر کے دکھاؤں گی اور اسلام قبول کر کے سلمان کی بیوی بن جاؤں گی۔ میں نے راز لے لیا۔ اس جگہ کا فاصلہ معلوم کر لیا، سمت پوچھ لی اور سلمان کو بتایا۔ سلمان نے اپنے باپ کو بتایا پھر حبیب کو بتایا کہ وہ جال میں آیا ہوا ہے"۔۔۔ اُس نے ابوزبیر کی طرف دیکھا اور بولی ۔۔۔"اب تمہیں میری وفا کا یقین ہوا؟۔۔۔ میں مسلمان ہوں۔ میرے دل نے اسلام قبول کر لیا ہے۔"

"ختم کر دو انہیں"۔۔۔ ابوزبیر نے کہا ۔۔۔"اپنے دین کے دشمنوں کو جلا کر راکھ کر دو۔"

صحرا کی رات میں کچھ شور و غل ہوا۔ دو تین نسوانی چیخیں اٹھیں اور رات پھر خاموش ہو گئی۔

اُن خیموں میں جو کوئی بھی تھا، اُسے قتل کر دیا گیا۔ سب کی لاشیں بڑے خیمے میں ایک جگہ ڈھیر کی گئیں۔ ان پر شراب انڈیل کر آگ لگا دی گئی۔ تمام خیموں کو آگ لگائی گئی۔ ان کے اونٹ اور گھوڑے ساتھ لے کر ابوزبیر کا قافلہ مدینہ کو چل پڑا۔ شارعیہ ان کے ساتھ تھی۔ اس قافلے میں سب سے زیادہ قابلِ احترام حیثیت شارعیہ کی تھی۔

ڈیڑھ دو میل دُور جا کر ابوزبیر نے گھوڑا روک کر پیچھے دیکھا۔ نخلستان کی سمت آسمان کا رنگ قرمزی ہوا جا رہا تھا۔ صحرا کی رات دُور دُور تک روشن تھی اور اس روشنی میں سپیدی مائل دھواں اٹھتا دکھائی دے رہا تھا۔

"کفر جل رہا ہے" — حبیب ابن کعب نے کہا۔

"نہیں ابن کعب!" — ابوزبیر نے کہا — "چند ایک کفار جل رہے ہیں۔ کفر کو جلا کر راکھ کرنے کے لیے بہت قربانیاں دینی پڑیں گی۔ کفر صرف میدانِ جنگ میں فتح حاصل کر لینے سے ختم نہیں ہو سکتا۔ اس کے لیے تو بہت سے محاذوں پر جہاد کی ضرورت ہے۔ معاشرے کا محاذ ہے، گھر بھی ایک محاذ ہے اور فرداً فرداً ذاتی محاذ پر کفر کی شکست و ریخت کی جدوجہد کی جا سکتی ہے جس طرح اس لڑکی شارعیہ نے کی ہے۔ اس نے اپنی ماں کو قربان کر دیا ہے"۔

"تم یہاں پڑاؤ کرنے کی تو نہیں سوچ رہے!" — کسی نے پیچھے مڑ کر ابوزبیر اور حبیب کو رُکا ہوا دیکھ کر کہا۔

"نہیں بھائی نہیں" — ابوزبیر نے بلند آواز سے جواب دیا — "جہنم کی اس آگ کو دیکھ رہے ہیں جو شارعیہ نے بھڑکا کر جنت میں اپنا گھر بنا لیا ہے.... چلتے چلو، ہم آ رہے ہیں۔ اس خوفناک علاقے سے نکل کر کہیں آرام کے لیے رُکیں گے"۔

آدھی رات کے بہت بعد یہ قافلہ رُکا اور سب آرام کے لیے لیٹے اور سو گئے۔

✦

اگلے روز یہ قافلہ فاتحانہ چال سے مدینہ کی سمت چلا جا رہا تھا۔ شام تک انہیں مدینہ پہنچ جانا تھا۔ سورج سر پر آ گیا تھا۔ چھوٹا سا ایک نخلستان قریب آ گیا جس سے یہ سب واقف تھے۔ قافلہ کھانے پینے کے لیے رُک گیا۔ ابوزبیر کا بیٹا سلمان حبیب بن کعب کے پاس جا بیٹھا۔

"ابن کعب!" — سلمان نے حبیب سے کہا — "راستے میں شارعیہ مجھے تین بار کہہ چکی ہے کہ وہ مدینہ پہنچتے ہی اسلام میں داخل ہو جائے گی۔ یہ پوچھتی ہے کہ اسلام قبول کرنے کا کوئی خاص طریقہ ہے یا اس کا یہ کہہ دینا ہی کافی ہے کہ آج سے وہ مسلمان ہے؟"

"کیا تم نہیں جانتے اسلام کی قبولیت کا طریقہ کیا ہے؟" — حبیب نے کہا — "اگر یہ لڑکی

اتنی بیتاب ہے تو یہ کام یہیں ہو سکتا ہے" — حبیب اُٹھ کھڑا ہوا اور قافلے سے مخاطب ہو کر پوچھا — "اس قافلے کا امیر کون ہے؟"

"اس کی کیا ضرورت آ پڑی ہے؟" — ایک آدمی نے پُوچھا۔

"یہ لڑکی اسلام قبول کرنے کو بیتاب ہے" — حبیب نے جواب دیا — "یہ کارِ خیر امیرِ کارواں ہی کر سکتا ہے"۔

تقریباً سب کی نظریں ابوزبیر کی طرف اٹھیں۔

"خدا کی قسم!" — حبیب کے ایک دوست نے کہا — "جس قافلے میں ابوزبیر ہو وہاں اور کون کارواں کی امارت کا دعویٰ کر سکتا ہے؟"

"اور یہاں شاید کوئی بھی نہیں جو ابوزبیر کی امارت کی مخالفت کرے گا" — کسی اور نے کہا۔

سب نے فرداً فرداً ابوزبیر کو قافلے کا امیر تسلیم کر لیا۔ حبیب بن کعب نے شارعیہ کو اس کے سامنے بٹھا کر کہا کہ اسے مسلمان کر لیں۔ امیر امام بھی ہوتا تھا۔ نماز باجماعت کی امامت کے فرائض اُس کے ذمے ہوتے تھے۔

"شارعیہ!" — ابوزبیر نے پوچھا — "کیا تو اپنی مرضی سے اسلام قبول کر رہی ہے؟"

"اپنی رضا اور رغبت سے!" — شارعیہ نے جواب دیا۔

"کیا اللہ کے سوا تجھ پر کسی انسان کا خوف طاری ہے؟" — ابوزبیر نے پوچھا — "کسی مسلمان نے تجھ پر تشدد تو نہیں کیا؟... کسی نے کوئی لالچ تو نہیں دیا؟"

"نہیں!"

ابوزبیر نے اُس وقت کے طریقے کے مطابق شارعیہ کو حلقہ بگوشِ اسلام کر لیا۔

"امیرِ کارواں نکاح بھی پڑھا سکتا ہے" — ابوزبیر نے کہا۔

"بیشک، بیشک!" — کئی آوازیں اُٹھیں۔

ابوزبیر نے اپنے بیٹے سلمان کو بلا کر شارعیہ کو پاس بٹھایا اور ان کا نکاح پڑھا دیا۔

✦

اُس وقت دو گھوڑ سوار مدینے سے عراق کے محاذ کو جا رہے تھے۔ تاریخوں میں ان کے نام محمیہ بن زنیم اور شداد بن اوس لکھے ہیں۔ وہ خلیفہ حضرت عمرؓ کا ایک انتہائی ضروری پیغام ابوعبیدہؓ کے نام لے جا رہے تھے۔ اُس وقت ابوعبیدہ شام کے محاذ پر سپہ سالار تھے اور سپہ سالار خالدؓ بن ولید تھے۔ پیغام کے الفاظ جو تاریخ کے دامن میں محفوظ ہیں، یہ تھے:

"خلیفہ عمر بن الخطاب کی طرف سے ابوعبیدہؓ کے نام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میں تجھے اللہ سے ڈرتے رہنے کی نصیحت کرتا ہوں۔ اللہ لازوال ہے اور اللہ ہی ہے جو ہمیں گمراہی سے بچاتا ہے اور اندھیرے میں روشنی دکھاتا ہے۔ میں تجھے خالدؓ بن ولید کی جگہ وہاں کے تمام لشکر کا سپہ سالار مقرر کرتا ہوں۔ فوراً اپنی جگہ سنبھالو.... ذاتی مفاد کے لیے مومنین کو کسی مشکل میں نہ ڈالنا۔ انہیں اس پڑاؤ میں نہ ٹھہرانا جس کے متعلق تو نے پہلے دیکھ بھال نہ کر لی ہو کسی بھی لڑائی میں دستوں کو اس وقت بھیجنا جب وہ پوری طرح منظم ہوں اور کوئی ایسا فیصلہ نہ کرنا جس سے مومنین کا جانی نقصان ہو۔ اللہ نے تجھے میری آزمائش اور مجھے تیری آزمائش کا ذریعہ بنایا ہے۔ دنیاوی لالچوں سے بچے رہنا۔ دنیا کی طرف سے اپنی آنکھیں بند کر لو ورنہ یہ تجھے بھی اسی طرح ہلاک کرے گی جس طرح تجھ سے پہلے کے لوگوں کو اس نے ہلاک کیا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ جس طرح تجھ سے پہلے کے لوگ تباہ ہوئے ہیں تو بھی طمع سے تباہ ہو جائے۔ تو جانتا ہے وہ اپنے رتبے سے کس طرح گرے ہیں۔"

اس پیغام کا مطلب صاف تھا حضرت عمرؓ نے مسندِ خلافت پر بیٹھتے ہی حضرت خالدؓ بن ولید کو سپہ سالاری سے معزول کر دیا تھا اور ابوعبیدہؓ کو جو خالدؓ کے ماتحت سالار تھے، سپہ سالار بنا دیا تھا۔

اس پیغام سے چار پانچ روز پہلے عمرؓ کا ایک اور پیغام عراق کے محاذ کو جا رہا تھا۔ یہ خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیقؓ کی وفات کی اطلاع تھی جو ایک حبشی مسلمان یرفا لے جا رہا تھا۔ یرفا حضرت عمرؓ کا غلام ہوا کرتا تھا۔ عمرؓ غلامی کو پسند نہیں کرتے تھے اس لیے انہوں نے یرفا کو آزاد کر دیا تھا۔

خالدؓ بن ولید کی معزولی کا پیغام لے جانے والے دو قاصد بہت کم پڑاؤ کرتے اور تیز رفتار سے جا رہے تھے اس لیے وہ چار پانچ دن بعد چلے ہوتے اس دن عراق کے محاذ پر پہنچے جس دن یرفا پہنچا۔ اس طرح حضرت ابوبکرؓ کی وفات کی اطلاع اور حضرت عمرؓ کا خالدؓ بن ولید کی معزولی کا پیغام منزل پر اکٹھے پہنچے۔ چونکہ یہ پیغام ابوعبیدہؓ کے نام تھا، اس لیے یہ انہی کو دیا گیا۔ انہوں نے دونوں پیغام پڑھے اور جیب میں ڈال کر قاصدوں کو رخصت کر دیا۔ ان دنوں خالدؓ بن ولید رومیوں کے خلاف لڑ رہے تھے اور انہوں نے دمشق کو محاصرے میں لے رکھا تھا۔

اکتوبر ۶۳۴ء کے اوائل میں خالدؓ بن ولید نے بڑی ہی خونریز اور طویل لڑائی لڑ کر دمشق فتح کر لیا۔ رومیوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور دمشق پر مسلمانوں کا قبضہ مستحکم ہو گیا حضرت خالدؓ بن ولید نے پہلا کام یہ کیا کہ خلیفہ اوّل حضرت ابوبکرؓ کے نام پیغام لکھوایا۔ اس میں دمشق کی فتح کی خوشخبری تھی اور اس جنگ کی تفصیل لکھوائی تھی جو انہوں نے جانوں کی بے دریغ قربانیاں دے کر جیتی تھی مالِ غنیمت کی بھی تفصیل لکھوائی اور یہ بھی لکھوایا کہ مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ خلافت کے لیے چند دنوں میں بھیج دیا جائے گا۔ پیغام لکھوا کر خالدؓ نے قاصد کو دیا اور اسے رخصت کر دیا۔

یہ پیغام حضرت ابوبکرؓ کے نام یکم اکتوبر ۶۳۴ء (۲ شعبان ۱۳ ہجری) کے روز بھیجا جا رہا تھا۔ ابوبکرؓ ایک مہینہ آٹھ روز پہلے ۲۲ اگست ۶۳۴ء (۲۲ جمادی الثانیہ) کی شام فوت ہو چکے تھے۔

قاصد پیغام لے کر جا چکا تھا۔ ابوعبیدہؓ خالدؓ بن ولید کے خیمے میں داخل ہوتے خالدؓ فتح و نصرت کی خوشی سے اچھل کر اٹھے اور "دمشق مبارک ہو" کا نعرہ لگا کر ابوعبیدہؓ کے گلے لگ گئے۔ ابوعبیدہؓ کا انداز اور رویہ سرد سا تھا۔ خالدؓ پیچھے ہٹ گئے۔ حضرت ابوعبیدہؓ کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

"واللہ! یہ آنسو خوشی کے ہی ہو سکتے ہیں"۔۔۔ خالدؓ نے کہا۔

"نہیں ابنِ ولید!"۔۔۔ ابوعبیدہؓ نے غمناک لہجے میں کہا۔۔۔ "خلیفۃ الرسولؐ ابوبکرؓ فوت ہو گئے ہیں اور اب عمرؓ بن الخطاب خلیفہ ہیں"۔

"ابوبکرؓ کب فوت ہوئے ہیں؟"۔۔۔ خالدؓ نے پوچھا۔

"۲۲ جمادی الثانی کی شام!"

"ہمیں اطلاع اتنے دنوں بعد کیوں دی گئی؟"۔۔۔ خالدؓ نے پوچھا۔۔۔ "کیا قاصد کو یہاں تک پہنچتے ایک مہینے سے...!"

"قاصد تو جلد ہی آ گیا تھا"۔۔۔ ابوعبیدہؓ نے خالدؓ کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔۔۔ "قاصد آیا تو اس نے دیکھا کہ ہم نے دمشق کو محاصرے میں لے رکھا ہے تو اس نے اس خیال سے یہ پیغام ہمیں نہ دیا کہ خلیفۃ الرسولؐ کی وفات کی اطلاع کا محاصرے پر بہت برا اثر پڑے گا۔ اس نے مجھے اتنا ہی پیغام دیا کہ مدینہ میں خیریت ہے اور کمک آ رہی ہے۔ اس نے یہ مراسلہ مجھے دو روز بعد دیا۔ پھر میں نے یہ جانکاہ اطلاع روک لی کہ دمشق کا فیصلہ ہو جائے تو تجھے اور لشکر کو یہ خبرِ بد سناؤں گا۔"

خالدؓ پر تو سکتے کی کیفیت طاری ہو گئی تھی جیسے وہ دنیا سے لاتعلق ہو گئے ہوں۔

"خلیفہ عمرؓ کا ایک حکمنامہ بھی آیا ہے"۔۔۔ ابو عبیدہؓ نے بوجھل سی آواز میں کہا۔۔۔ "یہ بھی میں نے دمشق کی جنگ ختم ہونے کے بعد تجھ تک پہنچانا بہتر سمجھا تھا"۔

ابو عبیدہؓ نے پیغام خالدؓ بن ولید کو دے دیا۔ خالدؓ نے پیغام پڑھا۔ ان کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آ گئی۔ اس مسکراہٹ میں مسرت نہیں تھی۔ یہ ملول اور رنجیدہ مسکراہٹ تھی۔

"اللہ کی رحمت ہو ابو بکرؓ پر!"۔۔۔ خالدؓ نے آہ بھر کر کہا۔۔۔ "ابو بکرؓ زندہ رہتے تو میں اس انجام کو نہ پہنچتا"۔

✤

خالدؓ بن ولید کی معزولی حضرت عمرؓ کا ایک اور جرأت مندانہ فیصلہ تھا۔ اس سے پہلے ان کا ایسا ہی ایک فیصلہ یہ تھا کہ مرتدین کے جن رشتہ داروں کو غلام اور لونڈیاں بنا کے رکھا گیا ہے، ان سب کو آزاد کر کے ان کے گھروں کو بھیج دیا جائے۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ غلام اور لونڈیاں خلیفۃ الرسولؐ حضرت ابو بکرؓ کے حکم سے رکھی گئی تھیں۔ لوگوں نے حضرت عمرؓ کے فیصلے پر اعتراض کیا تھا۔ بعض نے احتجاج بھی کیا تھا لیکن عمرؓ اس حکم پر بہت مضبوط دلائل رکھتے تھے لہٰذا انہوں نے اپنا فیصلہ منوا لیا۔

چند دنوں بعد ہی لوگوں نے دیکھ لیا کہ عمرؓ کے اس فیصلے کے کتنے خوشگوار نتائج سامنے آتے تھے۔ وہ اس طرح کہ سالار مثنیٰ بن حارثہ عراق کے محاذ پر مجاہدین کی کمی پوری کرنے کے لیے کمک لینے مدینہ آیا تھا مگر ہر کوئی جانے سے ہچکچا رہا تھا۔ آخر ابو عبید اٹھے اور محاذ پر جانے کا اعلان کیا۔ ان کے بعد رضا کار سامنے آنے لگے تو دیکھتے ہی دیکھتے ان کی تعداد ایک ہزار ہو گئی۔ یہ تعداد کافی نہیں تھی۔ آگے چل کر تفصیل سے ذکر ہو گا کہ جن مرتدین کے عزیزوں کو غلامی سے آزاد کیا گیا تھا وہ حضرت عمرؓ کے اس فیصلے سے اتنے متاثر ہوئے کہ وہ بھی سچے دل سے مسلمان ہو کر کمک میں شامل ہو گئے اور محاذ پر چلے گئے تب مسلمانوں کو احساس ہوا کہ حضرت عمرؓ کا فیصلہ کس قدر دور رس نتائج کا حامل تھا۔

خالدؓ بن ولید کی معزولی کا فیصلہ ایسا تھا کہ بیشتر لوگوں نے اسے پسند نہ کیا۔ سب جانتے تھے کہ خالدؓ بن ولید کو "سیف اللہ" کا خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا تھا اور آپؐ نے یہ خطاب بلا جواز نہیں دے دیا تھا۔ خالدؓ واقعی اللہ کی تلوار تھے۔ رومیوں کو ہر میدان میں شکست دینے والے خالدؓ ہی تھے۔ حضرت عمرؓ بھی تسلیم کرتے تھے کہ خالدؓ نہ ہوتے تو رومیوں کو جو اس وقت بہت بڑی قوت تھے شکست نہ دی جا سکتی۔ اس کے ساتھ یہ مشکل

بھی پیدا ہو گئی کہ محاذ پر مسلمانوں کی پوزیشن کمزور ہو گئی۔ اس صورت حال کو سنبھالنے کی اہلیت خالدؓ بن ولید میں ہی تھی۔ یہ کمزوری ابو عبیدہؓ کی ایک غلطی سے پیدا ہوئی تھی لیکن حضرت عمرؓ نے خالدؓ بن ولید کو اس طرح سپہ سالاری سے معزول کیا کہ انہیں ان کے ایک ماتحت سالار ابو عبیدہؓ کو سپہ سالار بنا کر خالدؓ کو ان کے ماتحت کر دیا۔

زیادہ تر لوگ یہ رائے دیتے تھے کہ خالدؓ کی پیہم فتوحات اور لوگوں میں ان کی مقبولیت دیکھتے ہوئے عمرؓ خدشہ محسوس کرنے لگے تھے کہ خالدؓ بن ولید مفتوحہ علاقوں کے حکمران نہ بن بیٹھیں۔

لوگ یہ بھی کہتے تھے کہ عمرؓ اور خالدؓ کے درمیان پرانے اختلافات موجود تھے۔ ایک واقعہ تو سب کو یاد تھا۔ مرتدین کے خلاف جنگ میں خالدؓ بن ولید نے غیر معمولی کامیابیاں حاصل کی تھیں۔ ان کا ایک معرکہ مرتدین کے ایک سردار مالک بن نویرا سے ہوا۔ مرتدین نے جم کر مقابلہ کیا لیکن خالدؓ کی جارحانہ قیادت اور مجاہدین کی بے جگری کے سامنے مرتدین ٹھہر نہ سکے۔ ان کا سردار اور سالار مالک بن نویرا گرفتار ہوا۔ خالدؓ نے اسے قتل کروا دیا۔ مالک بن نویرا کی ایک بیوی جوان اور غیر معمولی طور پر حسین تھی۔ حضرت خالدؓ بن ولید نے اس کے ساتھ شادی کر لی۔ اس جوان عورت کا نام لیلیٰ تھا۔

اس شادی کی خبر مدینہ پہنچی تو حضرت عمرؓ کو بہت غصہ آیا۔ اس وقت خلیفہ حضرت ابو بکرؓ تھے۔ مدینہ میں خبر یہ پہنچی تھی کہ خالدؓ نے مالک بن نویرا کو اس کی حسین و جمیل بیوی لیلیٰ کے ساتھ شادی کرنے کے لیے قتل کیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے خلیفہ ابو بکرؓ سے کہا کہ خالدؓ کو معزول کر کے واپس مدینہ بلا لیا جاتے۔ ابو بکرؓ نہیں مانتے تھے۔ انہوں نے کہا تھا کہ اس وقت یہ دیکھیں کہ خالدؓ نے میدان جنگ میں کتنی کامیابیاں حاصل کی ہیں اور یہ بھی دیکھیں کہ یہ جنگ کیسی ہے۔ یہ فتنہ ارتداد کی سرکوبی کی جنگ ہے۔ ان مرتدین نے مسلمان ہو کر اسلام سے انحراف کیا اور انہوں نے اپنے نبی کھڑے کر دیئے۔ خالدؓ نے اس جہاد میں ایسی کامیابیاں حاصل کی ہیں کہ اس نے ایک شادی کر لی ہے تو اسے معاف کیا جا سکتا ہے۔

حضرت عمرؓ کی تشفی نہ ہوئی۔ وہ خاموش تو ہو گئے لیکن ان کے دل میں خالدؓ کے خلاف ناراضگی قائم رہی۔ حقیقت یہ تھی کہ مالک بن نویرا نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ وہ اپنے قبیلے کا سردار تھا۔ یہ تمام قبیلہ مسلمان ہو گیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رحلت فرما گئے تو مالک بن نویرا نے لوگوں سے وصول کی ہوئی زکوٰۃ اور محصولات کی رقم مدینہ بھیجنے کی بجائے لوگوں کو واپس کر دی اور سب کو اسلام کے خلاف بغاوت پر آمادہ کر لیا۔

اس کے علاوہ مرتدین میں سے ایک عورت سجاح نے نبوت کا دعویٰ کیا تو مالک بن نویرا نے نہ صرف یہ کہ اُس کی نبوت کو تسلیم کیا بلکہ اپنے قبیلے اور اپنے زیرِ اثر دوسرے قبیلوں سے کہا کہ وہ سجاح کو نبی تسلیم کریں۔ یہ عورت عراق کے رہنے والے الحارث کی بیٹی تھی۔ اُسے اُمِّ سادرہ بھی کہا جاتا تھا۔

مالک بن نویرا کا سب سے بڑا جرم تو یہ تھا کہ اُس کے علاقے میں مسلمانوں کی جو بستیاں تھیں انہیں نذرِ آتش کر دیا گیا تھا۔ مورخوں کی تحریروں کے مطابق، خالدؓ بن ولید نے اُسے شکست دے کر گرفتار کر لیا اور اُس کے یہ تمام جرائم اُس کے آگے رکھے۔ اُس نے ان جرائم کا اعتراف کیا۔ تب خالدؓ نے اُسے کہا کہ وہ ایسے آدمی کو معاف نہیں کر سکتے جس نے مسلمانوں کو قتل کیا اور اُن کی بستیاں جلائی ہوں۔

مالک بن نویرا کو قتل کر کے خالدؓ نے اُس کی بیوی لیلیٰ کو لونڈی بنانے کی بجائے اُسے بیوی بنا لیا۔ خلیفہ ابوبکرؓ نے تو خالدؓ بن ولید کی اِس شادی کو جرم نہیں سمجھا لیکن عمرؓ نے اسے معاف نہیں کیا تھا۔ یہ شادی دسمبر ۶۳۲ء میں ہوئی تھی۔ اب اگست ۶۳۴ء کے آخری دنوں میں عمرؓ انہیں معزول کر رہے تھے۔ مبصر لکھتے ہیں کہ تسلیم نہیں کیا جا سکتا کہ دو سال پرانے ایک واقعہ کو بہانہ بنا کر حضرت عمرؓ جیسے مدبّر اور دُور اندیش خلیفہ نے حضرت خالدؓ بن ولید جیسے تاریخ ساز جرنیل کو معزول کر دیا ہو۔

حقیقت یہ تھی کہ خالدؓ اپنے قبیلے کے سردار کے فرزند تھے۔ یہ امیر کبیر خاندان تھا۔ وہ خوش ذوق، خوش طبع اور زندہ مزاج تھے۔ خالدؓ نے غربت نہیں خوشحالی دیکھی تھی۔ انعام اکرام دینے میں ان کی کشادہ ظرفی اور سخاوت مشہور تھی اور یہی ایک وجہ تھی جس سے عمرؓ خالدؓ سے شاکی رہتے تھے۔ خالدؓ کی معزولی پر حضرت عمرؓ پر بہت لوگوں نے اعتراض کیے تھے حضرت عمرؓ نے آخر ایک خطبے میں اپنے فیصلے کی وضاحت ان الفاظ میں کی۔ یہ وضاحت تاریخ کے ریکارڈ میں محفوظ ہے:

"میں اللہ اور اُمّتِ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے سامنے اپنے اعمال کا جواب دہ ہُوں۔ میں نے خالدؓ ابن الولید کو ذاتی رنجش یا کسی بے بنیاد الزام پر معزول نہیں کیا۔ خالدؓ امیر خاندان کا فرد ہے۔ اُس نے امیرانہ ماحول میں پرورش پائی ہے اس لیے ابھی تک اُس کی عادتیں امیروں جیسی ہیں۔ وہ شاعروں کو انعام دیتا ہے۔ رقمیں ضائع کرتا ہے۔ یہ رقمیں بیت المال میں آنی چاہئیں یا حاجت مند گھروں میں جانی چاہئیں۔ وہ پہلوانوں، شہسواروں اور تیغ زنوں کو بھی انعام دیتا ہے۔

مجھے ابوبکرؓ کے دورِ خلافت میں بتایا گیا تھا کہ خالدؓ نے (ایک شاعر) اشعث بن قیس کو دس ہزار دراہم انعام دیا ہے۔ اگر اُس نے یہ رقم مالِ غنیمت میں سے دی ہے تو یہ مجرمانہ خیانت ہے اور اگر اُس نے اپنے حصے میں سے یہ انعام دیا ہے تو یہ مجرمانہ اسراف ہے۔ کیا اسلام اس اسراف کی اجازت دیتا ہے؟
...میں خلیفۃ الرسولؐ ابوبکرؓ کو جو مشورے دیا کرتا تھا ان پہ میں خود عمل کیوں نہ کروں؟"

خالدؓ کی معزولی کا فیصلہ صحیح تھا یا غلط، یہ الگ بحث ہے، اس فیصلے سے حضرت عمرؓ کی اخلاقی جرأت اور اصول پسندی کھل کر سامنے آجاتی ہے۔ عمرؓ نے بڑے ہی نازک وقت میں بہت بڑا خطرہ مول لیا تھا۔ محاذوں پر لڑنے والے مجاہدین میں غم و غصہ پیدا ہو سکتا تھا اور ہُوا بھی۔ لشکروں میں خالدؓ کی مقبولیت پیرِ مرشد جیسی تھی۔ مجاہدین کے لڑنے کا جذبہ متاثر ہو سکتا تھا۔ اس کا انحصار اس پر تھا کہ خالدؓ کا ردِعمل کیا تھا۔ مجاہدین خالدؓ کا ردِعمل دیکھنے کے منتظر تھے۔

✣

سب سے زیادہ پریشان ابوعبیدہؓ ابن الجراح تھے جنہیں خالدؓ بن ولید کی جگہ سپہ سالار بنایا گیا تھا۔ رومیوں کے خلاف جنگ کی صورتِ حال تھی تو سالاروں کے قابو میں، رومیوں کو ہر میدان اور ہر محاذ پر شکست دی جا چکی تھی، دمشق فتح ہو چکا تھا لیکن رومی کوئی معمولی جنگجو نہیں تھے کہ وہ ان چند ایک شکستوں سے دل برداشتہ ہو کر اپنے مقبوضات مسلمانوں کے حوالے کر کے بھاگ جاتے۔ وہ اُس دَور کی ایک ہیبت ناک جنگی طاقت تھے۔ وہ اپنی افواج کو اکٹھا کر کے مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کے لیے تیار تھے۔

سب جانتے تھے کہ رومیوں کے پاؤں اکھاڑنے کی جو اہلیت خالدؓ بن ولید میں ہے وہ دوسرے سالاروں میں نہیں۔ یہ برابر کے مقابلے کی جنگ نہیں تھی۔ مسلمان جذبے کے زور پر لڑ رہے تھے اور ان کے مدِمقابل ہتھیار بہتر تھے، گھوڑے کئی گنا زیادہ تھے اور نفری کہیں پانچ گنا زیادہ تھی اور کہیں آٹھ گنا بھی۔ یہ جذبے اور جنگی طاقت کا مقابلہ تھا۔ قلیل نفری سے کثیر تعداد دشمن سے لڑنے اور اُس کے پاؤں اکھاڑنے کی صلاحیت خالدؓ میں ہی تھی۔ تمام سالار اور مجاہدین یہ سوچ سوچ کر پریشان ہو رہے تھے کہ خالدؓ اپنی معزولی کے خلاف احتجاجاً محاذ سے نکل گئے تو مسلمانوں کا انجام اچھا نہیں ہوگا۔ محاذ پہلے ہی کمک کی ضرورت محسوس کر رہا تھا اور مثنیٰ بن حارثہ کمک لینے کے لیے مدینہ گئے ہوتے تھے۔

ابوعبیدہؓ تجربہ کار سالار تھے۔ زاہد اور پارسا تھے۔ انہیں امین الاُمّت کہا جاتا تھا۔ جنگ کے میدان میں ان کی قیادت اور جارحیّت قابلِ داد تھی۔ دشمن کو وہ مصیبت میں ڈال دیا کرتے تھے،

لیکن سپہ سالاری کے جو جوہر خالدؓ میں تھے وہ ابوعبیدہؓ میں ذرا کم تھے۔

خالدؓ کا ردِعمل معلوم کرنے کے لیے ایک واقعہ کا بیان کافی ہو گا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ ابوعبیدہؓ اور خالدؓ کی فہم و فراست میں کچھ فرق تھا یا نہیں۔

واقعہ یوں ہے کہ دمشق کی فتح کے بعد نئے سپہ سالار ابوعبیدہؓ نے مجاہدین کے لشکر کو کچھ دن آرام دینا چاہا۔ رومی جوابی حملے کی تیاری کر رہے تھے۔ خالدؓ کی معزولی کے چھ سات روز بعد ایک اجنبی ابوعبیدہؓ سے ملنے آیا اور اپنے متعلق بتایا کہ وہ عیسائی ہے اور راز کی ایک بات بتانے آیا ہے۔ ابوعبیدہؓ نے اُسے بٹھالیا۔

"یہاں سے کچھ دُور ایک قصبہ ابوالقدس ہے"۔۔۔ اجنبی عیسائی نے کہا۔۔۔"وہاں ہر سال میلہ لگا کرتا ہے۔ دو تین روز بعد میلہ لگے گا۔ دُور دُور کے تاجر اپنا مال بیچنے کے لیے لائیں گے۔ اس مال میں سونے چاندی کے زیورات بھی ہوں گے۔ ہیرے جواہرات اور قیمتی پتھر بھی ہوں گے۔ اس کے علاوہ جن اشیاء کی دکانیں لگیں گی وہ بہت ہی قیمتی اشیاء ہوں گی۔ میلے میں جو خریدار آئیں گے وہ ہر سال کی طرح بڑے ہی دولت مند لوگ ہوں گے۔ یہ رومیوں کا میلہ ہے اور رومیوں سے آپ کی دشمنی اور جنگ ہے۔ تین چار روز بعد آپ اچانک میلے پر چھاپہ ماریں اور یہ سب مال و دولت آپ کا مالِ غنیمت ہو گا۔ اتنا قیمتی مالِ غنیمت آپ کو دس قلعوں سے بھی نہیں مل سکتا۔"

ابوعبیدہؓ نے اُسے کہا کہ وہ خود عیسائی ہے اور رومی بھی عیسائی ہیں اور اس میلے میں عیسائی ہی آئیں گے یا یہودی تاجر ہوں گے، پھر وہ اپنے مذہب کے لوگوں کو کیوں لٹوانا چاہتا ہے؟

"میں کٹر عیسائی ہوں"۔۔۔ اس عیسائی نے کہا۔۔۔"کیا آپ نہیں جانتے کہ رومی جب عیسائی نہیں ہوا کرتے تھے تو ان کے ایک بادشاہ نے زندہ عیسائیوں کو شیروں کے آگے ڈالا تھا۔ شیر انہیں چیر پھاڑ کر کھا گئے تھے؟ یہ تو آپ کو معلوم ہو گا کہ حضرت عیسیٰؑ کو صلیب پر لٹکانے والے رومی ہی تھے۔ اس کے ایک زمانے بعد اُنہوں نے عیسائیت قبول کر لی تو کیا ہوا۔ یہ اب بھی ویسے ہی بادشاہ ہیں جیسے عیسائی ہونے سے پہلے تھے۔ یہ لوگ رعایا کو انسانیت کا درجہ دیتے ہی نہیں۔ آپ نے جو علاقے فتح کیے ہیں میں نے وہاں جا کے دیکھا ہے۔ آپ عیسائیوں اور دوسرے مذہبوں کے لوگوں کو کمتر رعایا نہیں بلکہ اپنے جیسا انسان سمجھتے ہیں۔ میں رومیوں کے ظلم و ستم کا کچلا ہوا انسان ہوں۔ میں اگر مسلمان نہیں تو کیا ہوا، میں عربی تو ہوں۔ میں رومیوں کی غلامی کو تسلیم نہیں کرتا۔"

مختصر یہ کہ اس عیسائی نے ابوعبیدہؓ کو قائل کر لیا کہ انہیں اس میلے پر چھاپہ مارنا چاہیئے۔

"میں آپ کو یہ بھی بتا دوں"۔۔۔ عیسائی نے کہا۔۔۔"ابوالقدس کے ارد گرد اور دُور دُور تک رومی فوج کا نام و نشان نہیں۔ آپ کے لیے کوئی خطرہ نہیں۔ رومی فوج کے کچھ دستے طرابلس میں ہیں۔ وہاں سے وہ بروقت ابوالقدس نہیں پہنچ سکتے۔ انہیں اطلاع دینے والا کوئی نہیں ہو گا۔"

✣

اس عیسائی کے جانے کے بعد ابوعبیدہؓ نے اپنے سالاروں کو بتایا کہ ایک عیسائی عرب انہیں کس موٹے اور آسان شکار کی خبر دے گیا ہے۔

"ابوالقدس رومیوں کے علاقے میں ہے"۔۔۔ ابوعبیدہؓ نے کہا۔۔۔"اور رومیوں سے ہم برسرِ پیکار ہیں اس لیے اس میلے پر چھاپہ مارنے میں ہم حق بجانب ہیں۔ کوئی خطرہ بھی نہیں۔ رومی فوج وہاں سے بہت دُور ہے.... میں تم میں سے کسی کو حکماً نہیں بھیجوں گا۔ جو کوئی اس چھاپے کی کمان لینا چاہتا ہے وہ آگے آجائے اور پانچ سو گھوڑ سوار منتخب کر لے۔"

ابوعبیدہؓ نے سالاروں کو باری باری دیکھا اور ان کی نظریں خالدؓ بن ولید پر ٹھہر گئیں۔ انہیں توقع تھی کہ خالدؓ اس چھاپے کے لیے فوراً تیار ہو جائیں گے لیکن خالدؓ کا چہرہ بے تاثر تھا اور وہ چُپ چاپ بیٹھے ہوتے تھے۔ ابوعبیدہؓ کی نظریں ان کے چہرے پر جمی رہیں۔ خالدؓ نے منہ پھیر لیا۔۔۔ ظاہر ہے کہ یہ سپہ سالاری سے معزولی کا ردِعمل تھا۔

خالدؓ کا چھاپہ مار دستے کے ساتھ نہ جانا الگ بات تھی، انہوں نے ابوعبیدہؓ سے اتنا بھی نہ کہا کہ انہیں اس میلے پر چھاپہ مارنا چاہیئے بھی یا نہیں۔

سب سالار خاموش رہے۔

"میں جاؤں گا"۔۔۔ ایک آواز اُٹھی۔

سب نے اُدھر دیکھا۔ وہ ایک نوجوان تھا جس کے چہرے پر داڑھی ابھی آئی ہی تھی۔

"تُو ابھی کمسن اور ناتجربہ کار ہے ابنِ جعفر!"۔۔۔ ابوعبیدہؓ نے کہا۔

ابوعبیدہؓ نے ایک بار خالدؓ کی طرف دیکھا لیکن وہ یوں چُپ چاپ بیٹھے رہے جیسے اس کام کے ساتھ ان کا کوئی تعلق ہی نہ ہو۔

"میں گھر سے یہاں سیر و تفریح کے لیے تو نہیں آیا"۔۔۔ اس نوجوان نے کہا۔۔۔"مجھ پر اپنے شہید باپ کا قرض ہے۔ آپ سب کو معلوم ہے کہ میرا باپ کس لڑائی میں شہید ہوا تھا۔ میں نے اُس کے خون کا قرض اتارنا ہے میں کم عُمر تو ہوں، خدا کی قسم، بزدل نہیں ہوں اور میں تجربہ کار نہیں مگر اناڑی بھی نہیں۔ میرا حوصلہ نہ توڑیں۔ میں بہت کچھ سیکھ کر آیا ہوں۔ آپ کہتے ہیں کہ وہاں رومی فوج ہے ہی نہیں تو میرے لیے آپ کو پریشان نہیں ہونا چاہیئے۔"

"ہاں ابن جعفرؓ! ـــــ ابوعبیدہؓ نے کہا ـــ "میں تیرا حوصلہ نہیں توڑوں گا۔ میں تجھے پانچ سو چُنے ہوئے سوار دیتا ہوں۔ ان کی کمان تیرے ہاتھ ہوگی۔"

ایک نوجوان کو پانچ سو گھوڑ سواروں کی کمان دینا بظاہر دانشمندی نہیں تھی لیکن یہ نوجوان عام سا نوجوان نہیں تھا۔ اس کا نام عبداللہ بن جعفر تھا اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی جعفرؓ کا بیٹا تھا۔ جعفرؓ موتہ کی لڑائی میں شہید ہو گئے تھے۔

عبداللہ بن جعفرؓ ابوالقدس جانے کی تیاری کرنے لگا۔ چھاپہ تین چار روز بعد مارنا تھا۔

✣

تین چار دنوں بعد نوجوان عبداللہ پانچ سو چُنے ہوئے گھوڑسواروں کے ساتھ ابوالقدس کو رخصت ہُوا۔ اس کے ساتھ مشہور و معروف جانباز مجاہد اور رسالت کے شیدائی حضرت ابوذر غفاریؓ بھی تھے۔

یہ دستہ ۱۴ اکتوبر ۶۳۴ء کی رات روانہ ہُوا تھا۔ شعبان کی پندرہ تاریخ تھی۔ چاند پورا تھا جو کی چاندنی بڑی ہی شفاف تھی۔

اس چھاپہ مار دستے نے رات ہی رات سفر طے کر لیا۔ صبح طلوع ہو رہی تھی جب یہ دستہ ابوالقدس کے مضافات میں پہنچ گیا۔ عبداللہ اور ابوذر غفاریؓ نے دستے کو اس انتظار میں دُور ہی روک لیا کہ میلے کی دکانیں کھل جائیں۔

میلہ تو خیموں، شامیانوں اور قناتوں کا ایک خوبصورت گاؤں تھا۔ دکانیں کھلیں تو اندازہ ہوا کہ مال کس قدر قیمتی ہے۔ سورج ذرا اوپر آنے تک میلہ انسانوں سے بھر گیا۔

عبداللہ بن جعفر نے سواروں کو حکم دیا کہ میلے کو گھیرے میں لے لیا جائے۔

پانچ سو سواروں نے گھوڑوں کو ایڑیں لگا دیں اور میلے کو نرغے میں لینے لگے۔ اچانک کم و بیش پانچ ہزار رومی گھُوڑ سوار کہیں سے نکل آئے۔ وہ صحرائی آندھی کی مانند آئے اور پھیل کر مسلمان سواروں کو گھیرے میں لے لیا۔ کہاں پانچ ہزار اور کہاں پانچ سو۔ وہ بھی گھیرے میں آئے ہوئے۔

مجاہدین گھیرے سے نکلنے کے لیے گھوڑے اِدھر اُدھر دوڑانے لگے لیکن ہر طرف رومی سواروں کی تہہ در تہہ دیوار کھڑی تھی جو انہیں روک لیتی۔ مسلمان ہر محاذ پر قلیل تعداد میں لڑے ہیں۔ دس ہزار مجاہدین نے ایک لاکھ کفّار کا مقابلہ کیا ہے لیکن اس صورت میں کہ وہ جنگی ترتیب میں سالاروں کی ہدایات پر لڑتے تھے مگر یہاں وہ اچانک اور غیر متوقع گھیرے میں آ گئے۔ مؤرخ واقدی اور بلاذری لکھتے ہیں کہ ان پانچ سو مجاہدین نے بھاگنے کی کوشش ترک کر کے ذُو بدُو مقابلہ

شروع کر دیا۔

مجاہدین انفرادی طور پر لڑ رہے تھے۔ یہ تو زندگی اور موت کا معرکہ تھا۔ مجاہدین بے جگری سے لڑے مگر نا ممکن تھا کہ ایک ایک سوار دس دس سواروں کا مقابلہ کرتا اور زندہ نکل آتا۔ مقابلہ تو انہوں نے کیا اور خوب کیا اور رومیوں کی تلواروں اور برچھیوں سے کٹتے چلے گئے۔ مجاہدین بھیل گئے اور اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کرتے رہے۔

✣

ایک مجاہد معلوم نہیں کس طرح معرکہ شروع ہونے سے پہلے ہی نکل گیا تھا۔ فاصلہ کوئی ایسا زیادہ نہیں تھا۔ یہ مجاہد گھوڑا دوڑاتا اپنے لشکر میں پہنچا اور سپہ سالار ابوعبیدہؓ بن الجراح کو بتایا کہ ابوالقدس میں کیا ہُوا ہے۔

"میں نے یہ نہیں دیکھا کہ رومیوں کا گھیرا مکمل ہونے سے پہلے ہمارے سوار وہاں سے نکل سکے تھے یا نہیں" ـــ اس سوار نے کہا ـــ "اگر نہیں نکل سکے تو ان میں سے کوئی بھی زندہ نہیں بچا ہوگا۔"

ابوعبیدہؓ کے چہرے کا رنگ پیلا پڑ گیا۔ انہیں اب احساس ہُوا کہ یہ تو جال تھا جو رومیوں نے بچھایا تھا اور اس عیسائی کو اس لیے بھیجا گیا تھا کہ مسلمانوں کو اس جال میں لاتے۔ میلے کو جال میں دانے کے طور پر استعمال کیا گیا تھا۔

ابوعبیدہؓ نے اس عیسائی پر اعتبار کرنے کے علاوہ ایک بھیانک غلطی یہ کی کہ ایک نوعمر آدمی کو جسے ذرا سا بھی عملی تجربہ حاصل نہ تھا، پانچ سو سواروں کی کمان دے کر ایک مشکوک مہم پر بھیج دیا تھا۔ اس مہم کے خطرناک ہونے کے امکانات موجود تھے کیونکہ ابوالقدس دشمن کے علاقے میں تھا۔

ابوعبیدہؓ کو جب اطلاع ملی اُس وقت تقریباً تمام سالاران کے پاس بیٹھے ہُوئے تھے۔ سب پر سناٹا طاری ہو گیا۔ سب کی نظریں ابوعبیدہؓ کے چہرے پر جم گئیں اور ابوعبیدہؓ کی نگاہیں خالدؓ بن ولید کے چہرے پر لگی ہُوئی تھیں۔ انہیں معلوم تھا کہ ان پانچ سو فریب خوردہ سواروں کو خالدؓ ہی بچا سکتے لیکن خالدؓ خاموش بیٹھے ہُوتے تھے۔ البتہ اُن کے چہرے پر پریشانی کا تاثر نمایاں تھا۔

ابوعبیدہؓ اور دیگر سالاروں کا خیال تھا کہ خالدؓ بن ولید معزولی کے ردِّ عمل کے تحت اس کام میں دلچسپی نہیں لیں گے۔

"ابوسلیمان!" ـــــ ابوعبیدہؓ نے خالدؓ بن ولید کو دوسرے نام سے مخاطب ہو کے التجا

کے لہجے میں کہا — "اللہ کے نام پر ابوسلیمان! تو ہی اُن کی مدد کو پہنچ سکتا ہے۔ تو ہی اُن کو گھیرے سے نکال سکتا ہے۔ ایک لمحہ ضائع نہ کر۔"

"اللہ کی مدد سے میں ہی انہیں گھیرے سے نکالوں گا" — خالدؓ نے اُٹھتے ہوئے کہا — "میں تیرے حکم کا منتظر تھا امین الامّت!"

"معلوم نہیں کیا سوچ کر میں نے تجھے حکم نہ دیا" — ابوعبیدہؓ نے کہا — "یہ تو میں جانتا ہوں کہ معزولی نے تیرے دل پر کوئی اچھا اثر نہیں کیا۔"

"خدا کی قسم امین الامّت!" — خالدؓ نے کہا — "مجھ پر کسی بچے کو بھی سپہ سالار مقرر کر دیا جائے تو میں اُس کا بھی ہر حکم مانوں گا۔ کیا میں ایسی جرأت کر سکتا ہوں کہ جسے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے امین الامّت کہا ہے اُس کا حکم نہ مانوں؟..... اور بتا دے سب کو کہ ابوسلیمان ابن الولید نے اپنی زندگی اسلام کے لیے وقف کر دی ہے۔"

مؤرخ واقدی اور طبری نے لکھا ہے کہ ابوعبیدہؓ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"اللہ کی رحمت ہو تجھ پر!" — ابوعبیدہؓ نے جذبات سے بوجھل آواز میں کہا — "جا اپنے گھرے ہوئے بھائیوں کی مدد کو پہنچ۔"

کسی بھی مؤرخ نے یہ نہیں لکھا کہ خالدؓ بن ولید اپنے ساتھ سواروں کی کتنی تعداد لے کر گئے تھے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ ان کے ساتھ سوار ہی گئے ہوں گے۔ پیادے ابوالقدس تک بروقت نہیں پہنچ سکتے تھے۔ البتہ تاریخ میں یہ بالکل واضح ہے کہ خالدؓ کے ساتھ ضرارؓ بن الازور بھی تھے جو "برہنہ مجاہد" کے خطاب سے مشہور تھے۔ اس خطاب کی وجہ یہ تھی کہ ضرار قمیض اتار کر اور سر ننگا کر کے لڑا کرتے تھے۔

یہ مجاہدین بڑی تیز رفتار سے گھوڑے دوڑاتے جا رہے تھے۔ وہ تو چلے گئے، پیچھے ابوعبیدہؓ کی جذباتی حالت بگڑنے لگی۔ وہ اللہ کے حضور آہ و زاری کرنے لگے کہ خلیفہ عمرؓ نے انہیں پیغام بھیجا تھا کہ مالِ غنیمت کی خاطر مجاہدین کی جانوں کو خطرے میں نہ ڈالنا اور ہر فیصلہ سوچ بچار کر کے اور اپنے رفیقوں سے مشورہ کر کے کرنا۔ نئی زمین پر جا کر دیکھ بھال ضرور کرنا۔

ابوعبیدہؓ رو رو کر اللہ سے اپنی لغزش کی بخشش مانگ رہے تھے کہ انہوں نے اپنے خلیفہ کی ہدایات کو نظر انداز کر کے ایک عیسائی کی بات کو صحیح مان لیا اور پھر ایک ناتجربہ کار نوجوان کو پانچ سو سواروں کی قیادت دے دی۔

✥

خالدؓ بن ولید اور "برہنہ مجاہد" ضرارؓ بن الازور سوار دستے کے ساتھ سرپٹ گھوڑے

دوڑاتے ابوالقدس پہنچ گئے۔ رومیوں کے گھیرے میں آئے ہوئے مجاہدین لڑ تو رہے تھے لیکن کٹ کٹ کر گر رہے تھے۔

"تکبیر کے نعرے لگاؤ" — خالدؓ نے اپنے سواروں کو حکم دیا۔

ابوالقدس اور اس کے میدانِ جنگ کی فضا اللہ اکبر کے گرجدار نعروں سے گونجنے گرجنے لگی۔ نعرے لگوانے سے خالدؓ کا مقصد یہ تھا کہ گھیرے میں آئے ہوئے مجاہدین کو پتہ چل جائے کہ مدد آ گئی ہے۔ اس کے علاوہ رومیوں کو دہشت زدہ کرنا بھی مقصود تھا۔ ان نعروں کی گھن گرج میں خالدؓ بن ولید نے اپنا مخصوص نعرہ لگایا:

انا فارس الضدید انا خالد بن الولید

رومیوں نے یہ نعرہ پہلے بھی سنا تھا۔ خالدؓ حملہ کرتے تو یہ نعرہ لگایا کرتے تھے۔ رومیوں نے مسلمانوں سے مختلف میدانوں میں لڑ کر دیکھا۔ خالدؓ کے اس نعرے کے ساتھ ہی رومیوں پر قیامت ٹوٹ پڑتی تھی۔ خالدؓ کا یہ نعرہ مجاہدین میں نئی روح پھونک دیا کرتا تھا۔

ابوالقدس کے کارزار میں تکبیر کے نعروں کے ساتھ رومیوں نے "انا خالد بن الولید" کی للکار سنی تو اُن کی توجہ گھیرے میں لیے ہوئے مجاہدین کی طرف سے ہٹ گئی۔ خالدؓ نے اپنے سواروں کو میدانِ کارزار کے اردگرد پھیلا دیا اور اتنا تیز حملہ کروایا کہ رومیوں کو سنبھل کر اپنی ترتیب بدلنے کی مہلت ہی نہ ملی۔ وہ اب خود گھیرے میں آ گئے تھے۔ اُس وقت تک وہ بہت سے مجاہدین کو شہید اور بیشمار کو شدید زخمی کر چکے تھے۔ بچے کھچے مجاہدین کو خالدؓ بن ولید کی مدد ملی تو ان کے حوصلوں میں نئی جان آ گئی۔

رومی سوار معرکے سے نکل کر بھاگنے لگے اور وہ بھاگ بھی گئے لیکن اپنے مرے ہوئے اور شدید زخمی ساتھی جو چھوڑ گئے، ان کی تعداد خاصی زیادہ تھی۔ مسلمان سواروں کا جانی نقصان بھی معمولی نہ تھا۔ یہ معرکہ اتنا خونریز تھا کہ خالدؓ بن ولید بھی بُری طرح زخمی ہوئے تھے۔ انہوں نے شہیدوں کی لاشیں اکٹھی کرنے اور شدید زخمیوں کو اٹھانے کا حکم دیا اور دوسرا حکم یہ دیا کہ میلے کی تمام دکانوں کا سامان مالِ غنیمت کے طور پر اٹھا لیا جائے۔

خالدؓ واپس دمشق پہنچے تو اُن کے ساتھ بہت زیادہ اور بہت ہی قیمتی مالِ غنیمت تھا۔ رومیوں کے سینکڑوں گھوڑے اور ہتھیار بھی مالِ غنیمت میں شامل تھے۔

خالدؓ نے اپنے جسم پر کئی زخم کھا کر ثابت کر دیا کہ سپہ سالاری سے معزولی انہیں ان کے فرائض سے ہٹا نہیں سکتی۔

سپہ سالار ابوعبیدہؓ نے مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ خلافت یعنی بیت المال کے لیے

مدینہ بھیجا اور ساتھ حضرت عمرؓ کے نام پیغام میں تفصیل سے لکھوایا کہ ان کی غلطی سے کیا صورت پیدا ہو گئی تھی اور کس طرح خالدؓ بن ولید نے اس صورتِ حال کو یکسر بدل کر رکھ دیا۔

ابو عبیدہؓ نے اپنے اس پیغام میں خالدؓ کی شجاعت اور فرض شناسی کو دل کھول کر خراجِ تحسین پیش کیا تھا۔

✣

ابو عبیدہؓ نے خالدؓ بن ولید کے ابوالقدس کے کارنامے پر بے تحاشہ خراجِ تحسین ہی پیش نہیں کیا بلکہ اپنی اس بھیانک لغزش کا بھی اعتراف کیا۔ مبصر لکھتے ہیں کہ ابو عبیدہؓ کا مقصد یہ تھا کہ خلیفہ عمرؓ خالدؓ کو سپہ سالاری پر بحال کر دیں لیکن حضرت عمرؓ کے فیصلے اٹل ہوا کرتے تھے، اُن کے فیصلے جذبات کے زیرِ اثر نہیں بلکہ عقل و دانش اور گہری سوچ بچار کا نتیجہ ہوتے تھے اُنہوں نے تسلیم کیا کہ خالدؓ بن ولید عظیم سالار اور مردِ مومن ہیں لیکن انہیں بحال نہ کیا۔

حضرت عمرؓ بڑے سخت مزاج باپ کے فرزند تھے "طبقات ابنِ سعد" میں لکھا ہے کہ عمرؓ لڑکپن کی عمر کو پہنچے تو ان کے والد خطاب نے انہیں اونٹوں کو باہر لے جا کر چرانے اور پانی پلانے کی ذمہ داری سونپ دی۔ اُس زمانے میں اس کام کو گھٹیا نہیں سمجھا جاتا تھا لیکن والد عمرؓ کے ساتھ بہت سختی سے پیش آتے تھے۔ عمرؓ تھک کر باہر ہی کہیں لیٹ جاتے اور والد دیکھ لیتے تو عمرؓ کی پٹائی کر دیتے۔

اُس مقام کا نام ضجنان تھا جہاں عمرؓ اپنے اونٹ لے جایا کرتے تھے۔ یہ مقام مکّہ مکرمہ کے قریب ہی ہے۔ عمرؓ بن الخطاب کو اللہ نے خلافت عطا کی تو ایک روز اس مقام کے قریب سے گزرے تو رُک گئے۔ چند لمحے اس جگہ کو دیکھتے رہے پھر اُن کی آنکھوں میں آنسو آ گئے

"اللہ اکبر، اللہ اکبر" — حضرت عمرؓ نے دونوں ہاتھ پھیلا کر کہا — "میں نمدے کا کُرتہ پہنے ہوتے یہاں اونٹ چرایا کرتا تھا۔ میں تھک کر بیٹھ یا لیٹ جاتا تو باپ مجھے مارا پیٹا کرتا تھا، اور آج اللہ کے سوا میرے اوپر کوئی حاکم نہیں۔"

حضرت عمرؓ کے ان الفاظ میں تکبّر اور غرور نہیں بلکہ اللہ کا خوف تھا کہ خلافت جیسی عظیم اور نازک ذمہ داری میں کوئی کوتاہی یا لغزش ہو گئی تو اللہ کو کیا جواب دیں گے۔ اُن کے قول اور فعل میں بال برابر تضاد نہیں تھا۔ خلافت کے ابتدائی دنوں میں انہوں نے جو خطبے دیئے اُن سے اُن کی فطرت اور عظمت کا پتہ چلتا ہے۔ ایک خطبے میں عمرؓ نے کہا:

"میں مسلمان ہوں اور ایک کمزور بندہ ہوں۔ اللہ کی مدد اور رہنمائی کا طلبگار ہوں۔ خلافت میری فطرت میں کوئی تبدیلی نہیں لائے گی عظمت صرف

اللہ تبارک و تعالیٰ کے لیے ہے کسی بندے کا اس عظمت میں کوئی حصہ نہیں۔ تم میں سے کوئی نہیں کہہ سکے گا کہ عمرؓ خلیفہ بن کر بدل گیا ہے۔ اپنے دل کی ہر بات کھول کر تمہارے سامنے رکھتا ہوں۔ اگر کسی کی کوئی ضرورت پوری نہ ہوتی ہو یا کسی پر ظلم و ستم ہوا ہو یا کسی کو میرے مزاج سے دُکھ پہنچا ہو تو وہ مجھے پکڑے میں بھی تم جیسا ایک انسان ہوں۔"

ایک اور خطبے میں حضرت عمرؓ نے کہا:

"مجھے اپنی امانت اور اپنی ذمہ داریوں کا پورا احساس ہے۔ میرے سامنے جو بھی مسئلہ آئے گا اسے انشاء اللہ خود ہی حل کروں گا، کسی دوسرے کے سپرد نہیں کروں گا۔ مجھے دیانتدار اور مخلص رفقائے کار کی ضرورت ہے۔"

✣

حضرت عمرؓ کا یہ فیصلہ تو خاص طور پر جرأت مندانہ تھا کہ جن مرتدین کو غلام اور ان کی جن عورتوں کو لونڈیاں بنا کر رکھا گیا ہے، انہیں آزاد کر دیا جائے۔ اُن دنوں خلافت کے کسی بھی حکم پر اعتراض کیا جا سکتا تھا اور اعتراض کرنے والا آدمی بھری محفل میں خلیفہ کے روبرو اعتراض پیش کرتا تھا اور خلیفہ اس حکم کی وضاحت کرتا تھا لیکن حکم عدولی کی جرأت کسی میں نہیں تھی جرأت نہ کرنے کی وجہ یہ نہیں تھی کہ لوگ سزا سے ڈرتے تھے بلکہ یہ تھی کہ لوگوں کا ایمان اور کردار مضبوط تھا۔ ان میں ڈسپلن تھا۔ امیر کی اطاعت کو وہ فرض سمجھتے تھے۔

مرتدین کے غلاموں اور لونڈیوں کو آزاد کرنے کے حکم پر بہت لے دے ہوئی غلام اور لونڈیاں ہر کوئی تو نہیں رکھ سکتا تھا۔ ان کے آقا متموّل خاندانوں کے لوگ تھے جن میں زیادہ تر قبیلوں کے سردار تھے۔ باقی تاجر تھے۔ ان افراد کے پاس بھی غلام یا لونڈیاں تھیں جو مرتدین کے خلاف لڑے تھے۔ اُن کا سب سے بڑا اعتراض تو یہ تھا کہ اُنہوں نے خلیفۃ الرسولؐ حضرت ابوبکرؓ کے حکم سے ان مرتدین کو غلام اور لونڈیاں بنایا تھا۔ دوسرا اعتراض یہ تھا کہ بعض نے غلاموں اور لونڈیوں کو خریدا تھا۔

"اللہ نے ہر انسان کو آزاد پیدا کیا ہے" — حضرت عمرؓ کا جواب تھا — "اللہ کا کوئی بندہ اللہ کے کسی بندے کا غلام نہیں ہو سکتا۔"

یہ تو وہ استدلال تھا جو عمرؓ لوگوں کو دیتے تھے لیکن اُنہوں نے اور سالار مثنّیٰ بن حارثہ نے کچھ اور بھی سوچا تھا۔ ان کی اس سوچ کے نتائج بھی جلدی سامنے آ گئے۔

ناصرہ بنتِ جبّار کوئی ایسی بوڑھی عورت نہیں تھی کہ اُس کی کمر دوہری اور سر کے اتنے زیادہ

بال سفید ہو جاتے۔ اُس کی یہ حالت صرف ایک سال میں ہو گئی تھی کہ پنتالیس سال کی عمر میں وہ ستر بہتر سال کی بڑھیا لگتی تھی۔ یہ دو جوان بیٹوں کی جدائی کے غم کے اثرات تھے۔ اُس کے دونوں بیٹے مسلمانوں کے خلاف ارتداد کی جنگ لڑے اور دونوں زخمی ہو کر پکڑے گئے تھے۔ ان کا باپ مارا گیا تھا۔ مسلمان خلیفۃ الرسولؐ ابو بکرؓ کے حکم کے مطابق دونوں بھائیوں کو اٹھا کر اپنے ساتھ مدینہ لے گئے تھے۔ پھر ان کی بستی کو آگ لگا دی گئی تھی۔

یہ بنو فرازہ کا ایک خاندان تھا جو بستی لطاح میں رہتا تھا۔ اس قبیلے نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رحلت فرما گئے تو ایک شخص طلیحہ نے نبوّت کا دعویٰ کر دیا۔ اس قبیلے کے لوگوں نے اُسے نبی تسلیم کر لیا۔ اسی قبیلے نے نہیں، دو تین اور قبیلوں نے بھی اسے نبی مان لیا۔ مدینہ اطلاع پہنچی تو مجاہدین کے لشکر ارتداد کو ختم کرنے کے لیے چل پڑے۔ ایک لشکر کے سالار خالدؓ بن ولید تھے۔

مجاہدین کے سالار اس توقع کے ساتھ مرتدین کے علاقوں میں گئے تھے کہ ان قبیلوں کو چند دنوں میں مطیع کر لیں گے لیکن وہاں پہنچے تو پتہ چلا کہ ان کا سامنا تو ایک منظم اور پُرعزم لشکر سے ہے جو آسانی سے ہتھیار نہیں ڈالے گا۔

"میں ان مرتدین کو صرف ختم ہی نہیں کروں گا" ——— خالدؓ بن ولید نے کہا ——— "میں انہیں اسلام کے دائرے میں ایک بار پھر لا کر انہیں ایسا پکّا مسلمان بناؤں گا کہ پھر کبھی اسلام سے انحراف کا نام نہیں لیں گے۔"

خالدؓ نے اپنا یہ عہد پورا کر کے بھی دکھا دیا لیکن جانوں اور لہو کے بے دریغ نذرانے دے کر۔ مرتدین کی عورتیں بھی لڑائیوں میں شامل تھیں اور بعض مرتد قبیلوں کی قیادت ہی عورتوں کے پاس تھی۔

یہاں ذکر بنو فرازہ کا ہو رہا ہے اس لیے ہم اس قبیلے تک محدود رہیں گے۔ اس قبیلے کے ایک سردار طلیحہ نے نبوّت کا دعویٰ کیا تھا۔ وہ پیش گوئیاں کیا کرتا تھا۔ مسلمانوں کا لشکر آیا تو لوگوں نے اُس سے پوچھا کہ اب کیا ہو گا۔ اُس نے کہا کہ وحی نازل ہونے والی ہے۔ خالدؓ نے ان قبیلوں کے لشکر پر تابڑ توڑ حملے کیے۔ بڑے ہی خونریز معرکے لڑے گئے۔ مرتدین کے قدم اُکھڑ گئے۔ ان کا جانی نقصان اتنا زیادہ ہُوا کہ وہ بوکھلا گئے۔ لوگ خوفزدگی کے عالم میں طلیحہ کے پاس جا کر پوچھتے تھے کہ وحی کب نازل ہو گی اور خدا کی مدد کب آئے گی۔

اُس وقت طلیحہ اپنے خیمے میں دُبکا بیٹھا تھا۔ اُس وقت تک اتنا زیادہ کُشت و خون ہو چکا تھا کہ طلیحہ کو نبی ماننے والوں کی آنکھیں کھل چکی تھیں اور اُس کے اپنے لوگوں کی آوازیں اُٹھنے

لگی تھیں:

"طلیحہ کذاب ہے۔"

"لوگو مت جانیں گنواؤ اس جھوٹے آدمی پر!"

"بھاگو.... اپنی جانیں بچاؤ۔"

"ہم دھوکے میں مارے جا رہے ہیں۔"

فرازہ کے جو آدمی بچ گئے تھے وہ بھاگ اُٹھے۔ ناصرہ بنت جبّار لڑائی کے میدان میں اپنے خاوند اور اپنے دونوں بیٹوں کو پکارتی اور پاگلوں کی طرح دوڑتی پھر رہی تھی۔ اُسے اپنے خاوند کی لاش نظر آ گئی جو خون میں نہائی ہوئی تھی۔ وہ خاوند کی لاش کے قریب بیٹھ کر سینہ کوبی کرنے لگی۔

"تو حق پر اپنی جان دیتا تو میں آج اپنا سر نہ پیٹ رہی ہوتی" ——— ناصرہ کہہ رہی تھی ——— "تو ایک جھوٹے آدمی کے فریب میں آ کر اپنی جان اور میرا سہاگ گنوا بیٹھا۔ اپنے دونوں بیٹوں کو بھی تو اپنے ساتھ لے جا رہا ہے۔ میں رونے اور چلّانے کے لیے اکیلی رہ گئی ہوں۔"

اُس نے اپنے بیٹوں کو نہ ڈھونڈا۔ اپنے خاوند کی لاش اور دُور دُور تک بکھری ہوئی لاشیں دیکھ کر اُسے یقین ہو گیا کہ اُس کے بیٹے بھی مارے گئے ہیں۔ وہ کچھ دیر اپنے خاوند کی لاش پر روتی بین کرتی اور سینہ کوبی کرتی رہی۔ وہ اچانک چُپ ہو گئی اور خلا میں گھُورنے لگی۔ اُس کے دانت پس رہے تھے۔ وہ اُٹھ کھڑی ہوئی اور طلیحہ کے خیمے کی طرف دوڑ پڑی۔

"طلیحہ کذاب ہے" ——— وہ چلّاتی جا رہی تھی ——— "طلیحہ نبی نہیں ہے.... کہاں ہے جھوٹا نبی.... میں اُس کا منہ نوچ لوں گی۔ اُس کی کھال ادھیڑ لوں گی۔ اپنے دو جوان بیٹوں اور ان کے باپ کے خُون کا انتقام لوں گی۔"

طلیحہ اپنے خیمے میں تھا۔ اُس کی بیوی نوار اُس کے ساتھ تھی۔ خیمے کے باہر ایک گھوڑا اور ایک اونٹ بندھا ہُوا تھا۔ دونوں سواری کے لیے تیار کھڑے تھے۔ خیمے کے اردگرد وہ آدمی جمع ہو کر شور و غل بپا کر رہے تھے جو مسلمانوں کے ہاتھوں کٹنے سے بچ گئے تھے۔

"طلیحہ! باہر آؤ۔ سچّے نبی ہو تو معجزہ دکھاؤ۔"

"ہمیں بتاؤ ہم کیا کریں۔"

"سچے نبی ہو تو ڈرتے کیوں ہو۔ باہر آؤ۔"

یہ لوگوں کی پکار تھی۔ ان کی آوازیں آپس میں گڈمڈ ہو رہی تھیں اور شور بڑھتا جا رہا تھا۔ طلیحہ اپنی بیوی کے ساتھ باہر نکلا۔ اُس نے اُونٹ کو بٹھایا اور اس پر اپنی بیوی کو سوار کرا کے

اونٹ کو اٹھا دیا، پھر گھوڑے پر سوار ہُوا۔

"تم پوچھتے ہو اب کیا کریں"۔۔۔ طلیحہ نے لوگوں سے مخاطب ہو کے کہا ۔۔۔ "میں بتاتا ہوں ۔۔۔ جن کے پاس گھوڑے اور اونٹ ہیں وہ میری طرح ان پر خود بھی سوار ہوں اور اپنے بیوی بچّوں کو بھی سوار کرائیں اور بھاگ جائیں۔"

"ٹھہر جا جھوٹے نبی!"۔۔۔ یہ ناصرہ کی آواز تھی۔ وہ دوڑی آرہی تھی ۔۔۔ "میں تیرا گلا گھونٹ دوں گی۔"

طلیحہ نے گھوڑے کو اِیڑ لگا دی اور اُس کی بیوی نے اونٹ دوڑا دیا۔ گھوڑا اور اونٹ لوگوں کے ہجوم کو چیرتے نکل گئے اور کچھ دُور جا کر نظروں سے اوجھل ہو گئے۔

اُس دن کے بعد طلیحہ کسی کو نظر نہ آیا۔

یہ اُن دنوں کا واقعہ ہے جب ابوبکرؓ خلیفہ تھے۔

✣

خالدؓ نے کئی اور قبیلوں کو جو قبولِ اسلام کے بعد مرتد ہو گئے تھے، تہِ تیغ کیا اور انہیں ذہن نشین کرایا کہ محمد الرسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم پر نبوّت اور رسالت ختم ہو گئی ہے اور اب جو کوئی نبوّت کا دعویٰ کرے گا وہ جھوٹا اور فریب کار ہو گا۔

"۔۔۔۔ اور تم نے نبوّت کا دعویٰ کرنے والوں کو دیکھ لیا ہے"۔۔۔ خالدؓ ہر مرتد قبیلے تک یہ پیغام پہنچاتے تھے ۔۔۔ "کہاں ہے وہ؟ محمد صلی اللہ علیہ وسلّم اللہ کے نبی تھے۔ کون سے میدان میں آپ کو شکست ہوئی تھی؟ آپؐ کے گنتی کے چند سو پیروکاروں نے ہزاروں نفری کے لشکروں کو میدان سے بھگایا ہے۔ اب ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم ہمارے ساتھ نہیں لیکن حضورؐ کی روحِ مقدس ہمارے ساتھ ہوتی ہے اور ہم ہر میدان مار لیتے ہیں۔"

اس کا اثر یہ ہُوا کہ مرتدین از سرِ نو حلقہ بگوش اسلام ہونے لگے۔

خالدؓ نے طلیحہ کی نبوّت کو ملیا میٹ کر دیا اور بنو فزارہ کو جو ایک طاقتور قبیلہ تھا، کمزور کر دیا تو یہ اُمّید پیدا ہو گئی کہ ارتداد کا فتنہ چند دنوں میں کچلا جائے گا لیکن ایک عورت زہر سے بھری ہُوئی ناگن کی صورت میں سامنے آگئی۔ اُس کا نام اُمِّ زمل سلمیٰ بنت مالک تھا اور سلمیٰ کہلاتی تھی۔ کچھ عرصہ پہلے کا واقعہ ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم زندہ تھے۔ مشہور صحابی سالار اسامہؓ کے والد زید بن حارثہ بنو فزارہ کے علاقے میں سے گزر رہے تھے۔ تاریخ میں یہ پتہ نہیں ملتا کہ وہ اُس علاقے میں کیوں گئے تھے۔ اُن کے ساتھ چند ایک آدمی تھے۔

بنو فزارہ مسلمانوں کا دشمن قبیلہ تھا۔ اس کے سردار تو مسلمانوں کے دشمن تھے ہی لیکن سرداروں

کے خاندان کی ایک عورت اُمّ قرفہ فاطمہ بنتِ بدر کے دل میں مسلمانوں کے خلاف نہ جانے کیوں اتنا زہر بھرا ہُوا تھا کہ وہ دوسرے قبیلوں میں بھی مسلمانوں کے خلاف زہر پھیلاتی رہتی تھی۔ وہ خوبصورت عورت تھی اور چالباز بھی۔ اُس کی زبان میں ایسا جادو تھا جو اُس کی زبان سے نکلے ہوئے ہر لفظ کو اُس کے بدترین دشمن کے دل میں بھی اتار دیا کرتا تھا۔

اس عورت کو کسی نے بتایا کہ کچھ مسلمان وادی القریٰ میں جا رہے ہیں۔ فاطمہ بنتِ بدر قبیلے میں بگولے کی طرح گھوم گئی۔ بنو فزارہ کے بہت سے آدمی مسلّح ہو کر وادی القریٰ میں جا پہنچے اور زیدؓ اور اُن کے ساتھیوں کو للکارا۔ ان مسلمانوں نے مقابلہ تو بے جگری سے کیا مگر مدِّ مقابل آدمی زیادہ تھے۔ تمام مسلمان شہید ہو گئے۔

بنو فزارہ کے آدمی ان سب مقتولین کی جامہ تلاشی کے بعد سارا مالِ غنیمت لے گئے۔ ان کے جانے کے بعد لاشوں میں سے ایک لاش نے حرکت کی۔ وہ زیدؓ بن حارثہ تھے انہوں نے دم سادھ لیا تھا۔ وہ شدید زخمی تھے۔ زخم گہرے تھے۔ قاتل انہیں مُردہ سمجھ رہے تھے۔ زیدؓ اٹھے اور جس طرح وہ زخموں سے چُور جسم کو گھسیٹتے ہُوئے مدینہ پہنچے وہ قوّتِ ارادی کی ایک حیران کُن مثال ہے۔

مدینہ پہنچ کر زیدؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو بتایا کہ بنو فزارہ کے آدمیوں نے اُن کے تمام ساتھیوں کو قتل کر دیا ہے۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اُسی وقت جوابی کارروائی کرنے کی بجائے فرمایا کہ زیدؓ کے زخم ٹھیک ہو جائیں گے تو یہ خود انتقامی کارروائی کریں گے۔

زیدؓ بن حارثہ کے زخم جلدی ٹھیک ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے انہیں مجاہدین کا ایک لشکر دے کر انتقامی کارروائی کے لیے بھیجا۔ زیدؓ نے بنو فزارہ پر بڑا شدید حملہ کیا۔ اس قبیلے نے زیدؓ بن حارثہ کے ساتھیوں کو بے گناہ قتل کیا تھا اس لیے زیدؓ کے قہر و غضب کا یہ عالم تھا جیسے وہ آسمانی بجلی بن کر بنو فزارہ پر گر رہے ہوں۔ بنو فزارہ نے جم کر مقابلہ کیا لیکن انتقام کی آگ میں بھڑکتے ہُوئے مجاہدین نے اُن کے قدم جمنے نہ دیئے۔ اس قبیلے کے بیشمار آدمی مارے گئے اور جو بچ گئے اور بھاگ نہ سکے، انہیں گرفتار کر لیا گیا۔ اُن قیدیوں میں یہ عورت بھی تھی جس کا نام اُمِّ قرفہ فاطمہ بنتِ بدر تھا۔ اُس کے ساتھ اُس کی کمسن بیٹی سلمیٰ بھی تھی۔

بنو فزارہ کے جنگی قیدیوں نے بتایا کہ زیدؓ کے ساتھیوں کو فاطمہ بنتِ بدر نے قتل کروایا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو یہ بھی بتایا گیا کہ یہ عورت سراپا شیطان اور بڑا ہی حسین اور چلتا پھرتا فتنہ و فساد ہے۔ اس کے متعلق یہ بھی بتایا گیا کہ مسلمانوں کے خلاف اس کے دل میں اتنی زیادہ نفرت ہے کہ یہ کہا کرتی ہے کہ میں صرف اُس مسلمان کو پسند کرتی ہوں جو مرا ہُوا ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کے متعلق اس کے اپنے قبیلے کے لوگوں سے ہی یہ ساری باتیں سنیں اور یہ دیکھ کہ یہ عورت کتنے زیادہ آدمیوں کی موت کا باعث بنی ہے تو آپؐ نے اُسے سزائے موت کا حکم دے دیا۔ آنحضورؐ کے حکم کی تعمیل فوراً ہوئی اور اس عورت کو ہلاک کر دیا گیا۔

فاطمہ بنتِ بدر تو دنیا سے اُٹھ گئی، پیچھے اُس کی کمسن بیٹی سلمیٰ رہ گئی جو شکل وصورت سے بھولی بھالی اور معصوم لگتی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے دیکھا تو اُس پر رحم آیا کہ یہ لڑکی اپنی ماں کے گناہوں کی سزا بھگت رہی ہے۔ آپؐ نے اُسے اُم المومنین عائشہ صدیقہؓ کے حوالے کر دیا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اُس کی معصومیت کو دیکھتے ہوئے اُسے ماں جیسے پیار سے گھر میں رکھا مگر یہ لڑکی ذرا سی دیر کے لیے بھی خوش نہیں رہتی تھی۔ اُس کے چہرے پر ہر وقت افسردگی طاری رہتی۔ وہ کسی کام میں اور کسی بات میں دلچسپی نہیں لیتی تھی۔ تھوڑے ہی عرصے بعد اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اُسے آزاد کر دیا اور اُسے اُس کے قبیلے میں بھیج دیا۔

✚

سلمیٰ جوانی کی عمر میں داخل ہو چکی تھی۔ وہ قبیلے کے کسی معمولی گھر کی لڑکی نہیں تھی، وہ قبیلے کے سب سے اونچے اور سردار خاندان کی بیٹی تھی۔ وہ جب اپنے قبیلے میں واپس آئی تو قبیلے کا بچہ بچہ اُس کے استقبال کے لیے نکل آیا۔

"اتنی خوبصورت اور جوان لڑکی کو مسلمانوں نے آزاد کیوں کر دیا ہے؟" ____ استقبال کرنے والوں میں سے کسی نے کہا۔

"یہ مسلمانوں کی چال معلوم ہوتی ہے" ____ ایک اور آواز اُٹھی۔

"اس لڑکی پر اعتبار نہ کرنا۔"

"اس کی ماں کہاں ہے؟"

سلمیٰ کے پہنچتے پہنچتے قبیلے میں یہ افواہ پھیل گئی کہ فاطمہ مسلمانوں کے پاس اپنی مرضی سے رہ گئی ہے اور اُس نے اپنی بیٹی سلمیٰ کو کوئی الٹا سیدھا سبق دے کر یہاں بھیج دیا ہے۔ سب لوگ سلمیٰ کی واپسی کو مسلمانوں کا دھوکہ سمجھ رہے تھے۔

سلمیٰ کا استقبال کر کے جب اُسے گھر لے جانے لگے تو وہ رُک گئی۔

"میں ابھی اپنے گھر میں قدم نہیں رکھوں گی" ____ سلمیٰ نے اپنے عزیزوں سے کہا ____ "میں بنو فزارہ کی غیرت کو جگانا چاہتی ہوں۔"

وہ دوڑ کر ایک اونچی جگہ کھڑی ہو گئی اور ہاتھوں کے اشاروں سے سب کو اپنے قریب بلایا۔ مرد تو پہلے ہی باہر نکل آئے تھے۔ گھروں سے عورتیں بھی نکل آئیں۔ ایک ہجوم تھا جو اس کے اردگرد اکٹھا ہو گیا تھا۔

"اے بنو فزارہ!" ____ سلمیٰ نے چلا چلا کر کہا ____ "کیا تمہاری غیرت مر گئی ہے؟... جواب دو... خاموش کیوں کھڑے ہو جواب دو۔"

"نہیں اُم زمل!" ____ ہجوم میں سے بے شمار آوازیں اُٹھیں ____ "ہم زندہ ہیں اور ہماری غیرت بھی زندہ ہے۔"

"تو صرف اپنے باپ کی نہیں پورے قبیلے کی بیٹی ہے" ____ ایک آدمی نے بڑی ہی بلند آواز میں کہا ____ "سچ بتا، کیا مسلمانوں نے تمہیں لونڈی بنا کر رکھا تھا؟"

"اور یہ بھی بتا" ____ ایک اور آواز اُٹھی ____ "تیری ماں کہاں ہے؟"

"مجھے مسلمانوں نے لونڈی بنا کر نہیں رکھا تھا" ____ سلمیٰ نے بلند آواز سے جواب دیا ____ "اُنہوں نے تو مجھے بیٹی بنا کر رکھا تھا لیکن اُنہوں نے میری ماں کو قتل کر دیا ہے۔"

"قتل کر دیا ہے؟... فاطمہ بنتِ بدر قتل ہو گئی ہے؟... وہ تو بنو فزارہ کی روح تھی" ____ اور ایسی بہت سی آوازیں تھیں جو اُٹھتی چلی گئیں اور بلند ہوتے ہوتے ایک ہنگامے کی صورت اختیار کر گئیں۔ سلمیٰ قبیلے میں جو آگ بھڑکانا چاہتی تھی وہ بھڑک اُٹھی۔ وہ کچھ دیر خاموش رہی جب لوگوں کا ہڑبونگ ذرا کم ہوا تو وہ بولی:

"کیا میری ماں نے تمہیں بتایا نہیں تھا کہ مسلمان قابلِ نفرت لوگ ہیں؟" ____ سلمیٰ نے بڑی ہی بلند آواز سے کہا ____ "اُنہوں نے اپنے چند ایک مقتولین کا انتقام لینے کے لیے اپنے پورے لشکر سے ہم پر چڑھائی کی تھی۔ ہمارے کتنے ہی آدمی مارے گئے۔ ہمیں لوٹا گیا اور تمہاری عورتوں کو وہ لونڈیاں بنا کر اپنے ساتھ لے گئے.... اور پھر یاد کرو اُم قرفہ فاطمہ بنتِ بدر کو جو صرف میری ماں نہیں تھی، وہ تم سب کی ماں تھی۔ وہ غیرت والی تھی۔ اُس نے صرف بنو فزارہ کی غیرت پر نہیں بلکہ اردگرد کے تمام قبیلوں کی غیرت پر جان دے دی ہے۔"

"سیدھی بات کر اُم زمل سلمیٰ!" ____ ایک آواز اُٹھی ____ "تو چاہتی کیا ہے؟"

"مدینہ پر حملہ!" ____ سلمیٰ نے دونوں بازو جذبے کے جوش سے اوپر اُٹھا کر کہا ____ "میں مدینے پر حملہ کر کے مسلمانوں کے شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دینا چاہتی ہوں۔ اگر تم میں غیرت ہے تو اس شہر کو بنیادوں سے اکھاڑ دو۔ اس کا نام و نشان مٹا دو۔"

سلمیٰ نے لوگوں کو ایسا بھڑکایا کہ اُنہوں نے وہیں کھڑے کھڑے حلف اُٹھانے شروع

کر دیتے کہ وہ سلمیٰ کو اپنا قائد تسلیم کرتے ہیں اور ایک لشکر کی صورت میں اُس کا ساتھ دیں گے۔

✥

بنو فزارہ نے لشکر تو تیار کر لیا لیکن مدینے پر حملہ کوئی معمولی مہم نہیں تھی۔ اُس وقت تک مسلمان ایک ایسی جنگی طاقت بن چکے تھے جسے للکارنے کے لیے اُن سے زیادہ جنگی طاقت کی ضرورت تھی۔ سلمیٰ نے خود بھی استادوں سے جنگی تربیت اور دست بدست لڑائی کے طور طریقے سیکھے۔

اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رحلت فرما گئے اور اس کے فوراً بعد ان ہی علاقوں میں ارتداد کا فتنہ اٹھا اور جنگیں شروع ہو گئیں۔ طلیحہ نے نبوت کا دعویٰ کیا اور خالدؓ بن ولید نے اسے بہت بُری شکست دی۔ بنو فزارہ کے لوگ مارے گئے اور جو بچ گئے وہ اِدھر اُدھر کے علاقوں میں بھاگ گئے۔ ان کے کچھ اتحادی قبیلے بھی تھے جن میں غطفان، طے، بنو سلیم اور بنو ہوازن خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں، یہ سب خالدؓ سے شکست کھا کر بھاگ تو گئے لیکن انہوں نے شکست تسلیم نہ کی اور ان کے سردار سلمیٰ کے ہاں جا پہنچے اور اُسے کہا کہ وہ اُس کے لشکر میں اپنے قبیلوں کو شامل کریں گے۔ سلمیٰ یہی چاہتی تھی۔ اُس کے پاس اپنا لشکر تیار تھا۔ ان قبیلوں کے آدمیوں کو ساتھ ملایا تو اُس کا لشکر اتنا بڑا ہو گیا کہ سلمیٰ مسلمانوں کے مقابلے میں آسکتی تھی۔

ایک روز سلمیٰ اس لشکر کو لے کر بزاخہ کی طرف کوچ کر گئی۔ اُس وقت خالدؓ بن ولید طلیحہ کو شکست دے کر بزاخہ میں تھے۔ خالدؓ نے ہر طرف اپنے جاسوس بھیج رکھے تھے۔ انہیں قبل از وقت اطلاع مل گئی کہ ایک لشکر بڑھا آرہا ہے۔ خالدؓ نے لشکر کے پہنچنے کا انتظار نہ کیا۔ اپنے لشکر کو تیار کر کے اس سمت کو چل پڑے جدھر سے سلمیٰ کا لشکر آرہا تھا۔

خالدؓ کے ساتھ نفری کم تھی اس کمی کو وہ اپنی جنگی فراست سے پورا کیا کرتے تھے۔ اس موقع پر اُنہوں نے یہ سوچا کہ بنو فزارہ کا لشکر سفر کا تھکا ہُوا ہو گا۔ اسے آرام کرنے اور آرام کے بعد جنگی ترتیب میں آنے کی مہلت نہ دی جائے۔

سلمیٰ کی ماں فاطمہ جنگ میں ایک سجے سجائے اونٹ پر سوار لشکر کے آگے آگے چلا کرتی تھی۔ وہ اپنے آپ کو اپنے اور دوسرے قبیلوں کی غیرت کی علامت سمجھا کرتی تھی۔ اُس نے سب کے ذہنوں میں یہی ڈال رکھا تھا کہ وہ ان کی غیرت کی نشانی ہے۔ اُس کی بیٹی سلمیٰ بھی جب خالدؓ کے مقابلے میں جا رہی تھی تو وہ ایک بڑے ہی تندرست، موٹے تازے اور قوی ہیکل اُونٹ پر سوار تھی۔ یہ اونٹ میدانِ جنگ کا تربیت یافتہ تھا۔ اس ایک اونٹ کے گرد ایک سو شُتر سواروں کا گھیرا تھا۔ تمام اُونٹ غیر معمولی طور پر تندرست و توانا اور بدمست تھے۔ ایک مؤرخ نے یہ بھی لکھا ہے کہ ان ایک سو اونٹوں کو شراب پلائی گئی تھی۔ ان کے سوار لمبی برچھیوں

اور تلواروں سے مسلح تھے اور وہ سب جوش و خروش سے نعرے لگا رہے تھے۔

خالدؓ کا لشکر عام چال سے بڑھا جا رہا تھا۔ آخر سلمیٰ کا لشکر آتا نظر آیا۔ خالدؓ نے ایک لمحہ بھی ضائع نہ کیا اور حملے کا حکم دے دیا۔ مجبوری یہ تھی کہ مسلمانوں کی نفری دشمن کے مقابلے میں بہت ہی تھوڑی تھی۔ سلمیٰ کے لشکر کی تعداد بھی زیادہ تھی اور اس لشکر نے بلند بانگ نعرے لگا لگا کر ایسا تاثر پیدا کر دیا جیسے وہ لوگ مسلمانوں کے جسموں کے پرخچے اُڑا دیں گے۔

سلمیٰ کی یہ حالت تھی کہ وہ اپنے اونٹ کے کجاوے پر کھڑی ہو کر بڑی ہی بلند آواز سے اپنے لشکر کے جوش و خروش میں اضافہ کر رہی تھی۔

دونوں لشکروں میں آمنے سامنے کی ٹکر ہُوئی۔ خالدؓ جنگی چالیں سوچ رہے تھے۔ انہوں نے اپنے طریقہ جنگ کے تحت اپنے لشکر کے دو حصّے پہلوؤں یا عقب سے حملہ کرنے کے لیے محفوظ رکھے ہُوئے تھے۔ سلمیٰ کا لشکر سفر کی تھکان کے باوجود خالدؓ کے لیے اچھی خاصی مصیبت بن گیا۔ یہاں تک کہ خالدؓ کو اپنے محفوظہ کا ایک اور حصّہ اس معرکے میں جھونکنا پڑا۔ پھر بھی میدان دشمن کے ہاتھ میں ہی معلوم ہوتا تھا۔

"اس عورت کا حصار توڑ دو"۔۔۔ خالدؓ بن ولید نے کہا اور اس کے ساتھ ہی چند ایک منتخب جانبازوں کو پکارنا شروع کر دیا۔۔۔ "اگر تم اس عورت کو اونٹ کی پیٹھ سے گرا دو تو اس لشکر کا جذبہ ریت میں مل جائے گا۔"

جانبازوں نے سلمیٰ کے اردگرد شُتر سواروں کا حصار توڑنا شروع کیا لیکن ہر شُتر سوار جان پر کھیل جانے کے لیے تیار تھا۔ جانبازوں نے پیچھے ہٹ ہٹ کر سلمیٰ کے حصار پر تابڑ توڑ حملے کیے لیکن شُتر سواروں کے لمبے نیزے مسلمان گھوڑ سواروں کو قریب نہیں آنے دیتے تھے۔

جانبازوں نے خالدؓ بن ولید کی نئی ہدایت پر عمل کرتے ہُوئے یہ طریقہ اختیار کیا کہ پانچ پانچ چھ چھ جانبازوں نے ایک ایک شُتر سوار پر اس طرح حملے شروع کر دیئے کہ ایک ایک سوار کو حصار سے الگ کر لیا۔ اس طرح حصار ٹوٹ گیا۔ بیشتر سوار مارے گئے لیکن جانبازوں کو جانوں اور خون کی خاصی زیادہ قربانی دینی پڑی۔

تین چار جانباز سلمیٰ کے اونٹ تک پہنچ گئے اور انہوں نے کجاوے کی رسّیاں کاٹ دیں۔ کجاوا اونٹ کی پیٹھ سے لڑھک کر نیچے آپڑا۔ سلمیٰ ریت پر گری اور اٹھی۔ خالدؓ قریب ہی اپنے گھوڑے پر سوار موجود تھے۔ جانبازوں نے سلمیٰ کو پکڑ لیا اور گھسیٹتے ہوئے خالدؓ تک لائے۔

جانبازوں کو خیال ہو گا کہ خالدؓ اتنی نوجوان اور خوبصورت اور سرداروں کے خاندان کی جنگجو لڑکی کو زندہ اپنے ساتھ لونڈی یا بیوی کی حیثیت سے رکھنا چاہیں گے۔ سلمیٰ اور خالدؓ کی نظریں

آپس میں ٹکرائیں۔ خالدؓ نے دائیں ہاتھ سے ہلکا سا اشارہ کیا۔ جانباز اس اشارے کو بڑی اچھی طرح سمجھتے تھے۔ سلمیٰ کے پیچھے کھڑے ایک قوی ہیکل جانباز نے تلوار کے ایک ہی وار سے سلمیٰ کا سر اُس کے جسم سے الگ کر دیا۔

خالدؓ بن ولید کے حکم سے ایک جانباز نے سلمیٰ کا سر اپنی برچھی کی اَنی میں اڑسا، گھوڑے پر سوار ہُوا، برچھی بلند کی اور گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ سلمیٰ کا لشکر جوش و خروش سے لڑ رہا تھا۔ مسلمان بے جگری سے مقابلہ کر رہے تھے۔ یہ جانباز گھوڑ سوار اس معرکے کے ارد گرد گھوڑا دوڑاتا اور اعلان کرتا پھر رہا تھا ــــ "بنو فزازہ کے لوگو! یہ دیکھو اپنی سلمیٰ بنتِ مالک کو۔"

بنو فزازہ اور دیگر قبیلوں کے لوگوں نے جب سلمیٰ کا سر دیکھا تو ان کا جوش و خروش ٹھنڈا پڑ گیا اور ان میں بھگدڑ مچ گئی۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ اپنی لاشوں اور زخمیوں کو چھوڑ کر بھاگ گئے۔

✣

بستی لبطاح کے گرد و نواح میں ناصرہ بنتِ جبار پاگلوں کی طرح ہر کسی سے پوچھتی پھر رہی تھی، کیا تو نے میرے بیٹوں کو دیکھا ہے؟ بعض لوگ اُسے رحم کی نظروں سے دیکھتے تھے اور کچھ لوگ اُس کے اس سوال پر غصے میں آجاتے تھے۔ سب نے فیصلہ دے دیا تھا کہ یہ عورت اپنے خاوند اور دو جوان بیٹوں کی موت سے پاگل ہوگئی ہے لیکن اُس کے دونوں بیٹوں کی لاشیں نہیں ملی تھیں۔ لاش صرف خاوند کی ملی تھی۔ کچھ لوگ ناصرہ کی اس جذباتی اور ذہنی کیفیت سے تنگ آگئے تھے۔

"تُو بے غیرت ہے ناصرہ!" ــــ ایک روز ایک آدمی نے اُسے طنزیہ کہا ــــ "ہر کسی کا کوئی نہ کوئی مارا گیا یا ایسا زخمی ہُوا ہے کہ ساری عمر کے لیے معذور ہوگیا ہے لیکن کسی کا کوئی عزیز ان کے لیے یوں پاگل نہیں ہُوا جیسی تُو ہو رہی ہے۔"

"میں پاگل نہیں ہُوئی" ــــ ناصرہ نے کہا ــــ "میں تم سے زیادہ ہوش میں ہُوں۔ میرا خاوند اور میرے بیٹے ایک جھُوٹے نبی کے جال میں آکر مرے ہیں۔ اگر وہ سچّے نبی کے نام پر جان قربان کرتے تو میں خوش ہوتی۔"

"کون ہے سچا نبی؟"

"قبیلہ قریش کا محمدؐ" ــــ ناصرہ نے جواب دیا ــــ "فتح اُن کو ملتی ہے جن کے دلوں میں سچ ہوتا ہے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سچّا نبی نہ ہوتا تو ہم اس طرح تباہ نہ ہوتے۔"

ایک روز ناصرہ اپنے گھر کے دروازے میں بیٹھی تھی۔ اُس کی آنکھیں خشک تھیں جیسے اُس کے آنسو ختم ہو چکے تھے۔

"ناصرہ!" ــــ اُس کے کانوں میں ایک آواز پڑی ــــ "وہ دیکھ، تیرے بیٹے آرہے ہیں۔"

یہ ایک عورت کی آواز تھی جو دوڑی چلی آرہی تھی۔ وہ ناصرہ کے پاس آکر اُسے اُٹھانے لگی۔ وہ حیرت زدگی کے عالم میں کہہ رہی تھی کہ تیرے دونوں بیٹے آرہے ہیں لیکن ناصرہ یُوں گم سُم بیٹھی رہی جیسے یہ خواب کی آواز ہو۔ اتنے میں کئی آوازیں آنے لگیں۔ ہر آواز یہی تھی کہ ناصرہ کے بیٹے آگئے ہیں۔ جب اُس کے بیٹے اُس کے سامنے آئے تو بھی اُسے یقین نہ آیا۔ آخر اُسے اس حقیقت کو تسلیم کرنا پڑا کہ اُس کے بیٹے زندہ و سلامت واپس آگئے ہیں۔

"میں نے اپنا ایک بیٹا مدینہ کے سچّے نبی محمد (صلی اللہ علیہ وسلّم) کے نام پر قربان کیا" ــــ ناصرہ نے اعلان کر دیا۔

اُس وقت حضرت عمرؓ خلیفہ تھے اور ناصرہ کے دونوں بیٹے ان کے حکم سے آزاد کیے گئے تھے۔ ناصرہ اپنے بیٹوں کو مرا ہُوا سمجھ رہی تھی۔ میدانِ جنگ سے اُسے اپنے بیٹوں کی لاشیں نہیں ملی تھیں۔ اُس کے بیٹے زخمی ہو گئے تھے اور مجاہدین انہیں جنگی قیدی بنا کر اپنے ساتھ لے گئے تھے اور مدینہ کے ایک تاجر نے انہیں خرید لیا تھا۔

ناصرہ کے بیٹے ہی نہیں، کئی اور بیٹے اور باپ جنہیں غلام بنا لیا گیا تھا، واپس آ گئے تھے۔ حیرت ناک بات یہ تھی کہ مسلمانوں نے ان لونڈیوں کو بھی آزاد کر کے واپس بھیج دیا تھا جو ابھی جوان تھیں اور ان میں بعض اچھی شکل و صورت والی تھیں اور چند ایک تو بڑے اچھے اور معزز خاندانوں کی تھیں۔ ان کے آقا ان کے ساتھ شادی کر لیتے تو یہ اچھی بیویاں ثابت ہوتیں لیکن انہیں جس طرح لے جایا گیا تھا وہ اسی طرح واپس آگئیں۔

فتنۂ ارتداد کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ بہت سے مرتدین اب سچے دل سے حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے تھے۔ صرف ان لوگوں کے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف کدورت رہ گئی تھی جن کے عزیزوں کو مسلمانوں نے غلام اور لونڈیاں بنا لیا تھا۔ عمرؓ کے حکم سے غلاموں اور لونڈیوں کو آزاد کر دیا گیا تو ان لوگوں کے دلوں سے کدورت نکل گئی۔ ان لوگوں نے اپنے "نبی" بھی دیکھ لیے جو عین لڑائی کے وقت بھاگ گئے یا مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے تھے۔ وہ کوئی معجزہ نہیں دکھا سکے تھے۔

اس علاقے کے بیشمار گھروں میں اہلِ خانہ ناصرہ بنتِ جبار کی طرح اپنے عزیزوں کی واپسی پر خوشیاں منا رہے تھے۔ آزاد ہو کر آنے والوں نے جب بتایا کہ ان کے مسلمان آقاؤں نے انہیں ہمیشہ اپنے جیسا انسان سمجھا ہے تو لوگوں کی سوچیں ہی بدل گئیں۔ اس کی ایک مثال ناصرہ کی ہے جو اپنے دو جوان بیٹوں کے غم میں پاگل ہُوئی جا رہی تھی۔ اُسے دونوں زندہ و سلامت

مل گئے تو اُس نے ایک بیٹے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر قربان کرنے کا اعلان کر دیا۔

ایک روز حضرت عمرؓ اپنی محفل میں بیٹھے تھے کہ ایک اجنبی آیا اور سیدھا عمرؓ کے سامنے جا بیٹھا۔ عمرؓ کا دایاں ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے لیا۔

"کیا تُو بتائے گا نہیں کہ تو کون ہے؟ ___ حضرت عمرؓ نے پوچھا ___ "تو کہاں سے آیا ہے؟ .... تُو مدینہ کا رہنے والا تو نہیں!"

"دُور سے آیا ہوں" ___ اجنبی نے جواب دیا ___ "میرا نام طلیحہ ہے"۔

"کون طلیحہ؟" ___ اس محفل میں بیٹھے ہوئے ایک آدمی نے پوچھا ___ "ایک طلیحہ جھوٹا نبی بھی تھا"

"میں وہی طلیحہ ہوں" ___ طلیحہ نے کہا ___ "قبولِ اسلام کے لیے آیا ہوں اور خلیفہ عمرؓ بن الخطاب کی بیعت کے لیے بھی"۔

اُس کی آنکھوں میں آنسو تھے اور اُس کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ بدنیتی سے نہیں آیا۔ یہ شخص تو واجب القتل تھا۔ اُس نے اسلام سے منحرف ہو کر نبوّت کا دعویٰ کیا اور بہت سے قبیلوں کو اسلام سے منحرف کیا۔ ان سے اپنی نبوّت تسلیم کرائی اور مسلمانوں کے خلاف وسیع پیمانے پر جنگ لڑ کر ہزاروں انسانوں کی موت کا باعث بنا لیکن حضرت عمرؓ نے اُسے معاف کر دیا۔ اُس نے سچے دل سے اسلام قبول کیا اور اسلام کی بقا اور فروغ کے لیے ممد و معاون ثابت ہوا۔

✦

حضرت عمرؓ نے جس توقع پر مرتدین کے غلاموں اور لونڈیوں کو آزاد کیا تھا وہ توقع پوری ہونے لگی تھی۔ ابوعبید بن مسعود الثقفی کے ساتھ جو کمک جا رہی تھی، وہ ناکافی تھا۔ تعداد بمشکل دو ہزار تھی۔ بعض مؤرخین نے صرف ایک ہزار لکھی ہے۔ حضرت عمرؓ کے حکم سے دُور دُور تک اعلان کرایا گیا کہ محاذ پر کمک کی ضرورت ہے ورنہ مجاہدین کے پاس پسپائی کے سوا کوئی چارہ نہ ہو گا۔

یہ اعلان اُن علاقوں میں پہنچا جنہیں مرتدین کے علاقے کہا جاتا تھا تو وہاں سے رضاکار جوق در جوق تیار ہو گئے۔ ان میں ناصرہ بنتِ جبّار کا ایک بیٹا بھی تھا۔

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ ابوعبید دو ہزار کا لشکر لے کر محاذ کو روانہ ہو گئے۔ یہاں ان کی روانگی کو ذرا تفصیل سے بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ تقریباً دو ہزار رضاکاروں کو مدینہ میں اکٹھا ہوتے ایک مہینہ لگ گیا تھا۔ روانگی کے روز ابوعبید حضرت عمرؓ کو خُدا حافظ کہنے لگے۔ عمرؓ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اُس وقت عمرؓ کو عام زبان میں تو خلیفہ کہا جاتا تھا لیکن ان کا یہ رتبہ یوں بولا جاتا تھا ___ خلیفۂ خلیفۃ الرسول اللہ ___ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ

کے خلیفہ۔ حضرت ابوبکرؓ خلیفۂ رسول اللہؐ تھے۔

ابوعبید عمرؓ سے ملنے کے لیے آئے تو ایک آدمی نے عمرؓ سے یوں کہا ___ "سلام اللہ علیک یا امیر المومنین! ابوعبید جانے کی اجازت لینے آیا ہے"۔

محمد حسنین ہیکل نے "عمر فاروق اعظم" میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

"واللہ!" ___ عمرؓ نے کہا ___ "خلیفۂ خلیفۃ الرسول اللہ مجھے عجیب سا لگتا ہے۔ امیر المومنین کتنا اچھا خطاب ہے"۔

اُس وقت سے خلیفہ کو امیر المومنین کہا جانے لگا۔ دو روایتیں اور بھی ہیں جو ابنِ عساکر نے اپنی کتاب "تاریخ دمشق" میں لکھی ہیں۔ ایک یہ کہ حضرت عمرؓ کو سب سے پہلے امیر المومنین کہنے والے مغیرہؓ بن شعبہ تھے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ سب سے پہلے عمرؓ کو امیر المومنین کہنے والے عمروؓ بن العاص تھے۔ واقعہ یوں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے عراق کے امیر کو لکھا تھا کہ دو ایسے ذہین اور معزز آدمیوں کو میرے پاس بھیجو جو مجھے عراق کے داخلہ اور خارجہ امور کے متعلق ہر سوال کا جواب دے سکیں۔

امیرِ عراق نے عدی بن حاتم طائی اور لبید بن ربیعہ کو بھیجا۔ یہ دونوں مدینہ میں آئے اور اپنا سامان مسجد میں رکھا۔ عمروؓ بن العاص مسجد میں موجود تھے۔ ان زعماء نے عمروؓ بن العاص سے کہا ___ "امیر المومنین سے ملاقات کی اجازت لے دیں"۔

"خدا کی قسم، تم دونوں نے ٹھیک کہا ہے" ___ عمروؓ بن العاص نے کہا ___ "عمرؓ امیر ہیں اور ہم مومنین!"

عمروؓ بن العاص نے حضرت عمرؓ سے اسی طرح خطاب کیا ___ "امیر المومنین" ___ عمرؓ مسکرائے اور یہ خطاب پسند کیا۔

بہرحال عمرؓ نے اپنے دورِ خلافت کے اوائل ہی میں امیر المومنین کہلانا پسند کر لیا تھا۔ اس کے بعد ہر خلیفہ امیر المومنین کہلایا۔ بات ہو رہی تھی ابوعبید کی روانگی کی۔ ابوعبید مدینے سے نکلے تو ان کے ساتھ تقریباً دو ہزار مجاہدین تھے، اور جب وہ ان مرتدین کے علاقوں میں داخل ہوتے جو ازسرِنو مسلمان ہو چکے تھے تو ان کے لشکر کی تعداد چار ہزار ہو گئی، اور جب ان علاقوں سے نکلے تو یہ تعداد دس ہزار ہو گئی۔ اس لشکر میں اکثریت اُن مسلمانوں کی تھی جنہیں مسیلمہ کذاب، طلیحہ اور سجّاح جیسے جھوٹے نبیوں نے اسلام سے منحرف کر دیا تھا۔ آخر ان کی آنکھیں کھل گئیں اور وہ اسلام کے دائرے میں واپس آ گئے اور ایک جنگی قوت بن گئے۔

یہ حضرت عمرؓ کے اس جرأت مندانہ فیصلے کا حاصل تھا کہ جنگِ ارتداد میں جنہیں غلام اور لونڈیاں بنایا گیا تھا، انہیں آزاد کر دیا جائے۔

حضرت عمرؓ

اپنا یہ عہد پورا کرنے کو بیتاب تھے کہ فارس (ایران) کو فتح کرنا اور زرتشت کے پجاریوں کے اس ملک میں اللہ کی حکمرانی قائم کرنی ہے۔

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف ملکوں کے بادشاہوں کو قبولِ اسلام کے لیے تحریری پیغام بھیجے تھے۔ ان میں ایک پیغام قیصرِ روم کو بھیجا گیا تھا جو ایک صحابی دحیہ کلبیؓ لے کر گئے تھے۔ قیصرِ روم نے اس پیغام کو ٹھکرا دیا تھا۔ اس وقت قیصر شام میں تھا۔ دحیہ کلبیؓ اپنے مختصر سے قافلے کے ساتھ واپس آ رہے تھے تو چند ایک شامی عربوں نے ان پر حملہ کر دیا اور ان کا تمام تر سامان، خوراک اور پانی لُوٹ لیا۔ ان کے اُونٹ بھی لے گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بصرہ کے حکمران کو جو پیغام بھیجا وہ حارث بن عمیر لے کر گئے تھے لیکن انہیں ایک عیسائی عرب عمرو بن شرجیل نے مُوتہ کے مقام پر روک کر قتل کر دیا۔ حارث بن عمیر کے ساتھ تین محافظ تھے۔ عمرو بن شرجیل نے انہیں واپس بھیج دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین ہزار مجاہدین کے لشکر کو مُوتہ کی طرف روانہ کیا۔ آپؐ نے لشکر کے سپہ سالار زیدؓ بن حارثہ کو حکم دیا کہ سب سے پہلے ہمارے ایلچی حارث بن عمیر کے قاتل عمرو بن شرجیل کو قتل کیا جائے پھر مُوتہ اور گرد و نواح کے لوگوں کو بتایا جائے کہ اسلام قبول کر لیں۔ انہیں یہ بھی بتایا جائے کہ اسلام کیا ہے۔

اس طرح مُوتہ کے مقام پر بڑی خونریز لڑائی ہوئی اور تین ہزار مجاہدین نے ایک لاکھ کے لشکر کو شکست دے کر حارث بن عمیر کے قتل کا انتقام لے لیا۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام فارس پہنچا، اُس وقت فارس کا بادشاہ کسریٰ پرویز تھا۔ پرویز کا غرور اور تکبر مشہور تھا۔ اُس وقت فارس بہت بڑی جنگی طاقت تھی اور فارس کی سلطنت عرب کے علاقوں تک پھیلی ہوئی تھی۔ پُورا عراق فارس کی سلطنت میں شامل تھا۔ کسریٰ پرویز کے متعلق تقریباً تمام مورخوں نے لکھا ہے کہ عرب کے جو علاقے سلطنتِ فارس میں شامل نہیں تھے پرویز انہیں بھی اپنی عملداری میں سمجھتا تھا۔

اُس وقت کسریٰ پرویز اپنے دربار میں تختِ طاؤس پر بیٹھا تھا جب اُسے اطلاع ملی کہ

مدینے سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ایلچی آیا ہے۔

"کیا چاہتا ہے؟" ——— پرویز نے پوچھا۔

"شرفِ باریابی کسریٰ اعظم!" ——— دربان نے جواب دیا ——— "شائد کوئی پیغام لایا ہے۔"

"محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) خود کیوں نہیں آیا؟" ——— کسریٰ پرویز نے رعونت آمیز لہجے میں کہا ——— "کیا وہ اپنے آپ کو کسی ملک کا بادشاہ سمجھتا ہے کہ خود نہیں آیا؟ .... وہ اس خوش فہمی میں مبتلا معلوم ہوتا ہے کہ ہم نے اسے اللہ کا رسول مان لیا ہے۔ اسے معلوم نہیں کہ مدینہ ہمارے قدموں میں پڑا ہے .... بلاؤ اس ایلچی کو!"

تاریخ میں اس ایلچی کا نام نہیں ملتا۔ بہرحال وہ صحابہ کرام میں سے تھے۔ وہ کسریٰ کے دربار میں داخل ہوئے۔ درباری شان و شوکت سے وہ ذرا سا بھی مرعوب نہ ہوئے۔

"سلامتی ہو تجھ پر اے شہنشاہِ فارس!" ——— ایلچی نے کہا ——— "اور رحمت ہو تجھ پر اُس اللہ کی جو وحدہٗ لاشریک ہے اور جس کے سوا کوئی معبود نہیں .... میں محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام لایا ہوں۔"

"ہم تجھے اس لیے معاف کرتے ہیں کہ تُو کسریٰ کے دربار کے آداب سے واقف نہیں" ——— کسریٰ پرویز نے کہا ——— "جو سَر یہاں آ کر جُھکتا نہیں وہ کاٹ دیا جاتا ہے .... لا پیغام دے کیا ہے۔"

ایک درباری نے آگے بڑھ کر ایلچی سے پیغام لیا اور کسریٰ پرویز کے ہاتھ میں دے دیا۔ کسریٰ نے پیغام پڑھا اور اُس کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ آ گئی۔

"سب سن لو" ——— کسریٰ پرویز نے درباریوں سے مخاطب ہو کر کہا ——— "عرب کے اِس بدّو نے ہمیں لکھا ہے کہ اسلام قبول کر لو۔ پھر اُس نے لکھا ہے کہ اسلام کیا ہے۔"

درباریوں نے اپنے شہنشاہ کی خوشنودی کے لیے قہقہہ لگایا۔

کسریٰ پرویز نے پیغام پھاڑنا شروع کیا اور اس کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر دیئے۔ ان ٹکڑوں کو اُس نے اپنی ہتھیلی پر رکھا اور ہتھیلی کو اپنے منہ کے قریب کر کے زور سے پھونک ماری۔ پیغام کے پُرزے ہوا میں اُڑے اور بکھر کر دربار کے فرش پر گرے۔

"تو جا سکتا ہے" ——— پرویز نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایلچی سے کہا ——— "ہم نے پیغام کا جواب دے دیا ہے۔"

"اگر کسریٰ سوچ کر جواب دیتا تو اس میں اسی کی بھلائی تھی" ——— ایلچی نے کہا ——— "اللہ تیرا نگہبان ہو۔"

ایلچی وہاں سے نکل آیا۔

"ایک تیز رفتار قاصد کو فوراً بلاؤ"۔۔۔کسریٰ پرویز نے کہا۔۔۔"اُس کے آنے تک پیغام لکھو"

علامہ شبلی نعمانی اپنی تصنیف "الفاروق" میں لکھتے ہیں کہ کاتب فوراً آگے آیا اور لکھنے بیٹھ گیا۔ یہ پیغام یمن کے حاکم بازان کو لکھا گیا۔ یمن فارس کی عملداری میں تھا۔ کسریٰ نے بازان کو لکھا:

"محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارا غلام ہے۔ اُس نے ہماری توہین کی ہے۔ ہمیں اسلام قبول کرنے کو کہا ہے.....اُسے فوراً گرفتار کر کے ہمارے دربار میں پیش کرو"

یہ پیغام کئی دنوں کی مسافت طے کر کے حاکم یمن بازان تک پہنچا۔ اُس نے پڑھا اور گہری سوچ میں گم ہو گیا۔ اُس کے پاس اُس کا ایک جرنیل بیٹھا ہوا تھا۔ اُس نے بازان کے ہاتھ سے پیغام لے کر پڑھا۔

"کسریٰ کو یہ حکم دینا چاہیئے تھا کہ مدینہ پر حملہ کرو"۔۔۔جرنیل نے کہا۔۔۔"محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ہم کیسے گرفتار کر سکتے ہیں؟"

اُدھر مدینہ میں ایلچی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتا رہا تھا کہ کسریٰ پرویز نے پیغام کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے۔

"اُس کی سلطنت اسی طرح ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بکھر جائے گی"۔۔۔رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

*

جس وقت کسریٰ پرویز کو یہ پیغام دیا گیا تھا اُس وقت اُس کا ایک بیٹا شیرویہ دربار میں موجود تھا۔ وہ خوبصورت جوان تھا۔ اُس کی نظریں اس حسین اور نوجوان لڑکی پر بار بار جاتیں اور کچھ دیر اُس کے چہرے پر جمی رہتی تھیں جو کسریٰ کے پہلو میں تختِ طاؤس پر بیٹھی تھی۔ یہ لڑکی جو حسن اور شباب کا ایک شاہکار تھی، پرویز سے نظریں چرا کر شیرویہ کو دیکھ لیتی اور اس کے ہونٹوں پر تبسم آ جاتا اور جب کسریٰ اُس کا ایک ہاتھ اپنے ہاتھ میں مسلتا یا جب لڑکی کے عریاں شانوں پر بکھرے ہوئے گہرے بادامی رنگ کے ریشم جیسے نرم و ملائم بالوں پر ہاتھ پھیرتا تو لڑکی کا تبسم یوں مسکراہٹ میں تبدیل ہو جاتا جیسے کلی کھل کر پھول بن گئی ہو۔

اس لڑکی کا نام ازدیبا تھا اور کسریٰ پرویز اُسے پیار سے اَزدی کہتا تھا۔ اُسے دربار میں اپنے ساتھ تخت پر بٹھاتا اور درباریوں کے ساتھ باتیں کرتے ازدیبا کے ہاتھوں اور بالوں سے کھیلتا رہتا تھا۔ اُس نے ایک عادت یہ بنا لی تھی کہ جب کسی کو سزائے موت سناتا تو ازدیبا کی کمر میں بازو ڈال کر اُسے اپنے ساتھ لگا لیتا اور اس طرح مُسکراتا جیسے اُس نے ازدیبا کی فرمائش

پوری کی ہو۔ ازدیبا یوں کھل کر مسکراتی جیسے کسی کی موت کا فیصلہ سن کر اُسے دلی خوشی ہوئی ہو۔

کوئی ایک مہینہ پہلے کا واقعہ ہے، پرویز کا بیٹا شیرویہ ہرنوں کے شکار کے لیے گیا۔ اُس کے ساتھ بیس بائیس آدمی تھے جن میں کچھ اُس کے محافظ تھے، ملازم تھے، تین چار خوشامدی حاکم اور ایک سالاری کے عہدے کا آدمی تھا۔ ایک جگہ چھ سات ہرن چر چُگ رہے تھے۔ شیرویہ گھوڑے سے اُترا، چُھپ چُھپ کر آگے گیا اور ایک ہرن پر تیر چلایا۔ ہرن جسم میں تیر لے کر دوڑ پڑا۔ شیرویہ دوڑ کر پیچھے آیا، گھوڑے پر سوار ہُوا اور گھوڑے کو ہرن کے پیچھے ایڑ لگا دی۔ ہرن زخمی ہونے کے باوجود دُور نکل گیا۔ شیرویہ کا گھوڑا اُس تک پہنچ گیا۔ شیرویہ نے گھوڑا ہرن پر چڑھا دیا اور اسے گرا لیا۔ شیرویہ کے ساتھ اُس کے محافظ تھے۔ انہوں نے مرے ہوئے ہرن کو اٹھا لیا اور شیرویہ اپنے ساتھیوں کی طرف چل پڑا۔ ان کے قریب پہنچا تو اس کے ساتھیوں نے دادوتحسین کے نعرے لگانے شروع کر دیئے جیسے اُس نے ہرن کو نہیں بلکہ شیر کو اس کے ساتھ خالی ہاتھ لڑ کر مارا ہو۔

شیرویہ دادوتحسین کے اس خوشامدی ہنگامے سے بے نیاز ایک حسین و جمیل اور نوجوان لڑکی پر نظریں جمائے ہوئے تھا جو وہاں ایک آدمی کے پاس کھڑی تھی اور اس آدمی کے پیچھے چُھپنے کی کوشش کر رہی تھی۔ یہ آدمی کوئی اجنبی تھا۔ اس کے ساتھ دو اور اجنبی آدمی تھے۔ ان تینوں نے آگے آ کر اور جھک کر شیرویہ کو سلام کیا۔

"کون ہیں یہ؟"۔۔۔شیرویہ نے اپنے افسروں سے پوچھا۔

"ہم مسافر ہیں"۔۔۔ان اجنبیوں میں سے ایک نے کہا۔۔۔"بغداد جا رہے ہیں۔ ہم وہیں کے رہنے والے تاجر ہیں"

"ہم آپ ہی کی رعایا ہیں"۔۔۔ان میں سے ایک اور نے کہا۔۔۔"یہاں سے گزرے تو انہوں نے بتایا کہ شہزادہ شیرویہ شکار کھیلنے آئے ہیں۔ آپ کو دیکھنے کی ایسی تمنا تھی کہ ہم رک گئے"

"سنا تھا شہزادہ شیرویہ اتنا خوبصورت جوان ہے کہ جو ایک بار دیکھ لے وہ نظریں کسی اور طرف کر ہی نہیں سکتا"۔۔۔تیسرے اجنبی نے کہا۔۔۔"اور ہم نے لوگوں کو یہ کہتے بھی سنا ہے کہ سلطنتِ فارس کا شہنشاہ شیرویہ کو ہونا چاہیئے"

"اور یہ لڑکی تم میں سے کس کی بیٹی ہے؟"۔۔۔شیرویہ نے پوچھا۔

تینوں تاجروں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور کُھسر پُھسر کی۔ شیرویہ کے ساتھ فارس کی فوج کا جو جرنیل آیا ہوا تھا، اُس نے شیرویہ کو ہلکا سا اشارہ کیا۔ شیرویہ جرنیل کے ساتھ ذرا پرے چلا گیا۔

"یہ لڑکی ان میں سے کسی کی بھی بیٹی نہیں"۔۔۔ جرنیل نے شیرویہ کو بتایا ۔۔۔ "یہ سوتیلے باپ کے ظلم وستم سے بھاگی ہوئی لڑکی ہے۔ ہم ان سے پوچھ چکے ہیں۔ اس لڑکی کا باپ مر گیا تو ماں نے دوسری شادی کر لی۔ لڑکی کو آپ دیکھیں۔ کیا اتنی خوبصورت لڑکی آپ نے پہلے کبھی دیکھی ہے؟ سوتیلے باپ کی نیت اس لڑکی پر خراب ہو گئی۔ ماں اسے باپ سے بچاتی رہی۔ اتفاق سے ماں کو ان تاجروں کا پتہ چلا کہ بغداد میں ایک اعلیٰ حاکم ایک بہت ہی خوبصورت اور نوجوان بیوی کی تلاش میں ہے۔ ماں نے ان تاجروں کو جاننے والے دو تین شرفا کی یقین دہانی اور ضمانت پر لڑکی کچھ رقم کے عوض ان کے حوالے کر دی۔ اب یہ لڑکی کو بغداد لے جا رہے ہیں۔"

"ان سے پوچھو لڑکی کی کیا قیمت لیتے ہیں"۔۔۔ شیرویہ نے کہا ۔۔۔ "اور انہیں ساتھ لے چلو۔ میں انہیں قیمت ادا کر دوں گا۔"

تاجروں نے اتنی زیادہ قیمت بتائی جو شیرویہ جیسا شہزادہ بھی سن کر حیران ہو گیا۔

"میں چاہوں تو لڑکی کو بلاقیمت بھی رکھ سکتا ہوں"۔۔۔ شیرویہ نے کہا ۔۔۔ "اور تم بغداد کبھی بھی نہیں پہنچ سکو گے۔"

"ہونے والے کسریٰ سے ہمیں ایسی بے انصافی کی توقع نہیں تھی"۔۔۔ ایک تاجر نے کہا۔

"عشق انصاف اور بے انصافی میں تمیز نہیں کیا کرتا"۔۔۔ شیرویہ نے کہا ۔۔۔ "مجھے اس لڑکی سے عشق ہو گیا ہے۔"

"ہم نے اس لڑکی کی جو قیمت ادا کی ہے، وہ تو ہمیں ملنی چاہیے"۔۔۔ تاجروں میں سے ایک نے کہا۔

لڑکی یہ گفتگو سن رہی تھی۔ وہ دوڑ کر شیرویہ کے پاس آ گئی۔

"میں ان لوگوں کے ساتھ نہیں جاؤں گی"۔۔۔ لڑکی نے شیرویہ کے آگے دو زانو ہو کر اور اس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر روتے ہوئے کہا ۔۔۔ "یہ لوگ مجھے رقاصہ بنا کر دولت کمائیں گے اور میری عصمت کے ساتھ کھیلیں گے۔ میں ان کی ملکیت نہیں ہوں۔ میں کسریٰ کے شہزادے سے انصاف اور تحفظ چاہتی ہوں۔ کیا شہزادہ مجھے اپنی پناہ میں نہیں لے سکتا؟"

"کیوں نہیں؟"۔۔۔ شیرویہ نے کہا ۔۔۔ "میں نے تمہیں اپنے دل میں پناہ دے دی ہے۔"

شیرویہ نے لڑکی کو بازوؤں سے پکڑ کر اٹھایا اور اسے اپنے بازوؤں کے گھیرے میں لے کر اپنے ساتھ چپکا لیا۔

"تم تینوں!"۔۔۔ شیرویہ نے لڑکی کو اپنے سامنے سے ہٹا کر کہا ۔۔۔ "اپنے گھوڑوں پر سوار ہو جاؤ اور اپنی منزل کی راہ لو۔ حکم عدولی کی سزا جانتے ہو کیا ہے!"

تینوں تاجر اپنے گھوڑوں پر سوار ہوئے اور چل پڑے۔

*

رات کا پہلا پہر تھا۔ وہی جرنیل اور وہی اعلیٰ حاکم جو شیرویہ کے ساتھ شکار پر گئے تھے، کسریٰ پرویز کے پاس بیٹھے اس کی مدح سرائی کر رہے تھے۔

"آج ہمارا شہزادہ شیرویہ شکار کھیلنے گیا تھا"۔۔۔ پرویز نے کہا ۔۔۔ "اور سنا ہے تم سب اس کے ساتھ تھے۔"

"ہاں کسریٰ اعظم!"۔۔۔ جرنیل نے کہا ۔۔۔ "شہزادہ نوجوان ہے۔ ہم اسے اکیلا نہیں چھوڑ سکتے تھے۔"

"کیا شکار کیا؟"

"ایک ہرن کسریٰ اعظم!"۔۔۔ ایک حاکم نے جواب دیا۔

"ہم آپ کے ساتھ شہزادے کے شکار کی ہی بات کرنا چاہتے ہیں"۔۔۔ جرنیل نے کہا ۔۔۔ "شہزادہ شیرویہ ایک نوجوان لڑکی کو اپنے ساتھ لایا ہے"۔۔۔ جرنیل نے تفصیل سے سنایا کہ یہ لڑکی اس کے ہاتھ کس طرح لگی تھی پھر کہا ۔۔۔ "لڑکی اتنی خوبصورت ہے کہ شہزادہ اسی کا ہو کے رہ جائے گا۔ سلطنت فارس دشمنوں میں گھری ہوئی ہے۔ ان حالات میں ایک شہزادے کو یہ اجازت نہیں ہونی چاہیے کہ وہ اس طرح آزادی سے کسی لڑکی کو محل میں لے آئے۔"

"کیا تم سب نے اسے روکا نہیں تھا؟"۔۔۔ کسریٰ پرویز نے پوچھا۔

"بہت روکا تھا کسریٰ اعظم!"۔۔۔ جرنیل نے کہا ۔۔۔ "لیکن ہم اسے حکم نہیں دے سکتے تھے۔ اس پر جبر نہیں کر سکتے تھے۔ ہم جانتے ہیں کہ ایک شہزادے کی یہ حرکت کسریٰ جیسی عظیم شخصیت کے لیے ناقابل برداشت ہو گی لیکن ہم آپ کا نمک کھاتے ہیں۔ ہمارے جان و مال عظیم سلطنت فارس کے وقار اور توسیع کے لیے وقف ہیں۔"

جرنیل ابھی بول رہا تھا کہ ایک اعلیٰ حاکم نے پرویز کو اس کے بیٹے شیرویہ کے خلاف بھڑکانا شروع کر دیا۔ یہی وہ جرنیل تھا اور یہی وہ اعلیٰ حاکم تھے جو شکار پر شیرویہ کے ساتھ تھے اور انہوں نے ان تین تاجروں سے یہ لڑکی چھیننے میں شیرویہ کی حوصلہ افزائی کی اور تاجروں کو بھگا دیا تھا، اور جب وہ لڑکی کو ساتھ لیے شکار سے واپس آ رہے تھے تو راستے میں انہوں نے شیرویہ کی ایسی مدح سرائی کی تھی کہ اسے فارس کا بادشاہ بنا دیا تھا۔

"تخت طاؤس پر شیرویہ ہی اچھا لگتا ہے۔"

"اور شہزادے کے ساتھ یہ ملکہ! زرتشت کی قسم، ایسا خوبصورت جوڑا ....!"

"رعایا شہزادہ شیرویہ کو دیکھتی ہے تو سر تعظیم اور عقیدت سے جھک جاتے ہیں۔"

شیرویہ پر ایک تو اتنی حسین لڑکی کا نشہ طاری تھا۔ اس نشے میں فارس کے اعلیٰ افسروں کے خوشامدانہ الفاظ اضافہ کر رہے تھے۔ شیرویہ کا سینہ پھیلتا اور سر اونچا ہوتا جا رہا تھا۔ وہ یقیناً اپنے آپ کو فارس کا شہنشاہ سمجھنے لگا ہو گا۔

ان حاکموں نے اُسے اُس کے باپ کے خلاف بھی بھڑکایا تھا اور پھر شیرویہ کو بھی یقین دلا دیا کہ اُس کے باپ کو پتہ ہی نہیں چلنے دیا جائے گا کہ وہ ایک لڑکی کو ساتھ لایا ہے۔ انہوں نے لڑکی کو ایک بڑے اچھے گھر میں چھپا لیا اور شیرویہ سے کہا کہ لڑکی اُسے رات کو فلاں باغ میں ملے گی۔

رات کو یہی حاکم شیرویہ کے باپ کو اُس کے خلاف بھڑکا رہے تھے۔

"میں ابھی اُس کے پاس جاتا ہوں"۔۔۔ کسریٰ پرویز غصے سے اٹھا اور بولا۔۔۔ "لڑکی اُس کے ساتھ ہو گی۔"

"نہیں عظیم کسریٰ!"۔۔۔ ایک حاکم نے کہا۔۔۔ "لڑکی کو اُس نے اپنے ساتھ نہیں رکھا۔ اس وقت وہ دونوں فلاں باغ میں بیٹھے ہوئے ہوں گے"۔۔۔ اُس نے پرویز کو وہ جگہ بتا دی۔

کسریٰ پرویز اکیلا ہی چل پڑا۔

"کیا شیرویہ ایسی جرأت کرے گا کہ ابھی باپ کو قتل کر دے؟"۔۔۔ جرنیل نے شہری حاکموں سے کہا۔

"قتل نہ کیا تو باپ بیٹے میں دشمنی تو پیدا ہو جائے گی"۔۔۔ ایک حاکم نے کہا۔

"اور ہم اس دشمنی کو پکا کر دیں گے"۔۔۔ ایک اور حاکم نے کہا۔

"لڑکی کو بیکار رہنا چاہیئے"۔۔۔ جرنیل نے کہا۔۔۔ "اس کی ذرا سی کوتاہی راز فاش کر دے گی۔ یہ نہ بتا دے کہ ہم نے اسے چھپایا تھا۔"

"میں نے بڑی اچھی طرح سمجھا دیا تھا"۔۔۔ ایک بوڑھے حاکم نے کہا۔۔۔ "اور ڈرایا بھی بہت ہے۔"

"اب جو ہوتا ہے دیکھتے رہو"۔۔۔ جرنیل نے کہا۔۔۔ "معاملہ بگڑ گیا تو بھگت لیں گے کسریٰ پرویز کو زندہ نہیں رہنا چاہیئے۔"

*

محل کا وہ باغ جنت نظیر تھا۔ چاندنی اُس کے حسن کو دوبالا کر رہی تھی۔ وسط میں ایک چشمہ تھا جس کی شفاف سطح پر چاند نے چاندی کے چمکتے ذرے بکھیر رکھے تھے۔ پھولوں کی مہک مُردہ جسموں میں نئی روح پھونکتی تھی۔ حسین خواب سے زیادہ حسین باغ میں چشمے کے کنارے دو خوبصورت انسان ایک دوسرے کے ساتھ یوں چپک کر بیٹھے ہوئے تھے جیسے ایک ہی جسم ہوں۔

ایک شیرویہ تھا اور دوسری وہ لڑکی تھی جسے شیرویہ جنگل سے لایا تھا۔ لڑکی نے اپنا نام ازدیبا بتایا تھا۔ وہ ایک دوسرے میں گم ہو گئے تھے۔ شباب اور عشق کا خمار انہیں دنیا و مافیہا سے بہت دور لے گیا تھا۔

"مجھے کب تک چھپائے رکھو گے؟"۔۔۔ ازدیبا نے سرگوشی کی۔

"چند دن"۔۔۔ شیرویہ نے کہا۔۔۔ "پھر ہماری شادی ہو جائے گی۔"

"کیا شاہی خاندان میں مجھے قبول کر لیا جائے گا؟"۔۔۔ ازدیبا نے شیرویہ سے ذرا الگ ہو کر کہا۔۔۔ "میں رعایا میں سے ہوں۔ میرا کوئی وارث بھی نہیں۔"

"ایک آدمی کو تمہارا باپ بنایا جائے گا"۔۔۔ شیرویہ نے کہا۔۔۔ "اُسے عراق یا شام کے کسی قبیلے کا سردار ظاہر کیا جائے گا۔ شکار پر جو افسر میرے ساتھ تھے وہ ایسا انتظام کریں گے کہ تم اُس کے ساتھ محل میں آؤ گی۔ یہ افسر میرے باپ سے کہیں گے کہ شیرویہ کی شادی اس لڑکی کے ساتھ ہونی چاہیئے۔ وہ میرے باپ کو قائل کر لیں گے۔ وہ میرے باپ کو بتائیں گے کہ لڑکی کا باپ بہت امیر اور وسیع اثر و رسوخ والا آدمی ہے اور اپنے علاقے میں وہ سلطنتِ فارس کا ایک مضبوط ستون ہے۔"

اُن پر ایک سایہ پڑا جسے ان دونوں نے شاید اس لیے نظرانداز کر دیا ہو گا کہ بادل کا ٹکڑا چاند کے آگے آگیا ہے لیکن سایہ ان کے اوپر سے گزرا نہیں۔ ان کے اوپر ہی رُکا رہا۔

"کسریٰ پرویز کی سلطنت کے ستون بہت مضبوط ہیں شہزادے!"۔۔۔ سائے میں سے آواز آئی۔

شیرویہ اور ازدیبا نے چونک کر پیچھے دیکھا۔ کسریٰ پرویز ان کے سر پہ کھڑا تھا۔ اُس نے ازدیبا کو بازو سے پکڑ کر اٹھایا۔ شیرویہ اپنے باپ اور ازدیبا کے درمیان آگیا۔

"میرے ساتھ بات کریں"۔۔۔ شیرویہ نے کہا۔۔۔ "اسے میں لایا ہوں، یہ مجھے نہیں لائی۔"

پرویز نے ایک آدھ قدم پیچھے ہٹ کر شیرویہ کے منہ پر زور سے تھپڑ مارا۔

"کیا تو نے کبھی کسی کو کسریٰ کے راستے میں آتے دیکھا ہے؟"۔۔۔ کسریٰ پرویز نے کہا۔۔۔ "احمق شہزادے! کیا میں اسی عمر میں تجھے اس طرح ایک لڑکی میں گم ہوتے برداشت کر لوں گا کہ تجھے دنیا کا ہی ہوش نہ رہے؟ چلا جا یہاں سے.... آج سے تو محل سے باہر نہ نکلے۔"

پرویز لڑکی کو ساتھ لے کر چلا اور شیرویہ وہیں کھڑا وہ گال ملتا رہ گیا جس پر اُس کے باپ

کا تھپڑ پڑا تھا۔

*

کچھ دیر بعد لڑکی کسریٰ پرویز کے سونے کے کمرے میں اُس کے ساتھ بے تکلفی سے باتیں کر رہی تھی۔

"کیا تم میرے اس بیٹے کو چاہتی ہو؟" —— پرویز نے پوچھا۔

"اگر میں نے آپ کے بیٹے کے خلاف کوئی بات کہہ دی تو آپ ناراض ہو جائیں گے" —— ازدیبا نے کہا۔

"اگر میں تم سے ناراض ہوتا تو میں تمہیں اس پلنگ پر نہ بٹھاتا" —— پرویز نے کہا —— "جو کہنا ہے وہ کہہ دو۔"

"آپ کا یہ بیٹا احمق ہے" —— ازدیبا نے کہا —— "اسی عمر میں عیاشی میں پڑ گیا ہے۔ مجھے زبردستی میرے باپ سے چھین لایا ہے۔ اس کے ساتھ آپ کی عمر کے تین چار آدمی تھے۔ ان نے اسے بہت روکا لیکن اس نے سب کو ڈانٹ کر کہا کہ میں کسریٰ کا بیٹا ہوں۔ رعایا کی ہر لڑکی میری ملکیت ہے۔ اس نے یہ بھی کہا تھا کہ جس نے مجھے روکا وہ میرے ہاتھوں قتل ہو جائے گا۔"

"تم نے ٹھیک کہا ہے لڑکی!" —— کسریٰ پرویز نے کہا —— "ہمارا یہ شہزادہ احمق ہے ....کیا تم ہمارے پاس رہنا پسند کرو گی یا اپنے ماں باپ کے پاس جانا چاہو گی؟"

"کیا فارس کے شہنشاہ مجھے اپنے پاس رکھنے کے قابل سمجھتے ہیں؟" —— ازدیبا نے التجا کے لہجے میں کہا۔

"تم جیسے پھول کو کون اپنے سینے سے لگا کر نہیں رکھنا چاہے گا؟" —— پرویز نے اُسے اپنے قریب کرتے ہوئے کہا۔

"شہنشاہ کا دل اتنا کشادہ اور مشفق ہے تو یہ میری خوش نصیبی ہے" —— ازدیبا نے کہا اور کچھ سوچ کر بولی —— "لیکن مجھے شہزادے سے خوف آتا ہے۔ وہ مجھے قتل کرا دے گا۔"

"ہم نے اُسے محل میں نظر بند کر دیا ہے" —— کسریٰ پرویز نے کہا —— "وہ محل کی حدود سے باہر نہیں جا سکتا۔ باغ میں گھوم پھر سکتا ہے، اور تم ہر وقت میرے ساتھ رہو گی۔"

ازدیبا کی وہ رات کسریٰ پرویز کے ساتھ گزری۔

اگلے روز پرویز نے شیرویہ کو بلایا اور اسے حکم دیا کہ وہ محل سے باہر نہیں جا سکتا اور محل کے اندر وہ حرم کے کمروں کے قریب سے بھی نہیں گزر سکتا۔ شیرویہ نے باپ کو کھری کھری سنا دیں۔ باپ بیٹے میں خاصی بدکلامی ہوئی۔

"میں تمہارا یہ جرم معاف نہیں کر سکتا" —— کسریٰ پرویز نے کہا۔

"اور معاف کرنے والوں میں سے میں بھی نہیں ہوں" —— شیرویہ نے کہا۔

اُسی روز اُن ہی حاکموں میں سے ایک جو شیرویہ کے ساتھ شکار کھیلنے گئے تھے، شیرویہ سے ملا۔

"ایک باپ کو اپنے بیٹے کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کرنا چاہیئے" —— حاکم نے شیرویہ سے کہا —— "کسریٰ کو چاہیئے تھا کہ اس لڑکی کو محل سے نکال دیتا لیکن لڑکی آپ سے چھین کر اپنے پاس رکھ لی ہے۔"

"میں نے کسریٰ کو اپنا باپ سمجھنا چھوڑ دیا ہے" —— شیرویہ نے کہا۔

"ہم دیکھ رہے ہیں کہ کسریٰ پرویز عیش و عشرت میں گم ہوتے چلے جا رہے ہیں" —— حاکم نے کہا —— "اُدھر مسلمان ایک جنگی طاقت بنتے جا رہے ہیں۔ رومی الگ ہمارے لیے خطرہ بنتے جا رہے ہیں۔ ہم صرف آپ کو دیکھ رہے ہیں۔ صرف آپ ہیں جو سلطنتِ فارس کو تباہی سے بچا سکتے ہیں۔"

پھر دوسرے حاکم باری باری شیرویہ سے ملے اور اُس کے ساتھ اُس کے باپ کے خلاف باتیں کیں۔ جرنیل نے تو اُسے بہت ہی زیادہ بھڑکایا۔ سب اُسے کہتے تھے کہ اُس کا باپ سلطنت کو تباہ کر رہا ہے۔ شیرویہ نوجوان تھا اس لیے ازدیبا جیسی حسین لڑکی کے متعلق اُس کے جذبات اُس کے قابو سے باہر ہو گئے۔ وہ اب کسریٰ پرویز کو باپ نہیں بلکہ رقیب کہتا تھا۔

کچھ دنوں بعد پرویز کو کہیں باہر جانا تھا۔ وہ چلا گیا تو ایک رات باغ کے ایک گوشے میں شیرویہ اور ازدیبا کی ملاقات ہوئی۔

"مجھے اپنے بوڑھے اور ظالم باپ سے آزاد کراؤ" —— ازدیبا روتے ہوئے بار بار شیرویہ سے کہتی تھی —— "میں تمہارے ساتھ آئی تھی۔ میں تمہاری ہوں۔ اگر تمہارے باپ نے مجھے نہ چھوڑا تو میں کچھ کھا کر مر جاؤں گی۔"

"تم نہیں مرو گی" —— شیرویہ نے پُرعزم لہجے میں کہا —— "کسریٰ پرویز مرے گا، اور وہ میرے ہاتھوں مرے گا۔"

یہی ازدیبا کسریٰ پرویز کے ساتھ ہوتی تھی تو اسے شیرویہ کے خلاف مشتعل کرتی رہتی تھی۔ اس کے نتیجے میں پرویز شیرویہ کو بہانے تراش کر ڈانٹ دیتا اور اس پر پابندیوں میں اضافہ کر دیتا تھا۔

*

کسریٰ پرویز چار پانچ دنوں بعد واپس آیا۔ اس عرصے میں ازدیبا دو بار شیرویہ سے ملی۔ اُس

ے اپنے دل کش جسم اور قیامت خیز شباب کی حرارت سے اور زبان کے جادو سے شیر
کو باپ کا جانی دشمن بنا دیا۔

اس دوران جرنیل اور چار پانچ اعلیٰ افسر شیرویہ سے ملتے رہے اور اُس کے دماغ پر نقش کر دیا کہ کسریٰ فارس وہی ہے۔ اُس کا باپ سلطنت کو تباہ کر دے گا۔

کسریٰ پرویز واپس آگیا۔ ایک دو دنوں بعد وہ دربار میں ازدیبا کو ساتھ لیے تختِ طاؤس پر بیٹھا تھا۔ شیرویہ بھی دربار میں موجود تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایلچی پیغام لے کر آگیا جو کسریٰ پرویز نے پھاڑ کر اس کے پُرزے بکھیر دیتے۔ اس کے ساتھ ہی اس نے حاکم یمن کو حکم بھیجا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو گرفتار کر کے ہمارے دربار میں پیش کیا جائے۔ شیرویہ یہ دیکھ دیکھ کر آگ بگولا ہو رہا تھا کہ پرویز ازدیبا کے بالوں، گالوں اور ہاتھوں سے کھیل رہا تھا۔

ادھر مسلمانوں کا لشکر عراق میں داخل ہو گیا۔ سلطنتِ فارس کی فوج کے مقابلے میں مجاہدین کی نفری آدھی بھی نہیں تھی۔ اس کے علاوہ فارس کی فوج نیم زرہ پوش تھی۔ اس کے باوجود مجاہدینِ اسلام نے فارسیوں کو ہر میدان سے پسپا کیا اور ان کے ہر قلعے پر اسلام کا پرچم لہرایا اور فارسی اپنی لاشوں اور زخمیوں کو چھوڑ کر پسپا ہوتے گئے۔ مجاہدین کے سپہ سالار خالدؓ بن ولید اور ان کے دست راست مثنیٰ بن حارثہ تھے[1]

مجاہدینِ اسلام نے دریائے فرات کے کنارے پر بیشتر شہر اور قصبے فتح کر لیے اور اب مدائن کی طرف بڑھ رہے تھے جو سلطنت فارس کا دارالحکومت تھا۔

مدائن محلات کا شہر تھا۔ یہ فارس کے بادشاہوں کی گدی تھی۔ یہ ایک ہنستا مسکراتا بارونق شہر تھا لیکن اس شہر کی مسکراہٹیں غائب ہو گئیں اور سارے شہر پر خوف و ہراس طاری ہو گیا۔ مسلمانوں کے راستے میں آنے والے شہروں سے بھاگے ہوئے لوگ مدائن پہنچ رہے تھے۔ ان میں زرتشت کے پجاری اور عیسائی تاجر بھی تھے۔ اُن کے پاس مال و دولت تھا جسے مسلمانوں سے بچانے کی خاطر وہ بھاگتے اور پناہیں ڈھونڈتے پھر رہے تھے۔ قلعوں اور میدان جنگ سے بھاگے ہوئے افسر، عہدیدار اور سپاہی بھی مدائن پہنچ رہے تھے۔ شہری بھی خاصی تعداد میں پہنچے تھے۔ انہوں نے مدائن میں مسلمانوں کی دہشت پھیلا دی تھی۔

ایک روز فارس کے امراء، وزرا اور کئی زعما اکٹھے ہوئے۔

"کیا تم سب سلطنت فارس کی یہ ذلت و رسوائی برداشت کر رہے ہو؟" — ان میں سے سب سے زیادہ معمر امیر نے کہا۔

"ذلت و رسوائی نہیں تباہی کہیں" — ایک اور امیر بولا — "آدھے سے زیادہ عراق

[1] ان جنگوں کی ولولہ انگیز اور دلچسپ داستان "شمشیر بے نیام" (مصنف عنایت اللہ) حصہ اوّل اور دوم پڑھیے

مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا ہے۔ ہماری وہ فوج جس نے روم کے ہرقل کو شکست دی تھی، اب عرب کے پسماندہ بدوؤں کے آگے پسپا ہوتی اور ہتھیار ڈالتی چلی آ رہی ہے۔ زرتشت کی لعنت ہو ہم پر کہ ہم مدائن بھی مسلمانوں کے حوالے کر کے چلتے بنیں .... اب آپ بولیں محترم بزرگ!"

"میں نے جو کہنا تھا وہ تم نے کہہ دیا ہے" — معمر بزرگ نے کہا — "تم سب جانتے ہو اس تباہی کی وجہ کیا ہے .... خانہ جنگی .... یہ بھی ایک قسم کی خانہ جنگی ہے۔ ایک گروہ ایک آدمی کو تخت پر بٹھاتا ہے تو دوسرا گروہ اُسے قتل کر کے اپنے آدمی کو تخت پر بٹھا دیتا ہے یہ تمام بادشاہ قتل ہونے کے ہی قابل تھے۔ اگر ہم یہ خونی کھیل تماشائیوں کی طرح دیکھتے رہے تو سلطنتِ فارس کا نام و نشان مٹ جائے گا۔ خود ہم لوگ جو یہاں بیٹھے ہیں، ایک دوسرے کے حق میں مخلص نہیں۔ ہم اندر سے ایک دوسرے کے خلاف ہیں۔ ذرا سوچو کہ سلطنتِ فارس ہی نہ رہی تو کیا مسلمان یا رومی تمہیں یہ حیثیتیں اور رتبے دیں گے جو ہمیں حاصل ہیں؟ ہم غلام ہوں گے۔ ہماری بیٹیاں لونڈیاں بنالی جائیں گی .... اور تم جانتے ہو اور کیا کچھ ہو جائے گا۔

"وہ ہم جانتے ہیں" — ایک نے کہا — "یہ بتائیں کہ ہمیں کرنا کیا چاہیئے۔ ہمارے پاس باتوں کا وقت نہیں۔"

"میں نے پہلے سوچا تھا کہ مسلمانوں کو دولت، شراب اور انتہائی حسین لڑکیوں کے ذریعے کمزور کر دیا جائے" — معمر بزرگ نے کہا — "یہودی ہمارے ساتھ ہیں۔ عیسائی ہمارے ساتھ ہیں۔ خود فارس میں ایک سے بڑھ کر ایک حسین لڑکی موجود ہے۔ دولت کی ہمارے پاس کمی نہیں۔ ہم یہ حربے آزما بھی چکے ہیں لیکن مسلمان اس جال میں آنے والی قوم نہیں۔ یہودی لڑکیوں کو مسلمان ظاہر کر کے مسلمان قبیلوں کے بعض سرداروں کی بیویاں بنایا گیا تھا۔ ان لڑکیوں میں سے تین تو مسلمانوں کے اخلاق سے اتنی متاثر ہوئیں کہ انہوں نے سچے دل سے اسلام قبول کر لیا اور باقی قتل ہو گئیں کیونکہ ان کی اصلیت ظاہر ہو گئی تھی۔"

"وہ کیسے؟"

"وہ اس طرح کہ انہیں یہ کام دیا گیا تھا کہ مسلمان عورتوں میں فارس کی فوج کی دہشت پھیلائیں" — معمر دانشور نے کہا — "اور اپنے خاوندوں کو بھی ڈراتی رہیں کہ فارس کی فوج میں ہاتھی ہیں جو دشمن کی فوج کو کچل دیتے ہیں۔ ان لڑکیوں کو بتایا گیا تھا کہ اپنے خاوندوں کے ساتھ ایسی محبت کا اظہار کریں کہ وہ پاگل ہو جائیں لیکن مسلمان صرف جذبۂ جہاد سے پاگل ہوئے جاتے ہیں۔ اس طرح ان لڑکیوں کی اصلیت کھل گئی اور وہ قتل ہو گئیں ....

"باقی رہی دولت .... قلعے جو مسلمانوں نے فتح کر لیے ہیں، سونے چاندی سے بھرے ہوئے تھے۔ ان کے سپہ سالار نے یہ مالِ غنیمت اپنے لشکر میں تقسیم کر کے باقی اپنے خلیفہ کو بھیج دیا۔ مجھے توقع تھی کہ یہ سالار اتنا زیادہ مال و دولت دیکھ کر خود مختاری کا اعلان کر دیں گے اور مفتوحہ علاقوں میں اپنی بادشاہی قائم کر لیں گے لیکن یہ لوگ اپنے خلیفہ اور اپنے مرکز کو دھوکہ نہیں دیتے۔"

"ان کی فتح کی وجہ بھی یہی ہے" — ایک وزیر نے کہا۔

"سب سے بڑی وجہ ایک اور ہے" — معمّر بزرگ نے کہا — "ان مسلمانوں میں خوشامد پسندی کی لعنت نہیں۔ میں نے معلوم کروایا ہے۔ کوئی آدمی اپنے خلیفہ کی، اپنے امیر کی، اپنے سالار کی خوشامد نہیں کرتا۔ ان کے ہاں شاہی دربار نام کی کوئی چیز نہیں۔ خلیفہ مسجد میں بیٹھ کر حکم جاری کرتا ہے اور جس کسی کو کوئی اعتراض ہو تو وہ بے دھڑک اعتراض کرتا ہے۔ فارس کی شہنشاہی کو خوشامدی دیمک کی طرح کھا رہے ہیں۔ تخت پر قتل و غارت خوشامدیوں نے کرائی۔ خوشامدی کو اپنا مفاد عزیز ہوتا ہے اور خوشامد ایسا میٹھا زہر ہے جو پتھر کو بھی پگھلا دیتا ہے...

"اب میں اصل بات پر آتا ہوں۔ عہد کرو کہ ہم میں کوئی بھی خوشامد نہیں کرے گا اور نہ کسی سے خوشامد کی توقع رکھے گا۔ خوشامد کو جرم قرار دے دیا جائے۔ اب ہمارا بادشاہ اردشیر ہوگا۔ اردشیر میں یہ خوبی ہے کہ مردِ میدان ہے اور جنگی قیادت کا ماہر ہے۔ ہمیں اس وقت بادشاہ نہیں بلکہ لڑنے اور لڑانے والے قائد کی ضرورت ہے.... اگر کسی کو اعتراض ہے تو بولے۔"

سب نے تائید کی اور اردشیر کو بلایا گیا۔ اردشیر نوشیرواں عادل کا پوتا تھا۔ اُسے اِن امراء نے تعاون کا یقین دلایا اور کہا کہ وہ سلطنتِ فارس کو سنبھالے۔

"آپ اتنی بڑی ذمہ داری مجھے سونپ رہے ہیں" — اردشیر نے کہا — "تو کیا میں قبول نہیں کروں گا؟ ہماری فوج کی شکست اور پسپائی کی وجہ آپس کی دشمنی اور خون خرابہ ہے۔ اس کی ذمہ داری آپ لیں۔ میں تخت پر نہیں بیٹھوں گا۔ میں وہاں جاؤں گا جہاں مسلمان فتح پر فتح کرتے آ رہے ہیں۔ خالدؓ بن ولید کو مسلمانوں نے آسمان سے اُترا ہوا فرشتہ بنا رکھا ہے۔ میں اُسے زندہ پکڑ کر لاؤں گا۔"

اور وہ محاذ پر چلا گیا۔

*

اردشیر اب صرف جرنیل ہی نہیں تھا بلکہ شہنشاہ فارس بھی تھا۔ وہ بگولے کی طرح محاذ پر گیا۔ اس نے اپنی فوج کے افسروں کو بُرا بھلا کہا۔ چھوٹے کمانڈروں کو گالی گلوچ کی۔ فوج سے خطاب

کر کے سپاہیوں کو شرم دلائی اور اعلان کیا کہ بھگوڑوں کو گھوڑوں کے سُموں تلے روند دیا جائے گا اور پسپا ہونے والے افسروں اور عہدیداروں کو اُن جھیلوں میں زندہ پھینک دیا جائے گا جن میں مگرمچھ رہتے ہیں۔

"عرب کے ان بدوؤں کو عراق سے نکال دو۔"

"خالدؓ بن ولید کو زندہ یا مُردہ میرے سامنے لاؤ۔"

"ان کے سالاروں کو زندہ پکڑ لاؤ۔"

"میں تمہیں مدینہ میں دیکھنا چاہتا ہوں۔"

وہ دھماکوں جیسی آواز میں بول رہا تھا۔ اُس کی آواز پُرعزم تھی۔ وہ بڑ نہیں ہانک رہا تھا۔ فارس کی فوج اُس وقت کی زبردست فوج تھی جس کے مقابلے میں مسلمانوں کے لشکر کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتے تھے۔ یہ تو ممولے اور شہباز کی لڑائی تھی لیکن فارس کی فوج پسپا ہی ہوتی چلی جا رہی تھی اور اردشیر بھی اپنی فوج کی پسپائی کو روک نہ سکا۔

مسلمانوں میں وہ کون سی طاقت تھی جس کے آگے فارس کی فوج پسپا ہوتی چلی جا رہی تھی؟

.... اس سوال کا جواب اس ایک واقعہ سے ملتا ہے۔ خالدؓ بن ولید کی قیادت میں مجاہدینِ اسلام کا لشکر ایک شہر امینشیا تک پہنچا۔ سلطنتِ فارس کے اس شہر کو دولت مندوں کا شہر کہا جاتا تھا۔ وہاں امیر کبیر تاجر، جاگیردار اور شاہی خاندان کے پروردہ لوگ رہتے تھے۔

خالدؓ بن ولید اپنے لشکر کے ساتھ اس قلعہ بند شہر کو محاصرے میں لینے لگے تو دیکھا کہ شہر کے تمام دروازے کھلے پڑے ہیں اور شہر کی دیوار پر ایک بھی سپاہی نظر نہیں آتا۔ اسے دھوکہ سمجھا گیا۔ خالدؓ بن ولید نے خطرہ مول لیا اور سوار دستے کو شہر میں بھیجا۔ کچھ بھی نہ ہوا۔ سواروں کے پیچھے مزید سواروں اور پیادوں کو اندر بھیجا گیا۔

خالدؓ بھی اندر چلے گئے۔

شہر میں خاموشی تھی۔ لوگوں کے گھروں کے دروازے کھلے ہوتے تھے۔ اگر کوئی جاندار نظر آتا تھا تو وہ بلیاں، کتے اور پرندے تھے۔ خالدؓ بن ولید نے حکم دیا کہ گھروں میں داخل ہو جاؤ اور تلاشی لو۔ کسی بھی گھر میں کوئی انسان نہیں تھا۔ لوگ اپنا سامان اور قیمتی چیزیں بھی چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ وہ ایسی گھبراہٹ میں بھاگے تھے کہ رقمیں اور سونے کے زیورات بھی ساتھ نہ لے جا سکے۔

ایک مکان میں ایک ضعیف العمر بوڑھا پڑا اونگھ رہا تھا۔ اُس نے بتایا کہ اس شہر پر مسلمانوں کی دہشت اتنی زیادہ طاری تھی کہ یہاں خبر پہنچی کہ مسلمانوں کا لشکر ادھر آ رہا ہے تو سب سے پہلے فوج

کے افسر شہر سے بھاگے پھر فوج بھی نکل گئی۔ لوگوں کو فوج پہ ہی بھروسہ تھا۔ وہ بھی بھاگ گئی بھی اُٹھ دوڑے۔

خالدؓ نے حکم دیا کہ تمام گھروں سے قیمتی اشیاء، باہر لا کر ایک جگہ اکٹھی کی جائیں۔ د ہی دیکھتے ریشمی کپڑوں اور دیگر قیمتی اشیاء کا بہت بڑا ڈھیر لگ گیا۔ مؤرخ لکھتے ہیں کہ مجاہد سامان دیکھ دیکھ کر حیران ہو رہے تھے کہ انسان کی عیش و عشرت کے لیے اتنا قیمتی سامان ہوتا ہے۔ خالدؓ نے دیکھ لیا کہ اکثر مجاہدین خوش ہو رہے تھے کہ انہیں یہ قیمتی سامان ملے گا۔

"آگ لگا دو اس سامان کو"۔۔۔ خالدؓ بن ولید نے حکم دیا۔۔۔ "یہ عیش و عشرت کا وہ سامان جس نے فارسیوں کو اتنا بزدل بنا دیا ہے کہ ہماری پیشقدمی کی اطلاع پر ہی بھاگ گئے۔ ان مکان اور محل دیکھ لو۔ اللہ جسے تباہ کرنا چاہتا ہے اُسے عیش و عشرت میں ڈال دیتا ہے۔"

اس سامان کو آگ لگا دی گئی۔ سونا، ہیرے جواہرات اور رقمیں الگ کر لی گئی تھیں۔ ان پانچواں حصہ مدینہ خلیفہ ابوبکرؓ کو بھیج کر باقی تمام مال لشکر میں تقسیم کر دیا گیا۔

یہ تھا مسلمانوں کا کردار، اور یہی مسلمانوں کی وہ طاقت تھی جس نے فارس جیسی طاقتور کو پسپائی بلکہ بھگدڑ پر مجبور کر دیا تھا۔

*

اُردشیر جب خالدؓ بن ولید اور مثنیٰ بن حارثہ کی طوفانی پیش قدمی کے آگے ناقابل تسخیر بننے کے لیے نکلا تو اُس کے کانوں میں یہی ایک آواز پڑتی تھی کہ مسلمانوں نے فلاں شہر لے لیا ہے اور فارس کی فوج حوصلے اور جذبے ہارے بھاگی چلی آ رہی ہے۔ اُسے جب اطلاع ملی کہ حیرہ شہر میں بھی مسلمان داخل ہو گئے ہیں تو اُردشیر بیمار پڑ گیا۔ حیرہ اتنا بڑا اور خوبصورت شہر تھا کہ اسے سلطنتِ فارس کا ہیرا کہا جاتا تھا۔ مسلمانوں نے یہ شہر بغیر مقابلے کے لے لیا۔

فرات کے کنارے جو لڑائیاں ہوئیں وہ فارس کی فوج کی پسپائی پر ختم ہوتی رہیں۔ خالدؓ بن ولید نے اپنے سالاروں کو صلاح مشورے کے لیے بلایا۔

"کیا تم دیکھ نہیں رہے کہ فارسی ہمیں تھکا رہے ہیں؟"۔۔۔ خالدؓ نے کہا۔۔۔ "یہ ایک جگہ سے بھاگ کر اگلے شہر یا علاقے کی فوج میں شامل ہو جاتے ہیں۔ وہاں ہمیں پہلے سے زیادہ لڑنا اور نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ آخر یہ فوج کسی قلعے یا میدان میں ہمارے مقابلے میں قدم جمائے گی۔ ہم تھکے ہوتے ہوں گے اور یہ فوج بڑی آسانی سے ہمیں نہ صرف شکست دے گی بلکہ ہمارا قتل عام کرے گی۔ کیا میرا یہ حکم ظالمانہ ہو گا کہ اگلی لڑائی میں فارس کے کسی فوجی کو زندہ نہ چھوڑا جائے خواہ وہ جنگی قیدی ہی ہو؟"

"نہیں ابنِ ولید!"۔۔۔ دو تین سالاروں نے بیک زبان کہا اور ان میں سے ایک نے کہا ۔۔۔ "اس سے پہلے کہ ہمارا قتل عام ہو، ہم ان کا قتل عام کریں گے جو ان لڑائیوں میں ہمارے ہزاروں ساتھیوں کو شہید کر چکے ہیں۔"

تمام سالاروں نے خالدؓ بن ولید کے فیصلے کی تائید کی۔

اگلی لڑائی زیادہ خونریز تھی۔ اس لڑائی کی تفصیلات سنانے کا یہ موقع نہیں۔ آخر میں یوں ہوا کہ فارس کی فوج جس کی نفری مسلمانوں کے مقابلے میں تقریباً پانچ گنا تھی، پسپا ہونے لگی۔ خالدؓ بن ولید نے حکم دیا کہ انہیں پسپا نہ ہونے دیا جائے اور انہیں زندہ پکڑا جائے۔

گھوڑسوار مجاہدین نے بھاگتے ہوئے فارسیوں کا تعاقب کیا اور انہیں گھیر گھیر کر پیچھے لانے لگے۔ خالدؓ کے حکم سے انہیں دریائے خسیف کے کنارے لا کر اس طرح قتل کیا جانے لگا کہ ان کے سر دریا میں گرتے اور جسم کنارے پر۔ فارس کی فوج میں تقریباً آدھی نفری عیسائیوں کی تھی۔ مسلسل تین دن فارس کی فوج کے آتش پرستوں اور عیسائیوں کو قتل کیا جاتا رہا۔ مؤرخوں نے لکھا ہے کہ فارس کی فوج کے ستر ہزار افراد کو قتل کیا گیا۔ ان کا خون دریا میں گرتا تھا۔ دریا کا پانی لال ہو گیا۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخوں میں اس دریا کو دریائے خون لکھا گیا ہے۔

غیر مسلم مؤرخوں نے خالدؓ بن ولید کے اس قتلِ عام کو ظالمانہ کہا ہے لیکن خالدؓ کا خیال کچھ اور تھا۔ انہوں نے کہا۔۔۔ "میں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ کفار کے خون کا دریا بہاؤں گا۔ میں نے اپنا عہد پورا کیا ہے۔"

اس عہد کے علاوہ خالدؓ نے دشمن کی ستر ہزار فوج کو جہنم واصل کر کے اپنے راستے کی رکاوٹ اور مزاحمت کو ختم کر دیا تھا۔

جب یہ خبر اُردشیر تک پہنچی تو اُس کی حالت بگڑنے لگی۔ اُس پر خاموشی طاری ہو گئی اور کوئی پُراسرار روگ اُسے اندر ہی اندر کھانے لگا۔ اُس کی بھوک اور نیند ختم ہو گئی۔ شاہی طبیب اُسے صحت یاب کرنے کی سر توڑ کوشش کرتے رہے مگر اُردشیر جو اپنے دَور کا فرعون تھا، گھلتا اور پگھلتا ہی چلا گیا۔ آخر طبیب اُس کا روگ سمجھ گئے۔ اُنہوں نے محل میں سختی سے یہ حکم جاری کرا دیا کہ اُردشیر تک اپنی فوج کی شکست اور پسپائی کی خبر نہ پہنچنے دی جائے۔

اُردشیر کو پے در پے شکستوں کا صدمہ لے بیٹھا تھا۔

طبیبوں نے یہ طریقہ بھی آزمایا کہ اُردشیر کو فارس کی فتح کی جھوٹی خبریں سنائی جانے لگیں لیکن اُردشیر ایسا حقیقت پسند تھا کہ ان خبروں کو سچ نہیں مانتا تھا۔ آخر ایک روز اس صدمے نے اُس کی جان لے لی۔

*

حضرت عمرؓ فاروق کے دورِ خلافت میں واپس آنے سے پہلے ہم فارس کی شہنشاہی کی داستان سنا دینا ضروری سمجھتے ہیں۔ اس شہنشاہی کے تخت پر بیٹھے ہوتے ایک شہنشاہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کی ہی توہین نہیں کی تھی بلکہ آنحضورؐ کو گرفتار کر کے اُس کے دربار میں پیش کرنے کا حکم بھی دیا تھا۔ آنحضورؐ نے فرمایا تھا کہ کسریٰ کی سلطنت ٹکڑے ہو کر بکھر جائے گی۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ کسریٰ کے محل پر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی پاداش میں کس طرح قہر نازل کیا۔

اُردشیر مر گیا تو فارس کی شہنشاہی نے زلزلے کے شدید جھٹکے محسوس کیے۔ خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ تخت کی وراثت پر ایک بار پھر شاہی خاندان میں خون خرابہ شروع ہو جائے گا۔ وطن اور قوم پرست امراء وزراء نے اُردشیر کی بیٹی آزرمیدخت کو تخت پر بٹھا دیا۔

آزرمیدخت جواں سال لڑکی تھی اور بہت حسین تھی۔ شہسوار اور تیغ زن تھی اور امورِ سلطنت کو بڑی اچھی طرح سمجھتی تھی۔ اُس میں کچھ ایسے ہی جوہر دیکھ کر اُسے تخت پر بٹھایا گیا تھا لیکن اس نے کچھ اور ہی جوہر دکھانے شروع کر دیئے۔ ملکۂ فارس بننے سے پہلے وہ شہزادی تھی شہزادوں اور شہزادیوں کو ہر گناہ کی کھلی چھٹی ہوتی تھی لیکن ملکہ بن کر اس شہزادی پر پوری سلطنت کی ذمہ داری آپڑی۔ سلطنت کی حالت یہ تھی کہ عراق کا بیشتر حصہ مسلمانوں کے قبضے میں آ گیا تھا اور مسلمان اس طاقت ور سلطنت کو روندتے چلے آ رہے تھے۔ اس صورتِ حال میں فارس کا تخت پھولوں کی سیج نہیں بلکہ کانٹوں کا بچھونا بن گیا تھا۔

وہاں سیادخش نام کا ایک جوان آدمی تھا جو شاہی خاندان کے دُور پار کے رشتہ داروں میں سے تھا۔ محل کی دنیا کے باسی جانتے تھے کہ آزرمیدخت سیادخش میں جو دلچسپی لیتی ہے وہ عام قسم کی دلچسپی نہیں۔ انہیں محل کے باہر جنگل میں بھی اکٹھے دیکھا گیا تھا لیکن کسی نے کبھی اعتراض نہیں کیا تھا۔ شہزادی شکار کھیلنے جایا کرتی تھی تو سیادخش بظاہر اتفاق سے اُدھر جا نکلتا تھا۔ یہ شہزادی تخت پر بیٹھی تو اُس نے اپنے آپ کو سیاہ و سفید کا مالک سمجھ لیا۔ اُس نے پہلا کام یہ کیا کہ سیادخش کو بیشمار جاگیر عطا کر دی اور اسے حکومت میں ایک اُونچا رتبہ دے دیا۔ پھر اُس نے سیادخش کے خاندان پر نوازشات کا مینہ برسا دیا۔

”ملکۂ عالیہ!“ — ایک روز بوڑھے وزیر نے اُسے کہا — ”آپ کو تخت پر اس لیے نہیں بٹھایا گیا تھا کہ تخت خالی نہیں رہنا چاہیئے، نہ ہی یہ تخت آپ کو ورثے میں ملا ہے۔ ہم نے آپ میں کچھ خوبیاں دیکھی تھیں۔ سلطنت کی حالت دیکھیں اور اس کے مطابق حکم جاری کریں۔

سلطنت کو مسلمانوں سے بچانا ہے مگر آپ نے انعام واکرام کا سلسلہ شروع کر دیا ہے۔“

”کیا میں خود آگے جا کر لڑوں؟“ — آزرمیدخت نے طنزیہ لہجے میں کہا — ”ہم نے اتنی بڑی فوج کیوں رکھی ہوئی ہے؟ آدھا خزانہ تو یہ فوج کھا جاتی ہے.... آج سے یہ میرا حکم ہے کہ کسی قلعے میں یا کسی میدانِ جنگ میں ہماری فوج شکست کھا جائے تو اس کے جرنیل کو یہیں ہلاک کر دیا جائے۔ ہم بزدلوں کا وجود برداشت نہیں کر سکتے۔“

”ملکۂ عالیہ!“ — وزیر نے کہا — ”اگر ہم شکست کھانے کے جرم میں جرنیلوں کو سزائے موت دینے لگتے تو اِس وقت تک ہم آدھے سے زیادہ جرنیلوں سے محروم ہو چکے ہوتے.... ملکۂ عالیہ! جنگ ایک کی جیت اور دوسرے کی ہار پر ختم ہوا کرتی ہے۔ ایک بار ہارا ہوا جرنیل ہر بار ہارا نہیں کرتا۔ ہمارے جرنیلوں نے رومیوں کو شکستیں دی ہیں۔ آپ کے اس حکم کو کوئی بھی پسند نہیں کرے گا۔ ایک جرنیل کو سزائے موت دینے سے ساری فوج میں بغاوت پھیل سکتی ہے.... آپ جنگ کی صورتِ حال کو سمجھنے کی کوشش کریں۔“

”آپ وزیر ہیں“ — آزرمیدخت نے کہا — ”جنگ کی صورتِ حال پر آپ نظر رکھیں اور جو فیصلہ آپ سے نہیں ہو سکتا وہ مجھ سے کروائیں۔“

*

اُدھر مسلمان بڑھے آ رہے تھے اِدھر آزرمیدخت سیادخش کے ساتھ عشق و محبت کا کھیل کھیل رہی تھی۔ وہ جوانی کے جذبات سے سرشار ضیافتوں اور شکار کی رسیا ہوتی چلی گئی۔ سیادخش کو اُس نے اتنا اونچا رُتبہ دے دیا تھا کہ وہ اُلٹے پُلٹے حکم جاری کرنے لگا۔

ایک رات ملکۂ عالیہ اکیلی باہر نکل گئی۔ اُس کے محافظ دستے کے کمانڈر نے وزیر کے گھر جا کر اُسے بتایا کہ وہ ملکۂ عالیہ کی حفاظت کی ذمّہ داری نہیں لے سکتا، وہ اکیلی باہر چلی گئی ہے۔

وزیر گھر سے نکلا۔ اُس نے شاہی خاندان کے دو تین آدمیوں کو ساتھ لیا اور اُس طرف چلا گیا جس طرف ملکۂ عالیہ گئی تھی۔ محل کے قریب ہی ایک بڑی خوبصورت ہری بھری جگہ تھی۔ گھاس مخمل جیسی ملائم تھی۔ چاندنی بڑی شفاف تھی۔ تھوڑی ہی دُور سے نسوانی قہقہے سنائی دینے لگے۔

وزیر اور اُس کے ساتھی دبے پاؤں جھاڑیات اور درختوں کی اوٹ میں آ گئے گئے۔ انہوں نے ملکۂ عالیہ اور سیادخش کو فحش حرکات کرتے دیکھا۔ ان سب نے آگے بڑھ کر انہیں گھیرے میں لے لیا۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے!" — آزر میدخت نے ان سب کو ڈانٹتے ہوئے کہا — "تمہیں ملکہ کی تنہائی میں مخل ہونے کی جرأت کیسے ہوئی؟"

"اس وقت سے تم ملکہ نہیں ہو" — شاہی خاندان کے ایک فرد نے کہا — "ادھر سلطنت ہاتھ سے نکلی جا رہی ہے ادھر تم بدکاری میں مگن ہو۔ واپس چلو۔"

"اگر میں تمہارا حکم نہ مانوں تو...؟"

"تو تمہارے ساتھ تمہاری تنہائی کے اس ساتھی سیادخش کو بھی قید میں ڈال دیا جائے گا" — وزیر نے کہا — "خاموشی سے تخت سے دستبردار ہو جاؤ ورنہ تم دونوں کا انجام بہت بُرا ہو گا۔"

سیاہ دخش وہاں سے کھسک گیا اور آزر میدخت ان سب کے ساتھ چل پڑی۔

اگلے روز اس خاندان کے ایک اور فرد شاہ پور کو تخت پر بٹھا دیا گیا۔ شاہ پور کو پہلے بھی تخت پر بٹھایا جا سکتا تھا لیکن وہ آگے جا کر لڑنا چاہتا تھا۔ اب آزر میدخت کے رویے کو دیکھتے ہوئے تخت نشینی قبول کر لی۔ اُس نے پہلا کام یہ کیا کہ اپنے ایک معتمد اور دانشمند آدمی فرخ زاد کو وزیر بنا دیا۔

"آزر میدخت!" — ایک روز شاہ پور نے آزر میدخت کو بلا کر حکم دیا — "تمہاری شادی نئے وزیر فرخ زاد سے کی جا رہی ہے۔ اگر تمہاری شادی بہت پہلے ہو جاتی تو تم سیادخش جیسے عام آدمی کے ساتھ عشق و محبت کا یہ شرمناک کھیل نہ کھیلتیں۔ اب میں تمہیں آزاد نہیں رہنے دوں گا۔"

"فرخ زاد میری رعایا میں سے ہے" — آزر میدخت نے کہا — "وہ میرا ملازم ہے، میرا غلام ہے۔"

"اچھی طرح سن لے شہزادی!" — شاہ پور نے کہا — "تمہاری شادی فرخ زاد سے ہو رہی ہے۔ حکم عدولی کی جرأت تمہیں بڑے بھیانک انجام کو پہنچائے گی۔"

دو چار دنوں بعد آزر میدخت کو فرخ زاد کے ساتھ بیاہ دیا گیا۔

فرخ زاد کوئی جوان آدمی نہیں تھا۔ اُس کی عمر ساٹھ سال سے کچھ کم تھی اور وہ تاریخ کے ایک مشہور جنگجو جرنیل رستم کا باپ تھا۔

شادی کی پہلی رات فرخ زاد حجلۂ عروسی میں داخل ہوا اور آزر میدخت کی طرف بڑھا جو دلہن بنی بیٹھی تھی۔

"میرے قریب نہ آنا" — آزر میدخت نے اُسے کہا — "جہاں کھڑے ہو وہیں کھڑے رہو۔"

"کیا تم ابھی تک اپنے آپ کو ملکہ سمجھ رہی ہو" — فرخ زاد نے کہا — "کم عقل لڑکی! آج سے تم میری بیوی ہو۔"

فرخ زاد آگے بڑھ ہی رہا تھا کہ کمرے کے اندر سے ہی سیادخش جو کہیں چھپا ہوا تھا، وہ عقب سے دبے پاؤں آیا اور فرخ زاد کو کمر سے دبوچ لیا پھر اُسے اٹھا کر پلنگ پر پھینکا۔ آزر میدخت نے فرخ زاد کو پیٹھ کے بل کر کے ایک تکیہ اُس کے منہ پر رکھ کر زور سے دبا لیا۔ فرخ زاد بڑھاپے میں داخل ہو چکا تھا۔ سیادخش ابھی جوانی کی عمر میں تھا۔ فرخ زاد سانس رکنے سے تڑپا اور کچھ دیر تڑپ تڑپ کر بے حس ہو گیا۔

سیادخش وہاں سے چلا گیا اور آزر میدخت نے شاہ پور کو اطلاع بھجوائی کہ فرخ زاد حجلۂ عروسی میں مر گیا ہے۔ محل میں ہنگامہ بپا ہو گیا۔ شاہ پور کے پیچھے طبیب دوڑے آئے۔ اس دور میں اس قسم کی موت کا باعث معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ طبیبوں نے کہا کہ فرخ زاد حرکت قلب اچانک بند ہونے سے مرا ہے۔ انہوں نے اس کی وجہ بڑھاپا بتائی۔

دو ہی دنوں بعد فارس کا بادشاہ شاہ پور بھی اسی طرح پُراسرار موت کا شکار ہو گیا اور آزر میدخت نے اپنی تخت نشینی کا اعلان کر دیا، اور اُس نے یہ اعلان بھی کیا کہ تخت کا کوئی وارث سامنے آئے گا تو وہ شاہ پور جیسے انجام کو پہنچے گا۔ تب یہ شک اُبھرا کہ شاہ پور کو قتل کیا گیا تھا۔

آزر میدخت نے سیادخش کو وزیر سے بھی اونچا رتبہ دے دیا۔ اس حسین اور عیّار عورت نے اپنے پہلے دورِ حکومت میں سیادخش کے خاندان کو اعلیٰ عہدوں، رتبوں اور جاگیروں سے نوازا تھا۔ اس خاندان کے کچھ لوگ فوج میں اچھے عہدوں پر تھے۔ اُنہوں نے مدائن میں مقیم فوج کو اپنے زیرِ اثر کر لیا اور فوج کو سبز باغ دکھا کر سلطنتِ فارس کی بجائے آزر میدخت اور سیادخش کا وفادار بنا دیا۔ مدائن فارس کا دارالحکومت تھا۔

چند دنوں میں مدائن کی فوج صرف مدائن کی ہو کر رہ گئی۔ اس میں ہزارہا عیسائیوں کی جبری بھرتی کے ذریعے اضافہ کر لیا گیا۔

*

پوران دخت ایک اور شہزادی تھی جسے تاریخوں میں اُردشیر کی بیٹی لکھا گیا ہے۔ اُس نے فارس کے شاہی خاندان کے درمیان اختلافات اور امرا کی آپس کی عداوت اور تفرقہ بازی ختم کرنے کے لیے اپنی زندگی وقف کر رکھی تھی۔ چونکہ وہ نیک طینت عورت تھی اور وہ مفاد پرست نہیں تھی اس لیے ہر کوئی اُس کی بات مان لیتا تھا۔ اُس نے جب دیکھا کہ اُدھر مسلمان فتح پہ فتح حاصل کرتے آ رہے ہیں اور مدائن تک کو محاصرے کا خطرہ لاحق ہو گیا ہے اور اِدھر آزر میدخت نے سلطنت

کی تباہی سے نظریں پھیر کر اپنی ذاتی حکومت بنالی ہے تو وہ آزرمیدخت کے پاس گئی۔

پوران شہزادی نے اُسے سمجھانے کے لیے بہت کچھ کہا جو وہ خاموشی سے سنتی رہی۔

"کیا تم یہ چاہتی ہو کہ میں تخت سے دستبردار ہو جاؤں؟" ——آزرمیدخت نے طنزیہ میں پوچھا ——"کیا اب تم فارس کی ملکہ بننا چاہتی ہو؟ کیا تم نے دیکھا نہیں کہ اس تخت نے جانیں لے لی ہیں؟"

"نہیں ملکہ فارس!" ——پوران نے کہا ——"سوال تخت کا نہیں، اب تو سلطنت فارس کی بقا اور سلامتی خطرے میں پڑ گئی ہے۔ تخت پر آپ ہی بیٹھی رہیں لیکن اہم امور کے فیصلے مشیروں اور امرا کو کرنے دیں۔"

"میری بات غور سے سن لو پوران!" ——آزرمیدخت نے کہا ——"آج کے بعد میرے سامنے نہ آنا.... میں ملکہ ہوں سلطنت کے بھلے بُرے کو میں تم سے زیادہ بہتر سمجھتی ہوں۔ تم جن کے ہاتھوں میں کھیل رہی ہو انہیں میں اچھی طرح جانتی ہوں۔ اس پند و نصیحت سے باز آجاؤ۔"

"میں پند و نصیحت سے باز آجاؤں گی" ——پوران نے کہا ——"لیکن سلطنت فارس کو بچانے کے لیے نہ جانے کیا کر گزروں گی۔ میں ایک بار پھر کہتی ہوں کہ اس تخت نے کسی کے ساتھ وفا نہیں کی، اور یہ بھی سوچ لو کہ فارس ہی نہ رہا تو کیا مسلمان آپ کو تخت پر بٹھائیں گے؟"

"مسلمان مدائن کو فتح نہیں کر سکتے" ——آزرمیدخت نے کہا ——"اور کوئی مجھے اس تخت سے اُٹھانے کی جرأت نہیں کر سکتا۔"

"ایسے جرأت مند لوگ موجود ہیں ملکہ!" ——پوران نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"مجھے ایک بار تخت سے اُٹھا کر شاہ پور کو بٹھایا گیا تھا" ——آزرمیدخت نے کہا ——"کہاں ہے شاہ پور؟.... مجھے مجبور اور بے بس کرنے کے لیے فرخ زاد کی بیوی بنا دیا گیا۔ فرخ زاد کسریٰ کے خاندان کا فرد نہیں تھا۔ وہ شاہی خاندان کا ملازم تھا۔ میں اُسے اپنا غلام سمجھتی تھی۔ میں اپنے غلام کی بیوی کیسے بن جاتی؟ میں نے شادی کی پہلی رات کو اُس کی زندگی کی آخری رات بنا دیا.... اس تختِ طاؤس پر جو کوئی ہاتھ ڈالے گا وہ ان دونوں کے انجام کو پہنچے گا۔"

پوران کو پہلے ہی شک تھا کہ فرخ زاد حرکتِ قلب بند ہونے سے نہیں مرا بلکہ اُسے قتل کیا گیا ہے۔ اب آزرمیدخت کی باتوں سے یہ شک یقین میں بدل گیا۔

*

فارس کا مشہور و معروف جرنیل رستم فرخ زاد کا بیٹا تھا۔ اُسے یہی بتایا گیا تھا کہ اُس کے باپ کی موت حرکتِ قلب بند ہونے سے واقع ہوئی تھی۔ وہ اسی کو سچ مانتا رہا۔ وہ اُس وقت خراسان کی سرحد پر تھا۔ ایک روز مدائن کا ایک گھوڑ سوار اُس کے پاس سرحد پر پہنچا اور اُسے پوران کا تحریری پیغام دیا۔ اس میں پوران نے مدائن کے حالات اور آزرمیدخت کی فرعونیت کی تفصیل لکھی اور پھر لکھا:

.... آپ کے والد فرخ زاد کی موت طبعی نہیں تھی۔ میں نے محل کے ملازموں سے جو سراغ حاصل کیا ہے وہ یہ ہے کہ آپ کے والد کو آزرمیدخت اور سیاذخش نے شادی کی پہلی رات اُن کا سانس روک کر قتل کیا تھا اور شاہ پور کو بھی ان دونوں نے قتل کیا تھا۔ آزرمیدخت نے مجھے کہا ہے کہ اُس کے تخت پر جو کوئی ہاتھ ڈالے گا، وہ ان دونوں کے انجام کو پہنچے گا.... آپ پر دو فرائض عائد ہوتے ہیں ایک یہ کہ اپنے والد کے قتل کا انتقام لینا ہے اور دوسرا فرض سلطنتِ فارس کی عظمت کا تحفظ کرنا ہے۔ میں بتا چکی ہوں کہ آزرمیدخت اور سیاذخش نے اپنا لشکر تیار کر رکھا ہے۔ جب بھی آئیں اکیلے نہ آئیں۔ پوری فوج ساتھ لائیں۔ آپ کو لڑائی لڑنی پڑے گی۔"

رستم نے یہ پیغام پڑھا تو بگولے کی طرح اُٹھا۔ اُس نے کچھ سوار دستے منتخب کیے اور کہا:

"باہر کے دشمن کی نسبت اندر کا دشمن زیادہ خطرناک ہوا کرتا ہے خطرہ جو اپنے گھر سے سر اٹھاتا ہے وہ باہر کے خطرے سے زیادہ تباہ کن ہوتا ہے حکمرانی کے ہوس کار اپنے ہی ملک کو تباہ کر دیا کرتے ہیں۔ ہم اپنے اُن ساتھیوں اور بھائیوں سے لڑنے جا رہے ہیں جو فارس کی اتنی بڑی شہنشاہی کے لیے خطرہ بن گئے ہیں تمہیں اپنی ہی فوج کے خلاف لڑنا ہوگا۔"

رستم ان دستوں کو ساتھ لے کر چل پڑا۔ اُس کی پیش قدمی بہت تیز تھی۔ کسی ذریعے سے آزرمیدخت اور سیاذخش کو پتہ چل گیا کہ رستم ان کے خلاف فوج لا رہا ہے۔ آزرمیدخت نے مدائن کی فوج کے چند ایک دستے رستم کو روکنے کے لیے مدائن سے کچھ دُور بھیج دیئے۔ رستم تیز و تُند آندھی کی طرح آ رہا تھا۔ اُس نے اپنے دستوں سے کہا کہ مدائن کی فوج کا ایک بھی آدمی واپس نہ جائے۔

رستم نے اپنے دستوں کو پہلے ہی مشتعل کر رکھا تھا۔ ان سوار دستوں نے پھیل کر مدائن کی فوج کو گھیرے میں لے لیا۔ رستم نامور اور تجربہ کار جرنیل تھا۔ اُس کی جارحانہ قیادت نے آزرمیدخت

کے دستوں کو بے لبس کر دیا۔ معرکے میں بہت خونریزی ہوئی، آخر رستم کی فوج نے آزرمیدخت کی فوج کو کاٹ کر ڈھیر کر دیا۔

پھر رُستم نے مدائن کو محاصرے میں لے لیا۔ مدائن کی فوج نے محاصرہ توڑنے کی بہت کوشش کی لیکن محاصرہ کرنے والوں کا قائد رستم تھا۔ شہر کے اندر پوران شہزادی موجود تھی اور آزرمیدخت اور سیاوخش کے مخالف امراء بھی موجود تھے۔ انہوں نے کوئی ایسا خفیہ انتظام کیا کہ ایک دروازہ کھول دیا گیا۔ رُستم کے دستوں کے لئے یہی کافی تھا۔ سوار اس دروازے سے شہر میں داخل ہو گئے اور ایک اور دروازہ کُھل گیا۔

شہر کے اندر لڑائی شروع ہوئی تو پوران اور اُس کے حامی اُمراء گھوڑوں پر سوار ہو کر شہر میں بھاگنے دوڑنے لگے۔ رستم بھی اندر آ گیا۔ یہ سب چلا چلا کر کہہ رہے تھے:

"آپس میں نہ لڑو۔"

"تم بھائی بھائی ہو۔ ایک دوسرے کا خون نہ بہاؤ۔"

"انہیں قتل کرو جو تمہیں لڑا رہے ہیں۔"

"تباہ ہو جاؤ گے۔ اپنی بہنوں کو بیوہ نہ کرو۔"

اس طرح اعلان کر کر کے اس خانہ جنگی پر قابو پا لیا گیا۔ آزرمیدخت اور سیاوخش کو اُس وقت پکڑ لیا گیا جب وہ بھاگنے کی کوشش کر رہے تھے۔ رُستم نے تمام فوج کو ایک جگہ اکٹھا کر کے آزرمیدخت اور سیاوخش کو ایک چبوترے پہ کھڑا کیا اور فوج کے دونوں دھڑوں کو بتایا کہ اِن دونوں نے کس طرح تخت و تاج کے لالچ میں بھائی کو بھائی کا دُشمن بنا دیا تھا۔

رُستم نے یہ ساری روداد سُنا کر سیاوخش کو آگے کیا اور اپنی تلوار سے اُس کا سَر تن سے جُدا کر دیا، پھر جلاد کو بلا کر کہا گیا کہ آزرمیدخت کی آنکھیں نکال کر اسے شہر سے نکال دیا جاتے۔

دو سپاہیوں نے آزرمیدخت کو مضبوطی سے پکڑ لیا اور جلاد نے خنجر کی نوک سے اُس کی دونوں آنکھیں نکال دیں۔ اس کے بعد وہ تاریخ سے ہمیشہ کے لئے غائب ہو گئی۔

رُستم نے امراء سے صلاح مشورہ کر کے اُسی وقت اعلان کر دیا کہ آج سے پوران ملکۂ فارس ہے۔ وہیں تاجپوشی کی مختصر سی رسم ادا کر کے پوران نے اُسی وقت شاہی فرمان جاری کر دیا کہ آج سے رُستم ہی وزیر ہے اور رُستم ہی تمام افواج کا کمانڈر انچیف ہے اور سلطنت کے اہم امور کے فیصلے رُستم ہی کیا کرے گا۔ پوران نے یہ بھی کہا کہ یہ فرمان رعایا کے ہر گھر اور

ہر فرد تک پہنچا دیا جاتے کہ فارس کے ہر فرد پر رُستم کی اطاعت فرض کر دی گئی ہے اور ہر فرد و لبشر پہ یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ سلطنتِ فارس کو مسلمانوں سے بچانے کے لئے اپنے مال اور اپنی جانیں قربان کر دے۔

*

جس وقت آزرمیدخت نے فرخ زاد اور شاہ پور کو قتل کر کے تخت پر قبضہ کر لیا اور مدائن میں خانہ جنگی کے حالات پیدا کر دیتے تھے، اُس وقت تاریخِ اسلام کے مشہور سالار مثنیٰ بن حارثہ فارس کے ایک بڑے شہر حیرہ میں تھے۔ جاسوسوں نے انہیں فارس کے دارالحکومت کے یہ حالات سُناتے۔ وہ خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکرؓ کا دَور تھا۔ سالار مثنیٰ مدینہ گئے اور حضرت ابوبکرؓ کو فارس کی اندرونی تفرقہ بازی کی تفصیل سُنا کر فارس پر حملے کی اجازت طلب کی۔

وہ حضرت ابوبکرؓ کی زندگی کے آخری دن تھے۔ انہوں نے خالدؓ بن ولید کو عراق سے شام بھیج دیا کیونکہ وہاں کے محاذ پر مسلمانوں کی پوزیشن کچھ کمزور ہو گئی تھی۔ ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ مثنیٰ کو زیادہ سے زیادہ آدمی اکٹھے کر کے دو۔ اس کے فوراً بعد ابوبکرؓ انتقال فرما گئے اور حضرت عمرؓ خلیفہ بنے۔

اس داستان کے ابتدائی ابواب میں بیان ہو چکا ہے کہ حضرت عمرؓ اور مثنیٰ بن حارثہ نے کس طرح لوگوں کو عراقی محاذ پر جانے کو کہا تھا اور لوگوں کا ردِ عمل کتنا سرد سا تھا۔ آخر ابوعبید اٹھے اور کہا کہ وہ مثنیٰ کے ساتھ جائیں گے۔ اس کے بعد رضاکار اپنے آپ کو پیش کرنے لگے اور جب مثنیٰ مدینہ سے محاذ کو چلے تو اُن کے ساتھ ایک ہزار رضاکار مجاہدین تھے۔ راستے میں رضاکار ان کے ساتھ ملتے گئے اور تعداد چار ہزار تک پہنچ گئی۔ جب مثنیٰ محاذ پر پہنچے تو ان کے ساتھ جو مجاہدین تھے ان کی تعداد دس ہزار تھی۔

پوران کے تخت نشین ہوتے ہی رُستم نے فارس کے تمام امراء اور سارے مُلک کے بڑے بڑے جاگیرداروں کو مسلمانوں کے خلاف اشتعال انگیز پیغام بھیجے۔ اُس نے سب کو کہا کہ اپنی جاگیروں کو، اپنی بیٹیوں کی عصمتوں کو بچانا چاہتے ہو تو لڑنے والے جس قدر آدمی اکٹھے کر سکتے ہو انہیں فوج میں لاؤ اور مسلمانوں کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دو۔

مؤرخ لکھتے ہیں کہ رُستم کے اس پیغام نے فارس کے دُور و دراز کونوں کھدروں سے بھی لوگوں میں قومی غیرت مندی کی آگ لگا دی۔ لڑنے والے آدمی ٹولیوں میں مدائن پہنچنے لگے۔

*

رُستم مزید وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اُس نے مدائن سے مسلمانوں کے خلاف لشکر بھیجے۔ ایک کا کمانڈر جابان تھا۔ اُسے رُستم نے کہا تھا کہ دریائے فرات کے کنارے کنارے جائے اور حیرہ پہنچے جو اُس وقت مسلمانوں کے قبضے میں تھا۔

دوسرے لشکر کا کمانڈر نرسی تھا۔ اُسے حکم دیا گیا تھا فرات اور دجلہ کے درمیانی علا کے ایک مقام کسکر جا کر اگلے حکم کا انتظار کرے۔

اُس وقت ابوعبید دس ہزار مجاہدین کے ساتھ ایک مقام خفان تک پہنچ گئے تھے۔ انہیں اطلاع دی گئی کہ فارسیوں کا ایک لشکر فرات کے کنارے کنارے حیرہ کی طرف آر ہے۔ ابوعبید نے اپنے مجاہدین سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ پیشتر اس کے کہ دُشمن حیرہ تک پہنچے، ہم اُسے راستے میں ہی روک لیں گے۔ ابوعبید نے بڑی جوشیلی تقریر کی اور دس ہزار مجاہدین کو لے کر چل پڑے۔

حیرہ اور قادسیہ کے درمیان ایک مقام غارق کے قریب مجاہدین نے جابان کے لشکر کو روک لیا۔ یہ ایک خونریز لڑائی تھی۔ ابوعبید کو جنگی قیادت کا اتنا تجربہ تو نہ تھا لیکن اُ نے ذرا سی بھی گھبراہٹ کا مظاہرہ نہ کیا اور اپنے دس ہزار کے لشکر کو ایسی اچھی طرح تق کر کے لڑایا کہ فارسیوں کے قدم اُکھڑ گئے۔ فارس میں مسلمانوں کی دہشت تو پہلے ہی موجو تھی۔ مجاہدین ایسی بے جگری سے لڑے کہ دُشمن غیر منظم ہو کر پسپا ہونے لگا۔

رُستم کا یہ لشکر اپنی بے شمار لاشیں اور تڑپتے ہوئے زخمی پیچھے چھوڑ گیا۔ ایک مجا نے فارسی کمانڈر جابان اور اُس کے نائب مردان شاہ کو پکڑ لیا۔ مردان شاہ نے بھاگ کوشش کی تو اُسے گرفتار کرنے والے نے وہیں قتل کر دیا۔

جس مجاہد نے جابان کو پکڑا تھا اُسے معلوم نہیں تھا کہ یہ فارس کی فوج کا جرنیل ہے۔

"میرے عرب دوست!" — جابان نے مجاہد سے کہا — "مجھے پکڑ کر کیا کرو گے بوڑھا آدمی ہوں۔ آؤ مَیں تمہیں دو جوان جنگی قیدی دوں گا۔ یہ دو بڑے قیمتی غلام ہوں۔ اور مَیں تمہیں کچھ قیمتی چیزیں دوں گا۔"

"غلام اور قیمتی چیزیں کہاں ہیں؟" — مجاہد نے پوچھا۔

"مَیں یہ تمہارے حوالے کروں گا تو مجھے آزاد کرنا" — جابان نے کہا — "لیکن وعدہ کرو غلام اور قیمتی اشیاء لے کر مجھے آزاد کر دو گے۔"

"مَیں عرب ہوں اور مسلمان ہوں" — مجاہد نے کہا — "مَیں وعدہ خلافی نہیں کر میرے سپہ سالار کے پاس چل کر میرے ساتھ معاملہ طے کر لو۔"

جابان مان گیا۔ مجاہد اُسے ابوعبید کے پاس لے گیا اور بتایا کہ یہ قیدی اپنی رہائی کے عوض کیا پیش کرتا ہے۔

"یہ کوئی سپاہی نہیں" — ایک مجاہد نے جابان کو پہچانتے ہوئے کہا — "یہ فارسی فوج کا سپہ سالار ہے۔ میں اسے قتل کرنے گیا تھا لیکن یہ بچ نکلا۔ اسے قتل کر دو۔"

"ٹھہرو" — ابوعبید نے کہا اور جابان کو پکڑنے والے مجاہد سے پوچھا — "کیا تُو نے اسے دو جوان جنگی قیدیوں اور کچھ قیمتی اشیاء کے عوض آزاد کر دینے کا وعدہ کیا تھا؟"

"ہاں سپہ سالار!" — مجاہد نے جواب دیا — "مَیں نے وعدہ کیا تھا۔"

"پھر اِسے قتل نہیں کیا جا سکتا" — ابوعبید نے کہا — "ایک مسلمان اس کی جان بخشی کر چکا ہے .... اسے لے جاؤ۔ اس سے اپنا عوضانہ لو اور اسے آزاد کر دو۔ مسلمان کو اپنا وعدہ پورا کرنا چاہیئے۔"

اس طرح فارس کا ایک تجربہ کار جرنیل آزاد ہو گیا۔

فارس کے دارالحکومت مدائن کے محل کے ایک کمرے میں فارس کا نامور
تیز تیز ٹہل رہا تھا۔ وہ ایک دیوار سے دوسری دیوار تک جاتا اور واپس آ
کبھی چلتے چلتے رُک جاتا اور ایک ہاتھ کا گھونسہ دوسرے ہاتھ کی ہتھیلی پر مارتا کبھی رُک کر
لیتا کسی سوچ میں محو ہو جاتا اور اچانک چل پڑتا۔ اُس کے انداز میں عتاب تھا۔

اُس کی رہائش شاہی محل سے کچھ دور تھی۔ وہ بھی ایک محل تھا لیکن ملکۂ فارس پوران
کے کہنے پر وہ شاہی محل میں آ گیا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ عرب اور فارس خونریز اور بڑی ہی شدی
میں اُلجھے ہوئے تھے اور یہ جنگ فیصلہ کُن مرحلے میں داخل ہو چکی تھی۔ فیصلہ فارس کے خلا
ہوتا نظر آتا تھا۔ کسی بھی لڑائی میں فارس کی فوج مسلمانوں کے مقابلے میں نہیں ٹھہر سکی تھی۔
نے اُسے کہا تھا کہ محاذوں سے قاصد آتے ہیں تو پہلے تمہارے پاس جاتے ہیں پھر تم م
پاس آتے ہو۔

"کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ ہم اکٹھے رہیں؟" — پوران نے رستم سے کہا تھا — "تمہار
میں بھی راتوں کو سو نہیں سکتی۔ جنگ کی اگلی خبر کے انتظار میں جاگتی رہتی ہوں۔"

"ہاں ملکۂ فارس!" — رستم نے کہا تھا — "یہی بہتر ہے کہ ہم اکٹھے رہیں.... ہم اُ
چَین کی نیند سوئیں گے جس رات ہمیں یہ اطلاع ملے گی کہ آخری مسلمان کا خون سرزمینِ فار
بہا دیا گیا ہے۔"

"ہم دونوں کو ایک دوسرے کی ضرورت ہے" — پوران نے جذباتی سے لہجے
تھا — "اور کیا تم ضروری سمجھتے ہو کہ مجھے ملکۂ فارس کہو؟ پوران کہا کرو۔ ہم دونوں کا جذبہ
ہے۔ فارس جتنا میرا ہے اتنا ہی تمہارا ہے۔"

رستم نے اُس کی طرف دیکھا اور بولا کچھ بھی نہیں تھا۔

پوران نوخیز لڑکی نہیں تھی۔ جوانی کے آخری حصے میں تھی لیکن بادشاہ کی بیٹی تھی اس
سے کم لگتی تھی اور وہ فارس کے حُسن کا نمونہ تھی۔ اُس کے دل میں عربی مسلمانوں کی نفرت
فارس کی محبت اتنی زیادہ تھی کہ بھول ہی جاتی تھی کہ وہ حسین اور دلکش عورت ہے۔

اُس روز جب رستم محل کے ایک کمرے میں غصّے اور تفکر کی کیفیت میں ٹہل رہا تھا، اُس
وقت پوران مدائن کی شہر پناہ پر کھڑی اُس طرف دیکھ رہی تھی جدھر سے قاصد آیا کرتے تھے۔

"ملکۂ فارس!" — اُسے اپنے عقب میں آواز سنائی دی۔

اُس نے گھوم کے دیکھا۔ اُس کے قریب قلعدار کھڑا تھا۔

"اگر ملکہ قاصد کے انتظار میں ہیں تو نیچے چلی جائیں" — قلعدار نے کہا — "قاصد آ چکا ہے
اور وہ سیدھا رستم کے پاس گیا تھا۔"

"رستم نے مجھے کیوں نہیں بتایا؟" — پوران نے کہا۔

"اس سوال کا جواب میں کیسے دے سکتا ہوں ملکۂ معظمہ!" — قلعدار نے کہا — "میں بھی
رستم کے پائے کا جرنیل ہوں۔ محاذ سے آنے والے قاصد کو دُور سے دیکھ کر بتا سکتا ہوں کہ
یہ اچھی خبر لا رہا ہے یا بُری۔ میں نے اس قاصد کو دیوار کے اُوپر سے دیکھا تھا۔ اُس کا چہرہ اور اُس
کے گھوڑے کی چال بتا رہی تھی کہ خبر اچھی نہیں۔"

"خبر جو بھی آتی ہے اچھی نہیں ہوتی" — پوران نے اپنے آپ سے بات کرنے کے
انداز سے کہا اور دوڑتی ہوئی شہر پناہ سے اُتر گئی۔

نیچے اُس کا گھوڑا کھڑا تھا۔ وہ گھوڑے پر سوار ہوئی اور ایڑ لگا دی۔

۞

رستم نے دربان کو بلایا۔

"جالینوس سے کہو فوراً میرے پاس آئے" — رستم نے دربان کو حکم دیا۔

دربان باہر نکلا تو کچھ ہی دیر بعد دروازہ بڑی زور سے کھُلا۔ رستم کمرے میں کھڑا تھا اور
دروازے کی طرف اُس کی پیٹھ تھی۔

"آ گئے جالینوس!" — رستم نے دروازے کی طرف گھومے بغیر کہا — "جابان کی خبر سن
لی تم نے؟"

"میں خبر سنتے ہی آئی ہوں رستم!"

رستم تیزی سے گھوما۔ جالینوس کی بجائے اُس کے سامنے پوران کھڑی تھی۔

"تمہارا چہرہ بتا رہا ہے خبر اچھی نہیں" — پوران نے کہا — "اسی لیے تم نے مجھے ابھی
تک بے خبر رکھا ہے" — پوران نے رستم کی کمر میں بازو ڈال کر اُسے بٹھاتے ہوئے کہا
— "میں تمہارے چہرے پر شکست کا تاثر نہیں دیکھ سکتی.... کیا خبر آئی ہے؟"

"جابان اور مردان شاہ نے سلطنتِ فارس کی بنیادیں ہلا ڈالی ہیں" — رستم نے شکست خوردہ

نہیں بلکہ غصیلے لہجے میں کہا ۔۔۔ "دونوں نے مسلمانوں سے ایسی شکست کھائی ہے کہ مردان شاہ کو مسلمانوں نے پکڑ لیا تھا۔ اُس نے بھاگنے کی کوشش کی تو اُسے قتل کر دیا گیا۔"

"اور جابان؟"

"وہ زندہ ہے" ۔۔۔ رستم نے جواب دیا ۔۔۔ "قاصد نے بتایا ہے کہ جابان بھی پکڑا گیا تھا لیکن انہیں ایک دھوکہ دے کر زندہ واپس آگیا ہے .... اگر مردان شاہ اور جابان جیسے جرنیل شکست کھا گئے ہیں تو کیا میں خود آگے چلا جاؤں؟"

"نہیں رستم!" ۔۔۔ پوران نے اُس کے گلے میں بازو ڈال کر اور اپنا ایک رخسار رستم کے گال سے لگا کر کہا ۔۔۔ "تم ساری فوج کے قائد ہو سلطنت کے تمام اہم امور کے بھی تم ہی ذمہ دار ہو۔ تم یہاں بیٹھ کر جرنیلوں کو لڑاؤ۔"

پوران کے ریشم جیسے ملائم بال رستم کے چہرے کو مَس کر رہے تھے۔ رستم اُٹھ کھڑا ہوا۔

"مجھے اپنے حسن سے مسحور کرنے کی کوشش نہ کرو پوران!" ۔۔۔ رستم نے غصیلی سنجیدگی سے کہا ۔۔۔ "مجھے اس کیفیت میں ہی رہنے دو جو مجھ پر طاری ہے۔"

"میں تمہارا غصہ کم کرنا چاہتی ہوں" ۔۔۔ پوران نے کہا ۔۔۔ "میں تمہیں سکون دینے کی کوشش کر رہی ہوں۔ کیا سلطنتِ فارس کے متعلق میرے جذبات سے تم واقف نہیں ہو؟ میں نے اپنی زندگی اور اپنا سب کچھ فارس کی سلطنت کے لیے وقف کر دیا ہے .... ان باتوں کو چھوڑو رستم! اب یہ سوچو کہ مسلمان زیادہ طاقتور ہیں یا ہماری فوج میں کوئی ایسی خامی ہے جو ہمارے جرنیلوں کو مسلمانوں کے آگے ٹھہرنے نہیں دیتی۔ میں تو یہ سنتی ہوں کہ مسلمانوں کی تعداد ہمارے مقابلے میں بہت ہی کم ہوتی ہے، پھر ہر میدان میں فتح یاب کیوں ہوتے ہیں؟"

"اس لیے کہ وہ خوبصورت عورتوں کے گالوں اور ریشمی بالوں سے سکون حاصل نہیں کرتے" ۔۔۔ رستم نے کہا ۔۔۔ "وہ شراب کی صراحیاں خالی کر کے اپنی شکست کو بھولنے کی کوشش نہیں کرتے۔ وہ محلات میں نہیں رہتے۔ معلوم نہیں ان کا مذہب سچا ہے یا نہیں لیکن وہ اپنے عقیدے کے پکے ہیں۔"

"میں تو یہ سمجھی ہوں کہ مسلمانوں کی قیادت مستحکم اور پُرعزم ہے" ۔۔۔ پوران نے کہا ۔۔۔ "سنا ہے کہ ان کا نیا خلیفہ انقلابی ذہن کا آدمی ہے .... کیا نام ہے ....؟"

"عمرؓ بن الخطاب!" ۔۔۔ رستم نے کہا ۔۔۔ "ہمارے جاسوس مدینہ میں موجود ہیں۔ وہ یہیں اور مدینہ کے ارد گرد دو چار عیسائی بھی ہیں۔ وہ باقاعدہ خبریں بھیج رہے ہیں۔"

"ان خبروں سے تم نے کیا حاصل کیا ہے؟" ۔۔۔ پوران نے پوچھا۔

"میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ مسلمان عقیدے کے پکے ہیں" ۔۔۔ رستم نے کہا ۔۔۔ "یہودیوں نے اپنی بڑی ہی حسین لڑکیوں کو بھی استعمال کر کے دیکھ لیا ہے لیکن ناکام رہتے ہیں۔ ادھر ہمارے سپاہی سے سالار تک کا یہ حال ہے کہ عیاشی کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے .... مجھے مدینہ سے یہ اطلاع بھی ملی ہے کہ مسلمانوں کا ایک عقیدہ یہ بھی ہے کہ کسریٰ پرویز نے ان کے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا پیغام پھاڑ کر اس کے ٹکڑے بکھیر دیئے تھے اس لیے سلطنت فارس اسی طرح ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بکھر جائے گی .... میں یہ سمجھا ہوں کہ ان کا نیا خلیفہ عمرؓ اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پیغام کی توہین کا انتقام لے رہا ہے۔"

"اور وہ کامیاب بھی ہے" ۔۔۔ پوران نے کہا۔

"ہاں پوران!" ۔۔۔ رستم نے کہا ۔۔۔ "ابھی عمرؓ کو کامیابی کی خبریں مل رہی ہیں۔ ہمارا ہر حربہ ناکام ہو رہا ہے۔ یہودیوں نے مسلمان تاجروں کے بہروپ میں مدینہ سے دُور دراز علاقوں کے مسلمانوں کو فارس کی جنگی طاقت سے اتنا ڈرا دیا تھا کہ وہ عراق کا نام بھی نہیں لیتے تھے۔ مجھے یہ بھی اطلاع ملی تھی کہ ہماری فوج کی دہشت مدینہ کے لوگوں پر بھی طاری ہو گئی تھی۔ یہاں تک کہ خلیفہ کے اپنے حلقے کے آدمیوں نے عراق کے محاذ پر آنے کی ہامی نہیں بھری تھی۔ مسلمانوں کی باقاعدہ فوج نہیں ہے کہ وہ لوگوں کو جبراً بھرتی کر لیں۔ وہ رضاکارانہ طور پر ایک لشکر کی صورت میں منظم ہو جاتے ہیں اور اپنے امیر اور سپہ سالار کی حکم عدولی کو گناہ سمجھتے ہیں ....

"ان کے خلیفہ عمرؓ بن الخطاب نے ہمارے خلاف لڑنے کے لیے رضاکار مانگے تو کوئی بھی تیار نہ ہوا۔ آخر ایک شخص جس کا نام ابوعبید ہے، اٹھا اور اپنے آپ کو محاذ کے لیے پیش کیا۔ اس کے بعد رضاکار آگے آنے لگے۔ یہودیوں نے مسلمانوں کو ہمارے جنگی ہاتھیوں سے ڈرایا تھا۔ اُنہوں نے مسلمانوں کو ہاتھیوں کی ایسی خوفناک باتیں سنائی تھیں کہ یہ یقین ہو گیا تھا کہ خلیفہ ہمارے خلاف اور کوئی لشکر تیار نہیں کر سکے گا لیکن ان کا جو لشکر آیا، اس کی تعداد دس ہزار تھی۔ اس کا سالار ابوعبید ہے۔ اُس نے پہلی لڑائی میں ہی ہمارے دو جرنیلوں کو ایسی بُری شکست دی کہ دونوں کو پکڑ لیا اور ایک کو قتل کر دیا۔"

"اب تم نے کیا سوچا ہے؟" ۔۔۔ پوران نے پوچھا۔

"جالینوس کو بلایا ہے" ۔۔۔ رستم نے کہا ۔۔۔ "وہ آگیا ہو گا۔"

رستم باہر نکلا۔ فارس کی فوج کا ایک نامور جرنیل، تاریخوں میں جس کا نام جالینوس لکھا گیا ہے باہر کھڑا تھا۔ رستم اُسے اندر لے آیا۔

"جالینوس!" ۔۔۔ رستم نے اُس سے پوچھا ۔۔۔ "کیا تم نے نمارق کی لڑائی کا انجام سن لیا ہے؟"

"سُن لیا ہے"— جالینوس نے کہا "میں نے قاصد سے پوچھا تھا تفصیلات کا علم نہیں"
"تفصیلات سُن کر کیا کرو گے"— رستم نے بے دلی سے کہا— "مردان مارا گیا ہے۔ جابان کسی طرح جان بچا کر عربوں کی قید سے نکل آیا ہے۔ ان دونوں کے دستوں کے بچے کھچے آدمی کسکر جا پہنچے ہیں جہاں اپنے جرنیل نرسی کا لشکر خیمہ زن ہے۔ تم فوراً کچھ دستے ساتھ لو، سوار زیادہ لے جانا۔"

"جالینوس!"— ملکۂ فارس نے کہا— "جنگ کے متعلق تمہیں رستم ہدایات اور احکام دے گا۔ میں صرف یہ کہوں گی کہ فارس ایک اور شکست کا متحمل نہیں ہو سکے گا۔ ہم تو مسلمانوں کو ختم کرنے کا عہد کیے ہوئے تھے لیکن فارس کو بچانا مشکل نظر آنے لگا ہے۔"

"آپ اب اچھی خبر ہی سنیں گی ملکۂ فارس!"— جالینوس نے کہا— "زرتشت کی قسم، پہلی شکستوں کا بھی انتقام لوں گا۔"

❁

جالینوس نے اپنے دستوں کو تیار کیا۔ مدائن پر خوف و ہراس طاری تھا۔ فارس کے اس مرکزی شہر کے لوگوں کے کانوں میں یہی ایک آواز پڑتی تھی کہ آج فلاں جگہ سے فوج بھاگ آئی ہے اور آج مسلمان فلاں شہر یا فلاں قصبے پر قابض ہو گئے ہیں۔ ان شہروں اور قصبوں سے لوگ بھاگ کر مدائن پہنچ رہے تھے۔ اب شہر میں یہ خبر پھیل گئی کہ مردان شاہ اور جابان بھی شکست کھا گئے ہیں اور جالینوس آگے جا رہا ہے۔

مدائن کی گلیوں میں مجذوب سا ایک آدمی اُوٹ پٹانگ بولتا اکثر نظر آیا کرتا تھا۔ لوگ اُسے کھانے کے لیے کچھ دے دیا کرتے تھے۔ جب جالینوس کمک کے دستے تیار کر رہا تھا، یہ مجذوب شہر کے ایک دروازے سے باہر نکلا۔ وہ حسبِ معمول کبھی اونچی کبھی دھیمی آواز میں کچھ نہ کچھ بولتا جا رہا تھا۔ کسی نے اُس کی طرف توجہ نہ دی۔ وہ شہر سے کچھ دُور چلا گیا۔

آگے زمین نشیبی تھی اور درخت خاصے زیادہ تھے۔ مجذوب نشیب میں اُتر گیا اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔

"آجا، آجا!"— اُسے آواز سنائی دی— "جلدی آ۔"

یہ ایک آدمی کی آواز تھی جو ایک گھوڑے کی لگام پکڑے ایک گھنے جھنڈ میں کھڑا تھا۔ اُسے دیکھتے ہی مجذوب دوڑتا ہُوا اُس تک پہنچا۔

"سوار ہو جاؤ اور نظر نہ آؤ"— گھوڑے والے نے کہا— "ابوعبید نمارق میں ہوگا۔ اُسے یہاں کی پوری اطلاع دو۔ تم نے سب کچھ اپنی آنکھوں دیکھ لیا ہے۔"

"کچھ اور بتانے کی ضرورت نہیں"— مجذوب نے کہا— "مجھے جالینوس کی کمک سے بہت پہلے ابوعبید تک پہنچنا ہے.... اللہ حافظ!"— اور مجذوب نے گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔

وہ کوئی مجذوب نہیں بلکہ ایک ذہین اور دماغی لحاظ سے چاک و چوبند رہنے والا عربی مسلمان اشعر بن اوصامہ تھا۔ خالدؓ بن ولید نے جہاں فنِ حرب و ضرب اور جنگی قیادت میں ایسا مقام پایا تھا کہ دشمنوں نے بھی اُنہیں خراجِ تحسین پیش کیا وہاں جاسوسی کا ایک ایسا نظام قائم کیا تھا کہ دشمن کی نقل و حرکت کا اُنہیں خاصا قبل از وقت علم ہو جاتا تھا۔ اُنہوں نے خصوصی طور پر عقلمند اور جانباز قسم کے جاسوس دشمن کے شہروں میں بھیج دیئے تھے۔

اشعر بن اوصامہ انہی جاسوسوں میں سے تھا جو مجذوب اور پاگل بن کر مدائن میں کبھی داخل ہوا تھا۔ شہر والے ہر روز اُسے کہیں نہ کہیں بیٹھا، کھڑا یا چلتا پھرتا اور کچھ نہ کچھ بولتا دیکھتے تھے لیکن یہ کبھی نہیں دیکھا تھا کہ رات کو وہ کہاں غائب ہو جاتا ہے۔ وہ راتیں ایک عراقی عیسائی کے گھر میں گزارتا تھا۔ یہ عیسائی دراصل عرب تھا اور مدائن میں جا کر آباد ہو گیا تھا۔ اُس کی ہمدردیاں عربوں کے ساتھ تھیں۔ اس کے علاوہ مسلمان جاسوسوں کو اپنی پناہ میں رکھنے اور انہیں معلومات فراہم کرنے کا اُسے معاوضہ ملتا تھا۔

❁

جالینوس ابھی اپنے دستوں کے ساتھ مدائن سے نہیں نکلا تھا کہ اشعر بن اوصامہ سپہ سالار ابوعبید کے پاس پہنچ گیا۔ ابوعبید پاگلوں جیسے حال حُلیے کے اس آدمی کو دیکھ کر حیران ہُوا کہ اتنی اچھی نسل کا اور اتنا تندرست و توانا گھوڑا کہاں سے لایا ہے۔

"میرا نام اشعر بن اوصامہ ہے"— اُس نے اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا— "مدائن سے آرہا ہوں۔ جاسوسی کے لیے کچھ عرصہ وہیں رہا۔"

"خدا کی قسم!"— ابوعبید نے کہا— "میں مان نہیں سکتا تم جیسا آدمی جاسوس ہو سکتا ہے.... کیا کسی سالار کو جانتے ہو؟"

"اگر مثنیٰ بن حارثہ یہاں موجود ہیں تو وہ مجھے پہچان لیں گے"— اشعر نے کہا۔

مثنیٰ بن حارثہ ابوعبید کے ماتحت سالار تھے۔ انہیں بلایا گیا۔ انہوں نے اشعر کو پہچان لیا اور ابوعبید کو بتایا کہ یہ اپنا ہی آدمی ہے۔

"اب میری بات سنیں"— اشعر نے کہا— "آپ کو شاید معلوم ہو گا کہ دجلہ اور فرات کے درمیانی علاقے میں کسکر ایک مقام ہے جسے سقاطیہ بھی کہتے ہیں۔ فارس کی فوج کے بہت سے دستے وہاں قیام کیے ہوتے ہیں۔ آپ نے جن دستوں کو شکست دی ہے ان کے بھاگے ہوئے

آدمی سقاطیہ چلے گئے ہیں۔ وہاں کے جرنیل کا نام نرسی ہے۔ رستم اُس کے لیے کمک بھیج رہا ہے۔ میرے حساب کے مطابق نرسی تک یہ کمک چار روز بعد پہنچے گی۔

اشعر بن او صامہ نے ابوعبید اور مثنیٰ کو بتایا کہ جالینوس کتنی کمک لا رہا ہے۔

ابوعبید کے لیے یہ اطلاع بڑی قیمتی تھی۔

"ابن حارثہ!" ـــــ ابوعبید نے مثنیٰ بن حارثہ سے کہا۔ "جو تجربہ اب تک تجھے حاصل ہو چکا ہے وہ مجھے حاصل نہیں لیکن ہم جالینوس کی کمک سے پہلے سقاطیہ پہنچ جائیں تو خدا کی قسم ہم نرسی کی کمر توڑ ڈالیں گے۔"

"اللہ کا نام لے ابوعبید!" ـــــ مثنیٰ بن حارثہ نے کہا ـــــ "فوراً کوچ کا حکم دے۔ تو نے امیرالمومنین کی ہدایت پر عمل کیا ہے کہ کوئی قدم اٹھانے سے پہلے اپنے ساتھی سالاروں سے مشورہ کر لیا کرنا.... تو نے ٹھیک سوچا ہے۔ ہم اگر فارسی جرنیل نرسی تک جالینوس سے پہلے پہنچ گئے تو اُسے الگ اور جالینوس کو الگ شکست دے سکیں گے، اور اگر یہ اکٹھے ہو گئے تو ہمارے لیے مشکل پیدا ہو جائے گی۔"

ابوعبیدہ نے اُسی وقت کوچ کا حکم دے دیا۔ اُس نے سالاروں، نائب سالاروں وغیرہ کو بتا دیا تھا کہ وہ کہاں جا رہے ہیں اور ہدف کیا ہے۔ غزوۂ بدر سے یہ روایت چلی تھی کہ مسلمان تعداد میں کم تھے۔ دشمن نفری کے لحاظ سے تین گنا طاقتور تھا۔ اُس کے پاس گھوڑے زیادہ اور ہتھیار بہتر قسم کے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں مجاہدین اسلام نے تعداد کی کمی اور ہتھیاروں کی کمتری کو جذبے اور جنگی فہم و فراست سے پورا کیا تھا۔ اس کے بعد یہی روایت چل پڑی کہ مسلمان ہر دور اور ہر میدان میں کم تعداد میں لڑے اور فتح یاب ہوتے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجاہدین میں دوسری خوبی یہ پیدا کی تھی کہ کوچ اور پیش قدمی اس قدر تیز ہوتی تھی کہ دشمن حیران رہ جاتا اور بوکھلا اٹھتا تھا۔ ایک وصف اور جو خالدؓ بن ولید اور ان کے پائے کے سالاروں نے اپنے مجاہدین میں پیدا کیا تھا وہ یہ تھا کہ نظم و نسق برقرار رکھیں اور حکم کے بغیر کوئی حرکت نہ کریں۔ یہ تھی امیر کی اطاعت جسے مسلمان مذہبی فریضہ سمجھتے اور اس کی پابندی کرتے تھے لیکن یہ خوبی اُس وقت کے ہر امیر اور ہر سالار میں تھی کہ وہ ذاتی معاملات اور پسند و ناپسند اور تعصبات سے پاک ہوتے تھے۔

❁

دریائے دجلہ اور فرات کے درمیان ایک وسیع میدان میں فارس کا جرنیل نرسی اپنی فوج کے ساتھ خیمہ زن تھا۔ کسی بھی مؤرخ نے اُس کے دستوں کی صحیح نفری نہیں لکھی۔ یہ لکھا ہے کہ

کی فوج مسلمانوں سے تقریباً اڑھائی گنا زیادہ تھی اور وہ اُس وقت کے جدید ہتھیاروں سے مسلح تھی اور اس میں سواروں کی تعداد زیادہ تھی۔ ہر سوار کے پاس ایک برچھی اور ایک تلوار تھی۔

علامہ شبلی نعمانی نے اپنی کتاب "الفاروق" میں دو مؤرخوں، بلاذری اور ابوحنیفہ کے حوالے سے لکھا ہے ـــــ "فارسی جرنیل نرسی کے ساتھ بہت بڑا لشکر تھا اور اُس کے ساتھ کسریٰ کے دو ماموں زاد بھائی بندویہ اور تیرویہ، میمنہ اور میسرہ پر تھے" ـــــ یہ دونوں فارس کے مشہور اور جارح جرنیل تھے۔ ہر لڑائی میں بندویہ فوج کے دائیں پہلو پر اور تیرویہ بائیں پہلو پر رہتا تھا اور یہ اپنے دشمن کو گھیرے میں لے کر ختم کر دیتے تھے۔ اُنہوں نے روم جیسی طاقتور فوج کو بہت بُری شکستیں دی تھیں۔

نرسی ان دونوں جرنیلوں کے ساتھ مدائن سے آنے والی کمک کا انتظار اتنی بیتابی سے کر رہا تھا کہ ہر صبح ایک سوار کو مدائن کے راستے پر آگے بھیج دیتا کہ کمک دُور سے آتی نظر آئے تو آ کر اطلاع کر دے۔

نرسی کی اس فوج میں کچھ ایسی صورت پیدا ہو گئی تھی جس سے فوج کا جذبہ مجروح ہو گیا تھا۔ یہ صورت مردان شاہ اور جابان کے اُن فوجیوں نے پیدا کی تھی جو نمارق کی لڑائی میں مجاہدین سے شکست کھا کر بھاگے اور سقاطیہ نرسی کی فوج کے کیمپ میں جا پناہ لی تھی۔ شکست کی خفت کو مٹانے کے لیے اُنہوں نے مسلمانوں کی بہادری بلکہ خونخواری کی ایسی خوفناک باتیں بنائیں جیسے مسلمان انسان نہیں جنات اور بھوت ہوں۔

"ہم جنوں بھوتوں سے تو نہیں لڑ سکتے" ـــــ بھاگے ہوئے ہر سپاہی کی زبان پر یہ الفاظ تھے۔

نرسی کے دستوں کو یہ بھی پتہ چل چکا تھا کہ نمارق میں فارس کے دونوں جرنیل پکڑے اور مارے گئے ہیں۔ جابان ابھی لاپتہ تھا۔ مؤرخ طبری نے لکھا ہے کہ جابان رستم اور ملکہ فارس کے سامنے جانے سے گریز کر رہا تھا۔ اس سے نرسی کے دستوں میں مزید دہشت پیدا ہو گئی تھی۔

"....اور یہ سب بزدل ہیں جو اپنے جرنیلوں کو مروا کر بھاگ آتے ہیں" ـــــ ایک روز نرسی اپنے دستوں سے خطاب کر رہا تھا ـــــ "یہ بھگوڑے غدّار ہیں۔ میرا حکم چلے تو میں انہیں مقدس زرتشت کی آگ میں زندہ جلا دوں۔ یہ غیرت والے ہوتے تو زندہ واپس نہ آتے۔ یہ اب عورتوں کی طرح ڈرے ہوئے بے بنیاد باتیں کر رہے ہیں۔ انہیں چاہیئے کہ اپنے بھائیوں کا حوصلہ بڑھائیں اور اپنا قومی جذبہ مضبوط کر کے عہد کریں کہ مسلمانوں سے شکست کا انتقام لیں گے.... ان کی باتیں مت سنو۔ یہ جھوٹ بول رہے ہیں۔"

"کیا آپ کو یقین ہے کہ آپ کی آج کی تقریر سے اپنے سپاہیوں کا لڑنے کا جذبہ مضبوط

ہو جائے گا؟" ـــــ شام کھانے کے دوران جرنیل بندویہ نے جرنیل نرسی سے پوچھا۔

"نہیں" ـــــ نرسی نے کہا ـــــ "میں ہر روز اپنے مخبروں سے سپاہیوں کے جذبے اور دیگر امور کے متعلق پوچھتا رہتا ہوں۔ ان سب پر مسلمانوں کی دہشت طاری ہو چکی ہے۔ خالدؓ بن ولید کو یہ آسمان سے اتری کسی ہولناک مخلوق میں سے سمجھتے ہیں۔ میں نے اسی لیے مدائن سے کمک منگوائی ہے کہ وہاں سے جو سپاہی آئیں گے وہ مسلمانوں سے بالکل ناواقف ہوں گے اور مسلمانوں کے خوف سے آزاد ہوں گے۔"

"ورنہ ہمیں کمک کی ضرورت نہیں تھی" ـــــ جرنیل سے تیرویہ نے کہا ـــــ "کمک کو پہنچ جانا چاہیے تھا۔ ہم رستم اور ملکہ فارس کو اچھی خبریں سنائیں گے۔"

"سقاطیہ کو ہم مسلمانوں کا قبرستان بنا دیں گے" ـــــ بندویہ نے کہا۔

ابوعبید کے مجاہدین کی پیش قدمی بہت تیز تھی لیکن راستے میں دریا حائل ہو گیا۔ ابوعبیدؓ نے اس خیال سے لشکر کو روک لیا کہ دن کی روشنی میں دریا عبور کرنا خطرناک ہو سکتا تھا۔ دریا عبور کرنے کے دوران دشمن آجاتے تو وہ تیروں اور پھینکنے والی برچھیوں سے سب کو دریا میں ختم کر سکتا ہے۔

رات کے اندھیرے میں دریا عبور کرنا تھا۔ وہاں کشتیاں نہیں تھیں جن کا پل بنایا جاتا۔ اتفاق سے ایک مقامی آدمی اُدھر سے گزرا۔ اُس نے بتایا کہ تقریباً دو میل آگے کشتیوں کا ایک پل ہے جو فارس کی فوج نے بنایا ہے اور اس کے دونوں طرف دن رات دو دو فوجی پہرے پر کھڑے رہتے ہیں۔

رات کو چار جانباز مجاہدین کو آگے بھیجا گیا۔ پل سے ذرا ہی دُور تین مجاہدین چھپ گئے اور ایک پہرہ داروں کے پاس چلا گیا۔ اُس نے دونوں کو باتوں میں لگا لیا اور انہیں باتوں باتوں میں پل سے ادھر لے آیا۔ تین مجاہدین جھاڑیوں کے پیچھے سے اُٹھے اور ان دونوں فارسیوں کو دبوچ کر ان کے گلے گھونٹے اور مار دیا۔ ان کے کپڑے اتار کر دو مجاہدین نے پہنے اور پل کی دوسری جانب چلے گئے۔ وہ سپاہی انہیں اپنے آدمی سمجھے۔ قریب جا کر مجاہدین نے ان دونوں کو خنجروں سے قتل کر دیا۔

ایک مجاہد پیچھے جا کر ابوعبید کو اطلاع دے آیا کہ راستہ صاف ہے۔ ابوعبید نے پیشقدمی کا حکم دیا اور پل پر آکر بے خوف وخطر دریا پار کر لیا۔

جالینوس اپنے دستوں کے ساتھ مدائن سے چل پڑا تھا لیکن اُس کے سامنے بڑا المبا راستہ تھا۔ ابوعبید نے تو جالینوس سے پہلے سقاطیہ پہنچنے کی دوڑ لگا رکھی تھی۔

اگلی شام ابوعبید کا لشکر سقاطیہ کے قریب پہنچ گیا۔ اس وقت لڑائی شروع نہیں کی جا سکتی تھی۔ اب لشکر کو دشمن سے چھپایا نہیں جا سکتا تھا۔ قریب ہی ایک گاؤں میں گئے اور اعلان کیا کہ رات کو گاؤں میں کوئی بچہ بھی باہر نہ نکلے۔ اس کے ساتھ ہی گاؤں کے اردگرد پہرے کھڑے کر دیے گئے۔

اس احتیاطی انتظام کے باوجود یہ توقع نہیں کی جا سکتی تھی کہ فارسیوں کو مجاہدین کے لشکر کا پتہ نہیں چلے گا۔ فارسیوں کی اگلے دن کی لڑائی کی تیاری کو درہم برہم کرنے کے لیے یہ کارروائی کی گئی کہ رات کو جب فارسیوں کا لشکر سویا ہوا تھا تو بیس بیس مجاہدین کی دو پارٹیوں نے ایک دوسری کے بعد لشکرگاہ پر شب خون مارے۔ دوسری پارٹی نے یہ کارروائی کی کہ شب خون کے دوران گھوڑوں کی رسیاں کاٹ ڈالیں اور گھوڑوں کو تلواروں کی نوکیں چبھو کر دوڑا دیا۔ گھوڑوں نے کیمپ میں قیامت بپا کر دی۔

ان دو شبخونوں نے فارسیوں کو جانوں کا بھی نقصان پہنچایا اور بہت سے سپاہی شدید زخمی ہو کر اگلے روز کی لڑائی کے لیے ہی نہیں بلکہ لمبے عرصے کے لیے میدانِ جنگ میں آنے سے معذور ہو گئے۔ یہ تو نفری کا نقصان تھا۔ اصل نقصان یہ پہنچا کہ ان دستوں پر پہلے ہی مسلمانوں کا جو ڈر سا بیٹھ گیا تھا، اس میں اضافہ ہو گیا۔

شب خون مسلمانوں کا خصوصی طریقہ جنگ تھا جس میں اُنہوں نے غیر معمولی مہارت حاصل کر لی تھی۔ شب خون میں بڑے ہی مضبوط حوصلے اور جسمانی پھرتیلے پن کی ضرورت ہوتی تھی۔ یہ اوصاف مسلمانوں میں ہی تھے، اور یہ اوصاف مسلمانوں میں اس لیے تھے کہ وہ ایک نظریے اور ایک عقیدے کے فروغ اور تحفظ کے لیے لڑ رہے تھے۔ ان کے ذہن و دل میں اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی تھی۔ غیر مسلم مؤرخوں نے بھی لکھا ہے کہ مسلمان اپنے مذہبی عقیدے کے جنون کی کیفیت میں لڑتے تھے اور دوسری قوموں کی فوجیں اپنے بادشاہوں اور جرنیلوں کے حکم سے لڑتی تھیں۔ یہ پہلو خاص طور پر پیشِ نظر رکھنے والا ہے کہ جس دَور کی یہ داستان پیش کی جا رہی ہے اُس دَور میں مسلمانوں کی کوئی باقاعدہ فوج نہیں ہُوا کرتی تھی۔ سپہ سالار سے سپاہی تک سب رضاکار ہوتے تھے۔ سب اپنی رضا و رغبت سے ایک جذبے سے سرشار میدانِ جنگ میں جاتے تھے۔

اس جنون، اس نظریے اور اس جذبے کا یہ کرشمہ تھا کہ ابوعبید کے جانبازوں نے ایک ہی رات میں دو شبخون مارے اور دشمن کی جنگی تیاری اور خیمہ گاہ کو درہم برہم کر آئے۔

ایک یورپی تاریخ نویس نے اپنی انگریزی کتاب "اسلام اور آتش پرست" میں لکھا ہے کہ

فارسیوں کے اس کیمپ میں کسی سپاہیوں کو یہ کہتے سنا گیا کہ یہ حملہ آور (مسلمان) انسان نہیں ہو

صبح طلوع ہو رہی تھی۔ جرنیل نرسی، بندویہ اور تیرویہ رات بھر کے جاگے ہوئے
دستوں کو منظم کرنے کے لیے بھاگ دوڑ رہے تھے۔

"وہ دیکھو" ــــ یہ ایک بلند آواز تھی جس میں گھبراہٹ کا لرزہ تھا۔

اس آواز کی گھبراہٹ سارے کیمپ میں پھیل گئی۔ ہر کوئی اُدھر دیکھ رہا تھا۔ دس ہزار مجا
لشکر جنگ کی ترتیب میں آ رہا تھا۔ کیمپ میں کھلبلی بپا ہو گئی۔ حالانکہ فارسیوں کی نفری
تیس ہزار تھی جس میں سوار زیادہ تھے۔ ان کے تینوں جرنیلوں کی حالت بہت بُری ہو رہی تھی۔

"کمک نہیں پہنچی" ــــ نرسی بار بار کہہ رہا تھا۔

دوسرے دونوں جرنیل اپنے دستوں کو ترتیب میں لا رہے تھے۔

جالینوس کمک لے کر مدائن سے چل پڑا تھا لیکن اس کے سامنے دو پڑاؤ کی مسافت

"ابو عبید!" ــــ مثنیٰ بن حارثہ نے اپنے سپہ سالار ابو عبید سے کہا ــــ "کیا تم دشمن کو
اور حملے میں پہل کرنے کا موقع دے رہے ہو؟ ان کی تعداد اور ان کے گھوڑے دیکھو"

ابو عبید مجاہدین کے لشکر کو چار حصوں میں تقسیم کر کے صف آرا کر چکا تھا۔ چوتھا حصہ
کا تھا جسے ابو عبید نے اپنے پیچھے رکھا تھا۔ مثنیٰ بن حارثہ کی للکار سنتے ہی ابو عبید نے
کے حصے کو حملے کا حکم دے دیا۔ اُس نے دائیں اور بائیں پہلوؤں کے دستوں کو پہلے
رکھا کہ حملہ ہوتے ہی وہ دائیں اور بائیں پھیل جائیں اور دشمن کے عقب میں جانے کی کوشش

مثنیٰ بن حارثہ دائیں پہلو پر تھے۔ وہ خالدؓ بن ولید کے پائے کے سالار تھے اور خالدؓ
ماتحت انہوں نے رومیوں کے خلاف گھمسان کے معرکے لڑے تھے اور خالدؓ سے بڑ
کارآمد داؤ پیچ سیکھے تھے۔ اس کے علاوہ مثنیٰ نے عہد کر رکھا تھا کہ فارسیوں کو فیصلہ کن شکس
دے کر آتش پرستی کے باطل کو ہمیشہ کے لیے ختم کرنا ہے۔ دس ہزار مجاہدین کا یہ لشکر مثنیٰ
سے لائے تھے۔ اس داستان کے شروع میں بیان ہو چکا ہے کہ مثنیٰ بن حارثہ خلیفۂ
کی زندگی میں مدینہ یہ درخواست لے کر گئے تھے کہ انہیں ایک لشکر مل جائے تو وہ سلط
فارس کو بنیادوں سے اُکھاڑ دیں گے۔ اُس وقت حضرت ابوبکرؓ بسترِ مرگ پر تھے۔ اُنہوں
حضرت عمرؓ کو وصیت کی تھی کہ مثنیٰ کو لشکر تیار کر کے دینا ہے۔

حضرت ابوبکرؓ کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ اور مثنیٰ بن حارثہ نے جس طرح عراق
لشکر تیار کیا تھا وہ پہلے تفصیل سے بیان ہو چکا ہے۔

اب سقاطیہ کے مقام پر مثنیٰ دائیں پہلو پر تھے اور ان کے ساتھ سوار زیادہ تھے۔ انہیں غالباً
معلوم تھا کہ فارسی جرنیل بندویہ اور تیرویہ پہلوؤں سے حملہ کرنے کے ماہر ہیں۔ مثنیٰ اپنے دستوں
کو بڑی تیزی سے اتنی دُور باہر کو لے گئے کہ فارسیوں کا پہلو ان کے اندر آ گیا۔

بائیں پہلو پر ایک صحابی سالار سلیطؓ بن قیس تھے۔ انہوں نے بھی مثنیٰ بن حارثہ والی چال چلی
اور اپنے دستے کو دُور بائیں طرف لے گئے اور فارسیوں کے پہلو کو اپنے گھیرے میں لے لیا۔
مجاہدین کا یہ حملہ ایسا اچانک اور اتنا شدید تھا کہ فارس کی یہ فوج زیادہ دیر ٹھہر نہ سکی۔ پیچھے
دریا تھا۔ مثنیٰ اور سلیطؓ نے پہلوؤں سے فارسیوں کو گھیرے میں لے لیا تھا۔ فارسی سپاہیوں کا
لڑنے کا حوصلہ پہلے ہی کمزور ہو گیا تھا۔ گذشتہ رات کے شب خون نے الگ دہشت طاری
کر دی تھی۔ فارسی بڑھ کر حملے کرنے کی بجائے دفاعی لڑائی لڑنے لگے اور اس کے ساتھ ہی
بعض نے بھاگنا بھی شروع کر دیا۔ وہ دریا میں کُود رہے تھے۔

زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ میدان فارسیوں کی لاشوں سے اَٹ گیا۔ نرسی کا پرچم گر پڑا اور تینوں
جرنیل لاپتہ ہو گئے۔ سپاہی دوڑ دوڑ کر مسلمانوں کے پاس آنے لگے۔

یہ مکمل اور فیصلہ کن شکست تھی۔

اس فتح کے بعد مجاہدین فارسیوں کی خیمہ گاہ اور میدانِ جنگ سے مالِ غنیمت اکٹھا کر
رہے تھے اور اشعر بن اوصامہ سپہ سالار ابو عبید کو ڈھونڈتا پھر رہا تھا۔

"سپہ سالار!" ــــ اشعر نے ابو عبید کو کہیں دُور دیکھ کر پکارا اور اُس کے قریب جا کر
گھوڑے سے اُترا۔

"کیا خبر لائے ہو ابنِ اوصامہ!" ــــ ابو عبید نے اشعر سے پُوچھا۔

"مدائن سے آنے والی کمک یہاں سے ایک پڑاؤ دُور ہے" ــــ اشعر نے کہا ــــ "آج
رات مدائن کے یہ دستے بارُسما کے قریب پڑاؤ کریں گے" ــــ اشعر نے میدانِ جنگ کی
حالت دیکھ کر کہا ــــ "خدا کی قسم، آپ نے آتش پرستوں کی کمر توڑ ڈالی ہے"

"یہ اللہ کا کرم اور تیری محنت کا کرشمہ ہے ابنِ اوصامہ!" ــــ ابو عبید نے کہا ــــ "تو مدائن
سے جو خبر لایا تھا وہ ہمارے کام آئی۔ یہ تیری جاسوسی کا ثمرہ ہے..... کمک کی نفری کتنی ہے؟"

"اتنی ہی ہے جتنی کو آپ نے یہاں کاٹ بھی دیا ہے اور بھگا بھی دیا ہے" ــــ اشعر نے
جواب دیا ــــ "اس کا سالار جالینوس ہے جسے فارس کے لوگ میدانِ جنگ کا دیوتا کہتے ہیں۔
کمک میں سوار دستے پیادوں سے زیادہ ہیں"

اشعر بن اوصامہ بڑا ہی ہوشیار جاسوس تھا جو مدائن سے خبر لایا تھا کہ مدائن سے نرسی کو کمک جارہی ہے اور نرسی سقاطیہ کے مقام پر ہے۔ ابوعبید نے جب اپنے لشکر کو سقاطیہ کی طرف کوچ کا حکم دیا تھا اُسی وقت اشعر کو اُس علاقے کی طرف روانہ کر دیا تھا جدھر سے مدائن سے سقاطیہ کو کمک نے گزرنا تھا۔ اشعر کے ذمے یہ کام تھا کہ کمک کے متعلق جو بہت اہم اطلاع ہو وہ سقاطیہ پہنچائے۔

اشعر یہودی پیشوا کے بہروپ میں گیا تھا اور بروقت اطلاع لے آیا کہ کمک بارسما پہنچنے والی ہے اور رات وہاں پڑاؤ کرے گی۔

"لیکن سپہ سالار!" —— اشعر بن اوصامہ نے ایک اور خبر سنائی —— "آپ کمک پر بے خبری میں حملہ نہیں کر سکیں گے۔ میں نے راستے میں اس (سقاطیہ) کی لڑائی سے بھاگے ہوئے سواروں کو بارسما کی طرف جاتے دیکھا ہے۔ میں نے دو سواروں کو آپس میں اس لڑائی کی باتیں کرتے بھی سنا ہے۔ میں وہیں سمجھ گیا تھا کہ میرے بھائیوں نے سقاطیہ کا میدان مار لیا ہے ..... آپ کو سنبھل کر جانا پڑے گا۔ دشمن نے کہیں گھات نہ لگا رکھی ہو۔ میدانِ جنگ کے بھگوڑے گھوڑسوار کچھ دیر تک بارسما پہنچ جائیں گے۔ ان سے اس لڑائی کی خبریں سن کر وہ اپنے دستوں کو رات کو بھی تیاری کی حالت میں رکھے گا۔"

"اللہ ہمارے ساتھ ہے ابنِ اوصامہ!" —— ابُوعبید نے کہا —— "تُو جا اور کچھ آرام کر لے ہم نے سورج غروب ہوتے ہی بارسما کی طرف کوچ کر جانا ہے۔"

ابوعبید نے اپنے سالاروں، مثنیٰ بن حارثہ اور سلیطؓ بن قیس کو بلایا اور انہیں بتایا کہ اشعر کیا خبر لایا ہے۔

"کیا یہ بہتر نہیں ہو گا کہ ہم بارسما کی طرف پیش قدمی کریں؟" —— ابوعبید نے دونوں سالاروں سے پوچھا —— "یا تم یہ بہتر سمجھتے ہو کہ جالینوس کا یہاں انتظار کیا جائے؟ .... میں فوراً پیشقدمی کرنا چاہتا ہوں۔"

"بیشک یہی بہتر ہو گا" —— مثنیٰ نے کہا —— "جالینوس کو بھگوڑے فوجی خبردار کر چکے ہوں گے اور وہ ہمارے لڑنے کے طریقے بھی اُسے بتا چکے ہوں گے۔"

"مجھے ایک اور خطرہ نظر آرہا ہے" —— ابوعبید نے کہا —— "اگر ہم جالینوس کا انتظار یہیں کرتے رہے تو ہو سکتا ہے وہ مدائن سے مزید دستے منگوا لے۔ اُس کی نفری پہلے ہی ہم سے اڑھائی تین گنا ہے۔ ہماری نفری شہیدوں اور زخمیوں نے کم کر دی ہے اور کم از کم ایک ہزار مجاہدین کو یہاں چھوڑنا پڑے گا۔ تمام مالِ غنیمت اور دشمن کے سینکڑوں گھوڑے یہیں رہیں گے۔ دونوں

دریاؤں پر کشتیوں کے جو پُل ہیں ان پر بھی قبضہ رکھنا ہے۔ سب سے زیادہ ضروری یہ ہے کہ جالینوس کو مہلت نہ دی جائے کہ وہ مدائن سے کمک منگوا سکے .... ایک ہزار آدمی یہاں چھوڑ دو۔ زخمیوں کو مرہم پٹی کے لیے ان کے پاس رہنے دو اور کُوچ کی تیاری کرو۔ چلنے سے پہلے میں ان کے ساتھ ایک دو باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

❁

غروبِ آفتاب سے کچھ دیر پہلے جالینوس نے بارسما کے مقام پر پہنچ کر اپنے دستوں کو روک لیا اور پڑاؤ کا حکم دیا۔ لشکر فوراً خیمے گاڑنے میں مصروف ہو گیا۔ جالینوس کا خیمہ کھڑا کر دیا گیا اور اس کے اندر گدّوں والا پلنگ اور گھروں کے کمروں جیسا فرنیچر رکھ دیا گیا۔ اندر ریشمی پردے لگ گئے۔ یہ بہت بڑا خیمہ تھا جس کے دو حصّے تھے۔ اندر سے یہ محل کے دو کمرے لگتے تھے۔

جالینوس اپنے خیمے میں داخل ہو کر بیٹھا ہی تھا کہ اُس کے حفاظتی دستے (باڈی گارڈز) کا کمانڈر خیمے میں آیا اور جالینوس کو بتایا کہ جہاں وہ کمک لے کے جا رہے ہیں، وہاں سے زخمی سوار آرہے ہیں۔ ایک کو وہ اپنے ساتھ لایا تھا۔ وہ کوئی جونیئر کمانڈر تھا جو تھوڑا سا زخمی تھا۔ جالینوس باہر نکل آیا اور غصّے سے اس زخمی سے پوچھا کہ سقاطیہ میں کیا ہُوا ہے۔

اس زخمی عہدیدار نے اُسے تفصیل سے بتایا کہ عربوں نے گذشتہ رات دو شب خُون مارے اور صبح طلوع ہوتے ہی حملہ کر دیا۔ زخمی عہدیدار نے لڑائی کی تفصیل یوں سنائی جیسے مسلمانوں کی تعداد اور جنگی طاقت بہت زیادہ تھی۔

"اُن کی تعداد مشکل سے دس ہزار تھی" —— جالینوس نے قہر بھری آواز میں کہا —— "اور تم کم و بیش تیس ہزار حرامخور تھے .... اپنے زخم دکھاؤ۔"

"اتنا سا زخم کھا کر تم بھاگ آئے" —— جالینوس نے اُس کی ٹانگ کا معمولی سا زخم دیکھ کر کہا "تم دو سو سپاہیوں کے کمانڈر تھے۔ تم اکیلے نہیں بھاگے، تمہارے پیچھے پیچھے دو سو سپاہی بھاگ آئے۔"

اتنے میں جالینوس کے دستوں کا ایک افسر اُس کے پاس آیا اور اُسے بتایا کہ اُسے سقاطیہ کے ایک بھگوڑے نے بتایا ہے کہ نمارق سے اپنی فوج کے آدمی بھاگ کر سقاطیہ پہنچے اور انہوں نے نرسی، بندویہ اور تیرویہ کے دستوں میں عربی مسلمانوں کی بہادری اور خونخواری کی ایسی خوفناک باتیں سنائیں کہ سقاطیہ کے دستوں میں بے دلی پھیلا دی۔ سقاطیہ کی شکست اسی کا نتیجہ ہے۔

"وہاں کے بھگوڑے ہمارے کیمپ میں آرہے ہیں" —— اس افسر نے کہا —— "مجھے بتایا گیا ہے کہ وہ ویسی ہی فرضی کہانیاں ہمارے سپاہیوں کو سنا رہے ہیں۔"

"میرا حکم سب تک پہنچا دو" — جالینوس نے کہا — "ہمارے دستوں کا کوئی آدمی ہر کے کسی بھگوڑے کو اپنے خیمے میں داخل نہ ہونے دے نہ کوئی کسی بھگوڑے کے پاس اس کی باتیں سُنے۔ سقاطیہ سے آنے والے کسی بھی فوجی کے عہدے کا لحاظ نہ کیا جا انہیں علیحدہ رکھا جائے .... اور اپنے تمام دستوں کو ایک جگہ صفوں میں کھڑا کرو، میں آ رہا ہوں"

❁

"اسلام اور سرزمینِ عرب کی ناموس کے محافظو!" — سقاطیہ میں سپہ سالار مجاہدین کے لشکر سے مخاطب تھا — "واللہ بما تعملون بصیرۃ (تم جو کرتے ہو سب اللہ کی نظر میں ہے) تم راہِ حق پر جہاد کے لیے گھروں سے نکلے ہو اللہ کا حکم ہے جس کی تم تعمیل کر رہے ہو۔ اس کا اجر تمہیں اللہ ہی دے گا۔ اللہ کا اجر دیکھ اللہ کے دین کے منکروں کی لاشیں دیکھ لو۔ ان کے زخمیوں کو تڑپتا اور مرتا دیکھ لو۔ یہ تعداد میں تم سے تین گنا تھے۔ اللہ نے تمہیں ان پر فتح و نصرت عطا کی۔ یہ تمہارا انعام ہے تمہیں دنیا میں ملا ہے اور جو انعام آخرت میں ملے گا وہ بے حساب ہوگا....

"آج تمہارا حق تھا کہ تم آرام کرتے لیکن آگ کے ان پجاریوں کا ایک اور لشکر یہاں ایک رات کی مسافت پر پڑاؤ کیے ہوتے ہے۔ یہ لشکر ان کی مدد کے لیے آ رہا تھا جن سے کوئی ایک بھی زندہ یہاں موجود نہیں۔ زندہ رہنے والے بھاگ گئے ہیں اور وہ وہاں جا رہے ہیں جہاں ان کی کمک ٹھہری ہوئی ہے۔ تم تھکے ہوئے ہو، وہ تازہ دم ہیں۔ ہم ان پر نہیں حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ اپنی روحانی قوتیں بیدار کر لو اور اللہ کے حضور سرخرو ہو جاؤ۔ عجمیوں پر ثابت کر دو کہ عربی اللہ کے محبوب بندے ہیں اور عربوں کو اللہ نے رسالت سے نوازا ہے"

"....اور مت سنو ان کی باتیں جو سقاطیہ سے بھاگ آئے ہیں" — جالینوس اپنے دستوں سے مخاطب تھا — "عرب کے ان بدوؤں سے مت ڈرو۔ یہ بھگوڑے تمہیں یہ تاثر دے رہے ہیں کہ یہ تو بہت بہادر ہیں لیکن مسلمانوں کے ہاتھ میں کوئی جادو ہے جو ان کی مخالف فوج کی طاقت سلب کر لیتا ہے۔ میں نے ان بھگوڑوں کو الگ کھڑا کر رکھا ہے۔ یہ زرتشت کے گناہگار بندے ہیں۔ یہ سلطنتِ فارس کے غدار ہیں۔ ان کے چہرے دیکھو۔ یہ منحوس چہرے ہیں۔ مسلمان اپنے مذہب کو سچا مذہب کہتے ہیں۔ تم انہیں شکست دے کر ثابت کر دو کہ تمہارا سچا ہے۔ تم نے ان کا نام و نشان مٹا کر ان کے مذہب کو ہمیشہ کے لیے ختم کرنا ہے۔ پھر ان کا ملک عرب بھی سلطنتِ فارس میں شامل ہوگا۔ مت بھولو کہ تم نے رومیوں کی طاقت کو اپنے گھوڑوں کے سُموں تلے کچلا ہے۔ فارس کی فوج کے تم جیسے بہادروں نے

کے ہرقل کو شکست دی ہے جسے رومی جنگ کا دیوتا کہا کرتے تھے....

"آج رات تم نے ہوشیار رہنا ہے۔ خیمہ گاہ کے ارد گرد سنتریوں کی نفری زیادہ ہوگی۔ مسلمان فتح کے نشے میں شب خون مارنے آ جائیں۔ وہ آئیں تو ان میں کوئی زندہ نہ جائے۔ خیمہ گاہ کے باہر ہی انہیں گھیر کر ان کے جسموں کا قیمہ بنا دو۔ میں سقاطیہ کی طرف سے آنے والے راستوں پر گھات کا انتظام کر رہا ہوں"

جالینوس نے اپنے دستوں کو گرما بھڑکا کر بیدار کر دیا اور سقاطیہ کے بھگوڑوں کو مجرموں کی طرح الگ کر دیا کہ وہ کسی کے ساتھ بات بھی نہ کر سکیں۔

ابوعبید کا لشکر سقاطیہ سے چل پڑا۔ اب مجاہدین کی تعداد نو ہزار سے کچھ کم تھی۔ کچھ شہید ہوئے بہت سے زخمی ہوئے اور چند سو مجاہدین کو پیچھے چھوڑ دیا گیا تھا۔ مجاہدین کے جسم تھکن سے چُور تھے۔ ایک روز پہلے انہوں نے کُوچ کیا تھا۔ رات بیدار رہے اور اگلے دن بڑے ہی گھمسان کی لڑائی لڑی اور اس کے فوراً بعد بارسما کی طرف پیشقدمی کا حکم مل گیا۔ گھوڑے بھی تھکے ہوئے تھے۔ ابوعبید نے گھوڑسوار مجاہدین سے کہا تھا کہ وہ راستے میں پیادوں کو گھوڑے دیتے رہیں تاکہ انہیں سارا سفر پیدل نہ طے کرنا پڑے۔ بہت سے پیادہ مجاہدین کو فارسیوں کے گھوڑے مل گئے تھے۔

❁

جالینوس نے رات بھر اپنے دستوں کو بیدار رکھا تھا اور اُس نے خیمہ گاہ سے کچھ دُور ایک ایسے علاقے میں جہاں مٹی کے ٹیلے اور وسیع کھڈ تھے، دو جگہوں پر گھات لگا دی تھی۔

رات گزر گئی۔ کچھ بھی نہ ہُوا۔ مجاہدین تازہ دم ہوتے تو ان کی رفتار تیز ہوتی۔

ابوعبید کے ساتھ مثنیٰ بن حارثہ اور [illegible] بن قیس جیسے منجھے ہوئے سالار تھے۔ ان کے مشورے ابوعبید کے لیے بڑے ہی کارآمد تھے۔ بارسما کی طرف ان کا کُوچ ایک کالم کی صورت میں تھا لیکن بارسما سے کچھ دُور سالاروں نے اپنے لشکر کو جنگی ترتیب میں پھیلا دیا۔ اس ترتیب میں یہ لشکر کم و بیش ایک میل تک پھیل کر آگے بڑھ رہا تھا۔

جالینوس کے ایک جگہ دو سو سوار گھات میں چھپے ہُوئے تھے۔ انہیں معلوم نہیں تھا کہ مسلمان کس ترتیب میں آ رہے ہیں۔ وہ اچانک مجاہدین کو نظر آ گئے۔ اُنہوں نے بھاگنے کی کوشش کی لیکن انہیں گھوڑوں پر سوار ہونے کی بھی مہلت نہ ملی۔ مجاہدین نے انہیں گھیرے میں لے لیا اور کسی ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑا۔ ان کے گھوڑے اور برچھیاں پیادہ مجاہدین کو دے دی گئیں اور ان مجاہدین کو سوار دستوں میں شامل کر لیا گیا۔

جالینوس کو قبل از وقت اطلاع مل گئی کہ مسلمان آ رہے ہیں۔ اُس وقت سورج کچھ اُٹھ آیا تھا جالینوس نے اپنے دستوں کو فوراً جنگی ترتیب میں آنے کا حکم دیا۔ اُسے معلوم نہیں تھا کہ مُ جو ایک میل وسعت میں دائیں بائیں کو پھیلے ہوئے ہیں وہ کیا چال سوچ کر آ رہے ہیں۔

بلاذری نے لکھا ہے کہ جالینوس نے غالباً یہ سوچا تھا کہ مسلمان کل کی لڑائی اور رات کے سفر کے تھکے ہوئے ہیں۔ اُس نے مسلمانوں کے قلب پر حملہ کر دیا۔ ابوعبید اسی حصے میں تھے۔ پرچم اُس کے ساتھ تھا۔ ابوعبید نے تین بار نعرہ لگایا ——"اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر"—— اس کے ساتھ ہی مسلمان مقابلے کے لیے تیار ہو گئے۔

"آج عربوں کی زندگی عجمیوں کے ہاتھ میں ہے"—— یہ جالینوس کا نعرہ تھا۔

فارسی تازہ دم تھے۔ وہ کسی میدانِ جنگ سے نہیں بلکہ مدائن سے آرام کے شب و روز کے آئے تھے۔ گزشتہ شام جالینوس کے حکم سے اِردگرد کے دیہات سے اس کے فوجی کی بھیڑ بکریاں اور مویشی جبراً کھول لائے تھے اور انہیں ذبح کر کے سپاہیوں کو کھلا گیا تھا۔ سپاہیوں کو اور زیادہ خوش کرنے کے لیے کھانے کے ساتھ ان میں مفت شراب تقسیم کی گئی تھی۔

"....اور یہ لڑائی عربوں کو بہت مہنگی پڑے گی"—— جالینوس نے اپنے خطاب میں سپا سے کہا تھا ——"اور تم مالا مال ہو جاؤ گے۔ عربوں نے ہر شہر سے بہت سونا لُوٹا ہے۔ یہ ان کے پاس ہے۔ یہ سب تمہارا مال ہے۔ اس میں سے شاہی محل کا حصہ نہیں نکالا جائے گا۔ جتنا مال اکٹھا کرے گا وہ اُسی کا ہو گا۔"

فارسیوں کا حملہ اتنا شدید تھا کہ ابوعبید کے قلب کے دستے اس کے آگے قدم نہ جما کچھ تو وہ حملے کی شدت سے پیچھے اور زیادہ تر دانستہ پیچھے ہٹنے لگے تاکہ فارسی اور آگے آ جائیں۔ مسلمان ہوش و حواس اور حوصلہ قائم رکھ کر بے جگری سے مقابلہ کرتے ہوئے پیچھے ہٹ رہے تھے۔

کچھ وقت گزرا تو جالینوس کو اپنے عقب میں شور و غل سنائی دیا۔ اُس نے اُدھر دیکھا اُس کے اوسان خطا ہو گئے۔ اُس نے اپنی فوج کے جو دو حصے مسلمانوں کے پہلوؤں پر حملے کے لیے پیچھے چھوڑے تھے، اُن پر عقب سے حملہ ہو گیا تھا۔ ان دونوں حصوں کے افسر اور سپاہی اپنے دستوں کے حملے کا تماشہ دیکھ رہے تھے کہ اُن پر عقب، دائیں اور بائیں سے حملہ ہو گیا۔ حملہ اتنا اچانک تھا کہ فارسی بوکھلا گئے۔ انہیں یہ تو پتہ ہی نہ چلا کہ حملہ آوروں کی تعداد اُن سے بہت کم ہے۔ وہ ان کی تعداد بہت زیادہ سمجھ رہے تھے۔ اُنہوں نے مدائن میں مسلمانوں کی فتوحات

اور اپنی فوج کی ہر جگہ شکست کی خبریں بھی سُنی تھیں اور یہ بھی سنا تھا کہ مسلمان وحشی اور خونخوار ہیں جو اپنی جانوں کی پرواہ ہی نہیں کرتے۔

تاریخ نویس ابنِ خلکان نے لکھا ہے کہ خود جالینوس بوکھلا گیا۔ اُس کے لیے یہ حملہ متوقع تو تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ مسلمانوں کے پہلوؤں کے دستے بھی ہیں لیکن اُسے یہ توقع نہیں تھی کہ تھکے ماندے مسلمان اتنی جلدی حملہ کر دیں گے۔ اُس نے لڑائی کا اپنا جو پلان بنایا تھا وہ ناکام ہو گیا۔ اُس کے پیچھے والے دستے عقبی حملے کے دباؤ سے آگے گئے اور اپنے اُن دستوں میں چلے گئے جنہوں نے مسلمانوں کے قلب پر حملہ کیا تھا۔ اس طرح جالینوس کی ترتیب اور تنظیم گڈمڈ ہو گئی۔ فارسی سوار اپنے گھوڑوں تلے اپنے ہی پیادوں کو کچل رہے تھے۔

فارسی تعداد میں زیادہ تھے۔ مسلمان کم تعداد کی وجہ سے انہیں پوری طرح گھیرے میں نہ لے سکے۔ فارسی لڑائی سے نکل نکل کر بھاگنے لگے۔ اتنے میں جالینوس کا پرچم غائب ہو گیا۔ مجاہدین نے نعرے لگانے شروع کر دیئے ——"ان کا پرچم گر گیا ہے"—— فارسیوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ مجاہدین نے انہیں چُن چُن کر مارا۔

جالینوس نے مدائن جا کر دم لیا۔

***

جالینوس سے پہلے چند ایک گھوڑ سوار میدانِ جنگ سے بھاگ کر مدائن پہنچے تھے۔ رستم کو پتہ چل گیا اور اُس نے ان سب کو بلایا۔ رستم کو قہر و غضب کی کیفیت میں دیکھ کر یہ بھگوڑے کانپنے لگے۔ اُنہوں نے لڑائی کی تفصیل سنائی۔ رستم غصے سے باؤلا ہو گیا۔

"جالینوس کہاں ہے؟"—— اُس نے گرجتی ہوئی آواز میں پوچھا ——"کیا وہ مارا گیا ہے؟"

"کچھ معلوم نہیں"—— ہر سوار نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ ایک نے کہا ——"پرچم غائب ہو گیا تھا۔"

"اب میں یہ سننا چاہتا ہوں کہ جالینوس مارا گیا ہے"—— رستم نے کہا ——"اگر وہ زندہ ہے تو اُسے میں مار ڈالوں گا۔"

اُس وقت رستم کے پاس ایک بزرگ مفکر آیا بیٹھا تھا۔ رستم باہر کھڑا غصے میں گرج رہا تھا۔ یہ واقعہ تاریخ کے دامن میں محفوظ ہے کہ رستم کے متعلق مشہور تھا کہ وہ علمِ نجوم میں مہارت رکھتا تھا اور آنے والے حالات و واقعات کی پیش گوئیاں کیا کرتا تھا۔ بزرگ مفکر نے اُسے اندر بلایا۔

"کیا ہو گیا ہے رستم؟"—— بزرگ نے پوچھا۔

"مردان شاہ، جابان، نرسی، بندویہ اور تیرویہ کے بعد جالینوس بھی مسلمانوں سے شکست کھا گیا ہے"—— رستم نے کہا۔

"میں نے سنا ہے کہ تم نے ستاروں کی گردش سے حساب لگا کر کہا تھا کہ سلطنتِ فارس کا انجام ٹھیک نہیں ہوگا؟" ——— بزرگ نے پوچھا۔

"ہاں" ——— رستم نے جواب دیا ——— "میں نے ایسے ہی کہا تھا۔"

"پھر تم نے سلطنت کی ذمّہ داریاں اپنے سر کیوں لے لی ہیں؟" ——— بزرگ مفکّر نے پوچھا۔

"اقتدار کی ہوس اور حکومت کے لالچ میں!" ——— رستم نے جواب دیا۔

رستم کے یہ الفاظ تقریباً ہر مورخ نے لکھّے ہیں۔

سقاطیہ کے بعد بارسماء کے مقامات پر فارسیوں کی شکستیں مسلمانوں کی بہت اہم فتوحات تھیں۔ یہ زرخیز اور آباد علاقے تھے۔ بارسماء دولت اور طاقت والے جاگیرداروں اور رئیسوں کی بستی تھی۔ وہ ایک اشارے پر اپنی فوج تیار کر سکتے تھے۔

سورج غروب ہو رہا تھا جب تین چار شہری مجاہدین کے پاس آئے۔ وہ ڈرے ڈرے لگتے تھے۔ انہوں نے مجاہدین سے کہا کہ وہ سپہ سالار سے ملنا چاہتے ہیں۔ مجاہدین نے ملاقات کی وجہ پوچھی جو انہوں نے نہ بتائی۔ صرف یہ کہا کہ وہ فریاد لے کے آئے ہیں۔ ابوعبید کو اطلاع دی گئی۔ اُس نے انہیں فوراً بلالیا۔

"فارس کے بھگوڑے فوجی شکست کھا کر ہمارے گھروں میں گھُس آئے ہیں" ——— ان میں سے ایک نے کہا ——— "وہ اردگرد کے دیہات میں پھیل گئے ہیں۔ پہلے انہوں نے ہماری بھیڑ اور بکریاں اور ہمارے مویشی ہم سے چھینے اور کھا گئے۔ اب وہ ہمارے گھروں میں آ گئے ہیں۔ پہلے انہوں نے کہا کہ کھانا تیار کرو اور کھانے کے ساتھ شراب ضرور ہو۔ ان کا یہ حکم مانا تو انہوں نے ہماری عورتوں پر دست درازی شروع کر دی۔ کسی بھی بستی میں جا کر دیکھیں۔ کسی کے گھر کی عزّت محفوظ نہیں رہی۔"

"اور یہاں کے جاگیردار جو بادشاہ کے درباری ہیں ہمیں مجبور کر رہے ہیں کہ ہم ان فوجیوں کو اپنی جوان عورتیں پیش کریں" ——— ایک اور فریادی بولا۔

"خُدا کی قسم، یہاں کے لوگوں کی عزّت ہماری عزّت ہے" ——— ابُوعبید نے بھڑک کر کہا ——— "جہاں اسلام کا سایہ پہنچ گیا ہے وہاں کے نیک و بد کے ذمہ دار مُسلمان ہیں۔ ہم کچھ دینے لینے نہیں آئے۔ اگر ہم ایسے ہوتے تو تمہارے بھگوڑوں سے پہلے ہم تمہارے گھروں میں پہنچتے اور یہی کچھ کرتے جو تمہارے اپنے فوجی کر رہے ہیں.... تم جاؤ، ہم آتے ہیں۔"

"ہم آپ کو دو رئیسوں کے نام بتا دیتے ہیں" ——— ایک فریادی نے کہا ——— "ایک فرخ ہے جو شہزادوں کی طرح رہتا ہے اور دوسرے کا نام فراوندا ہے۔ وہ یہاں سے کچھ دور ایک بستی زوابی میں رہتا ہے۔ یہ دونوں شاہی خاندان کے پالتو خوشامدی ہیں۔"

ابُوعبیدہ نے مثنیٰ بن حارثہ اور سلیمان بن قیس کو بلایا۔

"میں یہیں رہوں گا" ——— ابوعبید نے دونوں سالاروں سے کہا ——— "مالِ غنیمت کی تقسیم اور دوسرے کام میں خود کرلوں گا۔ تم دونوں اپنے ساتھ جتنی جتنی نفری لے جانا چاہتے ہو، لو، اور دور نزدیک کی بستیوں کو فارسی بھگوڑوں سے صاف کر دو" ——— ابُوعبید نے انہیں بتایا کہ اس علاقے کے ان آدمیوں نے کیا فریاد کی ہے، پھر کہا ——— "ان لوگوں کو اعمال اور افعال سے بتاؤ کہ تکریم النساء اسلام کے بنیادی اصولوں میں سے ہے۔ یہ لوگ خود توحید اور رسالت کو مان لیں گے۔"

*

مثنیٰ بن حارثہ نے بارسماء کی بستی کو گھیرے میں لے لیا اور چاروں اطراف سے اعلان کرایا کہ فارس کے فوجی باہر نکل آئیں اور جو فوجی چھُپا ہوا ملے گا اُسے وہیں قتل کر دیا جائے گا۔ اعلان میں یہ بھی کہا گیا کہ فوجیوں نے جو چیزیں لوگوں کے گھروں سے اٹھائی ہیں وہ اُن ہی گھروں کو واپس کر دیں۔ اعلان میں یہ بھی کہا کہ جس گھر میں کوئی فوجی موجود ہے اُس گھر کا بڑا آدمی آکر ہمیں بتائے۔

اعلان ہوتے ہی چند ایک فوجی باہر آ گئے۔ اُن کے پیچھے پیچھے ایک ادھیڑ عمر آدمی دوڑا آیا اور ایک فوجی کی پیٹھ پر ہاتھ رکھا۔

"اس شخص نے میری کنواری بیٹی کی عزّت لُوٹ لی" ——— اس آدمی نے مثنیٰ کے آگے فریاد کی ——— "اور یہ ہمیں قتل کی دھمکیاں دیتا رہا ہے۔"

مثنیٰ کے حکم سے اس فوجی کو الگ کھڑا کر دیا گیا۔

کچھ دیر بعد دو چار اور فوجی باہر آ گئے۔ ان میں سے بھی ایک نے ایک عورت کی آبروریزی کی تھی۔ اسے بھی الگ کھڑا کر دیا گیا۔

ان کے بعد بارسماء کا جاگیردار فرخ باہر آیا اور مثنیٰ بن حارثہ سے مِلا اور اپنا تعارف کرایا۔

"میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ ان فوجیوں کو معاف کر دیں" ——— فرخ نے کہا ——— "اور انہیں مدائن جانے دیں۔"

"کیا عربوں کو تم جاہل سمجھتے ہو؟" ——— مثنیٰ نے کہا ——— "کیا میں سمجھ نہیں سکتا کہ تم ان فوجیوں کو ہم سے چھُڑا کر ملکۂ فارس اور اُس کے سپہ سالار کو خوش کرنا چاہتے ہو؟.... اور تم ابھی تک اپنے آپ کو ملکۂ فارس کی رعایا سمجھ رہے ہو؟ یہ علاقہ اب فارس کی سلطنت سے نکل گیا ہے۔ اگر تم مجرموں کی حمایت کرو گے تو قتل کر دیئے جاؤ گے۔ یہ بزدل، بھگوڑے ان بےگناہ لوگوں کے مال و متاع اور ان کی عزّتیں لُوٹ رہے ہیں اور تم ان کی پشت پناہی کر رہے ہو۔"

"یہ میری بھول تھی معزز سالار!" ـــ فرخ نے مثنیٰ کے تیور دیکھ کر کہا ـــ "میں نے یہ نہیں تھا کہ یہ علاقہ اب آپ کی بادشاہی میں آگیا ہے۔"

"ہماری بادشاہی میں نہیں" ـــ مثنیٰ نے کہا ـــ "اللہ کی بادشاہی میں..... اور اللہ کی بادشاہی میں کوئی انسان کسی انسان پر ظلم نہیں کر سکتا۔ ہم انسانوں کو ان کے حقوق اور عدل و انصاف دینے آئے ہیں۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ تم اس علاقے کے بادشاہ بنے ہوئے ہو۔ جاؤ اور تمام فوجیوں کو باہر لاؤ اور انہیں کہو کہ لوگوں کے گھروں سے لوٹا ہوا مال ساتھ لے آؤ۔"

فرخ دوڑا گیا اور کچھ ہی دیر بعد جالینوس کے دستوں کے فوجی جن میں چند ایک عہدیدار بھی تھے باہر آگئے۔ انہوں نے جو اشیاء لوگوں کے گھروں سے اٹھائی تھیں وہ مثنیٰ کے آگے زمین پر دیں۔ بستی کے لوگوں کو بلایا گیا کہ وہ اپنی اشیاء شناخت کر کے لے جائیں۔

پھر بستی کے لوگوں سے کہا گیا کہ وہ اُن فوجیوں کو پہچانیں جنہوں نے ان کی عزتیں لوٹی ہیں۔ لوگوں نے کم و بیش بیس فوجیوں کو آگے کر کے کہا کہ انہوں نے ان کے گھروں میں من مانیاں کی تھیں۔

مثنیٰ نے ان میں سے ایک کو دھکیل کر آگے کیا اور گھٹنوں کے بل بٹھا کر اس کی گردن جھکا دی۔

"اس کے ہاتھوں ستائی ہوئی عورت کو آگے لایا جائے" ـــ مثنیٰ نے بستی کے لوگوں کے ہجوم سے کہا۔

ذرا وقفے سے ایک نوخیز لڑکی اپنے باپ کے ساتھ آگے آئی۔ مثنیٰ نے اپنی تلوار نیام سے کھینچ کر لڑکی کو دی اور اُسے کہا کہ اس شخص کی گردن اڑا کر اپنی بے عزتی کا انتقام لے۔

لڑکی کی عمر بمشکل سولہ برس تھی۔ اُس نے تلوار اس فوجی کی گردن پر رکھی اور دونوں ہاتھوں سے اوپر اٹھائی۔ کچھ دیر تلوار اوپر ہی اٹھی رہی اور لڑکی کے ہاتھ کانپنے لگے۔ آخر لڑکی نے تلوار نیچے کر کے مثنیٰ کی طرف بڑھا دی اور وہ رونے لگی۔ ایک مجاہد دوڑ کر آگے آیا۔ وہ بیس بائیس برس عمر کا خوبرو جوان تھا جو صہیب ثقفی کے نام سے مشہور ہو گیا تھا۔ اُس کی شہرت غیر معمولی شجاعت کی بدولت تھی۔ اُس کا پورا نام صہیب ابن القدر تھا۔ وہ ابوعبید کے قبیلے ثقیف میں سے تھا۔

"میں اس لڑکی کا انتقام لوں گا" ـــ اُس نے پُرجوش آواز میں کہا اور اپنی تلوار کے ایک ہی وار سے اُس نے اس فارسی کا سر اُس کے جسم سے الگ کر دیا۔ اُس نے لڑکی کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا ـــ "ہم تمہاری عزت کے محافظ ہیں۔"

صہیب ثقفی جس تیزی سے آیا تھا اُسی تیزی سے واپس جا کر اپنی جگہ چلا گیا لیکن لڑکی اسے وہیں کھڑی حیرت زدہ نظروں سے دیکھتی رہی۔

مثنیٰ بن حارثہ کے حکم سے باقی آدمیوں کو بھی اسی طرح سزائے موت دی گئی۔ کسی کو مظلوم عورت

نے اپنے ہاتھوں قتل کیا اور کسی کا سر کسی مجاہد نے تن سے جدا کیا۔ بستی میں سے دوسرے جو فوجی برآمد ہوئے انہیں جنگی قیدی بنا لیا گیا۔

"میں آپ کی اطاعت قبول کرتا ہوں" ـــ فرخ نے کہا۔

اُدھر ایک اور بستی زوابی میں بھی یہی منظر بنا ہوا تھا۔ وہاں دوسرے سالار سلیط بن قیس گئے۔ وہاں بھی فرخ جیسا ایک جاگیردار تھا جس کا نام فراوندا تھا۔ وہ فرخ سے زیادہ طاقتور تھا۔ اُس نے مزاحمت کی بھی کوشش کی تھی لیکن بستی کے لوگوں نے اُس کا ساتھ نہیں دیا تھا۔ اُسے پکڑ کر سلیط کے سامنے کھڑا کیا گیا۔

"کیا تم نے اپنے بہادر اور شیر دل سالاروں کا انجام نہیں سنا؟" ـــ سلیط نے اُسے کہا ـــ "کیا جالینوس سے بڑھ کر کوئی اور بہادر سالار تمہاری فوج میں تھا؟..... کہاں ہے تمہارا جالینوس؟..... اُس نے ہم سے ایسی شکست کھائی ہے کہ بھاگتا نظر نہیں آیا۔ کیا تم جالینوس سے زیادہ بہادر ہو؟"

"میری بستی کے لوگوں نے مجھے دھوکہ دیا ہے" ـــ اس فارسی جاگیردار نے کہا ـــ "اگر یہ میرا ساتھ دیتے تو میں مقابلہ کرتا۔"

"اب تمہارا ساتھ کوئی نہیں دے گا" ـــ بستی کے ایک آدمی نے بلند آواز سے کہا ـــ "تمہاری بادشاہی ختم ہو گئی ہے۔"

اس ایک آواز کے ساتھ ہی بستی کے لوگوں نے شور و غل بپا کر دیا۔ پتہ چلا کہ جالینوس کے بھگوڑے فوجیوں کو اس نے اپنی بستی میں پناہ دی تھی اور لوگوں کو حکم دیا تھا کہ ان فوجیوں کو تقسیم کر کے اپنے گھروں میں رکھیں۔ یہاں بھی فوجیوں نے ہوس کاری کے مظاہرے کیے اور لوگوں کو بہت پریشان کیا۔

سلیط بن قیس نے سترہ اٹھارہ فوجیوں کے سر تن سے جدا کر دیئے اور باقی سب کو جنگی قیدی بنا لیا۔ فراوندا نے اطاعت قبول کر لی۔

مثنیٰ بن حارثہ اور سلیط بن قیس مختلف سمتوں کو دور دور تک چلے گئے اور فارس کے چھپے ہوئے فوجیوں کو پکڑ لاتے۔ میدانِ جنگ سے بھاگے ہوئے یہ فوجی اس ڈر سے مدائن نہیں جاتے تھے کہ ان کا کمانڈر انچیف رستم انہیں سزا دے گا۔

محمد حسنین ہیکل اپنی کتاب "فاروقِ اعظم" میں ایک واقعہ لکھتا ہے۔ اس وسیع و عریض علاقے کے جاگیرداروں اور رئیسوں کو یقین ہو گیا کہ اُن کے علاقے سلطنتِ فارس سے نکل کر مسلمانوں کے قبضے میں آگئے ہیں اور انہوں نے یہ بھی دیکھ لیا کہ مسلمان خوشامد پسند نہیں اور یہ بادشاہ بھی نہیں اور

یہ عزتیں لوٹنے کی بجائے عزتوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ یہ لوگ اتنے متاثر ہوئے کہ انہوں نے ابوعبید اور اُس کے سالاروں کو اپنے ہر طرح کے تعاون کا یقین دلایا۔

محمد حسنین ہیکل مستند مؤرخوں کے حوالے سے لکھتا ہے کہ ابوعبید اپنے سالاروں کے ساتھ بارسما میں تھا کہ ایک روز فرخ اور فراونداد ان کے لیے نہایت مرغن اور پُرتکلف کھانا لائے جو انواع و اقسام کے کھانے تھے۔ یہ اُن کی عقیدت مندی کا اظہار تھا۔

ابوعبید نے یہ شاہانہ کھانا دیکھا پھر اپنے سالاروں کی طرف دیکھا۔

"کیا یہ کھانا میرے پورے لشکر کے لیے کافی ہو گا؟" ـــــ ابوعبید نے پوچھا۔

"نہیں" ـــــ ایک جاگیردار نے کہا ـــــ "یہ صرف آپ کے لیے ہے.... سالاروں کے لیے" ـــــ اُس نے ہنس کر کہا ـــــ "سپاہیوں کو ایسا کھانا کون دیتا ہے!"

"پھر یہ کھانا واپس لے جاؤ" ـــــ ابوعبید نے کہا ـــــ "ہمارے لشکروں میں سالار بھی وہی کھانا کھاتے ہیں جو سپاہی کھایا کرتے ہیں۔ یہ ہمارے سپاہی نہیں اللہ کے سپاہی ہیں۔ اگر تم پورے لشکر کو ایسا ہی کھانا دے سکتے ہو تو ہم بھی کھالیں گے ورنہ نہیں۔"

"فاروقِ اعظم" میں لکھا ہے کہ جاگیرداروں نے بڑی عجلت میں مجاہدین کے پورے لشکر کے لیے ایسا ہی کھانا تیار کرایا جو سالاروں نے مجاہدین کے ساتھ زمین پر بیٹھ کر کھایا۔

انہی تاریخ نویسوں نے ایک واقعہ یہ بھی لکھا ہے کہ مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ بیت المال کے لیے مدینہ بھیجا گیا تو اس کے ساتھ اس علاقے کی ایک خاص قسم کی کھجور بھی حضرت عمرؓ کے لیے بھیجی گئی۔ اس کھجور کا نام نرسیان تھا۔ یہ فارس کے صرف شاہی خاندان اور جرنیل کھاتے تھے۔ عام لوگوں کے نصیب میں یہ کھجور نہیں تھی۔ ابوعبید نے یہ کھجور اپنے لشکر میں تقسیم کرنے کے علاوہ اس علاقے کے غریب کسانوں میں تقسیم کی اور حکم جاری کیا کہ آئندہ یہ کھجور ہر خاص و عام کھا سکتا ہے۔

مدینہ میں خوشیاں ناچ رہی تھیں اور مدائن پر شکست اور مایوسی کی کالی گھٹائیں چھا گئی تھیں۔ رستم نے مسلمانوں کے خلاف ایک خوفناک جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔

رستم نے جنگ کی تیاریاں تو شروع کر دیں لیکن اس کے انداز اور چال ڈھال سے شک ہوتا تھا جیسے وہ اندر سے ہل گیا ہو۔ وہ غصے سے گرجتے گرجتے اچانک چُپ ہو جاتا اور خلاء میں گھورنے لگتا۔ ابھی جالینوس اُس کے سامنے نہیں آیا تھا۔ سقاطیہ کی شکست کی وہ تفصیل سن چکا تھا۔

"زرتشت کی قسم!" ـــــ اُس نے کہا ـــــ "سلطنتِ فارس کا یہ انجام نہیں ہونا چاہیئے تھا" ـــــ اُس نے اپنے آپ سے باتیں کرنے کے انداز سے دبی دبی آواز میں کہا ـــــ "یہ کیا ہو رہا ہے؟.... شکست.... ہر میدان میں شکست.... کیا ہم میں غدار تو نہیں پیدا ہو گئے؟.... کیا مسلمان رومیوں سے زیادہ طاقتور ہیں؟.... نہیں ان کی تعداد تو بہت ہی تھوڑی ہے" ـــــ اُس نے کمرے کے وسط میں کھڑے کھڑے سر جھکا لیا اور ہاتھ پیٹھ پیچھے کر کے کمرے میں اس طرح قدم گھسیٹ گھسیٹ کر چلنے لگا جیسے وہ بھی سقاطیہ سے شکست کھا کر آیا ہو۔

"رستم!" ـــــ اُسے ملکہ فارس پوران کی آواز سنائی دی جو کمرے میں موجود تھی ـــــ "کیا تم یقین سے کہتے ہو کہ سلطنتِ فارس انجام کو پہنچ رہی ہے؟"

"اوہ!" ـــــ رستم نے چونک کر کہا ـــــ "ملکہ فارس! معلوم نہیں...."

"ملکہ فارس نہیں رستم!" ـــــ پوران نے کہا ـــــ "پوران کہو۔ کئی بار کہہ چکی ہوں مجھے ملکہ فارس نہ کہا کرو.... اور سنو رستم! آئے دن شکست کی خبریں سُن سن کر تمہاری جذباتی حالت ٹھیک نہیں رہی۔ کچھ وقت کے لیے شکست کو ذہن سے نکال دو۔ دل سے یہ بوجھ اٹھا دو۔ غصے اور غم کی حالت میں نہ سوچو۔ میرے پاس آجاؤ۔ اس وقت تمہیں میری ضرورت ہے۔"

رستم نے پوران کی طرف یوں دیکھا جیسے ڈرا ہوا بچہ ماں کو دیکھتا ہے۔ پوران پیالے میں شراب انڈیل رہی تھی۔ رستم اُس کی طرف یوں آہستہ آہستہ چلنے لگا جیسے پوران نے اُس پر سحر طاری کر دیا ہو۔ پوران نے پیالہ دونوں ہاتھوں میں لے کر رستم کی طرف بڑھایا۔ رستم جیسے اس پیالے کا ہی منتظر تھا۔ اس نے لپک کر پوران کے ہاتھ سے پیالہ لے لیا اور پیالہ اُس کے ہونٹوں سے جا لگا۔ دو تین گھونٹ پی کر اُس نے پیالہ تپائی پر رکھ دیا۔

پوران کُرسی سے اُٹھ کر دیوان پر بیٹھ گئی۔ اُس نے رستم کا بازو پکڑ کر اُسے اپنی طرف گھسیٹ لیا۔ دوسرے لمحے رستم پوران کے بازوؤں کی لپیٹ میں تھا اور اُس کے جسم کی تپش پوران کے صحتمند جسم کی حرارت میں گھل مل رہی تھی۔

فارس جو بعد میں ایران کہلایا تین چیزوں کی بدولت مشہور تھا ——— نسوانی حسن، بہترین شراب اور جنگی طاقت ——— جنگی طاقت کی دہشت جنگی ہاتھیوں کی وجہ سے تھی مگر اب فارسیوں کے پاس دو ہی چیزیں رہ گئی تھیں۔ ایک نسوانی حُسن اور دوسری شراب۔ مسلمانوں نے انہیں جنگی طاقت کے زعم اور گھمنڈ سے محروم کر دیا تھا۔

مؤرخ لکھتے ہیں کہ جس رستم کا نام سن کر ہی اُس کے دشمن چونک اُٹھتے تھے، وہ رستم اب ایک بڑی ہی حسین عورت اور شراب کے نشے میں پناہ گزیں ہو گیا تھا۔ وہ ڈر نہیں گیا۔ اُس نے شکست قبول نہیں کر لی تھی۔ اُس کا یہ عزم متزلزل نہیں ہو گیا تھا کہ اپنی فوج کی پے بہ پے شکستوں کو فتح میں بدلے گا اور وہ فارس کی زمین پر کسی ایک بھی مسلمان کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہو گا۔ اُس نے دو تین بار کہا تھا کہ میں اپنی سرزمین پر صرف اُس مسلمان کا وجود برداشت کروں گا جو مُردہ ہو گا اور فارس کی تلواروں اور برچھیوں سے کٹا ہُوا ہو گا۔

رستم سقاطیہ کی شکست کی خبر سن کر خوفزدہ نہیں ہو گیا تھا۔ وہ شراب اور پوران کے توبہ شکن حسن اور اُس کی خود سپردگی میں حقائق سے مفرور ہو کر گم نہیں ہو گیا تھا۔ اُسے حیرت پریشان کر رہی تھی۔ تعجب نے اُس کا دماغ ماؤف کر دیا تھا۔ ایک یورپی تاریخ نویس ولیم سکاٹ نے رستم کی اُس وقت کی جو ذہنی اور جذباتی کیفیت لکھی ہے اس سے یہ منظر آنکھوں کے سامنے آتا ہے کہ پوران نے حسن و جوانی سے دمکتا دہکتا جسم رستم کے حوالے اس مقصد سے کر دیا تھا کہ فارس کا یہ عظیم جرنیل نارمل ذہنی حالت میں لوٹ آئے اور سلطنتِ فارس کی ڈولتی ڈگمگاتی کشتی کو بھنور کی لپیٹ میں جا گرنے سے بچا لے۔

"پوران!" ——— رستم نے پوران کے سینے پر سر رکھے رکھے کہا ——— "میں ان بدوؤں سے بہت بُرا انتقام لوں گا" ——— وہ ٹھہرے ٹھہرے لہجے میں بول رہا تھا ——— "لیکن میں یہ سمجھنے کی کوشش کر رہا ہوں کہ مسلمانوں میں وہ کون سی طاقت ہے جو ہم میں نہیں؟"

"سنا ہے وہ شراب نہیں پیتے" ——— پوران نے کہا۔

"وہ جاہل اور گنوار ہیں" ——— رستم نے طنز کی ——— "شراب ہم جیسی بادشاہ قوم پیا کرتی ہے"

"اور سنا ہے" ——— پُوران نے کہا ——— "وہ جس شہر اور جس بستی کو فتح کرتے ہیں وہاں کی عورتوں کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھتے خواہ کوئی نوجوان لڑکی کتنی ہی حسین کیوں نہ ہو"

"وہ صحرائی جانور ہیں" ——— رستم نے کہا ——— "حُسن کی پرستار ہم جیسی شہنشاہ قوم ہی ہو سکتی ہے" ——— یکلخت اُٹھ بیٹھا اور بولا ——— "مجھے بتایا گیا ہے کہ ہمارے بارسماء کے دو جاگیرداروں فرخ اور داوندا د نے مسلمانوں کے لشکر کو شاہانہ کھانا کھلایا ہے۔ یہ ہیں وہ غدار جو سلطنتِ فارس کی بنیادیں کھوکھلی کر رہے ہیں۔ میں مسلمانوں کو تہس نہس کر کے اپنے ان جاگیرداروں کے خاندانوں کی تمام ... ان کو اپنی فوج کے حوالے کر دوں گا"

"تم نے ابھی تک کسی لڑائی میں ہاتھی کیوں نہیں بھیجے؟" ——— پُوران نے پوچھا۔

"ہر لڑائی میں ہاتھی استعمال نہیں کیے جاتے" ——— رستم نے کہا ——— "ہاتھی ہر لڑائی میں بھیج دیئے جاتے تو اب تک ہمارے پاس ایک بھی ہاتھی نہ ہوتا۔ ہر لڑائی میں ان کی کچھ نہ کچھ تعداد ماری جاتی یا زخمی ہو جاتی۔ ہاتھیوں کو لڑانے کا وقت اب آیا ہے۔ ہاتھی فیصلہ کن معرکے میں لڑائے جاتے ہیں.... ہندوستان کے یہ ہاتھی مسلمانوں کو کچل ڈالیں گے.... جالینوس نہیں آیا؟"

"وہ تمہارے سامنے آنے سے ڈر رہا ہے" ——— پُوران نے کہا ——— "وہ شرمسار ہو گا"

"میں اُسے سزا نہیں دوں گا" ——— رستم نے کہا ——— "میں اُس سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ اُس نے عربوں میں کون سی ایسی طاقت دیکھی ہے جس کا وہ مقابلہ نہیں کر سکا"

❋

ولیم سکاٹ متعدد مؤرخوں کے حوالوں سے لکھتا ہے کہ رستم کی فطرت میں غرور اور تکبّر بھر گیا تھا۔ اُس نے ایسی فتوحات حاصل کی تھیں جن سے وہ مغرور ہو گیا تھا۔ اب مسلمانوں سے شکست پر شکست کھا کر اس کے تکبّر میں کمی نہیں آئی تھی لیکن اُس کا ذہن اس سوال میں اُلجھ گیا تھا کہ مسلمانوں میں وہ کون سی طاقت ہے کہ اتنی تھوڑی تعداد اور معمولی سے ہتھیاروں سے فارس کے ہر جرنیل کو میدان سے بھگاتے چلے آ رہے ہیں۔

وہ انہی سوچوں میں غرق تھا کہ اُسے اطلاع ملی کہ ایک بزرگ اُس سے ملنے آیا ہے۔ نام شاموز بتایا گیا۔ رستم کو یاد آ گیا کہ یہ وہی بزرگ دانشور ہے جس نے اُس سے کچھ دن پہلے پوچھا تھا کہ اسے علمِ نجوم کے ذریعے پتہ چل گیا تھا کہ سلطنتِ فارس کا زوال شروع ہو گیا اور اسے کوئی نہیں روک سکتا تو پھر اُس نے سلطنت کی ذمہ داریاں کیوں اپنے سر لی ہیں؟ رستم نے جواب دیا تھا ——— "اقتدار کی ہوس اور حکومت کے لالچ میں!"

رستم نے اطلاع ملتے ہی کہ شاموز آیا ہے، اُسے اندر بلا لیا اور پُوران کے قریب سے اُٹھ کر کرسی پر جا بیٹھا۔ شاموز اندر آیا تو وہ ملکۂ فارس پوران کے آگے جُھکا۔ رستم نے اُٹھ کر اُس کا استقبال کیا اور احترام سے بٹھایا۔

"اب تمھارے ستارے کیا کہتے ہیں رستم؟" — شاموز نے پوچھا۔

"گردش میں ہیں میرے بزرگ!" — رستم نے جواب دیا — "ستارے دھوکہ دے رہے ہیں۔"

"انسان جب اپنے آپ کو دھوکہ دینے پر آجاتے ہیں تو ان کے ستارے آسمان کی وسعتوں میں بھٹک جاتے ہیں" — شاموز نے کہا۔

"آپ بزرگ اور دانشور ہیں" — رستم نے کہا — "کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ مسلمانوں میں کوئی جادو یا کوئی پُراسرار طاقت تو نہیں؟"

"یہ نظریے اور عقیدے کا معاملہ ہے" — بوڑھے شاموز نے کہا — "تم ستاروں سے آنے والے وقت کی بات پوچھتے ہو اور مسلمان دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ اللہ کی عبادت کرتے ہیں جو سورج، چاند اور ستاروں کو آسمان پر گھماتا پھراتا ہے اور ان کی گردش کے راستے ذرا بھی تبدیل نہیں ہوتے۔"

"تو کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہم بھی ان کے اس عقیدے کو تسلیم کر لیں؟" — رستم نے طنزیہ لہجے میں کہا — "معلوم ہوتا ہے آپ ان کے عقیدے سے متاثر ہیں اور....."

"نہیں" — شاموز نے رستم کی بات کاٹتے ہوئے کہا — "میں ان کی بات سے متاثر نہیں ہو سکتا۔ کیا تم نہیں جانتے کہ میں یہودی ہوں؟ اسلام کی بیخ کنی ہمارا مذہبی فرض ہے۔ میں تمہیں بتانے آیا ہوں کہ اتنی زیادہ شکستیں کھا کر حوصلہ نہ ہار بیٹھنا۔ میں تمھاری حوصلہ افزائی کے لیے آیا ہوں۔ کیا تم جانتے ہو کہ مسلمانوں کے لشکر میں عیسائیوں کی بھی کچھ تعداد ہے؟"

"میں نے سنا ہے" — رستم نے کہا — "اور میں حیران ہوں کہ عیسائی مسلمانوں کے ساتھ کیوں مل گئے ہیں۔"

"عرب ہونے کے ناطے سے!" — شاموز نے کہا — "تم شاید نہیں جانتے کہ ہم نے ہی عیسائی قبیلوں کو مسلمانوں کے لشکر میں شامل ہونے سے روک رکھا ہے۔ کچھ عیسائی مالِ غنیمت کے لالچ میں مسلمانوں سے جا ملے ہیں لیکن ایک وجہ یہ بھی ہے کہ عیسائی تمھاری بادشاہی سے ڈرتے ہیں۔ مسلمانوں میں بادشاہی کا رواج نہیں۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ بادشاہی اللہ کی ہے اور جو لوگ حاکم بنائے جاتے ہیں وہ اللہ کے احکام کی پیروی کرتے اور لوگوں سے پیروی کرواتے ہیں۔ وہ لوگوں پر ذاتی فائدے کے لیے کوئی حکم نہیں چلا سکتے۔"

"کیا یہ ہمارا فرض نہیں کہ اس عقیدے کو توڑ دیں؟" — پوران نے پوچھا۔

"ہاں ملکۂ فارس!" — شاموز نے کہا — "یہ آپ کا فرض ہے..... اور یہی فرض ہمارا ہے..... آپ میدانِ جنگ میں اپنا فرض ادا کریں اور ہم یہودی زمین کے نیچے یہ فرض ادا کر رہے ہیں۔"

شاموز یہودی تھا۔ یہودیت اور ابلیسیت میں سوائے نام کے کوئی اور فرق نہیں۔ اُس نے پوران اور رستم کا یہ عقیدہ اپنے پُراثر استدلال سے پختہ کر دیا کہ شہنشاہیت ان کا آبائی حق ہے اور انہیں اپنی سلطنت کے تحفظ اور توسیع کے لیے ہر طرح کی قربانی دینی چاہیئے ورنہ مسلمان ان پر فتح حاصل کر کے غلام بنا لیں گے۔

"ستاروں کی گردش سے نکلو رستم!" — شاموز نے کہا — "اور مسلمانوں کو اپنی جنگی قوت دکھا دو..... اور انہیں یہ بھی بتا دو کہ اُن کا مذہب ایک دھوکے کے سوا کچھ بھی نہیں..... یہ کام صرف تم کر سکتے ہو۔"

☼

اور جب جالینوس رستم کے سامنے آیا تو رستم کو جیسے پتہ ہی نہیں چل رہا تھا کہ اُسے کیا کہے اور کیا نہ کہے۔ جالینوس کا سر جھکا ہوا تھا۔

"جالینوس!" — کچھ دیر بعد رستم نے وہ سکوت توڑا جو کمرے میں طاری ہو گیا تھا — "اگر شکست کھا کر بھاگنے والے تم اکیلے ہوتے تو آج اس کمرے سے تم زندہ نکل کر نہ جاتے۔ افسوس یہ ہے کہ تم پر مجھے جو اعتماد تھا وہ مجروح ہو گیا ہے۔ تمہیں عربوں کے مقابلے میں بھیج کر میں فتح کی خبر کے انتظار میں تھا..... کیا تم بتا سکتے ہو کہ مسلمانوں میں وہ کون سی طاقت ہے جو ہم میں نہیں؟"

"دہشت!" — جالینوس نے کہا — "یہ ایک ایسی چیز ہے جو ہماری فوج میں ہے مسلمانوں میں نہیں۔ یہ دہشت ہمارے اُن اپنے سپاہیوں نے پھیلائی ہے جو مسلمانوں سے شکست کھا کر بھاگ آتے ہیں..... میں سقاطیہ کے میدانِ جنگ سے اُس وقت نکلا تھا جب میرے سپاہی گیدڑوں کی طرح بھاگ نکلے تھے۔ میرا جذبہ اور حوصلہ قائم ہے۔ میں نے شکست کھائی ہے لیکن میں نے شکست کو قبول نہیں کیا۔ میں اُس وقت تک چین سے نہیں بیٹھوں گا جب تک شکست کا انتقام نہیں لے لوں گا۔"

رستم نے جالینوس کے ساتھ کوئی اور بات نہ کی۔ اُس نے حکم دیا کہ اُس کے جو اعلیٰ فوجی افسر یہاں موجود ہیں انہیں محل کے باہر بلایا جائے۔ اُس نے فوج کے چھوٹے بڑے عہدیداروں کو بھی بلایا۔

رستم باہر نکلا۔ رستم کی پوزیشن تو کمانڈر انچیف جیسی تھی لیکن عملاً فارس کا بادشاہ وہی تھا۔ پوران چونکہ شاہی خاندان کی عورت تھی اس لیے ملکہ اُسی کو بنا تھا۔ اُس نے تمام کے تمام امورِ سلطنت رستم کے حوالے کر دیئے تھے۔ فوج کے جرنیل اور ان سے چھوٹے عہدوں کے افسر رستم

کی اس حیثیت اور اختیارات سے آگاہ تھے اس لیے اسے بادشاہ سمجھ کر اس کی تعظیم کرتے تھے۔

رستم جب باہر نکلا تو ملکہ فارس پوران اُس کے ساتھ تھی اور ان کے پیچھے جالینوس تھا۔

"کیا اسے تم ملکہ کہو گے؟" ——— ایک فوجی افسر نے اپنے ساتھ کھڑے افسر کے کان میں کہا ——— "رستم نے اسے بیوی بنا رکھا ہے۔"

"کون نہیں جانتا!" ——— دوسرے افسر نے کہا ——— "رستم اب وہ رستم نہیں رہا جو میدانِ جنگ کا بادشاہ تھا۔ یہ اب فارس کا بادشاہ بن گیا ہے۔"

رستم قریب آیا تو تمام فوجی افسر تعظیم میں جھک گئے۔

"یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ آدھا فارس مسلمانوں کے قبضے میں چلا گیا ہے" ——— رستم نے کہا ——— "صرف اُن ہی جرنیلوں نے عرب کے مسلمانوں سے شکست نہیں کھائی جو اُن کے مقابلے میں لڑے نہیں.... جابان، مروان، نرسی، جالینوس.... کیا یہ شکست کھانے والے جرنیل تھے؟" ——— رستم نے خاموش ہو کر ایک سرے سے دوسرے سرے تک سب پر نظریں دوڑائیں پھر بولا ——— "اب میں خود کسی جرنیل سے نہیں کہوں گا کہ وہ فوج کی کمان لے اور عربوں کو فارس سے نکالے تم بتاؤ اب کون جاتے؟" ——— تاریخ میں رستم کے یہ الفاظ تحریر ہیں ——— "تمہارے خیال میں کون عجمی عربوں پر غالب آسکتا ہے؟"

"بہمن جادویہ!" ——— بہت سی آوازیں اٹھیں ——— "ہاں ہاں.... عربوں پر بہمن جادویہ ہی غالب آسکتا ہے۔"

بہمن جادویہ کا نام ذوالحاجب تھا بہمن ایک خطاب تھا جو اُسے جارحانہ اور جرأت مندانہ قیادت کے صلے میں ملا تھا۔ رستم بھی اس کی بہادری کا قائل تھا۔ بہمن وہاں موجود تھا۔ رستم نے اُسے آگے بلایا۔

"مسلمانوں کی نفری دس ہزار سے کم ہوسکتی ہے زیادہ نہیں ہوگی" ——— رستم نے کہا ——— "تم اُس سے تین گنا، چار گنا نفری کی فوج لے جاؤ۔ وہ تمہیں دریا کے کنارے ملیں گے۔ انہیں فرات میں ڈبو کر دم لینا تمہارا کام ہے" ——— رستم نے جالینوس کی طرف دیکھا اور اُسے کہا ——— "تم بھی بہمن کے ساتھ جاؤ گے جالینوس!.... اور یاد رکھو.... اب اگر تم نے میدان میں پیٹھ دکھائی تو میرے سامنے نہ آنا۔ اپنی تلوار اپنے پیٹ میں گھونپ لینا ورنہ میری تلوار تمہاری گردن کاٹ دے گی۔"

"زرتشت کی قسم!" ——— جالینوس نے بلند آواز سے کہا ——— "اب مدائن میں میری فتح کی خبر آئے گی یا میری موت کی۔"

ایک مسلمان مؤرخ ابوحنیفہ دینوری لکھتے ہیں کہ رستم نے ان تمام جرنیلوں اور دیگر افسروں کو جانے

کی اجازت دی اور پوران کے ساتھ محل میں چلا گیا۔ افسر وہاں سے ہٹے تو ٹولیوں میں بٹ گئے۔ ان میں بعض رستم کے حق میں باتیں کر رہے تھے اور بعض رستم کے خلاف اور پوران کے حق میں بول رہے تھے۔ صاف پتہ چلتا تھا کہ فوج کے افسروں کے دو ٹولے بن گئے ہیں۔ ایک ٹولہ رستم کے حق میں اور دوسرا اس کے خلاف تھا۔ اس طرح کچھ افسر پوران کے حامی اور باقی اُس کے مخالف تھے۔

ابوعبید کے لشکر کی تعداد دس ہزار سے کم رہ گئی تھی۔ بعض مؤرخین نے آٹھ ہزار سے ذرا زیادہ لکھی ہے۔ کئی مجاہدین شہید ہوئے اور ایسے زخمیوں کی تعداد بھی کچھ کم نہ تھی جن کے زخموں نے انہیں لڑنے سے معذور کر دیا تھا۔ سقاطیہ کی لڑائی کے بعد ابوعبید اپنے لشکر کو دریائے فرات کے کنارے قس الناطف کے مقام پر لے گئے تھے۔ لشکر اگلی لڑائی کے لیے آرام اور تیاریاں کر رہا تھا۔

طبری اور تین چار اور مؤرخوں نے لکھا ہے کہ ابوعبید کی بیوی دُومہ اُن کے ساتھ تھی۔

"ایک پُرنور چہرے والے آدمی کو میں نے آسمان سے اترتے دیکھا" ——— ایک روز دُومہ نے اپنا ایک خواب ابوعبید کو سنایا ——— "اس کے ہاتھ میں شراب طہور کی صراحی تھی۔ میں نے دیکھا کہ آپ نے اور بہت سے اہلِ ثقیف نے اس صراحی سے شراب طہور پی۔ اس کے فوراً بعد میری آنکھ کھل گئی۔"

"اشارہ صاف ہے" ——— ابوعبید نے اپنی بیوی سے کہا ——— "میں اور وہ اہلِ ثقیف جنہوں نے شراب طہور پی ہے، جامِ شہادت نوش کریں گے۔ اللہ نے یہ واضح اشارہ اس لیے دیا ہے کہ میں اپنی سپہ سالاری کے جانشین مقرر کر دوں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ شہادت مجھے جانشین مقرر کرنے کی مہلت ہی نہ دے۔"

انہوں نے اُسی روز جانشین مقرر کر دیئے کہ وہ شہید ہو جائیں تو فلاں کمان اور پرچم سنبھال لے۔ اس کے بعد فلاں اور اس طرح انہوں نے متعدد سالاروں کو بتا دیا کہ کون کس کے بعد کمان سنبھالے گا۔

بہمن جادویہ بڑی شان سے فوج لے کر مدائن سے نکلا۔ مدائن کی ساری آبادی باہر نکل آئی تھی اور بازو لہرا لہرا کر اور نعرے لگا لگا کر اپنی فوج کو رخصت کر رہی تھی۔ ملکہ پوران اور رستم گھوڑوں پر سوار شہر کے دروازے کے باہر کھڑے فوج کو الوداع کہہ رہے تھے۔ دونوں مسکرا رہے تھے۔

"مسلمان تم سے زیادہ بہادر نہیں" ——— ملکہ پوران اپنے سامنے سے گزرتی ہوئی فوج سے بار

بار کر رہی تھی — "تم فاتح واپس آؤ گے"۔

مؤرخ لکھتے ہیں کہ مدائن سے فوجیں مختلف محاذوں کو جاتی ہی رہتی تھیں اور بارہا گئی تھیں لیکن ایسی شان و شوکت سے پہلی بار فوج کو رخصت کیا گیا جس طرح بہمن جادویہ اور جالینوس کے دستوں کو رخصت کیا جا رہا تھا۔ رستم اور پوران کچھ دور تک اس فوج کے ساتھ گئے اور ایک ٹیکری پر کھڑے ہو کر ان دستوں کو رخصت کیا۔

ان دستوں میں گھوڑ سوار زیادہ تھے اور ان کے ساتھ ہاتھی بھی تھے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ مسلمانوں کے خلاف ہاتھی لے جائے جا رہے تھے۔ کسی بھی مؤرخ نے ہاتھیوں کی تعداد نہیں لکھی کچھ ایسا اشارہ ملتا ہے کہ ان کی تعداد ہزاروں میں نہیں سینکڑوں میں تھی۔ یہ تو تقریباً ہر مؤرخ نے لکھا ہے کہ ان میں ایک ہاتھی سفید تھا جو عام ہاتھی سے ڈیڑھ گنا قوی ہیکل تھا۔

ان ہاتھیوں کی شان ہی نرالی تھی۔ ان پر ہودے کسے ہوئے تھے جن میں تیرانداز اور نیزہ باز کھڑے تھے اور ہر ایک کی گردن پر ایک ایک مہاوت بیٹھا تھا۔ ہر ہاتھی کے ساتھ بڑے بڑے گھنٹے بندھے ہوئے لٹک رہے تھے جو بجتے تھے تو بہت اونچی آواز دیتے تھے۔ سینکڑوں ہاتھیوں کے گھنٹوں کی تعداد ڈیڑھ ہزار کے لگ بھگ تھی۔ گھنٹوں کی آوازوں سے کانوں پڑی آواز نہیں سنائی دیتی تھی۔ ہر ہاتھی کے دونوں پہلوؤں سے لوہے کی زنجیریں لٹک رہی تھیں۔ ان زنجیروں کی وجہ سے ہاتھی کے پیٹ پر تلوار کا وار نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ان ہاتھیوں کو جنگی تربیت دی گئی تھی۔ انہیں خوراک اتنی زیادہ دی جاتی تھی کہ یہ ہر وقت مستی کی حالت میں رہتے تھے۔

یہ ہاتھی سندھ کے اس وقت کے راجہ نے فارسیوں کو بھیجے تھے۔ اس کے کچھ عرصہ فارس کے بادشاہ کی فرمائش پر راجہ داہر نے بھی کچھ ہاتھی بھیجے تھے۔

"ذوالحاجب!" — جالینوس نے بہمن جادویہ سے پوچھا — "رستم اور ملکۂ فارس کے گٹھ جوڑ کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟"

"میرے خیال کی کیا پوچھتے ہو جالینوس!" — بہمن جادویہ نے کہا — "میں نے فوج میں ایک بڑی ہی خطرناک تبدیلی دیکھی ہے۔ کچھ لوگ رستم کے حامی ہیں اور کچھ پوران کے۔ رستم کے پوران پر اور پوران کے حامی رستم پر شکست کا الزام لگاتے ہیں۔"

"میں نے بھی یہی دیکھا ہے" — جالینوس نے کہا — "مجھے خطرہ محسوس ہو رہا ہے کہ مدائن میں خانہ جنگی شروع ہو جائے گی۔ میں ذاتی طور پر پوران کو پسند کرتا ہوں۔ کسریٰ کے خاندان کی عورتوں میں یہ واحد عورت ہے جس نے سلطنت فارس کے تحفظ اور توسیع کی طرف توجہ دی ہے ورنہ اس خاندان میں تخت و تاج پر جو لڑائیاں شروع ہو گئی تھیں وہ بند کرائی ہیں۔"

"میں بھی مدائن میں خانہ جنگی کے آثار دیکھ رہا ہوں" — بہمن جادویہ نے کہا — "شاہی خاندان میں کچھ اور ہی سیاست چل پڑی ہے۔ پوران کے خلاف یہ شکایت ہے کہ وہ رستم کی ہو کے رہ گئی ہے۔"

"ہمیں اپنا فرض ادا کرنا ہے" — جالینوس نے کہا۔

"لیکن ہمیں مدائن پر نظر رکھنی پڑے گی" — بہمن جادویہ نے کہا — "میں پیچھے اپنے دو جاسوس چھوڑ آیا ہوں۔ وہ مجھے مدائن کے حالات سے آگاہ رکھیں گے۔"

☼

ابو عبید قس الناطف کے قریب خیمہ زن تھے۔ قس الناطف قلعہ بند قصبہ تھا۔ ابو عبید اپنے لشکر کو اس قلعے میں لے گئے۔ وہیں انہیں اطلاع ملی کہ مدائن سے فارسیوں کی فوج آ رہی ہے۔ ابو عبید نے اپنے سالاروں مثنیٰ بن حارثہ اور سلیط بن قیس کو بلایا اور انہیں بتایا کہ آگے جا کر دیکھ بھال کرنے والے اپنے آدمیوں نے بتایا ہے کہ مدائن سے فوج آ رہی ہے جس کا رخ ادھر ہی ہے۔

"....اور میرے رفیقو!" — ابو عبید نے کہا — "اس فوج کے ساتھ ہاتھی بھی ہیں۔ میں صرف ہاتھیوں سے ڈرتا ہوں۔ ڈر یہ ہے کہ ہمارے آدمیوں نے ابھی تک ہاتھی دیکھے ہی نہیں۔ وہ ڈر جائیں گے۔"

"ہم اپنے آدمیوں کو بتا دیں گے کہ ہاتھی کی جسامت اور شکل و صورت سے نہ ڈریں" — مثنیٰ بن حارثہ نے کہا — "اور انہیں یہ بھی بتا دیں گے کہ ہاتھیوں کی سونڈیں کاٹنے کی کوشش کریں۔"

"تیراندازوں کو آگے کریں گے" — سلیط بن قیس نے کہا — "جو ہاتھی زخمی ہو گا وہ پیچھے کو بھاگے گا اور اپنی فوج کو روندتا پھرے گا۔"

"اللہ ہمارے ساتھ ہے" — ابو عبید نے کہا — "سب کو بتا دینا کہ ہاتھی آ رہے ہیں اور ان سے ڈریں نہیں.... دوسری بات یہ ہے کہ ہمیں قلعہ بند ہو کر نہیں لڑنا چاہیے۔ یہ میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ قلعہ چھوٹا ہے اور مضبوط بھی نہیں۔ دروازے ہاتھیوں کی ٹکروں سے ٹوٹ جائیں گے فارسی اندر آ گئے تو ہمارے لیے لڑنے کی جگہ تنگ ہو گی۔"

"اور خطرہ یہ بھی ہے" — مثنیٰ بن حارثہ نے کہا — "کہ اس جگہ کے لوگوں کا کچھ بھروسہ نہیں۔ اب ہمارے وفادار بنے ہوتے ہیں۔ ہو سکتا ہے اپنی فوج کو دیکھ کر ہمارے دشمن ہو جائیں اور برچھیاں تلواریں لے کر ہماری پیٹھ پر وار کرنے شروع کر دیں۔"

"لشکر کو فوراً باہر نکالو" — سپہ سالار ابو عبید نے کہا — "اور شہر کے دروازے بند کر دو۔ سارے شہر کو حکم سنا دو کہ شہر کا کوئی آدمی، عورت یا بچہ شہر سے باہر نہ نکلے۔"

شہر میں کچھ دیر بعد ہڑبونگ سی مچ گئی۔ مجاہدین کا لشکر بھاگم بھاگ تیاریوں میں مصروف تھا۔ شہر کے لوگ اپنا قیمتی سازوسامان، سونا اور اپنی نوجوان بیٹیاں اِدھر اُدھر چھپانے لگے۔ شام تک مجاہدین کا لشکر قلعے سے نکل گیا اور دریائے فرات کے کنارے قیام پذیر ہوا۔ اس مقام کا نام مروحہ تھا اور وہاں کشتیوں کا پُل بھی تھا۔

☼

بہمن جادویہ کے متعلق تاریخوں میں لکھا ہے کہ وہ مسلمانوں کو صرف اس لیے ہی دشمن نہیں سمجھتا تھا کہ انہوں نے اُس کے ملک پر حملہ کیا تھا بلکہ اُس کے دل میں پہلے ہی مسلمانوں کے خلاف نفرت بھری ہوئی تھی جسے وہ مذہب کا رنگ دیا کرتا تھا۔

"جالینوس!" — اُس نے راستے میں یہ الفاظ کہے تھے جو تاریخ میں محفوظ ہیں — "میں ملکۂ فارس اور رستم کے حکم سے لڑنے نہیں آیا۔ یہ میری ذاتی لڑائی ہے۔ میں نے ان کے خالدؓ بن ولید سے جو شکستیں کھائی ہیں، ان کا انتقام ان مسلمانوں سے لوں گا۔"

"انتقام تو میں نے بھی لینا ہے" — جالینوس نے کہا — "میں ان کے خون سے فرات لال کر دوں گا۔"

پھر فارس کی یہ فوج مسلمانوں کے بالمقابل دریا کے دوسرے کنارے پر پہنچ گئی۔ سورج غروب ہو رہا تھا اس لیے اُسی روز لڑائی شروع نہیں ہو سکتی تھی۔ عربوں نے ہاتھی نہیں دیکھا تھا۔ انہوں نے پہلی بار ہاتھی دیکھے تو دریا کے کنارے کھڑے ہو کر اندھیرا گہرا ہونے تک دیکھتے رہے۔ رات کو سالاروں نے انہیں بتایا کہ ہاتھیوں کا مقابلہ کس طرح کرنا ہے۔ حسبِ معمول فارس کی فوج کی نفری مسلمانوں کی نسبت اڑھائی تین گنا زیادہ تھی۔ سوار دستے زیادہ تھے اور ہاتھی ایک اضافی جنگی قوت تھی۔

رات گزر گئی۔ فجر کی نماز کی امامت ابوعبید نے کی اور سورہ انفال کی یہ آیت پڑھ کر مختصر سا خطبہ دیا کہ آج کے دن جس نے پیٹھ دکھائی بجز اس کے کہ وہ کسی مصلحت سے پیچھے ہٹا، اُس پر اللہ کا غضب نازل ہو گا اور اُس کا ٹھکانہ دوزخ ہو گا جو بہت بُرا ٹھکانہ ہے۔ پھر انہوں نے کہا کہ آتش پرست باطل کی اس جنگی طاقت کو تم نے ہر میدان میں شکست دی ہے۔ ہر میدان میں ان کی تعداد تم سے زیادہ اور کہیں بہت زیادہ رہی ہے۔ اللہ نے تمہیں ہر میدان میں فتح عطا فرمائی لیکن اللہ اپنے کرم سے اُسی کو نوازتا ہے جو اُس کی راہ میں قربانیاں دیتے ہیں۔ اب ایسا نہ ہو کہ ہم شکست کی سیاہی چہروں پر مل کر مدینہ جائیں۔ تمہاری اپنی بیویاں، اپنی بہنیں اور اپنے بچے تمہاری صورتیں دیکھنا گوارا نہیں کریں گے۔ ان ہاتھیوں سے نہ ڈرنا۔ ان چلتی پھرتی چٹانوں کو انہی کے لہو میں ڈبو دو۔

صُبح کی روشنی ذرا سفید ہوئی تو دریا کے پار سے فارسیوں کی للکار سنائی دے رہی تھی۔ ابوعبید نے اس طرف کے کنارے پر کھڑے ہو کر دیکھا۔ بہمن جادویہ پکار رہا تھا۔

"کیا تم دریا پار کر کے اس طرف آؤ گے یا ہم اُدھر آئیں؟" — بہمن جادویہ بلند آواز سے پوچھ رہا تھا۔

ابوعبید نے اس خیال سے کوئی جواب نہ دیا کہ اپنے سالاروں سے مشورہ کر کے جواب دیں گے۔

"تم عرب کے بدّو اس طرف آنے کی جرأت ہی نہیں کر سکتے" — بہمن جادویہ نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"تمہارے چہرے بتا رہے ہیں کہ تم اِدھر آنے سے ڈرتے ہو" — جالینوس نے طعنہ دیا۔

"ہم آ رہے ہیں" — ابوعبیدؓ نے کہا اور دریا کے کنارے سے ہٹ آئے۔

☼

"خُدا کی قسم!" — ابوعبید نے اپنے سالاروں سے کہا — "میں یہ طعنہ برداشت نہیں کر سکتا کہ ہم ان آتش پرستوں سے ڈرتے ہیں جنہیں ہم ہر لڑائی میں شکست دے چکے ہیں.... کشتیوں کا پُل موجود ہے۔ لشکر دریا کے پار جا کر لڑے گا" — تاریخ "عمرؓ فاروقِ اعظم" میں ابوعبید کے یہ الفاظ تحریر ہیں — "آتش پرست موت پر ہم سے زیادہ دلیر نہیں ہیں۔ دریا ہم ہی عبور کریں گے۔"

"ابوعبید!" — مثنیٰ بن حارثہ نے کہا — "خدا کی قسم، مجھے یقین نہیں آ رہا کہ تم لشکر کو دریا کے پار لے جا کر لڑاؤ گے۔"

"تمہیں یقین کیوں نہیں آ رہا ابنِ حارثہ؟" — ابوعبید نے کہا — "انہوں نے ہمیں للکارا ہے۔ ہم دریا کے پار جا رہے ہیں۔"

"کیا تم دیکھ نہیں رہے کہ ان کی تعداد کتنی زیادہ ہے؟" — مثنیٰ بن حارثہ نے کہا — "وہ ہاتھی بھی لائے ہیں۔ اُن کی تیاری دیکھو.... ہمیں دریا کے پار نہیں جانا۔ انہیں للکارو کہ وہ اِدھر آئیں۔"

مؤرخ طبری اور بلاذری نے لکھا ہے کہ ابوعبید بہمن جادویہ اور جالینوس کی طعنہ آمیز للکار پر اس قدر مشتعل ہو گئے تھے کہ وہ مثنیٰ بن حارثہ کی کسی بات اور کسی دلیل کو قبول ہی نہیں کر رہے تھے۔

"اور یہ بھی دیکھ ابوعبید!" — سالار سلیط بن قیس نے کہا — "ہماری تعداد مشکل سے نو ہزار ہے اور ان کی تعداد دیکھو۔ پچیس ہزار تو ہو گی۔ میدان کے زیادہ حصے میں تو انہوں نے اپنی فوج کو پھیلا دیا ہے اور ہاتھیوں کو انہوں نے قلب میں رکھا ہے۔ انہوں نے ہمارے نو ہزار مجاہدین کے لیے جو جگہ

چھوڑی ہے کافی نہیں۔ ہمارے سواروں کے لیے گھوڑے گھما پھرا کر لڑنے کے لیے یہ جگہ ہے۔ پیچھے دریا ہے۔ دائیں بائیں کی زمین کٹی پھٹی ہے۔ کھڈ بھی ہیں.... ہمیں پار نہیں جانا چاہیے۔

"خدا کی قسم!" ——— ابوعبید نے کہا ——— "یہ ہماری بزدلی ہوگی کہ ہم پار نہ جائیں۔"

"میں تمہیں پھر کہتا ہوں" ——— سلیطؓ بن قیس نے ذرا درشت لہجے میں کہا ——— "اپنے ارادے سے باز آجاؤ، پچھتاؤ گے۔"

"تم بزدل ہو" ——— ابوعبید نے زیادہ درشت لہجے میں کہا ——— "میں اپنی زبان سے نہیں پھروں گا۔ میں نے انہیں کہہ دیا ہے کہ ہم آ رہے ہیں۔"

"خدا کی قسم!" ——— سلیطؓ بن قیس نے کہا ——— "میں تم سے زیادہ دلیر ہوں۔ میں نے اپنی رائے دی ہے۔ تمہیں خطروں سے خبردار کر دیا ہے۔ تم سپہ سالار اور ہمارے امیر ہو۔ تمہاری اطاعت ہم پر فرض ہے۔"

"پھر تم میرا حکم مانو!" ——— ابُوعبید نے کہا۔

محمد حسنین ہیکل نے اپنی کتاب "عمرؓ فاروقِ اعظم" میں مختلف مؤرخوں کے حوالوں سے یہ واقعہ لکھا ہے۔ اس نے لکھا ہے کہ مثنیٰ بن حارثہ پر خاموشی طاری ہو گئی۔ ابوعبید کو یاد نہ رہا کہ امیرالمومنین حضرت عمرؓ نے ابوعبید کو مدینہ میں بوقتِ رخصت نصیحت کی تھی کہ کوئی فیصلہ جلد میں نہ کرنا۔ تمہارے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی جا رہے ہیں ان کے مشورے بغیر کوئی فیصلہ اور کوئی بڑی کارروائی نہ کرنا۔ سلیطؓ بن قیس کی رائے کو اہمیت دینا۔

حضرت عمرؓ جانتے تھے کہ مدینہ سے جو لشکر جا رہا ہے اس کا سپہ سالار مثنیٰ بن حارثہ کو ہونا چاہیے یا سلیطؓ بن قیس کو۔ مثنیٰ بن حارثہ کو اس لیے سپہ سالار ہونا چاہیے تھا کہ انہوں نے خالدؓ بن ولید کی قیادت میں فارس کی فوج کے خلاف کئی معرکے لڑے تھے۔ اس طرح وہ تجربہ کار سالار بن گئے تھے۔ سلیطؓ بن قیس کو اس لیے سپہ سالار ہونا چاہیے تھا کہ وہ صحابی تھے اور انہوں نے رسول اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں کئی جنگیں لڑی تھیں لیکن حضرت عمرؓ نے ابوعبید کو سپہ سالاری کا اعزاز صرف اس لیے دیا تھا کہ حضرت عمرؓ کے کہنے کے باوجود کوئی ایک بھی آدمی عراق کے محاذ پر جانے کے لیے تیار نہیں ہوا تھا۔ مثنیٰ بن حارثہ کمک لینے کے لیے مدینہ آئے ہوئے تھے۔ انہوں نے لوگوں کو ایسا اشتعال دلایا کہ ابُوعبید سب سے پہلے اُٹھے اور کہا کہ وہ عراق کے محاذ پر جائیں گے۔ ان کے اٹھنے کی دیر تھی کہ وہاں بیٹھے ہوئے لوگوں نے محاذ پر جانے کے لیے اپنے نام پیش کیے اور دیکھتے ہی دیکھتے ایک ہزار رضا کار عراق کے محاذ پر جانے کے لیے تیار ہو گئے۔

پہلے تفصیل سے بیان ہو چکا ہے کہ رضا کاروں کی تعداد کس طرح چار ہزار ہوئی اور جب

محاذ پر پہنچے تو رضا کار مجاہدین کی تعداد دس ہزار تھی۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے ابوعبید نے سب سے پہلے اپنے آپ کو پیش کر کے دروازہ کھول دیا تھا۔ مدینہ میں ہی جب امیرالمومنین حضرت عمرؓ نے دیکھا تھا کہ ابوعبید کے پیچھے ایک ہزار رضا کار تیار ہو گئے ہیں تو انہوں نے اس کا سہرا ابوعبید کے سر باندھا اور انہیں مجاہدین کے اس لشکر کا سپہ سالار بنا دیا تھا۔ ابوعبید صحابی نہیں تھے پھر بھی حضرت عمرؓ نے انہیں اس لشکر کا سپہ سالار اور امیر مقرر کر دیا تھا جس میں صحابہ کرام بھی تھے۔ حضرت عمرؓ کے اس فیصلے پر اعتراض ہوا تھا جس کے جواب میں حضرت عمرؓ نے کہا تھا:

"خدا کی قسم! میں کسی مدنی یا کسی صحابی کو سپہ سالار نہیں بناؤں گا۔ اللہ نے تمہیں سربلندی اس لیے عطا فرمائی تھی کہ تم نے دین کے دشمنوں کے سر کچلنے کے لیے ہمت اور شجاعت کے جوہر دکھائے تھے مگر میں تین دن سے دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے چہروں پر بزدلی لکھی ہوئی تھی۔ تم دشمن کے سامنے جانے سے ڈر رہے تھے۔ تو کیا سالاری اور امارت کے لیے اس شخص نے برتری حاصل نہیں کر لی جو اپنے دین کی حفاظت اور فروغ کے لیے سب سے پہلے آگے آیا؟ خدا کی قسم، اس لشکر کا امیر یہی شخص ہوگا.... ابُوعبید! اٹھو، میں نے تمہیں اس لشکر کا امیر مقرر کیا جو مثنیٰ بن حارثہ کے ساتھ جا رہا ہے" ——— حضرت عمرؓ نے وہاں بیٹھے ہوئے دو صحابہ کرام، سعدؓ بن عبید اور سلیطؓ بن قیس سے کہا تھا ——— "تم دونوں ابوعبید کے بعد بولے تھے کہ تم محاذ پر جاؤ گے۔ ابوعبید سے پہلے تم اُٹھتے تو لشکر کے امیر تم ہوتے۔"

پھر امیرالمومنین حضرت عمرؓ نے ابوعبید کو واضح نصیحتیں کیں اور ہدایات دی تھیں جن کا لب لباب یہ تھا کہ انہیں جو رتبہ دیا گیا ہے اس کا غلط استعمال نہ کریں اور بغیر مشورے کے اپنا کوئی فیصلہ نہ ٹھونسیں مگر ابوعبید امیرالمومنین کی ہدایات کو ذہن سے صاف کر چکے تھے اور وہ اپنا ذاتی فیصلہ ٹھونس رہے تھے کہ ہم دریا کے پار جا کر لڑیں گے۔

☀

مبصر لکھتے ہیں کہ مسلمان جو دیکھتے ہی دیکھتے آدھی دنیا پر چھا گئے تھے اور جنہوں نے قیصرِ روم اور کسریٰ فارس کی جنگی طاقت کو ریزہ ریزہ کر دیا تھا، وہ اس ڈسپلن کا کرشمہ تھا کہ مسلمان اپنے امیر کی اطاعت کو مذہبی فرض سمجھتے تھے۔ امیر آمر نہیں ہوتے تھے۔ ان کا کوئی فیصلہ اور کوئی حکم ذاتی نوعیت کا نہیں ہوتا تھا۔

مثنیٰ بن حارثہ، سلیطؓ بن قیس اور سعدؓ بن عبید نے ابوعبید کے فیصلے سے اختلاف کے

باوجود ان کے حکم کی تعمیل کی اور اپنے اپنے دستوں کو کشتیوں کے پل سے دریا پار کرنے کا حکم دیا۔ علامہ شبلی نعمانی اور محمد حسنین ہیکل کچھ حوالے دے کر لکھتے ہیں کہ جس نے سب سے پہلے دریا عبور کیا وہ سلیط بن قیس تھے۔

فارس کا لشکر جنگ کی ترتیب میں کھڑا تھا جیسے وہ کوئی حرکت کرے گا ہی نہیں.... خاموش اور پُرسکون!

مجاہدین اپنے دشمن کو چپ چاپ کھڑا دیکھ کر کشتیوں کے پل سے دریا پار کرتے رہے۔ انہیں اطمینان تھا کہ وہ دریا پار کر کے جنگی ترتیب میں آجائیں گے تو لڑائی شروع ہوگی۔ یہ توقع تھی کہ اُس دور کے رواج کے مطابق ایک طرف کا سالار یا کوئی اور آدمی دوسری طرف کی فوج کو للکارے گا کہ اپنا کوئی آدمی انفرادی معرکے کے لیے نکالو۔ پھر اس معرکے کی ہار جیت کے بعد فوجوں کی جنگ شروع ہوگی۔

ابوعبید نے اپنے سالاروں کو بتا دیا تھا کہ کون کس پوزیشن میں ہوگا۔ اُنہوں نے اپنے لشکر کو میمنہ، میسرہ، قلب اور محفوظہ میں تقسیم کر دیا تھا۔ مجاہدین کے لشکر نے اس ترتیب کے مطابق دشمن کے سامنے جا کر کھڑا ہونا تھا۔

لشکر کشتیوں کے پُل سے گزر گیا۔ آخری دو چار مجاہدین بھی اُس سرے پر پہنچ گئے۔ لشکر کے مختلف حصّے ابھی اپنی اپنی جگہ پر پہنچنے بھی نہ پاتے تھے کہ بہمن جادویہ کے سوار دستوں نے دائیں اور بائیں سے حملہ کر دیا۔ ابوعبید کے لشکر کو سنبھلنے کا موقع ہی نہ ملا۔ مجاہدین اس اچانک اور غیر متوقع حملے کے لیے تیار ہی نہیں تھے۔

یہی دشمن کی چال تھی۔

ابوعبید بہمن جادویہ کے جال میں آ گئے تھے۔

مجاہدین ابھی ترتیب میں نہیں آئے تھے۔ فارسیوں کے اچانک حملے سے مجاہدین بے ترتیب ہجوم بن کے رہ گئے۔ فارسیوں کے نعرے — "کاٹ دو ان عربوں کو.... فتح عجمیوں کی ہے.... گھوڑوں تلے کچل دو.... فرات کو ان کے خون سے لال کر دو.... پکارو اپنے اللہ اور اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو" —— بڑے ہی غصیلے اور طنزیہ نعرے تھے۔ ان میں کچھ نعرے بڑے ہی توہین آمیز اور اشتعال انگیز تھے۔

ان نعروں نے مسلمانوں کی غیرت و حمیّت کی کوئی ڈھکی چُھپی رگ بیدار کر دی۔ حنیفہ دینوری نے لکھا ہے کہ یہ لڑائی ماہِ رمضان ۱۳ ہجری میں لڑی گئی۔ لڑائی کی صورت یک طرفہ تھی۔ میدان آتش پرستوں کے ہاتھ میں تھا اور پچیس ہزار کے لگ بھگ نفری کی فوج میں نو ہزار مسلمان اپنی جانیں بچانے کے

سوا کچھ بھی نہیں کر سکتے تھے لیکن توہین آمیز نعروں نے ان میں روحانی قوتیں بیدار کر دیں اور وہ ایسے جوش اور ایسے حیران کُن جذبے سے لڑنے لگے کہ ان کے قدم جم گئے۔ انہوں نے جوابی نعرے لگانے شروع کر دیئے:

"آگ کے پجاری کسی میدان میں نہیں ٹھہر سکے۔ یہاں بھی نہیں ٹھہریں گے۔"

"یہ بھکاریوں کی فوج ہے۔"

"یہ کرائے کے فوجی ہیں۔"

"یہ ایک عورت کی رعایا ہے۔"

"نعرۂ تکبیر۔ اللہ اکبر۔"

ان نعروں کا فائدہ خود مجاہدین کو یوں ہُوا کہ ہر مجاہد کو پتہ چل گیا کہ اُس کے ساتھی زندہ و بیدار ہیں اور ان کا جذبہ قائم ہے۔ فارسیوں کو احساس ہو گیا کہ ان مسلمانوں کے جذبے کو مارنا آسان کام نہیں۔

مجاہدین کے لیے یہ زندگی اور موت کا معرکہ تھا۔ انہیں یہ احساس آگ بگولا کر رہا تھا کہ وہ ہار گئے تو ان کی پہلی فتوحات پر پانی پھر جائے گا اور کسریٰ کی فوج پر ان کی جو دہشت طاری تھی وہ ختم ہو جائے گی مگر مسلمان ایسی صورتِ حال میں پھنس گئے تھے کہ ان کے لیے پسپائی بھی ممکن نہیں رہی تھی۔ ایک نعرے نے ان میں جان ڈال دی:

"فتح یا موت۔"

یہ ایک مجاہد کا نعرہ تھا جو ہر مجاہد کے سینے سے دھماکوں کی طرح نکلنے لگا۔ اب مسلمانوں کا قہر دیکھنے کے قابل تھا۔ وہ کلمہ طیّبہ کے بلند وِرد کے ساتھ دیوانگی کے عالم میں لڑنے لگے اور یہاں تک کامیابی حاصل کر لی کہ فارسیوں کا گھیرا توڑ دیا اور ترتیب میں آنے لگے۔ سالار بھی سپاہیوں کی طرح لڑ رہے تھے اور بکھرے ہُوئے مجاہدین کو منظم کرنے کی بھی کوشش کر رہے تھے۔

بہمن جادویہ نے ہاتھیوں کو آگے کر دیا۔ ہاتھی سیاہ چٹانوں کی طرح دوڑتے آتے۔ ان کے مقابلے کے لیے گھوڑ سوار مجاہدین آگے بڑھے لیکن ہاتھیوں کے پہلوؤں سے لٹکتے ہوئے گھنٹے اتنی زور زور سے بجتے تھے کہ مجاہدین کے گھوڑے بدک بدک کر اِدھر اُدھر ہو جاتے مگر ہاتھیوں کے قریب نہیں جاتے تھے۔ مؤرخوں نے لکھا ہے کہ فارس کے تیر اندازوں نے بدکے ہُوئے گھوڑوں کے سواروں کو چُن چُن کر نشانہ بنایا۔ سوار تیزی سے شہید ہوتے چلے گئے۔

مسلمان پیچھے ہٹ کر ترتیب میں آ سکتے تھے لیکن پیچھے دریا تھا۔ وہ دائیں بائیں پھیل سکتے

تھے اور وہ چھیننے کی کوشش بھی کر رہے تھے لیکن فارسی انہیں چھیننے نہیں دے رہے تھے۔
سالاروں نے دیکھا کہ گھوڑے سیاہ ہاتھیوں اور ان کے گھنٹوں کی ہیبت ناک آوازوں سے ڈر رہے ہیں اور پیادہ مجاہدین کا حوصلہ کمزور ہوتا جا رہا ہے۔ سالار اپنے مجاہدین کو للکار للکار کر آگے بڑھا رہے تھے۔ فارسیوں کے گھوڑے تو ہاتھیوں اور ان کے گھنٹوں کی آوازوں سے مانوس تھے، مسلمانوں کے گھوڑوں نے ہاتھی پہلی بار دیکھے تھے۔

☼

سپہ سالار ابوعبید کو اپنی غلطی کا یقیناً احساس ہوا ہوگا۔ انہیں سالاروں نے روکا تھا کہ دریا کے پار نہ جائیں۔ ابوعبید نے اپنی لغزش کا کفارہ یوں ادا کیا کہ اپنے گھوڑے سے کود کر اُتر آئے۔ وہ ان سوار مجاہدین کے ساتھ تھے جو ہاتھیوں کا مقابلہ کرنے کی کوشش کر رہے تھے مگر گھوڑے بدکتے تھے۔ ابوعبید گھوڑے کو بیکار سمجھ کر اتر آئے تھے۔
ان کی دیکھا دیکھی سوار مجاہدین بھی گھوڑوں سے اتر آئے اور ابوعبید کی قیادت میں انہوں نے فارسیوں پر ایسا ہلّہ بولا (محمد حسنین ہیکل کے دیئے ہوئے حوالوں کے مطابق) انہوں نے تھوڑی سی دیر میں چھ ہزار فارسیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس سے فارسیوں کے حوصلے پست گئے لیکن ایک مشکل ہاتھیوں نے پیدا کر رکھی تھی۔ ان کے ہودوں میں تیرانداز بھی تھے اور برچھی باز بھی اور ہاتھی بجائے خود خطرناک تھے کہ مستی میں دوڑتے اور جو مجاہد سامنے آتا اُسے سونڈ سے اُٹھا کر اوپر کو اچھال دیتے یا اُسے زور سے زمین پر پٹخ کر مار ڈالتے۔
”ہاتھیوں کے سامنے نہ جاؤ“ —— ابوعبید نے چلا چلا کر کہا —— ”پہلوؤں کی طرف سے ہودوں کی رسیاں کاٹ دو۔“
یہ معرکہ کوئی معمولی معرکہ نہ تھا جن مسلمانوں نے آتش پرستوں کو ہر میدان میں شکست دی تھی کسریٰ کی افواج پر دہشت بن کر غالب آ رہے تھے، اس روز وہ کسریٰ کے دو جرنیلوں کے پھندے میں آ گئے تھے اور بُری طرح کٹ کٹ کر گر رہے تھے۔ مؤرخوں نے اس لڑائی کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ابوعبید کی دیوانگی سے پتہ چلتا تھا کہ وہ اپنی غلطی کا کفارہ ادا کر رہے ہیں اور اپنی یقینی شکست کو فتح میں بدلنے کے لیے جان پر کھیل رہے ہیں۔
سوار مجاہدین نے گھوڑوں سے اُتر کر ہاتھیوں پر ہلّہ بول دیا۔ ہاتھیوں کے ہودوں سے تیر بھی آ رہے تھے برچھیاں بھی۔ مجاہدین ان سے بچنے کی کوشش کرتے۔ بعض زخمی ہو جاتے اور اسی حالت میں ہاتھیوں کے پہلوؤں میں جا کر تلواروں سے ہودوں کی رسیاں کاٹ دیتے۔ ہودہ نیچے گرتا، اُس کے آدمیوں کو اُٹھا گراتا۔ مجاہدین ان کے سنبھلنے سے پہلے ہی انہیں کاٹ دیتے۔

مجاہدین نے کئی ہاتھیوں کو بھی زخمی کیا۔
جس ہاتھی کا ہودہ گرتا اور جو ہاتھی زخمی ہوتا وہ اِدھر اُدھر بھاگتا دوڑتا۔ بغیر مہاوت کے ہاتھی جدھر کو منہ آیا دوڑ پڑے۔ انہیں یہ بھی ہوش نہ رہا کہ اپنی فوج کو روند رہے ہیں یا دشمن کو۔ انہیں کنٹرول کرنے والا کوئی تھا ہی نہیں۔ انہیں اپنے پرائے کی پہچان نہ رہی۔
بے مہاوت اور زخمی ہاتھیوں نے بظاہر لڑائی کا پانسہ پلٹ دیا تھا لیکن مسلمان جو تعداد میں پہلے ہی تھوڑے تھے اور زیادہ تھوڑے ہو گئے۔ اس کے باوجود وہ بکھر رہنے کی بجائے ترتیب میں آ گئے۔ اُن کی تھکن کا یہ عالم تھا کہ اپنے جسموں کو بڑی مشکل سے گھسیٹ رہے تھے۔ ولیم سکاٹ لکھتا ہے کہ جس ناگفتہ بہ صُورت حال میں عرب کے مسلمان پھنس گئے تھے اگر ان کی جگہ فارسی یا رومی ہوتے تو کبھی کے ہتھیار ڈال چکے ہوتے یا پسپا ہو جاتے۔
مجاہدین کو سالاروں نے ترتیب میں کر کے اپنے انداز کے حملے شروع کر دیئے۔ کبھی فارسی حملے کی تاب نہ لا کر پیچھے ہٹ جاتے اور کبھی مجاہدین کو پیچھے ہٹنا پڑتا۔

☼

ہاتھی تو تقریباً سارے کے سارے میدان سے نکل گئے تھے لیکن ایک سفید ہاتھی جو جسامت میں عام ہاتھیوں سے بہت بڑا تھا، ابھی میدانِ جنگ میں موجود تھا اور بُری طرح چنگھاڑتا پھرتا تھا۔ یہ ہاتھی دودھ کی طرح سفید نہیں تھا بلکہ اس کا رنگ دوسرے ہاتھیوں کی نسبت اتنا ہلکا تھا کہ سفید لگتا تھا۔ اس کا رنگ سفیدی مائل تھا۔
ابوعبید نے اس ہاتھی کو ختم کرنے کا ارادہ کیا اور اُس کے آگے چلے گئے۔ ہاتھی ان کی طرف آیا۔ ابوعبید نے تلوار کے ایک ہی وار سے اُس کی سونڈ کاٹ دی۔ ہاتھی بھاگا نہیں۔ وہ ابوعبید کی طرف قہر و غضب سے بڑھا، انہیں ٹکر مار کر گرایا اور اپنا ایک پاؤں ابوعبید کے اوپر رکھ کر انہیں کچل دیا —— سپہ سالار ابوعبید شہید ہو گئے۔
محمد حسنین ہیکل اور علامہ شبلی نعمانی نے طبری، بلاذری اور دیگر مستند مؤرخوں کے حوالے سے لکھا ہے کہ ابوعبید کی تلوار کا وار اتنا زوردار تھا کہ سفید ہاتھی کی سونڈ مستک سے صاف کٹ گئی تھی۔ ایک یورپی مؤرخ لکھتا ہے کہ سونڈ پوری نہیں کٹی تھی کیونکہ اس ہاتھی کی جسامت ایسی قوی ہیکل تھی کہ سونڈ ایک وار سے کٹ ہی نہیں سکتی تھی۔ یہ یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ سونڈ آدھی سے زیادہ کٹ گئی تھی۔
زخمی شیر، چیتا، ہاتھی اور اونٹ انتقام ضرور لیتے ہیں۔ ہاتھی اور اونٹ کا کینہ مشہور ہے۔ فارس کا یہ ہاتھی تو تھا ہی خونخوار۔ اُس نے ابوعبید کو پہلے گرایا۔ وہ پیٹھ کے بل گرے اور ہاتھی نے

اُن کے سینے پہ پاؤں رکھ کر اپنے جسم کا وزن ڈالا۔ تصور کیا جا سکتا ہے کہ ابوعبید کا جسم کس طرح کچلا گیا ہو گا۔

ابوعبید کا ایک بھائی حکم قریب ہی تھا۔ اُس نے پہلا کام یہ کیا کہ ہاتھی کی ٹانگ پر تلوار کا وار کیا۔ ہاتھی کا ہودہ گرا ہوا تھا۔ ہاتھی پیچھے ہٹا۔ حکم نے ابوعبید کا پرچم اٹھا کر اوپر کیا اور بلند آواز سے نعرہ لگایا:

"ہمارا علَم بلند ہے۔"

حکم کی توجہ پرچم پر تھی کہ اسے اونچا رکھا جائے تاکہ مجاہدین کے حوصلے بلند رہیں۔ ہاتھی پہلے سے زیادہ غضب ناک ہو گیا تھا۔ اُس نے حکم کو ٹکر مار کر گرایا اور جس طرح ابوعبید پر پاؤں رکھ کر کچلا تھا اسی طرح حکم کو بھی کچل ڈالا۔

ایک اور مجاہد آگے بڑھا اور اُس نے پرچم اُٹھا کر اُوپر کیا۔ اُس نے بھی نعرہ لگایا ــــ "ہمارا علَم بلند ہے" ــــ اُس نے نعرہ لگایا ہی تھا کہ سفید ہاتھی نے اُسے بھی گرا دیا اور اُس پر پاؤں رکھ کر کچل ڈالا۔

ہاتھی کی چنگھاڑ بہت ہی خوفناک تھی۔

پھر ایک اور مجاہد آگے بڑھا۔ اُس نے پرچم اُٹھا کر بلند کیا۔ پرچم خون آلود ہو گیا تھا۔ اس مجاہد نے پرچم بلند کیا تو سفید ہاتھی نے اسے بھی گرا کر کچل ڈالا۔

ابوعبید کی شہادت کے بعد یکے بعد دیگرے سات مجاہدین نے پرچم اُٹھا کر بلند کیا۔ ہاتھی نے ہر ایک کو کچل ڈالا۔ مشکل یہ تھی کہ ہاتھی سے بچنے کے لیے بھاگنے کی جگہ نہیں تھی۔ وہاں کی زمین لاشوں اور بیہوش زخمیوں سے اَٹی پڑی تھی۔ زخموں سے گرے ہوئے گھوڑے بھی پڑے ہوئے تھے۔ چلا نہیں جاتا تھا۔

یہ ساتوں مجاہدین جنہیں ابوعبید کے بعد ہاتھی نے کچلا تھا۔ ابوعبید کے ہم نسب اور ہم قبیلہ تھے بلکہ ابوعبید کے ہی خاندان بنو ثقیف کے تھے۔

ابوعبید کی بیوی دُومہ کا وہ خواب پورا ہو چکا تھا جس میں اُس نے دیکھا کہ آسمان سے ایک آدمی ہاتھ میں شرابِ طہور لیے ہوئے اترا۔ ابوعبید اور چند اور اہلِ ثقیف نے صراحی سے شرابِ طہور پی۔ دُومہ نے یہ خواب اپنے شوہر ابوعبید کو سنایا تو اُنہوں نے کہا تھا کہ یہ شہادت کا اشارہ ہے .... دُومہ نے خواب میں ابوعبید کے ساتھ ان ہی سات آدمیوں کو شرابِ طہور پیتے ہوئے دیکھا تھا۔

☼

مثنیٰ بن حارثہ کچھ دُور تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ اپنا پرچم اٹھتا اور گرتا ہے تو وہ دوڑتے آئے پرچم اٹھا کر ایک مجاہد کو دیا اور وہاں سے دُور چلے گئے۔ چند ایک مجاہدین نے سفید ہاتھی کو گھیر کر برچھیوں سے گرا دیا۔ اُس کے سامنے کوئی نہیں جاتا تھا۔ پیچھے سے اور پہلوؤں سے اُسے برچھیاں مارتے تھے۔

مثنیٰ بن حارثہ نے پرچم تو اونچا کر دیا لیکن مجاہدین میں بھگدڑ والی کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ ابوعبید کے بعد جو سات مجاہدین پرچم بلند کرتے ہوئے شہید ہوئے تھے وہ سب کے سب سردار تھے۔ مثنیٰ حقیقت پسند اور تجربہ کار سالار تھے۔ انہوں نے دیکھ لیا کہ لڑتے رہنے کا مطلب خودکشی کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا۔ اب یہی کام بہت بڑا کارنامہ ہو گا کہ جو مجاہدین ابھی زندہ ہیں انہیں زندہ ہی اس میدانِ حشر سے نکال کر دریا کے پار لے جایا جائے اور مروحہ چلا جائے۔

مثنیٰ ایسا حکم نہیں دینا چاہتے تھے کہ بھاگو اور اپنی جانیں بچاؤ۔ وہ منظّم طریقے سے اپنے لشکر کو پسپا کرانے کی سوچ رہے تھے۔ چونکہ مجاہدین تھک کر شل بھی ہو چکے تھے اور کثیر تعداد دشمن ان پر غالب بھی آ چکا تھا اور ان کی آدھی نفری شدید زخمی اور شہید بھی ہو چکی تھی اس لیے مجاہدین کا جذبہ اور حوصلہ ماند پڑ گیا تھا۔ شہادت کی رفتار تیز ہو گئی تھی۔

اتنے میں دیکھا گیا کہ کچھ مجاہدین جن میں سوار تھے اور پیادے بھی، خود ہی کشتیوں کے پل پر پہنچ گئے اور پسپا ہو رہے تھے۔ اُدھر مثنیٰ بن حارثہ نے اپنے قاصدوں سے کہا کہ لڑائی سے بچ بچا کر سرداروں تک پہنچو اور انہیں میرا پیغام دو کہ اپنے آدمیوں کو کشتیوں کے پل سے پیچھے نکالو لیکن بھگدڑ کی صورت میں نہیں۔

مستند تاریخوں میں یہ واقعہ تفصیل سے لکھا ہے کہ ابوعبید کے قبیلہ ثقیف کا ایک مجاہد عبداللہ بن مرثد ثقفی کہیں قریب کھڑا تھا۔ ایک تو اُس نے یہ دیکھا کہ کچھ سوار اور پیادہ مجاہدین پل کے راستے بھاگ رہے ہیں اور اُس کے ساتھ ہی یہ سن لیا کہ مثنیٰ بن حارثہ سرداروں کو پسپائی کا حکم دے رہے ہیں۔ عبداللہ بن مرثد بڑا ہی جوشیلا مجاہد اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دیوانہ وار شیدائی تھا۔ وہ دوڑا گیا اور تلوار سے کشتیوں کے پل کے رسّے کاٹ دیئے۔ پل کے اس سرے کی ابتدائی پانچ چھ کشتیاں پل سے الگ ہو گئیں۔

"ابنِ مرثد!" ــــ مثنیٰ بن حارثہ نے غصے سے پوچھا ــــ "یہ کیا کیا تو نے؟ خدا کی قسم، تو چاہتا ہے کہ ہم سب آتش پرستوں کے ہاتھوں کٹ مریں۔"

"ہاں ابنِ حارثہ!" ــــ عبداللہ بن مرثد نے جواب دیا ــــ "میں نے واپسی کا راستہ بند کر دیا

ہے۔ ابوعبید اور اُس کے بعد سات سردار شہید ہو گئے ہیں۔ وہ سب ثقفی تھے۔ میں بھی ثقفی ہوں جس طرح ہمارا سپہ سالار شہید ہوا ہے اور جس طرح ہمارے سردار شہید ہوتے ہیں اس طرح ہم سب لڑتے ہوئے شہید ہوں گے۔"

عبداللہ ثقفی گھوڑے پر سوار ہوا اور بڑی ہی بلند آواز سے اعلان کرنے لگا:

"عرب کے لوگو! اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اطاعت گزارو! اپنے سالاروں اور سرداروں کی طرح لڑتے ہوئے جانیں دے دو۔ واپسی کا راستہ بند ہو چکا ہے۔"

☼

مجاہدین کا حوصلہ پہلے ہی ٹوٹ چکا تھا۔ انہوں نے جب سنا کہ پل توڑ دیا گیا ہے تو رہا سہا حوصلہ بھی نہ رہا۔ بعض دریا کی طرف دوڑے اور دریا میں کود گئے۔ دریا پورے جوش میں تھا۔ عرب کے ریگزار میں پل کر جوان ہونے والے مجاہدین تیرنا جانتے ہی نہیں تھے۔ وہ ڈبکیاں کھانے لگے اور تین چار ڈوب گئے۔

مثنیٰ نے یہ بھگدڑ اور افراتفری کا یہ عالم دیکھا تو اُن پر گھبراہٹ طاری ہو گئی۔ وہ پریشان ہو گئے تھے۔ ان کی گھبراہٹ یہ تھی کہ لشکر نے پسپائی کا یہ طریقہ اختیار کیا تو بہت سے ڈوب جائیں گے اور جو تیرنے کی کوشش کریں گے انہیں فارسی تیرانداز دریا میں ہی ختم کر دیں گے۔

مثنیٰ نے اپنے اوسان خطا نہ ہونے دیئے۔ ایسی صورتِ حال سے وہ پہلے کبھی دو چار نہیں ہوئے تھے۔ انہوں نے پرچم اپنے ہاتھ میں لے کر اونچا کیا۔ اُس وقت لڑائی پل سے کچھ دور ہو رہی تھی۔ مثنیٰ نے چند ایک مجاہدین کو جو اُس وقت اُن کے باڈی گارڈ ہوتے تھے، یہ کام سونپا کہ وہ کسی طرح ان کشتیوں کو جو پل سے سرک گئی ہیں، رسّوں سے باندھ دیں اور پل کو مکمل کر دیں۔

ایسی قیامت خیز صورتِ حال میں یہ کام ناممکن کی حد تک محال تھا لیکن مجاہدین دریا میں اُتر گئے۔ انہیں یہ سہولت مل گئی کہ کنارے کے قریب دریا گہرا نہیں تھا۔ انہوں نے رسّوں سے الگ یا ڈھیلی ہو جانے والی کشتیوں کو پکڑ لیا اور کٹے ہوئے رسّوں کو گانٹھیں دے کر کشتیوں کو باندھ دیا۔

"مجاہدو!" ——— مثنیٰ نے خود اعلان کیا ——— "دریا میں مت کودو۔ پل بن گیا ہے۔ میں دشمن کو روکے رکھوں گا۔ آرام سے پل پر سے گزر جاؤ۔"

یہ اعلان تمام میدانِ جنگ میں پہنچایا گیا۔ مجاہدین سے کہا گیا کہ وہ بھاگیں نہیں، لڑتے ہوئے پیچھے ہٹتے آئیں اور پل تک پہنچیں۔

مثنیٰ بن حارثہ نے اپنے محافظ دستے کے مجاہدین اور چند اور مجاہدین کو اپنے ساتھ رکھا۔ کچھ تیرانداز بھی اپنے دائیں بائیں کھڑے کر دیئے۔ مجاہدین میدان سے نکل کر پل پر آنے لگے فارسی ان کے تعاقب میں آتے تھے تو مثنیٰ اور ان کے ساتھ کھڑے مجاہدین انہیں روک لیتے تھے۔ مسلمان تیرانداز انہیں تیروں کا نشانہ بناتے تھے۔ اس طرح پیچھے ہٹنے والے مجاہدین پل پر سے گزر جاتے تھے۔

مثنیٰ اور اُن کے جانباز اور تیرانداز پل سے ذرا آگے دشمن سے لڑتے رہے اور مجاہدین دوڑ دوڑ کر پل سے گزرتے رہے۔ فارس کے تیرانداز پل پر جانے والے مجاہدین پر تیر چلاتے تھے لیکن مسلمان تیراندازوں نے تیروں کی بوچھاڑوں سے انہیں پیچھے ہٹا دیا۔

فارسیوں نے پل کا راستہ روکنے کی بہت کوشش کی لیکن مثنیٰ اور ان کے جانباز جس قہر اور غضب سے لڑ رہے تھے، اس سے فارسی آگے نہیں آ سکتے تھے۔ مثنیٰ بن حارثہ نے پرچم بلند رکھا۔

اس دوران عبداللہ بن مرثد ثقفی آگے ہو کر جوش و خروش سے لڑ رہا تھا۔ اس کے جو ساتھی اس انتہائی خونریز معرکے سے زندہ نکل آئے تھے، انہوں نے بتایا کہ عبداللہ پسپائی کے حق میں نہیں تھا۔ وہ ایسے عتاب سے لڑ رہا تھا جیسے وہ پاگل ہو گیا ہو۔ اُس کے سامنے جو آیا وہ ہلاک ہو گیا۔ ایک مسلمان اور ایک فارسی گھوڑسوار ایک دوسرے سے اُلجھے ہوئے تھے۔ ان کی تلواریں ٹکرا رہی تھیں۔ دونوں کے گھوڑے بڑی تیزی سے آگے پیچھے اور دائیں بائیں ہو رہے تھے۔ ایک گھوڑا پیچھے ہٹا۔ پیچھے عبداللہ ثقفی ایک فارسی فوجی کو گرا چکا تھا۔ گھوڑے کی طرف اُس کی پیٹھ تھی۔ گھوڑا اتنی تیزی سے پیچھے ہٹا کہ عبداللہ ثقفی سے ٹکرایا اور اسے گرا دیا۔ گھوڑا ابھی پیچھے ہٹ رہا تھا۔ عبداللہ ثقفی اس قدر تھک چکا تھا کہ وہ فوراً اٹھ نہ سکا۔ گھوڑے کے پچھلے دونوں پاؤں اُس کے پیٹ پر پڑے اور پیٹ پھٹ گیا پھر اس پر گھوڑے کے اگلے پاؤں پڑے۔ عبداللہ ثقفی بُری طرح کچلا گیا اور شہید ہو گیا۔

مجاہدین تیز دوڑتے ہوئے پل تک پہنچ رہے تھے۔ وہ ایک ایک دو دو کر کے آتے تھے۔ مثنیٰ بن حارثہ اپنے مجاہدین کے ساتھ دشمن کا راستہ روکے کھڑے تھے اور غیر معمولی دلیری سے لڑ رہے تھے۔

"انہیں بھاگنے نہ دو" ——— یہ للکار بہمن جادویہ کی تھی ——— "آگے ہو کر پل توڑ دو۔"

فارسی پل تک پہنچنے کے لیے جانیں قربان کر رہے تھے لیکن آگے مجاہدین قہر برساتی دیوار

☼

بنے ہوتے تھے۔

"ان کا جھنڈا گرانے کی کوشش کرو" ۔۔۔ یہ للکار جالینوس کی تھی۔

مسلمانوں کا پرچم مثنیٰ کے پاس کھڑے ایک مجاہد نے اٹھا رکھا تھا۔ مثنیٰ نے جالینوس کی للکار سنی اور پرچم مجاہد کے ہاتھ سے لے کر اپنے دونوں ہاتھوں میں پکڑا اور اونچا کر دیا۔

"یہ علم نہیں گرے گا" ۔۔۔ مثنیٰ بن حارثہ نے نعرہ لگایا۔

معاً بعد کسی فارسی نے برچھی پھینکی جو مثنیٰ کے پہلو میں بغل کے قریب لگی۔ برچھی کی انّی تو جسم میں نہ گئی کیونکہ مثنیٰ نے کسی فارسی فوجی کی زرہ پہن رکھی تھی۔ یہ زنجیروں والی زرہ تھی جس سے صرف سینہ اور پیٹھ ڈھکی ہوئی تھی۔ برچھی سے زرہ کی ایک کڑی ٹوٹ گئی اور مثنیٰ کے جسم میں اتر گئی۔ یہ اچھا خاصا زخم تھا۔ مثنیٰ نے اس کی پرواہ نہ کی اور پرچم کو بلند رکھا۔

مثنیٰ بن حارثہ کے دائیں اور بائیں دو ایسے مجاہد تھے جنہوں نے جان کی بازی لگا رکھی تھی۔ انہوں نے دراصل مثنیٰ کو حفاظت میں لے رکھا تھا۔ ایک تھے سلیطؓ بن قیس اور دوسرا ایک عیسائی ابوزبید الطائی تھا۔ یہ دونوں فارسیوں کو روکنے کے لیے ایسی بے جگری بلکہ دیوانگی سے لڑے کہ ابوزبید الطائی شدید زخمی ہو کر گر پڑا اور سلیطؓ بن قیس شہید ہو گئے۔

☼

آخر تمام زندہ مجاہدین پل سے گزر گئے۔ مثنیٰ بن حارثہ کے زخم سے خون بہ رہا تھا اور زخم تکلیف بھی دے رہا تھا لیکن انہوں نے زخم کی طرف دھیان ہی نہ دیا اور اپنے ساتھیوں کو پل پر لے آئے۔ تیراندازوں کو پیچھے رکھا تا کہ وہ فارسیوں پر تیر برساتے رہیں اور پیچھے بھی ہٹتے رہیں مسلمانوں کا جانی نقصان تو ہوشربا تھا لیکن فارسیوں کا نقصان بھی کچھ کم نہیں تھا۔ وہ اب آگے آنے کی جرأت نہیں کر رہے تھے۔ البتہ ان کے تیرانداز تیر پھینک رہے تھے۔ مسلمان دوڑتے ہوئے پل پار کر گئے۔

پیچھے دیکھا۔ پل کے اُس سرے پر فارسیوں کا ہجوم تھا۔ وہ مسلمانوں کا شاید تعاقب کرنا چاہتے تھے۔ مثنیٰ بن حارثہ کے کہنے پر پل کے رسّے کاٹ دیئے گئے اور چند ایک کشتیوں کو توڑ دیا گیا۔

مجاہدین کی گنتی کی گئی۔ نو ہزار میں سے صرف تین ہزار زندہ واپس آئے۔ شدید زخمیوں کو واپس نہ لایا جا سکا۔ سلیطؓ بن قیس، ابوزیدالانصاریؓ، عقبہ بن قبطی، یزیدؓ بن قیس الانصاری، عبداللہؓ بن قبطی اور ابوامیہؓ الفرازی جیسے نامور صحابی اس لڑائی میں شہید ہو گئے۔

جس دن یہ تین ہزار مجاہدین واپس آئے وہ ہفتے کا دن تھا اور ۱۳ ہجری کا ماہ رمضان تھا۔

مثنیٰ بن حارثہ پر بہت بڑی اور بڑی ہی خطرناک ذمّہ داری آ پڑی تھی۔ ان کے تجربہ کار ساتھی سالار اور سردار شہید ہو گئے۔ وہ خود زخمی تھے۔ ان کے ساتھ لشکر کا صرف تیسرا حصّہ رہ گیا تھا۔ یہ حصّہ یعنی تین ہزار آدمی لڑنے کے قابل نہیں رہے تھے۔ جسمانی طور پر تو وہ شل ہو ہی چکے تھے، ذہنی طور پر بھی وہ لڑنے کی ہمت چھوڑ بیٹھے تھے۔ کہیں سے بھی کمک ملنے کی توقع نہیں تھی۔

مثنیٰ پر ذمّہ داری آ پڑی تھی کہ ان تین ہزار تھکے ماندے شکست خوردہ آدمیوں کو بچانا تھا جس کا ایک ہی ذریعہ تھا کہ انہیں کہیں دور لے جائیں اور بہت جلدی لے جائیں کیونکہ مثنیٰ اس خطرے کو یقینی سمجھتے تھے کہ بہمن جادویہ ان کے تعاقب میں آئے گا۔ بہمن جادویہ پہلا فارسی جرنیل تھا جس نے مسلمانوں کو شکست دی تھی۔ وہ ملکہ فارس اور رستم کی آنکھ کا تارا بن گیا تھا۔ مثنیٰ جانتے تھے کہ بہمن جادویہ مسلمانوں کا جانی دشمن ہے اور وہ اس موقعے سے پورا فائدہ اٹھائے گا اور ان تھکے ہارے مجاہدین کے تعاقب میں آ کر انہیں کبھی ختم کر دے گا۔

"میرے عزیز ساتھیو!" ۔۔۔ مثنیٰ نے ان تین ہزار مجاہدین سے خطاب کیا ۔۔۔ "سپہ سالار ابوعبید کی غلطی کی سزا ہم سب کو ملی ہے۔ یہ تمہاری بہادری ہے کہ تم زندہ واپس آ گئے۔ فتح اور شکست اللہ کے اختیار میں ہے۔ یہ بھی تمہاری فتح ہے کہ تم نے دشمن کے آگے ہتھیار نہیں ڈالے۔ تم اللہ تبارک وتعالیٰ کے حضور سرخرو ہو۔ ہم انشاءاللہ اس شکست کا انتقام لیں گے.... یہاں رکنے کا وقت نہیں۔ فارسی ہمارے تعاقب میں آ رہے ہوں گے۔ وہ ضرور آئیں گے۔ ہم ابھی لڑنے کے قابل نہیں اس لیے یہاں رکنا بہت ہی خطرناک ہے۔ ہمیں چلنا ہی پڑے گا۔ گھوڑوں پر سب باری باری سوار ہوں گے۔ ہم نے کسی منزل پر پہنچ کر اگلی لڑائی کی تیاری کرنی ہے۔"

وہاں سے چلے تو حیرہ جا پہنچے۔ وہاں بھی مثنیٰ تعاقب کا خطرہ محسوس کر رہے تھے۔ وہاں انہوں نے مجاہدین کو آرام اور کھانے پینے کا وقت دیا اور اگلی صبح حیرہ سے کچھ دور جنوب کی طرف الیس کے مقام پر جا پہنچے۔ مثنیٰ نے اپنے نئے نائبین مقرر کر دیئے جو پوری طرح تجربہ کار تو نہیں لیکن اناڑی اور نوآموز بھی نہیں تھے۔ ان میں خوبی یہ پیدا ہو گئی تھی کہ ان کے دلوں میں انتقام کا بڑا ہی شدید جذبہ پیدا ہو گیا تھا۔

"دن رات بیدار اور چوکنے رہو" ۔۔۔ مثنیٰ نے انہیں کہا تھا ۔۔۔ "آتش پرست ہمارے تعاقب میں آ رہے ہوں گے.... میں حیران ہوں کہ وہ ابھی تک آئے کیوں نہیں؟"

☼

مثنیٰ بن حارثہ کو یہ خطرہ پریشان کر رہا تھا کہ آتش پرست ان کے تعاقب میں آ رہے ہوں گے لیکن آتش پرستوں کے سالار بہمن جادویہ کو تعاقب کی ہوش ہی نہیں رہی تھی۔ ہوا یوں تھا کہ جس وقت مثنیٰ اپنے بچے کھچے مجاہدین کو واپسی کے لیے دریا پار کروا رہے تھے اور بہمن جادویہ اپنی فوج کو للکار رہا تھا کہ عربوں کا پرچم گرا دو۔ انہیں بھاگنے نہ دو، اُس وقت مدائن سے اُس کا ایک ذاتی

جاسوس آیا اور اُس نے اطلاع دی کہ مدائن میں فوجی افسر اور شہری دو دھڑوں میں بٹ گئے اب اعلانیہ ایک دوسرے کی مخالفت کر رہے ہیں۔

"یہ تو آپ کو معلوم ہے کہ ایک گروہ رستم کا حامی ہے اور دوسرا فیروزان کا"——جاسوس نے کہا——"فیروزان بھی آخر جرنیل ہے۔ اُس کے گروہ کی تعداد زیادہ ہے۔ ملکہ فارس تو برائے نام ہے۔ وہ پہلے ہی اپنے تمام اختیارات رستم کے حوالے کر چکی ہے۔"

"پوران ہے تو ملکہ"——بہمن جادویہ نے کہا——"لیکن عملاً رستم کی داشتہ ہے۔"

"جالینوس!"——بہمن جادویہ نے کہا——"زیادہ سے زیادہ دستے اکٹھے کرو اور میرے ساتھ مدائن چلو۔ مجھے خانہ جنگی کا خطرہ صاف نظر آرہا ہے۔ ادھر ہم نے عربوں کو کچلنا شروع کیا اور اُدھر خانہ جنگی کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ اس کا نتیجہ اس کے سوا اور کیا ہوگا کہ عرب ہمیں کچل کر رکھ دیں گے۔"

"یہ پوران کے حسن کا جادو ہے"——جالینوس نے کہا——"اُسے شاہی خاندان کے کسی آدمی کے ساتھ شادی کر لینی چاہیے تھی۔ پھر رستم اس کے اتنا قریب نہ ہو سکتا۔"

"چلو چل کے دیکھتے ہیں وہاں ہو کیا رہا ہے"——بہمن جادویہ نے کہا——"ادھر ایک شکار میرے ہاتھ سے نکل گیا ہے۔ میں ان مسلمانوں کا تعاقب کر کے انہیں ختم کرنا چاہتا تھا.... وہ میرے ہاتھ سے نکل گئے ہیں۔"

اُس کے ساتھ جابان نام کا ایک اور جرنیل بھی تھا۔ اس جرنیل کا پہلے ذکر آچکا ہے کہ نمارق کی لڑائی میں اُس نے ابوعبید سے شکست کھائی اور پکڑا گیا تھا۔ پکڑنے والا کوئی عام مجاہد تھا جسے معلوم نہیں تھا کہ یہ جرنیل ہے۔ جابان نے اس مجاہد کو یہ جھانسہ دیا کہ وہ سپاہی ہے پکڑ کر وہ کیا کرے گا۔ جابان نے اسے اپنی رہائی کے لیے بڑا قیمتی معاوضہ پیش کیا۔ مجاہد نے قبول کیا کہ وہ اس معاوضے پر اسے رہا کر دے گا۔ کسی اور مجاہد نے اُسے پہچان لیا اور یہ معاملہ ابوعبید تک گیا کہ یہ فارسی جرنیل ہے، اسے رہا نہیں کیا جانا چاہیئے۔ ابوعبید کو جب بتایا گیا کہ مجاہد جابان سے وعدہ کر چکا ہے کہ وہ اُسے رہا کر دے گا تو ابوعبید نے فیصلہ دیا کہ ایک مجاہد اس سے وعدہ کر چکا ہے، اس لیے اسلامی دستور کے مطابق اُسے رہا کیا جائے۔ جابان نے اُس مجاہد کو معاوضہ دیا اور رہا ہو گیا۔

اب وہی جابان بہمن جادویہ کے ساتھ اس لڑائی میں شامل تھا۔ بہمن جادویہ نے اسے مدائن کی صورت حال سے آگاہ کیا اور بتایا کہ وہ اور جالینوس مدائن جا رہے ہیں۔

"تم چاہو تو مسلمانوں کے تعاقب میں جا سکتے ہو"——بہمن جادویہ نے کہا——"ہم تمہارے

پاس بہت تھوڑی فوج چھوڑ کر جا رہے ہیں۔"

"عربوں کی جو نفری یہاں سے نکلی ہے وہ تو اور زیادہ تھوڑی ہے"——جابان نے کہا——"تم چلے جاؤ، میں عربوں کے پیچھے جاتا ہوں۔ ان کا ایک بھی آدمی زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

تاریخوں میں آیا ہے کہ بہمن جادویہ اور جالینوس فوج کے زیادہ تر دستے اپنے ساتھ مدائن لے گئے، کچھ دستے جابان کو دے گئے۔ جابان مثنیٰ بن حارثہ کے تعاقب میں ایک دن اور ایک رات کے بعد روانہ ہوا۔ یہ وقت کشتیوں کا پل بنانے میں صرف ہو گیا تھا۔ اتنے میں مثنیٰ اپنے لشکر کے ساتھ دور نکل گئے تھے، پھر وہ الیّس جا پہنچے۔

الیّس پہلے ہی مسلمانوں کے فتح کیے ہوئے علاقوں میں شامل تھا۔ وہاں کے دو سرداروں نے مثنیٰ کو بتایا کہ مدائن میں کیا صورت حال پیدا ہو گئی ہے اور یہ بھی کہ بہمن جادویہ اور جالینوس فوج لے کر مدائن چلے گئے ہیں۔ الیّس کے امراء مسلمانوں سے متاثر تھے اور انہیں یہ بھی پتہ چل گیا تھا کہ اندرونی گروہ بندی، منافرت اور مسلمانوں کی پے بہ پے فتوحات کی وجہ سے سلطنت فارس کا زوال شروع ہو چکا ہے۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے الیّس کے اُمرا اور دیگر سرکردہ لوگ مسلمانوں کے وفادار ہو گئے تھے۔

ایک روز الیّس کے ہی ایک آدمی نے مثنیٰ بن حارثہ کو اطلاع دی کہ مدائن کی فوج آرہی ہے۔ یہ جابان کے دستے تھے۔ قبل از وقت اطلاع مل جانے سے مثنیٰ نے یہ فائدہ اٹھایا کہ اپنے مجاہدین کو تیار کر کے اُس راستے کے دونوں طرف پھیلا دیا جس راستے سے جابان کی فوج آرہی تھی۔ مؤرخ لکھتے ہیں کہ الیّس کے کئی لوگ مجاہدین سے جا ملے تھے۔

جابان بڑھتا آیا اور پھندے میں آگیا۔ اُس کے دستوں پر دونوں اطراف سے حملہ ہو گیا۔ مجاہدین نے اپنی شکست کا انتقام یوں لیا کہ کسی ایک بھی فارسی فوجی کو زندہ نہ چھوڑا۔ جابان کو زندہ پکڑ کر مثنیٰ بن حارثہ کے سامنے پیش کیا گیا۔

"مجھے یاد ہے جابان!"——مثنیٰ نے کہا——"نمارق میں تم ہمارے ایک سادہ لوح مجاہد کو دھوکہ دے کر رہا ہو گئے تھے۔ اب نہیں...."

مثنیٰ کے اشارے پر جابان کا سر تن سے جدا کر دیا گیا۔

مدائن میں ایک اور ڈرامے کا پردہ اُٹھ رہا تھا۔

مدینہ میں حضرت عمرؓ مسجد میں داخل ہونے لگے تو ان کی نظر ایک آدمی پر پڑی جو سر جھکائے ہوئے مسجد کی طرف آرہا تھا۔ محمد حسنین ہیکل اور بلاذری نے اُس کا نام عبداللہ بن زید لکھا ہے

حضرت عمرؓ رک گئے۔

"ابن زید!" ــــ حضرت عمرؓ نے عبداللہ سے پوچھا ــــ "کیا تم مثنیٰ کے ساتھ عراق نہیں گئے تھے؟ تمہاری حالت بتاتی ہے کہ تم محاذ سے آ رہے ہو.... کیا خبر لاتے ہو؟"

عبداللہ بن زید قریب آ کر کھڑا ہو گیا اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ وہ ان میں سے تھا جو مروحہ کی لڑائی سے بھاگ کر مدینہ پہنچ گئے تھے۔ عبداللہ نے حضرت عمرؓ کو حال کہہ سنایا کہ ابوعبید کی غلطی سے کس طرح اپنا لشکر فارسیوں کے ہاتھوں کٹ گیا ہے۔

حضرت عمرؓ مسجد کے دروازے میں یوں کھڑے رہے جیسے ان پر سکتہ طاری ہو گیا ہو۔ عبداللہ بن زید کھڑا کانپ رہا تھا کہ حضرت عمرؓ جیسے سخت مزاج اور جلالی خلیفہ کا ردِعمل نہ جانے کیا ہو گا!۔

ابوعبید کے غلط فیصلے سے جس لڑائی میں مسلمانوں کو بُری طرح پسپا ہونا پڑا تھا اور جس میں نو ہزار مجاہدین میں سے صرف تین ہزار رہ گئے تھے، اسے تاریخ میں معرکہ جسر لکھا گیا ہے۔ مثنیٰ بن حارثہ نہ ہوتے تو یہ تین ہزار بھی زندہ واپس نہ آ سکتے۔

ہم جسر کے میدانِ جنگ میں واپس چلتے ہیں جہاں لاشوں کے انبار پڑے تھے۔ خون سے زمین لال ہو گئی تھی۔ چھوٹے بڑے کھڈ لاشوں سے بھر گئے تھے۔ عربی اور عجمی کی پہچان ختم ہو گئی تھی۔ مرے ہوئے گھوڑوں کے نیچے آدمی دبے ہوئے تھے۔ گھوڑوں کے اوپر لاشیں پڑی تھیں۔ زخمی گھوڑے بے لگام دوڑتے اور گرتے پھر رہے تھے۔ کٹی ہوئی سونڈوں والے ہاتھی خون بہ جانے سے آخری سانسیں لے رہے تھے۔ سفید ہاتھی جس نے ابوعبید اور ان کے سات ساتھیوں کو پاؤں تلے کچل کر مار ڈالا تھا، دریا کے کنارے مرا پڑا تھا۔ سونڈ کٹنے کے علاوہ اس کے جسم پر بہت سے زخم تھے جن کے راستے اُس کا جسم خون سے خالی ہو گیا تھا۔ وہ شاید دریا پر پانی پینے گیا لیکن وہاں پہنچتے ہی مر گیا۔

ان لاشوں میں زندہ فارسی اور عربی بھی گرے پڑے تھے جو شدید زخمی تھے۔ ان میں سے بعض اُٹھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ وہ اُٹھتے تھے، لڑکھڑاتے تھے اور گر پڑتے تھے۔ اپنے آپ کو پیٹ کے بل گھسیٹتے تھے اور ان میں بیشتر ایسے تھے جو بیہوش پڑے تھے اور آہستہ آہستہ مر رہے تھے۔ مسلمان اپنے رفیقوں کی لاشیں یوں میدان میں پڑی نہیں رہنے دیا کرتے تھے۔ زخمی رفیقوں کو میدانِ جنگ سے اٹھا لانے پر تو مجاہدین اپنی جانیں قربان کر دیا کرتے تھے لیکن معرکہ جسر کے زخمیوں اور شہیدوں کو پیچھے لانے کی کسی کو مہلت ہی کہاں ملی تھی۔ انہوں نے بڑی مشکل سے اپنی جانیں بچائیں اور دریا پار کر آتے تھے۔

فارسی بھی اپنے زخمی نہیں اُٹھا سکے تھے۔ لاشیں اٹھانے کا تو اُن کے ہاں رواج ہی نہیں تھا۔ اُن کے فوجی تنخواہ پانے والے ملازم تھے۔ فارس ایک بادشاہی تھی۔ فوج کے ساتھ شاہی خاندان کا سلوک ویسا ہی ہوتا تھا جیسا ذاتی ملازموں کے ساتھ ہوتا ہے۔ ان کی نگاہ میں ایک گھوڑے اور ایک انسان کا مر جانا برابر تھا۔

فارس کی فوج اپنے تڑپتے ہوئے زخمیوں کو اس لیے بھی نہ اٹھا سکی کہ بہمن جاذ[illegible]
اور جالینوس فوج کے بیشتر دستوں کو اپنے ساتھ مدائن لے گئے تھے کیونکہ مدائن میں جو[illegible]
کے دو جرنیلوں رستم اور فیروزان کے مابین شدید اختلافات پیدا ہو گئے تھے اور فوج [illegible]
میں بٹ گئی تھی اور وہاں خانہ جنگی کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ بہمن جادویہ اپنے ایک جرنیل جابان[illegible]
تھوڑی سی فوج دے گیا تھا اور جابان مسلمانوں کے تعاقب میں چلا گیا تھا اس لیے فارس [illegible]
زخمیوں کو اٹھانے والا کوئی نہ رہا۔

سورج غروب ہو گیا تو گیدڑوں، بھیڑیوں، جنگلی کتوں اور دیگر گوشت خور جانوروں [illegible]
لاشوں پہ ہلہ بول دیا۔ یہ تو ہر لڑائی کے بعد کا معمول تھا کہ دن کو گدھ اور رات کو گیدڑ، بھیڑیئے [illegible]
میدانِ جنگ میں لاشوں کو کھانے کے لیے پہنچ جاتے تھے۔ ایک معمول اور بھی تھا۔ لڑ[illegible]
اگر آبادیوں کے قریب ہوتی اور دونوں طرف کی فوجیں وہاں سے چلی جاتیں تو قریبی بستیوں [illegible]
لوگ میدانِ جنگ پہنچ جاتے اور لاشوں کی تلاشی لے کر جو ہاتھ آتا لے جاتے۔ ہتھیار [illegible]
اٹھا لے جاتے۔

جسر کے معرکے کے بعد فارس کی فوج بھی مسلمانوں کی پسپائی کے بعد چلی گئی تو ا[illegible]
فوراً بعد سورج غروب ہو گیا۔ قریبی بستیوں کے لوگ میدانِ جنگ میں پہنچنے لگے۔ ان کے [illegible]
میں مشعلیں تھیں۔ ان میں بارسما کے لوگ بھی تھے، زوابی کے لوگ بھی تھے اور قس الناطف [illegible]
بھی کئی لوگ آ گئے تھے۔ ان میں عورتیں بھی تھیں، جواں سال لڑکیاں بھی تھیں اور ان میں کچھ عورتیں [illegible]
تھیں۔ ان میں مائیں تھیں، بیویاں تھیں، بہنیں اور بیٹیاں تھیں۔

ان میں اکثر لوگ لاشوں کو لوٹنے کے لیے آئے تھے۔ اُنھوں نے ہتھیار بھی اُ[illegible]
جانے تھے اور گھوڑے ملنے کی توقع بھی تھی لیکن بہت سے لوگ لاشوں میں اپنے ان ع[illegible]
کی لاشیں ڈھونڈنے آتے تھے جو فارس کی فوج میں تھے۔ ان میں بعض کو تو معلوم تھا کہ ان[illegible]
بیٹے یا بھائی اس لڑائی میں شامل تھے اور بعض محض شک میں لاشیں دیکھنے آتے تھے۔ ا[illegible]
بھی معلوم تھا کہ کئی زخمی ابھی زندہ ہوں گے۔

یہ عورتیں بھی اسی خیال سے آئی تھیں کسی کا باپ، کسی کا خاوند، کسی کا بھائی اور کسی کا [illegible]
لڑائی میں شامل تھا۔

ان سب کے پاس چھوٹی بڑی مشعلیں تھیں جلتی ہوئی مشعلوں کے شعلوں نے رات [illegible]
بنا دیا تھا لیکن جہاں دُور دُور تک لاشوں اور کراہتے ہوئے زخمیوں کے سوا کچھ بھی [illegible]
وہاں مشعلوں کے ناچتے پھڑپھڑاتے شعلے کچھ ڈراؤنے اور پُراسرار لگتے تھے۔

مرد ہتھیار اکٹھے کر رہے تھے، لاشوں کے کمربند کھول کر تلاشی لے رہے تھے اور عورتیں لاشوں کے چہرے دیکھ کر پہچاننے کی کوشش کر رہی تھیں۔ گیدڑ اور بھیڑیئے وغیرہ الگ لاشوں کو نوچ رہے تھے۔ کبھی کبھی کسی عورت کی چیخ سنائی دیتی اور ساتھ یہ پکار ——"میرا بیٹا.... ہائے میرا بیٹا"—— ایسے ہی کسی بیوی کو اپنے خاوند کی لاش مل جاتی تو وہ واویلا بپا کر کے اپنے ساتھ آئے مردوں کو پکارنے لگتی۔ کسی بہن کو اپنے جوان بھائی کی لاش نظر آ جاتی تو وہ سینہ کوبی شروع کر دیتی۔

منظر ہولناک تھا۔ دلوں پہ ہیبت طاری ہو رہی تھی۔

✠

بارسما کی ایک نوخیز لڑکی جس کی عمر سولہ سترہ سال ہو گی، ہاتھ میں مشعل لیے اپنے بڑے بھائی کو ڈھونڈ رہی تھی۔ اُس کا باپ بھی ساتھ آیا تھا اور اُس کی ماں بھی آئی تھی۔ وہ الگ الگ ہو کر لاشوں کے چہرے دیکھ رہے تھے۔ کچھ دیر بعد تینوں اکٹھے ہوتے۔

"تم میری بات کیوں نہیں مانتیں!"—— باپ نے لڑکی اور اُس کی ماں سے کہا ——"وہ سقاطیہ کی لڑائی میں مارا گیا تھا۔ بتانے والوں نے ٹھیک بتایا تھا۔ تم اُسے ڈھونڈنے یہاں آ گئی ہو۔"

"بتانے والوں نے شک میں بتایا تھا"—— ماں نے کہا ——"ہو سکتا ہے وہ آج کی لڑائی میں مارا گیا ہو۔"

"تھوڑی دیر اور دیکھ لیتے ہیں"—— لڑکی نے باپ سے کہا۔

"دیکھو.... دیکھو"—— باپ نے جھنجھلا کر کہا ——"جاؤ دیکھو۔"

ایک ماں تھی دوسری بہن تھی۔ انہیں یقین نہیں آ رہا تھا۔ وہ پھر الگ الگ ہو گئیں اور جھک جھک کر چہرے دیکھنے لگیں۔

کچھ دیر بعد لڑکی ایک لاش کے پاس رُک گئی۔ لاش زمین پر پڑی ہوئی نہیں تھی بلکہ اُس کی پیٹھ ایک درخت کے تنے کے ساتھ لگی ہوئی تھی اور ٹانگیں آگے کو تھیں جیسے زندہ آدمی درخت کے ساتھ پیٹھ لگا کر بیٹھا ہوا ہو۔ اُس کی ایک ٹانگ کی ران پہ کپڑا لپٹا ہوا تھا جو خون سے لال تھا۔ دوسری ٹانگ کے ٹخنے پر کپڑا لپٹا ہوا تھا۔ وہ یقیناً مرا ہوا تھا اور وہ فارسی نہیں عرب تھا۔ لڑکی چونکہ فارس کی رہنے والی تھی اس لیے اُسے اس عربی مسلمان کے ساتھ کوئی دلچسپی اور ہمدردی نہیں ہونی چاہیے تھی لیکن لڑکی نے مشعل اور آگے کی اور اس مسلمان کا چہرہ غور سے دیکھنے لگی۔ لڑکی اُس کے پاس بیٹھ گئی اور مشعل ذرا اور آگے کی۔ لاش کا چہرہ اس طرح ایک طرف

مڑ گیا جیسے زندہ آدمی نے شعلے کی تپش سے بچنے کے لیے چہرہ موڑ لیا ہو۔ پھر اُس کے ہاتھ کو حرکت ہوئی اور اُس کے ہونٹوں سے سسکی نکلی — "پانی"۔

"زندہ ہے" — لڑکی کے منہ سے بے اختیار آواز نکلی اور اُس نے مشعل پیچھے کر کے پوچھا — "زندہ ہو؟"

زخمی نے منہ اُس کی طرف کر کے سر کے اشارے سے بتایا کہ وہ زندہ ہے اور اُس نے ایک بار پھر پانی مانگا۔

لڑکی اِدھر اُدھر پانی ڈھونڈنے لگی۔ وہاں پانی کی کمی نہیں تھی۔ سپاہی اپنے ساتھ پانی کی چھاگلیں (چھوٹے چھوٹے مشکیزے) رکھا کرتے تھے۔ لڑکی کو ایک چھاگل مل گئی جو اُس نے اٹھائی، دوڑتی ہوئی زخمی تک پہنچی اور اُس کے منہ کے ساتھ لگا دی۔

"کسے پانی پلا رہی ہو زمرّد!" — ایک آدمی کی آواز گرجی — "یہ عربی ہے۔ ہمارا سپاہی نہیں۔ مسلمان ہے۔ ہٹو آگے سے!"

وہ آدمی تلوار تان کر اس زخمی کو قتل کرنے کے لیے آگے بڑھا۔ لڑکی جس کا نام زمرّد تھا۔ اپنے دونوں بازو پھیلا کر زخمی مسلمان کے آگے ڈھال بن گئی۔

"نہیں چچا!" — زمرّد نے کہا — "تم اسے بھول گئے ہو، میں نہیں بھول سکتی۔ اس نے میری بے عزتی کا انتقام لیا تھا۔ میں نے اسے پہچان لیا ہے"۔

"تو اس کا کرو گی کیا؟" — چچا نے پوچھا — "اسے یہیں رہنے دو۔ میں اسے نہیں مارتا۔ خود ہی مر جائے گا"۔

"میں اسے مرنے نہیں دوں گی" — زمرّد نے کہا — "میری مدد کرو چچا!"

"کیا مجھے مروانا چاہتی ہو؟" — چچا نے کہا — "کسی فوجی نے دیکھ لیا کہ ہم ایک عربی کی مدد کر رہے ہیں تو وہ اس کے ساتھ ہمیں بھی مار ڈالے گا"۔

"پھر تم یہاں سے چلے جاؤ چچا!" — زمرّد نے کہا۔

✠

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ معرکۂ جسر سے تھوڑا ہی عرصہ پہلے مثنیٰ بن حارثہ نے فارس کے ایک قصبے بارسما کو گھیرے میں لے کر اعلان کیا تھا کہ فارس کے جو فوجی یہاں موجود ہیں وہ باہر آ جائیں۔ بارسما فارس کا ہی قصبہ تھا۔ ایک لڑائی میں مسلمانوں نے فارسیوں کو بہت بُری شکست دی تو فارس کے کچھ فوجی بھگوڑے قریبی بستیوں میں جا چھپے۔ انہوں نے جب دیکھا کہ مسلمانوں کا لشکر ان بستیوں میں نہیں پہنچا تو انہوں نے اپنے ہی لوگوں کے گھروں کو لوٹنا اور

نوجوان لڑکیوں کو بے آبرو کرنا شروع کر دیا۔

سپہ سالار ابو عبید ابھی زندہ تھے۔ ان کے پاس ان بستیوں کے فریادی آئے اور بتایا کہ ان کے اپنے ہی بھگوڑے فوجی انہیں پریشان کر رہے ہیں۔ ابو عبید نے کہا کہ جہاں اسلام کا سایہ پہنچ گیا ہے وہاں کے لوگوں کی عزت کی اور جان و مال کی حفاظت مسلمانوں کی ذمہ داری ہے۔ ابو عبید نے مثنیٰ بن حارثہ اور سلیط بن قیس کو ان بستیوں میں بھیجا کہ فارس کے فوجیوں کو گرفتار کر کے لے آئیں اور ان سے لوٹا ہوا مال لے کر لوگوں کو واپس دے دیں۔

مثنیٰ بن حارثہ بارسما نام کی ایک بڑی بستی میں گئے تھے اور فارس کے فوجیوں کو باہر نکال لیا تھا۔ مثنیٰ نے بستی کے لوگوں سے کہا کہ ان فوجیوں میں سے کسی نے کسی عورت کی آبروریزی کی ہو تو اسے پہچانو۔

کم و بیش بیس فوجیوں کو لوگوں نے پہچان کر آگے کر دیا۔ مثنیٰ بن حارثہ نے ایک فوجی کو اور آگے کر کے اُسے گھٹنوں کے بل بٹھا دیا اور لوگوں سے کہا کہ اس نے جس عورت کی آبروریزی کی ہے وہ عورت آگے آئے۔

ایک نوخیز لڑکی اپنے باپ کے ساتھ آگے آئی۔ مثنیٰ نے اپنی نیام سے تلوار نکال کر لڑکی کو دی اور فوجی کی گردن جھکا کر لڑکی سے کہا کہ اس کی گردن اپنے ہاتھوں کاٹ کر اپنی بے عزتی کا انتقام لے۔ لڑکی کی عمر بمشکل سولہ سال تھی۔ اُس نے مثنیٰ کے ہاتھ سے تلوار لے کر فوجی کی گردن پر رکھی اور دونوں ہاتھوں سے اوپر اٹھائی لیکن لڑکی کے ہاتھ کانپنے لگے اور اُس کے بھولے بھالے چہرے کا رنگ پیلا پڑ گیا۔ ایک انسان کی گردن کاٹنا تو دُور کی بات ہے، اس لڑکی نے کبھی تلوار ہاتھ میں نہیں لی تھی۔ اُس نے تلوار نیچے کر کے مثنیٰ کی طرف بڑھا دی اور رونے لگی۔

اچانک ایک مجاہد جس کی عمر بیس بائیس سال تھی، دوڑتا ہوا آگے آیا۔ اُس نے نعرہ لگایا — "اس لڑکی کا انتقام میں لوں گا" — اُس کے ہاتھ میں تلوار تھی۔ اُس نے ایک ہی وار سے اس فارسی فوجی کا سر تن سے جدا کر دیا، پھر اُس نے لڑکی کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا — "ہم تمہاری عزت کے محافظ ہیں" — وہ جس تیزی سے آیا تھا اُسی تیزی سے واپس اپنی جگہ پر جا کر کھڑا ہو گیا۔

لڑکی اُسے حیرت زدہ سی نظروں سے دیکھتی رہی۔ اس کے بعد کم و بیش بیس فارسی فوجیوں کی گردنیں کاٹی گئیں۔ لوگوں نے محویت سے یہ تماشہ دیکھا لیکن لڑکی عرب کے اسی نوجوان کو دیکھتی رہی جس نے اُس کی بے عزتی کا انتقام لیا تھا۔

عرب کا یہ خوبرو نوجوان صہیب ابن القدر تھا اور صہیب ثقفی کے نام سے مشہور ہو گیا تھا۔ وہ ابو عبید شہید کے قبیلہ بنو ثقیف میں سے تھا۔ اُس کی شہرت غیر معمولی شجاعت کی بدولت تھی۔ معرکہ

جسر پر اُس نے شجاعت کے جوہر دکھائے تھے۔ ہاتھیوں کے ہودوں کی رسیاں کاٹ وہ پیش پیش تھا۔ اُس نے دو ہاتھیوں کے پیٹ تلوار سے چاک کر دیئے تھے۔

صہیب ثقفی اُس وقت زخمی ہوا تھا جب مثنیٰ بن حارثہ اپنے بچے کھچے مجاہدین کو میدان سے نکال کر پُل سے گزار رہے تھے۔ صہیب ثقفی اپنے ساتھی مجاہدین کے ساتھ فارسیوں کو پُل سے دُور رکھنے کے لیے لڑ رہا تھا۔ اُسے اپنے ساتھیوں کی طرح ذرا پیچھے رہنا تھا لیکن وہ بہت آگے نکل گیا تھا۔ ایک فارسی کی تلوار نے اُس کی ران [illegible] گوشت کو کاٹتی ہوئی ہڈی کے قریب جا کر رُکی۔ اُس نے اس فارسی کو تو ختم کر دیا لیکن اور ایک گھوڑے کا پاؤں اُس کے ٹخنے پر آ گیا اور وہاں سے کھال اُتر گئی۔ ابھی معلوم نہیں کہ وہاں سے ہڈی ٹوٹی تھی یا نہیں لیکن یہ پاؤں زمین پر ٹکتا نہیں تھا۔

اُس نے اپنے لشکر کے تین ہزار مجاہدین کو تو دریا پار کروا دیا لیکن خود وہاں سے نہ [illegible] زخموں سے خون تیزی سے بہہ رہا تھا اور زخمی پاؤں جسم کا بوجھ لیتا ہی نہیں تھا۔ صہیب ایک درخت کے نیچے جا کر گر پڑا اور یُوں دم سادھ لیا جیسے مر گیا ہو۔ پھر دونوں طرف کی [illegible] گئیں تو صہیب نے قریب پڑی ہوئی ایک لاش کی کمر کے گرد لپٹا ہوا کپڑا کھولا جو آدھی چادر برابر تھا اور اپنے زخموں پر کس کر باندھ دیا۔ اُس نے اُٹھنے کی کوشش کی لیکن کھڑا نہ [illegible] جسم کا خون ختم ہو رہا تھا۔

وہ ایک درخت کے ساتھ پیٹھ لگا کر بیٹھ گیا اور موت کا انتظار کرنے لگا۔ اُس کے [illegible] اللہ کے کلام کے وِرد میں ہل رہے تھے لیکن پیاس نے اُس کے جسم کی ساری نمی چُوس لی تھی [illegible] ایسا خشک ہُوا جیسے حلق میں کانٹے چُبھ رہے ہوں۔ اس کے اثر سے اُس کے ہونٹوں کی [illegible] بند ہو گئی تھی اور پھر اُسے غشی کے دَورے پڑنے لگے۔ اُس نے مَوت کو قبول کر لیا تھا [illegible] اُس کے لیے باعثِ اطمینان و سکون تھا لیکن زخموں کا درد اُسے بہت پریشان کر رہا تھا۔

پھر وہ ایسا بیہوش ہُوا کہ ہوش میں آنے کا امکان ہی ختم ہو گیا۔

✠

زمرّد کی مشعل کے شعلے کی تپش تھی جو اُسے ہوش میں لے آئی تھی اور اُس کے پتھر [illegible] ہونٹوں سے سسکی نکلی تھی ــــ "پانی" ــــ زمرد نے اُسے مرا ہُوا سمجھ کر مشعل اُس کے [illegible] کے اتنی قریب کر دی تھی کہ صہیب ثقفی نے چہرہ پرے کر لیا اور پُوری طرح ہوش میں آ [illegible] زمرد بارسمہ کی وہی لڑکی تھی جو ایک فارسی فوجی کی گردن پر تلوار نہیں چلا سکی تھی اور یہ کام [illegible] ثقفی نے اپنی تلوار سے کر دیا تھا۔ جتنی دیر صہیب ثقفی وہاں موجود رہا زمرّد اُسی کو دیکھتی رہی [illegible]

[illegible] خوبرو عرب نوجوان وہاں سے چلا گیا تو زمرد اُسے تصوّر میں دیکھنے لگی اور یہ پُرنُور چہرہ ہر وقت [illegible] کے سامنے رہنے لگا۔

اُس رات زمرّد اس شک پر جسر کے میدانِ جنگ میں گئی کہ ہو سکتا ہے اُس کا بھائی زخمی [illegible] مل جائے تو اُس کی نظر اس چہرے پر پڑی جو اُس کے ذہن میں نقش ہو گیا تھا جہاں سب [illegible] ایک جیسے لگتے تھے اور ہر چہرے پر موت کا ایک ہی جیسا سایہ تھا، وہاں دو چار [illegible] دُور سے کسی چہرے کو پہچاننا ممکن نہ تھا لیکن زمرّد نے صہیب ثقفی کو پہچان لیا۔

صہیب ثقفی کے جسم میں پانی گیا تو اُس کے ہوش ٹھکانے آ گئے اور اُس کی آنکھیں کھُل گئیں۔

"کون ہو تم؟" ــــ صہیب ثقفی نے زمرد سے پوچھا ــــ "تم عربی نہیں ہو"

"عربی نہیں ہوں، لیکن عربی بول سکتی ہوں" ــــ زمرّد نے کہا ــــ "بارسمہ کی رہنے والی ہوں۔ تمہیں جانتی ہوں"

"کیسے؟" ــــ صہیب ثقفی نے کہا ــــ "میں تمہیں نہیں جانتا"

زمرّد نے اُسے وہ واقعہ یاد دلایا۔

"تم مجھے بہت یاد آتے رہے ہو" ــــ زمرّد نے کہا ــــ "تم نے اُس شیطان کی گردن کاٹ کر میرے سر پر ہاتھ رکھا اور کہا تھا کہ ہم تمہاری عزّت کے محافظ ہیں۔ ہم تو سمجھتے تھے کہ ہماری فوج ہماری عزّت کی محافظ ہے لیکن ہمارے محافظوں نے ہماری عزتیں لُوٹ لیں۔۔۔ یہ وقت باتوں کا تو نہیں۔ مجھے بتاؤ میں تمہیں کس طرح بچا سکتی ہوں۔ میں تمہیں یہاں نہیں پڑا رہنے دوں گی"

"مجھے میرے لشکر تک پہنچا دو" ــــ صہیب ثقفی نے کہا ــــ "لیکن یہ کام تم نہیں کر سکو گی"

"میں تمہیں بارسمہ لے جاؤں گی" ــــ زمرّد نے کہا ــــ "اپنے گھر رکھوں گی"

"کسی فارسی فوجی نے دیکھ لیا تو وہ میرے ساتھ تمہیں بھی قتل کر دے گا" ــــ صہیب ثقفی نے کہا ــــ "تم جاؤ۔ مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔ میں کچھ دیر کا مہمان ہُوں۔ میری آنکھیں صبح کا سورج نہیں دیکھ سکیں گی۔ میں مرتے وقت تمہیں کسی مصیبت میں نہیں ڈالنا چاہتا"

لڑکی فوراً اُٹھی اور یہ کہہ کر چلی گئی ــــ "آتی ہُوں!"

وہ ایک گھوڑے پر سوار جلدی ہی آ گئی۔ کود کر اُتری اور صہیب ثقفی کو اٹھانے کی کوشش کرنے لگی۔

"ہمّت کرو اور اُٹھو" ــــ اُس نے کہا ــــ "ایک بار گھوڑے پر سوار ہو جاؤ لیکن بہت جلدی"

یہ میرے چچا کا گھوڑا ہے۔ وہ یہیں کہیں گھومتا پھرتا ہو گا۔ اُس نے دیکھ لیا تو بنا بنایا کام بگڑ
زمرّد نے صہیب ثقفی کو اٹھا کر اس طرح سہارا دیا کہ اُس کا وزن اپنے جسم پر ڈال لیا
قریب ہی کھڑا تھا۔ بڑی ہی مشکل سے زمرّد نے صہیب ثقفی کا پاؤں رکاب میں رکھا اور
کے جسم کو اپنے کندھوں اور پیٹھ پر ڈال کر اُسے گھوڑے پر سوار کرایا۔ صہیب ثقفی کے
گھوڑے کی پیٹھ پر سنبھل کر بیٹھنا محال ہو رہا تھا۔

"میں راستے میں ہی گر پڑوں گا" ــــ اُس نے زمرّد سے کہا۔

"میں تمہیں اکیلا تو نہیں بھیج رہی" ــــ زمرّد نے کہا ــــ "تمہارے ساتھ جاؤں گی۔"

وہ گھوڑے پر صہیب ثقفی کے پیچھے سوار ہو گئی اور اُس کی پیٹھ اپنے سینے کے لگا کر اُسے اپنے بازوؤں میں لے لیا۔

"تم گھوڑے کو قابو میں رکھنا" ــــ زمرّد نے کہا ــــ "میں تمہیں قابو میں رکھوں گی۔ ٹھکانے رکھنے کی کوشش کرو۔"

"یہ کیا ہو رہا ہے" ــــ انہیں ایک للکار سنائی دی ــــ "ٹھہر جا زمرّد!"

یہ زمرّد کے چچا کی آواز تھی جس کا گھوڑا تھا۔ وہ ان کی طرف دوڑا آ رہا تھا۔

"یہ گھوڑا میرے چچا کا ہے" ــــ زمرّد نے کہا ــــ "وہ آ رہا ہے" ــــ اُس نے گ
کو ایڑ لگا کر کہا ــــ "سنبھلو ذرا.... پل کی طرف!"

گھوڑا لاشوں کو روندتا پھلانگتا کشتیوں کے پل پر جا پہنچا۔ زمرّد نے مشعل پھینک
تھی۔ زمرّد کا چچا چیختا چلاتا رہ گیا اور گھوڑا پل پار کر گیا۔

✠

فارس کے دارالحکومت مدائن میں ایک پُراسرار ڈرامہ زمین کے نیچے نیچے چل رہا
اور یہ ملکۂ فارس پوران اور رستم کے گرد گھومتا تھا۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ پُوران نے سلط
کے تمام اندرونی اور بیرونی امور، دفاع اور جارحیّت کے فیصلوں کے اختیارات رستم
دے دیئے تھے۔ اُس کی اپنی حیثیت برائے نام ملکہ کی سی رہ گئی تھی۔ وہ اور رستم زیاد
وقت اکٹھے گزارتے تھے اور یہ شک ہی نہیں بلکہ شاہی حلقوں کا یہ مشاہدہ تھا کہ رستم اور پُوران
سرکاری تعلقات ذاتی دوستی کا رنگ اختیار کر گئے تھے اور یہ دوستی قابلِ اعتراض حدود
داخل ہو چکی تھی۔

مدائن میں فارس کے دو جرنیل اور بھی تھے ــــ فیروزان اور مہران ــــ وہ بھی بہمن جاد
اور جالینوس کے پائے کے جرنیل تھے لیکن رستم انہیں نظر انداز کر کے بہمن جادویہ اور جال
کو زیادہ اہمیت دیتا تھا۔ فیروزان اور مہران کے دلوں میں خلش پرورش پا رہی تھی جو اُس وقت اُبھر کر سامنے آ گئی جب رستم نے بہمن جادویہ اور جالینوس کو ہی ہاتھی دے کر مسلمانوں کے خلاف بھیج دیا۔

یہ فوج مدائن سے نکل گئی تو رستم اور پوران جو کچھ دور تک فوج کے ساتھ گئے تھے واپس محل میں آ گئے۔ فیروزان نے اپنے ایک آدمی سے کہا کہ رستم اِدھر اُدھر ہو جائے تو اُسے اطلاع دے۔ کچھ ہی دیر بعد اُسے اطلاع مل گئی کہ رستم چلا گیا ہے۔ فیروزان بغیر اطلاع پوران کے کمرے میں چلا گیا۔

"ملکۂ فارس کو میری یہ جرأت اچھی تو نہ لگی ہو گی کہ میں بغیر اطلاع اندر آ گیا ہوں" ــــ فیروزان نے کہا۔

"بیٹھو فیروزان!" ــــ ملکۂ فارس پوران نے کہا ــــ "تمہارا بغیر اطلاع اندر آ جانا تو اتنا بُرا نہیں لگا لیکن مجھ تک کچھ ایسی باتیں پہنچی ہیں جو مجھے اور رستم کو بہت بُری لگی ہیں۔"

"اس سے پہلے کہ میں وہ باتیں پوچھوں جو ملکۂ عالیہ کو بُری لگی ہیں" ــــ فیروزان نے کہا ــــ "میں یہ پوچھنا ضروری سمجھتا ہوں کہ رستم کون ہے؟ کیا وہ شاہی خاندان کا فرد ہے؟ کیا وہ کسریٰ کی نسل سے ہے؟.... وہ میرے اور مہران جیسا ایک جرنیل ہے۔"

"کیا تم نہیں جانتے کہ اُسے میں نے اختیارات دیئے ہیں؟" ــــ پُوران نے کہا ــــ "اور کیا تم نہیں جانتے کہ میں نے یہ فیصلہ سلطنتِ فارس کی سلامتی اور بقا کے لیے کیا ہے؟ میں اُس روز اپنے آپ کو ملکۂ فارس سمجھوں گی جس روز میرے کانوں میں یہ خبر پڑے گی کہ اب کوئی زندہ مسلمان فارس کی سرزمین پر نہیں رہا اور فارس کے کھوئے ہوئے علاقے واپس لے لیے گئے ہیں۔"

"ملکۂ فارس!" ــــ فیروزان نے کہا ــــ "اگر آپ کے اور رستم کے انداز و اطوار یہی رہے تو وہ دن کبھی نہیں آئے گا۔"

"فیروزان!" ــــ پوران نے کہا ــــ "معلوم ہوتا ہے تمہارے دل میں رستم کے خلاف ذاتی عناد پیدا ہو گیا ہے۔"

"نہیں ملکۂ عالیہ!" ــــ فیروزان نے کہا ــــ "بات اگر عناد کی ہے تو عناد رستم کے دل میں پیدا ہوا ہے۔ اُسے بہمن جادویہ اور جالینوس کے سوا کوئی اور جرنیل نظر ہی نہیں آتا۔ یہ دونوں شکست خوردہ جرنیل ہیں۔ دونوں پسپا نہیں ہوتے بلکہ اپنی فوج کا ساتھ چھوڑ کر بھاگ آنے والے جرنیل ہیں۔"

"میں تمہاری شکایت سمجھ گئی ہوں فیروزان!"

"آپ کچھ نہیں سمجھ رہیں ملکۂ عالیہ!" ——— فیروزان نے کہا ——— "آپ بھول رہی ہیں کہ فارس کے تخت و تاج پر شاہی خاندان میں کس قدر قتل و غارت ہو چکی ہے۔ اس تخت پر جو بیٹھا وہ قتل ہو گیا۔ میں جانتا ہوں کہ آپ نے رستم کو ساتھ لے کر تخت و تاج کو فوج کا تحفّظ دلا دیا ہے لیکن آپ نے رستم پر اندھا اعتماد کر کے اچھا نہیں کیا، اور پھر اُس کے ساتھ ذاتی دوستی پیدا کر کے اور زیادہ بُرا کیا ہے.... ملکۂ عالیہ! میرے دل میں فارس کی محبت اور درد ہے۔ میری وفاداری فارس کے ساتھ ہے، آپ کے ساتھ نہیں۔ میں یہ کہنے سے ذرا سا بھی نہیں ڈروں گا کہ رستم پر آپ کے حسن و جوانی کا نشہ طاری ہو گیا ہے۔ آپ اُسے خوش اور مطمئن رکھنا چاہتی ہیں اس لیے آپ نے اُسے اجازت دے رکھی ہے کہ وہ آپ کے اس خوبصورت جسم کے ساتھ کھیلے اور دل بہلائے۔"

"فیروزان!" ——— پوران نے غصّے سے بھڑکتے ہوئے کہا ——— "اپنی حیثیت کو پہچانو۔ مت بھولو کہ میں اس ملک کی ملکہ ہوں اور تم ملازم ہو۔ تم مجھ پر اتنا گھٹیا الزام عائد کر رہے ہو؟"

"ملکۂ فارس!" ——— فیروزان نے بے خوف و خطر کہا ——— "میں جو کچھ کہہ رہا ہوں سوچ سمجھ کر کہہ رہا ہوں۔ آپ کون سے فارس کی ملکہ ہیں؟ وہ فارس جس کی فوجیں مسلمانوں کے آگے آگے بھاگی چلی آ رہی ہیں؟ اور جس کے جرنیل اپنی فوج سے پہلے میدان چھوڑ کر بھاگ آتے ہیں؟ اور اُس فارس کی آپ ملکہ ہیں جو آدھے سے زیادہ مسلمانوں کے قبضے میں چلا گیا ہے؟.... میں بہت دور کی سوچ رہا ہوں ملکۂ عالیہ! اگر مدائن پر بھی مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا تو وہ ساری دنیا کو سنائیں گے اور ڈرائیں گے کہ کسریٰ پرویز نے ان کے رسولؐ کا خط پھاڑ دیا تھا اور ان کے رسولؐ نے کہا تھا کہ سلطنتِ فارس بھی اسی طرح ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بکھر جائے گی۔ مسلمان کہیں گے کہ دیکھو اللہ کے رسولؐ کی توہین کرنے والوں پر کیسا عذاب نازل ہوتا ہے۔ میں عرب کے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیش گوئی پوری نہیں ہونے دوں گا۔"

"تم جا سکتے ہو" ——— پُوران نے شاہی جلال سے کہا ——— "میں رستم کے ساتھ بات کروں گی۔"

فیروزان کمرے سے نکل گیا۔

✠

اُدھر بہمن جادویہ اور جالینوس اپنی فوج کے ساتھ جس میں ہاتھی بھی تھے، فرات کے کنارے مروحہ کے مقام سے کچھ دُور پہنچ چکے تھے۔ اُنہوں نے ابُو عبیدہ کے لشکر کے

خلاف معرکہ آرا ہونا تھا جو معرکۂ جسر کے نام سے مشہور ہُوا اور مسلمانوں کی پسپائی پر ختم ہُوا تھا۔

سورج غروب ہونے سے کچھ دیر پہلے مدائن میں فوج کو ایک جگہ اکٹھا کرنے کے لیے نقارہ بجنے لگا۔ شہر کے لوگوں پر خوف طاری ہو گیا۔ وہ سمجھے کہ مسلمان آ گئے ہیں اور وہ شہر کو محاصرے میں لے رہے ہیں۔ فوج کے جرنیل اور سپاہی بڑی تیزی سے تیار ہو کر میدان میں جمع ہونے لگے۔ ان کے افسروں نے انہیں جیشوں اور دستوں کی ترتیب میں کھڑا کر دیا۔

رستم گھوڑے پر سوار آتا نظر آیا۔ اُس کے پیچھے اُس کے گھوڑ سوار محافظ تھے۔ رستم فوج کے اجتماع کے سامنے رُکا اور فوج پر نظر دوڑائی۔ فوج پر سنّاٹا طاری ہو گیا۔

"ملکۂ فارس کا ایک حکم کان کھول کر سُن لو" ——— رستم نے بلند آواز سے کہا ——— "فوج کے کسی بڑے سے بڑے افسر اور کسی ادنیٰ سے ادنیٰ سپاہی کو اجازت نہیں کہ وہ ملکۂ عالیہ پوران دخت کے ساتھ محل میں جا کر یا کہیں باہر براہِ راست بات کرے۔ اگر کسی نے کوئی مشورہ دینا ہو تو اپنے کسی عہدیدار کو دے۔ کسی کو کوئی شکایت ہو تو وہ بھی اپنے عہدیدار سے کرے۔ تمہاری شکایت اوپر پہنچ جائے گی.... کیا تم دیکھ نہیں رہے کہ فارس پر کتنا بُرا وقت آن پڑا ہے؟ آدھے ملک پر عربوں کا قبضہ ہو گیا ہے۔ اس کا ذمّہ دار کون ہے؟.... تم اور صرف تم.... فوج.... ہر میدان سے تم بھاگے ہو۔ جرنیل بھاگے ہیں ان سے کم درجہ افسر بھاگے ہیں۔ یہ وہ فوج تھی جس نے روم کے ہرقل کو میدان سے بھگایا ہے۔ رومیوں سے بڑھ کر طاقتور کون تھا! ہم نے اس اتنی بڑی جنگی طاقت پر دھاک بٹھا دی تھی۔ آج وہ دہشت جو فارس نے رومیوں پر ہی نہیں بلکہ ساری دنیا پر طاری کر دی تھی، وہ عرب کے بے مایہ اور بے نام بدوّوں نے تم پر طاری کر دی ہے۔ میں نے سُنا ہے کہ تمہیں اطلاع ملتی ہے کہ عربی آ رہے ہیں تو تم خوف سے کانپنے لگ جاتے ہو۔ عجمی ایسے بزدل تو نہیں تھے کہ عربوں سے ڈر جاتے....

"اب میں نے عربوں کو ہمیشہ کے لیے کچل دینے کے لیے ہاتھی بھیجے ہیں اور میں نے دو ایسے جرنیل بھیجے ہیں جو فرات کے پانی کو عرب کے مسلمانوں کے خون سے لال کر کے آئیں گے۔ ان میں ایک بہمن جادویہ ہے اور دوسرا جالینوس.... لیکن مدائن میں ایسے لوگ موجود ہیں جن کی دلچسپی اور وفاداری فارس کے ساتھ نہیں بلکہ اپنی ذات اور اپنے اقتدار کے ساتھ ہے۔ وہ حاسد ہیں۔ وہ ملکۂ فارس کو میرے خلاف بھڑکا رہے ہیں کہ مجھے ان اختیارات سے محروم کر دیا جائے جو ملکۂ عالیہ نے مجھے دیئے ہیں۔"

"خاموش رہ رستم!" ——— ایک آواز گرجی ——— "اقتدار کا بھوکا تُو خود ہے۔"

فوج کے اجتماع پر سنّاٹا طاری ہو گیا۔ یہ مدائن کے جرنیل فیروزان کی آواز تھی۔ وہ اپنا گھوڑا

دوڑا کر رستم کے گھوڑے کے قریب لے گیا اور فوج کی طرف مُنہ کر لیا۔

"میں اپنے سے اعلیٰ درجے کے سالار کی شان میں گستاخی کر رہا ہوں"۔۔۔۔ فیروزان نے ۔۔۔ "میں اس جرم کی سزا قبول کرتا ہوں لیکن سچ کہنے سے باز نہیں آؤں گا۔ میں رستم سے پوچھتا ہوں کیا اس نے ایک بزرگ سے نہیں کہا تھا کہ اس نے اقتدار کی ہوس اور حکومت کے لالچ میں یہ ذمہ داریاں سنبھالی ہیں؟ رستم اپنے آپ کو علمِ نجوم کا ماہر سمجھتا ہے۔ اس نے اُس بزرگ سے کہا تھا کہ نجوم کا علم بتاتا ہے کہ سلطنتِ فارس کا انجام ٹھیک نہیں ہو گا..... میں بتاتا ہوں کہ کیوں ٹھیک نہیں ہو گا۔ اگر اس شخص کی نیت ٹھیک ہو جائے تو سلطنت کا انجام بھی ٹھیک ہو گا..... یہ بہمن جادویہ اور جالینوس کو اتنے طاقتور جرنیل سمجھتا ہے کہ وہ فرات کے پانی کو خون سے لال کر آئیں گے۔ تم جانتے ہو کہ یہ دونوں جرنیل عربوں سے شکست کھا کر بھاگے ہوئے ہیں۔ رستم خود محاذ پر کیوں نہیں جاتا؟..... صرف اس لیے کہ یہ پُوران دخت کے ساتھ برائے نام ملکہ ہے، عیش و عشرت میں مصروف ہے....."

"اِسے گرفتار کر لو"۔۔۔۔ رستم نے نیام سے تلوار نکال کر کہا۔۔۔۔ "میں اپنی توہین برداشت کر لوں گا، ملکۂ عالیہ کی شان میں گستاخی برداشت نہیں کروں گا۔"

رستم کے پیچھے کھڑے چار گھوڑ سوار محافظ فیروزان کی طرف بڑھے۔ فیروزان نے تلوار نکال لی۔ "مجھے گرفتار کرنے کے لیے خود آ گے آ رستم!"۔۔۔۔ فیروزان نے رستم کو للکارا۔

"خبردار!"۔۔۔۔ فوج کے اجتماع میں ایک اور آواز گرجی۔۔۔۔ "فیروزان کے قریب کوئی نہ آئے۔"

چار پانچ گھوڑ سوار سامنے آئے۔ سواروں کے ہاتھوں میں تلواریں تھیں۔ انہوں نے فیروزان کو اپنے حصار میں لے لیا۔ اس کے ساتھ ہی فوج میں ہڑبونگ مچ گئی۔

"ہم فیروزان کے ساتھ ہیں۔"

"فیروزان سچ کہتا ہے۔"

"رستم ہمارا بادشاہ ہے۔"

"ہم رستم کے ساتھ ہیں۔"

"فیروزان غدار ہے۔"

"رستم سب سے بڑا غدار ہے۔"

دیکھتے ہی دیکھتے فوج دو حصّوں میں بٹ گئی۔ جس ترتیب میں فوج کھڑی تھی وہ درہم برہم ہو گئی۔ صورتِ حال خانہ جنگی والی پیدا ہو رہی تھی۔ رستم کو اپنی زندگی کا سب سے بڑا دھچکا لگا۔ اُسے اُس

کے مُخبر یہ تو بتاتے رہتے تھے کہ فوج اور شہری انتظامیہ کے حکام میں اُس کے خلاف ایک لہر چل رہی ہے مگر اُسے یہ معلوم نہیں تھا کہ آدھی فوج اُس سے باغی ہے۔

یہ فیروزان اور مہران کی خفیہ کوششوں کا نتیجہ تھا کہ مدائن میں رستم کی اتنی زیادہ مخالفت پیدا ہو گئی تھی۔

"رک جاؤ"۔۔۔۔ رستم اس شور و غل میں چلّانے لگا۔۔۔۔ "رک جاؤ۔ میری پوری بات سن لو..... ایک دوسرے کے خلاف تلواریں نہ نکالنا۔"

"نہیں سنیں گے..... نہیں سنیں گے"۔۔۔۔ یہ ہجوم کا شور تھا۔

ایک طرف سے ایک گھوڑا دوڑتا آیا اور فوج کے دونوں حصّوں کے درمیان جا رُکا۔ اس پر ملکۂ فارس پوران دخت سوار تھی۔

"زرتشت کے پجاریو!"۔۔۔۔ پُوران نے چلّا چلّا کر کہا۔۔۔۔ "کیا ہو گیا ہے تمہیں کہ تم اپنا ہی خون بہانے پر آ گئے ہو۔ اپنے ملک کے ٹکڑے کرنے سے پہلے اپنی تلواروں سے میرے جسم کے ٹکڑے کر دو۔ کیا تم بھول گئے ہو کہ میں نے فارس کے تخت و تاج کو خون خرابے سے کس طرح روکا تھا؟ میں نے اپنے ملک کی سلامتی کی خاطر شادی نہیں کی۔ میں نے فارس کو دشمنوں سے بچانے کے لیے اپنے اختیارات فوج کے حوالے کر دیئے ہیں۔ میں نے اپنے آپ کو کبھی ملکہ سمجھا ہی نہیں۔ اگر تم سمجھتے ہو کہ رستم ان اختیارات کے اہل نہ تھا جو میں نے اسے دیئے ہیں تو مجھے موقع دو کہ میں اپنی غلطی کا ازالہ کر سکوں۔ میں اپنا حکم نہیں چلاؤں گی، تمہاری سنوں گی اور تمہاری مانوں گی۔"

ایک عورت کی چیخ و پکار سُن کر ایک دوسرے کے خلاف بپھرے ہوئے فوجی خاموش ہو گئے۔ ان کے افسروں نے بھی انہیں پُرامن رہنے کو کہا۔

"اپنے اصل دشمن کو پہچانو"۔۔۔۔ پوران کہہ رہی تھی۔۔۔۔ "اپنے بھائیوں کو دشمن سمجھ کر تم مسلمانوں کی غلامی میں جانے کے سوا کچھ اور حاصل نہیں کر سکو گے۔ تم مسلمانوں کو بلا رہے ہو کہ وہ مدائن پر بھی قبضہ کر لیں اور تمہاری کنواری بیٹیوں اور بہنوں کو لونڈیاں بنا کر لے جائیں۔ تم جو اتنی شان سے اتنے خوبصورت اور توانا گھوڑوں پر سوار ہو، عرب کے شہروں کی گلیوں میں بھیک مانگتے پھرو گے..... "تمہیں معلوم ہے کہ بہمن جادویہ اور جالینوس فوج لے کر مروحہ گئے ہوئے ہیں۔ انہیں ہاتھی بھی دیئے گئے ہیں۔ مجھے پوری امید ہے کہ وہ عربی مسلمانوں کو کچل اور مسل کر واپس آئیں گے اور تمہاری ساری شکایتیں ختم ہو جائیں گی۔ اس لڑائی کے نتیجے کا انتظار کر لو۔ یہ دونوں جرنیل واپس آ جائیں گے تو پھر میں تمام جرنیلوں کو اکٹھا بٹھا کر ایسے فیصلے پر پہنچ جاؤں گی جسے تم سب بہترین

فیصلہ کھو گے۔ پُرسکون اور پُرامن رہو اور اپنے ٹھکانے پر چلے جاؤ۔"

✠

فوج کی اجتماع گاہ خالی ہوگئی۔ فیروزان اور مہران بھی چلے گئے۔ رستم اور پوران وہیں رہ گئے یا اُن کے گھوڑ سوار محافظ تھے جو اُن سے کچھ دور کھڑے تھے۔

"مشکل یہ ہے کہ ہم جنگی حالات میں سے گزر رہے ہیں" — رستم نے کہا — "اگر حالا[ت] معمول پر ہوتے تو میں فیروزان اور مہران کو زندہ نہ چھوڑتا" — رستم نے سر کو جھٹک کر پوران کی طر[ف] دیکھا اور بولا — "اب میں تم سے دور رہوں گا پوران! شدید ضرورت کے تحت آیا کروں گا۔"

"مجھے توقع نہیں تھی کہ ہمارے حالات اتنے زیادہ بگڑ گئے ہیں" — پوران نے کہا — "اسے ذاتی مسئلہ نہ بنا لینا رستم!"

فارس کی بنیادیں ہل چکی تھیں اور کسریٰ کے ایوانوں کی دیواروں میں دراڑیں صاف نظر آنے لگی تھیں۔ پوران اور رستم ذہن سے اتار چکے تھے کہ کسریٰ پرویز نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خط کو بہت سے ٹکڑوں میں پھاڑ کر انہیں ایک پھونک سے اُڑا دیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی تو آپؐ نے فرمایا تھا کہ سلطنتِ فارس اسی طرح ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بکھر جائے گی۔ کسریٰ نے صرف یہی گستاخانہ حرکت نہیں کی تھی، وہ توہینِ رسالتؐ کا یوں مرتکب ہُوا تھا کہ اُس نے اپنے ایک گورنر کو حکم بھیجا تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو گرفتار کر کے میرے دربار میں پیش کرو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا کوئی پیغام نہیں بھیجا تھا۔ وہ تو اللہ کا پیغام تھا جو اُس تک پہنچایا گیا تھا کہ قبول کرو کہ اللہ وحدہٗ لاشریک ہے اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔ رسالت اور حق کے پیغام کی جو توہین کسریٰ پرویز نے بھرے دربار میں کی تھی اس کی سزا اُسے فوراً ہی ملنی شروع ہوگئی تھی۔ اُس کے خاندان میں قتل و غارت شروع ہوگئی تھی اور نوبت خانہ جنگی تک پہنچ گئی تھی۔

✠

جس وقت فیروزان اور رستم آمنے سامنے آ گئے اور فوج دو دھڑوں میں بٹ گئی اور دونو[ں] دھڑے تلواریں نکال کر ایک دوسرے کا خون بہانے پر اُتر آئے تھے، اُس وقت ایک گھوڑ سوار مدائن سے نکلا اور مروحہ کی طرف رُخ کر کے اُس نے گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ وہ بہمن جادویہ کا مخبر تھا جسے بہمن جادویہ یہ کام سونپ گیا تھا کہ مدائن میں کوئی گڑبڑ ہو جائے تو وہ فوراً اطلاع دے۔ بہمن جادویہ پہلے ہی جالینوس سے کہہ رہا تھا کہ فوج دو حصّوں میں بٹتی جا رہی ہے۔

بہمن جادویہ کا یہ مخبر اُس دن اور اُس وقت اُس کے پاس پہنچا جب فارس کی فوج مسلمانوں کو بہت بُری شکست دے چکی تھی اور مثنیٰ بن حارثہ اپنے بچے کھچے مجاہدین کو کشتیوں کے پُل سے دریا پار کروا رہے تھے۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ مثنیٰ بن حارثہ نے چند ایک مجاہدین کو ساتھ لے کر کس طرح فارس کی فوج کو روکے رکھا اور مجاہدین پُل تک پہنچتے اور دوسرے کنارے کی طرف دوڑتے رہے۔ وہ ایک بہت بڑے خطرے کے آگے دوڑ رہے تھے۔ خطرہ یہ تھا کہ فارسی تعاقب میں آئیں گے۔ میدان اُن کے ہاتھ تھا۔ اُن کے پاس نفری بھی زیادہ تھی۔ اُن کا تعاقب میں آنا یقینی امر تھا۔ وہ جانتے تھے کہ مسلمانوں کا اس قدر زیادہ نقصان ہو چکا ہے کہ اب وہ بھاگنے کے سوا کچھ بھی نہیں کر سکتے۔

فارسی ان تین ہزار مجاہدین کے پیچھے آ کر انہیں ختم کر سکتے تھے۔ مثنیٰ بن حارثہ اسی خطرے سے نکلنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اللہ نے ان پر یہ کرم کیا کہ مدائن سے جو گھوڑ سوار نکلا تھا وہ اُس وقت جسر کے میدانِ جنگ میں پہنچا جب بہمن جادویہ اپنے افسروں کو حکم دے رہا تھا کہ عربوں کا تعاقب کیا جائے اور کسی ایک کو زندہ نہ چھوڑا جائے۔ انہیں پُل توڑنے کی مہلت نہ دی جائے۔

مدائن کا سوار اُس کے سامنے جا رُکا اور گھوڑے سے کُود کر اُترا۔

"تمہارا چہرہ بتا رہا ہے کہ تم کوئی اچھی خبر نہیں لائے" — بہمن جادویہ نے کہا۔

"یقیناً اچھی نہیں" — سوار نے ہانپتے ہُوئے کہا اور بڑی تیزی سے بولتے ہُوئے اُسے سنایا کہ مدائن میں کیا ہُوا ہے۔

بہمن جادویہ اور جالینوس کے چہروں کے رنگ اُڑ گئے۔

"معلوم نہیں اب تک وہاں کیا ہو چکا ہو گا" — سوار نے کہا — "میں فوج کو دو حصّوں میں بٹا ہُوا اور ایک دوسرے کو للکارتا ہُوا چھوڑ آیا ہوں۔ سردار رستم اور سردار فیروزان نے ایک دوسرے کے خلاف تلواریں نکال لی تھیں۔"

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ بہمن جادویہ اور جالینوس فوج کے زیادہ تر دستے اپنے ساتھ مدائن لے گئے اور کچھ دستے اپنے ایک جرنیل جابان کو دے گئے۔ جابان مجاہدین کے تعاقب میں گیا اور الیّس کے مقام پر مثنیٰ بن حارثہ کے تین ہزار تھکے ماندے مجاہدین نے ایک بھی فارسی کو زندہ نہ چھوڑا اور جابان پکڑا گیا۔ مثنیٰ بن حارثہ کے حکم سے اُسے قتل کر دیا گیا۔

✠

بہمن جادویہ اور جالینوس اپنے دستوں کے ساتھ انتہائی رفتار سے مدائن پہنچے۔ اُنہوں نے

کہیں رُکے بغیر یہ مسافت آدھے وقت میں طے کی۔ انہیں مُخبر نے جو اطلاع دی تھی، اس کے مطابق شہر میں خانہ جنگی ہونی چاہیئے تھی لیکن شہر میں داخل ہو کر انہیں اطمینان ہُوا کہ امن و امان ہے۔ انہوں نے فوج کو فارغ کر دیا اور خود رستم کے پاس چلے گئے۔ فیروزان اور مہران کو بھی بلا لیا اور سب پوران دخت کے ہاں گئے۔

"ہم نے فرات کے کنارے عربوں کو جس طرح کاٹا ہے وہ جا کر دیکھیں"——بہمن جادویہ نے سب کو بتایا——"ان کے لشکر کا بمشکل تیسرا حصہ بچ کر بھاگا ہے۔ اگر ہمیں مدائن کی اطلاع نہ ملتی تو ہم ان بھاگنے والوں کو بھی وہیں رکھتے۔ ذرا غور کرو اور پھر شرم کرو کہ ہم مسلمانوں کو اتنی زبردست شکست دے رہے ہیں اور تم لوگ یہاں ایک دوسرے کو تلواریں نکال کر للکار رہے ہو۔ مسلمانوں کی پسپائی شروع ہو چکی ہے۔ اب ہم انہیں ہر جگہ سے بھگائیں گے۔ انہیں کاٹیں گے۔ اگر تم نے آپس میں لڑنا شروع کر دیا تو مدائن بھی مسلمانوں کو دے بیٹھو گے۔"

چونکہ بہمن جادویہ نے مسلمانوں کی شکست کی خوشخبری پہلے ہی سنا دی تھی اس لیے فضا میں جو تلخی اور کدورت تھی وہ بہت ہی کم ہو گئی۔ ملکہ فارس، رستم اور دوسرے جرنیلوں کے کانوں میں پہلی بار یہ آواز پڑی تھی کہ مسلمانوں کو کسی میدان میں شکست دی گئی ہے۔

کچھ دیر جرنیلوں میں بحث مباحثہ ہُوا۔ مؤرخ لکھتے ہیں پوران چونکہ محبِ وطن تھی اس لیے ملکہ کی حیثیت سے اُس نے اپنا کوئی فیصلہ نہ ٹھونسا۔ اُس نے تمام فیصلے جرنیلوں پر چھوڑ دیئے۔ مشہور مؤرخ طبری اور ابُوحنیفہ نے لکھا ہے کہ فارس کے جرنیل فیروزان اور مہران کو یہ شکایت تھی کہ ملکہ پوران نے رستم کو اپنے تمام اختیارات دے کر بادشاہ کا درجہ دے دیا ہے۔ اس شکایت کو یوں رفع کیا گیا کہ سلطنتِ فارس کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ ایک کے اختیارات فیروزان کو اور دوسرے کے رستم کو دے دیئے گئے۔

"میں تمہیں یقین دلاتی ہوں"——پوران نے کہا——"کہ مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں کہ میں ملکہ رہتی ہوں یا نہیں یا میرے پاس شاہی احکام جاری کرنے کے اختیارات رہتے ہیں یا نہیں۔ مجھے فارس چاہیئے۔ مجھے وہ فارس چاہیئے جس نے روم کے ہرقل کو شکست دی تھی اور جس فارس کی جنگی طاقت سے ہر ملک خائف تھا۔"

دو تین مؤرخوں نے لکھا ہے کہ رستم اور فیروزان نے سلطنتِ فارس آپس میں تقسیم کر لی تھی جس سے یہ تأثر ملتا ہے جیسے پوران کو معزول کر دیا گیا تھا لیکن مستند تاریخوں میں ہمیں پوران بدستور ملکہ نظر آتی ہے۔ البتہ ایسے اشارے اور سراغ ملتے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ ملکہ کے جرنیلوں نے بظاہر سمجھوتہ کر لیا تھا لیکن درپردہ ان میں اختلافات موجود رہے اور یہ

وجہ ہوئی کہ وہ فوری طور پر مسلمانوں کے خلاف جنگی تیاری نہ کر سکے۔

جرنیلوں کے اس سمجھوتے میں یہ طے پایا کہ مہران تمام فوجوں کی کمان سنبھال لے اور اُس وقت تک فوجوں کا جو جانی اور مالی نقصان ہو چکا ہے وہ پورا کرے۔

✥

جس وقت مدائن میں فارسی جرنیل آپس کے اختلافات ختم کرنے میں مصروف تھے اور پوران اُن کی گرتی ہوئی عمارت کو سنبھالے رکھنے کی تلقین کر رہی تھی اور بہمن جادویہ نے کہا تھا کہ جابان مسلمانوں کے تعاقب میں گیا ہے اور وہ انہیں بھی ان کے خون میں نہلا کر آئے گا، اُس وقت مثنیٰ بن حارثہ کے تین ہزار مجاہدین جابان کی تمام فوج کو اُس کے خون میں ڈبو چکے تھے۔ نہ جابان رہا نہ جابان کا کوئی سپاہی رہا۔

اس معرکے کے بعد مثنیٰ بن حارثہ الیّس کے قلعے میں چلے گئے۔ ان کے مجاہدین کی جسمانی حالت بہت بُری تھی۔ وہ تو اب قدم گھسیٹ رہے تھے۔ یہ ان کی روحانی قوت تھی کہ وہ چل پھر رہے تھے۔ مثنیٰ نے انہیں قلعے میں اکٹھا کیا۔

"میرے عزیز رفیقو!"——مثنیٰ نے مجاہدین سے خطاب کیا——"میں جانتا ہوں تم کس حال میں ہو۔ میں جانتا ہوں تم کیا محسوس کر رہے ہو۔ تم غمگین ہو اپنے اُن ساتھیوں کے لیے جو جسر کی لڑائی میں شہید ہو گئے ہیں۔ نکال دو غم اپنے دلوں سے۔ انہیں مُردہ نہ سمجھو جنہوں نے اللہ کی راہ میں جانیں دی ہیں۔ وہ زندہ ہیں اور تمہارے ساتھ ہیں۔ تم نے جابان فارسی کی پوری فوج کو کاٹ کر اپنے ساتھیوں کے خون کا انتقام لے لیا ہے۔ تمہارے شہید ساتھی تمہارے ساتھ تھے۔ اُن کی روحیں تمہارے ساتھ تھیں ورنہ تم اپنے ٹوٹے پھوٹے جسموں سے اتنی بڑی فوج کو لاشوں کا ڈھیر نہ بنا سکتے....."

تاریخوں میں لکھا ہے کہ مثنیٰ بن حارثہ جب بول رہے تھے تو صاف پتہ چلتا تھا کہ ان کا سانس اُکھڑا ہوا ہے اور وہ بولنے میں دشواری محسوس کر رہے ہیں۔ معرکہ جسر میں جب مثنیٰ بن حارثہ مجاہدین کو پُل سے گزار رہے تھے تو کسی فارسی نے اُن پر برچھی پھینکی تھی۔ مثنیٰ نے زنجیروں والی زرہ پہن رکھی تھی۔ برچھی سے زنجیر کی کڑی ٹوٹ کر ان کے جسم میں داخل ہو گئی تھی۔ برچھی پہلو میں لگی تھی۔ اس سے ایک دو پسلیاں ٹوٹ گئی تھیں۔ اُس وقت پرچم مثنیٰ کے پاس تھا جو اُنہوں نے زمین پر نہیں گرنے دیا تھا۔

انہیں زخم کی باقاعدہ مرہم پٹی کی مہلت ہی نہیں ملی تھی۔ انہوں نے اتنی سی مرہم پٹی کی تھی کہ کپڑا ٹھونس کر اوپر کپڑا باندھ دیا تھا۔ انہیں الیّس تک کی مسافت طے کرنی پڑی اور الیّس

میں خونریز اور گھمسان کی لڑائی بھی لڑنی پڑی۔ زخم سے خون نکلتا رہا اور جسم کے اندر بھی خون رہا تھا۔ وہ اپنے مجاہدین کی حوصلہ افزائی کے لیے خطاب کر رہے تھے کہ زخم میں ٹیس اٹھی اور دم گھٹتا محسوس ہوا۔ وہ آگے بول نہ سکے اور گھوڑا ایک طرف موڑ کر اس چلے گئے جہاں انہوں نے قیام کرنا تھا۔

الیس ایک قلعہ تھا اور ایک بڑا قصبہ بھی تھا۔ وہاں جرّاح اور طبیب دوڑتے پہنچے اور زخم کی باقاعدہ مرہم پٹی کر دی۔ طبیب اور جرّاح نے انہیں سختی سے کہا کہ مکمل آرام کریں، کسی لڑائی میں شریک نہ ہوں اور گھوڑ سواری زخم ٹھیک ہونے تک نہ کریں۔

"مکمل آرام کا وقت نہیں" — مثنیٰ بن حارثہ نے کہا — "تم لوگ اپنا کام کرو اور مجھے کام سے نہ روکو۔ تمہارا کام ہے میرے زخم کو ٹھیک کرنا اور میرا کام ہے زخم کی پروا... میں اللہ کے حکم کا پابند ہوں۔"

انہیں بہت کہا گیا کہ زخم خراب ہو گیا تو پیپ پھیپھڑے میں چلی جائے گی لیکن انہوں نے ایک نہ سنی۔

✠

سورج غروب ہونے کو تھا جب زمرد گھوڑے پر سوار الیس کے دروازے پر پہنچی۔ اُس نے صہیب ثقفی کو گھوڑے پر اپنے آگے بٹھا رکھا تھا۔ وہ بیہوش تھا۔ قلعے کا دروازہ بند ہو چکا تھا۔ مثنیٰ نے حکم دیا تھا کہ دروازہ کسی کے لیے نہ کھولا جائے۔ دروازے کے اوپر ایک دریچہ کھلا تھا جس میں ایک سنتری کھڑا تھا۔ اُس نے زمرد سے پوچھا کہ وہ کون ہے اور کیوں آئی ہے۔ سنتری نے یہ بھی کہا کہ دروازہ نہیں کھلے گا۔

"دروازہ نہیں کھلے گا تو تمہارے اس مسلمان ساتھی کی زندگی کا دروازہ بند ہو جائے گا" — زمرد نے کہا — "میں اسے جسر کے میدانِ جنگ سے اٹھا کر لائی ہوں۔"

"تم مسلمان نہیں ہو" — سنتری نے کہا — "تمہارے لیے دروازہ نہیں کھلے گا۔"

"میرے لیے نہیں" — زمرد نے کہا — "اپنے اس ساتھی، اس بھائی کے لیے کھول دو ورنہ یہ مر جائے گا۔"

"تم عجمی ہو" — دریچے سے آواز آئی۔

"یہ عربی ہے عجمی نہیں" — زمرد نے کہا — "یہ صہیب ابن القدر ثقفی ہے۔ میں اسے جسر کے میدانِ جنگ سے اٹھا لائی ہوں اور تم مرد ہوتے ہوئے مجھ پر اور اس پر دروازہ نہیں کھولتے۔ میں اس کی خاطر اپنا گھر، اپنے ماں باپ، بہن بھائی اور اپنا

مذہب چھوڑ آئی ہوں۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میں تمہارے ساتھی کو یہاں پھینک کر اپنے مذہب میں واپس چلی جاؤں؟ کیا یہ ہے تمہارا مذہب؟"

"خدا کی قسم!" — دریچے سے نہیں بلکہ اوپر دیوار سے ایک آواز آئی — "ایک عورت یہ شکوہ لے کر نہیں جائے گی کہ مسلمانوں کے ہاں اُسے پناہ نہیں ملی تھی۔ تیری قربانی کا تجھے پورا صلہ ملے گا" — یہ آواز بڑی زور سے گرجی — "دروازہ کھول دو۔"

دروازہ کھل گیا۔ زمرد نے گھوڑے کو ڈیڑھ دن کی مسافت میں اتنا کم آرام دیا تھا کہ قلعے کا دروازہ کھلا تو گھوڑا قدم نہیں اٹھاتا تھا۔ صہیب ثقفی تو بیہوش تھا ہی، زمرد پر بھی غشی طاری ہوتی جا رہی تھی۔ راستے میں اُس نے صہیب ثقفی کے منہ میں پانی ٹپکایا اور خود بھی پانی پیا تھا۔ کھایا کچھ بھی نہیں تھا۔

ایک آدمی نے باگ پکڑ کر کھینچی تو گھوڑا آگے چلا۔ کچھ مجاہدین اکٹھے ہو گئے تھے۔ ان سب نے صہیب ثقفی کو پہچان لیا۔ انہوں نے اسے گھوڑے سے اُتارا اور طبیب کے ہاں لے گئے۔ مثنیٰ بن حارثہ کو اطلاع دی گئی کہ بارسما کی ایک آتش پرست لڑکی اپنے ایک مجاہد کو جسر کے میدان سے اٹھا کر لے آئی ہے۔ مثنیٰ نے کہا کہ اسے فوراً لے آؤ۔

زمرد کو مثنیٰ بن حارثہ کے کمرے میں لے گئے۔ اُس نے مثنیٰ کا دایاں ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لیا، اپنی آنکھوں سے لگایا پھر چُوما اور ہاتھ چھوڑ کر پیچھے ہٹ آئی۔ مثنیٰ نے اُس کے چہرے کو بہت غور سے دیکھا اور ان کے ماتھے پر شکنیں آ گئیں۔ وہ کچھ یاد کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

"خدا کی قسم! یہ چہرہ میرے لیے غیر مانوس نہیں" — مثنیٰ بن حارثہ نے کہا اور زمرد سے پوچھا — "میں نے تمہیں کہاں دیکھا تھا؟ تھکن کے اتنے گہرے سائے تمہارے چہرے کی معصومیت کو چھپا نہیں سکے۔"

"آپ بھول سکتے ہیں" — زمرد نے کہا — "میں آپ کو نہیں بھول سکتی۔ وہ دن یاد کریں جب آپ بارسما آئے تھے اور میرے وطن کے اُن فوجیوں کے سر تن سے جدا کر دیئے تھے جنہوں نے عورتوں کو بے آبرو کر دیا تھا۔ آپ نے اپنی تلوار مجھے دے کر کہا تھا کہ اس فوجی کی گردن اپنے ہاتھوں کاٹ دوں اور اپنی آبرو کی بربادی کا انتقام لوں۔ میں نے تلوار اوپر اٹھائی تھی لیکن ....!"

"لیکن تم نے تلوار نیچے کر لی تھی" — مثنیٰ بن حارثہ نے کہا — "اور تم نے رونا شروع کر دیا تھا۔ پھر میرے ایک مجاہد نے جوشِ غیرت میں آگے بڑھ کر اس فارسی کی گردن صاف کاٹ دی تھی۔"

"میں آپ کے مجاہد کو نہ بھول سکی" —— زمرد نے کہا —— "دن کو تصوّروں میں اور رات کو خوابوں میں اُسے دیکھتی رہی۔ میں سوچتی تھی کہ اسے کیا انعام دوں، اس کے اس احسان کا کیا صلہ دوں لیکن میں مجبور اور بے بس تھی۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ مسلمان جس اللہ کو مانتے ہیں وہ اس کو صلہ دے گا۔ اور اللہ نے اسے صلہ دینے کا ذریعہ مجھے بنایا۔ میں اسے لاشوں میں سے اٹھا کر لائی ہوں۔ میں لوگوں کے ساتھ رات کو میدانِ جنگ میں چلی گئی۔ میں اپنے بھائی کی تلاش میں گئی تھی لیکن یہ مجاہد نظر آ گیا۔ اسے کچھ دیر بعد مرجانا تھا۔ میرا چچا تو اسے اُسی وقت مار دیتا لیکن میں آگے آ گئی اور اسے بچالیا۔"

زمرد نے تفصیل سے سنایا کہ وہ اپنے چچا کا گھوڑا چوری کر کے صہیب ثقفی کو اس پر ڈال کر لے آئی۔ اُس نے الیّس تک کے سفر کی روئیداد سنائی۔

"میں اتنی دلیر تو نہیں تھی" —— اُس نے کہا —— "لیکن میرے دل میں اس شخص کی محبّت پیدا ہو گئی تھی یا اُس اللہ نے جسے آپ مانتے ہیں، میری روح کو روشن کر دیا تھا یا آپ سب کی محبت تھی جو میرے دل میں پیدا ہو گئی جس نے مجھے دلیر اور نڈر مرد بنا دیا.... میں آپ کے اللہ کو دل سے مانتی ہوں۔ اگر آپ مجھے قبول کریں تو اپنے مذہب میں داخل کر لیں اور پھر صہیب ثقفی قبول کرے تو میں باقی عمر اس کی خدمت میں گزار دوں گی۔ میں نے واپس تو جانا نہیں۔"

"تمہاری دونوں خواہشیں پوری ہوں گی" —— مثنیٰ بن حارثہ نے کہا —— "سب سے پہلے ہم تمہیں اپنے مذہب میں داخل کریں گے۔ یہاں ہمارے بعض مجاہدین کی بیویاں موجود ہیں۔ تم ان کے ساتھ رہو گی۔ جب صہیب ثقفی پوری طرح ٹھیک ہو جائے گا تو اُس کے ساتھ تمہارا نکاح پڑھا دیا جائے گا۔"

مثنیٰ بن حارثہ نے اُسی وقت اُسے حلقہ بگوش اسلام کر لیا اور حکم دیا کہ اسے عورتوں کے حوالے کر دیا جائے اور اسے کھانا کھلایا جائے۔ زمرّد کے جانے کے بعد مثنیٰ اٹھے اور صہیب کو دیکھنے چلے گئے۔ جرّاح نے صہیب ثقفی کے زخموں کی مرہم پٹی کر دی تھی اور طبیب اُس کے منہ میں شہد ملا دودھ ڈال رہا تھا۔

✠

وہ عبداللہ بن زید تھا جو جسر کی لڑائی سے نکل کر مدینہ پہنچا اور وہ پہلا شخص تھا جس نے مسلمان لشکر کی تباہی اور پسپائی کی تفصیل امیر المومنین حضرت عمرؓ کو سنائی تھی۔ حضرت عمرؓ نے یہ روح فرسا تفصیل مسجد کے دروازے میں کھڑے سنی تھی۔

"خدا کی قسم!" —— حضرت عمرؓ نے کہا تھا —— "میں نے ابوعبید کو صحابیوں پر سپہ سالار

مقرر کر کے غلطی تو نہیں کی تھی۔"

محمد حسنین ہیکل مختلف مؤرخوں کے حوالے سے لکھتا ہے کہ عبداللہ بن زید خلیفہ کے عتاب سے کانپ کر اور بے قابو ہو کر رو رہا تھا۔ خلیفہ حضرت عمرؓ نے اُس کی طرف دیکھا تو اُن کے چہرے پر غصے، پریشانی اور اضطراب کا جو ملا جلا تاثر تھا وہ یکسر غائب ہو گیا اور اس مبارک چہرے پر جلالی تاثر آ گیا۔

"ابنِ زید" —— حضرت عمرؓ نے عبداللہ سے یہ الفاظ کہے جو تاریخ میں محفوظ ہیں —— "مت رو۔ تو میرے پاس آ گیا ہے۔ تیرا ذمّہ دار میں ہوں۔ اللہ ابوعبید پر رحم فرمائے۔ اگر وہ بھی میرے پاس آ جاتا تو میں اُس کا بھی ذمّہ دار ہوتا۔"

امیر المومنین حضرت عمرؓ کا مطلب یہ تھا کہ معرکہ جہاد میں کسی سالار یا سپاہی سے کوئی غلطی سرزد ہوتی ہے تو اس کا ذمّہ دار میں ہوں اور اللہ کے حضور اس کی لغزش کا جواب میں ہی دوں گا۔

"امیر المومنین!" —— عبداللہ بن زید نے حوصلے میں آ کر کہا —— "میں اکیلا بھاگ کر نہیں آیا سینکڑوں آدمی بھاگے چلے آ رہے ہیں لیکن وہ شرم و ندامت سے مدینہ میں داخل نہیں ہوں گے۔"

"اللہ ان کی شرم و ندامت قبول فرمائے" —— امیر المومنین نے مسجد میں بیٹھے ہوئے لوگوں سے کہا —— "سب سن لو اور باہر جا کر ہر کسی سے کہہ دو کہ جو مجاہدین محاذ سے بھاگ آتے ہیں ان کا استقبال کرو اور ان سے طنز و ملامت کی گفتگو نہ کرو۔ اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ تم تو اللہ کے بندے ہو۔"

ابوحنیفہ دینوری اور طبری نے مدینہ کے رہنے والے ایک مجاہد معاذ قاری کا واقعہ لکھا ہے۔ یہ مجاہد بنی نجّار سے تعلق رکھتا تھا۔ وہ بھی عبداللہ بن زید کی طرح سیدھا حضرت عمرؓ کے پاس پہنچ گیا اور وہ بھی بہت رویا۔ حضرت عمرؓ نے اُسے بھی ان ہی الفاظ میں حوصلہ دیا جن الفاظ میں عبداللہ بن زید کو دیا تھا۔

ان مؤرخوں نے لکھا ہے کہ اُسی روز یا اگلے روز مغرب یا عشاء کی نماز میں حضرت عمرؓ نے سورہ الانفال پڑھی۔ جب یہ آیت پڑھی جا رہی تھی —— "اور آج کے دن جو (میدانِ جنگ میں) پیٹھ پھیرے گا سوائے اس کے کہ وہ جنگی مصلحت کے لیے پیچھے ہٹے تو اُس پر اللہ کا غضب نازل ہو گا اور اُس کا ٹھکانہ دوزخ ہو گا جو بہت بُرا ٹھکانہ ہے" —— تو نماز میں ہی معاذ قاری الیسا روئے کہ ان کی ہچکیاں نکلنے لگیں۔ یہ آیت غزوہ بدر کے وقت نازل ہوئی تھی۔

"معاذ مت رو" —— نماز کے بعد حضرت عمرؓ نے اُسے کہا —— "مت رو معاذ! تو میری پناہ میں آ گیا ہے۔ میں تیرا ذمّہ دار ہوں۔"

تینوں مؤرخ لکھتے ہیں کہ امیرالمؤمنین کے اس مشفقانہ سلوک کے باوجود معاذ قاری کی جذ[باتی] حالت یہ رہی کہ جب کبھی یہ آیت سنتا تو زار و قطار رونے لگتا۔ دوبارہ محاذ پر جا کر اس کی یہ کیفیت ختم ہوئی تھی۔

"فاروقِ اعظم" میں محمد حسنین ہیکل نے لکھا ہے کہ جسر کی لڑائی میں سے جو مسلمان بھاگ کر مدینہ اپنے گھروں میں آ گئے تھے۔ ان کی تعداد دو ہزار تھی۔ کچھ مؤرخوں نے تعداد لکھی ہی نہیں اور جنہوں نے لکھی ہے انہوں نے "سینکڑوں" لکھی ہے۔ اس طرح بھاگ آنے والوں کی تعداد کا صحیح اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ بہرحال یہ تعداد کچھ کم بھی نہیں تھی۔

مبصر لکھتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے حضرت عمرؓ کو خلیفہ مقرر کیا تھا تو کئی ایک افراد نے حضرت عمرؓ کی مخالفت میں یہ دلیل دی تھی کہ عمرؓ سخت مزاج اور غصیلا ہے اور کسی کو معاف نہیں کرتا۔ حضرت عمرؓ نے خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالتے ہی اپنے خلاف سب کے شکوک رفع کر دیے تھے اور مخالفین مطمئن ہو گئے تھے لیکن معرکۂ جسر سے بھاگ آنے والوں کے ساتھ حضرت عمرؓ نے جو مشفقانہ رویہ اختیار کیا، اس نے ان کے دشمنوں کے بھی دل موہ لیے۔ سب یہ توقع تھی کہ امیرالمومنین ان بھگوڑوں کو اگر دُرّے نہیں مروائیں گے تو ان پر اپنا عتاب نازل کریں گے اور انہیں لعنت و ملامت کا نشانہ بنائیں گے لیکن حضرت عمرؓ کی زبان سے یہی الفاظ نکلتے تھے۔ "ان کا ذمہ دار میں ہوں۔ یہ دوبارہ محاذ پر جائیں گے۔"

✠

اور وہ جو محاذ سے بھاگ آئے اور اپنے ان تین ہزار ساتھیوں کا ساتھ چھوڑ آئے تھے جو مثنیٰ بن حارثہ کے ساتھ تھے، وہ کس حال میں تھے؟ ان کی جذباتی کیفیت کیا تھی؟

مستند مؤرخوں نے اس سوال کا بڑا واضح جواب دیا ہے۔ ایک مثال ابوشدّاد کی ہے جس کا تعلق بنو تمیم سے ہے۔ وہ مدینہ سے کچھ دور چھوٹے سے ایک گاؤں کا رہنے والا تھا۔ اس قبیلے کے چند ایک ہی آدمی عراق کے محاذ پر گئے تھے جن میں ادھیڑ عمر ابوشداد بھی تھا۔ اس کا ایک ہی بیٹا تھا جس کی عمر سولہ سترہ سال تھی۔ اس سے چھوٹی تین یا چار بیٹیاں تھیں۔

"میں تیرے بیٹے کو تیرے لیے زندہ رکھوں گا" — ابوشداد نے اپنی بیوی سے کہا تھا — "میں نہ رہا تو تیرے اور تیری بیٹیوں کے سر پر اس بیٹے کا ہاتھ ہوگا۔ اس پر جہاد کا جو فرض ہوتا ہے وہ میں ادا کروں گا۔ اکلوتے بیٹے کا میرے بعد زندہ رہنا ضروری ہے" — یہ کہہ کر وہ اس لشکر کے ساتھ عراق کے محاذ پر چلا گیا تھا جو ابوعبید کے ساتھ گیا تھا۔

معرکۂ جسر کے بہت دنوں بعد ایک رات ابوشدّاد کے دروازے پر دستک ہوئی

اس کے ساتھ گھوڑا ہنہنایا۔ ابوشداد کی بیوی جاگ اٹھی اور بیٹے کو جھنجھوڑ کر جگاتے ہوئے کہا۔ "دیکھ تیرا باپ آیا ہے۔ میں نے گھوڑے کی آواز بھی سنی ہے۔"

ماں بیٹا دوڑے گئے اور دروازہ کھولا۔ باہر ابوشداد گھوڑے سے اُترا کھڑا تھا۔ بیٹا باپ سے لپٹ گیا لیکن فوراً پیچھے ہٹ گیا۔

"خون!" — بیٹے نے کہا — "کیا یہ خون آپ کا ہے یا دشمن کا خون آپ کے کپڑوں پر پڑا ہوا ہے؟" — بیٹے نے باپ کے گھوڑے کی باگ پکڑتے ہوئے کہا — "اندر آ جائیں۔ میں گھوڑا باندھتا ہوں۔"

"آپ خاموش کیوں ہیں؟" — ابوشدّاد کی بیوی نے اس سے پوچھا — "کیا آپ بہت زیادہ زخمی ہیں؟"

"نہیں!" — ابوشداد نے کہا — "جسم کا زخم معمولی ہے، روح کا زخم گہرا ہے۔ میں اندر نہیں آؤں گا۔ میری بات سن بیٹے! میں عراق کے محاذ سے شکست کھا کر آیا ہوں۔ وہ لڑائی بہت ہی ظالم تھی۔ شاید ہی کوئی مسلمان زندہ رہا ہوگا۔ زندہ مجھ جیسے رہے جو بھاگ آئے ہیں لیکن راستے میں اس احساس نے میرا گلا دبا لیا ہے کہ باقی مارے گئے ہیں تو مجھے بھی ان کے ساتھ مر جانا چاہیے تھا۔ پھر راستے میں مجھے اپنے کچھ ساتھی مل گئے جو میری طرح بھاگ کر آ رہے تھے۔ میری ہی طرح محاذ سے دور آ کر انہیں شرمندگی کا احساس ہونے لگا۔ ان سب نے بتایا کہ وہ اپنے گھروں میں داخل نہیں ہوں گے ورنہ گھر کا ہر فرد انہیں شکست خوردہ بھگوڑا کہے گا۔"

"اندر آؤ" — بیوی نے ابوشداد کا بازو پکڑ کر کہا — "تمہیں کوئی طعنہ نہیں دے گا۔"

"میں دن کے وقت یہاں آ سکتا تھا" — ابوشداد نے کہا — "لیکن رات کے اندھیرے میں آیا ہوں تاکہ تم میرا چہرہ نہ دیکھ سکو۔ میں اپنے بیٹے کے ساتھ ایک بات کرنے آیا ہوں ..... اچھی طرح سن لے بیٹا! میں کہیں منہ چھپا کر زندہ رہنے کی کوشش کروں گا۔ اگر زندہ رہا تو اپنی شکست کا انتقام لے کر آؤں گا۔ میں چاہتا تھا کہ تو اپنی ماں اور اپنی بہنوں کے سروں پر موجود رہے لیکن اب سوچتا ہوں کہ مسلمانوں کو ایسی ہی بُری ایک شکست اور ہو گئی تو اسلام کا نام و نشان مٹ جائے گا۔ میں شاید بوڑھا ہو گیا ہوں۔ اب میری جگہ تو لے بیٹا! میں گھوڑا چھوڑ چلا ہوں۔ جب بھی مدینہ سے کسی محاذ پر جانے کا بلاوا آئے، فوراً پہنچنا اور جس محاذ پر بھیجیں وہاں چلے جانا۔ دل میں یہ جذبہ رکھ کر لڑنا کہ اپنے بُزدل باپ کی شکست کا انتقام لینا ہے اور دشمن کو شکست دے کر اللہ سے اپنے باپ کا یہ گناہ بخشوانا ہے کہ وہ محاذ سے بھاگ آیا تھا۔ اپنی ماں اور بہنوں کو اللہ کے حوالے کر جانا۔"

وہ گھوڑا اپنے بیٹے کے حوالے کر کے چلا گیا۔ اُس کی بیوی اُس کے پیچھے دوڑی۔ ابوشہ نے اُسے دھمکی دے کر روک دیا اور رات کی تاریکی میں غائب ہو گیا۔

علامہ شبلی نعمانی نے لکھا ہے کہ تاریخ اسلام میں میدانِ جنگ سے فرار نہایت ہی شاذ و نادر ہُوا ہے۔ معرکہ جسر ہی ایک ایسی مثال ہے جس نے تاریخ میں جگہ پالی کیونکہ مفروروں کی تعداد بہت زیادہ تھی لیکن ان بھگوڑوں کا یہ عالم تھا کہ مہینوں خانہ بدوش پھرتے رہے۔ شرم کے مارے اپنے گھروں کو نہیں جاتے تھے۔ اکثر روتے اور کفِ افسوس ملتے تھے۔

تاریخوں میں یہ شہادت بھی ملتی ہے کہ حضرت عمرؓ کو پتہ چلا کہ مدینہ اور قرب وجوار کے کچھ مفرور اپنے گھروں میں چھپ گئے اور احساسِ ندامت سے باہر نہیں نکلتے اور جذباتی طور پر وہ بحالتِ ماتم رہتے ہیں تو حضرت عمرؓ ذاتی طور پر ہر ایک کے گھر گئے اور انہیں تسلیاں دے کر ان کی حوصلہ افزائی کی۔

✠

الیس میں مثنیٰ بن حارثہ پریشانی اور اضطراب کے عالم میں کبھی کمرے میں جا کر لیٹ جاتے کبھی اٹھ کر ٹہلنے لگتے، باہر نکل آتے اور بار بار اپنے ماتھے کو ہتھیلی سے رگڑتے اور جب ان کے پہلو کا زخم درد کرنے لگتا تو پھر کمرے میں جا کر لیٹ جاتے۔ آخر انہوں نے دربان کو بلا کر کہا کہ پہلے طبیب کو لے آئے پھر اشعر بن اوصامہ کو لائے۔

طبیب قریب ہی تھا۔ دوڑا آیا۔ اپنے زخم کی بات کرنے سے پہلے انہوں نے طبیب سے صہیب ثقفی کے متعلق پوچھا۔

"معجزہ ہو گیا ہے ابنِ حارثہ!" ــــ طبیب نے کہا ــــ "اس کے جسم میں خون تو رہا نہیں تھا۔ الحمدللہ خون کی کمی پوری ہو رہی ہے اور زخم بھی مل رہے ہیں۔ پاؤں کی ایک ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔ وہ جوڑ تو دی ہے لیکن ٹھیک ہوتے وقت لگے گا... وہ لڑکی جو اسے لائی تھی، ہر وقت اس کے پاس بیٹھی رہتی ہے۔"

"اللہ نے اس مجاہد کو زندہ رکھنے کا معجزہ دکھایا ہے" ــــ مثنیٰ نے کہا ــــ "مجھے امید ہے کہ اللہ اس کے ہاتھوں معجزہ کرائے گا.... میں نے آپ کو اس لیے بلایا ہے کہ آئندہ آپ مجھے یہ نہیں کہیں گے کہ میں آرام کروں۔ اگر میں اپنے اس زخم کو چاٹنے بیٹھ گیا تو سلطنت اسلامیہ کو ایسا زخم آئے گا کہ سنبھلنا ناممکن ہو جائے گا۔ آپ بزرگ ہیں۔ آپ سمجھتے ہوں گے کہ آتش پرست مدائن میں آرام سے نہیں بیٹھ گئے ہوں گے۔ انہوں نے ہمیں جسر میں جو نقصان پہنچایا ہے اس سے وہ پورا فائدہ اٹھائیں گے۔ وہ کسی بھی دن حملہ کر دیں گے۔ ان کے ساتھ ہاتھی بھی ہوں گے

ان کے پاس تازہ دم فوج کی بھی کمی نہیں۔ میں بہت پریشان ہوں۔"

"اللہ مدد کرے گا ابنِ حارثہ!" ــــ طبیب نے کہا ــــ "دل چھوٹا نہ کر۔ امیرالمومنین کو اطلاع دے اور کمک منگوا لے۔"

"کمک آتے آتے دو چاند طلوع اور غروب ہو جائیں گے" ــــ مثنیٰ نے کہا ــــ "کمک اکٹھی ہونے میں بھی دن لگیں گے۔ اگر فارسیوں نے پہلے ہی حملہ کر دیا تو ہمیں یہاں سے نکلنا پڑے گا..... محترم بزرگ! میں اکیلا رہ گیا ہوں میرے ساتھی سالار اور نائب شہید ہو گئے ہیں۔ صحابہ کرام بھی شہید ہو گئے ہیں۔ کوئی نہیں رہا جس سے مشورہ لوں.... میں فارس کی زمین سے ایک بالشت بھی پیچھے ہٹنا نہیں چاہتا۔"

"ایک تو امیرالمومنین کو لکھ کہ کمک فوراً بھیجیں" ــــ طبیب نے کہا ــــ "اور اپنی طرف سے اپنے تمام قبیلوں کے سرداروں کو پیغام بھیج کہ محاذ بہت کمزور ہو گیا ہے، آدمی بھیجو.... مایوس نہ ہو مثنیٰ!"

مثنیٰ بن حارثہ کو تنہائی پریشان کر رہی تھی۔ اُن کے ساتھ کوئی تجربہ کار سالار نہیں رہ گیا تھا۔ مجاہدین کے پاس جوش اور جذبہ تھا۔ وہ بے جگری سے لڑ سکتے تھے لیکن قیادت کے لیے جنگی فہم و فراست کی ضرورت تھی وہ اس لحاظ سے کمزور تھی کہ مثنیٰ کا کوئی ساتھی نہ تھا۔

طبیب چلا گیا تو اشعر بن اوصامہ آ گیا۔ یہ مجاہد تجربہ کار جاسوس تھا جو پہلے ایک بار پاگل کے بہروپ میں اور دوسری بار یہودی ربی (مذہبی پیشوا) بن کر مدائن گیا اور دونوں بار کچھ عرصہ وہاں رہ کر بڑی کارآمد معلومات لے آیا تھا۔ ان سے مسلمانوں کے لشکر کو بہت فائدہ پہنچا تھا۔

"ابنِ اوصامہ!" ــــ مثنیٰ بن حارثہ نے اُسے کہا ــــ "تُو دیکھ رہا ہے ہمارے پاس کچھ نہیں رہا۔ اگر مدائن سے فوج اچانک آ گئی تو ہم یہاں سے نکل بھاگنے کے سوا کچھ نہیں کر سکیں گے۔ اپنا کمال ایک بار پھر دکھا دے۔ تو بہتر جانتا ہے کس بہروپ میں وہاں جائے گا۔ میں چاہتا ہوں کہ مدائن سے فوج نکلے تو مجھے ایک دن پہلے خبر ہو جائے۔ میں تین چار جگہوں پر گھات لگا کر اس فوج کو راستے میں ختم کر سکتا ہوں۔"

"ایسا ہی ہو گا سپہ سالار!" ــــ اشعر بن اوصامہ نے کہا ــــ "انشاءاللہ ایسا ہی ہو گا... میں اگر واپس نہ آؤں تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ مدائن میں فوج کی کوئی نقل و حرکت نہیں۔ آپ اطمینان سے تیاری کرتے رہیں۔"

✠

مثنیٰ بن حارثہ نے امیرالمومنین حضرت عمرؓ کے نام پیغام لکھوایا جس میں زیادہ سے زیادہ کمک کی درخواست کی اور لکھا کہ کمک نہ پہنچنے کا نتیجہ اس کے سوا اور کچھ نہ ہو گا کہ ہمیں فارس

سے جانیں بچا کر نکلنا پڑے گا اور اگر مقابلہ کیا تو ہم میں سے کوئی ایک بھی زندہ نہیں رہے گا۔

"امیرالمومنین کو جسر کی لڑائی، اپنی تباہی اور پسپائی کی ہر ایک بات سنانا" ــــــ مثنیٰ بن حارثہ نے قاصد سے کہا ــــــ "یہ بھی بتانا کہ ہم نے الیس میں اپنی شکست کا انتقام تو لے لیا ہے لیکن تین ہزار کی نفری سے ہم کب تک اتنی بڑی فوج کا مقابلہ کر سکیں گے .... اور راستے میں کہیں قیام نہ کرنا۔ جتنی جلدی پہنچ سکو اتنا ہی بہتر ہے۔ حالات تمہارے سامنے ہیں۔"

قاصد کو رخصت کر کے مثنیٰ بن حارثہ نے اپنے لشکر میں مختلف قبائل کے ایک ایک آدمی کو بلایا جو قبیلے کا سردار تھا یا قبیلے میں پُراثر حیثیت رکھتا تھا۔ ان سب کو مثنیٰ نے کہا کہ صورتِ حال ان کے سامنے ہے۔ ہر میدان میں فتح حاصل کرتے کرتے مدائن کے قریب پہنچ گئے تو ایسی شکست ہوئی کہ اس زمین پر ٹھہرنا محال ہو گیا ہے۔

"....اور یہ تمہاری بزدلی نہیں تھی" ــــــ مثنیٰ نے کہا ــــــ "میں نے تمہیں پسپا کرایا تھا اور سپہ سالار ابوعبید کی غلطی تھی جس کی سزا تم سب کو ملی۔ تم نے ہاتھیوں کا مقابلہ کیا اور تمام لشکر کو اگلی لڑائیوں کے لیے بیکار کر دیا۔ میں نے امیرالمومنین کو پیغام بھیج دیا ہے۔ میں نے لکھا ہے کہ جو مجاہدین پیچھے ہٹ آتے تھے وہ بھاگ کر نہیں آتے ....

"میرے رفیقو! اگر ہمیں ایسی ایک اور شکست ہوئی تو تم میں سے بہت سے مارے جائیں گے اور جو زندہ رہیں گے وہ باقی عمر آتش پرستوں کی غلامی میں اُن کی جُوتیاں چاٹتے گزاریں گے .... اور اپنے اُن بھائیوں کی طرف بھی دیکھو جو رومیوں پر غالب آکر شام کو سلطنتِ اسلامیہ میں شامل کر چکے ہیں۔ کیا وہ ہمیں بزدل نہیں کہیں گے؟ .... اپنے قبیلوں میں جاؤ اور لوگوں کو بتاؤ کہ اگر وہ ہماری مدد کو نہ آئے تو عرب کی مقدّس سرزمین پر آتش پرستوں کی بادشاہی ہو گی اور پھر تم جانتے ہو اس کا نتیجہ کیا ہو گا۔ ہم اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مجرم ہوں گے۔"

مثنیٰ بن حارثہ نے قبیلوں کے ان سرکردہ افراد کو مشتعل کر کے ان کے قبیلوں کو بھیج دیا۔ مثنیٰ نے محسوس کیا کہ الیس محفوظ مقام نہیں۔ اُنہوں نے اپنے لشکر کو ایک روز سب کی طرف کُوچ کا حکم دیا۔ سباخ خفان اور قادسیہ کے درمیان ایک مقام تھا جو عراق اور عرب کی سرحد کے قریب تھا۔

✠

مثنیٰ بن حارثہ کا قاصد جو مدینہ کو روانہ ہُوا تھا وہ تیز جا رہا تھا۔ اُسے اور مثنیٰ کو بھی معلوم تھا کہ امیرالمومنین کو پہلے ہی پتہ چل چکا ہے کہ مثنیٰ کے لشکر پر کیا بیتی ہے۔ محاذ سے بھاگ کر آنے والوں میں عبداللہ بن زید سب سے پہلے امیرالمومنین کے پاس پہنچا اور انہیں معرکۂ جسر کی روئداد

سنا چکا تھا۔ حضرت عمرؓ کی جذباتی حالت یہ تھی کہ ایک طرف وہ محاذ سے بھاگ کر آنے والوں کے لیے سراپا لطف و کرم اور مجسم شفقت تھے اور اس کے ساتھ ہی ان کے عتاب اور اضطراب کا یہ عالم کہ آرام ترک کر دیا اور ایک ہی سودا سوار ہو گیا کہ اس شکست کو بہت جلد فتح میں بدلنا ہے۔

حضرت عمرؓ نے انتظامی امور اور انقلابی اصلاحات میں شہرت پائی تھی۔ انہوں نے خلافت کے تمام امور اور مسائل کو الگ رکھ دیا اور قبائل کے سرداروں کو اپنے ہاں اس مقصد کے لیے بلوا لیا کہ مثنیٰ کو کمک دینے کے لیے زیادہ سے زیادہ آدمی دیں۔ سب سے پہلے آدمی جو حضرت عمرؓ کے پاس آیا وہ بنو بجیلہ کا ایک سرکردہ فرد جریر بن عبداللہ تھا۔ حضرت عمرؓ نے اُسے عراق کے محاذ کی صورتِ حال سے آگاہ کیا پھر کہا کہ وہ محاذ کے لیے آدمی دے۔

جریر بن عبداللہ نے ایک سیاسی مسئلہ پیدا کر دیا جو یہ تھا کہ بنو بجیلہ کے لوگ چھوٹے چھوٹے قبائل میں بکھرے ہُوئے تھے۔ جریر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں آپؐ کے سامنے یہ مسئلہ پیش کیا تھا بنو بجیلہ کے تمام قبیلوں کو یکجا کر کے ان کا ایک سردار مقرر کیا جائے۔ آنحضورؐ کی زندگی نے وفا نہ کی۔ اس کے بعد فتنۂ ارتداد شروع ہو گیا۔ جریر نے سرداری کا مسئلہ خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکر صدیقؓ کے آگے رکھ دیا۔

"کیا تم دیکھ نہیں رہے ہم کہاں مصروف ہیں؟" ــــــ حضرت ابوبکرؓ نے جریر بن عبداللہ سے کہا تھا ــــــ "ہم رومیوں اور فارسیوں سے ٹکر لے بیٹھے تھے کہ مرتدین نے ہمارے لیے ایک اور مسئلہ پیدا کر دیا ہے اور تم اپنی سرداری کا مسئلہ لے کے آ گئے ہو۔ اس وقت ضرورت یہ ہے کہ اپنے زیادہ سے زیادہ آدمی ساتھ لے کر شام کے محاذ پر چلے جاؤ۔ پھر جب اُدھر سے فراغت ہو گی تو تمہاری سرداری کی طرف توجہ دیں گے۔"

جریر بن عبداللہ صاف ٹال گیا تھا۔

اب حضرت عمرؓ نے اُسے بلا کر کہا کہ عراق کے محاذ کے لیے کمک دو تو اُس نے پھر وہی مسئلہ امیرالمومنین کے آگے رکھ دیا۔ حضرت عمرؓ نے اسی وقت اپنی انتظامیہ کے عمال کو تحریری حکم نامہ بھیج دیا کہ بنو بجیلہ کے تمام قبائل کو یکجا کر دیا گیا ہے اس لیے اس کے کسی قبیلے کی کوئی حیثیت نہیں رہی اور جریر بن عبداللہ بنو بجیلہ کا سردار ہے۔

"اب تم اپنے آدمی ساتھ لو اور عراق کے محاذ پر مثنیٰ بن حارثہ کے پاس چلے جاؤ" ــــــ حضرت عمرؓ نے جریر سے کہا۔

"ہم عراق نہیں شام کے محاذ پر جائیں گے" ــــــ جریر نے کہا ــــــ "کیونکہ ہمارے بزرگ شام کے رہنے والے تھے۔"

"ضرورت عراق کے محاذ پر ہے" ـــــ حضرت عمرؓ نے کہا۔
"پھر بھی ہم شام کے محاذ پر جائیں گے" ـــــ جریر نے کہا۔
"تجھ پر خدا کی لعنت!" ـــــ حضرت عمرؓ کا مزاج برہم ہو گیا۔ طنزیہ لہجے میں بولے ـــــ "تو اپنے قبیلے کے لیے اُجرت لینا چاہتا ہے۔ میں اُجرت دیتا ہوں۔ مالِ غنیمت جو تیرے قبیلے کے تیرے حصے میں آئے گا وہ تو تم لوگوں کا ہی ہو گا۔ میں تجھے خمس میں سے مزید چوتھائی حصہ دوں گا۔"

ایک مؤرخ ابن خلکان نے چند ایک مؤرخوں کے حوالے سے لکھا ہے کہ محاذ کی ضرورت شدید نہ ہوتی تو حضرت عمرؓ جریر کے ساتھ بہت بُرا سلوک کرتے لیکن امیر المومنین نے ضبط سے کام لیا۔ محمد حسنین ہیکل لکھتا ہے کہ جریر نے اتنی بار عراق جانے سے انکار اور شام جانے پر اصرار کیا کہ حضرت عمرؓ غصے سے سرخ ہو گئے لیکن ضرورت ایسی تھی کہ انہیں غصہ پی کر سودا بازی کرنی پڑی۔ جریر نے یہ سودا قبول کر لیا اور اپنے قبیلے کے آدمیوں کو تیار کرنے کے لیے چلا گیا۔

✠

کئی ایک قبیلوں کے سردار آتے ہوتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے سب سرداروں کو اپنے پاس بلا لیا۔

"کیا تم بھی جہاد پر جانے کی اُجرت لو گے؟" ـــــ حضرت عمرؓ نے پوچھا ـــــ "کیا اللہ اور اللہ کے رسولؐ کے فرائض اُجرت پر پورے کیا کرو گے؟ کیا تم بھی شہیدوں کا خون بیچنے آتے ہو؟"

"خدا کی قسم ابنِ خطاب!" ـــــ ایک سردار نے کہا ـــــ "تو جو کہہ رہا ہے یہ تیرے دل کی آواز نہیں۔ لوگ کہتے تھے کہ عمرؓ غصیلا ہے اسے خلیفہ نہ بناؤ۔ کیا تو ہمیں یہ بتانا چاہتا ہے کہ لوگ ٹھیک ہی کہتے تھے؟ بول، بات کیا ہے؟"

"ہم جانتے ہیں فارس کے محاذ پر کیا مصیبت آ پڑی ہے" ـــــ ایک اور قبیلے کے سردار نے کہا ـــــ "وہاں سے کچھ لوگ بھاگ آتے ہیں لیکن ابنِ خطاب! تو ہمارا خلیفہ ہے، امیر المومنین ہے اگر تو حوصلہ ہار بیٹھا تو قوم کا کیا بنے گا؟ تیرا غصہ بتاتا ہے کہ تو گھبرا گیا ہے۔ ہمیں بتا اب ہمارا فرض کیا ہے!"

کیا وہ حکومت تھی اور کیا تھا وہ معاشرہ کہ قوم کا ایک فرد قوم اور سلطنت کے سب سے بڑے اور بااختیار سربراہ کو یوں ٹوک رہا تھا جیسے خلیفہ اُس سے درجے میں چھوٹا ہو۔ اللہ کی رحمت اُس خلیفہ پر جس نے اس شخص کی بات سنی تو چہرے سے غصے کی لالی غائب ہو گئی اور چہرے پر جلالی تاثر آ گیا۔

"اللہ تجھے جزا دے گا ابنِ معبد!" ـــــ حضرت عمرؓ نے کہا ـــــ "تو نے میری نہیں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کر لی ہے ابھی ابھی ایک بجلی میرے ساتھ اپنے مجاہدوں اور شہیدوں کی قیمت چکا کر گیا ہے....."

"لعنت ایسے مسلمان پر!" ـــــ حصین بن معبد نے کہا ـــــ "ہمیں بتا کیا چاہیئے۔"

"مثنیٰ بن حارثہ صرف تین ہزار نفری کے ساتھ اکیلا رہ گیا ہے" ـــــ حضرت عمرؓ نے کہا ـــــ "کمک چاہیئے اور بہت جلدی!"

وہ بنو تمیم کا سردار حصین بن معبد تھا۔ اُس نے زیادہ بات نہ کی نہ سنی اور کہا کہ ایک ہزار آدمی میرے قبیلے کے تیار لکھ لے۔ حصین بن معبد کے بولنے کی دیر تھی کہ باقی سب سردار بھی بول پڑے اور چلے گئے۔

جو کمک تیار ہو گئی اس کی تفصیل تاریخ کے مطابق یہ ہے:

بنو تمیم ایک ہزار آدمی۔ ان کا قائد حصین بن معبد تھا۔

قبیلہ ازد کا سردار مخنف بن سلیم اپنی قیادت میں سات سو گھوڑ سوار لے کر آیا۔

حاتم طائی کا بیٹا سب سے زیادہ پیادہ اور گھوڑ سوار لایا۔ کسی بھی مؤرخ نے تعداد نہیں لکھی۔

قبیلہ رباب بنو کنانہ، قثم بنو حنظلہ اور بنو حنبہ نے بھی بڑے بڑے جیش اکٹھے کر دیئے۔ تعداد معلوم نہیں۔ ان کے قائد عرفجہ بن ہرثمہ اور غالب بن عبداللہ تھے۔

بنو بجیلہ کا سردار جریر دو ہزار سے کچھ زیادہ پیادے اور سوار لے آیا۔

اللہ کی راہ میں لڑنے والوں کی مدد اللہ ہی کیا کرتا ہے۔ عراق کے محاذ پر جانے کا جوش اور ولولہ ایسا پھیلا کہ دو عیسائی قبائل، بنو نمر اور بنو تغلب کے بھی دو سردار حضرت عمرؓ کی خدمت میں پہنچے۔ ایک انس بن ہلال تھا اور دوسرا ابنِ مردیٰ۔

"امیر المومنین!" ـــــ ان دونوں میں سے ایک سردار نے کہا ـــــ "اگر مذہب کی پابندی نہ ہو تو ہم بھی آپ کے ساتھ ہیں۔ ہم عرب کے باشندے ہیں۔ آج عرب اور عجم کا مقابلہ ہے۔ ہم عرب کی ناموس پر مر مٹنے کو تیار ہیں۔"

"مذہب کی کوئی پابندی نہیں" ـــــ حضرت عمرؓ نے کہا ـــــ "تم ہمارے بھائی ہو۔ اللہ تمہیں اس کا اجر دے گا۔"

مؤرخ ولیم سکاٹ نے لکھا ہے کہ ان عیسائیوں میں مسلمانوں جیسا ہی جذبہ تھا۔ چونکہ عرب کے ہر قبیلوں نے اپنے آدمی دیئے تھے اس لیے عیسائی سرداروں نے سوچا کہ وہ اس سلسلے میں خاموش رہے تو مسلمان انہیں اپنا ہمدرد نہیں سمجھیں گے۔ چنانچہ انہوں نے محاذ پر بھیجنے کے لیے جو آدمی دیئے

ان کی صحیح تعداد کسی بھی تاریخ میں نہیں ملتی۔ سب نے تعداد "ہزاروں" لکھی ہے۔ اس تعداد میں اکثریت سواروں کی تھی۔

یہ لاتعداد بلکہ بیشمار کمک عراق کے محاذ کو روانہ کر دی گئی۔ جب مثنیٰ بن حارثہ کا قاصد مدینہ [illegible] اُس وقت یہ کمک روانہ ہو گئی تھی۔

ادھر مثنیٰ بن حارثہ نے عرب کے اُن قبیلوں کے سرداروں کی طرف اپنے [illegible] جو عرب کی سرحد کے ساتھ ساتھ رہتے تھے۔ ان قبیلوں نے بھی لبیک کہہ کر اچھی خاصی [illegible] روانہ کر دی تھی۔

یہاں قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ جب کمک عراق کے محاذ کو جا رہی تھی تو وہ تمام آدمی جو جسر معرکے سے بھاگ آئے اور شرم کے مارے اِدھر اُدھر چھُپ گئے تھے، وہ سب کے باہر آئے اور کمک کے پیچھے پیچھے چل پڑے۔ وہ ندامت اور خفت سے اور گناہ کے احسا[س] نجات حاصل کرنے کے لیے محاذ کو جا رہے تھے۔ ان کی تعداد ایک ہزار سے کم نہیں اور [ڈیڑھ ہزار] سے زیادہ نہیں تھی۔ ان میں ابوشداد بھی تھا جو نہ جانے کہاں چھُپا رہا تھا اور اُس کا بیٹا پہلے ہی قبیلے کے مجاہدین کے ساتھ جا رہا تھا۔ اُسے معلوم نہیں تھا کہ اُس کا باپ بھی پیچھے پیچھے آ رہا۔

✠

مدائن میں یہودیوں کا ایک مذہبی پیشوا شہر سے نکلا۔ وہ چند دانوں والی تسبیح ہاتھ میں چلا جا رہا تھا۔ ایک گھوڑا سوار کہیں سے شہر کی طرف آ رہا تھا۔ سوار یہودی تھا اس لیے اُس اپنے مذہب کے پیشوا کے قریب آ کر احتراماً گھوڑا روک لیا اور گھوڑے سے اُتر کر پیشوا سے ملایا۔ پیشوا نے اُس سے پوچھا کہ وہ کہاں سے آ رہا ہے۔

"قادسیہ سے آ رہا ہوں ربی محترم!" ــــ یہودی نے جواب دیا۔

"قادسیہ؟" ــــ پیشوا نے کہا ــــ "پھر تو تم نے مسلمانوں کی فوج کو دیکھا ہو گا؟"

"دیکھا ہے!"

"وہ تو بہت تھوڑے رہ گئے تھے" ــــ پیشوا نے کہا ــــ "ابھی بھاگے نہیں؟"

"تھوڑے کہاں ربی!" ــــ یہودی نے کہا ــــ "انہیں اتنی زیادہ کمک مل گئی ہے ج[س کا] کچھ حساب نہیں۔"

"اتنی زیادہ کمک؟" ــــ پیشوا نے حیرت سے کہا ــــ "یہ تو بہت بُرا ہُوا..... ہمارے جرنیلوں نے اتنا بھی نہ کیا کہ اُس علاقے میں اپنے مخبر اور جاسوس بھیج دیتے۔ اب مسلما[ن] مدائن پر آئیں گے۔"

"میں ہوں مخبر محترم ربی!" ــــ یہودی نے کہا ــــ "میں یہی خبر دینے آیا ہوں۔"

"ہاں ہاں!" ــــ یہودی پیشوا نے کہا ــــ "جلدی پہنچو اور رستم کو بتاؤ۔"

یہودی اپنے گھوڑے کی طرف مُڑا۔ مذہبی پیشوا نے اپنے چُغے کے اندر ہاتھ ڈال کر یہودی کو [رُ]کنے کو کہا۔ یہودی اپنے ربی کی طرف مُڑا تو ربی کے ہاتھ میں خنجر تھا۔ یہودی پریشان ہو گیا۔ اُسے معلوم نہیں تھا کہ یہ مذہبی پیشوا نہیں بلکہ مسلمانوں کا جاسوس اشعر بن اوصامہ ہے۔

اشعر نے [یہو]دی پر خنجر کا وار کیا۔ یہودی بھی تربیت یافتہ اور پھرتیلا تھا۔ وہ وار بچا گیا اور اُس کے ساتھ ہی اُس نے تلوار نکال لی۔ وہ دونوں شہر کے دروازے سے دُور نہیں تھے۔ لوگ آ جا رہے تھے۔ اُنہوں نے دیکھا کہ ایک آدمی یہودیوں کے مذہبی پیشوا سے لڑ رہا ہے۔ [وہ] ان کی طرف آئے تو یہودی نے شور مچایا کہ یہ ربی نہیں مسلمانوں کا جاسوس ہے۔

اشعر بن اوصامہ یہودی کے گھوڑے کی طرف دوڑا، اُچھل کر گھوڑے [پر] سوار ہو گیا اور ایڑ لگا دی۔

✠

یہودی رستم کے پاس گیا اور اُسے بتایا کہ مسلمانوں کا ایک بہت بڑا لشکر [قادسیہ] کے مقام پر جمع ہو گیا ہے۔

رستم کو توقع نہیں تھی کہ مسلمان اتنی جلدی تیار ہو جائیں گے۔ معرکۂ جسر کو پورا ایک سال گزر گیا تھا۔ رستم ملکۂ فارس کے پاس گیا۔ اپنے جرنیلوں کو بلایا اور ان سب نے فیصلہ کیا کہ مہران فوج لے کر جائے اور اس سے پہلے کہ مسلمان مدائن کی طرف پیشقدمی کریں، انہیں ویسی ہی شکست دے جیسی بہمن جادویہ اور جالینوس نے انہیں جسر کی لڑائی میں دی تھی۔

مہران کا پورا نام مہران بن مہرویہ ہمدانی تھا۔ جوانی میں وہ عرب کے کسی علاقے میں رہا تھا اور اُس نے لڑنے کا اور میدانِ جنگ میں قیادت کا فن عربوں سے سیکھا تھا۔ تاریخ کے مطابق، پوران اور رستم نے اسے کہا تھا کہ عربوں کے لڑنے کے طور طریقوں سے تم واقف ہو اس لیے تم انہیں آسانی سے شکست دے سکو گے۔

مہران جو فوج لے کر مدائن سے نکلا تھا، اس کی تعداد کسی مؤرخ نے نہیں لکھی۔ علّامہ شبلی نعمانی نے لکھا ہے کہ اُس کے گھوڑسواروں کی تعداد بارہ ہزار تھی۔ ہاتھیوں کی تعداد "سینکڑوں" لکھی گئی ہے۔ پیادوں کی تعداد بھی نہیں لکھی گئی۔

مدائن سے فارس کی فوج نکل رہی تھی جب اشعر بن اوصامہ مثنیٰ بن حارثہ کے پاس پہنچا اور اُسے بتایا کہ ایک یہودی جاسوس نے مدائن اطلاع دے دی ہے کہ مسلمانوں کا بہت

بڑا لشکر تیار ہو گیا ہے۔ اشعر نے مثنیٰ کو بتایا کہ اس یہودی کے ساتھ اُس کا کس طرح آمنا سامنا ہو گیا تھا۔

مثنیٰ بن حارثہ کو پہلو کا زخم پریشان کرنے لگا تھا۔ وہ آرام نہیں کرتے تھے طبیب نے انہیں کئی بار خبردار کیا تھا کہ زخم خراب ہو گیا تو یہ پھیپھڑے کو لے بیٹھے گا اور یہ حالت بھی ہو سکتی ہے لیکن مثنیٰ کے ذہن پر جسر کی شکست سوار تھی۔ اب انہیں اتنی کمک مل گئی تھی جس کی انہوں نے کبھی توقع نہیں کی تھی۔ ان کے چہرے پر جلالی تاثر تھا اور بھاگم بھاگ نئے آتے ہوئے آدمیوں کو منظم کر رہے تھے اور سالار اور ان کے نائب بھی مقرر کر رہے تھے۔ ساتھ ساتھ انہیں ہدایات بھی دے رہے تھے۔ ان میں بہت سے لوگ ایسے تھے جو لڑنا تو جانتے تھے اور ان میں جذبۂ جہاد بھی تھا لیکن میدان جنگ میں وہ پہلی بار آئے تھے۔

مثنیٰ بن حارثہ نے اس لشکر کو سباخ سے کوچ کا حکم دیا۔ انہوں نے اس جگہ کو لڑائی کے لیے موزوں نہیں سمجھا تھا۔ شمال مغرب کی طرف دریائے فرات والے کنارے پر بویب کے علاقے کو بہتر سمجھا تھا۔ بویب تقریباً اُس جگہ واقع تھا جہاں آج کل کوفہ آباد ہے۔ مثنیٰ اپنے لشکر کو وہاں لے گئے اور اسے تیاری کی حالت میں رکھا۔

✠

دوسرے دن مدائن کی فوج بویب کے بالمقابل کنارے پر پہنچ گئی۔ کیا شان تھی اس فوج کی۔ آگے ہاتھی تھے جن کے پہلوؤں سے چمکتی ہوئی آہنی زنجیریں لٹک رہی تھیں۔ ان کے ساتھ بڑے سائز کی گھنٹیاں تھیں جو بڑی زور سے بجتی تھیں۔ اوپر خوشنما ہودے تھے جن میں تیر انداز اور برچھیاں پھینکنے والے کھڑے تھے۔ ہاتھیوں کے ماتھوں اور سونڈوں کے آگے ٹین کی چادریں چڑھی ہوئی تھیں۔

گھوڑسواروں کی تو شان ہی نرالی تھی۔ وہ باقاعدہ تنخواہ دار فوج تھی اس لیے سب کا لباس ایک جیسا اور ان کے ہاتھوں میں برچھیاں بھی ایک جیسی تھیں۔ ان کے سروں پر آہنی خودیں بھی ایک جیسی ساخت اور ایک ہی رنگ کی تھیں۔

اس فوج کا کمانڈر مہران دریا کے کنارے پر آیا اور ایک قاصد کو کشتیوں کے پل سے مسلمانوں کی طرف بھیجا۔ مثنیٰ بن حارثہ نے آگے ہو کر اُس سے پوچھا کہ وہ کیوں آیا ہے۔

"ہمارے کماندارِ اعلیٰ مہران پوچھتے ہیں کہ تم دریا عبور کر کے اُدھر آتے ہو یا ہم آئیں" قاصد نے کہا۔

"تم اِس طرف آؤ" — مثنیٰ بن حارثہ نے کہا — "اور اپنے کماندارِ اعلیٰ سے کہنا کہ جب

تم دریا پار کر کے اپنی فوج کو ترتیب میں کھڑا نہیں کر لو گے ہم حملہ نہیں کریں گے۔"

اتنی زیادہ فوج تھوڑی سی دیر میں تو دریا عبور نہیں کر سکتی تھی۔ مثنیٰ نے اپنے لشکر کو دور پیچھے ہٹا لیا تاکہ فارسیوں کو شک نہ ہو کہ ان پر حملہ کر دیا جائے گا جس طرح انہوں نے جسر کی لڑائی میں کیا تھا۔ مثنیٰ ابو عبید والی غلطی نہیں کرنا چاہتے تھے کہ دشمن نے مشتعل کیا اور دریا کے پار چلے گئے۔ حضرت عمرؓ نے مثنیٰ کو ہدایت بھیجی تھی کہ جب تک فتح مکمل نہ ہو جائے دریا کے پار نہ جانا۔

آدھے سے زیادہ دن گزر چکا تھا۔ شام تک فارس کی فوج پل سے گزر تی اِدھر آتی رہی۔

✠

اگلے روز فجر کی نماز کے فوراً بعد مثنیٰ بن حارثہ نے اپنے لشکر کو ترتیب میں کھڑا کیا۔ قلب کے دستوں کو انہوں نے اپنی کمان میں رکھا۔ دائیں پہلو کے دستوں کی مذعور کو اور بائیں پہلو کی کمان بِشیر کو دی۔ پیادہ دستوں کا سالار مسعود کو اور سوار دستوں کا سالار عاصم کو مقرر کیا۔ محفوظہ کا کماندار عصمہ تھا۔ لشکر کے ہر حصے کے پاس ایک ایک عَلم تھا۔

ولیم سکاٹ، ابنِ خلکان اور بلاذری لکھتے ہیں کہ مثنیٰ بن حارثہ کا چہرہ بتا رہا تھا کہ ایک سال گزر جانے کے باوجود ان کے پہلو کا زخم ٹھیک نہیں ہُوا بلکہ خراب ہو گیا تھا اور وہ درد محسوس کر رہے تھے لیکن باتوں اور حرکتوں سے ظاہر ہوتا تھا جیسے جسمانی طور پر وہ بالکل ٹھیک ہوں۔ انہوں نے اپنے لشکر کو ترتیب میں کھڑا کر کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک نگاہ دوڑائی اور لشکر کے ایک سرے تک چلے گئے۔ وہاں سے گھوڑا آہستہ آہستہ چلایا۔ وہ لشکر کے ہر حصے کے عَلم کے پاس رکتے اور بلند آواز سے کہتے:

"عرب کے بہادرو! خدا کی قسم! مجھے یقین ہے کہ تم عرب کی شجاعت اور وقار پر بدنامی کا دھبہ نہیں لگنے دو گے۔ آج کے دن مجھے اپنے لیے وہی چیز پسند ہے جو تم سب کے لیے پسند ہے۔"

جسر کا معرکہ ایک سال پہلے رمضان المبارک کے مہینے میں لڑا گیا تھا۔ اب پھر رمضان المبارک کا ہی مہینہ (۱۴ ہجری۔ ۶۳۵ء) تھا۔ محمد حسنین ہیکل نے لکھا ہے کہ مثنیٰ بن حارثہ نے پورے لشکر کے آگے سے گزر کر سامنے جا گھوڑا روکا اور اپنی مخصوص گرجدار آواز میں لشکر سے کہا:

"تم سب روزے سے ہو۔ روزہ مزاج میں نرمی اور جسم میں کمزوری پیدا کرتا ہے۔ آج بڑی ہی سخت لڑائی ہو گی۔ تم دشمن کی تعداد اور اس کی قوت دیکھ لو۔ اگر روزہ افطار کر لو تو بہتر ہے۔ اتنے طاقتور اور کثیر تعداد دشمن کے مقابلے میں تمھارے جسموں میں طاقت آ جائے گی۔"

تمام کے تمام لشکر نے روزہ افطار کر لیا۔ سب کے پاس کھانے کا کچھ نہ کچھ سامان تھا اور جن کے پاس کچھ نہیں تھا اسے ساتھیوں نے دے دیا۔

مثنیٰ بن حارثہ نے فارسی لشکر کی طرف دیکھا۔ وہ بھی ترتیب میں آگیا تھا۔ اس کے بھی تین حصے تھے جو سامنے کھڑے تھے اور ان کے پیچھے محفوظہ کے دستے تھے۔ ہر حصے کے آگے ہاتھی کھڑے تھے۔ مثنیٰ اپنے لشکر کو آخری ہدایات دے رہے تھے کہ اچانک فارس کی فوج سے شور اٹھا۔ مسلمانوں کے لشکر میں بے چینی نظر آنے لگی۔ وہ عرب جنہوں نے پہلے ہاتھی نہیں دیکھا تھا، کچھ زیادہ ہی بے چین ہوتے جا رہے تھے۔

"اس شور کی طرف توجہ نہ دو" — مثنیٰ بن حارثہ نے اپنے لشکر سے کہا — "یہ بزدلوں کا شور ہے۔ تم خاموش رہو۔ آپس میں بات کرنی ہو تو سرگوشی میں کرو..... اسلام اور عرب کے محافظو! ہاتھیوں سے نہ ڈرنا۔ ان کے ہودوں کی رسیاں کاٹ دینا۔ ان کی سونڈیں کاٹنے کی کوشش کرنا۔"

✠

فارس کی فوج کا قلب آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہا تھا۔ مسلمانوں کے ہاں یہ رواج تھا کہ حملے سے پہلے سپہ سالار تین بار تکبیر کا نعرہ لگاتا تھا۔ پہلے نعرے پر دستے تیار ہو جاتے تھے، دوسرے نعرے پر وہ ہتھیار تان لیتے اور تیسرے نعرے پر حملہ کر دیتے تھے۔ مثنیٰ نے فارسیوں کو آگے بڑھتے دیکھا تو نعرہ لگایا — "اللہ اکبر۔"

فارسی جرنیلوں کو مسلمانوں کا یہ طریقہ معلوم تھا کیونکہ وہ مسلمانوں سے کئی لڑائیاں لڑ چکے تھے۔ مثنیٰ نے ابھی پہلا نعرہ لگایا تھا جس پر مجاہدین تیار ہو گئے تھے۔ تیسرے نعرے پر انہوں نے حملہ کرنا تھا لیکن فارسیوں نے پہلے ہی نعرے پر مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ حملہ ان کے قلب کے دستوں نے کیا تھا۔

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ مسلمانوں کے لشکر میں زیادہ تر وہ لوگ تھے جن میں جوش اور جذبہ تو بھرپور تھا اور وہ بلا کے تیغ زن اور شہسوار تھے لیکن میدانِ جنگ میں ایک کمانڈر کے تحت ترتیب اور تنظیم سے لڑنے کا انہیں تجربہ نہ تھا۔ حملہ آور فارسی ابھی دور تھے۔ دونوں فوجوں کے درمیان فاصلہ زیادہ تھا۔ مؤرخوں نے لکھا ہے کہ بنو عجل کے لوگ جوش میں آگئے اور اپنی ترتیب توڑ کر فارسیوں کا حملہ روکنے کے لیے نعرے لگاتے ہوئے آگے چلے گئے۔

علامہ شبلی نعمانی، بلاذری اور طبری کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ مثنیٰ بن حارثہ نے یہ حال دیکھا تو پریشان ہو گئے۔ انہوں نے اپنا نیچے والا ہونٹ دانتوں میں دبا لیا پھر قاصد سے کہا — "یہ کیسے لوگ ہیں۔ دوڑو اور ان کے سردار سے کہو کہ امیرِ لشکر سلام کہتا ہے اور اس نے کہا ہے

اسلام کو یوں رسوا نہ کرو۔ اپنی جگہ پر رہو۔"

سپہ سالار کے قاصد میدانِ جنگ میں پیغام رسانی کا تجربہ اور خصوصی مہارت رکھتے تھے۔ قاصد گھوڑا دوڑاتا بنو عجل کے سردار تک پہنچا اور اسے مثنیٰ کا پیغام دیا۔ سردار نے اپنے ان ہزار ڈیڑھ ہزار آدمیوں پر قابو پا لیا اور انہیں اس جگہ لے گیا جہاں انہیں ترتیب میں کھڑا کیا گیا تھا۔

اس کے ساتھ ہی مثنیٰ بن حارثہ نے دوسری بار اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ چونکہ فارسی حملہ آور دستے قریب آگئے تھے اس لیے مثنیٰ نے تیسرا نعرہ بغیر وقفے کے لگا دیا۔ مجاہدین کے وہ جیش جنہیں پہلے حملے کے لیے پہلے ہی بتا دیا گیا تھا، بڑے جوش و خروش اور جذبے سے آگے بڑھے اور فارسیوں کو روک لیا۔ بڑا ہی گھمسان کا رن پڑا۔

ان مجاہدین میں وہ بھی تھے جو جسر کے میدان سے بھاگ کر اپنے گھروں کو چلے گئے تھے اور وہ بھی تھے جو وہ معرکہ لڑے اور زندہ واپس آگئے تھے۔ ان سب میں انتقام کی آگ بھری ہوئی تھی۔ بھگوڑوں کو یہ ثابت کرنا تھا کہ وہ بزدل نہیں۔

خطرہ ہاتھیوں کا تھا جو آگے تھے۔ جسر میں جو مجاہدین لڑے تھے انہوں نے جسر والا ہی طریقہ اختیار کیا اور ہودوں کی رسیاں کاٹ کر ان کے سواروں کو گرا کر ہلاک اور زخمی کرنے لگے۔ اس کوشش میں کچھ ہاتھیوں کے نیچے بھی گرے اور زخمی یا شہید ہوتے۔ فارس کے ہاتھی فارسیوں کے لیے مصیبت بن گئے۔ اس سے دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ عرب کے جن مسلمانوں نے پہلی بار ہاتھی دیکھے تھے اور وہ ان سے ڈر رہے تھے، ان کے دلوں سے ڈر اتر گیا اور وہ ہاتھیوں پر ٹوٹ ٹوٹ پڑنے لگے۔

✠

مثنیٰ بن حارثہ نے دیکھا کہ فارسیوں کے لشکر کی نفری ان کے اپنے لشکر سے کئی گنا زیادہ ہے اور سوار دستے تو بہت ہی زیادہ ہیں تو انہوں نے فارسیوں کے قلب پر شدید حملہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ انہوں نے دو عیسائی سرداروں — انس بن ہلال نمری اور ابنِ مرویٰ الفہر تغلبی — کو اپنے پاس بلا لیا۔

"تم میرے ہم مذہب نہیں ہو" — مثنیٰ بن حارثہ نے ان دونوں سے کہا — "مگر یہ لڑائی عرب اور عجم کی ہے۔ خدا کی قسم، تم عرب کی آن پر جانیں قربان کرنے سے گریز نہیں کرو گے۔"

"مذہب کی بات نہ کر ابنِ حارثہ!" — انس بن ہلال نے کہا — "عرب کی بات کر اور ہمیں کچھ بتا۔"

"میں دشمن کے قلب پر حملہ کر رہا ہوں" — مثنیٰ نے کہا — "ان کا سالارِ اعلیٰ مہران وہیں ہے۔

میں اُسے گرانے کی کوشش کروں گا۔ وہ گر پڑا تو دیکھنا کیا ہوگا۔ ان کا سارا لشکر بھاگ اٹھے گا۔ دونوں اپنے آدمیوں کے ساتھ میرے دائیں اور بائیں رہنا اور جب میں مہران کے حفاظتی دستوں پر حملہ کروں تو تم دائیں اور بائیں سے حملہ کر دینا۔“

مثنیٰ نے قلب کے دستوں سے مہران کے قلب پر حملہ کیا۔ مہران شاہی جرنیل تھا۔ اُس کے اردگرد گھوڑ سوار محافظوں اور ہاتھیوں کا قلعے جیسا حصار تھا۔ مہران کو مارنا اور اُس کا پرچم گرانا ناممکن تھا۔ مثنیٰ کا حملہ اتنا شدید اور جذبے سے اتنا بھرپور تھا کہ مہران کا حفاظتی حصار ٹوٹ گیا لیکن اس حصار کو مثنیٰ اور ان کے عیسائی ساتھی دھکیلتے ہوئے فارسیوں کے دائیں پہلو کی طرف لے گئے۔ اس سے فارسیوں کے دائیں پہلو کی ترتیب ٹوٹ گئی۔

کسی اور فارسی جرنیل نے دیکھا کہ مسلمانوں نے مہران کو بڑے خطرناک گھیرے میں لے لیا ہے تو اُس نے قلب کے دستوں سے مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ دونوں فوجوں کے قلب کا تصادم ہولناک تھا۔ تاریخ نویس ولیم سکاٹ اور کچھ حوالوں سے محمد حسنین ہیکل لکھتے ہیں کہ ہاتھیوں اور گھوڑوں نے اتنی گرد اڑائی کہ فریقین کو بھی پتہ نہیں چلتا تھا کہ کون کہاں ہے اور لڑائی میں کس کو بالادستی حاصل ہو رہی ہے۔

مثنیٰ نے اپنے تجربے کی بناء پر اپنے دستوں کو پیچھے ہٹانا شروع کر دیا۔ انہوں نے دیکھا کہ فارسیوں کا دایاں پہلو بے ترتیب ہو گیا ہے اور ان کا قلب ازسرِنو یکجا ہو رہا ہے۔ مثنیٰ نے فارسیوں کے دونوں پہلوؤں پر حملہ کرا دیا۔ زخمی ہاتھی جن کے ہودے گر پڑے تھے وہ مہاوتوں کے بغیر اپنی ہی فوج کو کچلتے پھرتے تھے۔

مؤرخوں نے لکھا ہے کہ مثنیٰ بن حارثہ کی بڑی بلند آواز بار بار سنائی دیتی تھی ––– ”اسلام کے جانبازو! تم اللہ کی مدد کرو۔ اللہ تمہاری مدد کرے گا“ ––– یہ للکار مسلمانوں کا حوصلہ بڑھا رہی تھی۔

فارسیوں کا دایاں پہلو جو پہلے ہی بے ترتیب تھا، ایسا اُکھڑا کہ اس کے سپاہی کشتیوں کے پُل سے بھاگنے لگے۔ اس پہلو کو مسلمانوں نے ایسی شدت سے پیچھے کو دھکیلا کہ دریا تک لے گئے۔ فارسیوں نے دریا میں کودنا شروع کر دیا۔ مثنیٰ بن حارثہ نے اپنے محفوظہ کے سواروں کو اس حکم سے دوڑا دیا کہ پُل کا راستہ روک لو اور کسی فارسی کو بھاگنے نہ دو اور کسی کو زندہ نہیں پکڑنا۔ سب کو ختم کر دو اور جو دریا میں کود رہے ہیں انہیں تیروں سے ختم کرو۔

لڑائیوں میں ایسا ہی ہوتا تھا کہ فوج کے کسی ایک دستے میں بھگدڑ مچ جاتی تو اس کا اثر ساری فوج پر ہوتا تھا۔ فارسیوں کے ساتھ بھی ایسے ہی ہُوا۔ ایک پہلو کے دستے بھاگنے لگے تو دوسرے دستوں کے بھی حوصلے پست ہونے لگے لیکن ان کا کمانڈر مہران ابھی زندہ تھا۔ اس کا پرچم بھی بلند تھا۔ وہ تابڑ توڑ حملے کر رہا تھا۔

✠

مثنیٰ بن حارثہ نے اپنے تمام لشکر کو پیچھے ہٹا لیا اور بڑی تیزی سے اسے ترتیب میں کیا۔ مسلمانوں نے دیکھا کہ فارسیوں کے تمام ہاتھی زخمی ہو کر ادھر اُدھر بھاگ دوڑ رہے ہیں اور اپنی فوج کو ترتیب میں نہیں آنے دے رہے۔ پھر مسلمانوں نے دیکھا کہ میدانِ جنگ فارسیوں کی لاشوں سے اَٹ گیا ہے تو ان کی تھکن ختم ہو گئی اور لڑنے کے جذبے میں نئی تازگی آ گئی۔

اُدھر پُل کے سامنے تو فارسیوں کی لاشوں کے انبار لگ گئے تھے۔ دریا میں کودنے والے فارسی مسلمانوں کے تیر کھا کر یا تیرنا نہ جاننے کی وجہ سے ڈوب گئے تھے۔

مثنیٰ کو فتح کے آثار نظر آنے لگے تھے لیکن فارسیوں کی تعداد ابھی تک زیادہ تھی۔ مثنیٰ نے یہ بھانپ لیا تھا کہ فارسیوں میں بددلی پیدا ہو گئی ہے اور وہ صرف اس لیے میدان میں موجود ہیں کہ ان کا سب سے بڑا کمانڈر مہران موجود ہے اور اس کا پرچم ابھی بلند ہے۔ مثنیٰ نے ایک اور نعرہ لگایا:

”اپنا پرچم بلند رکھو۔ اللہ تمہیں بلند رکھے گا۔“

مثنیٰ نے اب جو حملہ کرایا وہ بے حد زوردار تھا۔ فارسی اب ہاتھیوں کی حفاظتی دیوار سے محروم ہو گئے تھے۔ فارسیوں نے جم کر مقابلہ کیا۔ مؤرخ لکھتے ہیں کہ مسلمانوں نے بہادری اور جانبازی کے جتنے جوہر اس جنگ میں دکھائے ہیں وہ کسی اور جنگ میں نہیں دکھائے۔ مثنیٰ بن حارثہ نے اتنے زیادہ پھیلے ہوئے میدانِ جنگ میں قیادت بھی کی اور سپاہیوں کی طرح لڑے بھی۔

مثنیٰ بن حارثہ بنو بکر بن وائل میں سے تھے۔ ان کے بھائی مسعود بن حارثہ مثنیٰ کے ماتحت سالار تھے اور اپنے قبیلے کے سردار بھی تھے۔ مسعود نے اپنے قبیلے کے مجاہدین سے کہا تھا ––– ”اگر تم مجھے زخمی ہو کر گرتا دیکھو تو اپنا ہاتھ نہ روکنا۔ لڑائی میں لشکر پیچھے ہٹ کر بھی پلٹتا اور آگے بڑھتا ہے۔ اپنی جگہ پر ثابت قدم رہنا اور اپنے دشمن کا حق ادا کر دینا۔“

یہ الفاظ جو تاریخ کے دامن میں موجود ہیں، اپنے قبیلے کے مجاہدین سے کہنے کے کچھ دیر بعد مثنیٰ بن حارثہ نے حملے کا حکم دیا تو ان کے بھائی مسعود بن حارثہ فارسیوں کی صفوں میں جا داخل ہوئے۔ ان کے قبیلے کے مجاہدین نے بعد میں بتایا کہ مسعود جس عتاب سے لڑ رہے تھے اس سے ان کے اپنے مجاہدین ڈر گئے تھے۔ ان کی تلوار جدھر گھومتی تھی اُدھر فارسی گرتے نظر آتے تھے۔ آخر انہیں ایک ہی بار دو ایسے گہرے زخم آ گئے کہ وہ گھوڑے سے گرنے لگے۔ انہوں نے اپنے آپ کو سنبھال لیا اور بڑی ہی بلند آواز سے کہا:

"اے فرزندانِ بنو بکر بن وائل! اپنا پرچم بلند رکھو۔ اللہ تمہیں بلند رکھے گا۔ خبردار، میری موت سے ہراساں اور بے دل نہ ہو جانا۔"

یہ کہہ کر مسعود گھوڑے کو ذرا پیچھے لائے اور گھوڑے سے نیچے آپڑے۔ مثنیٰ نے دیکھ لیا۔ فوراً پہنچے۔ گھوڑے سے اُترے اور اپنے بھائی کو اُٹھا کر پیچھے ایک جگہ لٹا دیا۔ شہید ہو چکے تھے۔ مثنیٰ اپنے گھوڑے کی طرف دوڑے، اُچھل کر گھوڑے پر سوار ہوئے۔ گلا پھاڑ کر اپنی مخصوص گرجدار آواز میں اعلان کیا:

"بنو بکر بن وائل کے مجاہدو! میرا بھائی مارا گیا تو کوئی غم نہیں۔ غیرت مند اسی طرح جانیں دیا کرتے ہیں۔ دیکھو، تمہارا پرچم نہ جھکے۔"

مثنیٰ جب لڑائی کا جائزہ لینے لگے تو انہوں نے بنو نمر کے عیسائی سردار انس بن ہلال کو دیکھا جو مسعود بن حارثہ جیسے جوش و خروش سے لڑ رہا تھا۔ اُس نے بہت سے فارسیوں کو طرح زخمی کر کے گرایا مگر ایک فارسی نے پیچھے سے برچھی اس کی پیٹھ میں، ایک بار، دوبارہ تیسری بار ماری تو انس بن ہلال گھوڑے سے گرے اور دم توڑ دیا۔

مثنیٰ بن حارثہ نے اس فارسی کو جہنم واصل کر دیا۔ مثنیٰ کے محافظوں نے کئی فارسیوں کو کر دیا۔ مثنیٰ گھوڑے سے اُترے۔ ان کے محافظ ان کے ارد گرد رہے۔ مثنیٰ نے جس طرح بھائی کی لاش احترام اور پیار سے اٹھائی تھی، ویسے ہی پیار اور تعظیم سے انس بن ہلال کو بھی اور پیچھے جا کر اپنے بھائی کی لاش کے بالکل ساتھ لٹا دیا۔ تب مثنیٰ نے دیکھا کہ انس بن ہلال اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کر چکا تھا۔

میدانِ جنگ بہت پھیل گیا تھا۔ تاریخ کا سب سے زیادہ ہیبت ناک کشت و خون ہو رہا تھا اور صاف دکھائی دے رہا تھا کہ فارسی فوج کی جارحیت ختم ہو چکی ہے اور یہ فوج فرد فرد ہو کر بکھر رہی ہے۔ ہر فارسی اپنی جان بچا کر بھاگنے کے لیے لڑ رہا ہے۔ فارسیوں کو شدید خونریز دباؤ سے دریا تک پہنچا دیا گیا تھا۔ ان کی پسپائی کے لیے پیچھے زمین ختم ہو چکی تھی۔ دریا میں کُودنے سے گھبرا رہے تھے۔ وہاں بھی موت تھی۔ پُل کو مجاہدین نے بند کر رکھا تھا۔

مہران کا پرچم ابھی بلند تھا۔

مثنیٰ بن حارثہ حکم دے رہے تھے کہ کسی فارسی کو زندہ نہ چھوڑا جائے۔

اتنے میں مہران کا پرچم گر پڑا اور مہران اپنے گھوڑے سے گر کر مر گیا۔ ایک بڑی ہی بلند للکار سنائی دی:

"میں ہوں بنو تغلب کا جوان جس نے عجم کے سالار کو قتل کر دیا ہے۔"

عیسائی قبیلے بنو تغلب کا یہ جوان مہران کے گھوڑے پر چڑھ بیٹھا اور میدانِ جنگ میں گھوڑا دوڑاتے ہوئے اعلان کرتا رہا کہ میں نے عجم کے سالار کو قتل کر دیا ہے۔

کسی بھی مؤرخ نے اس عیسائی کا نام نہیں لکھا۔ ہر مؤرخ نے یہ واقعہ اسی طرح لکھا ہے جو اوپر بیان ہوا ہے۔

"فارس کا پرچم نہیں گرے گا" — یہ کوئی فارسی سردار تھا جس نے اپنا پرچم پھر اُوپر کر دیا تھا۔ فوراً بعد ایک اور للکار سنائی دی — "فارس کا پرچم نہیں اُٹھے گا" — یہ ایک مجاہد تھا جس نے اس فارسی سردار کو قتل اور اُس کے ہاتھ سے پرچم چھین لیا تھا اور اسے زمین پر گھسیٹتا، گھوڑا دوڑا رہا تھا۔ اُس نے اعلان کیا — "میں ہوں صہیب ثقفی۔ یہ لو پرچم" — اُس نے مثنیٰ کے قریب آکر فارس کا پرچم اُن کے قدموں میں پھینک دیا۔

اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ فارس کی منتشر فوج کا قتلِ عام تھا۔ مؤرخوں نے لکھا ہے کہ شاید ہی کوئی فارسی اس لڑائی سے زندہ نکلا ہو گا۔ عرب کے ایک سو غازی ایسے تھے جنہوں نے دس دس فارسیوں کو ہلاک کیا تھا۔ اسی لیے اسے معرکۂ بویب کم اور "یوم الاعشار" زیادہ کہتے ہیں۔ ان ایک سو کے سوا باقی عربوں نے پانچ پانچ سے لے کر نو نو فارسیوں کو ہلاک کیا تھا۔

رات کو بھی مسلمان اور عیسائی فارسیوں کو کاٹتے رہے۔ محمد حسنین ہیکل نے مستند حوالوں سے لکھا ہے کہ تقریباً ایک لاکھ فارسی جن میں ان کے جرنیل اور دیگر تمام افسر بھی شامل تھے، مارے گئے تھے۔ عربوں نے اپنے ساتھیوں کی لاشیں اٹھا کر دفن کر دی تھیں، فارسیوں کی لاشیں گدھوں، بھیڑیوں، گیدڑوں کے سوا اٹھانے والا کوئی نہ تھا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ بڑی لمبی مدت تک فارسیوں کی ہڈیاں وہیں پڑی رہیں اور پھر گذرتے وقت اور زمانے کی اُڑتی مٹی میں دب گئیں۔

مثنیٰ بن حارثہ نے بویب کی لڑائی ختم ہونے کے بعد اپنے سالاروں اور سرداروں کی محفل میں کہا تھا:

"میں اسلام قبول کرنے سے پہلے عجمیوں کے خلاف کئی بار لڑا ہوں۔ اُس وقت ایک سو عجمی ایک ہزار عربوں پر بھاری ہوتے تھے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد اب ایک سو عرب ایک ہزار عجمیوں پر بھاری ہیں۔ اللہ نے فارسیوں کا رعب زائل کر دیا ہے۔ تم ان کے نمائشی دبدبے، لمبی برچھیوں اور اپنے سے کئی گنا زیادہ فوج سے ڈر نہ جانا۔ ان سے محروم ہوتے ہی وہ ان چوپایوں کی مانند ہو جاتے ہیں جنہیں تم جہاں چاہو ہانک کر لے جا سکتے ہو۔"

مستند مؤرخوں نے لکھا ہے کہ لڑائی ختم ہونے کے بعد مثنیٰ بن حارثہ اپنے بھائی مسعود اور عیسائی سردار انس بن ہلال کی لاشوں سے باری باری لپٹ کر بے تحاشہ روتے تھے

مثنیٰ بن حارثہ

اپنے بھائی مسعود اور عیسائی سردار انس بن ہلال کی لاشوں پر روتے روتے نڈھال سے ہونے لگے تو ایک سالار نے آگے بڑھ کر انہیں اٹھایا اور اپنے گلے لگا لیا۔

"خدا کی قسم!" ــــ مثنیٰ بن حارثہ نے کہا ــــ "یہ سوچ کر میرے غم میں کمی آجاتی ہے کہ دونوں بویب کا معرکہ لڑے ہیں، ثابت قدم رہے ہیں اور ان دونوں نے شجاعت کے مظاہرے کیے، خوفزدہ نہیں ہوتے، بزدلی نہیں دکھائی اور شہید ہوئے اور شہادت گناہوں کا کفارہ ہوتی ہے۔"

مثنیٰ کے اردگرد قبیلوں کے سردار اور دیگر مجاہدین اکٹھے ہو گئے تھے۔

"کہاں ہے وہ عیسائی شیر جس نے فارس کے سپہ سالار مہران کو قتل کیا ہے؟" ــــ مثنیٰ بن حارثہ نے کہا ــــ "اور کہاں ہے وہ مجاہد جس نے فارس کے ایک سردار کو قتل کر کے مہران کا گرکر اٹھا ہوا پرچم لا کر میرے آگے پھینکا تھا؟"

بنو تغلب کے ایک جوان اور صہیب ثقفی کو فوراً بلایا گیا۔ مثنیٰ بن حارثہ نے دونوں کو باری باری گلے لگایا۔

"اے عرب کے شیر!" ــــ مثنیٰ بن حارثہ نے عیسائی جوان سے کہا ــــ "اگر میرا مذہب اجازت دیتا تو میں تمہیں جاگیر انعام میں دے دیتا۔ تم نے فارس کے سپہ سالار کو قتل نہیں کیا، تم نے فارس کے غرور اور تکبر کا سر کاٹ دیا ہے۔ اسلام جاگیریں بخشنے کی اجازت نہیں دیتا۔ یہ زمین اللہ کی ہے اور اللہ کا حکم ہے کہ اس زمین پر اللہ کے ہر بندے کا مساوی حق ہے۔"

"تمہارے اور اپنے مذہب کے ساتھ مجھے کوئی دلچسپی نہیں اے سپہ سالار!" ــــ عیسائی جوان نے کہا ــــ "میں نے عرب کی ناموس کی خاطر اپنی جان داؤ پر لگا دی تھی۔ میں عجمیوں کا یہ طعنہ برداشت نہیں کر سکتا تھا کہ عربی بزدل ہوتے ہیں۔"

"خدا کی قسم، تم انعام کے حقدار ہو" ــــ مثنیٰ نے کہا ــــ "مہران کا گھوڑا تمہارے پاس ہے، یہ تمہارا ہے۔ جاؤ، مہران کی تلوار اور اس کے جسم سے جو چیز اچھی لگے وہ لے لو۔ یہ تمہارا ذاتی مال غنیمت ہو گا۔ باقی مال غنیمت سے تمہیں الگ حصہ ملے گا۔ مہران کی تلوار پر تمہاری آنے والی نسلیں بھی فخر کرتی رہیں گی.... اور تم!" ــــ مثنیٰ صہیب ثقفی سے مخاطب ہوئے ــــ "تمہارا کارنامہ معمولی نہیں.... تمہارا نام؟"

"صہیب ابن القدر ثقفی!"

"ہاں!" ــــ مثنیٰ کو یاد آگیا ــــ "کیا تم وہ نہیں جسے اس علاقے کی ایک لڑکی زخمی حالت میں لائی تھی؟"

"میں وہی ہوں سپہ سالار!" ــــ صہیب ثقفی نے جواب دیا۔

"تم تو بہت زخمی تھے" ــــ مثنیٰ نے کہا۔

"پرانی بات ہو گئی ہے سپہ سالار!" ــــ صہیب ثقفی نے جواب دیا ــــ "پاؤں کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔ یہ ابھی ٹھیک نہیں ہوئی۔ رکاب میں پاؤں رکھ لیتا ہوں لیکن اس پاؤں سے گھوڑے کو ایڑ نہیں لگتی۔ ایڑ دوسرے پاؤں سے لگاتا ہوں۔"

"جس فارسی سردار کو تم نے قتل کر کے مہران کا پرچم گرایا اور مجھے دیا تھا، اس کی تلوار، دیگر چیزیں اور گھوڑا تم لے لو" ــــ مثنیٰ نے اسے کہا اور پوچھا ــــ "اس لڑکی کے ساتھ تمہاری شادی ہو گئی ہے؟"

"نہیں سپہ سالار!" ــــ صہیب ثقفی نے جواب دیا ــــ "نکاح تو آپ ہی نے پڑھانا ہے۔"

"آج رات نکاح ہو جائے گا" ــــ مثنیٰ بن حارثہ نے کہا۔

مثنیٰ اس وقت بہت خوش تھے۔ انہیں اپنے بھائی کی شہادت کا غم تو تھا لیکن فتح کی خوشی اتنی تھی کہ غم دب گیا تھا۔ یہ دیکھ کر بھی مثنیٰ کا غم ہلکا ہو گیا تھا کہ صرف ان کا بھائی نہیں، وہاں بہت سی بہنوں اور بہت سے بھائیوں کے بھائی شہید ہو گئے تھے۔ مثنیٰ ہر کسی کے ساتھ ہنستے اور مسکراتے ہوئے بات کرتے تھے۔ اچانک انہوں نے اپنے اس پہلو پر ہاتھ رکھا اور ذرا جھک گئے جس پہلو میں انہیں جسر کی لڑائی میں زخم آیا تھا۔ مثنیٰ کے کھلے ہوئے چہرے پر درد کا ایسا تاثر آگیا جیسے درد ان کی برداشت سے باہر ہو۔

طبیب اور جراح انہیں کئی بار کہہ چکے تھے کہ مکمل آرام کریں لیکن مثنیٰ ٹال دیتے تھے۔ اس پہلو میں انہیں برچھی لگی تھی۔ زرہ کی زنجیر کی ایک کڑی نے ٹوٹ کر دو پسلیوں کو توڑ دیا تھا۔ اس سے ان کا پھیپھڑا بھی زخمی ہو گیا تھا۔ یہ زخم ایک سال پرانا ہو گیا تھا۔ آرام نہ کرنے اور مسلسل گھوڑ سواری، کوچ، پیشقدمی اور لڑائیاں لڑنے سے زخم مندمل ہونے کی بجائے خراب ہو گیا تھا اور اب اس میں پیپ پڑنی شروع ہو گئی تھی اور اب سانس لینا دشوار ہو رہا تھا۔ مثنیٰ سانس

لیتے تھے تو زخم میں شدید درد ہوتا تھا۔ اس کا اُنہوں نے یہ علاج سوچ رکھا تھا کہ پورا سانس ہی نہیں لیتے تھے۔

مثنیٰ کو اس حالت میں دیکھ کر کچھ آدمی آگے بڑھے اور انہیں سہارا دے کر اُن کے کمرے میں لے گئے۔ طبیب اور جرّاح کو اطلاع ملی تو وہ دوڑتے آئے۔ اُن کی بیوی سلمیٰ اُن کے ساتھ تھیں۔ مثنیٰ کی حالت دیکھ کر پریشان ہو گئیں۔

"جذبے اپنی جگہ ہیں ابنِ حارثہ!" سلمیٰ نے مثنیٰ سے کہا۔ "اپنی جان کا بھی کچھ خیال کریں۔ کیوں آپ اپنی جان کے پیچھے پڑ گئے ہیں؟"

"زندگی اور موت اللہ کے اختیار میں ہے سلمیٰ!" مثنیٰ نے کہا۔ "نہ جانے کس وقت اُس کی ذاتِ باری کا بلاوا آجائے۔ میں اللہ کے حضور اپنے فرائض پورے کر کے جاؤں گا۔ فارسی جو اپنے آپ کو سورج کے بیٹے کہتے ہیں، ان میں سے اُسی کو زندہ رہنے دوں گا جو اللہ کو وحدہٗ لاشریک اور معبود اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول مان لے گا۔"

طبیب اور جرّاح نے پٹیاں کھولیں تو سلمیٰ کی طرح اُن کے چہروں پر بھی پریشانی کا تاثر چھا گیا۔ زخم سے پیپ پھوٹ رہی تھی اور مثنیٰ کا سانس قدرتی طریقے سے نہیں چل رہا تھا۔ مثنیٰ ادھورا سانس لیتے تھے۔

"آج کی لڑائی نے زخم کو اور زیادہ خراب کر دیا ہے۔" جرّاح نے زخم کو گرم پانی سے صاف کرتے ہوئے کہا۔

"اور آج کی لڑائی جس انجام کو پہنچی ہے وہ بھی دیکھو۔" مثنیٰ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "کوئی فارسی زندہ نظر آتا ہے؟ جسر کی شکست اور پسپائی سے میری روح زخمی ہو گئی تھی۔ میرے لشکر کا قتلِ عام ہوا تھا۔ آج میری روح کے زخم مل گئے ہیں۔" مثنیٰ جوش میں آ گئے۔ "میری منزل مدائن ہے۔ مدائن جو آگ کے پجاریوں کی گدی ہے۔ میرا انتظار کر رہا ہے۔ جس دن مدائن کی دیواروں پر میرے مؤذن کھڑے ہو کر اذان دیں گے، اُس دن میرا یہ زخم ٹھیک ہو جائے گا۔"

تقریباً تمام مؤرخوں نے لکھا ہے کہ مثنیٰ کے پہلو کا یہ زخم کسی اور کے پہلو میں ہوتا تو لڑائی دور کی بات ہے، اُٹھ کر دو قدم چل بھی نہ سکتا۔ مثنیٰ بن حارثہ ایمان کی طاقت اور قوتِ ارادی کے بل بوتے پر سپہ سالاری کے تمام فرائض ادا کر رہے تھے اور سپاہیوں کی طرح لڑتے تھے۔ اس زخم اور اس کے درد کی ٹیسوں کو انہوں نے معذوری بننے ہی نہ دیا مگر زخم کی حالت

مسلسل بگڑتی گئی۔

طبیب اور جرّاح مرہم پٹی کر کے چلے گئے تو مثنیٰ نے سلمیٰ سے کہا کہ وہ تمام سالاروں کو بلوا دے۔

"کیا آپ کچھ دیر آرام نہیں کر لیتے؟" سلمیٰ نے کہا۔ "سالاروں کے ساتھ آپ باتیں کریں گے تو زخم پر زور پڑے گا۔"

"سلمیٰ!" مثنیٰ نے اپنی بیوی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا۔ "زندگی کا کچھ پتہ نہیں۔ طبیب اور جرّاح جب میرا زخم صاف کر رہے تھے، میں اُن کے چہرے پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مجھے اُن کے چہروں پر مایوسی دکھائی دے رہی تھی۔ وہ مجھے آرام کرنے کو کہتے ہیں جو میں نہیں کروں گا۔ میں سالاروں کو ایک دو ضروری باتیں بتانا چاہتا ہوں۔ آج مجھ سے ایک غلطی ہوئی ہے جسے وہ خوبی سمجھتے ہوں گے۔ میں جب ان کے ساتھ نہیں ہوں گا تو وہ یہی غلطی کر کے نقصان اٹھائیں گے۔"

سالار آ گئے۔ مثنیٰ بن حارثہ اُٹھ کر بیٹھ گئے۔

"میرے رفیقو!" مثنیٰ بن حارثہ نے کہا۔ "تم میں سے دو سالاروں نے میرے اس اقدام کی تعریف کی تھی کہ میں نے پل پر قبضہ کر کے بھاگنے والے فارسیوں کا راستہ روک لیا تھا۔ اس کا نتیجہ سامنے آیا کہ بھاگنے والے فارسی ہمارے مجاہدین کے ہاتھوں مارے گئے اور کچھ دریا میں کود کر فنا ہو گئے، لیکن میرے بھائیو! میرا یہ اقدام قابلِ تعریف نہیں تھا۔ یہ میری کمزوری تھی میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ میں اس کمزوری کے بُرے نتائج سے بچ گیا۔"

تمام سالار حیران سے ہو کر مثنیٰ بن حارثہ کا مُنہ دیکھنے لگے۔

"میں چاہتا ہوں کہ تمہیں اچھی طرح سمجھا دوں کہ میرا یہ فیصلہ کہ پل کا راستہ روک کر بھاگنے والے دشمن کو فنا کر دوں، کیوں غلط تھا۔ ہو سکتا ہے میں کسی بھی لمحے تمہارا ساتھ چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہو جاؤں اس لیے میں ضروری سمجھتا ہوں کہ اپنے تجربات تمہارے حوالے کر دوں .... یاد رکھو جب تک دشمن کے پاس لڑنے کی تھوڑی سی بھی طاقت موجود ہو، اُس کے کسی ایک بھی دستے کو اس طرح نہ روکنا جس طرح میں نے روکا تھا۔ اس طرح دشمن زخمی شیر کی طرح پورے قہر اور غضب سے حملہ کرتا ہے۔ کیا تم نے دیکھا نہیں تھا کہ میں نے فارسیوں کو پل تک جانے سے روک دیا اور مجاہدین نے انہیں گھیر کر کاٹنا شروع کر دیا تو مہران فارسی نے اپنے دوسرے دستوں سے جو ابھی زیادہ نہیں لڑے تھے، ہر طرف سے ہم پر حملہ کرا دیا تھا؟ تم نے یہ بھی دیکھا ہو گا کہ

فارسی پہلے سے زیادہ جانبازی سے لڑے تھے اور خُدا کی قسم، مجھے یہ خطرہ نظر آنے لگا تھا کہ ہم شکست کھا جائیں گے۔ یہ تو اللہ کا کرم تھا کہ ہم جیت گئے۔ میں اپنی غلطی کا اعتراف کرتا ہوں۔ تم میں سے کبھی کوئی ایسی غلطی نہ کر بیٹھے۔ دشمن کو بھاگنے سے اُس وقت روکو اور مارو جب دیکھو کہ اُس کا دم خم ختم ہو چکا ہے اور اب وہ گرنے والا ہے۔"

تین مؤرخوں نے لکھا اس قسم کا خیال ظاہر کیا ہے جیسے مثنیٰ کو محسوس ہونے لگا تھا کہ وہ زیادہ عرصہ زندہ نہیں رہ سکیں گے۔ انہوں نے سالاروں کو اسی وقت احکام دینے شروع کر دیئے۔

"مالِ غنیمت بہت تیزی سے اکٹھا کیا جائے"—— مثنیٰ نے حکم دیا—"اور اس کی تقسیم ایک دن میں ہو جائے۔ مالِ غنیمت کا تین چوتھائی مدینہ امیرالمومنین کی خدمت میں بھیج دیا جائے اور اس کے ساتھ ہی مدائن کی طرف پیشقدمی کی جائے۔ مدائن کے بالمقابل ساباط ایک مقام ہے، یہ ہماری منزل ہے۔ شہیدوں کی لاشیں فوراً اٹھا کر ایک جگہ رکھ دی جائیں۔ کل فجر کی نماز کے بعد جنازہ پڑھا جائے گا اور انہیں اسی میدان میں دفن کیا جائے گا۔"

وہ رات کا وقت تھا جب مثنیٰ بن حارثہ اپنے سالاروں کو احکام دے رہے تھے۔ اُس وقت بہت سے مجاہدین اپنے شہید ساتھیوں کی لاشیں اٹھا اٹھا کر لا رہے تھے اور مجاہدین کی بیویاں جو لشکر کے ساتھ تھیں وہ زخمیوں کو پیچھے لا رہی تھیں۔ اُنہوں نے پانی سے بھری ہوئی چھاگلیں اپنے ساتھ رکھی ہوئی تھیں جن سے وہ زخمیوں کو پانی پلاتی تھیں۔

مؤرخ بتاتے ہیں کہ تاریخِ اسلام میں خصوصاً اور عام طور پر دنیا کی دیگر لڑائیوں میں اتنی خونریزی اور قتل و غارت کسی لڑائی میں نہیں ہوئی تھی جتنی بویب کے میدانِ جنگ میں فارسیوں کی ہوئی۔ ایک لاکھ افسروں اور سپاہیوں کے مارے جانے کا مطلب یہ ہے کہ فارس کی جنگی طاقت کی کمر ٹوٹ گئی تھی۔

رات کو میدانِ جنگ کا منظر بھیانک تھا۔ لاشوں پہ لاشیں پڑی تھیں۔ ان میں وہ زخمی کراہ رہے تھے جو اٹھ نہیں سکتے تھے اور مرتے بھی نہیں تھے۔ میدانِ جنگ وسیع و عریض ہو گیا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے فرات سے افق تک لاشیں ہی لاشیں ہوں۔ ان میں بیشمار مشعلیں یوں نظر آتی تھیں جیسے شعلے لاشوں پر اُڑ رہے ہوں اور اوپر نیچے ہو رہے ہوں۔ بھیڑیئے، گیدڑ اور اُود بلاؤ جیسے درندے بھی آ گئے تھے اور لاشوں کو چیر پھاڑ رہے تھے۔

زخمی جو ہوش میں تھے وہ کراہتے اور پانی مانگتے تھے۔ بعض زخمیوں نے کچھ اور باتیں کہیں۔ وہ ایسی باتیں اُن عورتوں سے کہتے تھے جو زخمی مجاہدین کو اٹھا رہی تھیں۔

"تم مسلمان لگتی ہو"—— ایک زخمی مجاہد نے ایک عورت سے کراہتے ہوئے کہا—— "مجھے مت اٹھاؤ۔ پانی پلا دو۔ میں زندہ نہیں رہ سکوں گا۔ سپہ سالار مثنیٰ بن حارثہ کو میرا اسلام کہنا اور پھر یہ کہنا کہ میں جسر کی لڑائی سے بھاگ گیا تھا۔ آج کی لڑائی میں مَیں نے بزدلی کے گناہ کا کفارہ ادا کر دیا ہے۔ اللہ مجھے معاف کرے.... اللہ مجھے معاف کرے"—— اور وہ شہید ہو گیا۔

مؤرخین نے بتایا کہ چند اور زخمیوں نے بھی ایسے ہی پیغام دیئے اور وہ شہید ہو گئے۔

لاشوں اور زخمیوں کو اٹھانے والوں میں ایک نوجوان مجاہد شدّاد بھی تھا جو بنو تمیم میں سے تھا۔ اُس کی عمر بمشکل سولہ سال تھی۔ وہ چار پانچ لاشیں اٹھا کر پیچھے لا چکا تھا۔ وہ ایک ایسے زخمی مجاہد کو بھی اٹھا کر پیچھے لایا تھا جس کی ایک ٹانگ ایک ہاتھی نے کچل ڈالی تھی۔ وہ دن بھر کی گھمسان کی لڑائی کا تھکا ہُوا تھا۔ وہ پیادہ نہیں گھوڑسوار تھا۔ وہ اپنا گھوڑا ساتھ لایا تھا۔

وہ ایک بار پھر اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ کسی شہید کی لاش اٹھانے گیا۔ ان تینوں میں سے ایک کے پاس بڑی مشعل تھی۔ وہ فارسیوں کی لاشوں میں کسی شہید کی لاش ڈھونڈ رہے تھے۔

"شدّاد!"—— شداد کو کسی کی نحیف سی آواز سنائی دی۔

"کیا کسی نے مجھے پکارا ہے؟"—— شدّاد نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا۔

"کسی زخمی کی آواز معلوم ہوتی تھی"—— اُس کے ایک ساتھی نے کہا۔

تینوں رک گئے۔

"اِدھر شدّاد! اِدھر!"—— پھر وہی نحیف آواز سنائی دی۔

تینوں اُس طرف بڑھے جس طرف سے آواز آئی تھی۔ پانچ سات قدم دُور ایک زخمی مجاہد اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اُس کے کپڑے خون سے لال تھے اور اُس کا چہرہ خون سے ڈھکا ہوا تھا۔ داڑھی پر خون جم گیا تھا۔ ایک تو زخموں نے اُسے بے بس کر رکھا تھا، دوسرے اس لیے بھی وہ کھڑا نہیں ہو سکتا تھا کہ دو فارسیوں کی لاشیں، ایک دائیں دوسری بائیں، اس طرح پڑی تھیں کہ دونوں کی ٹانگیں زخمی کے پیٹ پر تھیں۔ زخمی مجاہد میں اتنی طاقت نہیں رہ گئی تھی کہ لاشوں کی ٹانگیں اپنے پیٹ سے ہٹا سکتا۔

ایک عورت قریب سے گزری تو زخمی کو دیکھ کر رک گئی۔ عورت کے ایک ہاتھ میں پانی کی چھاگل اور دوسرے ہاتھ میں مشعل تھی۔ اُس نے چھاگل زخمی کے منہ سے لگا دی۔ زخمی بے صبری سے پانی پینے لگا۔ پانی پی چکا تو شدّاد اور اُس کے ساتھی اُسے سہارا دے کر اٹھانے لگے۔ اُس نے اٹھنے کی بجائے شدّاد کو اپنے بازوؤں میں لے لیا۔

"تو میرے نام پر لعنت بھیج چکا ہو گا میرے بیٹے!"—— زخمی نے نقاہت زدہ آواز میں

کہا — "میں جسر کا بھگوڑا ہوں نا! میں نے اپنے شہید ساتھیوں سے بے وفائی کی تھی"

"خدا کی قسم!" — شدّاد نے اُس کے بازوؤں سے تڑپ کر نکلتے ہوئے کہا — "میرے باپ ہو"

"ہاں بیٹا!" — زخمی نے کہا — "میں ابو شدّاد ہوں میں نے جسر کے شہیدوں سے گلے شکوے دھو ڈالے ہیں۔ اپنے خون سے اپنے منہ پر ملی ہوئی سیاہی دھو ڈالی!!.... اور میں سکون سے جان دے رہا ہوں کہ تو نے میرا کہا مانا اور میری شکست کا انتقام لے لیا"

نوجوان شدّاد اپنے باپ کو اٹھانے کی کوشش کر رہا تھا کہ باپ نے آخری ہچکی لی اور شہید ہو گیا۔

مؤرخوں نے لکھا ہے کہ بویب کے معرکے میں جسر کے وہ بھگوڑے بھی تھے جو شرم و ندامت سے اِدھر اُدھر چھپے رہے تھے۔ ایک سال بعد انہیں بزدلی کا کفارہ ادا کرنے کا موقع ملا اور وہ اُس لشکر میں شامل ہو گئے جو مثنیٰ بن حارثہ کی مدد کے لیے جا رہا تھا۔ چھپے ہوئے بھگوڑوں کو پتہ چلا تو وہ اس میں شامل ہو گئے۔ مؤرخ بلاذری نے لکھا ہے کہ بویب میں کی فتح کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ جسر کے میدان سے بھاگ آنے والے غیر معمولی قہر اور غضب سے لڑے تھے۔ وہ اپنے سالاروں اور ساتھیوں کو بتا رہے تھے کہ وہ بزدل نہیں۔

اگلے روز دریائے فرات کے کنارے تین صفوں میں شہیدوں کی میتیں رکھی ہوئی تھیں۔ مثنیٰ بن حارثہ نمازِ جنازہ پڑھا رہے تھے۔ عورتیں دُور کھڑی دیکھ رہی تھیں۔ اُن کی آنکھیں اشکبار تھیں۔ اُن کے سہاگ شہید ہو گئے تھے۔ جنازہ پڑھنے والے مجاہدین کی آنکھوں میں بھی آنسو تھے۔ وہ گھروں سے اکٹھے نکلے تھے۔ ہنستے مسکراتے، نعرے لگاتے، ایک دوسرے سے ہنسی مذاق کرتے محاذ پر پہنچے تھے۔ آج اُن کے بہت سے ساتھی سفرِ آخرت پر روانہ ہو گئے تھے۔

"انہیں مُردہ نہ کہو جو اللہ کی راہ میں لڑتے ہوئے شہید ہوئے ہیں" — مثنیٰ بن حارثہ نے نمازِ جنازہ کے بعد مختصر سا خطبہ دیا — "وہ زندہ ہیں لیکن تم نہیں سمجھتے" — پھر مثنیٰ نے سورہ البقرہ کی آیت ۱۹۳ سنائی ...."اور اُن سے تم اُس وقت تک لڑتے رہو کہ (باطل کا) فتنہ باقی نہ رہے اور (زمین پر) دین صرف اللہ کا رہ جائے، پھر اگر وہ باز آ جائیں تو خیال رکھو کہ ظالموں کے سوا اور کسی پر زیادتی نہ کرنا" — ساتھ ہی مثنیٰ نے حکم سنایا کہ مالِ غنیمت کی تقسیم کے بعد یہاں سے کُوچ ہو گا۔

شہیدوں کو اُن ہی کپڑوں میں دفن کر دیا گیا جن میں وہ لڑے تھے۔ یہ کپڑے خون سے لال تھے۔ انہیں غسل نہ دیا گیا۔ وہ اپنے خون میں نہائے ہوئے تھے۔

اس کے بعد مالِ غنیمت تقسیم کیا گیا اور خمس کا چوتھائی حصہ مدینہ بھیجنے کے لیے الگ کیا گیا۔

"ابن حارثہ!" — قبیلہ بجیلہ کے سردار جریر بن عبداللہ نے مثنیٰ سے کہا — "امیر المومنین کے حکم کو تو بھولا تو نہیں ہو گا کہ میرے قبیلے کو مالِ غنیمت کا چوتھائی حصہ اضافی ملے گا!"

"میں نہیں بھولا ابن عبداللہ!" — مثنیٰ بن حارثہ نے کہا — "لیکن یہ نہ کہہ کہ یہ امیر المومنین کا حکم ہے، یہ کہہ کہ یہ تیری شرط ہے۔ امیر المومنین ایسا حکم اپنے آپ ہی نہیں دے سکتے کہ ایک کو اوروں سے زیادہ حصہ دو .... یہ لے اپنا ایک چوتھائی اضافی حصہ.... اللہ تجھے ہدایت دے کہ شہیدوں کے خون کی قیمت نہیں مانگی جاتی"

جریر بن عبداللہ چُپ رہا اور اُس نے اپنے قبیلے کے لیے اضافی حصہ قبول کر لیا۔ امیر المومنین کی ہدایت کے مطابق بیت المال کے لیے چوتھائی کی بجائے تین چوتھائی حصہ روانہ کر دیا گیا۔ مدینہ کو جانے والے اس قافلے کا امیر عمرو بن عبدالمسیح تھا۔

محمد حسنین ہیکل نے مستند حوالوں سے لکھا ہے کہ بویب سے مسلمانوں کو اتنا زیادہ مالِ غنیمت ملا جو اُس وقت تک کسی اور لڑائی کے بعد نہیں ملا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ رستم نے مسلمانوں کو فیصلہ کُن شکست دینے کے لیے جو فوج بھیجی تھی وہ ایک لاکھ سے کہیں زیادہ تھی۔ اس فوج کو نہایت اچھی خوراک اور بڑی دلکش مراعات دی گئی تھیں کہ فوج بے جگری سے لڑے۔ ایک لاکھ سے زیادہ فوج کے راشن کا ہی کچھ حساب نہ تھا۔ راشن اور دیگر رسد اس توقع پر بھی زیادہ دی گئی تھی کہ مسلمانوں کو شکست دے کر آگے بڑھنا اور مدینہ تک پہنچنا تھا۔

اس راشن میں گندم کا آٹا اتنا زیادہ تھا کہ سنبھالا نہیں جاتا تھا۔ بھیڑ بکریوں کا بھی کچھ شمار نہ تھا۔ دُودھ دینے والے جانور بھی بے حساب تھے۔ آٹے کی بہت سی بوریاں اور بہت سی بھیڑ بکریاں مجاہدین کی بیویوں وغیرہ کو بھی جو مجاہدین کے ساتھ تین مختلف مقامات پر مقیم تھیں، بھیجی گئیں۔ خوراک کے علاوہ قیمتی اشیاء بھی بیشمار تھیں۔

تاریخ میں ایک دلچسپ واقعہ ملتا ہے۔ فارس (آج کے عراق) اور عرب کی سرحد پر عرب قبیلے آباد تھے جن کے سینکڑوں آدمی فارس کے محاذ پر گئے ہوئے تھے۔ ان کی عورتیں دن کو باہر نکل کر انتظار کیا کرتی تھیں کہ محاذ سے کوئی آرہا ہو گا اور محاذ کی خبریں سنائے گا۔ ایک

روز ایک قافلہ آتا نظر آیا جس میں گھوڑے اور اونٹ تھے اور ان پر آٹے کی بوریاں لدی ہوئی
دس بارہ آدمی گھوڑوں پر سوار تھے۔ ان کے ساتھ بھیڑ بکریوں کا ریوڑ بھی تھا۔ تین چار عورتیں
کھڑی تھیں۔

"یہ ہمارے مجاہد نہیں ہو سکتے" —— ایک عورت نے کہا۔

"اور یہ تاجر بھی نہیں لگتے" —— دوسری عورت نے کہا —— "تاجروں کے لباس
تو نہیں ہوتے"۔

"میں بتاتی ہوں" —— ایک بڑھیا نے کہا —— "یہ ڈاکو ہیں۔ ڈاکو ہوتے ہی ایسے ہیں۔"

"ہمارے آدمی لڑ رہے ہیں اور یہ لوٹ مار کرتے پھر رہے ہیں" —— ایک جوان
عورت نے کہا —— "انہیں یہیں رکھو"۔

"جانے نہ دو" —— بڑھیا نے کہا۔

قبیلے کے مرد تو محاذوں پر گئے ہوئے تھے۔ کچھ خالدؓ بن ولید کے لشکر میں شام
محاذ پر تھے اور باقی مثنیٰ بن حارثہ کے لشکر میں عراق گئے ہوئے تھے۔ پیچھے عورتیں تھیں
چند ایک بوڑھے اور بچے تھے۔ ان تین چار عورتوں نے گاؤں کی عورتوں کو گھروں سے نکالا
اور انہیں ڈاکوؤں کے خلاف بھڑکایا۔ تمام عورتیں لاٹھیاں، ڈنڈے اور پتھر اٹھائے نکلیں
اور ڈاکوؤں کی طرف اس طرح بڑھیں کہ انہیں گھیرے میں لے کر ماریں گی۔

"رک جاؤ اور یہ سامان ہمارے حوالے کر دو" —— ایک عورت نے انہیں للکارا۔

"یہاں سے زندہ نہیں نکل سکو گے" —— ایک اور عورت نے کہا —— "ہم جانتی ہیں تم ڈاکو ہو"
اس قافلے میں سے ایک گھوڑ سوار عورتوں کی طرف بڑھا۔ اس نے تلوار نہیں نکالی تھی
ہنس رہا تھا۔

"شاباش عرب کی بیٹیو!" —— اس سوار نے کہا —— "ایسے فاتح لشکر کی عورتوں کو ایسا ہی
ہونا چاہیے جیسی تم ہو لیکن ہم ڈاکو نہیں۔ یہ فارس کے محاذ کا مالِ غنیمت ہے جو امیر المومنین
کے پاس مدینہ کو جا رہا ہے۔ میرا نام عمرو بن عبدالمسیح ہے اور میں امیرِ کارواں ہوں"۔

"پھر بھی تم آگے نہیں جا سکتے" —— ایک عورت نے کہا —— "ہمارے پاس رک
کچھ کھاؤ پیو اور ہمیں محاذ کی خبریں سنا کر آگے جاؤ"۔

مالِ غنیمت کا قافلہ رک گیا۔ گاؤں کی عورتوں نے ان سے محاذ کی باتیں سنیں اور ان کی
تواضع کر کے آگے جانے دیا۔

اُس دن جس دن مالِ غنیمت کا خُمس مدینہ کو لے جاتے ہوئے قافلہ اس گاؤں میں رکا
تھا، مجاہدین کا لشکر مدائن کی طرف جا رہا تھا۔ بویب کے میدانِ جنگ میں فارسیوں کی کم و بیش ایک
لاکھ لاشیں رہ گئی تھیں، گھوڑوں اور ہاتھیوں کے مُردار رہ گئے تھے۔ ان لاشوں اور مُرداروں کو
گدھ اور درندے بھنبھوڑ اور چیر پھاڑ رہے تھے۔ اور ان کی ہڈیاں بکھر رہی تھیں۔ یہ سورج کے
پجاریوں کی فوج تھی۔ مجاہدین نے اُس آگ کو سرد کر دیا تھا جس کی وہ عبادت کرتے تھے۔ آتشِ نمرود
کو شمعِ رسالتؐ کے پروانوں نے بجھا دیا تھا۔

فارسیوں کی دُور دُور تک بکھری ہوئی لاشوں سے ذرا ہٹ کر فرات کے قریب
شہیدوں کی قبروں کی قطاریں تھیں۔ شہیدوں کے ساتھیوں نے وہاں سے رخصت ہوتے وقت
ان قبروں پر فاتحہ پڑھی تھی۔

آج ایک ہزار تین سو ستاون سال گزر گئے ہیں۔ وہاں ایک بھی قبر نظر نہیں آتی۔ برستے
بادل زمین کی کئی تہیں بہا لے گئے ہیں۔ شہیدوں کی ہڈیاں کبھی کی بہہ گئی ہیں لیکن گُم نہیں ہوتیں، تاریخ
کے دامن میں محفوظ ہیں۔ اسلام کی بقا اور فروغ کا ذکر آتا ہے تو ان شہیدوں کی یاد تازہ ہو جاتی
اور روح کو گرما جاتی ہے۔

مثنیٰ بن حارثہ نے جب مدائن کی طرف کُوچ کا حکم دیا تھا تو اُس کے سالاروں اور قبیلوں
کے سرداروں نے اُسے کہا تھا کہ لشکر بہت تھک گیا ہے، اسے کچھ دن اور آرام کرنے
دیا جائے۔

"دشمن بھی بہت تھکا ہُوا ہے" —— مثنیٰ نے کہا تھا —— "اگر ہم نے اُسے آرام کی
مہلت دے دی تو ہمارا تازہ دم لشکر بھی اُس کے سامنے نہیں ٹھہر سکے گا۔ فارس کے جو فوجی
بویب سے بھاگے ہیں وہ دلوں پر ہماری دہشت لے کر بھاگے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ
دہشت اترنے سے پہلے پہلے ہم اُن تک پہنچ جائیں.... اور یہ نہ بھُولو کہ فارسی بویب کی شکست
کا انتقام لیں گے۔ وہ اس سے زیادہ بڑا لشکر باہر لائیں گے۔ کوشش کرو کہ انہیں اتنی
مہلت نہ ملے"۔

بویب سے کُوچ کے ایک روز پہلے مثنیٰ بن حارثہ کی بیوی سلمیٰ خیمے میں اُس کے پاس
بیٹھی تھی۔

"لشکر کو کچھ دن آرام کرنے دیتے تو اچھا نہ تھا؟" —— سلمیٰ نے مثنیٰ سے کہا تھا ——
"آپ کو بھی آرام مل جاتا اور یہ زخم کچھ ٹھیک ہو جاتا"۔

"سلمیٰ!" —— مثنیٰ نے کہا تھا —— "میں جلدی میں ہُوں۔ مہینوں کا کام دنوں میں کرنا چاہتا ہوں"۔

"ایسی بھی کیا جلدی ہے؟" — سلمٰی نے کہا — "کیا آپ میرے لیے زندہ نہیں رہنا چاہتے؟"

"صرف تم ہوتیں تو میں اللہ سے بڑی لمبی عمر مانگتا" — مثنیٰ نے جذباتی سے لہجے میں کہا — "لیکن میں کسی اور کا بھی ہوں.... اسلام.... پہلے اسلام اس کے بعد تم.... میں اگر ان فرائض کی تکمیل کے لیے جو اللہ نے میرے سپرد کیے ہیں، میں لمبی عمر مانگوں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ میں شہادت سے ڈرتا ہوں اور پھونک پھونک کر قدم رکھتا ہوں.... تم میرا جذباتی سہارا ہو سلمٰی! تم میرے پاس ہوتی ہو تو میری تھکن دور ہو جاتی ہے۔ یہ میرا عقیدہ ہے کہ میرے لیے تمہارا وجود اللہ کا انعام ہے لیکن سلمٰی! ہم سب اگر جذبات میں الجھ کے رہ گئے تو اللہ کے دین اور اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نام لینے والا بھی کوئی نہیں رہے گا"

"میں آپ کو اپنے جذبات کا قیدی کبھی نہیں بننے دوں گی" — سلمٰی نے کہا — "بس اتنی سی بات کہتی ہوں کہ آرام کریں.... زیادہ نہیں.... آٹھ دس دن.... آپ میرا فخر ہیں، اور آپ اپنے قبیلے بنو بکر و آئل کا فخر ہیں"

"ایک بات اور ہے سلمٰی!" — مثنیٰ نے کہا — "میں ابھی یہ بات کہنا نہیں چاہتا تھا بات یہ ہے کہ میرا زخم اتنا خراب ہو چکا ہے کہ اب ٹھیک نہیں ہو سکتا۔ مجھے اشارے مل رہے ہیں کہ میں زیادہ عرصہ اپنے لشکر کے ساتھ نہیں رہ سکوں گا"

"محاذ سے واپس چلے جائیں گے؟"

"محاذ سے نہیں" — مثنیٰ نے جواب دیا — "دنیا سے!"

سلمٰی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"کیا تم دیکھ نہیں رہی ہو تمہارے ساتھ کی کتنی عورتوں نے اپنے خاوند قربان کر دیے ہیں؟" — مثنیٰ نے کہا — "میں جانتا ہوں سلمٰی! مجاہد ہونا اتنا مشکل نہیں لیکن مجاہد کی بیوی ہونا بڑا ہی صبر آزما ہے.... اللہ تمہیں اجر دے گا سلمٰی! آنسو پونچھ لے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ راہِ حق پر میرے قدم ڈگمگا جائیں"

اُس رات مثنیٰ بن حارثہ کے بولنے کا انداز کچھ اور ہی تھا، اسی لیے سلمٰی کے آنسو نکل آتے تھے۔

تمام عورتوں کو پیچھے چھوڑ دیا گیا تھا۔ مثنیٰ لشکر کو ایسی مہم پر لے جا رہے تھے جس میں عورتوں کو ساتھ رکھنا مناسب نہیں تھا۔ عورتوں کو حیرہ بھیج دیا گیا تھا۔

مجاہدین کے لشکر کی یہ پیشقدمی طوفانی تھی یا اسے تیز و تند سیلاب کہیے جس کے آگے کوئی شجر کھڑا رہ سکا نہ دیوار۔ سب کچھ خس و خاشاک کی طرح بہتا اور ڈوبتا چلا گیا۔ مثنیٰ نے اپنے لشکر کو جو منزل دی تھی وہ ایک بڑا قصبہ ساباط تھا جو مدائن کے بالمقابل تھا۔ راستے میں جو بستی آتی وہاں سے فارس کی فوج پہلے ہی نکل گئی جس کی وجہ یہ تھی کہ بویب سے بھاگے ہوئے گھوڑ سوار فوجی ان کو جاتے ہوئے ہر بستی میں دہشت پھیلاتے جاتے تھے۔

"پھر عرب کے یہ مسلمان انسان نہیں ہو سکتے" — یہ آواز ہر جگہ سنائی دی — "مدائن سے ایک لاکھ اور کئی ہزار فوج گئی تھی جس میں زیادہ گھوڑ سوار تھے اور ساتھ ہاتھی بھی تھے"

"ایک لاکھ؟" — اکثر لوگوں نے حیرت سے کہا — "کیا انہوں نے ہماری ایک لاکھ فوج مار ڈالی ہے؟"

"وہ آ رہے ہیں" — یہ ایک شور تھا جو ہر اُس بستی سے اُٹھتا تھا جس طرف مجاہدین کا رخ ہوتا تھا اور اگر وہاں کوئی فوجی ہوتا تو وہ سب سے پہلے بھاگتا اور لوگ بھی بھاگ اُٹھتے۔

فارس کی فوج کی خوفزدگی کی اس کیفیت کو یورپی تاریخ نویسوں نے تفصیل سے بیان کیا ہے۔ یہاں تک کہ لین پول اور سکاٹ جیسے متعصب تاریخ نویسوں نے بھی مسلمانوں کے لشکر کی طوفانی پیشقدمی اور فارسی فوج کی اندھا دھند پسپائی کو کھل کر بیان کیا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اُنہوں نے مسلمانوں کو خراجِ تحسین پیش نہیں کیا اور یہ تاثر دیا ہے کہ مسلمان بستیوں میں لوٹ مار اور بچوں کو قتل کرتے بڑھتے چلے گئے۔

یورپی تاریخ نویسوں نے مسلمانوں کے قہر اور غضب اور فارسیوں کی پسپائی کی وجوہات بھی لکھی ہیں۔ ایک یہ کہ مسلمان ایک عقیدے کی خاطر اور فارسی تنخواہ اور مراعات کے عوض لڑ رہے تھے۔ مسلمانوں نے اپنا رشتہ اپنے رسولؐ اور اللہ کے ساتھ براہِ راست جوڑ رکھا تھا اور ان کا عقیدہ تھا کہ وہ ایک مقدس جنگ لڑ رہے ہیں اور اس میں جو مارا جائے گا وہ بہشت میں جائے گا۔ ان مؤرخوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ مسلمانوں کو یہ فکر لاحق نہیں ہوتا تھا کہ وہ مارے گئے تو ان کے بیوی بچے بے آسرا رہ جائیں گے۔ مسلمانوں کی خلافت نے ایسے انتظامات کر رکھے تھے کہ مرنے والوں کے پسماندگان کی ہر ضرورت پوری ہوتی رہتی تھی اور ان کے ہاں ایک رواج یہ بھی تھا کہ بیوہ کے ساتھ کوئی نہ کوئی آدمی شادی کر کے اُسے اُس کے بچوں سمیت سنبھال لیتا تھا۔

اس کے برعکس غیر مسلم فوجیں بادشاہ کی ملازم ہوتی تھیں۔ جنگ کے دوران انہیں اضافی تنخواہ اور مراعات دی جاتی تھیں۔ میدان جنگ میں انہیں شراب پلائی جاتی تھی کہ ان کا حوصلہ بلند

اور غنیمت کا ۔ فارسیوں کی فوج کے جرنیل سپاہیوں کو اپنے ذاتی ملازم سمجھتے تھے جو مارے جاتے تھے۔ ان کے بیوی بچوں کا کوئی پرسانِ حال نہیں ہوتا تھا۔ ان کی لاشیں بھی میدان سے اٹھائی ہی نہیں جاتی تھیں۔ ان حالات میں فارس کے سپاہی لڑتے تو تھے اپنے اہل و عیال کے لیے زندہ رہنے کی کوشش بھی کرتے تھے۔

ان مؤرخوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ مسلمانوں کے سالار اپنے آپ کو بادشاہ نہیں بلکہ سپاہی سمجھتے تھے اور ان کا کھانا پینا اور رہن سہن سپاہیوں جیسا ہوتا تھا۔

فارس کے بھگوڑے بھاگتے اور مسلمان بڑھتے چلے گئے۔ تاریخ میں دو بڑی بستیوں کا ذکر آتا ہے جن کے متعلق مثنیٰ بن حارثہ کو اطلاع ملی کہ یہ تاجروں اور دیگر کاروباری لوگوں کی بستیاں ہیں اس لیے وہاں مال و دولت کی فراوانی ہے۔ مخبر نے یہ بھی بتایا کہ ان دنوں وہاں میلہ لگا ہوا ہے جس میں ان دونوں بستیوں کے تاجروں اور دوسری جگہوں سے بھی آئے ہوئے تاجروں اور دکانداروں نے دکانیں لگا رکھی ہیں۔

مثنیٰ نے اس میلے پر حملے کا حکم دیا۔

مجاہدین کا لشکر برق رفتاری سے پہنچا اور میلے کو محاصرے میں لے لیا۔ وہاں فارس کی فوج کے دستے موجود تھے۔ انہوں نے مقابلہ کیا لیکن فارسیوں کے لڑنے کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ پسپا کرنے کی نہیں بلکہ جانیں بچا کر نکلنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ لڑائی کے دوران تاجر دکاندار اور میلے میں آئے ہوئے لوگ مال و اسباب چھوڑ کر بھاگ گئے، پھر فارس کے فوجیوں میں سے جو بھاگ سکے وہ بھاگ گئے، باقی مارے گئے اور شام سے پہلے پہلے مسلمان دونوں بستیوں میں داخل ہو گئے۔ ایک کا نام خنافس تھا، دوسری کا انبار۔

ان دونوں بستیوں اور میلے سے بیش قیمت مالِ غنیمت ملا۔ رات کو سالار اپنے سالار مثنیٰ بن حارثہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور مالِ غنیمت کی باتیں ہو رہی تھیں۔

"ابنِ حارثہ!"— ایک سالار نے مثنیٰ سے کہا— "ہم صرف اُن قلعہ بند شہروں کے لوگوں سے مالِ غنیمت لیتے ہیں جہاں کے لوگ اپنی فوج کے ساتھ مل کر مقابلہ کرتے اور ہمیں جانی نقصان پہنچاتے ہیں، پھر کیا بات ہے کہ تُو ان بستیوں سے مالِ غنیمت اٹھانے کی اجازت دے رہا ہے؟ ہم اللہ سے ڈرتے ہیں۔ فتح اور شکست، زندگی اور موت اللہ کے اختیار میں ہے۔ اللہ ناراض تو نہیں ہوگا؟"

"نہیں ابنِ عرشی!"— مثنیٰ نے جواب دیا— "کیا تُو دیکھ نہیں رہا کہ ہمیں اس مالِ غنیمت

کی کتنی ضرورت ہے؟ اس وقت تک جو ہزار ہا مجاہدین شہید ہو چکے ہیں، ان کے بچوں کے لیے بھی ہمیں سونے چاندی اور درہم و دینار کی ضرورت ہے۔ یہ مال بیت المال میں امیر المومنین کی تحویل میں ہونا چاہیے کہ شہیدوں کے یتیم بچوں کی دستگیری کر سکیں۔ یہ بھی سوچ کہ ہم نے جتنی لڑائیاں لڑی ہیں وہ شہروں سے دور لڑی ہیں اور مجھے نظر آ رہا ہے کہ اگلی لڑائیاں بھی شہروں سے دور میدانوں میں لڑی جائیں گی، پھر ہمیں ہماری ضرورتیں پوری کرنے کے لیے مالِ غنیمت کہاں سے ملے گا؟ ہم اپنے گھروں سے اور مدینہ سے کتنی دور ہیں۔ وہاں سے رسد آتے آتے کئی چاند طلوع و غروب ہو جاتے ہیں....

"میں نے کچھ اور بھی سوچا ہے.... خدا کی قسم، یہ بات تو تم بھی سوچ سکتے ہو۔ کیا تم نہیں سوچ سکتے کہ میں فارس کی فوج کا ہی نہیں، اس قوم کا بھی جذبہ اور حوصلہ توڑ دینا چاہتا ہوں۔ اس کی وجہ تم جانتے ہو۔ یہ لوگ سرکش اور باغی ہیں۔ کیا تم نے دیکھا نہیں کہ ہم کوئی جگہ فتح کر کے آگے چلے جاتے ہیں تو پیچھے یہ لوگ تخریب کاری شروع کر دیتے ہیں اور بغاوت پر اتر آتے ہیں، ہماری موجودگی میں ہمارے غلام بنے رہتے ہیں۔ یہ بھی دیکھو کہ میں نے یہ حکم نہیں دیا کہ لوگوں کے گھروں کو لوٹو۔ میں نے کہا ہے اور یہ کام میرے کہنے کے مطابق ہو رہا ہے کہ بڑے بڑے مالدار تاجروں اور دکانداروں کا مال اٹھایا جا رہا ہے۔"

مثنیٰ بن حارثہ کا دم بولتے بولتے اکھڑ گیا اور پہلو کے زخم سے درد کی ٹیسیں اٹھنے لگیں۔ طبیب اور جرّاح کو بلایا گیا۔ انہوں نے مثنیٰ کو ایک دوائی پلائی اور انہیں آرام کرنے کو کہا۔ یہ توان دونوں نے مثنیٰ کو کہنا ہی چھوڑ دیا تھا کہ زیادہ دنوں کے لیے آرام کریں۔

مثنیٰ کو یہ زخم اب معذور کرنے لگا تھا۔ معذوری یہ تھی کہ وہ سانس لینے میں پہلے سے زیادہ دشواری محسوس کرتے تھے۔ اگر وہ بھولے سے قدرتی طریقے سے سانس لے بیٹھتے تو صرف زخم میں ہی نہیں بلکہ اُس طرف کے پورے پھیپھڑے میں درد ہوتا تھا لیکن مثنیٰ تو جیسے پہلے سے زیادہ پھرتیلے اور تندرست آدمیوں کی طرح سرگرم ہو گئے تھے۔

ان کا اگلا ہدف بغداد تھا جو اُس دور میں شہر نہیں بلکہ ایک بستی تھی۔ مثنیٰ کے لشکر نے بغداد پر یلغار کر دی۔ وہاں فارس کی فوج موجود تھی لیکن دوسری بستیوں کے بھاگے ہوئے جو فوجی اور شہری بغداد پہنچے تھے، انہوں نے وہاں اتنی دہشت پھیلا دی تھی کہ فوج کے جو دو چار دستے وہاں موجود تھے وہ بے دلی سے لڑے، بعض بھاگ گئے۔ بعض نے ہتھیار ڈال دیے اور لڑائی ختم ہو گئی۔

مثنیٰ نے وہاں سے مالِ غنیمت اکٹھا کیا اور بغداد کے قریب ہی تکریت کے مقام

پر جا پہنچے اور خیمہ زن ہو گئے۔

"اب ہماری اگلی منزل مدائن ہے" ــــ مثنیٰ بن حارثہ نے اپنے سالاروں سے کہا ــــ "اور مجھے امید ہے کہ یہ ہماری آخری منزل ہو گی۔ مدائن فارس کا دارالحکومت ہے۔ اگر ہم مدائن میں داخل ہو گئے تو سارے کا سارا فارس تمہاری جھولی میں ہو گا۔"

مدائن میں صورت حال یہ بنی ہوئی تھی کہ صبح شہر پناہ کے دروازے کھلتے تھے تو [illegible] جگہوں سے بھاگے ہوئے لوگ شہر میں داخل ہوتے تھے۔ پورے پورے کنبے مدائن میں پناہ لینے آرہے تھے۔ ان میں فوجی بھی ہوتے تھے۔ یہ سلسلہ بویب کی لڑائی سے شروع ہوا تھا اور دن بدن بڑھتا جا رہا تھا۔ رستم اور ملکہ فارس پوران دخت نے مسلمانوں کے خلاف اتنی زیادہ فوج بھیج کر اپنے آپ کو اس خوش فہمی میں مبتلا کر لیا تھا کہ یہ ہیبت ناک فوج مسلمانوں کے ٹکڑے اڑا کر واپس آئے گی اور اس کے ساتھ مسلمانوں کے زندہ سالار زنجیروں میں بندھے ہوئے آئیں گے لیکن اگلے روز پہلا قاصد محاذ سے واپس آیا تو رستم اور پوران کے سامنے جا کر اس کی زبان نہیں کھلتی تھی۔ قاصد کو آتا دیکھ کر فارس کا جرنیل فیروزان بھی وہاں آگیا تھا۔

"بولتے کیوں نہیں؟" ــــ رستم نے بڑے غضب ناک لہجے میں قاصد سے پوچھا ــــ "کہتے کیوں نہیں کہ اپنی اتنی بڑی فوج فرات میں ڈوب مری ہے۔"

"زبان ساتھ نہیں دے رہی رستم اعظم!" ــــ قاصد نے کہا اور اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ دبی دبی زبان سے بولا ــــ "اپنے جرنیل مہران بھی مارے گئے ہیں۔ اپنی تمام فوج کٹ گئی ہے..... یہ سمجھ لیں کہ عرب کے مسلمانوں نے جسر کی شکست کا انتقام لے لیا ہے۔"

"عربوں کی تعداد کتنی تھی؟" ــــ پوران دخت نے قاصد سے پوچھا۔

"ہماری فوج کے نصف سے بھی کم تھی" ــــ قاصد نے کہا ــــ "اگر میں ایک چوتھائی کہوں تو یہ بھی غلط نہ ہو گا۔"

"اب کہو فیروزان!" ــــ رستم نے کہا ــــ "تم اور مہران مجھ پر الزام عائد کرتے تھے کہ میں تم دونوں کو لڑنے کا موقع نہیں دے رہا۔ تم نے بہمن جادویہ اور جالینوس کو محاذ کے بھگوڑے کہا تھا۔ اب بتاؤ، تمہارے دوست مہران کا کیا انجام ہوا ہے۔"

"تم نے تو مدائن میں خانہ جنگی کرا دی تھی" ــــ پوران نے کہا ــــ "میں درمیان میں نہ آجاتی تو اپنی فوج آپس میں لڑ کر ختم ہو جاتی۔"

"اور مسلمان بڑے آرام سے مدائن کے اندر آجاتے" ــــ رستم نے کہا۔

"کیا یہ موقع ایک دوسرے کو طعنے دینے کا ہے؟" ــــ فیروزان نے پوران اور رستم سے کہا ــــ "پہلے یہ سوچو کہ یہ کیسے ہوا اور کیوں ہوا..... اگر مہران نااہلی اور بزدلی کی وجہ سے مارا گیا ہے اور میں تمہاری نگاہ میں بزدل اور نااہل ہوں تو رستم! تم خود مدائن سے کیوں نہیں نکلتے؟ اب تمہاری باری ہے..... اور ملکہ فارس! اگر عربوں نے ہماری ایک لاکھ نفری کو کاٹ کر پھینک دیا ہے تو اس کی ذمہ داری آپ دونوں پر عائد ہوتی ہے لیکن یہ وقت اس بحث کا نہیں۔ یہ بحث اس روز کرنی چاہیے تھی جس روز عربوں نے ہمیں پہلی شکست دی تھی۔ اب سوال یہ ہے کہ مسلمانوں کو مدائن سے کس طرح دور رکھا جائے۔"

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ رستم اور فیروزان کے درمیان اتنے زیادہ اختلافات پیدا ہو گئے تھے کہ آپس کی عداوت کی حد تک جا پہنچے تھے۔ بویب کی لڑائی میں فارسیوں کو جو شرمناک شکست ہوئی تھی، اسے رستم اور فیروزان ایک دوسرے کے خلاف استعمال کر رہے تھے۔ پوران نے مداخلت کر کے دونوں کو الگ کر دیا اور سر جھکائے ہوئے یوں اپنے محل کی طرف آہستہ آہستہ چل پڑی جیسے اس پر منوں بوجھ رکھ دیا گیا ہو۔ وہ اپنے شاہانہ کمرے میں جا بیٹھی۔ شاہانہ شان و شوکت، شراب اور اقتدار کا نشہ اسے بہلا نہ سکا۔ وہ اس طرح بیٹھ گئی کہ اس کا سر اپنے ہاتھوں پر اور کہنیاں گھٹنوں پر تھیں۔

اسے محسوس ہی نہ ہوا کہ رستم کمرے میں آیا ہے اور اس کا ہاتھ اس کے بالوں کو سہلا رہا ہے۔

"اتنا ملول نہ ہو پوران!" ــــ رستم نے کہا۔

پوران نے چونک کر اوپر دیکھا۔ رستم اس کے پاس کھڑا اس کے بالوں پر ہاتھ پھیر رہا تھا۔

"رستم!" ــــ پوران نے کہا ــــ "میں کیا خواب دیکھ کر فارس کے تخت پر آبیٹھی تھی اور میں نے اپنے سارے اختیارات تمہیں کیوں دے دیئے تھے۔ آج جرنیلوں میں دشمنی پیدا ہو گئی ہے..... رستم!" ــــ اس نے یاسیت سے بوجھل آواز میں پوچھا ــــ "کیا تم واقعی علم نجوم کو سمجھتے ہو؟ دیکھ کر بتا سکتے ہو کہ ستاروں کی گردش ہمیں کہاں لے جا رہی ہے؟"

"بہت برے انجام کی طرف!" ــــ رستم نے کہا ــــ "میں دیکھ چکا ہوں سلطنت فارس کا انجام اچھا نظر نہیں آتا۔"

"اگر میں کہوں کہ تمہاری اس پیشگوئی کو میں نہیں مانتی تو مجھے کس طرح قائل کرو گے؟" ــــ پوران نے پوچھا اور رستم کا جواب سنے بغیر کہنے لگی ــــ "کوئی انسان پے بہ پے ناکامیوں سے دوچار ہو تو اس کا حوصلہ ٹوٹ جاتا ہے اور وہ اسے قسمت کی خرابی یا ستاروں کی گردش کہہ کر بری

ہو جاتا ہے۔ میرا خیال ہے تم بھی ایسے ہی انسانوں میں سے ہو۔ اگر تم خود فوج لے کر مسلمانوں کے مقابلے میں چلے جاؤ تو مجھے امید ہے کہ فارس کو برے انجام سے بچا لو گے۔"

رستم نے کچھ کہنے کی بجائے پوران کو بازوؤں سے پکڑ کر اٹھایا اور اسے اپنے بازوؤں میں لے لیا۔ پوران تڑپ کر اس کے بازوؤں سے نکل گئی۔

"جب تک ایک بھی مسلمان فارس کی سرحد پر موجود ہے رستم!" — پوران نے کہا — "تم میرے جسم کو ہاتھ نہیں لگاؤ گے" — اس نے دو بار تالی بجائی۔ دربان اندر آیا۔ پوران نے اسے کہا — "بڑے پروہت کو اپنے ساتھ لے آؤ۔"

رستم کے متعلق پہلے بتایا جا چکا ہے کہ وہ علم نجوم کی اچھی خاصی سوجھ بوجھ رکھتا تھا۔ کسی بھی مؤرخ نے ایسا نہیں لکھا کہ وہ علم نجوم کا ماہر تھا۔ ہر مؤرخ نے لکھا ہے کہ لوگوں میں مشہور تھا کہ وہ علم نجوم جانتا ہے لیکن اکثر لوگ کہتے تھے کہ رستم اس علم کو سمجھتا ہوگا لیکن اس کی پیش گوئیاں غلط نکلتی تھیں۔ بعض لوگ یہ بھی کہتے تھے کہ وہ علم نجوم میں ویسے ہی الجھ گیا ہے اور جانتا کچھ بھی نہیں۔

مدائن کی سب سے بڑی عبادت گاہ کا پروہت آ گیا۔

"حالات بہت خراب ہیں مقدس باپ!" — پوران نے اسے کہا — "ابھی سے فارس کی سلامتی اور دشمنوں کی تباہی کے لیے مسلسل عبادت اور دعا کا انتظام کر دیں۔ مقدس آگ ہر وقت جلتی رہے۔ دوسری عبادت گاہوں میں بھی یہ پیغام پہنچا دیں۔ لوگوں کو عبادت گاہوں میں اکٹھا کرنا آپ کا کام ہے۔"

پروہت چلا گیا اور کچھ دیر بعد عبادت گاہوں میں عبادت اور دعا کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ نقارے بجا بجا کر لوگوں کو عبادت گاہوں میں بلایا جانے لگا۔ پوران نے عبادت اور دعا سے کچھ اور تاثر پیدا کرنا چاہا تھا مگر لوگوں نے جو تاثر لیا وہ کچھ اور ہی تھا۔ یہ تو ہر کسی کو پتہ چل گیا تھا کہ بویب کی لڑائی میں عربی مسلمانوں نے فارس کی ایک لاکھ فوج کاٹ ڈالی ہے اور مہران بھی جو تجربہ کار اور فاتح جرنیل مانا جاتا تھا، مارا گیا ہے، پھر اس لڑائی سے بچ کر آنے والی فوجی واپس آنے لگے۔ اس کے ساتھ ہی بے وقت عبادت اور دعاؤں کا سلسلہ شروع ہو گیا تو لوگوں پر خوف طاری ہو گیا کہ بہت بڑی مصیبت آ گئی ہے جس کے سامنے ملکہ، جرنیل اور فوج بے بس ہو گئی ہے۔ اس تاثر نے لوگوں کے حوصلے متزلزل کر دیئے اور فوج کے جو دستے ابھی کسی بھی لڑائی میں نہیں گئے تھے، ان کا لڑنے کا جذبہ بجھ گیا۔

اس کے بعد مدائن میں مسلمانوں کے آگے آگے بھاگ کر آنے والے فوجیوں اور لوگوں کا سیلاب آ گیا۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ مثنیٰ بن حارثہ کا لشکر تقریباً ڈیڑھ مہینے میں بویب سے مدائن تک پہنچ گیا اور یہ لشکر راستے میں آنے والی بستیوں اور فوجی چوکیوں کو تہ تیغ کرتا گیا۔ ان بستیوں کے لوگ مدائن میں پناہ لینے کے لیے بھاگ اٹھے۔

"یہ کوئی غلط نہیں" — مثنیٰ نے اپنے سالاروں سے کہا تھا — "میں چاہتا ہوں کہ یہ لوگ اپنے شاہی خاندان کے لیے مصیبت بن جائیں اور ان کا نظام درہم برہم ہو جائے" — مثنیٰ نے پہلی بار انکشاف کیا — "مدائن میں رستم، فیرزان اور ان کی ملکہ پوران دخت کے آپس میں اختلافات بڑھتے جا رہے ہیں۔ میں نے انہیں ایک دوسرے کا دشمن بنانے کا انتظام کر دیا ہے۔"

انتظام یہ کیا گیا تھا کہ کسی بستی سے اشعر بن ادصامہ نے چار آدمیوں کو اپنا دوست بنا لیا تھا۔ وہ عراقی عیسائی تھے۔ اشعر نے انہیں بتایا تھا کہ مسلمانوں کے لشکر میں بنو تغلب اور بنو نمر کے عیسائی بھی ہیں اور فارس کے جرنیل مہران کو بنو تغلب کے ایک عیسائی نے قتل کیا ہے۔ اشعر نے انہیں یہ بتایا کہ وہ مدائن جا کر مسلمانوں کے لیے کام کریں تو انہیں مال غنیمت میں سے حصہ ملنے کے علاوہ انعام بھی ملے گا۔

"یہ تو تم دیکھ رہے ہو کہ فارس کی بادشاہی اب صرف ایک ضرب کی منتظر ہے" — اشعر بن ادصامہ نے انہیں کہا تھا — "آدھے سے زیادہ فارس پر مسلمانوں کا قبضہ ہو چکا ہے۔ یہ علاقہ سلطنت اسلامیہ میں آ گیا ہے۔ ویسے بھی عیسائیوں کو بہت مراعات دی جائیں گی کیونکہ انہوں نے ہمارا ساتھ دیا ہے، لیکن تمہاری حیثیت اور تمہارا انعام عام عیسائیوں سے الگ ہو گا۔"

یہ چاروں راضی ہو گئے تو اشعر انہیں اپنے سپہ سالار مثنیٰ بن حارثہ کے پاس لے گیا تھا اور مثنیٰ نے انہیں بتایا تھا کہ انہوں نے کیا کرنا ہے۔ یہ چاروں اپنے کنبوں کو بستی میں ہی چھوڑ کر مدائن چلے گئے تھے۔

جوں جوں دن گزرتے جا رہے تھے، مدائن پناہ گزینوں سے بھرتا جا رہا تھا۔ شہر میں جو دو سرائیں تھیں، وہ مالدار لوگوں سے بھر گئی تھیں اور دوسرے پناہ گزین کھلے آسمان تلے پڑے تھے۔ ان کی تعداد اتنی زیادہ ہو گئی کہ کھلی جگہیں اور میدان بھی تنگ ہو گئے۔ ان کے پیٹ بھرنے مشکل ہو گئے۔ ان لوگوں نے تنگ آ کر واویلا بپا کر دیا کہ انہیں واپس ان کی بستیوں میں بھیجا جائے اور بستیوں کی حفاظت کے لیے فوج دی جائے۔

پوران دخت اور رستم کو اطلاع ملی کہ لوگ بے قابو ہو رہے ہیں اور یہ بغاوت تک پہنچ

سکتے ہیں اور یہ مسلمانوں کے ساتھ بھی ہو سکتے ہیں تو پوران اور رستم باہر آکر ان لوگوں کے پا[illegible] اور انہیں تسلیاں دیں کہ مسلمانوں کو ختم کرنے کے لیے فوج بھیجی جا رہی ہے۔

"ہماری فوج بزدلوں کی فوج ہے" — پناہ گزینوں کے ہجوم سے آوازیں اُٹھنے لگیں "ہماری فوج بھیڑوں اور بکریوں کا ریوڑ ہے.... ہماری اپنی فوج نے ہمیں لوٹا ہے.... ہماری [illegible] کو خراب کیا ہے"۔

پوران اور رستم ان آوازوں کو خاموش نہ کر سکے۔ اگر یہ چند ایک افراد ہوتے تو ان[illegible] قلم کر دیئے جاتے لیکن یہ ہزاروں تھے اور ان میں عورتیں بھی تھیں، بوڑھے اور بچے بھی تھے[illegible] پیار اور شفقت سے ہی خاموش کرایا جا سکتا تھا۔ حکمرانوں کی پریشانی میں یہ دیکھ کر بھی اضافہ ہو گیا تھا کہ مدائن شہر کے لوگ بھی پناہ گزینوں کے ساتھ شامل ہو گئے تھے۔ ان کے بھی [illegible] مطالبات تھے جو پناہ گزینوں کے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ اب مدائن کی باری ہے۔

رات کو پناہ گزینوں میں ایک اور آواز گھوم گئی — "ملکۂ فارس اور رستم پر بھروسہ نہ کرو۔ اپنی عیش و عشرت میں گم رہتے ہیں۔ جرنیل فیروزان کے ہاتھ مضبوط کرو.... فیروزان کا ساتھ دو"۔

یہ آوازیں نعرے بن گئیں اور یہ نعرے دوسرے دن مدائن میں گرجنے اور گونجنے۔ یہ جب رستم اور پوران کے کانوں میں پڑے تو اُنہوں نے فیروزان کو بلایا۔

"کیا تم اپنے آپ کو دانشمند سمجھتے ہو فیروزان؟" — پوران نے کہا — "تم جیسا [illegible] کبھی نہ دیکھا تھا"۔

"احمق نہیں ملکۂ فارس!" — رستم نے غصّے کو دباتے ہوئے کہا — "غدّار کہو.... غدّار.... سلطنت ڈوب رہی ہے اور یہ شخص اس مشکل وقت میں اپنا فائدہ حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہے"۔

"کیا ہو گیا ہے تم دونوں کو؟" — فیروزان نے حیران سا ہو کے پوچھا اور رستم سے [illegible] — "میں تمہیں بخشوں گا نہیں رستم! تم نے مجھے غدار کہا ہے لیکن میں یہ یقین کرنا ضروری سمجھتا [illegible] کہ تم دونوں کے دماغ صحیح ہیں"۔

"تم نے پہلے بھی ہمیں خانہ جنگی تک پہنچا دیا تھا" — رستم نے کہا — "یہ ملکۂ پوران [illegible] کمال تھا کہ خانہ جنگی کا خطرہ ٹل گیا تھا۔ اب تم نے باہر سے آتے ہوئے لوگوں کو ہمارے خلاف بھڑکانا شروع کر دیا ہے"۔

"یہ جھوٹ ہے" — فیروزان نے غصّے سے گرج کر کہا — "یہ بہتان ہے جو [illegible] برداشت نہیں کروں گا"۔

وہ غصّے سے لال پیلا ہو رہا تھا۔

"کیا تم لوگوں کے نعرے اور مطالبے نہیں سن رہے؟" — پوران نے کہا — "یہ نعرے بتا رہے ہیں کہ یہ آگ تم نے لگائی ہے اور تم اپنی الگ فوج بنا رہے ہو"۔

"اب تو ہم یہ بھی محسوس کرنے لگے ہیں کہ تمہیں فوج کی کمان دے کر دشمن کے خلاف بھیجنا ہی نہیں چاہتے" — رستم نے کہا — "ایک لاکھ فوج تمہارے جگری دوست مہران نے مروا دی ہے لیکن وہ زرتشت کے قہر سے بچ نہیں سکا۔ خود بھی مارا گیا ہے اور اس کی لاش گدھ، گیدڑ اور کتے کھا گئے ہیں"۔

"تم دونوں نے مجھ پر غداری کا الزام لگایا ہے" — فیروزان نے کہا — "اس جرم کی سزا موت ہے۔ مجھے سزائے موت دو"۔

"ہم تم جیسا تجربہ کار جرنیل ضائع نہیں کرنا چاہتے" — رستم نے کہا — "کیا یہ بہتر نہیں کہ تم ذاتی عناد دل سے نکال دو اور فارس کی سلامتی کے لیے کچھ کرو؟"

"میں ملکۂ عالیہ سے ایک بات صاف لفظوں میں کہہ دینا چاہتا ہوں" — فیروزان نے کہا — "آپ کو ایک جرنیل ضائع کرنا پڑے گا.... رستم یا میں.... اس کا فیصلہ تلوار کرے گی کہ کون جھوٹا اور کون سچّا ہے.... مجھے سوچ کر جواب دینا رستم! کب میرے مقابلے میں آؤ گے؟ میں تم سے لڑوں گا۔ جس ہتھیار سے لڑنا چاہو، بتا دینا۔ میں تمہارے جواب کا انتظار کروں گا"۔

فیروزان ملکۂ فارس سے اجازت لیے بغیر کہ وہ جا سکتا ہے یا نہیں، چلا گیا۔ اُس نے شاہی آداب کی پرواہ کی ہی نہیں۔

"اگر حالات یہ نہ ہوتے تو میں اس شخص کو کہتا کہ ابھی مقابلہ کر لو" — رستم نے کہا — "لیکن حالات مجھے برداشت پر مجبور کر رہے ہیں، پھر بھی ہمیں اس پر نظر رکھنی پڑے گی"۔

تاریخ بتاتی ہے کہ فیروزان پہلے ہی رستم کے خلاف تھا لیکن اب پناہ گزینوں کے ہجوم نے فیروزان کی حمایت میں اور رستم اور شاہی خاندان کے خلاف جو نعرے لگاتے تھے یہ فیروزان نے نہیں لگوائے تھے بلکہ اس کے پیچھے اُن چار عراقی عیسائیوں کا ہاتھ تھا جنہیں مثنیٰ بن حارثہ نے اس کام کے لیے بھیجا تھا کہ مدائن میں رستم اور فیروزان کے درمیان جو اختلافات پیدا ہو گئے ہیں اور جن کی وجہ سے مدائن کے لوگ اور فوجی دو حصّوں میں بٹ گئے ہیں، انہیں ہوا دیں اور اس صورتِ حال کو اتنا زیادہ بگاڑ دیں کہ مدائن میں ابتری اور انتشار پیدا ہو جائے۔

دوسری بستیوں سے بھاگے ہوئے لوگ جو مدائن پہنچ رہے تھے، اس کام کی کامیابی کا بہترین ذریعہ تھے۔ مثنیٰ بن حارثہ اور اشعر بن اوصامہ نے ان چار عیسائیوں کو بڑی اچھی طرح سمجھا دیا تھا کہ وہ مدائن جا کر ان پناہ گزینوں میں شامل ہو جائیں اور انہیں کس طرح بھڑکائیں۔ ان عیسائیوں نے یہ کام کامیابی سے کر دیا اور پناہ گزینوں میں شاہی خاندان، رستم اور فوج کے خلاف بڑی خطرناک حد تک زہر پھیل گیا۔

پوران اور رستم بہت پریشان تھے۔ ان کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ تو یہ تھا کہ مسلمانوں کو فیصلہ کن شکست کس طرح دی جائے اور فارس کی گرتی ہوئی عمارت کو سنبھالا کس طرح جائے لیکن اس کے ساتھ یہ مسئلہ بھی پیدا ہو گیا تھا کہ فوج اور لوگوں کو مطمئن کس طرح کیا جائے۔ فیروزان رستم کو چیلنج کر گیا تھا۔ اُسے راضی کرنا بھی ایک مسئلہ تھا۔

ایک ہی روز بعد ایک اور ہی صورت پیدا ہو گئی۔ ملکہ فارس سے ملنے کے لیے ایک وفد آیا۔ اس میں مدائن اور گرد و نواح کے بڑے جاگیردار بھی تھے اور دو تین قبیلوں کے سردار بھی اور دولت مند تاجر بھی۔ یہ سب اپنی اپنی جگہ لوگوں پر اپنا اثر و رسوخ رکھتے تھے۔ جاگیردار تو زیادہ اہم لوگ تھے۔ پوران نے انہیں فوراً بلا لیا۔ رستم وہیں تھا۔

تقریباً تمام مؤرخوں نے اور بعد کے تاریخ نویسوں نے مستند حوالوں سے پُوران اور رستم کے ساتھ اس وفد کی ملاقات کو بہت اہمیت دی ہے اور اسے تفصیل سے بیان کیا ہے کیونکہ یہاں سے سلطنتِ فارس میں ایک انقلابی تبدیلی آتی ہے اور فارس کی اُس جنگی قوت میں نئی روح پھونکی جاتی ہے جو تقریباً مر چکی تھی۔ اس وفد میں وہ لوگ شامل تھے جو درباری اور خوشامدی تھے اور اپنے عوام کا پیٹ کاٹ کاٹ کر تخت و تاج کی شان دوبالا رکھتے تھے لیکن اب وہ اپنی ملکہ کے سامنے آئے تو ان کا انداز ہی بدلا ہُوا تھا۔

"ملکۂ فارس!" — وفد کے لیڈر نے کہا — "ہم آپ کو سلام عرض کرنے نہیں آئے، آپ کے آگے سجدہ کرنے نہیں آئے، ہم آپ کو یہ بتانے آئے ہیں کہ آپ دونوں نے سلطنتِ فارس کو اپنی فوج کے خون میں ڈبو دیا ہے۔ دیکھ لیں مسلمان کہاں تک آ گئے ہیں۔ ہماری فوج کٹ گئی ہے۔ ہماری دولت لُٹ گئی ہے، ہماری جاگیروں پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا ہے۔ آپ ہی بتائیں کہ ہم آپ کو محصولات کے ذریعے جو رقمیں دیتے تھے وہ کہاں سے دیں۔ کیا آپ ہمیں مسلمانوں کے غلام بنا دینا چاہتی ہیں؟ کیا آپ فارس کی بادشاہی کا خاتمہ کرنا چاہتی ہیں؟ اگر آپ کچھ نہیں کر سکتیں تو ہمیں بتائیں۔"

"تم لوگ کیا کر سکتے ہو؟" — پوران نے پوچھا — "کیا تم لڑنے والے آدمی دے سکتے

ہو؟ فوج بہت کم رہ گئی ہے۔"

"ہم اسی مسئلے پہ بات کرنے آئے ہیں" — وفد کے لیڈر نے کہا — "ہم لڑنے والے آدمی دے سکتے ہیں۔ ہم مسلمانوں کے خلاف ان علاقوں میں بغاوت بھی کرا سکتے ہیں جو مسلمانوں کے قبضے میں آ گئے ہیں لیکن ہم کچھ اور بھی چاہتے ہیں۔ آپ ہماری شرط پوری کریں اور ہم سے اتنا تعاون لیں جتنا آپ کو چاہیے۔"

"اپنی شرط بتاؤ" — رستم نے کہا۔

"ملکۂ عالیہ فارس کے تخت سے دستبردار ہو جائیں" — وفد کے لیڈر نے کہا۔

"کیا اس تخت پر تم بیٹھو گے؟" — رستم نے طنزیہ لہجے میں کہا — "فارس کا مقدس تاج تم اپنے سر پر رکھو گے؟ .... کیا تم بتا سکتے ہو کہ یہ شرط تمہارے دماغ میں کیوں آئی ہے؟"

"اس لیے کہ مدائن کے شاہی محل میں جرنیلوں کی ذاتی چپقلش شروع ہو گئی ہے" — وفد کے لیڈر نے کہا — "آپ کے اور فیروزان کے اختلافات ذاتی دشمنی کی صورت اختیار کر گئے ہیں۔ اس کا نتیجہ خانہ جنگی کے سوا کیا ہو سکتا ہے۔ فوج بھی تقسیم ہوتی جا رہی ہے اور لوگ بھی۔ اس کا فائدہ حملہ آور عربوں کو پہنچ رہا ہے۔ ملکہ عالیہ بھی اس چپقلش میں شریک ہیں۔ اگر ملکۂ عالیہ کے دل میں وطن کی محبت ہے تو یہ تخت سے دستبردار ہو جائیں۔ ہم کسریٰ پرویز کے خاندان کے کسی مرد کو تخت پر بٹھائیں گے۔ فوج کی کمی ہم پوری کریں گے، مقبوضہ علاقوں میں مسلمانوں کے خلاف بغاوت ہم کرائیں گے۔ انہیں چین اور آرام سے بیٹھنے نہیں دیں گے لیکن شرط یہ ہے کہ اب فوج کی کمان رستم اپنے ہاتھ میں لیں اور مسلمانوں کو ایسی شکست دے کر آئیں کہ وہ پھر کبھی اُٹھ نہ سکیں۔ اگر آپ کو یہ شرطیں منظور نہ ہوں تو ہم مسلمانوں کا ساتھ دیں گے۔ آپ کو مسلمان آ کر تخت سے دستبردار کر دیں گے۔"

"میں فارس کی سلامتی کی خاطر تخت سے دستبردار ہو جاؤں گی" — پوران نے کہا — "لیکن کسریٰ کے خاندان کا وہ کون سا مرد رہ گیا ہے جسے تم لوگ تخت پر بٹھاؤ گے؟"

"ایک مرد ہے" — وفد کے لیڈر نے کہا — "وہ کسریٰ پرویز کی ایک بیوی کا بیٹا ہے جسے ماں نے روپوش رکھا ہُوا ہے۔ ہم تین آدمی ہیں جنہیں معلوم ہے کہ وہ کہاں ہے۔ ہم اُسے لے آئیں گے۔"

"اُسے لے آئیں" — پوران نے کہا۔

"فارس کے تخت پر آپ جانتی ہیں کتنے جانشین قتل ہو چکے ہیں" — وفد کے لیڈر نے کہا — "کسریٰ پرویز کے بعد اُس کے خاندان کا جو آدمی تخت نشین ہُوا، وہ قتل ہو گیا۔ کسریٰ پرویز

کی ایک بیوی اپنے اکلوتے بچے کو لے کر بھاگ گئی تھی کہ اس بچے کو تخت کا وارث بنا کی وجہ سے قتل کر دیا جائے گا.... میں اُسے لے آؤں گا لیکن یہ سن لیں کہ اُسے قتل کر دیا شاہی محل کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے۔"

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ کسریٰ پرویز مر گیا تو اُس کا جو بھی جانشین تخت پر بیٹھا وہ قتل مرد ختم ہو گئے تو عورتیں بھی تخت نشین ہُوئیں مگر سازش کا شکار ہو گئیں۔ آخر پوران وطن کی کا جذبہ اور رستم کا سہارا لے کر تخت نشین ہوئی۔ عام خیال یہی تھا کہ کسریٰ پرویز کی نسل ختم ہو لیکن اُس کی ایک بیوی نے اُس کا ایک بچہ بچا لیا اور مدائن سے غائب ہو گئی تھی۔

کسریٰ پرویز کی متعدّد بیویاں تھیں۔ کسی بھی مؤرخ نے تعداد نہیں لکھی۔ یہ سب بیویاں اُدھر بھاگ گئی تھیں۔ انہیں ڈر تھا کہ قتل کر دی جائیں گی۔ اولادِ نرینہ صرف ایک بیوی کی زندہ صرف ایک لڑکا یا لڑکیاں کو تخت کی بجائے بیٹا زیادہ عزیز تھا۔ اسے بچائے رکھنے کے لیے مدائن سے کہیں دُور جا کر روپوش ہو گئی۔

یہ شخص جو وفد کا قائد بن کر پوران اور رستم کے پاس گیا تھا، کوئی معمولی آدمی نہیں تھا اور عام قسم کا درباری بھی نہیں تھا۔ کسریٰ پرویز کے زمانے میں شاہی خاندان کے ساتھ اُس خصوصی مراسم تھے۔ تاریخ میں اس شخص کا نام ساران لکھا ہے۔ دو مؤرخوں نے اسارس لکھا وہ کسی پُراثر حیثیت کا آدمی معلوم ہوتا ہے جس کے آگے رستم جیسا جرنیل نہ بول سکا اور پوران نے بھی اُس کی بات مان لی، حالانکہ پُوران ملکہ تھی۔

یہ شخص مدائن سے دُور ایک بستی میں چلا گیا۔ اُس کے ساتھ پانچ محافظ تھے۔ یہ کوئی گمنام بستی تھی جہاں وہ رات کو پہنچا۔ دو تین بار دستک دینے کے بعد ایک بڑھیا نے دروازہ اس آدمی نے کہا کہ وہ نورین سے ملنے آیا ہے۔ بڑھیا نے کہا کہ یہاں کوئی نورین نہیں رہتی۔

"مت ڈرو بڑھیا!" — اس شخص نے اپنا نام بتا کر کہا — "نورین کو میرا نام بتا دو اور اُسے کہ میں کوئی دھوکہ دینے نہیں آیا۔ میں رات کو اسی لیے آیا ہوں کہ کوئی دیکھ نہ لے۔"

"آنے دو اسے!" — اندر سے ایک عورت کی آواز آئی۔

وہ اندر چلا گیا۔ ایک بڑی خوبصورت ادھیڑ عمر عورت نے اُس کا استقبال کیا۔ عورت کے چہرے پر اداسی تھی۔

"کیوں آئے ہو؟" — عورت نے سنجیدگی سے پوچھا جیسے وہ اس آدمی کو دیکھ کر خوش نہ ہوئی ہو — "تمہارے ساتھ اور کون ہے؟"

"مت ڈرو نورین!" — ساران نے کہا — "میرے ساتھ میرے اپنے محافظ ہیں انہیں بستی سے کچھ دور چھوڑ آیا ہوں۔ اپنا گھوڑا بھی بستی میں نہیں لایا۔ میں نے پوری احتیاط کی ہے.... میں تمہیں اور یزدگرد کو لینے آیا ہوں۔"

"کہاں لے جاؤ گے؟"

"مدائن" — ساران نے جواب دیا — "فارس کا تخت تمہارے بیٹے یزدگرد کا منتظر ہے۔ میں اسے اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔"

کسریٰ پرویز کے اس بیٹے کی عمر اکیس سال تھی۔ ابوحنیفہ دینوری نے اس کی عمر سولہ سال لکھی ہے۔ طبری زیادہ مستند ہے۔ اُس نے عمر اکیس سال لکھی ہے اور زیادہ مؤرخ اکیس سال پر ہی متفق ہیں۔ آگے چل کر ہم اس نوجوان کا کردار اور گفتار دیکھتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ وہ ذہنی طور پر بالغ ہی نہیں بلکہ اُس کا ذہن خاصا پختہ تھا۔ اُس کا نام یزدگرد تھا۔

"میں اپنے بیٹے کو مدائن نہیں جانے دوں گی" — نورین نے ڈرے ڈرے سے لہجے میں کہا — "میرا یزدی مدائن نہیں جائے گا۔ مجھے فارس کا تخت نہیں اپنا بیٹا چاہیئے۔ میں اپنے یزدی کو زندہ رکھنا چاہتی ہوں۔ کیا تم نہیں جانتے کہ فارس کا تخت کتنے جانشینوں کا خون پی چکا ہے؟ کتنی جانیں لے چکا ہے؟ میں نے اپنے یزدی کو چھپا کر رکھا ہُوا ہے۔ وہ اسی مکان کے ایک کمرے میں سویا ہُوا ہے۔ ذرا آہستہ بولو، اُس کی آنکھ نہ کھل جائے۔"

"نورین!" — ساران نے اپنی آواز دھیمی کر کے کہا — "آج میں یہاں چوتھی مرتبہ آیا ہوں۔ اگر میں نے تمہیں دھوکہ دینا ہوتا تو کبھی کا دے چکا ہوتا.... اور تم یہ کیوں بھول رہی ہو کہ یزدی کو صرف تم ہی زندہ رکھنا چاہتی ہو؟ میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ یہ خوبصورت جوان زندہ رہے۔ یہ ہماری محبت کی یادگار ہے۔ یہ صرف تم جانتی ہو اور میں جانتا ہوں کہ کسریٰ پرویز اس لڑکے کا باپ کس طرح بنا تھا۔"

دو مؤرخوں، ولیم سکاٹ اور ابنِ خلکان نے لکھا ہے کہ کسریٰ پرویز کی ہر بیوی اولادِ نرینہ چاہتی تھی۔ یہ تخت کی وراثت کا لالچ تھا۔ ان بیویوں نے پرویز کو اُنیس بیٹے دیئے۔ سب سے بڑے بیٹے کا نام شیرویہ تھا۔ نورین کی ساران کے ساتھ درپردہ دوستی تھی اور ساران کسریٰ کا منظورِ نظر بھی تھا۔ ان دونوں مؤرخوں نے لکھا ہے کہ یزدگرد ساران اور نورین کی دوستی کی پیداوار تھا۔ تین مؤرخوں نے ایک اور روایت بیان کی ہے۔

ان کی روایت یہ ہے کہ نورین ایک بھی بیٹا پیدا نہ کر سکی۔ اُس کی دوستی ساران کے ساتھ تھی جو بظاہر کسریٰ پرویز کا دوست تھا۔ نورین نے ساران سے اپنی خواہش کا اظہار کیا اور کہا کہ اُسے

ایک بیٹا چاہیے۔ اس کا ذریعہ کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ ساران کو پتہ چلا کہ مدائن سے دور پہاڑ میں ایک یہودی جادوگر رہتا ہے جو معجزہ نما کام کر دکھاتا ہے۔

ساران اس کی تلاش میں نکلا اور کم و بیش دو مہینے بعد اسے وہ یہودی جادوگر اور عامل۔ ساران نے اُسے بتایا کہ فارس کے بادشاہ کسریٰ پرویز کی ایک بیوی اولادِ نرینہ کی خو ہے۔ صرف ایک بیٹا چاہتی ہے۔

"اگر تم اُس کی یہ مراد پوری کر دو تو وہ تمہیں انعام و اکرام سے مالا مال کر دے گی" ساران نے اُسے کہا۔

یہودی نے پانسہ پھینکا پھر بیس پچیس دانوں کی ایک تسبیح ہاتھ میں لے کر اس کا ایک دانہ دیکھا۔ اسے مٹھی میں لے کر پھونک ماری اور آنکھیں بند کر کے مراقبے میں چلا گیا۔

"اوہ!" — اُس نے چونک کر آنکھیں کھول دیں — "خون کا مینہ برس رہا ہے۔ تخت اس میں تیر رہا ہے۔ یہ تخت ڈوب جائے گا۔"

"میں ایک لڑکے کی بات کر رہا ہوں" — ساران نے یہودی کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا — "تم یہ کام کر سکتے ہو؟"

"کیا تم کسی نوزائیدہ بچے کا چلو بھر خون حاصل کر سکتے ہو؟" — یہودی نے پوچھا۔

"کوشش کروں گا" — ساران نے کہا — "کام بہت مشکل ہے۔"

"اس کے بغیر میرا کام آسان نہیں ہو سکتا" — یہودی نے کہا — "بچہ پیدا ہوتے اس کا خون نکال لیا جائے تو زیادہ مفید ہو گا۔ اگر نہیں تو بچے کی عمر ایک دن اور ایک رات سے زیادہ نہ ہو۔ ایک سورج نکلنے کے بعد دوسرا سورج نکل آیا تو خون بیکار ہو گا۔ یہ خون صرف ایک رات میرے پاس رہے گا پھر یہ خون پانی میں ملا کر یہ عورت غسل کرے گی۔ پوری ہو جائے گی۔"

ساران واپس آ گیا اور نورین کو بتایا۔ نورین نے کہا کہ وہ نوزائیدہ بچے کے چلو بھر خون قیمت اُس سے زیادہ دے گی جو بچے کی ماں مانگے گی۔ ساران نے گھوم پھر کر ایک غ عورت ڈھونڈ نکالی جس کا بچہ پیدا ہونے میں کچھ دن ہی رہ گئے تھے۔ ساران اس عورت اور اس کے خاوند کو بڑی اچھی اُجرت اور ملازمت کا لالچ دے کر اپنے گھر لے آیا۔

اس عورت نے بچے کو جنم دیا۔ ساران امیر کبیر جاگیر دار تھا۔ اُس نے اس عورت کو گھر کے ایک شاہانہ کمرے میں رکھا اور دو تین خادمائیں اس عورت کی خدمت کے لیے دیں۔ جونہی بچہ پیدا ہوا، خادمائیں بچے کو یہ کہہ کر لے گئیں کہ اسے گرم پانی سے غسل دینا

دوسرے کمرے میں لے جا کر بچے کی ایک رگ ذرا سی کاٹ کر اس میں سے آدھا پیالہ خون نکال لیا گیا۔ ساران کو ذرا سا بھی ڈر نہ تھا کہ بچہ مر جائے گا لیکن بچہ بچ گیا اور جب اُس نے ماں کا دودھ پینا شروع کیا تو خون کی کمی پوری ہو گئی۔

روایت کے مطابق، یہ خون یہودی کے پاس ساران لے کر گیا جو یہودی نے اگلی صبح واپس کیا۔ ساران یہ خون مدائن لایا اور خفیہ طور پر نورین کو دیا۔ نورین نے اسے پانی میں ملا کر غسل کیا اور اس نے ایک بچے کو جنم دیا جس کا نام یزدگرد رکھا گیا۔

ان روایات میں یہ بھی ہے کہ اس یہودی جادوگر نے ساران سے کہا تھا کہ اس خاندان کو انسانی خون ہی راس آتا ہے اور اس خاندان کو ہر کامیابی خون سے ہی حاصل ہوتی ہے اور یہ خاندان اپنے ہی خون میں ڈوب جائے گا۔

"....اور اس خون سے جو تم ایک نوزائیدہ بچے کے جسم سے نکال کر لاتے ہو، لڑکا ہی پیدا ہو گا" — یہودی جادوگر نے کہا — "لیکن انجام اس کا کچھ اچھا نہیں ہو گا۔"

یہ بتانا مشکل ہے کہ یزدگرد ساران اور نورین کے خفیہ مراسم کی پیداوار تھا یا یہ یہودی عامل کی کرامت تھی۔ البتہ مورخوں کی تحریروں سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ یزدگرد کی پیدائش ساران اور نورین کے درمیان ایک راز تھا اور نورین ساران کے آگے سر نہیں اٹھا سکتی تھی۔

نورین اپنے اکلوتے بیٹے کو مدائن بھیجنے پر آمادہ نہیں ہو رہی تھی۔ وہ اب شہنشاہِ فارس کسریٰ پرویز کی بیوی نہیں تھی۔ وہ بیوہ تھی اور اپنے بیٹے کو دشمنوں سے بچائے رکھنے کی خاطر گمنام سے ایک گاؤں میں گمنامی کی زندگی گزار رہی تھی۔ مرغی کی طرح اُس نے بیٹے کو اپنے پروں کے نیچے چھپا کر رکھا ہوا تھا۔

ساران نے اُسے بتایا کہ سلطنتِ فارس کی بنیادیں ہل گئی ہیں اور یہ عمارت جو کبھی عالیشان تھی کھنڈر بنتی جا رہی ہے۔ ساران نے بتایا کہ مسلمان آدھے فارس پر قابض ہو گئے ہیں۔ اُنہوں نے فارس کی آدھی سے زیادہ فوج مار ڈالی اور بہت سی ہمیشہ کے لیے بیکار کر دی ہے۔ اُس نے یہ بھی بتایا کہ پوران اور رستم فارس کی گرتی ہوئی عمارت کو سنبھالا دینے کے لیے خود چاہتے ہیں کہ کسریٰ کا کوئی بیٹا آ جائے اور تخت نشین ہو۔

بڑی ہی مشکل سے ساران نے نورین کو منوایا۔ نورین ساران کو شاید ٹال ہی دیتی لیکن ہُوا یوں کہ یزدگرد کی آنکھ کھل گئی تھی اور وہ بھی اپنی ماں کے پاس آ بیٹھا۔ ماں نے اُسے بتا رکھا تھا کہ وہ

شہزادہ ہے۔ اُس نے مدائن کے حالات سنے تو وہ تڑپ اُٹھا۔

"میں اپنے باپ کی سلطنت کو تباہ نہیں ہونے دوں گا" ــــ یزدگرد نے کہا ــــ "اگر میں قتل ہو جاؤں تو کیا!"

"ہم قتل نہیں ہوں گے" ــــ ساران نے کہا ــــ "رستم دھوکہ دے گا تو فیروزان موجود ہے۔ فوجی بھی اور شہری بھی پوران اور رستم کے خلاف ہو گئے ہیں۔ مذہبی پیشوا بھی کہتے ہیں کہ فارس کی تباہی کا باعث ہی یہی ہے کہ تخت پر ایک عورت آ بیٹھی ہے۔"

دوسری صبح ساران نورین اور یزدگرد کو ساتھ لے کر مدائن چلا گیا۔

مدائن پہنچتے ہی یزدگرد کی تاجپوشی کی رسم سادگی سے ادا ہوئی اور اعلان کر دیا گیا کہ اب سلطنتِ فارس کا بادشاہ یزدگرد ہے۔ نورین کے دل پر اپنے بیٹے کے قتل کا جو خوف طاری تھا، وہ پوران اور رستم نے اپنے رویے سے اتار دیا۔ پوران نے یزدگرد کو گلے لگا کر پیار کیا۔ رستم نے بھی عملی طور پر ایسے ہی جذبات کا اظہار کیا۔ فیروزان نے تو سب سے زیادہ خوشی کا اظہار کیا۔ فوج کے تمام افسروں نے یزدگرد کے سامنے آکر خود جھک کر اور اپنی تلواروں کو جھکا کر اطاعت اور وفاداری کا اظہار کیا، پھر شہر اور گرد و نواح کے رؤسا اور اُمراء آئے اور یزدگرد کے حضور رکوع و سجود کے ذریعے یقین دلایا کہ وہ کسریٰ کی آنے والی نسلوں کے بھی غلام رہیں گے۔ لوگوں نے بھی خوشی کا اظہار کیا کہ کسریٰ کا دور لوٹ آیا ہے۔

رسمِ تاجپوشی کے بعد پہلا کام یہ کیا گیا کہ تمام جرنیلوں، رؤسا اور امراء وغیرہ کی کانفرنس منعقد ہوئی جس میں رستم کو کمانڈر انچیف مقرر کر کے فیصلہ کیا گیا کہ فوری طور پر اُس سے زیادہ فوج تیار کی جائے جتنی مسلمانوں کے حملے سے پہلے فارس کی ہوا کرتی تھی اور مسلمانوں کو ایسا ختم کیا جائے کہ ان میں سے کوئی ایک بھی زندہ واپس نہ جا سکے پھر مدینہ پہنچ کر مسلمانوں کو تہِ تیغ کیا جائے اور اسلام کو نیست و نابود کر دیا جائے۔

اس کانفرنس میں پوران بھی شامل تھی۔ جرنیلوں کے درمیان جو اختلافات تھے وہ ختم ہو گئے۔ اس کے علاوہ ایک پلان یہ بھی تیار کیا گیا کہ جو شہر اور قصبے مسلمانوں کے قبضے میں آ گئے ہیں ان کے لوگوں کو مسلمانوں کی اطاعت سے بغاوت پر اکسایا جائے۔

"مسلمانوں کے پاس اتنی فوج نہیں کہ وہ ہر جگہ اتنی فوج رکھ سکیں کہ لوگوں کو سر نہ اٹھانے دیں" ــــ رستم نے کہا ــــ "ہر جگہ انتہائی تھوڑے سے مسلمان ہیں جو نظم و نسق اور انتظامی امور چلا رہے ہیں۔ انہیں آسانی سے قتل کیا جا سکتا ہے۔ لوگ مسلمانوں کو جزیہ دینے سے انکار کر دیں۔ ہمارے مذہب کا کوئی شخص مسلمان ہو جاتے تو اُسے خفیہ طریقے سے قتل کر دیا جائے

لوگ عبرت حاصل کریں۔"

"یہ کام تو وہی لوگ کر سکتے ہیں جو مقبوضہ علاقوں سے بھاگ کر مدائن میں آ گئے ہیں" ــــ پوران نے کہا ــــ "انہیں اس مہم کے لیے تیار کر کے واپس ان کی بستیوں میں بھیج دیا جائے۔ ان میں مسلمانوں کے خلاف انتقامی جذبہ پیدا کیا جائے۔ میں نے ان لوگوں میں گھوم پھر کر دیکھا ہے۔ ان کے ساتھ ... ہیں جن میں بعض جوان اور خوبصورت ہیں۔ ان میں مجھے بعض خاصی عقلمند عورتیں اور جذبے والی نظر آئی ہیں۔ میں انہیں تیار کر کے بھیجوں گی کہ مسلمانوں کے سالاروں تک پہنچیں، انہیں زہر دے کر ختم کریں یا انہیں ورغلا کر کہیں تنہائی میں لے جائیں اور وہاں سے ہمارے آدمی انہیں پکڑ کر مدائن لے آئیں۔"

اس طرح مدائن میں مثنیٰ بن حارثہ کے لشکر کے خلاف بڑا ہی خوفناک پلان تیار ہو گیا جس میں مجاہدین پر ہر پہلو سے حملہ اور ہر حربہ شامل کیا گیا تھا۔

فارس کی بادشاہی ایک بار پھر کسریٰ پرویز کے خاندان میں آ گئی تھی اور لوگوں نے کہنا شروع کر دیا تھا کہ اب سلطنتِ فارس کی پہلے والی شان و شوکت لوٹ آئے گی اور پھر دشمنوں پر دھاک بیٹھ جائے گی۔ مذہبی پیشوا کہتے تھے کہ یزدگرد کی واپسی نہایت اچھا شگون ہے اور یہ مسلمانوں کی موت کی نشانی ہے۔

حالات ایسی صورت اختیار کر رہے تھے جو مجاہدین کے لشکر کے لیے بے حد خطرناک تھے۔ مدائن میں ایک بہت بڑی فوج تیار ہونی شروع ہو گئی تھی۔ لوگ جوق در جوق جذبے اور ولولے سے فوج میں شامل ہونے لگے۔ ان کی اور نئے گھوڑوں کی تربیت شروع ہو گئی۔ فوج کی نفری اور گھوڑوں کی تعداد روز بروز بڑھ رہی تھی۔ اُدھر مثنیٰ بن حارثہ بمشکل تین ہزار مجاہدین کے ساتھ بغداد کے قریب ساباط کے مقام پر پریشان بیٹھے تھے کہ وہ نفری کی کمی کہاں سے پوری کریں۔ اس کے علاوہ مثنیٰ کا زخم اور زیادہ خراب ہو گیا تھا اور وہ ذرا سا چلتے تھے تو بھی سانس پھول جاتا تھا اور زخم سے درد کی ٹیسیں اٹھتی تھیں۔ طبیبوں کی نگاہ میں وہ اب لڑائی کے قابل نہیں رہے تھے۔ اب تو یوں لگتا تھا کہ شکست ان کے مقدر میں لکھ دی گئی ہے۔

چونکہ کسریٰ پرویز کا ذکر ایک بار پھر آیا ہے اس لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم پھر اُس خط کی بات کریں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قبولِ اسلام کے لیے بھیجا تھا اور پرویز نے رعونت کا یہ مظاہرہ کیا کہ یہ خط پھاڑ کر پھینک دیا تھا۔ اس داستان میں اس خط کا اور اس سے متعلق واقعے کا پہلے بھی ذکر آ چکا ہے لیکن خط کا متن پہلے پیش نہیں کیا گیا۔

خط کی تحریر پیش کرنے سے پہلے پرویز کی فرعونیت کا مختصر سا ذکر ہو جائے تو گا کسریٰ پرویز جو خسرو پرویز کے نام سے مشہور ہوا، وہ ہرمز کا بیٹا اور نوشیرواں عادل کا پوتا تھا عدل و انصاف میں شہرت حاصل کی اور تاریخ میں اونچا نام اور مقام پایا اور پوتا دادا کے فرعونیت میں نام پیدا کیا۔ یہاں تک کہ اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گرفتاری کا حکم

خسرو پرویز کے عروج و زوال کی تفصیلات طویل ہیں۔ ان تفصیلات کا چونکہ ہماری کے ساتھ کوئی تعلق نہیں اس لیے ہم مختصراً بیان کریں گے کہ خسرو پرویز پر ایسا وقت کے مقابلے میں نہ ٹھہر سکا اور مدائن سے اس حالت میں بھاگا کہ اُس کے ساتھ صرف تھے۔ اُس کا ذہن سازشی تھا۔ غیرت نام کی کوئی چیز اُس کی فطرت میں نہیں تھی۔ اُس نے اپنے سے جا مدد مانگی۔ یہ خسرو پرویز کی عیاری کا کمال تھا کہ رومیوں نے اُسے بہت سی اور بڑی فوج دی۔

خسرو پرویز اس فوج کے ساتھ اپنی سلطنت میں داخل ہوا۔ بہرام نے مقابلہ کیا لیکن خاندان سے نہیں تھا۔ اس بنا پر روسا اور دیگر زعما۔ اُس کا ساتھ چھوڑ گئے اور فوج بھی لڑی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بہرام کو جان بچا کر بھاگنا پڑا اور خسرو پرویز ایک وسیع و عریض سلطنت کا گیا۔ یہاں سے اُس کی فتوحات کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔

اس شخص کی فطرت میں جو ابلیسیت تھی، اسے اُس نے یوں استعمال کیا کہ جس قیصرِ روم کی مدد سے وہ مدائن میں فاتح کی حیثیت سے داخل ہوا اور کسریٰ فارس بنا تھا اُسی قیصرِ روم کو للکارا اور اُس کے ساتھ لڑائیاں لڑیں اور اُس کے کئی علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ اس نے بہت بڑی فوج تیار کر لی تھی جس میں عربوں کے لیے اُس نے مالِ غنیمت اور دیگر انعا اور مراعات کی ایسی کشش پیدا کی تھی کہ عرب کے سرحدی قبائل کے لوگ اس میں شامل ہو۔

اُس کا دادا نوشیرواں فلسطین کو اپنی سلطنت میں شامل کرنے کا ارادہ رکھتا تھا لیکن موت لیا۔ پوتے خسرو پرویز نے دادا کے اس ارادے کی تکمیل کا اعلان کر دیا اور یہ اعلان بھی بیت المقدس کو فتح کر کے وہ وہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تمام مقدس یادگاریں، جس پر حضرت عیسیٰؑ مصلوب ہوتے تھے اور ان کا (مفروضہ) مدفن تباہ و برباد کر کے کر دے گا۔

اُس وقت فلسطین پر رومیوں کا قبضہ تھا۔ یہودیوں کو پتہ چلا کہ خسرو پرویز عیسائیت کے مرکز کو تباہ کرنے چلا ہے تو باسٹھ ہزار یہودی اُس کی فوج میں شامل ہو گئے کیونکہ وہ عیسائیت کے اُتنے ہی دشمن تھے جتنے اسلام کے تھے۔ خسرو پرویز کی فوج بیت المقدس میں دا

اور ایسی قتل و غارت کی کہ نوّے ہزار عیسائیوں کو جن میں بچے بھی تھے قتل کر دیا گیا۔ کوئی گرجا سلامت نہ رہنے دیا گیا۔ زیادہ تر گرجوں کو آگ لگا دی گئی۔ تمام دولت لوٹ لی گئی۔ عیسائیوں کی کوئی مقدس جگہ سلامت نہ رہنے دی گئی۔ وہاں سے سونے، چاندی، ہیروں اور جواہرات کے انبار ملے جو خسرو پرویز مدائن لے آیا۔ عیسائیوں کی تاریخ میں اُن پر اس سے زیادہ ظلم کی مثال نہیں ملتی۔ پرویز کے ظلم اور درندگی کا نشانہ رومن کیتھولک عیسائی بنے تھے۔

اس کے بعد خسرو پرویز اسلام کے خلاف کمربستہ ہونے لگا۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حبش کے نجاشی کو دعوتِ اسلام کا پیغام بھیج کر خسرو پرویز کے نام ایک پیغام بھیجا۔ پیغام لے جانے والے ایک صحابی حضرت عبداللہؓ بن قدافہ تھے۔ اُس وقت خسرو پرویز کردستان کی حد پر دریائے قراموکے کنارے خیمہ زن تھا۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نامہ مبارک کی تحریر یہ تھی:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

"من محمد رسول اللہ الیٰ کسریٰ عظیم فارس، سلام علیٰ من اتبع الھدیٰ و امن باللہ و رسولہ و اشھد ان لا الہ الا اللہ و انی رسول الی الناس کافۃ لینذر من کان حیا اسلم تسلم فان ابیت فعلیک اثم المجوس"۔

"محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے کسریٰ رئیسِ فارس کے نام۔ اُس شخص پر سلام ہے جو ہدایات کی پیروی کرے اور اللہ اور اُس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان لائے اور گواہی دے کہ اللہ کے سوا اور کوئی معبود نہیں، اور یہ گواہی بھی دے کہ میں تمام دنیا کے انسانوں کی طرف اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں تاکہ ہر زندہ انسان کو اللہ کا خوف دلاؤں، لہٰذا تم اگر اسلام قبول کر لو گے تو سلامت رہو گے اور اگر تم نے انکار کیا تو مجوسیوں کا وبالِ جان تمہاری گردن پر ہوگا"۔

خسرو پرویز فرعونوں سے کم نہ تھا۔ وہ اپنے آپ کو سورج کا بیٹا ہی نہیں، دنیا کا دوسرا خدا سمجھتا تھا۔ اُسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پڑھ کر سنایا گیا تو اُس کے چہرے پر فرعونیت کے قہر و غضب کے تاثر کے ساتھ حیرت و استعجاب کا تاثر بھی شامل تھا کہ یہ کون ہے جس نے اتنی بیباکی اور صاف گوئی سے اُسے خط لکھا ہے۔ وہ حیران تھا کہ کوئی انسان ایسا جرأتمند اور سرکش بھی ہو سکتا ہے جس نے اُس کے نام سے پہلے اپنا نام لکھا ہے۔ خسرو پرویز تو طرابلس سے لے کر پنجاب تک کا شہنشاہ اور خداوندِ عالم کہلاتا تھا۔ غصے سے اُس کے ہونٹ کانپنے لگے کہ عرب کے ایک بوریا نشین نے اُسے محض رئیسِ فارس لکھا ہے۔ وہ تو کہا کرتا تھا کہ قیصرِ روم اور خاقانِ چین مل

کر بھی اُس سے آنکھ ملانے کی جرأت نہیں کر سکتے۔ ایشیا اور یورپ کی بادشاہیاں ہو جائیں تو بھی اُس کے سامنے زبان نہیں کھول سکتیں۔

اُس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیامبر عبداللہ رضی اللہ عنہ بن قدافہ کی طرف قہر بھری نظروں سے دیکھا۔ درباری یہی توقع رکھتے ہوں گے کہ اس پیامبر کے قتل کا حکم ملا کہ ملا۔ انہیں یہ توقع بھی تھی کہ اس عرب کو ذلیل و خوار کر کے اور اذیتیں دے دے کر مارا جائے گا لیکن خسرو پرویز نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خط کے پہلے دو ٹکڑے کیے پھر چار پھر آٹھ پھر وہ اس خط کو پھاڑتا ہی چلا گیا۔ آخر اُس نے یہ تمام ٹکڑے اپنی ہتھیلی پر رکھے اور زور سے پھونک مار کر انہیں اڑا دیا۔ ٹکڑے دربار میں بکھر گئے۔

درباری یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ اس فرعون نے جو انسانوں کی شہ رگیں کٹوا کر اور ان سے خون کے فوارے پھوٹتے دیکھ کر لطف اندوز ہوتا تھا، عبداللہ بن قدافہ کو جانے کی اجازت دے دی۔

عبداللہ سینکڑوں میل کی مسافت طے کر کے مدینہ منورہ پہنچے اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ زرتشت کی عبادت کرنے والے خسرو پرویز نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغامِ حق کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے۔ یہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فارس کی سلطنت اسی طرح ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بکھر جائے گی۔

عبداللہ رضی اللہ عنہ بن قدافہ کو خسرو پرویز نے زندہ واپس جانے کی اجازت دے کر سب کو حیران کر دیا تھا لیکن اُس نے عبداللہ بن قدافہ کے رخصت ہونے کے بعد ایک حکم دے کر سب کی حیرت رفع کر دی۔ اُس نے حکم یہ دیا کہ یمن کے گورنر تک میرا حکم تیز رفتار قاصد کو بھیج کر پہنچا دیا جائے کہ مدینہ کے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو گرفتار کر کے میرے دربار میں پیش کرے کہ میرے اس غلام نے اتنی بڑی جسارت کی ہے۔ میں اُسے عبرتناک سزا دوں گا۔

یمن کا گورنر ایک فارسی بازان تھا۔ اُس تک قاصد حکم لے کر پہنچا تو بازان نے اپنا قاصد مدینہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس پیغام کے ساتھ بھیجا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم گرفتاری پیش کریں تاکہ خسرو پرویز کے حکم کے مطابق آپ کو مدائن بھیجا جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ حکم سن کر مسکرائے اور قاصد سے فرمایا — "امیرِ یمن بازان اور کسریٰ سے کہنا کہ اسلام مجھ سے پہلے مدائن پہنچ جائے گا۔"

خسرو پرویز کی فرعونیت کی صرف ایک مثال کافی ہو گی۔ اُس کے ایک بڑے ہی قابل اور تجربہ کار جرنیل کی بیوی عیسائی تھی۔ خود خسرو پرویز کی ایک بیوی جس کا نام شیریں تھا، عیسائی تھی۔ شیریں

کا حُسن بے مثال تھا اور وہ اس قدر چالاک عورت تھی کہ خسرو پرویز جیسے فرعون اور درندے کو انگلیوں پر نچا لیتی تھی۔

خسرو پرویز نے بھرے دربار میں اپنے اس جرنیل کو حکم دیا کہ وہ اپنی بیوی کو چھوڑ دے کیونکہ وہ عیسائی ہے۔

"ایک بیوی تو آپ کی بھی عیسائی ہے" — جرنیل نے خسرو پرویز سے کہا — "کیا شیریں عیسائی نہیں؟ آپ اُسے کیوں نہیں چھوڑ دیتے؟"

"نہیں اور اسی وقت اس کی کھال اتار لی جائے" — خسرو پرویز نے حکم دیا۔

جرنیل کو جکڑ کر دربار میں ہی اُس کے کپڑے پھاڑ دیئے گئے اور دربار میں زندہ کی کھال اتار کر ہلاک کر دیا گیا۔

یہاں خسرو پرویز کی شہنشاہیت، طاقت اور سطوت کی ایک جھلک دکھانا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو دنیا کا دوسرا خدا نہ کہتا تو کیوں نہ کہتا۔ فارس کا پایۂ تخت تو مدائن ہی تھا لیکن مدائن سے ساٹھ میل دُور شمال کی طرف خسرو پرویز نے اپنی رہائش کے لیے ایک محل تعمیر کروایا تھا۔ اگر یہ محل زمانے کی دستبرد سے بچا رہتا تو اس کا شمار عجائباتِ عالم میں ہوتا۔

خسرو پرویز نے اس محل کا نام قصرِ دستاگرد رکھا تھا۔ مولانا ظفر علی خان مرحوم نے دو مؤرخوں کے حوالے سے لکھا ہے کہ اس محل کو دیکھ کر جنت الفردوس کا گمان ہوتا تھا۔ اس کے چاروں طرف دُور دُور تک لہلہاتے سبزہ زار اور مرغزار تھے جن میں چکور، مور، شترمرغ اور ہرن چرتے چُگتے تھے۔ یہ وسیع و عریض محل چالیس ہزار ستونوں پر کھڑا تھا جن پر سونے کا پانی چڑھا ہُوا تھا۔ محل کے اوپر ایک ہزار بُرج تھے جو خالص سونے کے بنے ہُوتے تھے۔

قصرِ دستاگرد میں نو سو ساٹھ ہاتھی، بیس ہزار اونٹ اور چھ ہزار اعلیٰ نسل کے گھوڑے زرق برق کپڑوں سے سجے ہُوتے موجود رہتے تھے۔ محل کے دروازے پر رات دن چھ ہزار زرّیں کمر سرباز وں کا پہرہ رہتا تھا۔ محل کے اندر کی فضا مشک و عنبر سے مہکتی رہتی تھی۔ اس تاجدارِ عجم نے قصرِ دستاگرد میں تین ہزار نوخیز اور انتہائی حسین لڑکیاں رکھی ہُوئی تھیں۔

کوئی انسان رُتبے کے لحاظ سے کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہوتا، جب خسرو پرویز کے دربار میں جاتا تو پہلے سجدہ کرتا پھر آداب بجالاتا تھا۔

خسرو پرویز خدائی کا دعویٰ نہ کرتا تو کیوں نہ کرتا لیکن وہ اُس خُدا کے وجُود کو تو نہیں مٹا سکتا تھا جس کے ہاتھ میں ہر انسان کی عزت اور ذلت ہے اور جو ہر فرعون کے لیے ایک مُوسیٰ پیدا کر دیا کرتا ہے۔ اس آتش پرست فرعون کے زوال کی داستان بڑی طویل اور عبرتناک ہے۔ ہم چونکہ

داستان کوئی اور سنا رہے ہیں اس لیے اس فرعونِ عجم کا ذکر مختصر کرتے ہیں۔ اُس زمانے کی تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ خسرو پرویز کا جاہ و جلال اور اُس کی جنگی قوت دیکھ کر سب کہتے تھے کہ ساری دنیا سلطنتِ فارس میں آجائے گی لیکن حالات نے ایسا پلٹا کھایا کہ خسرو پرویز جنّت نظیر قصرِ دستاگرد کے چور دروازے سے بھاگا۔ اُس کے ساتھ چھ ہزار پہرے دار نہیں تھے۔ نو سو ساٹھ ہاتھی نہیں تھے۔ بیس ہزار اونٹ اور چھ ہزار گھوڑے نہیں تھے نہ اُس کے ساتھ تین ہزار حسین لڑکیاں تھیں۔ اس کے ساتھ اپنی چہیتی ملکہ شیریں تھی اور صرف دو کنیزیں تھیں۔

اس بے سر و سامانی کے عالم میں وہ قصرِ دستاگرد سے نکلا اور ساٹھ میل چل کر مدائن پہنچا تو مخلوقِ خدا اُس کے راستے میں سجدہ ریز ہو گئی۔ خسرو پرویز کی جان میں جان آئی۔ اُس کے قصرِ دستاگرد میں قیصرِ روم ہرقل پہنچ گیا تھا۔ خسرو پرویز ایسا دل برداشتہ ہُوا کہ فیصلہ کر لیا کہ تختِ فارس سے دستبردار ہو کر اپنے محبوب بیٹے مردانزویہ کو تخت پر بٹھائے گا مگر اُسے احساس تک نہ تھا کہ اُس کی حسین ترین اور چہیتی ملکہ شیریں کا بھی ایک جوان بیٹا ہے۔ وہ یہ بھی بھول گیا تھا کہ شیریں اُس کی زوجیت سے دستبردار ہو جائے گی، تخت و تاج سے دستبردار نہیں ہو گی۔

خسرو پرویز کا فرعونی دماغ بہت کچھ بھول گیا تھا اور یہ سوچ تو اُس کے ذہن میں آئی ہی نہیں تھی کہ اُس نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کے پیغامِ حق کی توہین کی تھی۔

شیریں نے اپنے طلسماتی حسن اور عیّاری اور زبان کے جادو سے جس طرح خسرو پرویز کو رام کر رکھا تھا اسی طرح اُس نے امرائے سلطنت کو اپنی مٹھی میں لینا شروع کر دیا۔ زر و جواہرات کی اور کمسن حسیناؤں کی اُس کے پاس کمی نہیں تھی۔ اُس کا اپنا حسن سحر انگیز تھا۔ امرا۔ اور جرنیل مسحور ہو ہو کر اُس کے جال میں آتے گئے اور وہ ان سب کو اپنے بیٹے کے حق میں اور اپنے خاوند خسرو پرویز کے خلاف کرتی گئی۔

شیریں کے بیٹے کا نام شیرویہ تھا۔ اُس کا یہی اعزاز کافی تھا کہ ملکہ شیریں کا بیٹا تھا۔ اُس نے فوج کو اس طرح اپنے ساتھ ملا لیا کہ درپردہ فوج میں یہ خوشخبری پھیلا دی کہ شیرویہ تخت پر بیٹھے گا تو افسروں اور سپاہیوں کی تنخواہیں بڑھ جائیں گی اور مالِ غنیمت میں سے حصّہ ملا کرے گا اور کئی اور مراعات بھی دی جائیں گی۔ عیسائیوں تک یہ خوشخبری پہنچائی گئی کہ انہیں مذہبی آزادی ملے گی اور انہیں درجۂ اوّل کی شہریت دی جائے گی۔

خسرو پرویز اس سازش سے بے خبر تھا۔ اُسے شک تک نہ ہُوا کہ شیریں اُس کی آستین کا سانپ بن گئی ہے۔ خسرو پرویز نے ابھی تخت سے دستبردار ہونے کا اعلان نہیں کیا تھا۔ ایک روز شیرویہ نے باپ کو حکم دیا کہ وہ تخت سے دستبردار ہو جائے۔ خسرو پرویز نے حکم دیا کہ اس

بیٹے شیرویہ کو قتل کر دیا جائے لیکن اُس کا حکم ایسا ہی تھا جیسے کسی نے ہوا میں تیر چلایا ہو۔ شیریں کو بلایا اور اُسے بتایا کہ اُس کا بیٹا پاگل ہو گیا ہے۔ اُسے سنبھالے۔

"یہ میرے بس میں نہیں تاجدار!" — شیریں نے عجیب سے تبسّم سے کہا — "اسے فوج بھی نہیں سنبھال سکتی" — اُس نے خسرو پرویز کے کان میں کہا — "اس تخت پر میرا بیٹا بیٹھے گا۔ جرنیلوں کو حکم دے کر دیکھ لو سب میرے بیٹے کے وفادار ہیں۔"

خسرو پرویز غصے سے اٹھا اور جرنیلوں اور اُمرا کو طلب کر کے انہیں شیریں اور شیرویہ کے خلاف ظالمانہ حکم دیئے لیکن امرا۔ اور جرنیلوں کا رویّہ بالکل سرد رہا۔ خسرو پرویز پر یہ ہیبت ناک انکشاف ہوا کہ معدودے چند آدمی اُس کے ساتھ ہیں جو ایک مؤرخ کے الفاظ میں آٹے میں نمک کے برابر تھے۔ اُسے مشورہ دیا گیا کہ وہ مدائن سے نکل جائے۔

"میں رومیوں سے صلح کر کے اپنے اس بیٹے کو سرکشی کی سزا دوں گا" — خسرو پرویز نے کہا — "شیریں کو فریب کاری کی سزا دوں گا۔"

شیرویہ اور شیریں کے کانوں تک یہ الفاظ پہنچے تو شیرویہ محافظ دستے کے گھوڑ سواروں کو ساتھ لے کر اپنے باپ کے پاس گیا۔ باپ کو کچھ دیر پہلے اطلاع مل گئی کہ اُس کا بیٹا کسی برے ارادے سے اُس کے پاس آ رہا ہے۔ خسرو پرویز بھاگ نکلا لیکن شہر سے نہ نکل سکا۔ ایک غریب آدمی کی جھونپڑی میں جا چھُپا۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کو حکم دینے والا اور جنّت الفردوس جیسے قصرِ دستاگرد میں رہنے والا اور اپنے آپ کو خُدا کہنے والا ایک تنگ و تاریک اور غلیظ جھونپڑی میں اس طرح چھُپا کہ اُس کے اُوپر بدبُودار چیتھڑے اور گھاس ڈال دی گئی۔

گھوڑ سوار فوجیوں نے سارے شہر میں گھوم کر اعلان کر دیا کہ خسرو پرویز جس گھر سے برآمد ہو گا اُس گھر کو آگ لگا دی جائے گی اور گھر کے بچے سے بُوڑھے تک کو زندہ جلا دیا جائے گا۔

اس حکم کے بعد کس میں اتنی ہمت تھی کہ خسرو پرویز کو اپنے گھر میں چھپائے رکھتا۔ ایک غریب آدمی ایک گھوڑ سوار کے پاس آیا اور مُنہ سے کچھ کہنے کی بجائے اپنی جھونپڑی کی طرف اشارہ کیا۔ سوار جھونپڑے میں گئے اور فارس کے فرعون کو چیتھڑوں اور گھاس کے نیچے سے نکال کر باہر لائے اور اُسے محل میں لے جا کر شیرویہ کے سامنے جا کھڑا کیا۔

"اسے زنجیروں میں باندھ کر میدان میں لے چلو" — شیرویہ نے حکم دیا — "اس کے تمام بیٹوں کو بھی لاؤ۔"

حکم کی تعمیل ہُوئی۔ خسرو پرویز کو زنجیروں میں باندھ کر محل کے قریب ایک میدان میں لے گئے۔ اس کے بیٹوں کو ایک ایک کر کے میدان میں لایا جانے لگا۔ یہ سب شیرویہ کے بھائی تھے

جو مختلف بیویوں میں سے تھے۔ ان کی تعداد شیرویہ کو ملا کر انّیس تھی۔

جب تمام بیٹوں کو لا چکے تو شیرویہ نے انہیں گنا۔ تعداد اٹھارہ ہونی چاہیئے تھی لیکن

"ایک کم ہے" —— شیرویہ نے کہا —— "ان میں یزدگرد نہیں ہے۔ اُسے بھی لاؤ۔"

بہت سے لوگوں نے محل کا کونہ کونہ دیکھ لیا۔ شہر میں اعلان کیا گیا کہ یزدگرد اور

پناہ دینے والے کے گھر کو آگ لگا کر گھر کے ہر فرد کو زندہ جلا دیا جائے گا لیکن اس

کہیں سراغ نہ ملا۔ کسی کو معلوم نہ تھا کہ خسرو پرویز کا ایک دوست ساران بھی غائب

یزدگرد اپنی ماں کے ساتھ مدائن سے بہت دور پہنچ چکا تھا۔ ساران ان کے ساتھ تھا۔

قبل از وقت بھانپ لیا تھا کہ شیرویہ اپنے کسی بھائی کو زندہ نہیں چھوڑے گا۔ وہ خسرو پرویز

غائب ہوتے ہی یزدگرد اور اُس کی ماں کو غریب کسانوں کے بھیس میں شہر سے نکال کر

"ان سب کو ایک ایک کر کے قتل کر دو" —— شیرویہ نے حکم دیا —— "ان کے باپ

سامنے لے جا کر قتل کرو۔"

وہ کیا ہولناک منظر ہوگا۔ خسرو پرویز کے ایک بیٹے کو اُس کے سامنے لے جا

تلوار کے ایک ہی وار سے اُس کا سر تن سے جُدا کر دیا جاتا۔ ان میں کمسن بچے بھی تھے۔ نوعمر

نوجوان بھی تھے۔ اور ان میں وہ نوجوان مردازویہ بھی تھا جسے خسرو پرویز اپنی جگہ تخت نشین کر

تھا۔ اُسے وہ اپنا سب سے پیارا بیٹا سمجھتا تھا۔ بھائیوں میں سب سے بڑا شیرویہ تھا۔ ان کی

کھڑی چیخ چلّا رہی تھیں۔ ان میں سے جس کے بیٹے کو آگے لے جاتے تھے، اُس کی ماں

کرتی آگے کو دوڑ پڑتی۔ فوجی اُسے دھکے دیتے اور گھسیٹتے دُور جا پھینکتے۔ شیریں محل کے

میں کھڑی یہ ساری کارروائی دیکھ رہی تھی۔ وہ واحد ماں تھی جس کے چہرے پر سکون اور اطمی

شیرویہ نے اپنے سترہ بھائیوں کو قتل کرا دیا اور اپنے باپ کے متعلق حکم دیا کہ اسے قید خ

میں سب سے زیادہ تنگ و تاریک اور گندی کوٹھڑی میں بند کر دیا جائے۔

خسرو پرویز نے اپنے بیٹے سے استدعا کی کہ اُسے آزاد کر دیا جائے تو وہ سلطنت

سے نکل جائے گا لیکن بیٹے کے دل میں رحم پیدا نہ ہو سکا۔ وہ اپنے تخت پر منڈلانے

تمام خطرے ختم کر رہا تھا۔

"میں تمہیں قید خانے میں زیادہ دن نہیں رہنے دوں گا" —— شیرویہ نے باپ سے

—— "جلدی رہا کرا دوں گا۔"

خسرو پرویز کو قید خانے میں ایک تاریک کوٹھڑی میں بند کر دیا گیا۔ اس کے سا

شیرویہ نے ایک آدمی کو بلایا۔ (تاریخ میں اس آدمی کا نام نہیں لکھا) شیرویہ نے اُ

قید کے پانچویں دن وہ قید خانے میں جا کر خسرو پرویز کو قتل کر دے .... اب شیرویہ سلطنت فارس کا شہنشاہ تھا۔

قید میں خسرو پرویز کی پانچویں شام تھی۔ وہ تاریک کوٹھڑی میں نیم فاقہ کشی کی حالت میں پڑا تھا۔ کوٹھڑی کا دروازہ کھلا۔ خسرو پرویز نے پوچھا کون ہو؟

"میں کسریٰ فارس کو رہا کرنے آیا ہوں" —— اُس آدمی نے کہا —— "اُٹھو اور اس اذیّت ناک زندگی سے آزاد ہو جاؤ۔"

خسرو پرویز خوشی خوشی اٹھا۔ وہ دروازے کی طرف مُڑا ہی تھا کہ اُس آدمی کا خنجر خسرو پرویز کے دل میں اُتر گیا۔ خنجر باہر نکلا اور ایک بار پھر دل میں اُتر گیا —— خسرو پرویز اذیّت ناک زندگی سے آزاد ہو گیا۔ اُس کے بیٹے نے اپنا وعدہ پورا کر دیا تھا۔

شیرویہ خسرو پرویز کا ہی بیٹا تھا اور وہ شیریں جیسی عیّار حسینہ کے بطن سے پیدا ہُوا تھا۔ ناگن کا بیٹا سانپ ہی ہوتا ہے۔ اُسے خسرو پرویز کے قاتل نے اس امید پر بڑی خوشی سے آکر بتایا کہ وہ اُس کے حکم کی تعمیل کر آیا ہے کہ اُسے انعام ملے گا۔

"تم نے میرے باپ کو قتل کیا ہے" —— شیرویہ نے کہا۔

"ہاں تاجدارِ فارس!" —— اس آدمی نے کہا —— "آپ کے حکم کی تعمیل میں ذرا سی بھی تاخیر نہیں ہوئی۔"

"اپنے باپ کے قتل کا انتقام لینا میرا فرض ہے" —— شیرویہ نے کہا —— "میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑ سکتا۔"

اور شیرویہ نے تلوار نکال کر اُس آدمی کو قتل کر دیا۔

متعدد مؤرخوں نے لکھا ہے کہ خسرو پرویز کے دادا نوشیرواں عادل نے خواب میں دیکھا کہ اُس کے محل کے چودہ کنگرے گر پڑے ہیں۔ یہ خواب یوں سچ ثابت ہُوا کہ شیرویہ کے بعد صرف نو سال کے عرصے میں مدائن کے تخت پر بارہ تاجدار بیٹھے اور قتل ہوئے۔ یزدگرد چودھواں بادشاہ تھا جسے اب ساران جا کر لے آیا تھا اور پوران دخت اور رستم نے اُس کی رسمِ تاجپوشی بھی ادا کر دی تھی۔

مثنیٰ بن حارثہ اپنے لشکر کو ساباط سے تکریت لے گئے تھے۔ انہیں اُن جاسوسوں سے جنہیں انہوں نے پناہ گزینوں کے بہروپ میں مدائن بھیجا تھا، ایسی اطلاعیں ملیں جو اُن کی توقعات کے خلاف تھیں اور بے حد تشویشناک بھی۔ سب سے زیادہ تشویشناک صورت تو یہ تھی کہ

ٹوٹی ہوئی دو پسلیوں اور پھیپھڑوں کے زخم نے مثنیٰ بن حارثہ کو معذور کرنا شروع کر دیا تھا۔ اب اُن کا یہ حال ہو گیا تھا کہ چند قدم چلتے یا گھوڑے پہ سوار ہوتے تو مجروح پھیپھڑوں کا درد ناقابلِ برداشت ہو جاتا اور سانس لینا مشکل ہو جاتا تھا۔ اس کے باوجود مثنیٰ نے اپنے عزم، قوتِ ارادی اور روحانی قوت کو علیل نہیں ہونے دیا تھا۔ وہ اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کو یوں معمول کے مطابق پورا کر رہے تھے جیسے جسمانی لحاظ سے وہ تندرست و توانا ہوں۔

انہیں یہ اطمینان تھا کہ فارسیوں کی جنگی قوت کی انہوں نے کمر توڑ دی ہے اور ان کے لڑنے کا جذبہ ختم کر ڈالا ہے اور اب مدائن کو محاصرے میں لے کر سلطنتِ فارس کے تابوت میں آخری کیل گاڑ دینی ہے لیکن مدائن سے آنے والے جاسوسوں نے وہاں خاصا عرصہ رہ کر اور شاہی اور عوامی حلقوں میں گھوم پھر کر اور تمام احوال و کوائف کا مشاہدہ کر کے، مثنیٰ بن حارثہ کو جو تفصیلی رپورٹ دی وہ مختصراً یوں تھی کہ فارس کے تخت پر خسرو پرویز کے اکیس سالہ بیٹے کو بٹھا کر وہ جرنیل جو رستم اور پوران کے خلاف ہو گئے تھے، اب ان دونوں کے ساتھ ہو گئے ہیں اور انہوں نے اس عزم کے ساتھ بڑا پکا اتحاد کر لیا ہے اور پوری تیاری کر لی ہے کہ مسلمانوں کو فارس سے زندہ نہیں نکلنے دینا اور مدینہ پر قبضہ کر کے عرب کو سلطنتِ فارس میں شامل کرنا ہے۔

رپورٹ میں یہ بھی تھا کہ فارس کے مختلف علاقوں کے جاگیردار، امراء اور دولت مند تاجر مدائن میں اکٹھے ہوتے اور انہوں نے ہی رستم اور پوران کو مجبور کیا ہے کہ یزدگرد کو تخت پر بٹھایا جائے۔ انہوں نے اپنے اپنے علاقوں سے فوج کے لیے جوان آدمی، گھوڑے اور اونٹ بھیجنے شروع کر دیئے ہیں۔ رستم اور دوسرے جرنیلوں نے بڑے زور و شور سے جنگی تیاریاں شروع کر دی ہیں اور اب کے جو فوج تیار ہو رہی ہے وہ پہلی فوج سے کہیں زیادہ جری اور دلیر ہو گی اور یہ بھی کہ جرنیل اب مثنیٰ کے طریقہ قیادت اور لڑنے کے انداز کے مطابق اپنے جنگی طور طریقوں میں ردّ و بدل کر رہے ہیں۔

"امیرِ لشکر!" ــــ ایک جاسوس نے کہا ــــ "فارس کی اس فوج کو تیار ہوتے کچھ وقت لگے گا۔ یہ فوج آپ کے سامنے آ گئی تو آپ پریشان ہو کر کہیں گے کہ یہ وہ فوج تو نہیں جسے ہم ہر میدان سے بھگاتے رہے ہیں۔ کچھ بندوبست کر لیں۔ کمک منگوا لیں۔ اس تین چار ہزار نفری سے آپ پہاڑ جیسی فوج سے نہیں ٹکرا سکیں گے۔"

مثنیٰ بن حارثہ نے پہلا کام یہ کیا کہ امیر المومنین حضرت عمرؓ کے نام خاصا لمبا پیغام لکھوایا۔ اس میں انہوں نے مدائن کے بدلے ہوئے حالات اور آنے والے خطرات لکھوائے اور زیادہ سے زیادہ کمک کی درخواست کی۔ یہ پیغام قاصد کو دے کر کہا کہ وہ کم سے کم رُکے اور جس قدر

جلدی ہو سکے مدینہ پہنچے اور واپس یہاں نہ آئے بلکہ ذی قار آئے۔

قاصد کو بھیج کر مثنیٰ بن حارثہ نے اپنے لشکر کو تکریت سے کوچ کرایا اور ذی قار کے مقام پہ خیمہ زن ہوئے کیونکہ یہ جگہ فارس اور عرب کی سرحد پر تھی۔ قاصد کے جانے کے کچھ دن بعد انہیں اطلاعیں ملنے لگیں کہ انہوں نے فارس کے جن شہروں اور قصبوں کو فتح کر لیا تھا، وہاں کے لوگ سرکشی اور بغاوت پر اتر آتے ہیں۔ وہاں مثنیٰ نے شہری انتظامات کے لیے جو عمال مقرر کیے تھے ان میں بعض بھاگ آتے اور کچھ مقامی لوگوں کے ہاتھوں قتل ہو گئے۔ یہ بغاوت ان علاقوں کے جاگیردار اور امراء وغیرہ کر دار ہے تھے۔ اس طرح مفتوحہ علاقے مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گئے۔

مثنیٰ بن حارثہ نے اپنے سالاروں سے کہا کہ وہ دن رات دُور دُور تک گشتی ٹولیاں بھیجا کریں۔ فارسی کسی بھی روز حملہ کر دیں گے۔ ہمیں فارس کی فوج کی آمد کی اطلاع قبل از وقت مل جائے تو ہم بجائے کچھ مقابلہ کر سکیں گے۔ اگر نہ کر سکے تو اپنی سرحد قریب ہے۔ پیچھے ہٹ جائیں گے اور قریب سے ہی مدد بھی مل جائے گی۔

حضرت عمرؓ تک قاصد پہنچا تو پیغام پڑھ کر امیر المومنینؓ اتنے پریشان نہ ہوئے جتنے قاصد کی زبانی یہ سن کر گھبرائے کہ مثنیٰ بن حارثہ کا زخم خراب ہو چکا ہے اور لگتا ہے یہ زخم اُن کی جان لے کر رہے گا۔

"خدا کی قسم!" ــــ حضرت عمرؓ نے یہ الفاظ کہے جو ہر مستند مورخ نے لکھے ہیں ــــ "میں شاہانِ عجم سے ملوکِ عرب کو ضرور ٹکراؤں گا۔"

امیر المومنین نے اُسی وقت مختلف قبیلوں کے سرداروں کو پیغام بھجوائے کہ ہاتھ آیا عجم عرب کے ہاتھ سے نکل رہا ہے اور وہاں وہ سپہ سالار جو آگ کی عبادت کرنے والوں کو روکے ہوئے ہے پھیپھڑوں کے زخم سے مر رہا ہے۔

مورخ لکھتے ہیں کہ یہ پیغام اس قدر جوشیلا، اشتعال انگیز اور جذباتی تھا کہ قبیلوں کے سردار اپنے آدمی لے کر مدینہ پہنچنے لگے۔ پیغام بھیج کر حضرت عمرؓ حج کے لیے مکہ چلے گئے۔ فریضۂ حج ادا کر کے واپس آئے تو مدینہ میں لوگوں کا اتنا ہجوم تھا کہ تِل دھرنے کو جگہ نہیں ملتی تھی۔ سعدؓ بن ابی وقاص نے تین ہزار آدمی بھیجے تھے۔ قبیلہ حضرموت، صدف، مذحج، قیس اور غیلان کے سرداروں نے ہزار ہزار، بنو تمیم اور بنو رباب نے چار ہزار اور بنو اسد نے تین ہزار آدمی بھیجے۔

حضرت عمرؓ نے مثنیٰ بن حارثہ کے قاصد کو کچھ ہدایات دے کر یہ بھی کہا تھا کہ دو سرحدی قبیلے ــــ ربیعہ اور مضر ــــ تمہارے قریب ہیں۔ انہیں کہو کہ اپنے زیادہ سے زیادہ آدمی دیں۔

یہ لشکر اتنا بڑا ہوگیا اور اس لشکر کی نوعیت ایسی تھی کہ حضرت عمرؓ خود اس کے سپہ سالار بن گئے اور لشکر کو ساتھ لے کر مدینہ سے تین میل دور صرار کے مقام پر رک گئے۔ جو ایک ... تھا۔ بعض صحابہ کرام کے کہنے پر حضرت عمرؓ اس لشکر کی کمان سے دستبردار ہو گئے اور ... سعدؓ بن ابی وقاص کو بلا کر انہیں لشکر کا سپہ سالار مقرر کیا۔ یہ تفصیلات اس داستانِ ایمان ... کے اگلے باب میں پیش کی جائیں گی۔ یہاں ایک بہت ہی افسوسناک حادثے کا بیان ... معلوم ہوتا ہے۔

حادثہ یہ ہوا کہ ذی قار میں ایک رات مثنیٰ بن حارثہ کی تکلیف اس قدر بڑھ گئی کہ سانس ... لگا۔ طبیبوں نے بہت جتن کیے مگر مثنیٰ پر نزع کا عالم طاری ہوگیا۔ سلمیٰ ان کے پاس موجود تھی۔ مثنیٰ کے بھائی معنیٰ بھی وہیں تھے۔

"معنیٰ!" ـــــ مثنیٰ نے بڑی مشکل سے کہا ـــــ "میرا وقت آن پہنچا ہے۔ میری وصیت ... لو۔ میری جگہ جو سپہ سالار آئے اُسے بتا دینا۔ فارسیوں سے اُس وقت نہ لڑنا جب وہ یکجا ہوں۔ ان کے علاقوں کے اندر جا کر بھی ان سے لڑنا ٹھیک نہیں۔ ان کی سرحد پر رہ کر ان سے ... اور انہیں کمزور کرو۔ اگر تم ان پر غالب آجاؤ تو آگے بڑھو۔ اگر وہ تم پر غالب آجائیں تو پیچھے سرحد میں آجاؤ۔ ہمارے صحرائی راستوں سے عربی واقف ہیں عجمی نہیں۔ وہ تمہارے پیچھے ... گے تو نقصان اٹھائیں گے پھر تم پلٹ کر ان پر حملہ کر سکتے ہو اور پھر تم ان پر غالب بھی ...

یہ وصیت کرتے کرتے مثنیٰ بن حارثہ کو ہلکی سی ہچکی آئی اور وہ اپنے پیچھے شجاعت کی بے مثال داستانیں چھوڑ کر شہید ہو گئے۔

مثنیٰ بن حارثہ کی شہادت معمولی واقعہ نہیں تھا۔ مثنیٰ ایسے وقت شہید ہوئے جب وہ فارس کے اندر خیمہ زن تھے اور ان کے ساتھ مجاہدین کا جو لشکر تھا ... کی تعداد چار ہزار کے لگ بھگ تھی۔ (دو مؤرخوں نے تعداد پانچ ہزار لکھی ہے) اُدھر مدائن سے ... جاسوس اطلاع لاتے تھے کہ وہاں اتنی بڑی فوج تیار ہو رہی ہے جو خود فارس والوں نے پہلے ... بھی نہیں دیکھی تھی۔ ممکن ہی نہیں تھا کہ یہ چار پانچ ہزار مجاہدین اتنی بڑی فوج کا جس کے پاس ہاتھی بھی تھے ... مقابلہ کر سکتے۔ انہیں پسپا ہونا تھا یا جم کر لڑنے کی صورت میں ایک ایک کو شہید ہونا تھا۔ اپنے ... لشکر کو بچانے کے لیے مثنیٰ ذی قار کے مقام پر لے آئے تھے۔ یہ مقام عرب کی سرحد کے ... قریب تھا۔

دوسری اور سب سے زیادہ تشویشناک صورت یہ پیدا ہو گئی تھی کہ مفتوحہ شہروں اور قصبوں میں ... بغاوت ہو گئی تھی اور ان علاقوں پر مسلمانوں کا کنٹرول ختم ہو گیا تھا۔ مثنیٰ بن حارثہ ہی ان علاقوں میں اپنی ... عملداری بحال کر سکتے تھے لیکن اس کے لیے جنگی قوت درکار تھی۔ مدینہ سے کمک کی بروقت آمد ... ضروری تھی۔ کمک بروقت آجانے کی صورت میں بھی یہ یقین نہیں تھا کہ کمک کافی ہو گی۔

مثنیٰ نے کمک کے لیے ایک قاصد مدینہ بھیج دیا تھا اور مدینہ سے کمک چل بھی پڑی ... لیکن مثنیٰ اور ان کے لشکر کو معلوم نہیں تھا۔ مجاہدین پر ہر وقت ہیجان اور پریشانی کی کیفیت طاری ... رہنے لگی تھی۔ انہیں اپنے وہ ساتھی یاد آتے تھے جو فارس کی لڑائیوں میں شہید ہوئے تھے۔ ... مجاہدین اکٹھے بیٹھتے تو اپنے شہیدوں کی باتیں کرتے تھے۔

"کیا یہ خون اور اتنی جانوں کی قربانی رائیگاں جائے گی؟"

"کیا ہم اپنے ساتھیوں کو آتش پرستوں کی زمین میں دفن کرنے کے لیے لائے تھے؟"

"روزِ محشر ہم اپنے ان ساتھیوں کو کیا جواب دیں گے؟"

"ہم زندہ رہے تو شہیدوں کی روحیں ہمیں شرمسار کرتی رہیں گی!"

"اللہ ... اللہ ... تو ہی ہے۔ ہماری نہیں تو ان شہیدوں کی لاج رکھ لے۔"

"ہم بھاگیں گے تو نہیں!"

"انتقام لیں گے، شہیدوں کے خون کے ایک ایک قطرے کا انتقام لیں گے۔"

پُرعزم باتیں.... اللہ کی مدد کی دعائیں.... انتقام.... انتقام.... اور ان جذبوں پر پڑتے تشویش اور بے یقینی کے سائے کہ نہ جانے صبح جاگیں تو حالات کیا رنگ دکھا دیں۔

ان دگرگوں حالات میں سپہ سالار مثنیٰ بن حارثہ شہید ہو گئے۔ اُس وقت طبیب کے علاوہ مثنیٰ کی بیوہ سلمیٰ اور مثنیٰ کے بھائی معنّیٰ ان کے پاس موجود تھے۔ سلمیٰ پر سناٹا تھا۔ اُس کی نظریں مثنیٰ کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں جیسے انہیں یقین نہ آ رہا ہو کہ اس کا عظیم شوہر کے لیے چھوڑ کر اللہ کے پاس پہنچ چکا ہے۔ میاں بیوی کی آپس کی محبت کا یہ عالم تھا کہ سلمیٰ میدان میں بھی مثنیٰ کے ساتھ رہتی تھی۔

خاوند ہونے کے علاوہ مثنیٰ سپہ سالار تھے اور سپہ سالار بھی خالدؓ بن ولید کے پائے کے کو خالدؓ نے اور فارسیوں کو مثنیٰ نے گھٹنوں بٹھا دیا تھا۔ سلمیٰ بیوی ہونے کے علاوہ عرب کی ایک عورت بھی تھی، مجاہدہ بھی تھی، سپہ سالار کی بیوی ہونے کی وجہ سے فنِ حرب و ضرب کی بھی رکھتی تھی۔ اُسے معلوم تھا کہ مثنیٰ کے بعد اس لشکر میں کوئی ایک بھی سالار نہیں جو سوائے کچھ اور سوچنے کی اہلیت رکھتا ہو۔ سلمیٰ یکلخت بیدار ہو گئی اور اُس نے معنّیٰ کی طرف دیکھا۔

"معنّیٰ!" — سلمیٰ نے مثنیٰ شہید کے بھائی سے کہا — "تمہارا بھائی نہیں رہا میرا شوہر رہا لیکن یہ وقت ماتم کا نہیں۔ اسلام ایک ایسے سپہ سالار سے محروم ہو گیا ہے جو فارس کو سلطنت میں شامل کرنے اور فارسیوں کو اسلام سے روشناس کرانے کے لیے گھر سے کیا تم نہیں جانتے کہ یہ مثنیٰ ہی تھا جس نے خلیفہ اوّل ابوبکر صدیقؓ کو اکسایا تھا کہ فارس پر فوج کشی

"ہاں سلمیٰ!" — معنّیٰ نے کہا — "مجھے یاد ہے.... اب بتاؤ کیا کیا جائے؟ لشکر کو سب بد دل ہو جائیں گے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کچھ لوگ یہ سوچ کر واپس چلے جائیں کہ مثنیٰ کے بعد فتح کی امید نہیں.... کیا مثنیٰ کی وفات لشکر سے پوشیدہ رکھی جائے؟"

"نہیں!" — سلمیٰ نے کہا — "یہ خبر پوشیدہ رکھنا اچھا بھی نہیں ممکن بھی نہیں۔ رات آدھی ہے۔ لشکر گہری نیند سویا ہوا ہے۔ صبح فجر کی نماز کے بعد مجاہدین کو جانے نہ دینا۔ مجھے بلا لینا سب کو معلوم ہے کہ سپہ سالار کو زخم نے اتنا معذور کر دیا ہے کہ وہ خیمے میں نماز پڑھتے ہیں

فجر کی نماز کی امامت معنّیٰ بن حارثہ نے کی۔ جب سے مثنیٰ معذور ہوئے تھے امامت کے فرائض معنّیٰ ادا کرتے تھے۔ مثنیٰ رکوع اور سجدے میں تکلیف محسوس کرتے تھے۔ لشکر میں بھی محسوس نہ کیا کہ معنّیٰ کی آواز دبی دبی سی ہے اور ان کی قرأت میں سوز پہلے سے کچھ زیادہ اور دعا کے بعد مجاہدین اُٹھنے لگے تو معنّیٰ اُٹھ کھڑے ہوئے۔

"رک جاؤ میرے رفیقو!" — معنّیٰ نے کہا — "آج کی صبح ہمارے لیے کوئی اچھی خبر نہیں لائی" — معنّیٰ کی آواز رقت میں دب گئی۔

"ہمیں سپہ سالار مثنیٰ بن حارثہ کی صحت کی خبر سنا" — لشکر میں سے ایک آواز اٹھی — "کیا ان کا زخم کچھ ٹھیک ہوا ہے؟"

"نہیں!" — معنّیٰ نے کہا — "اسی زخم کو اپنے سینے میں لیے مثنیٰ بن حارثہ آج رات اللہ کے حضور چلے گئے ہیں۔"

مجاہدین کی کھسر پھسر یکلخت خاموش ہو گئی۔ سناٹا طاری ہو گیا، پھر یہ سناٹا سسکیوں اور پھر ہچکیوں سے لرزنے لگا اور پھر مجاہدین کی دھاڑیں نکل گئیں۔

"مثنیٰ نہیں مر سکتا" — یہ ایک عیسائی کی آواز تھی — "مثنیٰ موت کو بھی شکست دے سکتا ہے۔"

"ہاں، مثنیٰ نہیں مر سکتا" — یہ سلمیٰ کی آواز تھی جو ایک درخت کے پیچھے سر سے پاؤں تک چادر میں لپٹی کھڑی تھی۔ سامنے آکر اُس نے بلند آواز سے کہا — "تم نے ٹھیک کہا ہے، مثنیٰ موت کو بھی شکست دے سکتا ہے۔ وہ جو مر گیا ہے وہ مثنیٰ کا جسم ہے۔ ہم اس جسم کو دفن کر دیں گے لیکن مثنیٰ کو اپنے ساتھ رکھیں گے.... مجاہدینِ اسلام! تم مثنیٰ کی خاطر گھروں سے نہیں نکلے تھے۔ تم اللہ کے حکم سے یہاں آئے تھے۔ مثنیٰ کی موت کا سب سے زیادہ دکھ اور غم مجھے ہونا چاہیے۔ وہ میری زندگی کا رفیق تھا لیکن یہ وقت غم سے نڈھال ہونے کا نہیں۔ مثنیٰ کو اپنے سینوں اور اپنے جذبوں میں زندہ رکھو۔ تم سب مثنیٰ ہو۔ ایک آدمی کی موت سے سب نہیں مر جایا کرتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے جدا ہو گئے تھے تو کفار نے خوشیاں منائی تھیں کہ اب اسلام بھی مر جائے گا۔ ارتداد کا وہ طوفان اُٹھا کہ لگتا تھا یہ روکا نہیں جا سکے گا لیکن خلیفہ اوّل نے روک کر دکھا دیا۔ کیا اس طوفان کو روکنے والے تم نہیں تھے؟ تم میں وہ مجاہدین موجود ہیں جنہوں نے مرتدین کے سر کچل دیئے تھے۔ میں دیکھ رہی ہوں کہ ان میں سے کئی ایک آج تمہارے ساتھ ہیں.... کمک آ رہی ہے، ہمت نہ ہار بیٹھنا۔ کیا تمہیں مثنیٰ کا بھائی مسعود یاد نہیں رہا؟ زخم کھا کر گرنے سے پہلے اُس نے کہا تھا، اے فرزندانِ بنو بکر بن وائل! اپنا پرچم بلند رکھو، اللہ تمہیں بلند رکھے گا۔ خبردار، میری موت سے ہراساں اور بے دل نہ ہو جانا.... پھر مسعود شہید ہو گیا تھا اور مثنیٰ نے اعلان کیا تھا کہ میرا بھائی مارا گیا تو کوئی غم نہیں۔ غیرت منداسی طرح جانیں دیا کرتے ہیں، تمہارا پرچم نہ جھکے.... آج میں تم سے یہی بات کہہ رہی ہوں۔ اسے مثنیٰ اور مسعود کی وصیت سمجھو کہ غیرت منداسی طرح جانیں دیا کرتے ہیں، تمہارا پرچم نہ جھکے.... اپنے آپ میں مثنیٰ کا یہ جذبہ پیدا کرو کہ اُس نے اپنے زخم کی پروا نہ کی اور لڑتا رہا اور غیرت مندوں کی طرح

اپنی جان دے دی۔"

"ہم بھی غیرت مندوں کی طرح جانیں دیں گے" — لشکر میں سے کسی مجاہد نے نعرہ لگانے کے سے انداز میں کہا۔

اس کے ساتھ ہی پورا لشکر جوشیلے نعروں سے پھٹنے لگا۔

یہ تو جوش و خروش تھا جس میں جذباتیت کی جھلک نمایاں تھی اور اس میں مثنیٰ بن حارثہ کی موت کا غم تو خاص طور پر نمایاں تھا۔ جہاں تک حقیقت کا تعلق تھا، وہ اپنی جگہ اٹل تھی۔ بڑا ہی قابل اور انتہائی بھیانک خطرے مول لینے والا اور ان میں سے پورے لشکر کو گزار لے جانے والا سپہ سالار شہید ہو گیا تھا اور مدینہ سے آنے والی کمک کی امید موہوم تھی۔ یہ بھی نہیں بتایا جا سکتا تھا کہ کمک آ بھی گئی تو کافی ہو گی یا ناکافی۔ بہرحال سلمیٰ نے بیوگی کے آنسو پی کر لشکر میں نئی روح پھونک دی۔

یہاں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مثنیٰ کے متعلق کچھ باتیں کی جائیں۔ مثنیٰ بن حارثہ بنو بکر بن وائل کے فرد تھے اور اپنے قبیلے کے پہلے آدمی تھے جنہوں نے اسلام قبول کیا اور ایک لمبے عرصے تک اس قبیلے کے واحد آدمی رہے جنہوں نے اسلام قبول کیا تھا۔ وہ صرف مسلمان ہی نہ ہوتے بلکہ خالدؓ بن ولید کے شانہ بشانہ رومیوں کے خلاف شام میں لڑے اور ایک دو لڑائیوں میں ہی ثابت کر دیا کہ وہ خالدؓ کے ہم پلہ سپہ سالار، میدانِ جنگ کے جارح اور دانشمند قائد ہیں۔

تاریخ شاہد ہے کہ خلیفہ اوّل ابوبکرؓ صرف سلطنتِ روم سے جنگ جاری رکھنا اور اس سے نمٹ کر فارسیوں کے خلاف اعلانِ جنگ کرنا چاہتے تھے۔ یہ مثنیٰ بن حارثہ تھے جو حضرت ابوبکرؓ سے مدینہ جا کر ملے اور انہیں کہا تھا کہ فارسیوں کے خلاف ابھی سے محاذ کھول دیا جائے اور اس کی کمان انہیں دی جائے۔ حضرت ابوبکرؓ خود جنگجو اور مردِ میدان تھے۔ انہوں نے ایک وقت میں دو بڑی طاقتوں کے خلاف محاذ آرائی سے انکار کر دیا لیکن مثنیٰ بن حارثہ نے عملی استدلال سے حضرت ابوبکرؓ سے فارسیوں کے خلاف لڑنے کی منظوری لے لی۔

تاریخ نویس محمد حسنین ہیکل نے لکھا ہے کہ خلیفۂ اوّل ابوبکرؓ کو معلوم ہی نہیں تھا کہ یہ مثنیٰ بن حارثہ کون ہے اور کس قبیلے سے ہے۔

"یہ کوئی گمنام اور مجہول النسب شخص نہیں جسے کوئی جانتا ہی نہ ہو یا جس کا کوئی خاندانی پس منظر ہی نہ ہو" — خلیفہ کی محفل میں بیٹھے ہوئے ایک سرکردہ آدمی قیس بن عاصم منقری نے جواب دیا تھا — "یہ مثنیٰ بن حارثہ شیبانی ہے اور اپنے قبیلے میں پہلا اور واحد فرد تھا جس نے اسلام قبول کیا تھا۔ اس کی کوششوں اور اثر و رسوخ سے کچھ عرصے بعد اس کے پورے قبیلے نے اسلام قبول کر لیا۔"

"کیا تم بنو بکر بن وائل کی بات کر رہے ہو؟" — حضرت ابوبکرؓ نے پوچھا تھا۔

"ہاں!" — قیس بن عاصم نے جواب دیا تھا — "مثنیٰ بن حارثہ بنو بکر بن وائل کا سرکردہ فرد ہے۔ اس کے ایک اشارے پر اس کا پورا قبیلہ جہاد کے لیے نکل آئے گا۔"

مثنیٰ بن حارثہ گورے رنگ کے تندرست و توانا آدمی تھے۔ ایک ٹانگ سے تھوڑا سا لنگڑا کر چلتے تھے۔ مزاج میں تحمل اور بردباری تھی۔ یہ مثنیٰ کی شخصیت اور ان کے کردار کا کرشمہ تھا کہ ان کے لشکر میں عیسائی بھی شامل ہوتے اور عیسائیوں نے میدانِ جنگ میں شجاعت کے جوہر دکھاتے۔ مثنیٰ کے اپنے سگے بھائی، مسعود اور معنّیٰ، ان کے لشکر میں تھے۔ مسعود شہید ہو گئے تھے۔ مثنیٰ کے قبیلے کے ہزاروں افراد ان کے لشکر میں تھے۔

مثنیٰ بن حارثہ کو ہم میدانِ جنگ میں دیکھ چکے ہیں۔ ان کے کردار کی بلندی صرف ایک مثال سے معلوم ہو جاتی ہے۔ وہ جب عراق کے محاذ کے لیے کمک مانگنے آئے تو ابوعبید شہید سب سے پہلے کمک میں شامل ہوتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے ابوعبید کو ہی سپہ سالار بنا دیا، حالانکہ سپہ سالاری کے اہل اور حقدار مثنیٰ تھے۔ ابوعبید تو ان کے مقابلے میں ناتجربہ کار تھے لیکن مثنیٰ نے پرواہ ہی نہ کی اور ابوعبید کے ماتحت ہو گئے۔ ابوعبید کی ناتجربہ کاری کا نتیجہ تھا کہ جسر کی لڑائی میں فارسیوں کے ہاتھوں مسلمانوں کا قتلِ عام ہوا تھا اور خود ابوعبید بھی شہید ہو گئے۔

اب سپہ سالار مثنیٰ تھے۔ انہوں نے جسر کی شکست کا انتقام بویب کے میدانِ جنگ میں لے لیا تھا۔ یہ تھے مثنیٰ بن حارثہ جو تاریخ ساز سپہ سالار تھے اور جو ایسے وقت شہید ہو گئے جب ان کی ضرورت پہلے سے زیادہ شدید ہو گئی تھی اور ان کے محاذ کو کمک کی شدید ضرورت تھی۔ فتح کیا ہوا عراق ہاتھ سے جا رہا تھا۔

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ کمک مدینہ سے نکل آئی تھی۔ یہ بھی سنایا جا چکا ہے کہ کس قبیلے نے کتنے ہزار آدمی دیئے تھے۔ یہ تو قبیلوں کی دی ہوئی اجتماعی کمک تھی، فرداً فرداً جو لوگ اس کمک میں شامل ہوئے کم و بیش ڈیڑھ ہزار تھے۔ اب ہم اس کمک کے متعلق تفصیلات کا بیان ضروری سمجھتے ہیں۔

امیر المومنین حضرت عمرؓ بن الخطاب کو اطلاع ملی کہ مثنیٰ بن حارثہ کو کمک کی ضرورت ہے اور اگر کمک نہ ملی تو فارس کے تمام مفتوحہ علاقے ہاتھ سے نکل جائیں گے۔ یہ پیغام ملتے ہی حضرت عمرؓ نے تمام تر قبیلوں کے سرداروں کو پیغام بھجوا دیئے کہ زیادہ سے زیادہ آدمی بھیجو۔ اس پیغام کا کچھ ذکر پچھلے باب میں آ چکا ہے۔ اس میں حضرت عمرؓ نے یہ بھی کہا تھا کہ جو کوئی لڑنے کے قابل ہے اور جس کے پاس ہتھیار اور گھوڑا ہے وہ مدینہ پہنچ جائے۔

پیغام ایسا تھا کہ مسلمان جوق در جوق مدینہ میں اکٹھے ہونے لگے۔ علامہ شبلی نعمانی، ابوحنیفہ دینوری

اور طبری کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ محاذ پر جانے کے لیے جو لوگ مدینہ میں آئے ان میں رئیس تاجر بھی، شاعر اور مسجدوں کے امام بھی۔ بڑی مسجدوں کے خطیب بھی اپنے ہتھیار اور گھوڑے لے آ گئے تھے۔

حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ یہ لشکر تو بہت بڑا ہے۔ زیادہ مؤرخوں نے اس لشکر کی تعداد چھتیس ہزار لکھی ہے۔ دوسرا پہلو اس لشکر کا یہ تھا کہ معاشرتی طور پر اعلیٰ حیثیتوں اور رتبوں کی شخصیتیں سپاہی بن کر لڑنے کے لیے آ گئی تھیں۔ ان میں چند ایک صحابہ کرامؓ بھی تھے اور مرحوم اور شہید صحابہ کے بیٹے بھی تھے۔ حضرت عمرؓ خلیفہ تھے لیکن وہ اس لشکر کے سپہ سالار بن گئے۔ انہوں نے خلافت کے لیے حضرت علیؓ کو قائمقام مقرر کیا اور لشکر کو ساتھ لے کر چل پڑے۔ حضرت علیؓ انہیں الوداع کہنے کے لیے ان کے ساتھ ہو گئے اور یہ لشکر مدینہ سے تین میل دور صرار کے مقام پر رک گیا۔

مؤرخ بلاذری نے لکھا ہے کہ لشکر میں بیشتر لوگوں کو معلوم نہیں تھا کہ حضرت عمرؓ سپہ سالار بن کر محاذ کو جا رہے ہیں۔ ان کا خیال تھا کہ امیر المومنین یہاں سے واپس مدینہ چلے جائیں گے۔ اس نے تین بڑے پرانے دور کے مؤرخوں کے حوالے سے حضرت عمرؓ کے چہرے کے اس وقت کے تاثرات بیان کیے ہیں جب انہوں نے مدینہ میں لشکر دیکھا اور جب وہ اس لشکر کے ساتھ گھوڑے پر سوار ہو کر مدینہ سے رخصت ہوتے تھے۔

امیر المومنین کے چہرے پر تو ویسے بھی جلالی کیفیت طاری رہتی تھی لیکن اس روز ان کا چہرہ مسرت اور جلال سے دمک رہا تھا۔ گردن میں ذرا سا بھی جھکاؤ نہیں رہا تھا۔ ان کی چال میں لنگڑا پن تھا لیکن اس روز ان کے قدم اس طرح اٹھتے تھے جیسے لنگڑا پن ختم ہو گیا ہو۔ چال ڈھال اور انداز میں نمایاں تبدیلی آ گئی تھی۔

امیر المومنین جب لشکر کے ساتھ مدینہ سے نکلے تو مکانوں کی چھتوں پر اور دروازوں میں عورتیں کھڑی بازو بلند کر کے لہرا رہی تھیں۔ ان میں ضعیف بوڑھے بھی تھے اور بچے بھی۔ امیر المومنین حضرت عمرؓ مدینہ سے تھوڑی دور جا کر رک گئے اور گھوم کے شہر کی طرف دیکھا۔ ہاتھوں اور بازوؤں کا ایک جنگل تھا جو لہرا رہا تھا۔ امیر المومنین دیکھنے لگے، کچھ دیر دیکھتے ہی رہے اور ان کے چہرے کے تاثرات میں تبدیلی آ گئی، پھر انہوں نے آسمان کی طرف دیکھا جیسے کہہ رہے ہوں — "یا اللہ، اس مخلوق کے سامنے مجھے سرخرو رکھنا۔"

حضرت عمرؓ نے جب حج سے واپس آ کر مدینہ میں عراق کے محاذ پر جانے والے رضا کاروں کا ہجوم دیکھا تو انہوں نے گردن اکڑا کر کہا تھا — "میں عراق میں فارسیوں کی شہنشاہی کو بالکل ہی ختم کر کے دم لوں گا۔"

اب ہم صرار چلتے ہیں جہاں مجاہدین کا لشکر رکا ہوا ہے۔ حضرت عمرؓ ابھی بیٹھے ہی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد حضرت عثمانؓ بن عفان ان کے پاس آ کر بیٹھ جاتے ہیں۔

"یا امیر المومنین!" — عثمانؓ بن عفان نے کہا — "میں سارے لشکر میں گھوم پھر آیا ہوں۔ کسی کو بھی معلوم نہیں کہ لشکر کے امیر اور سپہ سالار آپ خود ہیں۔ سب کا خیال ہے کہ آپ یہاں سے واپس چلے جائیں گے۔"

"یہ تو سب کو معلوم ہونا چاہیے" — حضرت عمرؓ نے کہا — "اس لشکر میں قبیلوں کے سردار، علماء، شاعر اور خطیب بھی ہیں۔ میں سب کے مشورے اور اجازت کے بغیر سپہ سالار نہ بنوں تو اچھا ہے.... نماز کا وقت ہو رہا ہے۔ اذان دو اور ہر فرد و بشر نماز کے لیے آئے۔ لشکر کی قیادت کا فیصلہ نماز کے بعد ہو گا۔"

تمام تر لشکر نے باجماعت نماز پڑھی۔ امامت حضرت عمرؓ نے کی۔ نماز کے بعد حضرت عمرؓ اٹھے اور لشکر سے پوچھا کہ ان کا سپہ سالار کون ہونا چاہیے۔

"عمرؓ ابن الخطاب!" — لشکر میں بہت سی آوازیں اٹھیں۔

"امیر المومنین خود سپہ سالار بن کر ہمارے ساتھ چلیں" — کئی آوازیں اٹھیں۔

پھر کچھ دیر تک لشکر — "عمرؓ ابن الخطاب.... امیر المومنین.... خود چلیں.... سپہ سالار عمرؓ ابن الخطاب!" — کی آوازوں سے گونجتا رہا۔

"مجاہدینِ اسلام!" — حضرت عمرؓ نے بڑی بلند آواز سے کہا — "میری اپنی خواہش یہی ہے لیکن یہاں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو مجھ سے زیادہ بہتر فیصلہ کر سکتے ہیں۔ میں ان کے مشورے کے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کروں گا کہ سپہ سالار کون ہو گا۔"

ان رضا کاروں میں چند ایک صحابہ کرام بھی تھے۔ حضرت عمرؓ نے انہیں مشاورت کے لیے روک لیا۔

"میرے رفیقو!" — حضرت عمرؓ نے کہا — "میں لشکر کے سامنے اپنی اس خواہش کا اظہار کر چکا ہوں کہ اس لشکر کی قیادت میں ہی کروں لیکن مشورے کے بغیر اپنے آپ کو تم پر صرف اس لیے مسلط نہیں کروں گا کہ میں خلیفہ ہوں۔ مجھے بتاؤ میں کیا کروں۔"

"آپ مدینہ تشریف لے جائیں امیر المومنین!" — ایک صحابی عبدالرحمٰنؓ ابنِ عوف نے کہا — "اور سپہ سالار کسی صحابی کو مقرر کریں" — عبدالرحمٰنؓ ابن عوف نے جو استدلال پیش کیا وہ تاریخ میں محفوظ ہے۔ انہوں نے کہا — "میدانِ جنگ میں ہمارے لشکروں کا فیصلہ خداوند تعالیٰ کے ہاتھ میں رہا ہے

اور یہ فیصلے خدا کے ہی ہاتھ میں رہیں گے۔ فتح بھی ہو سکتی ہے شکست بھی۔ اگر اس لشکر کے
آپ ہوتے اور ہمیں شکست ہو گئی تو یہ ہزیمت ناقابل برداشت ہو گی۔ اگر آپ کے بغیر ہم شکست
گئے تو آپ مدینہ سے مدد بھیج سکیں گے۔ اگر آپ سپہ سالار ہوئے اور شہید ہو گئے تو
کی تکبیر پڑھنے والا رہے گا نہ کوئی لا الٰہ الا اللہ کی شہادت دینے والا رہے گا۔"

عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے بات مختصر کی تھی لیکن وہ بہت کچھ کہہ گئے تھے۔ وہ کہنا یہ چاہتے
کہ حضرت عمرؓ میں شخصیت کی جو عظمت، کردار کی جو بلندی، عزم کی جو پختگی اور انتظامی
ہے وہ کسی اور میں کم ہی نظر آتی ہے۔ حضرت عمرؓ کے خیالات انقلابی تھے۔ عبدالرحمٰنؓ بن عوف
دلیل کو صحابہ کرام جو وہاں موجود تھے، سمجھ گئے۔ سب نے تائید کی لیکن یہ بھی کہا کہ سپہ سالار کوئی
ہونے چاہئیں۔

"میں تمہارے فیصلے کا پابند رہوں گا" ـــــ حضرت عمرؓ نے کہا ـــ "لیکن جس جنگ کے لئے
جا رہے ہیں وہ اُن جنگوں سے بہت ہی زیادہ خوفناک ہو گی جو ہم نے آج تک لڑی ہیں۔ صحابہ
سے صرف دو پر میری نظر جاتی ہے لیکن دونوں شام کے محاذ پر رومیوں سے لڑ رہے ہیں۔ خا
ولید اور ابوعبیدہؓ" ـــــ حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ کی طرف دیکھا۔

علامہ شبلی نعمانی نے کچھ حوالے دے کر لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ سے کہا
اس لشکر کے ساتھ سپہ سالار کی حیثیت سے جائیں لیکن حضرت علیؓ نے انکار کر دیا۔ کسی بھی مورخ
انکار کی وجہ نہیں لکھی۔

ابھی مختلف نام پیش ہو ہی رہے تھے کہ دُور سے دوڑتے گھوڑے کے ٹاپ سنائی دیـ
لگے۔ گھوڑا اِدھر ہی آ رہا تھا۔ قریب آکر گھوڑا رُکا۔ سوار کود کر اُترا اور دوڑ کر حضرت عمرؓ کی محفل میں
"السلام علیکم یا امیرالمومنین!" ـــــ سوار نے کہا اور ایک تحریری پیغام حضرت عمرؓ کو دیتے
کہا ـــ "الحمدللہ آپ یہیں مل گئے ہیں۔ سعدؓ بن ابی وقاص کا پیغام لایا ہوں۔ اُنہوں نے کہا تھا
امیرالمومنین صرار کے چشمے پر مل جائیں گے۔"

"اللہ تجھے سلامت رکھے" ـــ حضرت عمرؓ نے کہا ـــ "تُو بہت ہی تیز آیا ہے۔ بیٹھ جا۔
سعدؓ کہاں ہے؟"

"نجد میں!" ـــــ سوار نے جواب دیا۔

حضرت عمرؓ نے سعدؓ بن ابی وقاص کا پیغام پڑھ کر سب کو سنایا۔ انہوں نے لکھا تھا:
"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم! امیرالمومنین عمرؓ ابن الخطاب کے نام۔ تین ہزار آدمی بھیج چکا ہوں جن
تعداد سواروں کی ہے۔ یہ آپ کے ساتھ جا رہے ہیں۔ میں نے ایک ہزار مزید سوار تیار کئے ہیں جو جا

عقل مند اور بہت ہی بہادر اور نڈر ہیں۔ ان کا انتظار کر کے آگے بڑھیں۔"

"سپہ سالار مل گیا" ـــــ عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے بیتابی سے نعرہ لگایا۔

"کون؟" ـــــ حضرت عمرؓ نے پوچھا۔

"کچھار کا شیر" ـــــ عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے کہا ـــــ "سعدؓ بن ابی وقاص!"

یہ گفتگو ـــ جس کا ایک ایک لفظ تاریخ کے دامن میں محفوظ ہے۔ مورخ ابن خلکان نے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے سعدؓ بن ابی وقاص کا نام سنا تو سوچ میں پڑ گئے اور کچھ دیر خاموش رہے۔ خاموشی کی وجہ یہ تھی کہ سعدؓ بن ابی وقاص کی شجاعت اور بے خوفی میں کسی کو شک نہ تھا لیکن جہاں تک میدانِ جنگ میں جنگی تدبیروں اور قیادت کا تعلق تھا، حضرت عمرؓ مطمئن نہیں تھے لیکن وہاں جتنے صحابہ کرام موجود تھے، ان سب نے عبدالرحمٰنؓ بن عوف کی پُرزور تائید کی۔ وہاں چند اور صاحب الرائے شخصیتیں بھی موجود تھیں۔ ان سب نے سعدؓ بن ابی وقاص کے حق میں رائے دی۔

"فوراً واپس نجد جاؤ" ـــــ حضرت عمرؓ نے سعدؓ بن ابی وقاص کے قاصد سے کہا ـــ "تمہارا گھوڑا تھکا ہوا ہے۔ کوئی مضبوط گھوڑا لے جاؤ اور سعدؓ سے کہو کہ فوراً یہاں آجاؤ۔ اپنے ایک ہزار سوار ساتھ لیتے آنا۔ تمہیں اس لشکر کا سپہ سالار مقرر کر دیا گیا ہے۔"

سعدؓ بن ابی وقاص کے متعلق کچھ تعارفی باتیں ہو جائیں تو بے محل نہ ہوں گی۔ سعدؓ صحابی ہی نہیں تھے بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں بھی تھے۔ وہ قریش کے ابتدائی مسلمانوں میں سے تھے۔ انہوں نے سترہ سال کی عمر میں اسلام قبول کیا تھا۔ سعدؓ کہا کرتے تھے ـــ "میں نے اُس وقت اسلام قبول کیا تھا جب اللہ نے ابھی نماز فرض نہیں کی تھی۔ مجھ سے پہلے کوئی اور مسلمان نہیں ہوا تھا صرف ایک آدمی اُس روز مسلمان ہوا تھا جس روز میں نے اسلام قبول کیا تھا۔ ایک دن ایسا بھی تھا جس دن میں تیسرا مسلمان تھا۔"

دراصل مردوں میں سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ صدیق نے اسلام قبول کیا تھا اور خواتین میں حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ نے۔ سعدؓ بن ابی وقاص کا مطلب غالباً یہ تھا کہ نوجوانوں میں سب سے پہلے انہوں نے اسلام قبول کیا تھا۔ (واللہ اعلم) ہم نے یہ تحریر براہِ راست عربی کی ایک تحریر سے ترجمہ کی ہے۔

سعدؓ بن ابی وقاص کی بیٹی عائشہ نے اُن کا حلیہ اس طرح بیان کیا تھا ـــــ "میرے والد کا قد چھوٹا، جسم دوہرا، ہاتھوں کی انگلیاں مضبوط اور ان پر بال زیادہ تھے۔ سر، داڑھی اور مونچھوں کو خضاب لگایا کرتے تھے۔"

سعدؓ دولت مند تھے۔ قیمتی لباس پہنتے تھے لیکن ان کے انداز اور طور طریقے امیرانہ نہیں تھے۔

میدانِ جنگ میں شجاعت کے غیر معمولی جوہر دکھاتے تھے اور ممتاز شہسوار تھے۔ تمام ترغزوا
میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔ اُحد کی لڑائی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
چند ایک تیر اندازوں کو ایک خاص جگہ کے لیے منتخب کیا تھا، ان میں سعدؓ بن ابی وقاص بھی تھے

اُحد کی ہی لڑائی کا مشہور واقعہ ہے کہ بہت سے آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ چھوڑ گئے تھے اور دشمن نے آنحضورؐ کو تقریباً گھیر لیا تھا۔ ایسی خطرناک صورتِ حال میں سعدؓ آنحضورؐ کی حفاظت میں سینہ سپر رہے۔ ان کے ہاتھ میں کمان تھی اور اس کمان سے نکلے ہوئے تیر دشمن کو ترِ بتر کر دے رہے تھے۔

حسنین ہیکل نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سعدؓ سے کہا — "میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں۔ اسی طرح تیر چلاتے رہنا۔"

تاریخِ اسلام یہ بھی گواہی دیتی ہے کہ اسلام کے لیے سب سے پہلا تیر سعدؓ بن ابی وقاص نے چلایا تھا۔ وہ اس طرح کہ سعدؓ حجاز کی وادئ رابغ کے ایک چشمے پر تھے کہ ان کا آمنا سامنا قریش کی ایک ٹولی سے ہو گیا جس کا سردار ابوسفیان تھا۔ تصادم کا خطرہ تھا۔ خطرہ شاید ایک تیر نے ٹال دیا تھا جو ان چند ایک مسلمانوں کی طرف سے چلا تھا۔ یہ تیر سعدؓ بن ابی وقاص کی کمان سے نکلا تھا۔

تاریخ میں سعدؓ بن ابی وقاص کے یہ الفاظ ملتے ہیں — "میں پہلا عربی ہوں جس نے اللہ کی راہ میں تیر چلایا تھا۔"

تاریخ میں ایک اور روایت ملتی ہے۔ سعدؓ بن ابی وقاص جوانی میں ایسے بیمار ہوئے کہ بچنے کی اُمید نہ رہی۔ ان کی اولاد صرف ایک بیٹی تھی۔ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی عیادت کو گئے

"یا رسول اللہؐ!" — سعدؓ نے کہا — "میرے پاس بہت دولت ہے۔ کیا میں وصیت کر دوں کہ میری دولت کے تین حصوں میں سے ایک حصہ بیٹی کے لیے اور دو حصے مسلمانوں کے لیے ہوں؟"

"نہیں!" — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"دو حصے؟"

"نہیں سعدؓ!" — رسول اللہؐ نے فرمایا۔

"ایک تہائی؟"

"ایک تہائی؟" — رسول اللہؐ نے فرمایا — "یہ بھی زیادہ ہے، لیکن بہتر ہے کہ اپنے وارثوں کو دولت مند چھوڑو بجائے اس کے کہ وہ دوسروں کے آگے ہاتھ پھیلاتے پھریں۔"

سعدؓ بن ابی وقاص بات سمجھ گئے۔

یہ تھے سعدؓ بن ابی وقاص جنہیں امیرالمومنین حضرت عمرؓ نے فارس کی بادشاہی کے خلاف فیصلہ کن جنگ لڑنے کے لیے سپہ سالار بنایا تھا۔

سعدؓ امیرالمومنین کا پیغام ملتے ہی نجد سے مدینہ پہنچ گئے۔

"اے سعدؓ!" — حضرت عمرؓ نے ہدایات دیتے ہوئے کہا — "اے سعادتِ بنو وہیب! کبھی ایسا تکبر نہ کرنا نہ ایسا غرور دل میں رکھنا کہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ماموں اور صحابی ہے۔ جو کچھ ہے وہ تو خود ہے اور تیرے اپنے اعمال ہیں.... اللہ بُرائی سے بُرائی کو نہیں نیکی سے مٹایا کرتا ہے۔ اور اللہ اور بندے کے درمیان اطاعت کے سوا کوئی دوسرا رشتہ نہیں۔ اللہ کے نزدیک سب برابر ہیں۔ برتری صرف اُسے حاصل ہوتی ہے جو اطاعت کوش ہو مسئلہ کوئی بھی ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت کے مطابق عمل کرنا اور صبر و استقامت کا دامن نہ چھوڑنا.... جہاں کہیں پڑاؤ کرو وہاں کے حالات اور اس جگہ کی تفصیل لکھنا۔ پیغام رسانی کا انتظام بہت تیز رکھنا اور یہ نہ بھولنا کہ جس طرح ہم کہتے ہیں کہ سلطنتِ فارس کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیں گے اسی طرح فارسی اسلام کو اور مسلمانوں کو ہمیشہ کے لیے ختم کرنے کا عہد کیے ہوئے ہیں اور وہ بہت بڑی فوج تیار کر رہے ہیں۔ وہ انسانوں، گھوڑوں، ہاتھیوں اور ہتھیاروں کا ایسا طوفان ہو گا جس کے سامنے تمہارا لشکر خس و خاشاک جیسا ہو گا....

"صبر و استقلال سے کام لینا۔ دشمن مکار اور فریب کار ہے اور اُس کی یہی فطرت اُس کی شکست کا باعث بنے گی۔ تم احسان اور کرم نوازی سے پیش آنا۔ جو فارسی تمہاری قید میں آ جائیں ان پر رحم کرنا۔ فارسی متحد ہو بھی گئے تو گھبرانا نہیں۔ ان کے دل متحد نہیں ہوں گے۔ اگر تمہیں پیچھے ہٹنا پڑے تو عرب کی سرحد کے اندر آ جانا۔ فارسی ان ریتلے ٹیلوں اور صحرا سے واقف نہیں۔ وہ بھٹک جائیں گے پھر تم پلٹ کر ان پر حملہ کر سکتے ہو۔"

ایسی ہی کچھ اور ہدایات دے کر حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ نے اس لشکر کو جس کی تعداد ان چند دنوں میں اور بڑھ گئی تھی، سعدؓ بن ابی وقاص کی قیادت میں رخصت کیا۔

مؤرخ طبری نے لکھا ہے کہ اس لشکر میں ستّر ایسے صحابہ کرام تھے جو غزوۂ بدر میں لڑے تھے۔ تقریباً تین سو ایسے بزرگ تھے جو فتح مکّہ میں شریک تھے اور سات سو صحابہ کرام کے بیٹے تھے۔ کیا لشکر تھا.... بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہو گئے تھے۔ کسی کو اس لیے دوسروں پر برتری حاصل نہیں تھی کہ اُس کا قبیلے میں اونچا مقام تھا، اور کسی کو اس لیے کمتر نہیں سمجھا جا رہا تھا کہ وہ مفلس ہے۔ سب کا درجہ ایک تھا۔ سب کی ذات ایک تھی.... مسلمان.... مجاہد.... سب کا عزم ایک اور جذبہ ایک تھا۔ ان میں کوئی بھی اقتدار کا خواہاں نہ تھا۔ رئیس اور قبیلوں کے سردار ایسا

دعویٰ نہیں کرتے تھے کہ انہیں اونچے عہدے اور رتبے دیئے جائیں۔ وہاں تو یہ عالم تھا کہ خلیفۂ وقت لشکر کے سپہ سالار بن کر گئے تو ایک دو افراد نے انہیں ٹوک دیا اور سپہ سالار کسی کو بنا دیا۔ خلیفہ نے بلا حیل و حجت اپنا فیصلہ بدل کر اپنے احباب کا فیصلہ مان لیا۔

مدائن کے اندر اور باہر یہ عالم تھا جیسے یہ بہت بڑا فوجی کیمپ ہو۔ ہر جگہ فوج ہی فوج تھی۔ میدانوں میں گھوڑے دوڑ رہے تھے۔ نو آموزوں کو شہسوار بنایا جا رہا تھا۔ کہیں تیغ زنی کی مشق ہو رہی تھی۔ قلعے کی دیواروں پر نشان لگا کر تیر چلا رہے تھے۔ فوجیوں کا شور و غل اتنا کہ کانوں پڑی آواز نہیں سنائی دیتی تھی۔ ایک میدان میں ہاتھیوں کو دوڑایا اور تھوڑے تھوڑے فاصلے پر دائیں، بائیں اور پیچھے کو گھمایا پھرایا جا رہا تھا۔ یہ میدانِ جنگ کی حرکات اور بھاگ دوڑ کی مشق تھی۔

دیکھ کر ہی اندازہ ہوتا تھا کہ بہت بڑی جنگ کی تیاری ہو رہی تھی اور فوج کی تعداد دیکھ کر یوں معلوم ہوتا تھا جیسے دنیا کی کسی بہت ہی بڑی جنگی طاقت کے خلاف اتنی زیادہ فوج تیار کی جا رہی ہے۔ فوج کی تعداد دیکھ کر کہا جا سکتا تھا کہ یہ فوج جدھر یلغار کرے گی اُدھر نہ کوئی بستی کھڑی رہے گی نہ کوئی پہاڑ، اور یہ فوج بڑے ہی تیز و تند طوفان کی طرح اپنے پیچھے کھنڈر اور لاشیں چھوڑ جائے گی۔

مثنیٰ شہید کے دو جاسوس مدائن میں موجود تھے۔

فارس کا نیا بادشاہ یزدگرد گھوڑے پر سوار، آٹھ دس گھوڑ سوار محافظوں کے نرغے میں یہ فوجی تیاریاں دیکھتا پھر رہا تھا۔ رستم اس کے ساتھ رہتا تھا بلکہ یزدگرد کو رستم کی شجاعت اور جنگی قیادت پر بھروسہ تھا۔ رستم کی شجاعت اور جارحانہ قیادت کی مثالیں افسانے نہیں تھیں۔ یہ حقیقت تھی کہ رستم میدانِ جنگ کی ایک دہشت کا نام تھا۔ یہ دہشت رومیوں جیسی جنگجو قوم پر بھی طاری ہو چکی تھی۔

یزدگرد جو اکیس سال کا نوجوان تھا، جوش و خروش سے پھٹا جا رہا تھا۔ اس کی ماں تھی جو اس کے لیے پریشان رہتی تھی۔ اس ماں کو اپنے وطن کی نسبت اپنے بیٹے سے زیادہ پیار تھا۔ سلطنت قائم رہتی ہے یا نہیں، وہ اپنے بیٹے کو زندہ و سلامت دیکھنا چاہتی تھی۔ اس بیٹے کو اس نے کم [illegible] سے ایک گاؤں میں چھپا کر رکھا ہوا تھا۔

"رستم!" — یزدگرد کی ماں نے رستم سے کہا تھا — "تو جانتا ہے فارس کا تخت و تاج اب تک کتنے وارثوں کا خون پی چکا ہے۔ میرے دل میں ایسی کوئی خواہش نہیں کہ میرا بیٹا فارس کا بادشاہ رہے۔ جب کبھی تجھے شک ہوا کہ تخت کا کوئی اور وارث میرے بیٹے کو قتل کرنا چاہتا ہے تو مجھے بتا دینا۔ میں بیٹے کو یہاں سے لے جاؤں گی..... رستم! سن لے..... میرے بیٹے کو کچھ ہو گیا تو تو زندہ بھی نہیں رہے گا۔ ان ہاتھوں سے تیرے جسم کی بوٹیاں نوچ لوں گی..... وہ ڈائن شیریں..... شیریں

ماں زندہ ہے۔ وہ اپنے بیٹے کے قتل کا انتقام میرے بیٹے سے لے گی۔"

"نورین!" — رستم نے اُسے یقین دلایا تھا — "تیرا بیٹا قتل نہیں ہو گا۔ اسے ہم نے خود بلایا ہے۔"

یزدگرد کی ماں نورین نے یہی خدشہ ساران کو بتایا تھا۔ اس گفتگو کی تفصیلات پہلے سنائی جا چکی ہیں۔ اب جب فوج تیار ہو رہی تھی، ایک روز یزدگرد مدائن سے باہر گھوڑے پر سوار نو آموز جوانوں کی ٹریننگ دیکھتا پھر رہا تھا، اس کی ماں قلعے کی دیوار پر کھڑی اُسے دیکھ رہی تھی۔

"نورین!" — اُسے اپنے قریب آواز سنائی دی۔

"اوہ!" — نورین نے دیکھا اور چونک کر کہا — "ساران!..... اچھا ہوا تم آ گئے ہو۔ میرا دل گھبرا رہا تھا۔ وہ دیکھو میرا بیٹا اپنی فوج کو دیکھ رہا ہے۔ یہ میری نظروں سے اوجھل ہوتا ہے تو میرے دل کو کچھ ہونے لگتا ہے۔"

"تمہارے دل کو کچھ نہیں ہونا چاہیئے نورین!" — ساران نے کہا — "اس کی سلامتی کی ذمہ داری میری ہے۔ ایک تو اس کے ساتھ اپنے محافظ ہیں۔ دو محافظ میں نے اس کے ساتھ لگائے ہوتے ہیں جو کسی کو نظر نہیں آتے۔ نظر آئیں بھی تو انہیں کوئی نہیں جانتا۔"

"کیا مجھے رستم پر اعتبار کرنا چاہیئے؟" — نورین نے پوچھا۔

"ہاں!" — ساران نے جواب دیا — "تمہیں رستم پر اعتبار کرنا چاہیئے۔ یزدگرد کو بھی اس پر اعتبار ہے۔"

جس رستم پر یزدگرد اور ساران کو اعتبار تھا وہ ایک روز مدائن سے تھوڑی ہی دور ایک بستی میں ذرا الگ تھلگ ایک مکان کے اندر بیٹھا تھا۔ باہر سے تو یہ مکان عام سا اور کسی عام سے آدمی کا لگتا تھا لیکن کمروں کے اندر جا کر پتہ چلتا تھا کہ یہ کسی رئیس کا مکان ہے۔ یہاں کوئی رئیس نہیں بلکہ یہاں شیریں رہتی تھی جو کسریٰ (خسرو) پرویز کی چہیتی ملکہ تھی۔ فارس کی قسمت اس ملکہ کے ہاتھ میں تھی۔ جرنیل اس کے آگے جھکے جھکے رہتے تھے۔ یہ بات اب پرانی ہو گئی تھی۔

شیریں اس مکان میں چوری چھپے نہیں رہتی تھی۔ سب جانتے تھے یہ شیریں ہے جس کے اشارے پر سر قلم ہو جایا کرتے تھے۔ لوگ اسے دیکھ کر کہا کرتے تھے کہ دوسروں کی قسمتیں بنانے اور بگاڑنے والی کی اپنی قسمت دیکھو۔ پہلے سنایا جا چکا ہے کہ اپنے بیٹے شیرویہ کو بادشاہ بنانے کے لیے اس نے کس عیاری سے اپنے خاوند خسرو پرویز کو دھوکے دیئے اور تمام جرنیلوں کو اس کے خلاف کر دیا تھا، پھر شیریں نے اپنے بیٹے کے ہاتھوں کسریٰ کے تمام بیٹوں کو جو دوسری بیویوں سے تھے، اپنے سامنے قتل کروا دیا تھا، پھر اپنے سترہ بھائیوں اور اپنے باپ کا قاتل

بیٹا اُس کے سامنے قتل ہُوا۔

خسرو پرویز کی بیٹی پوران دخت تخت نشین ہُوئی تو اُس نے رستم کو اپنا وزیر بنا لیا، رستم فوج کا کمانڈر انچیف تھا اور وہ تمام تر اختیارات جو بادشاہ کو حاصل ہوتے ہیں وہ پوران نے رستم کو دے دیئے اور پوران نے عورت کی حیثیت سے اپنا آپ بھی رستم کے حوالے کر دیا تھا۔ پُوران سلطنت فارس کو تباہی و بربادی سے بچانے کے لیے تخت نشین ہوئی تو خسرو پرویز کی تمام بیویاں اور داشتائیں مدائن سے نکل گئیں اور مختلف بستیوں میں جا آباد ہُوئیں۔ شیریں زیادہ دُور نہیں گئی تھی۔ مدائن کے قریب ہی ایک گاؤں میں آباد ہو گئی تھی۔

ایک روز جب مسلمانوں کا لشکر سعدؓ بن ابی وقاص کی قیادت میں مدائن کی طرف جا رہا تھا اور مدائن میں ایک بہت بڑی فوج تیار ہو رہی تھی، رستم شیریں کے گھر میں بیٹھا تھا۔ وہ بادشاہ قسم کا آدمی تھا۔ جہاں چاہتا اور جس وقت چاہتا جا سکتا تھا۔ شیریں کے پاس وہ پہلی بار نہیں آیا تھا۔ شیریں بڑھاپے میں تو کبھی کی داخل ہو چکی تھی لیکن جوانی کے انداز ابھی باقی تھے اور یہ انداز اس عیاری کے آئینہ دار تھے جن سے اُس کی فطرت بنی تھی۔

"کیا سوچ کر آئے ہو رستم؟" ــــ شیریں نے رستم سے پُوچھا ــــ "تم نے کہا تھا کہ اب آؤ گے تو اپنا فیصلہ سناؤ گے...... میں نے اپنے بیٹے کا انتقام لینا ہے۔ اس کے لیے اگر فارس کی شہنشاہی ختم ہو جاتی ہے تو ہو جائے۔"

"حالات میرے سامنے ہیں" ــــ رستم نے کہا ــــ "تم بھی دیکھ رہی ہو۔ ان حالات میں تمہارا مقصد پورا نہیں ہو سکتا۔ یزدگرد کو میں نے تخت پر نہیں بٹھایا۔ اسے سرکردہ لوگ لائے ہیں۔ ان لوگوں نے کہا تھا کہ جرنیلوں نے اپنے اختلافات ختم نہ کیے تو وہ شاہی خاندان کے خلاف بغاوت کر دیں گے۔ تم دیکھ رہی ہو کہ مدائن میں کس طرح فوج تیار ہو رہی ہے اور کس طرح لوگ دوڑ دوڑ کر آ رہے ہیں اور فوج میں شامل ہوتے جا رہے ہیں۔ یہ بھی تم جانتی ہو کہ لوگوں نے بغاوت کر کے مسلمانوں سے اپنے علاقے واپس لے لیے ہیں۔ یوں سمجھ لو کہ اس وقت فارس کی بادشاہی لوگوں کے ہاتھوں میں ہے۔ یہ حالات جلدی بدل جائیں گے پھر جو کہو گی وہی کر دوں گا۔"

"میرے قریب آؤ رستم!" ــــ شیریں نے رازدارانہ لہجے میں کہا اور جب رستم سرک کر اُس کے قریب ہو گیا تو اُس نے کہا ــــ "مجھے تمہاری ضرورت ہے اور میں اپنی یہ ضرورت پُوری کرنے کا معاوضہ دوں گی...... ایک راز ہے جو تمہیں بتانا چاہتی ہوں۔ میں نے اچھا خاصا خزانہ ایک جگہ چھپا رکھا ہے۔ اس کے لیے مجھے ایک مرد کی ضرورت ہے۔ میں اکیلی عورت کیا کر سکتی ہوں۔ وہ مرد تم ہی ہو سکتے ہو۔ تم جانتے ہو مجھے تم پر پورا پورا اعتماد ہے۔"

"کیا کرو گی اس خزانے کو؟" ــــ رستم نے پوچھا۔

"تمہارے اور میرے کام آئے گا" ــــ شیریں نے کہا ــــ "پہلے یہ بتاؤ کہ مسلمانوں کے سامنے مدائن کا مستقبل کیا ہے؟"

"اچھا نظر نہیں آتا" ــــ رستم نے جواب دیا ــــ "اب ہم بہت زیادہ فوج تیار کر رہے ہیں مسلمان اتنی فوج کبھی نہیں لا سکتے پھر بھی مجھے شک ہے کہ ہماری فوج میدان میں جم نہیں سکے گی۔"

"کیا تم ایسی کوشش کر سکتے ہو کہ جنگ ٹلتی رہے؟" ــــ شیریں نے پوچھا۔

"کر سکتا ہوں" ــــ رستم نے کہا۔

"تو کرو" ــــ شیریں نے کہا ــــ "جنگ کو ٹالنے کی کوشش کرو...... میں تمہیں صاف بتا دیتی ہوں، میں نے اس ملک کی ملکہ بننا ہے۔ تم جانتے ہو کہ میری بادشاہی میں تمہارا رتبہ کیا ہو گا۔ اگر مدائن پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا تو تمہارا کام یہ ہو گا کہ مجھ تک پہنچو۔ تمہارے ساتھ چند ایک غلام ہونے چاہئیں جو اس جگہ کی کھدائی کریں گے۔"

"کیا اُن لوگوں کی طرف سے تمہیں خطرہ نہیں جن سے تم نے خزانہ دفن کرایا تھا؟" ــــ رستم نے پُوچھا۔

"نہیں!" ــــ شیریں نے جواب دیا ــــ "کوئی خطرہ نہیں۔ وہ چھ آدمی تھے۔ خزانہ دفن کرنے کے بعد ایک بھی زندہ نہیں رہا۔ میں نے ان سب کو کھانے میں زہر دے دیا تھا اور اُن کی لاشیں دریا میں بہا دی تھیں...... رستم! جنگ ہُوئی تو تم زندہ رہنے کی کوشش کرنا۔ میں نے یہ خزانہ کسریٰ پرویز کی زندگی میں ہی چوری چھپے جمع کرنا شروع کر دیا تھا۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ بادشاہوں کا کیا بھروسہ۔ جب چاہیں اُٹھا کر باہر پھینک دیں...... کیا تم میرا مطلب سمجھ گئے ہو رستم؟"

رستم اُس کے عزائم کو سمجھ گیا تھا۔ اُس نے شیریں سے وعدہ کیا کہ وہ خود میدانِ جنگ میں جانے سے گریز کرے گا اور حالات جیسے بھی ہوتے وہ شیریں تک پہنچے گا۔

مدائن میں جنگی تیاریاں زور و شور سے ہو رہی تھیں، اُدھر سے مسلمانوں کا لشکر آ رہا تھا۔ حضرت عمرؓ نے سعدؓ بن ابی وقاص سے ٹھیک کہا تھا کہ آتش پرست قوم مکار اور عیار ہے۔ یہ قوم اگر ایک محاذ پر متحد ہو بھی گئی تو خطرہ پھر بھی نہیں ہو گا کیونکہ اتحاد میں بھی فارسیوں کے دلوں کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہو گا۔ رستم جو نامور جرنیل تھا، بظاہر جنگی تیاریوں میں مصروف تھا، در پردہ اُس کی دلچسپی شیریں کے خزانے کے ساتھ تھی۔ یزدگرد کو تخت پر بٹھا کر وہ خوش تھا۔

سعدؓ بن ابی وقاص اپنے لشکر کے ساتھ ایک مقام پر پہنچے جس کا نام شراف تھا اور وہاں خیمہ زن ہو گئے۔ اسی شام ذی قار سے ایک قاصد شراف پہنچا۔ وہ مثنیٰ بن حارثہ کی شہادت کا پیغام لیے

مدینہ جا رہا تھا۔ سعدؓ نے جب مثنیٰ کی شہادت کی خبر سنی تو اُن پر سناٹا طاری ہوگیا۔ مثنیٰ کی سب سے زیادہ ضرورت تو اَب تھی۔

حضرت عمرؓ نے سعدؓ بن ابی وقاص سے کہا تھا کہ وہ جہاں کہیں بھی پڑاؤ کریں، وہاں کا محلِ وقوع تفصیل سے لکھیں۔ تاریخ کے مطابق حضرت عمرؓ کے الفاظ یہ تھے — "اپنے تمام احوال وکوائف مجھے تفصیل سے لکھنا اور یہ بھی لکھنا کہ تم دشمن سے کتنی دُور ہو۔ تمہارا خط اتنی زیادہ تفصیلات کا حامل ہونا چاہیئے جیسے میں تمہیں دیکھ رہا ہُوں"۔

سعدؓ کو شراف کے مقام پر زیادہ عرصہ رکنا پڑا کیونکہ ابھی تک اِکّے دُکّے لوگ لشکر میں شامل ہونے کے لیے آرہے تھے۔ شام سے ہاشم بن عتبہ کی زیرِکمان آٹھ ہزار رضاکاروں کا لشکر آرہا تھا۔ شراف کے پڑاؤ کو طول دینے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ یہاں سے اس لشکر کی ترتیب اور تنظیم نو کر کے آگے بڑھنا تھا۔

حضرت عمرؓ تک ایک پیغام سعدؓ بن ابی وقاص کا پہنچا جس میں اُنہوں نے تمام تر احوال وکوائف لکھ کر درخواست کی تھی کہ امیرالمومنین لشکر کی تنظیم لکھ کر بھیجیں اور ہر حصّے کا سالار بھی مقرر کر دیں۔ حضرت عمرؓ نے فوراً لشکر کی تنظیم اور ہر حصّے کی کمان لکھ دی۔ یہ تفصیل تاریخ میں موجُود ہے۔ یہ اس طرح تھی:

ہراول کا سالار زہرہ بن عبداللہ بن قتادہ کو مقرر کیا گیا۔ یہ زمانۂ جاہلیت میں بحرین کے بادشاہ کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور خود حاضر ہوتے اور اپنی ساری رعایا کے ساتھ اسلام قبول کیا تھا۔

لشکر کے میمنہ (دائیں پہلو) کی سالاری عبداللہؓ بن المعتصم کو دی گئی۔ یہ صحابی تھے۔

میسرہ (بایاں پہلو) ایک جواں سال مجاہد شرحبیل بن السمط کو دیا گیا۔ انہوں نے ارتداد کی جنگ میں شجاعت اور قیادت میں شہرت حاصل کی تھی۔

ساقہ (پچھلا حصّہ، ریئر گارد) عاصم بن عمرو التمیمی کے زیرِکمان رکھا گیا۔

طلایع (گشتی دستے) کے کماندار سواد بن مالک، مجرد (بے قاعدہ فوج) کے سلمان بن ربیعہ، پیادہ فوج کے حمال بن مالک الاسدی اور شُتر سوار دستے کے کماندار عبداللہ بن ذی السہمین مقرر کیے گئے۔

قاضی عبداللہ بن ربیعہ الباہلی تھے اور خزانچی کے فرائض بھی انہی کے سپرد تھے۔

رائد (رسد) کی فراہمی اور تقسیم کے انچارج مشہور ومعروف صحابی سلمان فارسیؓ تھے۔ فارس کے رہنے والے تھے۔ جنگِ خندق میں خندق کا تصوّر اُنہوں نے ہی دیا اور خندق کھدوائی تھی۔

عربوں اور فارسیوں کے درمیان ترجمانی کے فرائض ہلال ہجری کو دیئے گئے اور منشی

بن ابی سفیان کو مقرر کیا گیا۔ لشکر کے ساتھ طبیب بھی تھے لیکن ان کی تعداد نہیں لکھی گئی نہ ان کے نام کسی تاریخ میں ملتے ہیں۔

"..... اس ترتیب سے آگے بڑھو اور تمہاری منزل قادسیہ ہوگی۔ وہاں تمہارے سامنے عجم کی زمین اور پیچھے عرب کے پہاڑ ہوں گے۔ اگر دشمن کے دباؤ سے کبھی پیچھے ہٹنا پڑا تو ان پہاڑوں کے اندر آ جانا۔ قادسیہ پہنچ کر مجھے وہاں کے حالات تفصیل سے لکھنا۔ قادسیہ فارس کا دروازہ ہے"۔

سعدؓ بن ابی وقاص نے یہ پیغام ملتے ہی لشکر کو اس کے مطابق تقسیم کر کے ہر حصّے کا کمانڈر مقرر کر دیا۔ شراف سے آگے سعدؓ کو مکمل بلکہ ضرورت سے زیادہ احتیاط سے کوچ کرنا تھا۔ اُنہوں نے ایک کام یہ کیا کہ چند ایسے عربوں کو جو فارسی زبان بھی بول سکتے تھے اور آگے کے علاقوں سے اچھی طرح واقف تھے، جاسوسی کے لیے بھیج دیا اور انہیں کہا کہ ذرا ذرا سی خبر بہت جلد لاتے رہیں۔ انہیں اور بھی ہدایات دی گئیں۔

سعدؓ کے ساتھ جو لشکر آیا تھا اس میں یہ کمزوری تھی کہ نصف سے زیادہ تعداد کو میدانِ جنگ میں لڑنے کا تجربہ نہیں تھا۔ انہیں صرف لڑنے کا تجربہ تھا۔ وہ تیغ زن تھے، تیرانداز بھی تھے اور شہسوار بھی اور وہ ایک جذبہ لے کر آتے تھے، جذبہ بھی ایسا جو روح کا جنون تھا لیکن سعدؓ کو یہ خطرہ دکھائی دے رہا تھا کہ جنگجو ہونا تو پہلی شرط ہے لیکن تنظیم میں اور سالار کی قیادت میں لڑنا بالکل ہی مختلف بات ہے۔ دوسرا خطرہ یہ بھی تھا کہ وہ جس دشمن کے خلاف لڑنے جا رہے تھے اُس کی تعداد ٹِڈی دَل جیسی تھی۔ اُس کے پاس ہتھیار بہت بہتر، گھوڑ سوار بہت زیادہ اور سب سے بڑا خطرہ یہ کہ اُس کے پاس ہاتھی تھے اور عربوں نے ہاتھی کبھی دیکھا ہی نہیں تھا۔

ذرا غور کیجئے کہ اس لشکر کے ساتھ شاعر بھی آئے تھے جن میں عرب کے مشہور شاعر شماخ، حُطیئہ، اوس بن مغرا، عبدۃ بن الطیّب، عمرو بن معدی کرب اور اشعث بن قیس شامل تھے اور اس لشکر میں خطیب بھی تھے جن میں قیس بن ہبیرہ غالب، ابن الہذیل الاسدی، لبسر بن ابی رہم الجہنی، عاصم بن عمرو، ربیع معدی اور ربعی بن عامر جیسے شعلہ بیاں اور اپنے زمانے کے نامور خطیب شامل تھے۔ گو اُس وقت کے شاعر آج کل کے شاعروں جیسے نہیں تھے جن کی زندگی کا مقصد صرف مشاعرے پڑھنا اور داد وصول کرنا ہے اور اُس وقت کے امام اور خطیب بھی آج کے اماموں اور خطیبوں جیسے نہیں تھے جنہوں نے قوم کو فرقوں میں تقسیم کر کے ایک ایک مسجد پر قبضہ کر رکھا ہے لیکن وہ بہرحال شاعر اور خطیب تھے۔ تیغ زن اور شہسوار بھی تھے لیکن ان کی روزمرہ زندگی کے معمولات کچھ اور تھے۔ سعدؓ نے انہیں سپاہی سمجھ کر لڑانا تھا۔ آگے چل کر دیکھتے ہیں کہ میدانِ جنگ میں انہوں نے کیا رول ادا کیا۔ یہاں اتنا ہی بتا دینا کافی ہے کہ لڑائی شروع ہونے سے پہلے ان شاعروں اور خطیبوں کے

شعلہ بیانی نے مجاہدین کو آگ کے بگولے بنا دیا تھا۔

یہاں ایک شاعرہ کا ذکر بے محل نہ ہوگا۔ یہ عرب کی مشہور شاعرہ خنسا تھیں جو اپنے بیٹوں کو ساتھ لے کر حضرت سعدؓ کے لشکر کے ساتھ گئی تھیں۔ انہوں نے قادسیہ کے میدانِ جنگ میں جس طرح اپنے بیٹوں کو اتارا تھا، وہ آگے چل کر تفصیل سے سنایا جاتے گا۔

سعدؓ بن ابی وقاص نے ذی قار سے مثنیٰ بن حارثہ کے جانشین کو شراف میں ہی بلا لیا۔ مثنیٰ بن حارثہ نے شہادت سے پہلے مانے ہوئے ایک مجاہد بشیر بن خصاصیہ کو اپنا جانشین سپہ سالار مقرر کر دیا تھا، حالانکہ ان کا بھائی معنّیٰ بن حارثہ موجود تھا لیکن وہ خویش پروری کا زمانہ نہیں تھا۔ میدانِ جنگ کے مطلوبہ جوہر اور قیادت کی صلاحیت دیکھی جاتی تھی۔

سعدؓ نے قاصد کو یہ پیغام دے کر ذی قار بھیجا کہ مثنیٰ کے جانشین کو ساتھ لے آئے۔ قاصد راستے سے ہی واپس آگیا۔ اُس کے ساتھ معنّیٰ اور مثنیٰ کی بیوہ سلمیٰ تھی۔ سعدؓ اٹھ کر معنّیٰ سے بغلگیر ہو گئے اور دونوں بہت روئے۔ سلمیٰ پاس کھڑی آنسو بہا رہی تھی۔

"میرے دونوں بھائیوں نے غیرت مندوں کی طرح جانیں دی ہیں" ــــ معنّیٰ نے کہا۔

"اور تم سلمیٰ!" ــــ سعدؓ بن ابی وقاص نے مثنیٰ کی بیوہ سے پوچھا ــــ "واپس جانا چاہو گی؟"

"نہیں!" ــــ سلمیٰ نے کہا ــــ "میں مدینہ نہیں مدائن جاؤں گی جو میرے شوہر کی منزل تھی۔ اگر میں تمہارے لشکر کے ساتھ رہی تو تم یقیناً مجھے بوجھ نہیں سمجھو گے۔ لڑنا پڑا تو لڑوں گی، نہیں تو لڑنے والوں کی خدمت کروں گی۔"

"خدا کی قسم!" ــــ سعدؓ بن ابی وقاص نے پُرجوش لہجے میں کہا ــــ "میرے لشکر پر تمہارا بوجھ پھول کی پتی سے زیادہ نہیں ہوگا.... اور سلمیٰ! میں تمہیں گمنامی کی زندگی میں نہیں جانے دوں گا۔ فیصلہ تمہارا ہوگا۔ تم اس اعزاز کی حقدار ہو کہ تم سپہ سالار کی بیوی تھیں اور سپہ سالار کی ہی بیوی رہو۔ میں تمہیں وہی عظمت دینا چاہتا ہوں۔"

سلمیٰ نے معنّیٰ کی طرف دیکھا اور کہا کچھ بھی نہیں۔ معنّیٰ سلمیٰ کی آنکھوں کا سوال سمجھ گئے۔ سلمیٰ ان سے سعدؓ بن ابی وقاص کے ساتھ شادی کرنے کی اجازت مانگ رہی تھی۔ اُس وقت کے عرب معاشرے میں یہ رواج تھا کہ کوئی عظیم المرتبت آدمی فوت ہو جاتا یا کوئی سالار شہید ہو جاتا تو اُسی کے رتبے کا کوئی آدمی اُس کی بیوہ سے صرف اس لیے نکاح کر لیتا تھا کہ بیوہ کی عظمت و تکریم میں کوئی فرق نہ آئے اور معاشرے میں بیوہ کا رتبہ برقرار رہے۔ اُس وقت دوسری، تیسری اور چوتھی شادی جسمانی اغراض و مقاصد کے لیے نہیں کی جاتی تھی۔

مثنیٰ بن حارثہ سپہ سالار ہی نہیں عظمت والے سالار بھی تھے۔ فارس میں بویب کی لڑائی میں جس طرح انہوں نے فارس کی پوری فوج کو کاٹ ڈالا تھا، وہ تاریخِ اسلام کا ایک درخشاں باب ہے۔ ایسے سپہ سالار کی بیوی کو جو عظمت حاصل تھی، اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ سلمیٰ کی عظمت صرف یہ نہیں تھی کہ وہ مثنیٰ کی بیوی تھی بلکہ یہ کہ وہ مثنیٰ کے ساتھ ہر میدانِ جنگ میں رہی اور وہ مثنیٰ کا جذباتی سہارا بنی رہی تھی۔ سعدؓ بن ابی وقاص سلمیٰ کی یہ عظمت برقرار رکھنا چاہتے تھے۔ تاریخ میں یہ پتہ نہیں چلتا کہ سعدؓ نے اُسی روز سلمیٰ سے نکاح کر لیا تھا یا کچھ دن بعد، البتہ تمام مؤرخوں نے لکھا ہے کہ سلمیٰ نے سعدؓ بن ابی وقاص کی پیشکش قبول کر لی اور معنّیٰ نے بھی بخوشی اجازت دے دی اور سلمیٰ کا نکاح سعدؓ بن ابی وقاص سے ہو گیا۔ سلمیٰ کا یہ عزم قائم رہا کہ وہ مدینہ نہیں مدائن جائے گی۔

پہلی ملاقات میں سعدؓ نے معنّیٰ سے ان کے لشکر کی کیفیت پوچھی۔ معنّیٰ نے اپنے لشکر کی تعداد چار یا پانچ ہزار بتائی۔

"میں مثنیٰ کی ایک وصیت آپ تک پہنچانا چاہتا ہوں" ــــ معنّیٰ نے کہا ــــ "مثنیٰ نے دمِ آخریں کہا تھا کہ میری جگہ جو سپہ سالار آئے اُسے بتا دینا کہ فارسیوں سے اُس وقت نہ لڑنا جب وہ یکجا ہو چکے ہوں۔ ان کے علاقوں کے اندر جا کر بھی ان سے لڑنا ٹھیک نہیں۔ ان کی سرحد پر رہ کر ان سے لڑو اور انہیں کمزور کرو۔ اگر تم اُن پر غالب آجاؤ تو آگے بڑھو۔ اگر وہ تم پر غالب آجائیں تو پیچھے اپنی سرحد میں آجاؤ۔ ہمارے صحرائی راستوں سے عربی واقف ہیں عجمی نہیں۔ وہ تمہارے پیچھے آئیں گے اور نقصان اٹھائیں گے پھر تم پلٹ کر اُن پر حملہ کر سکتے ہو اور پھر تم ان پر غالب بھی آ جاؤ گے۔"

"آفرین!" ــــ سعدؓ بن ابی وقاص نے کہا ــــ "مجھے یہی نصیحت امیرالمومنین نے کی تھی.... یہ تھی قابلیت مثنیٰ کی.... دشمن کی کیا خبر ہے؟"

"ہم نے جو علاقے فتح کیے تھے، وہاں کے لوگ باغی ہو گئے ہیں" ــــ معنّیٰ نے جواب دیا ــــ "شہروں اور قصبوں میں انہوں نے ہمارے عمال کو قتل کر دیا ہے۔ زندہ وہی رہے جو کسی طرح بروقت بھاگ آئے تھے۔ یہاں کے لوگوں کا کوئی بھروسہ نہیں۔ ہماری فتح ہوئی تو ہمارے ساتھ ہو گئے۔ ہمیں پیچھے ہٹنا پڑا تو اپنی فوج کے ساتھ ہو گئے۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ محبِ وطن ہیں" ــــ سعدؓ نے کہا۔

"نہیں!" ــــ معنّیٰ بولے ــــ "عیار اور فریب کار ہیں۔ ضرورت پڑتی ہے تو اپنی فوج کو بھی دھوکہ دے جاتے ہیں۔"

"اپنی فوج کو پسند نہیں کرتے" ــــ سلمیٰ نے کہا ــــ "ان کے فوجی کسی گاؤں میں چلے جائیں تو نوجوان لڑکیوں پر دست درازی کرتے ہیں۔ لوگوں کے گھروں میں گھس کر جو چیز اچھی لگتی ہے اُٹھا لے جاتے ہیں۔"

"ان لوگوں پر اپنی دہشت طاری کرنے کی ضرورت ہے" ——— معنیٰ نے کہا ——— "ورنہ یہ تاؤ میں نہیں آئیں گے۔ اگر آپ ان سے توجہ ہٹا کر آگے بڑھتے جائیں گے تو یہ پیچھے پر وار کریں گے۔ مدائن سے جو خبریں آرہی ہیں وہ کچھ اس طرح ہیں کہ وہاں بڑی خوفناک جنگی تیاریاں ہو رہی ہیں" ——— معنیٰ نے جنگی تیاریوں کی تفصیل بتائی۔

اس لشکر میں شام سے آئے ہوئے آٹھ ہزار مجاہدین بھی تھے جن کے سالار ہاشم بن عتبہ تھے۔ یہ آٹھ ہزار مجاہدین تربیت یافتہ ہی نہیں تجربہ کار بھی تھے۔ وہ شام میں کئی لڑائیاں پہلے خالد بن ولید اور ابوعبیدہؓ کی قیادت میں لڑ کر آئے تھے۔ سعدؓ بن ابی وقاص نے ان آٹھ ہزار مجاہدین کو الگ رکھا۔ انہیں انتہائی مخدوش اور ہنگامی صورت حال میں استعمال کیا جاتا۔ باقی لشکر کو سعدؓ نے جنگی مشقیں کرانی شروع کر دیں۔ انہوں نے سالاروں سے کہا کہ انہیں منظم طریقے سے ایک جماعت کی صورت میں لڑنے کی مشق کرائیں۔

سعدؓ بن ابی وقاص کے اس لشکر میں شامل ہونے والے بیشتر افراد اپنی بیویوں اور بچوں کو بھی ساتھ لائے تھے۔ سلمیٰ آئی تو عورتیں ہجوم کر کے آگئیں۔ صحابہ کرام اور کئی اور مجاہدین کی بیویاں پہلے بھی میدانوں پر جا چکی تھیں۔ کئی ایک نوجوان لڑکیاں تھیں جو پہلی بار محاذ پر آئی تھیں۔ کچھ ان سے بڑی عمر کی تھیں جنہیں محاذ پر جانے کا پہلا موقعہ ملا تھا۔

تمام عورتیں سلمیٰ سے بیوگی کا اظہار افسوس کرنے لگیں۔

"کون کہتا ہے مجھے مثنیٰ یاد نہیں آیا کرے گا" ——— سلمیٰ نے سب سے کہا ——— "خدا کی قسم، تم میں سے کوئی بھی اپنے خاوند کے بغیر خوش نہیں رہے گی لیکن اسلام کی بیٹی کی متاع صرف خاوند ہی نہیں۔ ہمیں اپنے خاوندوں کے لیے نہیں اسلام کے لیے زندہ رہنا ہے۔ تم میں سے جو پہلی بار محاذ پر آئی ہیں، میں انہیں بتانا چاہتی ہوں کہ تم میں سے کئی ایک اپنے خاوندوں کی خون میں نہاتی ہوئی لاشیں دیکھیں گی۔ اپنے بچوں کے باپ کو خون میں تڑپتا دیکھیں گی۔ تم میں سے بعض جو اپنے بچوں کو ان کے باپ کے ساتھ لاتی ہیں انہیں یتیم واپس لے جائیں گی۔ اگر تم ماتم کرنے بیٹھ گئیں تو اسلام کا بول بالا کرنے والا کوئی نہیں رہے گا۔ مسلمان عورت کی شادی ایک آدمی کے ساتھ نہیں اسلام کے ساتھ ہوتی ہے۔ ہمیں اپنے خاوندوں کو نہیں اسلام کو زندہ رکھنا ہے۔ خاوند اور بھی مل جائیں گے، اسلام جیسا سچا دین نہیں ملے گا۔"

عورتیں خاموشی سے سنتی رہیں۔

"میں تمہیں بتاتی رہوں گی کہ لڑائی شروع ہونے کے بعد تمہیں کیا کرنا ہے" ——— سلمیٰ نے کہا۔

اور اس کے فوراً بعد قادسیہ کی طرف کوچ کا حکم مل گیا۔ لشکر جتنے دن اس مقام پر قیام پذیر رہا، سعدؓ حضرت عمرؓ کو پیغام بھیجتے رہے۔ ہر پیغام میں پوری رپورٹ ہوتی تھی۔ حضرت عمرؓ نے سعدؓ سے کہا تھا کہ کوچ کا دن وہ خود مقرر کریں گے جو انہوں نے کر دیا۔ مورخ لکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ اپنے احکام میں چھوٹی چھوٹی باتیں بھی لکھتے تھے۔ طبری نے لکھا ہے کہ امیرالمومنین کے پیغامات سے سعدؓ یوں محسوس کرتے تھے جیسے حضرت عمرؓ ان کے ساتھ ہوں۔

حضرت عمرؓ اس تمام تر علاقے سے واقف تھے۔ جاہلیت کے زمانے میں وہ کئی بار ادھر سے گزرے تھے۔ انہوں نے قادسیہ کی طرف کوچ کا حکم ان الفاظ میں دیا:

"...تم جب قادسیہ پہنچو تو خیال رکھنا کہ قادسیہ فارس کا دروازہ ہے۔ فارسیوں کو ضروریات زندگی اسی دروازے سے گزر کر پہنچتی ہیں یہ بھی خیال رکھنا کہ قادسیہ کا علاقہ سرسبز اور شاداب ہے۔ اس علاقے سے دریا بھی گزرتا ہے اور ندیاں بھی۔ ان پر پل بھی ہیں۔ یہ قادسیہ اور مدائن کے قدرتی دفاعی انتظامات ہیں۔ ان پلوں اور راستوں پر اس طرح قبضہ کر لینا کہ تمہارے مسلح دستے وہاں موجود رہیں اور باقی لشکر کو پیچھے رکھنا.... قادسیہ جانے کے لیے عذیب کا راستہ اختیار کرنا۔ اس نام کے دو مقامات ہیں۔ ایک کا نام عذیب الہجانات ہے اور دوسرے کا عذیب القوادس۔ ان دونوں مقامات کے درمیان قیام کرنا اور دائیں بائیں حملے کرنا۔ بستیوں کو تباہ و برباد نہ کرنا۔ وہاں سے رسد اکٹھی کر لینا اور گوشت کے لیے بیل اور بھیڑ بکریاں اکٹھی کر لینا۔ آگے کی خبر رکھنا۔"

شراف سے کوچ ہوا اور دوسرے دن لشکر عذیب پہنچا۔ یہ ایک فوجی چوکی تھی جو چھوٹے سے قلعے کی شکل کی تھی۔ اس کے دروازے کھلے ہوئے تھے۔ لشکر ابھی کچھ دور ہی تھا کہ کہیں سے ایک آدمی اٹھا اور دوڑتا ہوا کھلے دروازے کے اندر چلا گیا۔ اس عمارت کے کئی برج تھے۔ یہ آدمی پہلے ایک برج میں گیا اور لشکر کو دیکھنے لگا پھر وہاں سے ہٹ کر وہ دوسرے برج میں گیا اور لشکر کو دیکھنے لگا پھر وہ ایک اور برج میں چلا گیا اور وہاں سے نکلا تو پھر نظر نہ آیا۔

"تیزی سے آگے بڑھو" ——— سعدؓ بن ابی وقاص نے کہا ——— "وہ آدمی لشکر کی تعداد دیکھ رہا ہے۔ فوجی ہے۔ اسے جانے نہ دینا۔"

ایک پیادہ دستہ چوکی کے دروازے کے اندر چلا گیا۔ تین چار ہی کمرے تھے اور چاروں طرف صحن تھا۔ وہاں کوئی انسان نہ تھا۔ وہ آدمی بھی نہ تھا جو نظر آیا تھا۔ چھت پر جو مجاہدین گئے

تھے، ان میں سے ایک نے بلند آواز سے کہا کہ ایک آدمی قادسیہ کی طرف پیدل بھاگا جا رہا ہے۔
سعدؓ بن ابی وقاص کے پاس اُس وقت ایک شخص زہرہ بن حویہ کھڑا تھا۔ انہوں نے اسی کو کہا کہ اُس آدمی کے پیچھے جاؤ اور اُسے پکڑ لاؤ۔

زہرہ بن حویہ نے گھوڑا دوڑا دیا۔ اگر وہ علاقہ میدانی ہوتا تو وہ آدمی پکڑا جاتا۔ وہاں کھڈ نالے اور ٹیلے تھے۔ گھنی جھاڑیاں اور قدِ آدم گھاس بھی تھی۔ زہرہ کچھ دور تک گئے، اِدھر اُدھر بہت ڈھونڈا لیکن وہ آدمی نہ ملا۔ زہرہ واپس آ گئے۔

اس دوران چوکی کی تلاشی لی گئی۔ تاریخ کے مطابق وہاں سے تیروں اور کمانوں کا بہت بڑا ذخیرہ ملا۔ برچھیاں بھی بہت زیادہ تعداد میں ملیں اور بیشمار برتن ملے جو مچھلی کی کھال کے بنے ہوئے تھے۔ یہ فارس کی فوج کا گودام یا اسلحہ خانہ تھا جو وہاں اس لیے بنایا گیا تھا کہ اس علاقے میں لڑائی ہو تو تیروں اور برچھیوں کی کمی قریب سے ہی پوری کر لی جائے۔

سعدؓ نے لشکر کو وہیں قیام کرنے کا حکم دیا اور تمام حصوں کے سالاروں کو بلایا۔

"میرے رفیقو!" ــــ سعدؓ نے کہا ــــ "آج سے ہماری جنگی کارروائیاں شروع ہو رہی ہیں۔ پہلے تمہیں بتایا جا چکا ہے کہ یہاں کے لوگوں کا کردار کیا ہے۔ یہ لوگ کسی کے بھی وفادار نہیں۔ دھوکہ دہی ان کی فطرت میں شامل ہے۔ ہمارے خلاف بغاوت کر چکے ہیں۔ ہمیں شکست دینے کے لیے فارس کی فوج میں بھرتی ہو رہے ہیں۔ انہیں جب ہم نے اپنے سائے میں لیا تھا تو یہ اپنے حکمرانوں اور اپنے ہی ملک کے خلاف ہو گئے تھے۔ انہوں نے ہمارے عُمّال کو قتل کیا ہے۔ ہمارے ہاتھ آئے ہوئے علاقے ہم سے چھینے اور اب ہمارے راستے کی رکاوٹ بن رہے ہیں۔ مثنیٰ بن حارثہ نے فارس کی جتنی فوج کاٹ کر گیدڑوں، بھیڑیوں اور کُتّوں کو کھلا دی تھی، اس سے دُگنی فوج تیار کرنے کے لیے ان لوگوں نے اپنے بیٹوں کو مدائن بھیج دیا ہے....

"ان لوگوں کے دماغ درست کرنے ہیں۔ امیر المومنین نے بھی حکم بھیج دیا ہے کہ دائیں بائیں حملے شروع کر دو تاکہ لوگوں پر ہمارا خوف بیٹھ جائے پھر وہ غداری اور دھوکہ دہی کی جرأت نہیں کریں گے.... میرے رفیقو! ان لوگوں پر خوف اور اپنی دھاک بٹھانے کا یہ مطلب نہیں کہ ان پر ظلم و تشدد کیا جائے اور ان کی جوان عورتوں کو اٹھا لیا جائے۔ ہمارا دین اس کی اجازت نہیں دیتا۔ کسی بوڑھے، بچے، عورت، معذور اور مریض پر ہاتھ نہیں اٹھانا۔ اگر کوئی مقابلہ کرتا ہے تو اُسے قتل کر دو۔ ان کے گھروں سے کام کی اور قیمتی چیزیں اٹھانی ہیں۔ اندھا دُھند لُوٹ مار نہیں کرنی۔ سونا چاندی اٹھا لانا ہے....

"ہم یہاں وعظ کرنے نہیں آئے نہ یہ لوگ تبلیغ کو قبول کریں گے۔ یہ بعد کی باتیں ہیں۔ ابھی ہمارے پاس وقت نہیں۔ بستیوں پر حملوں کا دوسرا مقصد یہ ہے کہ ہمیں رسد کی ضرورت ہے۔ بیل اور بھیڑ بکریاں

اور اناج اکٹھا کر لینا، پھر ہر بستی کے ارد گرد تین تین چار چار آدمی چھوڑ دینا جو کسی کو بستی سے نہ نکلنے دیں۔ اب اس کارروائی کے لیے ٹولیاں بنا لو اور آج رات سے ہی یہ کارروائی شروع کر دو۔"

وہاں ارد گرد جو بستیاں تھیں، ان پر حملے شروع ہو گئے۔ ان حملوں کا انداز چھاپوں جیسا تھا۔ مجاہدین کی ایک جماعت کسی بستی میں لیے جوش و خروش سے جا دھمکتی جیسے بستی کے بچے بچے کو قتل کر دیا جائے گا۔ تمام آبادی کو باہر اکٹھا کر کے کہا جاتا کہ اناج، اشیائے خورد و نوش، سونا چاندی وغیرہ باہر لے آئیں، پھر انہیں کہا جاتا کہ بستی کا کوئی فرد بستی سے باہر قدم نہ رکھے۔ اگر کسی نے باہر نکلنے کی کوشش کی تو اُسے قتل کر دیا جائے گا۔ لوگ اپنی نوجوان لڑکیوں کو چھپاتے پھرتے تھے لیکن مجاہدین نے کسی لڑکی کی طرف دیکھا تک نہیں۔

ہر بستی پر چھاپے کا تفصیلی ذکر ممکن نہیں۔ یورپ کے متعصب تاریخ دانوں نے مجاہدین کو دہشت گرد لکھا ہے اور ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ مسلمان دہشت گرد بستیوں پر حملے کر کے لوٹ مار کرتے رہے اور وہ جوان عورتوں کو اپنے کیمپ میں لے جاتے تھے لیکن وہ مؤرخ بھی یورپی ہی تھے جنہوں نے بستیوں پر حملے کرنے والے مسلمانوں کو دہشت گرد ہی لکھا ہے لیکن ایسا کوئی اشارہ بھی نہیں دیا کہ مسلمانوں نے لوٹ مار کی اور اُنہوں نے عورتوں کو اغوا کیا۔ انہوں نے اتنا ہی لکھا ہے کہ فارس کے لوگوں پر دہشت طاری کرنے کے لیے اور رسد کی ضروریات پوری کرنے کے لیے مسلمانوں کی دہشت گرد جماعتوں نے بستیوں پر شب خون مارے اور رسد کے علاوہ مالِ غنیمت بھی اکٹھا کیا۔

بستیوں پر حملوں کے سلسلے میں دو واقعات خاصے دلچسپ ہیں۔ حیرہ اُس زمانے میں سلطنتِ فارس کا ایک اہم شہر تھا۔ اس پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا تھا۔ اب مثنیٰ بن حارثہ کو پیچھے ہٹنا پڑا تو فارس والوں نے پھر اس پر قبضہ کر لیا۔ عجیب بات یہ ہے کہ وہاں کے لوگ مسلمانوں کے وفادار ہی رہے اور اُنہوں نے بغاوت نہ کی۔ مثنیٰ خاصا عرصہ وہاں رہے تھے۔ یہ مسلمانوں کے حسنِ سلوک کے اثرات تھے کہ ان کی اپنی حکومت واپس آئی تو انہوں نے اس حکومت کو قبول نہ کیا۔ بہرحال فارس کی شاہی حکومت نے وہاں اپنا حاکم مقرر کر دیا جس کا نام مرزبان تھا۔

مرزبان کی ایک نوجوان بیٹی تھی جس کا نام افشاں تھا۔ تاریخ نویسوں نے اسے بہت ہی خوبصورت اور متناسب قد کاٹھ والی لڑکی لکھا ہے۔ وہ ایک درباری موسیقار کو دل دے بیٹھی۔ وہ کوئی جوان سال اور خوبرو آدمی تھا۔ وہ خوبرو نہ ہوتا تو بھی افشاں اُس کی شیدائی ہوتی کیونکہ اس لڑکی کو موسیقی سے عشق تھا۔ یہ موسیقار سازوں کا جادو جگانے کے ساتھ گاتا بھی تھا اور اُس کی آواز کا سوز دلوں کے تاروں میں

ارتعاش پیدا کر دیتا تھا۔

افشاں حاکموں کے خاندان کی بیٹی تھی۔ یہ خاندان شاہی خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ اُس وقت افشاں مدائن میں تھی جب اُس نے محسوس کیا تھا کہ اس موسیقار کے ساتھ اُس کا کوئی روحانی تعلق ہے۔ یہ تعلق ایک کبھی نہ ٹوٹنے والا رشتہ بن گیا اور چھپ چھپ کے ملنے کا سلسلہ چل نکلا۔

اتنے بڑے حاکم کی بیٹی کی شادی درباری موسیقار کے ساتھ نہیں ہو سکتی تھی۔ انہوں نے بھاگ جانے کا عہد کر لیا۔ وہ شاید ملک شام چلے جانا چاہتے تھے جہاں مسلمانوں [illegible] جنگیں ہو رہی تھیں۔ پھر شام کا بیشتر علاقہ مسلمانوں نے فتح کر لیا۔ حیرہ پر بھی مسلمانوں کا قبضہ [illegible] موسیقار کے ساتھ شام کو بھاگ جانے کا عزم کر چکی تھی کہ اُس کے باپ مرزبان کو حیرہ کا حاکم گورنر مقرر کر کے وہاں بھیج دیا گیا۔

مدائن کے دربار میں موسیقار کی ضرورت نہیں رہی تھی کیونکہ وہاں اب جنگی تیاریاں ہو رہی تھیں اور حالات ایسے پیدا ہو گئے تھے کہ شاہی ضیافتیں، ناچ گانے کی محفلیں اور عیش و عشرت کے مظاہرے بند ہو گئے۔ موسیقار بھی حیرہ چلا گیا اور افشاں سے ملتا رہا۔

اس دوران فارس کے شہر صنین کا حاکم جس کا تاریخ میں نام نہیں ملتا، حیرہ گیا۔ اُس کی نظر افشاں پر پڑ گئی۔ اُس نے افشاں کے باپ سے کہا کہ وہ افشاں کے ساتھ شادی کرنا چاہتا ہے۔ باپ نے فوراً قبول کر لیا اور شادی کا دن بھی مقرر کر دیا۔ اس حاکم کی عمر افشاں سے دُگنی تھی۔

شادی کے دن سے تین دن پہلے افشاں گھر سے غائب ہو گئی۔ اُس کے باپ کو شاید موسیقار پر شک تھا۔ اُس کا پتہ کرایا گیا تو اُسے بھی غائب پایا۔ مرزبان نے ہر طرف گھوڑ سوار دوڑا دیئے۔ دونوں ایک جگہ چھپے ہوئے پکڑے گئے۔ انہیں لایا گیا۔ مرزبان حاکم تھا۔ اُس نے حکم دیا کہ موسیقار کے پاؤں رسّی سے باندھ کر ایک گھوڑے کے پیچھے باندھ دیا جائے اور گھوڑا دوڑا دیا جائے۔ گھوڑا اُس وقت تک دوڑتا رہے جب تک کہ موسیقار کی کھال نہیں اُتر جاتی۔

حکم کی تعمیل ہوئی۔ موسیقار کو زمین پر لٹا کر رسّی کے ایک سرے سے اُس کے پاؤں باندھ دیئے گئے اور رسّی کا دوسرا سرا گھوڑے کی زین کے ساتھ باندھ دیا گیا۔ ایک فوجی گھوڑے پر سوار ہوا اور گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ گھوڑا موسیقار کو گھسیٹتا دوڑ پڑا اور سوار اسے میدان میں چکر میں دوڑاتا رہا۔ تماشائیوں کا ہجوم تھا۔ افشاں بھی دیکھ رہی تھی۔

موسیقار سخت اور پتھریلی زمین پر گھسیٹا جا رہا تھا۔ پہلے اُس کے کپڑے پھٹے پھر اُس کا جسم خون سے لال ہونے لگا اور پھر صاف پتہ چلتا تھا کہ زمین اور کنکریوں نے اُس کے جسم کی کھال اُتار دی ہے۔

"میری شادی حاکمِ صنین کے ساتھ نہیں ہو گی" ـــــ افشاں نے چلّا کر کہا۔

ادھر سعدؓ بن ابی وقاص کے لشکر کی چھاپہ مار جماعتیں بستیوں پر چھاپے مار رہی تھیں۔ ایک روز ایک زیادہ نفری کی پارٹی حیرہ کی طرف چلی گئی۔ اُس وقت تک مدائن میں یہ اطلاع نہیں پہنچی تھی کہ مسلمان [illegible] کر رسد اور مالِ غنیمت اکٹھا کر رہے ہیں۔ چھاپہ مار مجاہدین کی یہ جماعت حیرہ اور صنین کے درمیان پہنچی تو اُسے شور و غل سنائی دینے لگا۔ دف اور شہنائیاں بھی بج رہی تھیں۔

یہ علاقہ جنگلاتی تھا۔ اُونچی نیچی ٹیکریاں تھیں۔ گہرے نشیب بھی تھے۔ ایک مجاہد نے ایک بلند ٹیکری پر چڑھ کر دیکھا۔ ایک جلوس سا آرہا تھا جس میں اڑھائی تین سو آدمی گھوڑوں پر سوار تھے۔ چار پہیوں والی بگھیاں بھی تھیں اور دف اور مختلف ساز بجانے والے پیدل آرہے تھے۔

مجاہد ٹیکری سے اُتر آیا اور اپنے ساتھیوں کو بتایا کہ اُس نے کیا دیکھا ہے۔ جماعت کا کماندار ٹیکری پر چلا گیا اور واپس آ کر بتایا کہ اس قافلے پر حملہ کیا جائے گا۔ کماندار نے دیکھ لیا تھا کہ قافلے پر حملے کے لیے گھات کہاں موزوں ہو گی۔ اُس نے اپنی جماعت کو ایک ایسی جگہ لے جا کر چھپا دیا جہاں کسی کو ان کی موجودگی کا شک بھی نہیں ہو سکتا تھا۔

قافلہ گھات کے مقام پر پہنچا تو مجاہدین اس پر جھپٹ پڑے۔ گھوڑ سوار تلواروں اور برچھیوں سے مسلح تھے۔ انہوں نے مقابلہ کرنے کی کوشش کی لیکن ان پر حملہ اچانک اور غیر متوقع طور پر ہوا تھا اس لیے وہ سنبھل نہ سکے۔ مجاہدین کی نفری قافلے والوں سے کم تھی لیکن گھبراہٹ میں قافلے والوں نے بھاگ نکلنے میں ہی عافیت جانی۔ ان میں سے چند ایک زخمی ہو کر گھوڑوں سے گرے تھے اور باقی سب بھاگ گئے۔

بگھیاں چلانے والے بھی بھاگ گئے تھے۔ بگھیاں شاہانہ تھیں۔ ان کے پردے ہٹا کر دیکھا۔ ایک بگھی میں ایک بڑی ہی خوبصورت لڑکی بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ شہزادی لگتی تھی۔ بگھی میں دو عورتیں اور تھیں۔ وہ اس شہزادی کی خادمائیں تھیں۔ وہ مارے خوف کے کانپ رہی تھیں۔

"یہ دلہن ہے" ـــــ ایک خادمہ نے لڑکی کی طرف اشارہ کر کے کہا ـــــ "یہ حیرہ کے حاکم مرزبان کی بیٹی ہے۔ آج ہی اس کی شادی ہوئی ہے۔ اس کا دلہا حاکم صنین ہے۔ یہ اس کی بارات ہے۔ وہ گھوڑے پر سوار ہے۔"

یہ لڑکی افشاں تھی جو دلہن بن کر حاکم صنین کے ساتھ سسرال جا رہی تھی مگر اسے روک لیا گیا۔ دوسری بگھیوں میں سے جو عورتیں نکلیں وہ افشاں کی خادمائیں تھیں اور بارات کے ساتھ آتی ہوتی حاکم صنین کی قریبی رشتہ دار تھیں۔

"وہ کہاں ہے؟" ——— افشاں نے پوچھا ——— "میرا دُلہا!"

اُس کے دُلہا نے جم کر مقابلہ کرنے کی کوشش کی تھی اور مارا گیا تھا۔ دلہن کو بہت ... کے چہرے پر خوشی کا تاثر آ گیا۔

"میں نے کہا تھا کہ اس کے ساتھ میری شادی نہیں ہو گی" ——— افشاں نے عجیب سے لہجے میں ... پوچھا ——— "ہمارے ساتھ کیا سلوک ہو گا؟"

"یہ اُس سے پوچھنا جس کے ساتھ تمہاری شادی ہو گی" ——— مجاہدین کے کماندار نے کہا ... کے بغیر کوئی شخص تمہارے اور ان عورتوں میں سے کسی کے جسم کو ہاتھ تک نہیں لگائے گا۔ تمہارے ساتھ وہ سلوک نہیں ہو گا جو تمہارے فوجی اپنے ملک کی عورتوں کے ساتھ کیا کرتے ہیں۔"

باراتی بھاگ گئے تھے اور تین چار مارے گئے تھے۔ جہیز بہت ہی قیمتی تھا اور بہت ... تھا۔ خالص سونے کے زیورات اور قیمتی ہیروں اور پتھروں کا ہی کوئی شمار نہ تھا۔ چار پانچ بگھیاں گھوڑوں سمیت الگ ملیں۔

یہ جماعت وہیں سے واپس آ گئی۔ عورتوں کو عورتوں کے حوالے کر دیا گیا۔ افشاں نے اپنی ... مسلمان عورتوں کو سنائی۔ اُسے عورتوں نے بھی یقین دلایا کہ وہ کسی مسلمان کی بیوی بنے گی اور اُسے ... نہیں بنایا جائے گا۔ ایک تو یہ بات سن کر افشاں خوش ہوئی اور دوسری خوشی اُسے یہ تھی کہ اُس کا ادھیڑ عمر دُلہا مارا گیا تھا۔ افشاں نے مثنیٰ کی بیوہ سلمیٰ کے ہاتھ پر جواب سعد بن ابی وقاص کی بیوی تھی، اسلام قبول کر لیا۔ اس کے بعد تاریخ خاموش ہے کہ افشاں کس کی بیوی بنی تھی۔

شبخون اور چھاپے اور رسد وغیرہ اکٹھی کرنے کے سلسلے میں ایک اور واقعہ دلچسپی سے خالی نہ ہو گا۔ تاریخوں میں آیا ہے کہ ایک مجاہد عاصم بن عمر ایک گاؤں پر چھاپہ مارنے گئے تو گاؤں کے لوگ پہلے ہی وہاں سے بھاگ گئے۔ صرف ایک آدمی اتفاق سے سامنے آ گیا۔ اُس سے پوچھا تم کون اور کہاں رہتے ہو۔ اُس نے بتایا کہ وہ چرواہا ہے اور سارے گاؤں کے مویشیوں کو وہ چرانے کے لیے لے جایا کرتا ہے۔

عاصم نے پوچھا مویشی کہاں ہیں۔

"یہاں ایک بھی مویشی نہیں" ——— چرواہے نے جواب دیا ——— "لوگ اپنے مویشی ساتھ لے کر بھاگ گئے ہیں۔"

"جھوٹ نہ بولو" ——— عاصم بن عمرو نے کہا ——— "ہم صرف مویشی اور بھیڑ بکریاں لے کر چلے جائیں گے۔"

روایت جو مشہور ہوئی وہ یہ تھی کہ چرواہے نے جب تیسری بار جھوٹ بولا تو قریب کے ایک ... سے ایک بیل کی آواز آئی ——— "خدا کی قسم، یہ شخص جھوٹ بولتا ہے۔ ہم سب مویشی یہاں ہیں۔ آؤ اور ہمیں ہانک کر لے چلو۔"

عاصم بن عمرو اس مکان میں گئے۔ بڑا ہی وسیع صحن تھا اور وہاں بے شمار مویشی تھے۔ بھیڑیں، بکریاں ... گاؤں کے لوگ اپنے مویشی اس گھر میں بند کر کے چرواہے کو یہاں رکھوالی کے لیے چھوڑ گئے تھے۔ عاصم بن عمرو کی چھاپہ مار جماعت نے تمام مویشی اور بھیڑ بکریاں باہر نکالیں اور اپنے کیمپ میں لے آئے۔

اُس وقت کے لوگوں نے اس واقعہ کو سچ مان لیا کہ ایک بیل نے انسانوں کی طرح بول کر اپنی اور دوسرے مویشیوں کی نشاندہی کی تھی۔ یہ روایت مشہور و معروف مؤرخین طبری اور بلاذری نے اور ان کے دو تین ہم عصروں نے لکھی ہے۔ طبری اور بلاذری نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ روایت سینہ بسینہ حجاج بن یوسف کے زمانے میں پہنچی تو حجاج کے کانوں میں پڑی۔ حجاج نے اسے سچ ماننے سے انکار کر دیا اور ساتھ یہ عہد بھی کیا کہ وہ اس واقعہ کی تصدیق یا تردید کرے گا۔

حجاج بن یوسف نے بڑی کاوش اور تگ و دو سے اُن چند ایک آدمیوں کو ڈھونڈ نکالا جو جنگِ قادسیہ کے وقت نوجوان تھے اور اب ضعیف العمر ہو چکے تھے۔ حجاج نے ان سب کو بلا کر حلف لیا اور پوچھا کہ یہ واقعہ کیا تھا۔ ان سب نے حلفیہ بیان دیا کہ یہ واقعہ ایسے ہی ہوا تھا جیسے سنا سنایا گیا ہے اور بیل انسانوں کی زبان بولا تھا۔ گویا ان سب نے اس واقعہ کی تصدیق کر دی۔

حجاج بڑا کھرا اور حقیقت پسند آدمی تھا۔ وہ حجاج ہی تھا جس نے ایک عورت کی پکار پر محمد بن قاسم کو ہندوستان بھیجا تھا۔ (تفصیلات کے لیے ہماری کتاب "ستارہ جو ٹوٹ گیا" دیکھئے) حجاج نے تحقیقات کیں تو پتہ چلا کہ یہ افراد جو اس واقعہ کی تصدیق کر رہے تھے، عاصم بن عمرو کے ساتھ نہیں تھے، یعنی وہ عینی شاہد نہیں تھے۔

بہرحال حجاج نے اس خیال سے اس واقعہ کی تحقیقات جاری رکھی کہ تاریخ میں کوئی غلط بات نہ آ جائے۔ آخر راز یہ کھلا کہ جب چرواہا باہر کھڑا جھوٹ بول رہا تھا کہ یہاں کوئی مویشی نہیں اُس وقت قریبی مکان سے ایک بیل ڈکرایا۔ اس کی دیکھا دیکھی ایک اور بیل ڈکرایا۔ عاصم بن عمرو کے کان کھڑے ہو گئے اور وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ لے کر اندر گیا تو وہاں تمام مویشیوں کو موجود پایا۔

طبری اور بلاذری لکھتے ہیں کہ عربی زبان میں اظہاریت اور تشبیہوں کے انداز کچھ شاعرانہ سے ہوتے ہیں۔ ہوا یوں تھا کہ عاصم بن عمرو اتنے زیادہ مویشی اور بھیڑ بکریاں اور دودھ دینے والی گائیں لایا تو اُس نے خوشی اور ہیجانی کیفیت میں اپنے ساتھیوں کو یوں سنایا کہ چرواہا جھوٹ بول رہا تھا کہ مویشی

یہاں نہیں ہیں تو ایک بیل بول پڑا کہ ہم یہاں ہیں، آؤ اور ہمیں ہانک کر لے جاؤ... بیل کے بولنے
یہ تھا کہ بیل ڈکرایا اور مویشیوں کی نشاندہی ہو گئی۔

مسلمانوں کے اتنے زیادہ شب خون اور چھاپے ڈھکے چھپے تو نہیں رہ سکتے تھے۔ دو بستیوں کی بات نہیں تھی۔ مجاہدین نے کوئی بستی نہیں چھوڑی تھی۔ فارسیوں کو احساس ہو گیا بغاوت کی سزا دی جا رہی ہے۔ اس کے ساتھ ہی انہیں یہ پریشانی بھی لاحق ہوتی جا رہی تھی کہ ان کی فوج کہاں ہے کہ مسلمان دندناتے پھر رہے ہیں۔ اس کا اثر ان لوگوں پر نفسیاتی نوعیت کا ہوا۔ انہوں نے اپنی فوج کی بجائے مسلمانوں کو اچھا سمجھنا شروع کر دیا جو نہ شراب پیتے تھے نہ اُن کی عورتوں پر ہاتھ ڈالتے تھے۔

علامہ شبلی نعمانی نے ایک بستی کا ذکر کیا ہے۔ مسلمانوں کی ایک چھاپہ مار جماعت ایک بستی پر چھاپہ مارنے جا رہی تھی۔ بستی سے کچھ دور یہ جماعت رک گئی۔ شاید چل چل کر مجاہدین تھک گئے تھے۔ بستی سے دو تین عورتیں دوڑی آ رہی تھیں۔ انہیں معلوم نہیں تھا کہ یہاں مسلمان موجود ہیں۔ مسلمان چھپ کر بیٹھے سستا رہے تھے۔ عورتیں ان کے درمیان آگئیں۔ مجاہدین اٹھ کھڑے ہوئے۔ عورتیں اور زیادہ خوف زدہ ہو گئیں۔

"ہم ظلم سے بھاگ کر آئی ہیں" ___ ایک عورت نے کہا ___ "ہماری اپنی فوج کے پچیس آدمی گاؤں میں آگئے ہیں۔ لوگوں کے گھروں سے شراب منگوا کر پی رہے ہیں اور انہیں جو لڑکی اچھی لگتی ہے اسے الگ لے جا کر خراب کرتے ہیں۔ ایسے لگتا ہے جیسے اس گاؤں پر انہی کی حکومت ہو۔"

مجاہدین کی نفری ان فوجیوں کی نسبت خاصی تھوڑی تھی۔ پھر بھی ان عورتوں کو ساتھ لے کر وہ بستی میں چلے گئے۔ فارس کے فوجی شراب کے نشے میں بدمست تھے اور بستی میں انہوں نے اودھم مچا رکھا تھا۔ لوگوں نے گھروں کے دروازے بند کر لیے تھے۔ کچھ جوان عورتیں اِدھر اُدھر بھاگ گئی تھیں۔ مجاہدین نے کسی ایک بھی فوجی کو زندہ نہ چھوڑا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں نے مجاہدین کے آگے اناج کے ڈھیر لگا دیئے۔

فارس کا بادشاہ یزدگرد مدائن میں تھا۔ اُسے اطلاع ملی کہ کچھ لوگ فریادی بن کر آتے ہیں۔ یزدگرد باہر آگیا۔ بیس پچیس معزز قسم کے آدمی باہر کھڑے تھے۔ سب تعظیماً رکوع میں چلے گئے۔

"سیدھے ہو جاؤ اور بات کرو" ___ نوجوان یزدگرد نے کہا ___ "کیا فریاد لے کر آئے ہو؟"

"شہنشاہِ فارس!" ___ ان لوگوں میں سے ایک نے شاہی آداب کی پابندی کرتے ہوئے

"کسریٰ کی نسل کا اقبال بلند ہو۔ سورج کے بیٹے...."

"جو بات کرنے آئے ہو وہ کرو" ___ یزدگرد نے غصے سے کہا ___ "یہاں کوئی شہنشاہ نہیں۔ وقت ضائع نہ کرو۔"

"شہنشاہِ یزدگرد!" ___ ایک عمر آدمی نے کہا ___ "مسلمانوں نے ہمارے گھر خالی کر دیئے ہیں۔ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے فارس ہمارا نہیں مسلمانوں کا ملک ہے۔ اپنی فوج کا کہیں نام ونشان نہیں ملا۔ اپنے فوجی کہیں نظر آتے ہیں تو وہ اپنے ہی لوگوں کو پریشان کرتے نظر آتے ہیں۔"

ان لوگوں نے بتایا کہ مسلمان کس طرح آتے ہیں اور وہ بستیوں سے کیا کچھ اُٹھا لے جاتے ہیں۔

یزدگرد ان لوگوں سے فارغ ہو کر اندر گیا ہی تھا کہ اُسے اطلاع دی گئی کہ حاکم حیرہ مرزبان آیا ہے۔ یزدگرد نے اُسے اندر بلا لیا۔

"تمہارا چہرہ بتا رہا ہے کہ تم کوئی اچھی خبر نہیں لائے" ___ یزدگرد نے کہا۔

"میں اپنا چہرہ کسی کو دکھانے کے قابل نہیں رہا شاہِ فارس!" ___ مرزبان نے کہا ___ "عرب کے یہ ڈاکو میری بیٹی کو اٹھا لے گئے ہیں۔ اُس کا جہیز بھی لے گئے ہیں۔ بارات کے ساتھ معزز گھرانوں کی تیر عورتیں تھیں۔ انہیں بھی لے گئے ہیں۔ میں نے جسے داماد بنایا تھا اُسے قتل کر گئے ہیں۔"

مؤرخ لکھتے ہیں کہ یزدگرد نے اس سے آگے کچھ نہ سنا۔ غصے سے اٹھا، لمبے لمبے ڈگ بھرتا کچھ دیر کمرے میں ٹہلا، رکا اور مرزبان کی طرف دیکھا۔

"تم واپس حیرہ چلے جاؤ" ___ یزدگرد نے کہا ___ "میں عرب کی ساری بیٹیاں اٹھوا دوں گا.... رستم کو بلاؤ۔"

حاکم حیرہ مرزبان چلا گیا۔

رستم افواجِ فارس کا کمانڈر انچیف تھا اور اُسے کلی اختیارات حاصل تھے۔ ان حالات میں جب مسلمان عراق میں دندناتے پھر رہے تھے اور ان کے خوف سے بستیاں خالی ہوتی جا رہی تھیں، سب کی نظریں رستم پر لگی ہوئی تھیں۔ یزدگرد سے لے کر ایک عام اور غریب فارسی تک یہی کہتے تھے کہ رستم ہی مسلمانوں کو فارس سے نکال سکتا ہے اور رستم ہی عرب پر یلغار کر کے اسلام کا خاتمہ کر سکتا ہے۔

لوگوں کی نظریں تو رستم پر لگی ہوئی تھیں لیکن رستم کی نظریں اُس زائچے پر لگی ہوئی تھیں جو اُس نے علم نجوم و جوتش کی مدد سے بنایا تھا۔ پہلے ایک باب میں بتایا جا چکا ہے کہ رستم علم نجوم اور جوتش میں دسترس رکھتا تھا۔ بعض مؤرخوں نے لکھا ہے کہ وہ علم نجوم کا ماہر تھا اور اس کا تیار کیا ہوا زائچہ اور

اس کی پیشگوئی کبھی غلط نہیں نکلی تھی۔ فارس کے انجام کے متعلق اس نے صاف کہہ دیا تھا کہ اچھا نہیں بلکہ بہت بُرا ہوگا۔

جس وقت حاکمِ حیرہ مرزبان یزدگرد کے آگے اپنی بیٹی کا رونا رو رہا تھا، اُس وقت رستم کے پاس پوران دخت اور اُس کی بیوی بیٹھی ہوئی تھیں۔ وہ زائچہ سامنے رکھے انہیں بتا رہا تھا کہ فارس کا انجام اچھا نہیں ہوگا۔

"کیا تمہیں یقین ہے کہ تم نے زائچہ صحیح بنایا ہے؟" —— پوران دخت نے پوچھا۔

"اور اگر یہ زائچہ صحیح ہے" —— رستم کی بیوی نے کہا —— "تو اس کا انجام بدل دینے کا کوئی طریقہ نہیں؟ .... عامل ہیں، جادوگر ہیں۔"

"نہیں" —— رستم نے جواب دیا —— "یہ انجام ستاروں کے زیرِ اثر ہے۔ میں ستاروں کے سفر کے راستے نہیں بدل سکتا۔ میں کسی ستارے کو ایک بُرج سے نکال کر اپنی مرضی کے بُرج میں نہیں ڈال سکتا.... ہاں پوران! میرا زائچہ بالکل صحیح ہے۔ یہ میں نے آج پہلی بار نہیں بنایا۔ جب تم تخت نشین ہوئی تھیں تو بھی میں نے زائچہ تیار کیا تھا۔ ستاروں کے راستے اچھی طرح دیکھے تھے، اُس وقت بھی مجھے یہی جواب ملا تھا۔"

اتنے میں یزدگرد کے قاصد نے آکر اُسے کہا کہ شاہِ فارس بُلاتے ہیں۔

"ابھی آتا ہوں" —— رستم نے قاصد کو رخصت کرکے پوران اور بیوی سے کہا —— "میں جانتا ہوں یزدگرد مجھے کیوں بلا رہا ہے۔ مجھ تک خبریں پہنچ چکی ہیں کہ عربی ہماری بستیوں میں لوٹ مار کرتے ہیں۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ عربوں سے ہماری جنگ قادسیہ کے میدان میں ہوگی اور یہ بڑی ہولناک جنگ ہوگی۔ عربوں کی تعداد زیادہ سے زیادہ چالیس ہزار ہوگی اور ہماری فوج کی نفری سوا لاکھ ہوگی لیکن .... لیکن .... آگے اندھیرا ہے۔"

"کیا یزدگرد کو بتا دو گے کہ ....؟"

"نہیں!" —— رستم نے پوران کی بات کاٹتے ہوئے کہا —— "اُسے بتایا تو وہ سمجھے گا کہ میں لڑنے سے گریز کر رہا ہوں۔ میں صرف یہ کر سکتا ہوں کہ فارس کے اس انجام کو کچھ دنوں کے لیے ٹال دوں۔ یزدگرد سے کہوں گا کہ مجھے مدائن میں رہنے دے اور میں یہیں سے اپنی فوج کو لڑاتا اور مدد دیتا رہوں گا.... میرا غم ایک اور بھی ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ فارس کی شکست میرے نام لکھی جائے۔ میں نے آج تک کسی میدان میں شکست نہیں کھائی۔ میں نے شکستیں دی ہیں۔ میرا نام ہی فتح کا ضامن رہا ہے۔ میں کیسے برداشت کرلوں کہ ہونے والی عبرتناک شکست میرے کھاتے میں ڈال دی جائے۔"

ایک تو یہ حقیقت ہے جو ہر مؤرخ نے لکھی ہے کہ رستم جنگ کو ٹالنا چاہتا تھا۔ جنگ کو ٹالنے کی دوسری وجہ اُس کا وہ وعدہ بھی تھا جو اُس نے شیریں کے ساتھ کیا تھا۔ اُس نے شیریں سے کہا تھا کہ جنگ کو ٹالے گا۔ شیریں کے عزائم یہ تھے کہ وہ اپنے بیٹے شیرویہ کے قتل کا انتقام لینا چاہتی تھی اور اُس کا ارادہ ملکہ بننے کا بھی تھا۔ اُس نے رستم کو ایک خزانے کا اور وزیرِ اعظم کے رتبے کا لالچ بھی دیا تھا۔

رستم یزدگرد کے محل کو روانہ ہوگیا۔

"کیا اس میں کوئی شک ہے کہ عجم کے سب سے بڑے جنگجو اور جرنیل آپ ہیں؟" —— یزدگرد نے رستم سے کہا —— "صرف آپ ہیں جو ان عربی قزاقوں کو اپنے ملک سے نہ صرف یہ کہ نکال سکتے ہیں بلکہ ایک ایک سپاہی اور سالار کو کاٹ سکتے ہیں لیکن میں حیران ہوں کہ تمام تر فوج کے کماندارِ اعلیٰ آپ ہیں اور یہ نہیں دیکھ رہے کہ ملک میں کیا ہو رہا ہے۔ فوج تیار ہے۔ آپ فوراً عرب کے ان مسلمانوں کو تباہ کرنے کے لیے نکلیں .... اور میں آپ سے توقع رکھتا ہوں کہ آپ مدینہ کو بھی فتح کریں گے۔"

"شہنشاہِ فارس!" —— رستم نے کہا۔

"نہیں رستم!" —— یزدگرد نے کہا —— "میں آپ کا بچہ ہوں۔ مجھے شہنشاہی آپ نے دی ہے۔ آپ مجھے شہنشاہِ فارس نہ کہیں۔ پہلے اس خطرے کو ختم کریں جو مدائن تک پہنچ رہا ہے۔"

"اگر آپ نے آپ کو آپ بچہ اور مجھے اپنا باپ یا استاد سمجھتے ہیں تو میری بات ذرا توجہ سے سنیں" —— رستم نے کہا —— "مجھے مدائن میں ہی رہنے دیں۔ میں قاصدوں کے ذریعے میدانِ جنگ کو اپنے ہاتھ میں رکھوں گا۔ فوجوں کی تقسیم میں خود کردوں گا۔"

"لیکن اس کی کوئی وجہ ہونی چاہیئے" —— یزدگرد نے کہا۔

"فارس کی بھلائی شاید اسی میں ہے کہ میں میدانِ جنگ میں نہ جاؤں" —— رستم نے کہا —— "میں جنگ میں تاخیر کو بہتر سمجھتا ہوں۔ میں مدائن سے دستے بھیجتا رہوں گا اور عربوں کو چھوٹی چھوٹی لڑائیوں میں مصروف رکھوں گا۔ وہ اپنے ملک سے بہت دور آگئے ہیں۔ انہیں کمک اور رسد نہیں ملے گی۔ وہ کمزور ہوتے جائیں گے اور جب تک میں جنگ میں شریک نہیں ہوں گا عربوں پر میرا رعب قائم رہے گا۔"

مؤرخوں نے لکھا ہے کہ یزدگرد نے رستم کے اس استدلال کو تسلیم کرلیا اور رستم مطمئن ہوگیا لیکن مدائن میں یہ خبریں لوگوں کی فریادیں بن کر پہنچتی رہیں کہ مسلمانوں کی لوٹ مار اور قتل و غارت پہلے سے زیادہ ہوگئی ہے۔

یزدگرد نے کچھ دنوں بعد ایک بار پھر رستم کو بلایا اور کہا کہ وہ فوج لے کر مدائن سے نکلے اور مسلمانوں کے مقابلے میں جائے۔

"مجھے مدائن میں رہنے دیں" —— رستم نے کہا —— "جالینوس کو بھیج دیں۔ اگر جالینوس نے مسلمانوں

پڑتا لو پالیا تو خطرہ ختم ہو جائے گا۔ اگر جالینوس ناکام رہا تو ہم دوسرے جرنیل کو بھیجیں گے پھر تیسرے کو اور اس طرح ہم دشمن کو کمزور کرتے رہیں گے۔"

یزدگرد نے یہ استدلال بھی تسلیم کر لیا اور جالینوس کو بلا کر کہا کہ وہ کچھ دستے لے کر جائے اور مسلمانوں کو ختم کرے۔ تاریخ دان ولیم سکاٹ لکھتا ہے کہ جالینوس نے یزدگرد کو بتایا کہ مسلمانوں کے خلاف وہ پہلے بھی لڑ چکا ہے۔ انہیں اس طرح ختم کرنا بہت مشکل ہے۔

"ہمارے پاس فوج تیار ہے" — جالینوس نے کہا — "ہمیں ایک ہی بار جنگ لڑنی چاہیے۔ ہمارے پاس اتنی زیادہ فوج ہے کہ مسلمان اتنی زیادہ تعداد کو تصور میں ہی نہیں لا سکتے.... رستم کو باہر نکلنا چاہیے۔"

یزدگرد جوشیلا نوجوان تھا۔ اس میں اتنی سوجھ بوجھ نہیں تھی کہ رستم اور جالینوس جیسے گھاگ جرنیلوں کی چالیں سمجھ سکتا۔ جالینوس پہلے ہی مسلمانوں سے شکست کھا چکا تھا اور وہ میدان سے بھاگا تھا۔ وہ اب اتنی خطرناک ذمہ داری لینے سے ڈر رہا تھا۔

یزدگرد دو دن کوئی فیصلہ نہ کر سکا۔ تیسرے روز اس کے پاس مختلف علاقوں کے جاگیرداروں، رئیسوں اور ایسے معززین کا بہت بڑا وفد آ گیا جن کا لوگوں پر اثر و رسوخ تھا اور جن کے اشاروں پر لوگ جانوں پر کھیلنے کے لیے تیار ہو جاتے تھے۔

"شہنشاہِ فارس!" — وفد کے لیڈر نے کہا — "آپ بھولے نہیں ہوں گے کہ پوران دخت کو ہم نے تخت سے اٹھایا اور آپ کو بٹھایا تھا۔ ہم نے اپنے جرنیلوں سے کہا تھا کہ اپنے اختلافات ختم کرو اور فارس کو مسلمانوں سے بچاؤ ورنہ ہم آپ کے خلاف بغاوت کر دیں گے۔ آپ کو معلوم ہے کہ مسلمان پورے عراق پر چھا گئے ہیں اور من مانی کرتے پھر رہے ہیں۔ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ آپ کو معلوم نہ ہو اور ہم کیسے مان لیں کہ ہمارے قابلِ فخر جرنیل رستم کو معلوم نہ ہو۔ ہم حیران ہیں کہ آپ کی اور ہمارے جرنیلوں کی غیرت کو کیا ہو گیا ہے۔"

"تم لوگ فکر نہ کرو" — یزدگرد نے کہا۔

"ہم کیوں فکر نہ کریں!" — وفد میں سے ایک اور شخص بول پڑا — "ہم آج آپ کو یہ بتانے آئے ہیں کہ ایک دو دنوں میں کچھ نہ کیا گیا تو ہم مسلمانوں کی اطاعت قبول کر لیں گے۔ اور ہم آپ کو یہ بھی بتا دیتے ہیں کہ ہم نے مسلمانوں کو پہلے بھی دیکھا ہے۔ آپ کی بادشاہی کے مقابلے میں مسلمانوں کی حکومت اچھی ہے۔ انہوں نے ہمیں عزت دی تھی۔ ہماری عورتوں کی عزت، ہماری جانیں اور ہمارے مال محفوظ ہو گئے تھے۔"

"آپ کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیے" — ایک اور بولا — "لوگ ہمارے ہاتھوں میں ہیں۔ ہم

انہیں جدھر چاہیں لے جا سکتے ہیں۔"

"رک جاؤ" — یزدگرد نے تڑپ کر کہا — "تم سب چلے جاؤ۔ مت پوچھنا کہ میں ابھی تک خاموش کیوں تھا۔ آج اور ابھی حکم دوں گا کہ فوج کو باہر نکالو اور ان لٹیروں کو واپس عرب جانے کے قابل نہ چھوڑو" — اس نے تالی بجائی۔ دربان اندر آیا۔ یزدگرد نے دربان سے کہا — "رستم سے کہو فوراً آئے.... تم لوگ چلے جاؤ۔"

یہ تھی وہ شہنشاہی جس میں رعایا بادشاہ کے آگے سجدے کیا کرتی تھی۔ بادشاہ کے دربار میں کوئی کتنی ہی اونچی حیثیت اور رتبے والا آدمی چلا جاتا تو اسے بادشاہ کے آگے سجدہ کرنا ہی پڑتا تھا۔ اب مسلمانوں نے اس شہنشاہی کو اس حال تک پہنچا دیا تھا کہ رعایا دربار میں آ کر بادشاہ کو دھمکیاں دے رہی تھی اور بادشاہ سر اٹھانے کے قابل نہیں تھا۔

رستم آ گیا۔ یزدگرد غصے سے لال پیلا ہو رہا تھا۔

"میں اب کچھ نہیں سنوں گا" — یزدگرد نے رستم سے کہا — "آپ فوج لے کر فوراً مدائن سے نکلیں۔ اگر آپ اب بھی پس و پیش کریں گے تو میں خود فوج لے کر نکل جاؤں گا۔ میں ان عربوں کو ہی نہیں پورے عرب کو تباہ کر دوں گا۔ اتنی زیادہ فوج۔ اتنے زیادہ گھوڑے اور ہاتھی.... مسلمان ہمارے مقابلے میں کیا ہیں.... کیڑے مکوڑے.... اب میرا حکم ہے کہ فوج ساتھ لے کر مدائن سے نکل جائیں۔"

علامہ شبلی نعمانی تین مورخوں کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ رستم کچھ بھی نہ بولا اور چلا گیا اور اس سے کچھ دیر بعد رستم فوج کے بہت سے سوار دستے ساتھ لے کر ساباط کو روانہ ہو گیا۔

ساباط مدائن سے تھوڑی ہی دور ایک شہر تھا جو ان دنوں فوجوں کی اجتماع گاہ بنا ہوا تھا۔ رستم ساباط پہنچ گیا لیکن اس نے فوج کو تقسیم کر کے مختلف علاقوں میں بھیجنے کی بجائے اپنے جونیئر کمانڈروں سے کہا کہ آرام کرو۔

سعدؓ بن ابی وقاص نے اپنے جاسوس آگے بھیج رکھے تھے۔ ایک جاسوس نے آ کر اطلاع دی کہ رستم بہت سی فوج لے کر ساباط پہنچ گیا ہے۔ سعدؓ نے حضرت عمرؓ کے اس حکم کے مطابق کہ انہیں ذرا ذرا سی بات لکھ کر مدینہ بھیجی جائے، فوراً پیغام لکھوایا اور قاصد کو مدینہ روانہ کر دیا۔ فاصلہ تو بہت زیادہ تھا لیکن پیام رسانی کا ایسا انتظام کیا گیا تھا کہ پیغام مہینوں کی بجائے دنوں میں پہنچ جاتا تھا۔

پیغام امیر المومنین حضرت عمرؓ تک پہنچا تو انہوں نے اسی وقت جواب لکھوایا کہ تفصیلی ہدایات دوسرے خط میں دوں گا۔ تم فوری طور پر دو کام کرو۔ ایک یہ کہ کوچ کرو اور قادسیہ جا کر خیمہ زن ہو

جاؤ۔ جنگ کے لیے یہی جگہ موزوں ہوگی۔ دوسرا کام یہ کرو کہ یزدگرد کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دو۔ یہ خیال رکھنا کہ جو آدمی مدائن جائیں وہ تمہارے منتخب کیے ہوئے دانشمند اور معزز ہوں۔ یزدگرد سے جو جواب آئے وہ لکھ کر بھیجنا۔

یہ ہدایات پہنچتے ہی سعدؓ بن ابی وقاص نے یزدگرد کے پاس بھیجنے کے لیے ایک وفد تیار کیا جن میں یہ حضرات شامل تھے ۔۔۔ عطارد بن حاجب، اشعث بن قیس، حارث بن حسان، عاصم بن عمرو، عمرو بن معدی کرب، مغیرہ بن شعبہ، معنّیٰ بن حارثہ، نعمان بن مقرّن، لبسر بن ابی داہم، حملہ بن جویہ، حنظلہ بن الربیع التیمی، فرات بن حیان العجلی، عدی بن سہیل اور مغیرہ بن زرارہ ۔۔۔ تاریخ میں ان چودہ زعماء کے نام محفوظ ہیں۔

یہ وفد مدائن گیا۔ یزدگرد نے انہیں بلا لیا۔ وفد کے ہر آدمی نے عربی جُبّہ پہن رکھا تھا۔ ہر ایک کے کندھے پر یمنی چادر تھی اور ہر ایک کے ہاتھ میں ایک ایک کوڑا (چمڑے کا ہنٹر) تھا۔ یزدگرد نے انہیں دیکھا تو اس کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ آگئی۔ اُس نے اپنے درباریوں سے کہا۔۔۔ ”کیا یہ ہیں مسلمان؟ ان کا لباس دیکھو۔ کیا یہ ان کوڑوں سے لڑیں گے؟“

”تم ہمارے ملک میں کیوں آئے ہو؟“ ۔۔۔ یزدگرد نے نخوت اور رعونت کے لہجے میں پوچھا۔۔۔ ”کیا تم یہ توقع لے کر آئے ہو کہ ہم پر فتح پالو گے؟“

”اے فارس کے بادشاہ!“ ۔۔۔ نعمان بن مقرّن نے کہا ۔۔۔ ”شہنشاہی صرف اللہ کی ہے۔ ہم تجھے قبولِ اسلام کی دعوت دینے آئے ہیں“ ۔۔۔ نعمان بن مقرّن نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور آپؐ کی تعلیمات اور اسلام کا مکمل تعارف کرا کے کہا ۔۔۔ ”اگر تجھے قبولِ اسلام سے انکار ہے تو جزیہ کی ادائیگی قبول کر لے۔ اگر یہ بھی نہیں تو فیصلہ تلوار کرے گی۔ اگر تُو نے دین اللہ قبول کر لیا تو ہم اللہ کی کتاب تیرے پاس چھوڑ جائیں گے۔ پھر تجھے اپنے فیصلے اس کتاب کے مطابق کرنے پڑیں گے۔“

”او بدبختو!“ ۔۔۔ یزدگرد نے غصے اور حقارت سے کہا ۔۔۔ ”میں نے دنیا میں تم سے زیادہ بدبخت اور خستہ حال قوم کوئی نہیں دیکھی۔ کیا وہ وقت بھول گئے ہو جب کبھی تم سرکشی کرتے تھے تو ہم سرحدی بستیوں کے لوگوں کو کہہ دیتے تھے اور وہ تمہیں مار پیٹ کر تمہارا دماغ درست کر دیا کرتے تھے۔ فارس کی طرف سے تم پر کبھی فوج کشی نہیں ہوئی۔ اس وجہ سے شاید تم اس خوش فہمی میں مبتلا ہوگئے ہو کہ تم فارس پر فتح پالو گے۔ تم اگر بہت ہی زیادہ تعداد میں آگئے تو بھی ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکو گے۔ اس طرح احمقوں کی طرح اکڑنا چھوڑ دو.... ہاں، اگر تمہارے ملک میں قحط پڑ گیا ہے یا تم لوگ مفلسی سے تنگ آکر ادھر کو آگئے ہو تو ہم تمہارے کھانے پینے کا بندوبست کر دیں گے اور ہم اُس وقت تک تمہیں اناج وغیرہ دیتے رہیں گے جب تک تم اپنا اناج پیدا کرنے کے قابل نہیں ہو جاتے۔

ہم تمہارے سرداروں کو اچھے کپڑے پہنائیں گے اور تم پر ایسے شخص کو بادشاہ مقرر کر دیں گے جو تمہاری ضروریات پوری کرتا رہے گا اور تمہارے ساتھ مشفقانہ برتاؤ رکھے گا۔“

یزدگرد کے یہ الفاظ تاریخ میں محفوظ ہیں۔ مسلمانوں کا وفد خاموشی سے سنتا رہا لیکن مغیرہؓ بن شعبہ برداشت نہ کر سکے۔ اُٹھ کھڑے ہوئے۔

”او بادشاہ!“ ۔۔۔ مغیرہؓ نے کہا ۔۔۔ ”بادشاہت کے غرور کو دماغ سے نکال اور یہ دیکھ کہ یہ سب عرب کے سردار، شرفاء اور معززین ہیں۔ معزز کی عزت وہی کرتا ہے جس کی اپنی کچھ عزت ہو۔ انہوں نے ابھی تجھے ساری باتیں نہیں کہیں۔ مجھ سے بات کر۔ میں تجھے جواب دیتا ہوں۔ تُو ٹھیک کہتا ہے کہ ہم خستہ حال تھے۔ ہاں ہم خستہ حال تھے اور اب بھی ویسے ہی ہیں لیکن اسلام نے ہمیں جو دولت دی ہے وہ تُو نہیں سمجھتا۔ وہ سمجھنے کی کوشش کر.... سن لے۔ اسلام قبول کر لے یا جزیہ یا پھر جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ، پھر دیکھنا خستہ حال کون ہے۔“

”اگر ایلچیوں اور قاصدوں کا قتل درباری اصول کے خلاف نہ ہوتا تو تم میں سے کوئی بھی یہاں سے زندہ واپس نہ جاتا“ ۔۔۔ یزدگرد نے غضبناک لہجے میں کہا ۔۔۔ ”جاؤ، یہاں سے چلے جاؤ.... نہیں ذرا ٹھہرو۔ میں تمہیں خالی ہاتھ نہیں بھیجوں گا“ ۔۔۔ اُس نے حکم دیا ۔۔۔ ”ایک ٹوکرا مٹی سے بھر کر لایا جائے اور ٹوکرا ان میں سے اُس شخص کے سر پر رکھ دیا جائے جو اپنے آپ کو سب سے زیادہ معزز سمجھتا ہے، اور پھر ان سب کو ہانک کر مدائن سے نکال دیا جائے“ ۔۔۔ وہ وفد سے مخاطب ہُوا ۔۔۔ ”تمہارا جو کوئی سردار یا سالار ہے تو اُسے کہہ دینا کہ تمہارا دماغ درست کرنے کے لیے میں رستم کو بھیج رہا ہوں۔ وہ تمہیں قادسیہ کے میدان میں دفن کر دے گا، پھر میں رستم کو عرب میں بھیجوں گا پھر تمہارے ہوش ایسے ٹھکانے آئیں گے کہ عراق کو بھول جاؤ گے۔“

مٹی کا بھرا ٹوکرا دربار میں آگیا۔

”تم میں سب سے زیادہ معزز کون ہے؟“ ۔۔۔ یزدگرد نے وفد سے پوچھا۔

عاصم بن عمرو یہ سوچ کر آگے ہو گیا کہ یہ بدبخت بادشاہ کسی بزرگ صحابی کے سر پر ٹوکرا رکھوا دیگا۔

”میں ہوں سب سے زیادہ معزز“ ۔۔۔ عاصم بن عمرو نے کہا ۔۔۔ ”ٹوکرا میرے سر پر رکھو۔“

ٹوکرا عاصم کے سر پر رکھ دیا گیا۔ دربار میں قہقہہ بلند ہُوا۔ وفد دربار سے نکل آیا۔ سب گھوڑوں پر سوار ہوئے۔ عاصم نے مٹی کا ٹوکرا گھوڑے پر اپنے آگے رکھا اور مدائن سے نکل آئے۔

جب وفد سعدؓ بن ابی وقاص کے پاس پہنچا تو عاصم بن عمرو نے مٹی کا ٹوکرا ان کے آگے رکھ دیا۔

”سالارِ محترم!“ ۔۔۔ عاصم نے کہا ۔۔۔ ”فتح مبارک ہو۔ فارس کے بادشاہ نے اپنی زمین خود ہی ہمیں تحفے کے طور پر دے دی ہے۔“

ایک طرف اللہ کے سچے دین کے پیامبر تھے اور وہ بنی نوع انسان کو باطل سے نجات دلاکر راہِ حق پر ڈالنے کے لیے گھروں سے نکلے تھے۔ دوسری طرف باطل کے پجاری تھے جو آگ کی پرستش کرتے اور سورج کو خدا مانتے تھے۔

اِدھر وہ مردانِ حُر تھے جو ساری دنیا پر اللہ کی حکمرانی قائم کرنے کا عزم لے کر نکلے اور عزم پر جانوں کے نذرانے دے رہے تھے۔ اُدھر ہوسِ تخت و تاج تھی اور یہ ہوس انہیں ایک دوسرے کا دشمن بناتے ہوئے تھی۔

اِدھر جذبوں کا جنوں تھا اُدھر جنگی طاقت کا گھمنڈ تھا۔ مشکل تو یہی آپڑی تھی کہ جنگی طاقت باطل کے پاس تھی اور ان کے مقابلے میں اللہ والے نہتے سے لگتے تھے۔ اُس وقت تک فارس ایک لاکھ بیس ہزار نفری کی فوج تیار کر چکے تھے اور مسلمانوں کے لشکر کی تعداد چالیس ہزار پوری نہیں تھی۔ فارسیوں کے پاس گھوڑ سوار دستے زیادہ تھے اور ان کے پاس ہاتھی بھی تھے۔

رستم ساباط پہنچ چکا تھا۔ یزدگرد محل کے ایک کمرے میں بیٹھا تھا۔ اُس کے چہرے پر تاثر تھا جیسے وہ کسی پریشان کُن مسئلے میں اُلجھا ہُوا ہو۔ اُس کی ماں نورین اسی کمرے میں بیٹھی اُسے دیکھ رہی تھی۔ یزدگرد تو جیسے اپنی ماں کی موجودگی سے بے خبر تھا۔

"یزدی بیٹا!" — ماں سے رہا نہ گیا، بیٹے سے پوچھا — "کیا سوچ رہے ہو؟"

"تم جانتی ہو ماں!" — یزدگرد نے کہا — "تم جانتی ہو میں کیا سوچ رہا ہوں۔ اس ذمہ داری کے سوا اور میں سوچ ہی کیا سکتا ہوں جو میرے کندھوں پر ڈال دی گئی ہے۔ میں تو رات کو بھی نہیں سکتا ماں! فارس کی سلطنت خطرے میں ہے۔"

"کیا اپنے پاس فوج تھوڑی ہے بیٹا؟" — نورین نے کہا — "میں نے سنا ہے عربوں کی فوج بہت ہی تھوڑی ہے۔ تم اپنے آپ کو اتنا پریشان نہ رکھا کرو بیٹا!"

"عربوں کی فوج بویب میں بھی تھوڑی تھی" — یزدگرد نے کہا — "بلکہ بہت ہی تھوڑی تھی۔ ہماری فوج کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ میدان میں سما نہیں سکتی تھی لیکن عربوں کی ذرا جتنی فوج نے ہمارے اتنے بڑے لشکر کو اس طرح کاٹا کہ وہی چند ایک فوجی زندہ رہے جنہیں بھاگ نکلنے کا موقع

... بات یہ ہے ماں! عرب کے یہ مسلمان جانیں قربان کرنے کے لیے لڑتے ہیں اور ہمارے ... جانیں بچانے کے لیے لڑتے ہیں۔"

"لیکن یزدی!" — نورین نے کہا — "تم اکیلے کیا کر سکتے ہو؟ میں تمہیں زندہ و سلامت دیکھنا چاہتی ہوں۔ فوج ہار گئی تو اس میں تمہارا کیا قصور ہو گا؟"

"میری پیاری ماں!" — یزدگرد نے کہا — "جس طرح تمہیں مجھ سے پیار ہے اس طرح مجھے اپنے وطن سے پیار ہے۔ مت بھولو ماں! یہ میرے باپ کسریٰ پرویز کی سلطنت ہے۔ یہ میرا ورثہ ہے، یہ تمہارا ورثہ ہے۔ اس کی خاطر میرے باپ کو قتل کیا گیا تھا۔ یہ بھی سوچو کہ مجھے لوگ لائے ہیں۔ اگر کوئی مجھے یقین دلا دے کہ میں اگر جان دے دوں تو سلطنتِ فارس ہمیشہ قائم و دائم رہے گی تو میں ابھی جان دے دوں گا۔"

"ایسی باتیں نہ کر یزدی!" — ماں نے تڑپ کر کہا — "میں پوری سلطنت تمہاری جان پر قربان کر دوں بیٹا!"

"میری بات سن لو ماں!" — یزدگرد نے کہا — "اگر مجھے زندہ رکھنا تھا تو مجھے چھپا کر ہی رکھتیں۔ میں تمہارے پنجرے میں گمنام پڑا رہتا۔ مجھے میدان میں لے آئی ہو تو مردوں کی طرح مجھے اپنا فرض ادا کرنے دو۔ میں مر گیا تو کیا ہو جائے گا؟ فارس کی ہزارہا مائیں رو رہی ہیں۔ مجھے اپنے پیار کی زنجیروں میں نہ جکڑو ماں! میں ساباط جا رہا ہوں .... دو تین دنوں تک چلا جاؤں گا۔"

"تم جا کر کیا کرو گے بیٹا!" — ماں نے کہا — "رستم اور جالینوس فوج لے کر چلے گئے ہیں۔ پتہ چلا ہے کہ عربی مسلمان قریب آگئے ہیں۔ وہاں لڑائی ہو گی۔"

"میں لڑنے کے لیے نہیں جا رہا ماں!" — یزدگرد نے جھنجھلا کر کہا — "میں رستم اور جالینوس کے پیچھے جا رہا ہوں۔ مجھے رستم کی نیت ٹھیک معلوم نہیں ہوتی۔ وہ لڑائی کو ٹال رہا ہے۔ علمِ نجوم نے اُسے بزدل بنا دیا ہے۔ وہ دعویٰ کرتا ہے کہ آنے والے وقت کو دیکھ سکتا ہے۔ میں اُس کے سر پر موجود رہوں گا تو وہ کوئی حرکت اور جنگی کارروائی کرے گا۔"

ماں یزدگرد کو یوں دیکھ رہی تھی جیسے وہ اکیس بائیس سال کا جوان آدمی نہ ہو بلکہ اکیس بائیس ماہ کا بچہ ہو اور ماں کی نظروں سے ذرا سی دیر کے لیے بھی اوجھل ہُوا تو کوئی اُسے اُٹھا کے لے جائے گا لیکن یزدگرد کا دھیان کہیں اور تھا۔ اُس کے اعصاب پر رستم سوار تھا۔ اُسے رستم کی طرف سے تسلی نہیں تھی۔

⚔

جس وقت یزدگرد اور اُس کی ماں یہ باتیں کر رہے تھے، اُس وقت مدائن سے کچھ دور ایک

بستی میں شیریں کے گھر میں چار آدمی آئے بیٹھے تھے۔ شیریں نے ان کے آگے شاہانہ کھانا رکھا تھا اور ساتھ وہ شراب بھی جو کوئی بادشاہ ہی پی سکتا تھا۔ دو نوخیز لڑکیاں حاضری میں کھڑی تھیں۔ نوکرانیاں تھیں۔ انہیں خاص قسم کا لباس پہنایا گیا تھا جس سے ان لڑکیوں کے صرف نیچے کے حصے ڈھانپے ہوئے تھے۔ حسن ایسا کہ چاروں مہمان کھانے کی طرف کم اور ان لڑکیوں کی طرف زیادہ دیکھ رہے تھے۔ وہ نوکرانیاں لگتی ہی نہیں تھیں۔ شیریں کے بجھے بجھے سے چہرے پر رونق اور ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔

شیریں اپنے ان مہمانوں کے ساتھ راز و نیاز کی باتیں کر چکی تھی۔ چاروں نے سودا منظور کر لیا تھا۔ شیریں نے انہیں یہ کام بتایا تھا کہ یزدگرد کو قتل کرنا ہے لیکن ایسے طریقے سے کہ کوئی قاتل پکڑا نہ جائے۔ اس نے ان چاروں کو جو انعام یا معاوضہ بتایا تھا، اس کو وہ تصوّر میں بھی نہیں لا سکتے تھے۔ اس کے علاوہ اس نے انہیں ایسی ہی ایک ایک لڑکی کی پیش کش کی تھی جیسی دو لڑکیاں ان کی حاضری میں موجود تھیں۔

"محل میں اُسے قتل کرنا ممکن نہیں" — ان چاروں میں سے ایک نے کہا تھا — "شہر کے اندر بھی یہ کام نہیں کیا جا سکتا۔ اگر یزدگرد شہر سے باہر کہیں گیا تو راستے میں چھپ کر اس پر تیر چلائے جا سکتے ہیں اور ہم غائب بھی ہو سکتے ہیں۔"

"ہمیں انتظار کرنا پڑے گا" — دوسرے نے کہا — "یہ کام جلدی ہونے والا نہیں۔"

"یہ تمہارا مسئلہ ہے کہ یہ کام جلدی کرو یا دیر سے" — شیریں نے کہا — "یہ بھی سوچ لو کہ وہ شہر سے باہر کہیں گیا تو اکیلا نہیں ہو گا۔ وہ بادشاہ ہے۔ اُس کے ساتھ حفاظتی دستہ ہو گا۔"

"یہ ہم دیکھ لیں گے" — ایک نے کہا۔

دو دن ہی گزرے تھے کہ یزدگرد ساباط جانے کی تیاری کر رہا تھا اور اُس کی ماں اُسے جانے سے روک رہی تھی۔

"کچھ نہیں ہو گا ماں!" — یزدگرد نے نورین سے کہا — "مجھے کچھ نہیں ہو گا۔ میں اب بچہ نہیں ہوں۔"

"آج نہ جاؤ" — نورین نے روتے ہوئے کہا — "دو روز بعد چلے جانا۔ میں نے بہت بُرا خواب دیکھا ہے۔ میں نے تمہیں..."

"خوابوں کی دنیا سے نکلو ماں!" — یزدگرد نے کہا — "فارس کی زمین بھی میری ماں ہے۔ میں نے اس ماں کی آبرو کو بچانے کی قسم کھائی ہے۔"

"نہیں یزدی!" — ماں نے لپک کر اُسے بازوؤں میں جکڑ لیا — "آج نہیں جانے دوں گی۔ میرا دل کہتا ہے آج کچھ ہو جائے گا۔"

یزدگرد جوان آدمی تھا۔ اُس نے ایک جھٹکے سے اپنے آپ کو ماں کے بازوؤں سے آزاد کرا لیا اور کسی کو بلا کر کہا کہ اُس کی ماں کو یہاں سے لے جائے۔ تین چار خادمائیں آ گئیں اور اُنہوں نے نورین کو پکڑ لیا۔ یزدگرد نے انہیں اشارہ کیا کہ اسے گھسیٹ کر لے جاؤ۔

یزدگرد باہر نکل کر گھوڑے پر سوار ہوا تو بھی اُسے اپنی ماں کی گھُٹی گھُٹی چیخیں سنائی دے رہی تھیں۔ وہ ماں کو اپنے ساتھ ساباط بھی لے جا سکتا تھا لیکن اسی خطرے کے پیشِ نظر نہ لے گیا کہ وہ قدم قدم پر اُس کے راستے کی رکاوٹ بن جائے گی۔ یزدگرد کے آگے اور پیچھے محافظ دستے کے گھوڑسوار تھے۔ ایک جرنیل بھی اُس کے ساتھ تھا۔

وہ جب شہر سے نکل کر کچھ دُور چلا گیا تو محل میں اُس کی ماں آہ و زاری کرتے کرتے نیم جاں ہو گئی تھی۔

"مجھے شہر پناہ تک پہنچا دو" — نورین نے التجا کی — "میں اپنے یزدی کو جاتے ہوئے دیکھنا چاہتی ہوں۔"

اُسے شہر کی دیوار پر لے گئے۔ اُس نے دیکھا۔ اُس کے بیٹے کا فوجی قافلہ بہت دُور جا رہا تھا۔ اس کے آنسو بہہ رہے تھے۔ یہ تو سب جانتے تھے کہ نورین اپنے بیٹے کے متعلق بہت حساس ہے اور اُسے اپنی نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دیتی لیکن اُس روز اُس کی جذباتی حالت اُس کے اپنے قابو میں نہیں آ رہی تھی اور وہ خود دوسروں کے ہاتھوں سے نکلی جا رہی تھی۔

وہ ماں تھی۔ اُس کی رُوح اپنے اس اکلوتے اور یتیم بیٹے میں تھی۔ ماں کو تو جیسے اشارہ مل گیا تھا کہ اس کا بیٹا کسی خطرے میں جا رہا ہے اور وہ خیریت سے واپس نہیں آئے گا۔ یہ اشارہ بے بنیاد نہیں تھا۔ اُن چار آدمیوں کو جن کے ساتھ شیریں نے یزدگرد کے قتل کا سودا کیا تھا، پتہ چل گیا تھا کہ یزدگرد ساباط جا رہا ہے۔ شاہی محل کے کارندوں میں ان کا کوئی آدمی تھا جس نے انہیں قبل از وقت بتا دیا تھا۔

وہ چاروں علی الصبح گھوڑوں پر سوار ہوئے اور ساباط کے راستے میں اُنہوں نے گھات کی ایک ایسی موزوں جگہ تلاش کر لی جہاں سے وہ یزدگرد پر تیر چلا کر بھاگ سکتے تھے۔ یہ ایک خاصی اونچی ٹیکری تھی جو اونچی گھاس، گھنی جھاڑیوں اور درختوں سے ڈھکی ہوئی تھی۔ اس کے دامن میں ایک چشمہ تھا جس نے چھوٹی سی جھیل کی صورت اختیار کر رکھی تھی۔ اس کے سامنے والے کنارے کے ساتھ ساتھ ساباط کی طرف جانے والا راستہ گزرتا تھا۔ ٹیکری کے پیچھے پہاڑی تھی۔ اس

کے اور ٹیکری کے درمیان اتنا فاصلہ تھا کہ تین چار گھوڑے ٹیکری اور پہاڑی کے درمیان سے گزر سکتے تھے۔ پہاڑی میں ایک جگہ کٹاؤ تھا جس میں سے گزرا جاسکتا تھا۔

ان چار آدمیوں نے گھات لگائی تھی۔ گھوڑے ٹیکری کے پیچھے کھڑے تھے۔ کران کے ان چار رفیقوں میں سے دو کے پاس کمانیں تھیں۔ وہ ایسی جگہ بیٹھ گئے تھے جہاں سے وہ اچھی طرح سامنے دیکھ سکتے تھے اور اُدھر سے یہ کسی کو نظر نہیں آتے تھے۔ ان کے استاد نے انہیں بتایا تھا کہ یزدگرد پر بیک وقت دو تیر چلانا اور کمانوں سے تیر نکلتے ہی ٹیکری کے پیچھے جا کر گھوڑوں پر سوار ہونا اور گھوڑے دوڑا کر پیچھے والی پہاڑی کے کٹاؤ میں نکل جانا۔ اس تجربہ کار آدمی نے کہا تھا کہ یزدگرد کو تیر لگیں گے تو اس کے ساتھی اور محافظ بوکھلا جائیں گے۔ کچھ دیر کے لیے سب کی توجہ یزدگرد پر مرکوز ہو جائے گی۔ تعاقب کا خیال انہیں تھوڑی دیر کے بعد آئے گا، اس وقت میں تم دور پہنچ چکے ہو گے۔

یہ چاروں یزدگرد سے بہت پہلے مدائن سے نکل آئے اور انہوں نے رفتار بھی تیز رکھی تھی اس لیے انہیں یزدگرد کا خاصا زیادہ انتظار کرنا پڑا۔ آخر ان کا شکار انہیں آتا دکھائی دینے لگا۔ جب یہ قافلہ چشمے کے قریب آیا تو یزدگرد نے حکم دیا کہ جو لوگ پانی پینا چاہیں پی لیں اور گھوڑوں کو بھی پانی پلا لیا جائے۔

قافلہ رک گیا اور سب گھوڑوں سے اُتر آئے۔

یزدگرد کی ماں مدائن میں تڑپ رہی تھی۔ اُس کی خادمائیں اُسے بہلا بہلا کر تھک گئیں تو انہوں نے دو تین جرنیلوں کی بیویوں کو اطلاع دی۔ وہ دوڑی گئیں اور یزدگرد کی ماں کو تسلیاں دینے لگیں لیکن ماں پر تو جیسے نزع کا عالم طاری ہو گیا تھا۔

وہ اکلوتا اور یتیم بیٹا جس کے لیے ماں تڑپ تڑپ کر بے حال ہوتی جا رہی تھی وہ بیک وقت دو تیراندازوں کی شست میں آگیا تھا۔ وہ گھوڑے سے اتر کر چشمے کے کنارے کھڑا ہو گیا تھا۔ چشمے کا پانی اتنا شفاف تھا کہ جھیل کی تہ بھی دکھائی دے رہی تھی۔

تیراندازوں نے کمانوں میں تیر ڈال لیے تھے اور کمانیں کھنچ رہی تھیں۔ یزدگرد نے اس طرف دیکھا۔ اُسے قدرت کا یہ حسن اچھا لگا ہو گا۔ اُسے بتانے والا کوئی نہ تھا کہ یہ موت کا حسن ہے اور اُس کی زندگی ایک دو لمحے ہی رہ گئی ہے۔

ان ایک دو لمحوں میں ایک کمان کی 'ٹنگ' سنائی دی۔ کمان سے تیر نکلا لیکن اس تیر کا رُخ یزدگرد کی طرف نہیں بلکہ ان دونوں تیراندازوں میں سے ایک کی طرف تھا۔ وہ تیرانداز یزدگرد کو نشانہ

بنا چکا تھا لیکن یزدگرد وہاں سے ہٹ کر چل پڑا۔ کمان سے نکلا ہوا تیر تیرانداز کے پہلو کی طرف سے آیا تھا۔ تیر ایک طرف سے اُس کی شہ رگ میں داخل ہوا اور آدھی لمبائی تک دوسری طرف نکل کر وہیں رک گیا۔

تیرانداز کے حلق سے خراٹہ نکلا اور اس کے ہاتھ سے کمان گر پڑی۔ تیر جو اُس نے کمان میں ڈال رکھا تھا وہ بھی ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ دوسرے تیرانداز نے اپنے ساتھی کو دیکھا تو اُس نے کمان نیچے کی اور وہاں سے بھاگ اُٹھا۔ اس کے دو اور ساتھی ٹیکری کے نیچے کھڑے تھے۔ وہ سمجھے کہ ان کے تیرانداز ساتھی اپنا کام کر آئے ہیں۔ وہ کود کر گھوڑوں پر سوار ہوئے اور ایڑ لگا دی۔ ذرا سی دیر میں وہ پچھلی پہاڑی میں سے گزر گئے۔

ان گھوڑوں کے ٹاپ یزدگرد اور اُس کے قافلے نے سُنے اور کان کھڑے کیے پھر ٹاپ دُور نکل گئے۔ تیسرا گھوڑسوار بھی بھاگ گیا۔ چوتھا ٹیکری کے اوپر ہی پڑا رہ گیا۔

ٹیکری کے اوپر پر دو آدمی اونچی گھاس اور جھاڑیوں میں چھپتے تیرانداز تک پہنچے۔ وہ اب تڑپ رہا تھا اور اس کی شہ رگ سے خون کا فوارہ جاری تھا۔

ان دونوں آدمیوں نے تڑپتے ہوئے تیرانداز کو پاؤں سے پکڑ کر گھسیٹا اور اسے چشمے کی طرف ٹیکری سے لڑھکا دیا۔ وہ لڑھکتا ہوا چشمے کے کنارے جا رکا۔ یزدگرد اور قافلے والوں نے اُسے دیکھا پھر اُوپر دیکھا۔ وہاں دو آدمی کھڑے تھے۔ دونوں نیچے اترے اور یزدگرد کے سامنے جا کھڑے ہوئے۔

"ساران؟" ___ یزدگرد نے ان میں سے ایک کو پہچان کر پوچھا ___ "تم یہاں کیسے؟.... یہ کیا ہے؟ کون ہے یہ؟"

ساران وہ شخص تھا جو یزدگرد کی ماں نورین کے پاس گیا اور اُسے بڑی مشکل سے قائل کیا تھا کہ وہ یزدگرد کو مدائن لاتے کیونکہ تمام سرکردہ لوگ اسے تخت پر بٹھانا چاہتے ہیں۔ ماں ڈرتی تھی کہ فارس کا تخت اپنے بہت سے وارثوں کا خون پی چکا ہے اور وہ اپنے بیٹے کو قتل نہیں کرانا چاہتی۔ ساران نے یزدگرد کی جان کی حفاظت کی ذمہ داری اپنے سر لے لی تھی۔ یزدگرد نے بھی ماں سے کہا تھا کہ اگر لوگ چاہتے ہیں تو وہ اپنے باپ کی سلطنت کی سلامتی کے لیے مدائن جائے گا۔

تاریخ جو قرائن پیش کرتی ہے ان سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ نورین خسرو پرویز کی بیویوں میں سے ایک تھی لیکن یزدگرد ساران کا بیٹا تھا۔ یہ قرائن پہلے تفصیل سے سنائے جا چکے ہیں۔

اب یزدگرد ساران کو ایک آدمی کے ساتھ مدائن سے دُور ایک چشمے پر دیکھ رہا تھا اور

ایک آدمی تیر شہ رگ میں اُترا ہوا ٹیکری سے لڑھکتا نیچے آیا تھا۔ ساران یزدگرد کو الگ لے گیا... کے بادشاہوں کے آگے تو لوگ سجدے کیا کرتے تھے لیکن ساران فارس کے اس بادشاہ کو ایک طرف لے گیا جیسے وہ رعایا ہو۔

"تمھیں یاد ہوگا یزدگرد!" ــــ ساران نے کہا ــــ "میں نے تمھاری ماں سے وعدہ کیا تھا کہ تمھارے بیٹے کی حفاظت کا ذمہ دار میں ہوں گا۔ آج تم ساباط کے لیے روانہ ہوتے تو میرے... نے یہ بات ڈالی کہ چار گھوڑ سوار تم سے پہلے شہر سے نکلے ہیں۔ یہ اطلاع دینے والا ان گھوڑ سواروں کو مشکوک سمجھتا تھا۔ اُس نے یہ بھی بتایا کہ یہ چار آدمی دو کمانیں اور ترکش بھی ساتھ لے گئے ہیں....

"شک مجھے بھی ہُوا۔ میں نے اپنے اعتماد کا ایک آدمی ساتھ لیا۔ ایک کمان اور ترکش لی اور چاروں کے پیچھے راستے سے ہٹ کر چل پڑا کہ یہ دیکھ نہ لیں۔ چشمے کے قریب آکر وہ راستے سے ہٹے اور پہاڑیوں کے اندر چلے گئے تو میں سمجھ گیا کہ ان کا ارادہ خطرناک ہے۔ انہوں نے گھوڑے نیچے چھوڑے اور اوپر چلے گئے۔ ہم دونوں دُور تھے۔ ہم نے گھوڑے دُور ہی چھُپا دیئے اور چھُپ چھُپ کر ٹیکری پر چڑھے پھر پیٹ کے بل رینگتے ان کے قریب چلے گئے.... وہ اوپر دیکھیں، ہمارے چھپنے کی جگہ کتنی اچھی تھی....

"یہ تو مجھے معلوم ہی نہیں تھا کہ یہ لوگ کیا کریں گے۔ شک یہی تھا کہ یہ تم پر وار کریں گے۔ ایک شک یہ بھی تھا کہ تمھارے ساتھ جو جرنیل جا رہے تھے، ان میں سے کسی کو یہ لوگ ہلاک کرنے آئے تھے.... تم آگئے۔ تمھارے محافظوں نے تمھیں حصار میں لے رکھا تھا لیکن بلندی سے تمھیں آسانی سے تیروں کا نشانہ بنایا جا سکتا تھا.... تم چشمے پر آکر رک گئے تو دو تیر اندازوں نے کمانوں میں تیر ڈالے اور تمھیں نشانہ بنانے لگے۔ ہمارے پاس ایک ہی کمان تھی۔ ایک آدمی کو تو ہم مار سکتے تھے لیکن خطرہ یہ تھا کہ ایک پر ہم نے تیر چلایا تو دوسرا تم پر تیر چلا دے گا لیکن ایک کی گردن سے میرا تیر پار ہُوا تو دوسرا تیر چلائے بغیر بھاگ گیا۔"

"یہ کون تھے؟" ــــ یزدگرد نے پوچھا۔

"جو کوئی بھی تھے" ــــ ساران نے کہا ــــ "میں انہیں پہچانتا ہوں۔ تم خاموش رہو۔ انہیں سزا دینا میرا کام ہے۔ تم نے اعلان کر کے انہیں سزائے موت دی تو تمھارے دشمنوں میں اضافہ ہوگا۔ میں تمھیں یہ یقین دلاتا ہوں کہ محل کے اندر تمھارا کوئی دشمن نہیں۔"

"مجھے کچھ تو معلوم ہونا چاہیئے!" ــــ یزدگرد نے کہا ــــ "مجھے اپنے دشمنوں سے بے خبر نہیں رہنا چاہیئے۔"

"میں باخبر ہوں" ــــ ساران نے کہا ــــ "تمھاری سلطنت کے بڑے بڑے لوگ باخبر ہیں۔ یزدگرد! ... شہنشاہ ہو۔ میں تمھاری رعایا میں سے ہوں لیکن میں تم سے یوں مخاطب ہُوں جیسے تم رعایا کے کسی عام ... گھرانے کے بچے ہو۔ وجہ یہ ہے کہ تمھیں میں اور مجھ جیسے کچھ لوگ مدائن کے تخت پر لائے ہیں۔ ... مقصد تمھیں شہنشاہ بنانا نہیں تھا۔ ہم جرنیلوں کی آپس کی عداوت ختم کرنا چاہتے ہیں اور وہ قتل و ... ختم کرنا بھی مقصود تھا جو اس تخت کی جانشینی پر چلتا رہا ہے۔"

"میں آپ سب کا مقصد سمجھتا ہوں محترم ساران!" ــــ یزدگرد نے کہا ــــ "میری ماں نے ... کے متعلق ایسی باتیں بتائی ہیں کہ تخت پر تو آپ نے مجھے بٹھایا ہے لیکن بادشاہ میں آپ کو سمجھتا ہوں۔ آپ میرے روحانی باپ ہیں۔ آپ نے فارس سے مسلمانوں کو نکالنے اور عرب کو فارس کی سلطنت میں شامل کرنے کے لیے مجھے تخت پر بٹھایا ہے۔"

"اور یہ کام تم اکیلے کا نہیں" ــــ ساران نے کہا ــــ "یہ کام جرنیل کریں گے۔ تمھارا صرف حکم چلے گا۔ یہ مت پوچھنا کہ یہ کون ہیں جو تمھیں قتل کرنا چاہتے ہیں۔ یہ بھی خیال رکھنا کہ یہ واقعہ تمھاری ماں کو نہیں بتایا جائے گا اور تم بھی اُسے بے خبر رکھنا ورنہ وہ تمھارے پاؤں کی زنجیر بن جائے گی.... تمھیں قتل کرنے والوں کی زندگی صرف تین روز باقی ہے۔ ایک یہ مرا پڑا ہے، باقی بھی مار دیئے جائیں گے۔ تم ساباط پہنچو۔ میں واپس مدائن جا رہا ہوں۔"

یزدگرد ساباط پہنچا۔ رستم اُسے دیکھ کر حیران رہ گیا کیونکہ یزدگرد نے اُسے اطلاع نہیں دی تھی کہ وہ آرہا ہے۔ یزدگرد بغیر اطلاع اچانک جا کر دیکھنا چاہتا تھا کہ رستم کیا کر رہا ہے۔ تاریخ طبری میں متعدد مؤرخوں کے حوالوں سے لکھا ہے کہ رستم نے اپنے جرنیل جالینوس کو چالیس ہزار فوج دے کر اس حکم کے ساتھ ساباط سے بھیج دیا تھا کہ اپنی بستیوں کو مسلمانوں کی دستبرد سے محفوظ کرے۔

مسلمانوں نے اپنے لیے رسد وغیرہ اکٹھی کرنے کا وہی طریقہ اختیار کر رکھا تھا جو پہلے بیان ہو چکا ہے۔

یزدگرد نے جنگ کی پلاننگ کے لیے رستم اور اُس کے ماتحت جرنیلوں اور اہم افسروں کو بلایا۔

"میں حیران ہوں کہ تم لوگ مسلمانوں سے ڈرتے کیوں ہو" ــــ یزدگرد نے کہا ــــ "میں نے ان عربوں کو پہلی بار دیکھا ہے۔ ان کا وفد میرے پاس آیا تھا۔ کہتے تھے کہ ہم اپنے قبیلوں کے سردار اور معزز لوگ ہیں۔ انہوں نے مجھے کہا کہ مسلمان ہو جاؤ یا جزیہ ادا کرو، اور اگر یہ دونوں صورتیں منظور نہیں تو اس کا فیصلہ ہماری تلوار کرے گی....

"میری نگاہ میں یہ مسلمان بہت ہی گھٹیا قوم ہے۔ میں نے انہیں کہا تھا کہ تم بھوکے اور ننگے لوگ ہو۔ ہم تمہیں کھانے کو دیں گے اور تم پر ایسا بادشاہ مقرر کریں گے جو تمہارے ساتھ پیار سے پیش آئے گا..... میں نے مٹی کا بھرا ہوا ایک ٹوکرا منگوایا اور حکم دیا کہ ان سب میں جو آپ کو سب سے زیادہ برتر اور معزز سمجھتا ہے، یہ ٹوکرا اس کے سر پر رکھ دو اور ان سب کو دھکے دیتے ہوئے مدائن سے نکال کر آؤ.....

"میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ ان میں سے ایک آگے بڑھا اور کہنے لگا کہ میں سب سے زیادہ معزز ہوں۔ یہ ٹوکرا میرے سر پر رکھو۔ مجھے تو یہ توقع تھی کہ یہ لوگ غصے میں آجائیں گے یا دربار سے چلے جائیں گے لیکن یہ ایسے احمق نکلے کہ ایک نے بڑھ کر ٹوکرا اپنے سر پر رکھوا لیا اور وہ سب چلے گئے۔ ان لوگوں کو عزت اور وقار کا احساس ہی نہیں۔"

"شاہِ فارس!" —— رستم نے گھبرائے ہوئے سے لہجے میں پوچھا —— "کیا وہ مٹی کا ٹوکرا اپنے ساتھ لے گئے تھے؟"

"اپنے ساتھ لے گئے تھے" —— یزدگرد نے جواب دیا —— "جو آدمی انہیں شہر سے نکالنے کے لیے گئے تھے، انہوں نے واپس آکر بتایا تھا کہ جس آدمی نے اپنے سر پر مٹی کا ٹوکرا رکھا تھا اس نے شہر سے نکل کر بھی ٹوکرا نہیں پھینکا تھا بلکہ اس نے ٹوکرا اپنے گھوڑے پر اپنے ہی آگے رکھ لیا تھا اور ساتھ ہی لے گیا تھا۔"

"بہت برا ہوا شاہِ فارس!" —— رستم نے کہا۔ اس کی آواز لرز رہی تھی —— "یہ تو بہت برا ہوا ہے۔ آپ نے اپنے وطن کی مٹی خود اس کے سر پر رکھ دی تھی۔"

"تو کیا ہوا؟" —— یزدگرد نے کہا۔

"اس کا جواب علمِ نجوم اور علمِ قیافہ کے پاس ہے" —— رستم نے کہا —— "آپ نے اپنی زمین ایک مسلمان کے سر پر رکھ کر اسے یہ اشارہ دیا ہے کہ فارس کی زمین تمہاری ہے..... شاہِ فارس! اگر وہ مٹی مسلمانوں نے پھینک نہیں دی تھی اور اپنے ساتھ لے گئے تھے تو عراق سے نکلنے کی تیاری کریں۔"

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ رستم علمِ نجوم و جوتش میں دسترس رکھتا تھا اور اپنی ہر پیش گوئی کو وہ سو فیصد صحیح مانتا تھا۔ مورخوں نے لکھا ہے کہ اس معاملے میں رستم وہمی تھا اور وہ قیافہ شناسی کو بھی عقیدے کی طرح مانتا تھا۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ رستم کو اپنی اس پیش گوئی پر اگر یقین تھا کہ فارس کو شکست ہو گی تو پھر اس نے لڑنا کیوں ضروری سمجھا؟..... محمد حسنین ہیکل نے لکھا ہے کہ فارس کے جرنیل علمِ نجوم پر بھروسہ کرتے تھے اور رستم تو اس علم کا شیدائی تھا۔ اس کے باوجود وہ مسلمانوں کے خلاف لڑنے کے لیے اس لیے تیار ہو گیا تھا کہ وہ مغرور اور خود پسند تھا۔ اتنا زیادہ کہ وہ جنگ سے منہ موڑنے میں اپنی توہین سمجھتا تھا۔ اس کے ساتھ ہی وہ جنگ کو ٹال بھی رہا تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ رستم اپنی مغرور اور متکبرانہ فطرت اور علمِ نجوم و جوتش میں اپنی مہارت کے درمیان بھٹک رہا تھا۔

اُدھر عاصم بن عمرو نے ازراہِ مذاق یا غالباً طنزاً اپنے سپہ سالار سعدؓ بن ابی وقاص کے آگے مٹی کا ٹوکرا رکھ کر کہا تھا کہ مبارک ہو، فارس کے بادشاہ نے اپنی زمین خود ہی ہمیں تحفے کے طور پر دے دی ہے لیکن رستم نے فیصلہ کر دیا کہ مٹی کا ٹوکرا مدائن سے نکل کر مسلمانوں کے سپہ سالار تک پہنچ جانا صاف اشارہ ہے کہ فارس کی زمین پر مسلمانوں کا قبضہ ہو جائے گا۔

مسلمانوں کو اللہ پر اور آتش پرستوں کو نجوم اور جوتش پر بھروسہ تھا۔

سعدؓ بن ابی وقاص نے حضرت عمرؓ کی طرف پیغام بھیج دیا تھا کہ فارس کے بادشاہ نے ہمارے وفد کے ساتھ توہین آمیز سلوک کر کے اس طرح واپس بھیجا ہے کہ مٹی کا ٹوکرا عاصم بن عمرو کے سر پر رکھ دیا تھا۔

خلافتِ مدینہ سے حضرت عمرؓ کا جواب آ گیا۔ امیرالمومنین نے سعدؓ بن ابی وقاص کو بہت سی ہدایات لکھ بھیجیں اور لکھا کہ قادسیہ پہنچ جاؤ اور وہاں کی زمین کا مکمل نقشہ مجھے لکھو تاکہ میں ضروری ہدایات دے سکوں۔ حضرت عمرؓ نے یہ بھی لکھا کہ بستیوں پر حملے جاری رکھو اور لشکر کی ضروریات پوری کرتے رہو۔

"شاہِ فارس!" —— رستم نے یزدگرد سے کہا —— "آپ واپس مدائن چلے جائیں اور مجھ پر بھروسہ رکھیں۔"

"رستم!" —— یزدگرد نے کہا —— "تم پر بھروسہ ہوتا تو مجھے یہاں آنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔"

تاریخوں میں تفصیل سے آیا ہے کہ یزدگرد کی اس بات سے رستم جل اٹھا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا اور اس کی آنکھوں میں بے چینی پیدا ہو گئی۔

"آپ یہاں سے چلے جائیں شاہِ فارس!" —— رستم نے کانپتی ہوئی سی آواز میں کہا —— "میں نے آپ کے والد کسریٰ پرویز سے بھی کبھی یہ بات نہیں کہلوائی تھی کہ انہیں مجھ پر بھروسہ نہیں..... آپ چلے جائیں اور جنگی امور اور عربوں کو عراق سے نکالنے کا مسئلہ مجھ پر چھوڑیں۔ ہو سکتا ہے میں بغیر لڑے عربوں کو عراق سے نکال دوں۔"

"نہیں رستم!" —— یزدگرد نے کہا —— "میں اس مسلمان قوم کو ایسا تباہ کرنا چاہتا ہوں کہ یہ فارس کی طرف دیکھیں تو ان پر خوف کا رعشہ طاری ہو جائے۔ میں سمجھ نہیں سکتا کہ تم بغیر لڑائی کے انہیں

عراق سے کس طرح نکالو گے؟"

"میری بات ذرا اور غور سے سنیں شاہِ فارس!" ــــ رستم نے کہا ــــ "جو میں جانتا ہوں وہ آپ نہیں جانتے۔ یہ نہ بھولیں کہ آپ بچے ہیں اور آپ کے پاس صرف جذبہ ہے، تجربہ نہیں۔ میری ذمہ داری میں دخل نہ دیں.... آپ عربوں کو تباہ کرنا چاہتے ہیں لیکن میں اپنی فوج کو تباہی سے بچانا چاہتا ہوں۔ یہ نہ سمجھیں کہ عرب تعداد میں بہت تھوڑے ہیں تو ہم انہیں گھیر کر چیر پھاڑ دیں گے۔ اس خوش فہمی میں مبتلا نہ رہیں کہ وہ ہمارے ہاتھیوں سے ڈر جائیں گے۔ انہوں نے دو لڑائیوں میں ہاتھیوں کی سونڈیں کاٹ دی تھیں.... میں کہہ رہا ہوں کہ یہ معاملات مجھ پر چھوڑیں اور آپ یہاں سے چلے جائیں۔"

یزدگرد واپس چلا گیا۔

رستم نے یزدگرد کے جانے کے بعد قاصدوں کو بلایا اور اُن تمام جرنیلوں اور دیگر کمانڈروں کے نام پیغام بھیجے جو اپنے دستوں کو مختلف علاقوں میں مسلمانوں کی سرکوبی کے لیے لے کر گئے تھے۔ پیغام میں اُس نے لکھوایا کہ مسلمانوں کے خلاف فیصلہ کن جنگ کے لیے تیار ہو کر ساباط آجاؤ اور اپنے جوانوں کو کیل کانٹے سے لیس کر کے ان میں وطن کی خاطر لڑنے کا ایسا جذبہ پیدا کرو کہ مسلمانوں کو دیکھ کر درندے بن جائیں۔

اُس وقت مسلمانوں کے لشکر کے زیادہ تر دستے نجف، فراض اور عراق کی دو تین اور بستیوں میں پھیلے ہوئے تھے۔

⚔

یزدگرد مدائن پہنچا۔ وہ کئی دن غیر حاضر رہا تھا۔ وہ جب مدائن میں داخل ہوا تو اُس کی ماں کو اطلاع ملی۔ وہ دوڑتی ہوئی گئی۔ یزدگرد ماں کو دیکھ کر گھوڑے سے اُترا۔ ماں دوڑ کر اُس کے ساتھ لپٹ گئی تھی۔ اُسے کسی نے نہ بتایا کہ اُس کا بیٹا موت کے منہ سے نکل کر آیا ہے۔

یزدگرد نے محل میں پہنچتے ہی ساران کو بلایا۔ ساران پہلے سے وہاں موجود تھا۔ وہ یزدگرد کے بلاوے کا منتظر تھا۔ اُس نے یزدگرد کو ایک خبر سنانی تھی۔

"کیا آپ مجھے نہیں بتائیں گے کہ میرے دشمن کون ہیں؟" ــــ یزدگرد نے ساران سے پوچھا۔

"انہیں ٹھکانے لگا دیا گیا ہے" ــــ ساران نے کہا ــــ "وہ اس تخت کا آخری دشمن تھا.... وہ ایک عورت تھی۔"

"شیریں؟" ــــ یزدگرد نے کہا۔

"ہاں!" ــــ ساران نے کہا ــــ "شیریں.... تم ساباط چلے گئے تو میں نے باقی تین آدمیوں کو دھوکے میں لا کر پکڑ لیا تھا۔ وہ میری دوستی کے دھوکے میں آ گئے تھے۔ اُنہوں نے بتا دیا کہ

معاوضے پر شیریں نے انہیں تمہارے قتل کے لیے بھیجا تھا۔ انہوں نے یہ بھی بتا دیا کہ شیریں کہاں رہتی ہے۔ میں نے جا کر اُسے دو آدمیوں سے قتل کروایا پھر ان تین آدمیوں کو بھی قتل کروا کے لاشیں غائب کروا دی ہیں.... اب تمہارا کوئی دشمن زندہ نہیں یزدگرد!"

ساران نے یزدگرد کو اتنا ہی بتایا کہ اُس نے اُس کی غیر حاضری میں شیریں اور تین آدمیوں کو ٹھکانے لگا دیا ہے۔ اُس نے اس واردات کی تفصیل نہیں سنائی تھی۔ وہ صاحبِ حیثیت اور شاہی محل میں اثر و رسوخ رکھنے والا آدمی تھا۔ اُس کے لیے ان تین آدمیوں کو کسی خوبصورت دھوکے میں لانا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ ان سے اُس نے یہ راز لے لیا تھا کہ انہیں شیریں نے یزدگرد کے قتل کے لیے بھیجا تھا۔

ساران کو معلوم نہیں تھا کہ شیریں کہاں رہتی ہے۔ اُسے شیریں کا ٹھکانہ ان آدمیوں سے معلوم ہو گیا اور وہ وہاں چلا گیا تھا۔ شیریں اُسے اچھے طریقے سے ملی لیکن شیریں کے چہرے پر پریشانی کے آثار نمایاں ہو گئے تھے۔

"مجھے دیکھ کر تمہیں اتنا پریشان نہیں ہونا چاہیئے شیریں!" ــــ ساران نے کہا تھا ــــ "میں شاید تمہارے لیے اجنبی نہیں ہوں۔"

"پریشانی اس سے ہوئی ہے کہ تمہیں میرا گھر کس نے بتایا ہے" ــــ شیریں نے کہا تھا ــــ "ٹھیک کہتے ہو۔ تم میرے لیے اجنبی نہیں ہو۔ تمہارا تعلق نورین کے ساتھ تھا اور تم کسریٰ پرویز کے قریبی حلقے میں تھے.... کیوں آئے ہو؟"

"شیریں!" ــــ ساران نے رازداری سے کہا تھا ــــ "یزدگرد کو قتل کروانا تھا تو مجھے بتاتیں۔ تم نے کچے آدمیوں پر اعتبار کیا اور اس کا نتیجہ دیکھ لیا۔ ایک تو وہیں یزدگرد کے ایک محافظ کے تیر کا نشانہ بن کر مارا گیا اور باقی تین بھاگ گئے۔"

"ساران!" ــــ شیریں نے حیرت زدگی کے لہجے میں کہا تھا ــــ "یہ تمہیں کس نے بتایا ہے کہ انہیں میں نے یزدگرد کو قتل کروانے کے لیے بھیجا تھا؟"

"ان تین آدمیوں نے تمہارا پردہ رہنے نہیں دیا" ــــ ساران نے کہا تھا ــــ "وہ یزدگرد کو بھی بتا دیں گے۔ پھر جانتی ہو تمہارا انجام کیا ہو گا؟"

"تم یہاں کیوں آئے ہو؟" ــــ شیریں نے کہا تھا ــــ "کیا مجھے ڈرا دھمکا کر مجھ سے کچھ وصول کرنا چاہتے ہو؟"

"میں تمہارے ساتھ سودا کرنے آیا ہوں" ــــ ساران نے کہا تھا ــــ "میں یزدگرد کو قتل کروں گا۔ بولو کیا دیتی ہو؟"

شیریں ایسی ہنسی ہنس پڑی جس میں طنز تھی۔ ساران کو معلوم تھا کہ شیریں انتہا درجے کی چالاک اور مکار عورت ہے اور اس عورت نے خسرو پرویز جیسے فرعون کو اپنی مٹھی میں بند کر لیا تھا اور جب ضرورت پڑی تو اس نے اپنی سوکنوں کے اٹھارہ بیٹے قتل کروا دیئے پھر اپنے خاوند خسرو پرویز کو مروا دیا تھا۔ اس عورت کی جادوگری کا کمال تو یہ تھا کہ اس نے تمام جرنیلوں کو اپنے زیر اثر لا کر خسرو پرویز کے خلاف کر دیا تھا۔

"میں یزدگرد کو قتل کروا کے کیا کروں گی؟" ——— شیریں نے کہا تھا ——— "اپنا ایک ہی بیٹا تھا قتل ہو گیا ہے.... تم جانتے ہو.... میں کسی ماں کے اکلوتے بیٹے کو قتل نہیں کراؤں گی۔ تم جاؤ ساران! مجھے پریشان نہ کرو۔ باقی زندگی ذرا سکون سے گزار لینے دو۔"

ساران نے بہت کوشش کی کہ شیریں دل کا راز دے دے لیکن وہ انکار پر ہی قائم رہی تو ساران کو تین آدمیوں سے مل چکا تھا۔ ایک روایت یہ ہے کہ ساران اُس سے دولت ہتھیانے کی کوشش میں تھا۔ اُسے اندازہ تھا کہ شیریں نے اتنے جواہرات اور دولت چھپا رکھے ہوں گے جو سلطنت فارس کے خزانے میں بھی نہیں ہوں گے۔

شیریں نے اپنے ہاتھ پر ہاتھ مارا جیسے تالی بجائی جاتی ہے۔ کمرے کا اندر والا دروازہ کھلا اور دو آدمی ہاتھوں میں تلواریں اٹھائے سامنے آئے۔

"مجھے افسوس ہے ساران!" ——— شیریں نے کہا تھا ——— "اب تم نورین کے پاس زندہ نہیں جا سکو گے" ——— شیریں کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی تھی ——— "تم نورین کے آدمی ہو" ——— شیریں نے اپنے دو آدمیوں کی طرف اشارہ کیا اور مسکراتے ہوئے بولی ——— "غائب کر دو اسے!"

دونوں آدمی آگے بڑھے اور ایک آدمی نے ساران کا ایک بازو اور دوسرے نے دوسرا بازو پکڑ لیا۔ ساران نے قہقہہ لگایا۔ چار آدمی دوڑتے ہوئے کمرے میں آئے۔ دو کے پاس تلواریں اور دو کے پاس برچھیاں تھیں۔ انہوں نے تلواریں اور برچھیاں تان کر شیریں کے دونوں آدمیوں کو گھیرے میں لے لیا۔ ساران نے اپنے آدمیوں کو جو اُس کے ساتھ آئے تھے اور باہر چھپے ہوئے تھے سر سے اشارہ کیا۔ ساران کا قہقہہ انہیں اندر بلانے کا اشارہ تھا۔

شیریں کے شاہانہ کمرے میں ہلکی ہلکی چیخیں اٹھیں اور رات کی خاموشی میں تحلیل ہو گئیں۔ شیریں اور اس کے دونوں آدمیوں کی لاشیں کمرے میں پڑی تھیں اور ساران اور اس کے آدمی سارے محل کی تلاشی لے رہے تھے۔ ایک ٹرنک سے سونے اور چاندی کے ٹکڑے اور ہیرے جواہرات برآمد ہوئے۔ لکڑی کے ایک بکس سے ایسی ہی کچھ قیمتی اشیا برآمد ہوئیں۔ ان کے نیچے تقریباً ایک فٹ چوڑا اور ڈیڑھ فٹ لمبا چمڑے کا ٹکڑا پڑا تھا۔ اس پر نقشہ سا بنا ہوا تھا۔ چند ایک جگہوں

پر کچھ لکھے ہوئے تھے۔ راستوں کی لکیریں تھیں اور ایک کراس کا نشان تھا۔

ساران نے یہ نقشہ لپیٹ کر اپنے کپڑوں میں چھپا لیا۔ رات ہی رات شیریں اور اس کے دو آدمیوں کی لاشیں صحن میں ایک گڑھا کھود کر دبا دی گئیں۔ ساران نے اپنے آدمیوں میں سے ایک سے کہا کہ وہ اپنی بیوی اور بچوں کو اس مکان میں لے آئے اور یہاں آباد ہو جائے۔

رستم مدائن سے کوچ کر گیا۔ اُس کی منزل قادسیہ تھی۔ تمام مؤرخوں نے اُس کی فوج کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار لکھی ہے۔ اس میں پیادوں کی نسبت سوار دستے زیادہ تھے۔ جنگی ہاتھیوں کی تعداد ۳۰ لکھی گئی ہے۔ ان میں شاپور کا سفید ہاتھی بھی تھا۔ یہ وہی ہاتھی تھا جس نے جسر کے میدان جنگ میں سپہ سالار ابوعبید اور بہت سے مجاہدین کو پاؤں تلے کچل کر مار ڈالا تھا۔ ابوعبید نے تلوار سے اس ہاتھی کی سونڈ کاٹ ڈالی تھی لیکن سونڈ پوری نہیں کٹی تھی۔ اب اس ہاتھی کو پھر میدان میں لایا گیا تھا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہاتھی کی سونڈ ٹھیک ہو گئی تھی۔

رستم کی فوج نجف پہنچی تو رستم نے حکم دیا کہ یہاں کچھ دن قیام کیا جائے گا۔ نجف کے اردگرد مسلمان حسب معمول بستیوں سے رسد وغیرہ اکٹھی کر رہے تھے۔ اس علاقے کے لوگوں کو پتہ چلا کہ رستم آیا ہے تو بیشمار لوگ جلوس کی صورت میں رستم کے پاس گئے اور فریاد کی کہ مسلمان انہیں لوٹتے پھر رہے ہیں۔ انہوں نے لوٹ مار کی تفصیل بتائی۔

"کیا وہ عورتیں بھی لے گئے ہیں؟" ——— رستم نے پوچھا۔

"نہیں!" ——— اُسے جواب ملا ——— "عورتوں کی طرف تو وہ دیکھتے ہی نہیں۔ وہ اناج، مویشی اور بھیڑ بکریاں لے جاتے ہیں۔"

"امیر کبیر گھروں سے وہ قیمتی اشیا بھی لے جاتے ہیں" ——— ایک اور آدمی بولا ——— "جاگیرداروں کے گھروں سے وہ سونے کے زیورات اور ہیرے وغیرہ بھی لے جاتے ہیں۔"

"بھوکے ہیں بدبخت!" ——— رستم نے کہا ——— "تنگدست ہیں نامراد۔ عرب سے وہ لوٹ مار کے لیے آئے ہیں۔ فوج بن کر آئے ہیں لیکن کھانے کو کچھ نہیں۔ لوٹ مار کر کے فوج کا پیٹ بھرتے ہیں۔ کیا یہ ہماری فوج کے سامنے ٹھہر سکتے ہیں؟ ان بھوکے بھیڑیوں کو صرف ہاتھی ہی کچل ڈالیں گے۔ تم لوگ گھروں کو جاؤ۔"

"رستم!" ——— ایک آدمی نے بلند آواز سے کہا ——— "تم سلطنت فارس کا فخر ہو۔ تمہاری تلوار ایک ہی وار سے پورے عرب کو کاٹ سکتی ہے۔ تم ہمارے محافظ ہو۔"

"فارس کا اصل شہنشاہ رستم ہے" ——— ایک اور آواز اٹھی ——— "عربوں کو کچل دو۔"

پھر لوگوں نے رستم کی بہادری کے نعرے لگانے شروع کر دیئے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ رستم شجاعت، جنگی فہم و فراست اور میدانِ جنگ میں دہشت کا ایک نام تھا لیکن لوگوں کے نعروں سے اُس کے چہرے پر رونق آنے کی بجائے مُردنی سی چھاگئی۔ ایک تو اُس کی اپنی پیش گوئی اُسے پریشان کر رہی تھی اور وہ جو خود دشمن پر دہشت طاری کر دیا کرتا تھا مسلمانوں سے مرعوب ہو چکا تھا۔ وہ سن رہا تھا کہ شام میں مسلمان رومیوں کو شکست پہ شکست دیتے چلے جا رہے تھے اور روم جیسی جنگی طاقت بے بس ہو کر رہ گئی تھی۔ ادھر جسر کے میدانِ جنگ میں مسلمان ایسے بُری طرح شکست کھا چکے تھے کہ بڑی لمبی مدت تک ان کے اُبھرنے کا امکان ہی ختم ہو گیا تھا لیکن تھوڑے ہی عرصے میں مسلمان اٹھے اور پہلے الیس اور پھر بویب میں انہوں نے فارس کی فوج کو اُس کے اپنے خون میں نہلا دیا۔

رستم نے لوگوں کو تسلی دی اور اُسی وقت حکم دیا کہ چھوٹے چھوٹے دستے اس تمام علاقے میں پھیلا دیئے جائیں جو مسلمانوں کو یہاں سے نکالیں۔

تقریباً تمام مؤرخوں نے ایک مجاہد طلیحہ کی بے مثال بہادری کا واقعہ لکھا ہے۔ اُن دنوں جب رستم نے نجف میں آکر پڑاؤ کیا، مسلمان چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں نجف کے گرد و نواح میں پھیلے ہوئے بستیوں سے رسد اکٹھی کر رہے تھے۔ انہیں پتہ چلا کہ فارس کا بہت بڑا لشکر آگیا ہے جس کا سالارِ اعلیٰ رستم ہے تو مسلمان اس علاقے سے نکلنے لگے۔ انہیں یہ بھی پتہ چل گیا کہ اس علاقے کے لوگ رستم کے پاس فریاد لے کر جا رہے ہیں۔ ایک مجاہد نے ایک مقامی آدمی کو پکڑ کر اُس کے کپڑے اُتروائے اور یہ کپڑے پہن کر لوگوں کے ساتھ رستم کے پاس چلا گیا۔

"اب ہمیں یہاں سے نکلنا پڑے گا دوستو!" — اُس نے واپس آکر اپنے ساتھیوں سے کہا — "رستم نے حکم دے دیا ہے کہ دستے اس علاقے میں پھیلا دو اور مسلمانوں کو ختم کرو۔۔۔۔ اب بہتر ہے کہ ہم یہاں سے نکل چلیں۔ اگر ہم گھیرے میں آگئے تو ہم میں سے کوئی بھی زندہ نہیں نکل سکے گا۔"

اس مجاہد نے رستم کی فوج کی تعداد اور دیگر کیفیت بتائی تو اس ٹولی کے تمام مجاہدین نے کہا کہ یہاں سے نکل جانا ہی بہتر ہے۔ وہ اٹھے اور چل پڑے لیکن ایک مجاہد ان کے ساتھ نہ چلا۔ اس کا نام طلیحہ بن خویلد اسدی تھا۔

"کیوں طلیحہ!" — ٹولی کے کمانڈر نے اُس سے پوچھا — "رک کیوں گیا ہے؟ چلنا نہیں؟"

"نہیں!" — طلیحہ نے جواب دیا — "میں نہیں جاؤں گا۔ یہیں رہوں گا۔"

"کیا کرو گے یہاں رہ کر؟"

"رستم کی خیمہ گاہ پر شب خون ماروں گا" — طلیحہ نے جواب دیا — "میں رستم کو بتاؤں گا

کہ تم سے زیادہ فوج لے آؤ، مسلمان ایک ہی کافی ہے۔ تم سب بزدل ہو جو بھاگے جا رہے ہو۔"

"خدا کی قسم!" — ایک تجربہ کار مجاہد نے کہا — "اس شخص کے دماغ میں خلل آگیا ہے۔ یہ اکیلا اتنے بڑے لشکر پر شبخون مارے گا۔"

"تم لوگ چلے کیوں نہیں جاتے؟" — طلیحہ نے کہا — "خدا کی قسم، تم میرے عزم اور میرے ارادے کو متزلزل کر رہے ہو۔"

اگر طلیحہ اتنا ہی دلیر تھا تو یہ دلیری نہیں حماقت تھی۔ مؤرخ لکھتے ہیں کہ اُس وقت اُس کے ہونٹوں پر جو مسکراہٹ تھی، اس سے شک ہوتا تھا کہ اُس کا دماغی توازن ٹھیک نہیں رہا یا اُس کا ارادہ کچھ اور تھا۔ ایک مجاہد (نام تاریخ میں نہیں لکھا) نے طلیحہ پر بڑی سخت طنز کی۔

"تمہارے دل سے چور ابھی نکلا نہیں طلیحہ!" — اس مجاہد نے کہا — "عکاشہ بن محصن کو قتل کر دینے کے بعد نہ تمہیں چین نصیب ہوا ہے نہ ہو گا۔"

طلیحہ کے لیے یہ طعنہ زہرناک تھا۔ اس کا پس منظر تاریخی اہمیت کا حامل ہے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ارتداد کا فتنہ شروع ہو گیا تھا جس کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ متعدد افراد نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ ان میں طلیحہ بن خویلد اسدی بھی تھا۔ چونکہ وہ اپنے قبیلے کا سردار بھی تھا اس لیے تمام قبیلہ اس کے کہنے پر اسلام سے منحرف ہو گیا تھا۔ یہ قبیلہ اتنا بڑا تھا کہ اُس نے دو تین اور قبیلوں کو ساتھ ملا کر مسلمانوں کے خلاف ایک فوج کی صورت اختیار کر لی تھی۔

خلیفہ اوّل حضرت ابوبکرؓ صدیق کے حکم سے مرتدین کے خلاف لڑائیوں کا سلسلہ شروع ہوا تو ان میں ایک لڑائی جنگِ بزاخہ کے نام سے مشہور ہوئی جو حضرت خالدؓ بن ولید نے طلیحہ کے خلاف لڑی تھی۔ طلیحہ نے بہت بُری شکست کھائی تھی اور گرفتار بھی ہو گیا تھا۔ آگے چل کر طلیحہ نے سچے دل سے اسلام قبول کر لیا تھا۔ اس لڑائی سے کچھ دن پہلے طلیحہ نے ارتداد کے سلسلے میں عکاشہ بن محصن کو قتل کر دیا تھا۔ یہ قتل بہت مشہور ہوا تھا۔

اب نجف کے قریب طلیحہ واپس آنے سے انکار کر رہا تھا تو ایک مجاہد نے اُسے اس قتل کا طعنہ دیا تھا۔ کوئی مجاہد یہ مان نہیں سکتا تھا کہ طلیحہ کسی نیک مقصد کے لیے پیچھے رک رہا ہے۔ اس نے پہلے اسلام قبول کیا پھر مرتد ہو گیا بلکہ مرتدین کا لیڈر بن کر مسلمانوں کے خلاف لڑا اور شکست ہوئی تو پھر مسلمان ہو گیا اور اب اُس کے ساتھی اُس کی نیت پر بجا طور پر شک کر رہے تھے۔

اس نے واپس جانے سے صاف انکار کر دیا۔ اُس کے ساتھی واپس چلے گئے اور اپنے سپہ سالار سعدؓ بن ابی وقاص کو بتایا کہ طلیحہ واپس نہیں آیا۔

"اللہ اُسے سیدھا راستہ دکھائے" — سعدؓ نے کہا اور آہ بھر کر خاموش ہو گئے۔

رات کا وقت تھا۔ رستم کے کیمپ میں موت کا سکوت تھا۔ چونکہ مسلمانوں کی چھاپہ مار ٹولیاں سرگرم تھیں اس لیے یہ خطرہ محسوس کیا جا رہا تھا کہ مسلمان خیمہ گاہ کے کسی نہ کسی گوشے پر شب خون ماریں گے۔ اس خطرے کے پیشِ نظر رستم نے حکم دیا تھا کہ سنتری بیدار اور ہوشیار رہیں اور گھوڑے ایک جگہ باندھیں۔ ہر سوار اپنا گھوڑا اپنے ساتھ رکھے اور گھوڑے کے قریب سوئے۔

رات کے سناٹے میں فارسیوں کے کیمپ کے اردگرد ٹہلتے ہوئے سنتریوں کے قدموں کی دھیمی چاپ سنائی دیتی تھی اور کہیں دو سنتری آپس میں باتیں کرتے سنائی دیتے تھے۔ رات تاریک تھی۔

ایک سایہ کیمپ سے کچھ دور ایک درخت کی اوٹ سے نکلا اور آہستہ آہستہ کیمپ کی طرف بڑھنے لگا۔ وہ کوئی آدمی تھا۔ رات کی تاریکی کے علاوہ وہاں سبزہ، اونچی گھاس، خودرو پودے اور درخت اتنے زیادہ تھے کہ یہ سایہ کسی کو نظر نہیں آ سکتا تھا۔ وہ دبے پاؤں بڑھتا چلا گیا۔

دو سنتری آ رہے تھے۔ ان کے قدموں کی چاپ اور باتیں سنائی دے رہی تھیں۔ یہ آدمی پودے کی اوٹ میں بیٹھ گیا۔ سنتری آگے نکل گئے تو وہ اٹھا اور جھک کر آگے بڑھا۔ تاریکی میں اسے گھوڑے بندھے ہوئے نظر آنے لگے۔ شاید یہ جگہ یا یہ گھوڑے اسے اچھے نہیں لگے تھے یا وہ کسی مخصوص جگہ پر آیا تھا۔ وہ وہاں سے ایک طرف چل پڑا۔

آگے سے دو اور سنتری آ رہے تھے۔ وہ گھاس میں لیٹ گیا۔ سنتری اس سے صرف ایک قدم دور سے آہستہ آہستہ چلتے گزر گئے۔ وہ پھر رکوع کی حالت میں چلنے لگا اور بہت سا چل کر رک گیا۔ اسے ایک چھوٹا خیمہ دکھائی دیا جو اس سے دور نہیں تھا۔ ایسے چھوٹے خیمے رومی اور فارسی فوج کے افسروں کے ہوتے تھے۔

اس خیمے کے ساتھ دو گھوڑے بندھے ہوتے تھے اور ایک آدمی ان گھوڑوں کے قریب زمین پر بستر ڈال کر سویا ہوا تھا۔

وہ وہیں چھپ گیا۔ دو اور سنتری آ رہے تھے۔ وہ اس وقت اٹھا جب سنتری دور چلے گئے۔ یہ خیمہ فوج سے ذرا ہٹ کر تھا۔ اس شخص نے نیام سے تلوار نکالی اور گھوڑوں کے پاس جا کر ایک گھوڑا کھولا، پھر دوسرا بھی کھول لیا۔ خیمے کے قریب سوتے ہوئے آدمی کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے دیکھا کہ کسی نے گھوڑے کھول لیے ہیں تو وہ تلوار نکال کر اٹھا۔ وہ شخص دونوں گھوڑوں کے گلوں میں پڑی ہوئی رسیاں پکڑ کر چل پڑا تھا۔ فارسی فوجی نے اسے للکارا اور اس کے پیچھے بھاگا۔

اس کے ساتھ ہی خیمے سے آواز آئی —— "کون ہے؟ خاموش رہو۔ سونے دو" —— وہ کوئی افسر ہی ہو سکتا تھا۔

"کوئی آدمی گھوڑے کھول کر لے جا رہا ہے" —— باہر والے فارسی نے کہا اور دوڑ کر گھوڑے لے جانے والے تک گیا۔

گھوڑے لے جانے والا دوڑ پڑا لیکن فارسی نے اسے دور نہ جانے دیا۔ گھوڑے لے جانے والے نے گھوڑوں کی رسیاں نہ چھوڑیں اور تلوار سے فارسی کا مقابلہ کیا۔ دو تین پینترے بدل کر اس نے فارسی کو اس طرح گھائل کیا کہ اس کی تلوار برچھی کی طرح فارسی کے پیٹ میں اتنی زور سے لگی کہ تلوار کی نوک پیٹھ سے باہر نکل گئی۔

علامہ شبلی نعمانی نے اس معرکے کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ایک فارسی کو تو اس شخص نے گرا دیا لیکن خیمے سے نکل کر جو فارسی آیا وہ کوئی سپاہی یا معمولی سا عہدیدار نہیں تھا۔ وہ فارس کا ایک مشہور فوجی افسر تھا جسے "ہزار سوار" کا خطاب ملا ہوا تھا۔ یہ خطاب غیر معمولی بہادری کے صلے میں دیا جاتا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ یہ شخص ایک ہزار سواروں کے برابر ہے یعنی یہ اکیلا ایک ہزار سواروں کا مقابلہ کرنے کی جرأت کا مالک ہے۔

علامہ شبلی نعمانی نے اس کا نام نہیں لکھا۔ اس کے ہاتھ میں برچھی تھی۔ گھوڑے لے جانے والا کیمپ سے کچھ اور دور چلا گیا تھا۔ "ہزار سوار" نے اسے دور نہ جانے دیا۔ وہ شخص بھی رک گیا اور تلوار اور برچھی کا مقابلہ شروع ہو گیا۔ "ہزار سوار" نے برچھی کے جتنے وار بھی کیے وہ تلوار والے نے اِدھر اُدھر ہو کر بیکار کر دیے۔ یہاں تک کہ تلوار والا شاید زمین ناہموار ہونے کی وجہ سے گر پڑا اور وہ پیٹھ کے بل ہو گیا۔ ہزار سوار نے اوپر سے برچھی ماری جو گرے ہوئے شخص کے سینے یا پیٹ میں اتر جانی تھی لیکن وہ حیران کن پھرتی سے ایک طرف لڑھک گیا۔

برچھی کا وار بہت ہی زور دار تھا۔ وہ شخص ایک طرف ہو گیا تو برچھی زمین میں اتر گئی۔ "ہزار سوار" اپنے جسم کو قابو اور توازن میں نہ رکھ سکا اور آگے کو گرنے لگا۔ گرے ہوئے شخص نے لیٹے لیٹے تلوار کا وار برچھی کی طرح کیا اور تلوار "ہزار سوار" کے پہلو میں اتر گئی۔ اس کے ہاتھ برچھی سے ہٹ گئے۔ تلوار والا گیند کی طرح اچھل کر اٹھا۔ زمین میں اتری ہوئی برچھی نکالی۔ "ہزار سوار" گر پڑا تھا۔ تلوار والے نے برچھی "ہزار سوار" کے سینے میں اتار دی اور برچھی اس کے سینے میں ہی رہنے دی۔

محمد حسنین ہیکل نے بھی یہ واقعہ تین مسلمان اور ایک یورپی مورخ کے حوالوں سے تفصیل سے لکھا ہے۔ "ہزار سوار" مارا گیا تو ایک اور فارسی تلوار لیے دوڑا آیا۔ اس نے جب دو لاشیں پڑی دیکھیں تو اس کی ہمت جواب دے گئی۔ اس نے اپنے آپ کو بچانے کے لیے تلوار چلائی لیکن پھر تلوار پھینک دی۔

"کون ہے تو جس نے ہزار سوار کو مار ڈالا ہے؟" —— اس نے پوچھا اور خوفزدہ آواز میں کہا——

"تو جو کوئی بھی ہے، مجھے اپنا قیدی سمجھ۔ میں مرنا نہیں چاہتا۔"

"ایک گھوڑے پر سوار ہو جا" — دوسرے شخص نے اس فارسی سے کہا — "زین پر مضبوطی سے بیٹھنا اور اس گھوڑے کی رسی میرے ہاتھ رہے گی۔"

"جلدی کر" — فارسی نے ایک گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر سوار ہو کر کہا — "میرے [illegible] اُٹھے ہیں۔"

وہ شخص بھی گھوڑے پر سوار ہو گیا اور اتنے میں سنتری بھی آ گئے اور ایسا شور اٹھا جیسے [illegible] جاگ اُٹھا ہو۔

"گھوڑے کھُل گئے۔"

"ہزار سوار مارا گیا ہے۔"

"وہ گیا.... آگے سے روکو۔"

"یہ کوئی عربی ہو گا۔"

ایک شور تھا، ہنگامہ تھا، بیشمار فارسی فوجی گھوڑوں پر سوار برچھیاں اور تلواریں لیے دوڑ پڑے۔ دو گھوڑے اور ایک قیدی لے جانے والا شخص سرپٹ جا رہا تھا۔ دو گھوڑوں کے ٹاپ ان کی نشاندہی کر رہے تھے۔ فارسی سواروں نے دائیں بائیں سے اُسے گھیرے میں لیا تو وہ ان سواروں کے درمیان سے نکل گیا۔ وہ کوئی شہسوار تھا جو ننگی پیٹھ پر سوار ہونے کے باوجود گھوڑے کو قابو میں رکھے ہوئے گھیرے سے نکل جاتا تھا۔

آخر وہ نکل گیا اور فارسی سوار واپس آ گئے۔

رستم بھی جاگ اٹھا۔ اپنی ایک میل سے زیادہ لمبائی اور اتنی ہی چوڑائی میں پھیلی ہوئی خیمہ گاہ میں مچی ہڑبونگ نے اُسے پریشان کر دیا۔

"کیا ان بدبخت عربوں نے شبخون مارا ہے؟" — اُس نے گھبراہٹ آمیز آواز میں پوچھا اور کہا — "ان سنتریوں کو زندہ جلا دو۔"

"کچھ معلوم نہیں کیا ہوا ہے عالی مقام!" — اُس کے ایک محافظ نے کہا — "پہاڑی کی طرف سے شور اٹھا تھا جدھر ندی ہے۔"

رستم شب خوابی کے لباس میں تھا۔ اسی لباس میں ایک محافظ کے گھوڑے پر سوار ہوا اور گھوڑا دوڑاتا وہاں پہنچا جہاں "ہزار سوار" کی لاش کے ساتھ ایک اور فارسی کی لاش پڑی تھی۔

فوری طور پر جو باتیں معلوم ہو سکیں وہ رستم کو بتائی گئیں۔ وہ مان نہیں رہا تھا کہ شبخون مارنے والا

ایک آدمی تھا۔ تعاقب کرنے والوں نے بتایا کہ دو آدمی تھے۔ انہیں معلوم نہیں تھا کہ دوسرا سوار ان کا اپنا ہی ساتھی تھا۔

"ہزار سوار کو ایک یا دو آدمی قتل کر کے نہیں جا سکتے" — رستم نے کہا — "یہ برچھی اس کی اپنی ہے جس سے اسے مارا گیا ہے.... اگر قاتل اکیلا تھا یا دو تھے تو وہ انسان نہیں ہو سکتے، جن یا بھوت ہونگے۔"

"ہزار سوار" کے ساتھ جو آدمی مارا گیا تھا وہ اُس کا محافظ تھا۔ اس کے دو محافظ تھے جو اس کے خیمے کے باہر سوتے تھے۔ رستم نے پوچھا کہ دوسرا محافظ کہاں ہے۔ پتہ چلا کہ وہ لاپتہ ہے۔

رستم حیرت زدگی کے عالم میں وہاں سے چلا گیا۔ اُس پر خاموشی طاری ہو گئی تھی۔

مسلمانوں کے پڑاؤ میں فجر کی اذان کی مقدس صدا اُبھرنے اور فارس کی فضا کی لہروں میں ارتعاش پیدا کرنے لگی۔ سحر کے سناٹے میں اذان دُور دُور تک سنائی دے رہی تھی۔

"سلمیٰ!" — سعدؓ بن ابی وقاص نے اپنی بیوی سے کہا — "رات بھر طلیحہ میرے دماغ پر سوار رہا ہے۔ وہ ایسا تو نہ تھا۔ وہ تو بہت ہی دلیر تھا۔ چٹانوں سے ٹکرا جاتا تھا۔ میں نے رات اسے خواب میں بھی دیکھا ہے۔ مجھے یقین نہیں آتا ہے کہ وہ ہمیں دھوکہ دے گیا۔"

"وہ دھوکہ نہ دے جاتا تو کسی لڑائی میں شہید بھی ہو سکتا تھا" — سلمیٰ نے کہا — "وہ نہ رہا تو کیا ہم واپس مدینہ چلے جائیں گے؟ مثنیٰ نہیں رہا تو کیا اسلام آگے بڑھنے سے رک جائے گا؟.... خواب دیکھنا چھوڑ دیں ابنِ وقاص! وہ جو ہم سے جدا ہو گئے ہیں انہیں خوابوں میں بھی نہ دیکھا کریں.... جائیں، جا کر نماز ادا کریں۔"

سعدؓ نے جا کر باجماعت نماز پڑھائی۔ نماز اور دعا کے بعد کسی سالار نے طلیحہ کا ذکر چھیڑ دیا۔ طلیحہ کا تفصیلی ذکر ہو چکا ہے۔ وہ کوئی عام سا آدمی ہوتا تو مجاہدین میں اُس کا ذرا سا ذکر ہوتا۔ سالاروں کے حلقے میں تو اُس کا ذرا سا بھی ذکر نہ ہوتا۔

صبح کی خاموش فضا میں گھوڑوں کے ٹاپ سنائی دینے لگے۔ پھر گھوڑے سرپٹ دوڑ پڑے۔ سب نے اُدھر دیکھا۔ دو گھوڑے دوڑے آ رہے تھے۔ دونوں پر سوار تھے اور گھوڑے زینوں کے بغیر تھے۔

"طلیحہ.... طلیحہ!" — مجاہدین چلانے لگے۔

"سپہ سالار کہاں ہیں؟" — طلیحہ نے قریب آ کر پوچھا۔

سعدؓ بن ابی وقاص مجاہدین کے ہجوم کو چیرتے ہوئے ان دو گھوڑوں کی طرف گئے۔ طلیحہ گھوڑے سے کُودا اور دوسرے لمحے وہ سعدؓ کے بازوؤں میں تھا۔

"کہاں ہیں میرے وہ ساتھی جنہوں نے میری نیّت پر شک کیا تھا؟" — طلیحہ نے بلند آواز سے

کہا ـــ خدا کی قسم، میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس روح کو دھوکہ نہیں دے سکتا۔ یہ دیکھو، رستم کے لشکر کے اندر جاکر دو گھوڑے کھول کر اور دو لشکریوں کو قتل کر کے ایک کو زندہ پکڑ لایا ہوں۔"

"اور یہ جنہیں قتل کر آیا ہے وہ معمولی سے سپاہی نہیں تھے" ـــ طلیحہ کے قیدی نے کہا۔

یہ حقیقت اس قیدی سے معلوم ہوئی کہ طلیحہ نے جن دو آدمیوں کو ہلاک کیا ہے وہ دونوں فارس کی فوج کے سُورمے تھے اور ان میں ایک افسر تھا جسے "ہزار سوار" کا خطاب ملا ہُوا تھا۔ طلیحہ کو تو معلوم ہی نہیں تھا کہ اُس کا مقابلہ کن کے ساتھ ہے۔

"میرا مقابلہ پورے لشکر کے ساتھ تھا" ـــ طلیحہ نے کہا ـــ "میں رستم کو صرف یہ بتانا چاہتا تھا کہ قادسیہ کے میدان میں ذرا سنبھل کر آنا۔"

یہ تاریخی واقعہ اس طرح انجام پذیر ہُوا کہ جس فارسی کو طلیحہ قیدی بنا کر لے آیا تھا، اُس نے اسلام قبول کر لیا۔ یہ ایسے نہیں ہُوا تھا کہ اُس نے خوفزدہ ہو کر فوراً اسلام قبول کر لیا ہو۔ ایک تو وہ طلیحہ کی غیر معمولی جرأت سے متاثر ہُوا اور پھر وہ مسلمانوں کے حُسنِ سلوک سے تو اور زیادہ متاثر ہُوا۔ ان میں ادنیٰ اور اعلیٰ کی تمیز تھی ہی نہیں۔

تاریخ میں اس فارسی کا نام نہیں ملتا۔ بلاذری نے لکھا ہے کہ اس فارسی نے کہا تھا کہ جن دو آدمیوں کو طلیحہ ہلاک کر آیا ہے وہ دونوں اس کے چچازاد بھائی تھے۔ اس کے باوجود وہ طلیحہ کی بہادری اور مسلمانوں کے باہمی پیار سے اتنا متاثر ہُوا کہ وہ بخوشی مسلمان ہو گیا۔ اُس کا اسلامی نام تاریخ میں موجود ہے۔ سعدؓ بن ابی وقاص نے اس کا نام مُسلم رکھا تھا۔

"مُسلم!" ـــ سعدؓ بن ابی وقاص نے اُسے اپنے خیمے میں لے جاکر پوچھا ـــ "میں تمہیں مجبور نہیں کروں گا۔ تمہیں کوئی لالچ نہیں دوں گا اور تم پر تشدد نہیں کروں گا.... کیا تم اپنی فوج کے متعلق کوئی ایسی بات بتا سکتے ہو جو ہمارے کام آئے؟"

"اپنے متعلق دو باتیں بتاؤں" ـــ مُسلم نے کہا ـــ "یہ میرے دل کی آواز تھی کہ میں مسلمان ہو جاؤں، وہ میں ہو گیا۔ دوسری بات یہ ہے کہ میں اُس خاندان سے تعلق رکھتا ہوں جو شاہی اور فوج کے بالائی حلقوں میں عزت اور احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، اس لیے میں محل کے اندر کی اور جرنیلوں کی آپس کی چپقلش اور ان کے خیالات اور سوچوں سے اچھی طرح واقف ہوں....

"میں آپ کی فوج کے خلاف تین لڑائیاں لڑ چکا ہوں۔ آپ کی فوج ہر میدان میں کم ہوتی ہے پھر بھی آپ کی فوج جیت جاتی ہے۔ اب رستم سوا لاکھ نفری کی فوج لایا ہے۔ میں نے ابھی دیکھا نہیں کہ آپ کے ساتھ کتنی نفری ہے۔"

"شاید چالیس ہزار پوری نہیں" ـــ سعدؓ بن ابی وقاص نے کہا۔

"اگر آپ کے آدمیوں نے حوصلہ قائم رکھا تو رستم کی سوا لاکھ فوج کو آپ شکست دے سکتے ہیں" مُسلم نے کہا ـــ "رستم نے اپنے آپ کو اور دوسرے جرنیلوں کو بھی یقین دلا رکھا ہے کہ فارس کی سلطنت اپنے انجام کو پہنچنے والی ہے۔"

"سنا ہے وہ نجوم اور جوتش پر بھروسہ کرتا ہے" ـــ سعدؓ نے کہا۔

"زائچہ نکالے بغیر وہ آگے نہیں بڑھتا" ـــ مسلم نے کہا ـــ "آپ اُس کا حوصلہ توڑ سکتے ہیں۔ آپ کا رعب اور دبدبہ ہماری فوج پر اور ہمارے لوگوں پر موجود ہے۔ مجھے ممکن نظر نہیں آتا کہ چالیس ہزار نفری کی فوج سوا لاکھ فوج کے آگے ٹھہر سکے گی۔ میں آپ کو یہ بتا رہا ہوں کہ آپ نے عقل سے کام لیا اور فوج کی صحیح تقسیم کر کے ہر دستے کو اپنے قابو میں رکھا تو فتح آپ کی ہو گی۔"

"ہاتھی کتنے ہوں گے؟"

"پورے چالیس نہیں ہوں گے" ـــ مُسلم نے جواب دیا ـــ "ایک سفید ہاتھی بھی ہو گا۔ ہاتھیوں کو آپ نے پہلے بھی کاٹا ہے۔ اب بھی کاٹ سکتے ہیں...."

اس حقیقت کا ذکر تقریباً ہر مورخ نے کیا ہے کہ اس نومُسلم فارسی نے سعدؓ بن ابی وقاص کو کچھ اور بھی باتیں بتائی تھیں جن کو سامنے رکھ کر سعدؓ نے قادسیہ کی جنگ کا پلان بنایا تھا۔ مُسلم نے ٹھیک کہا تھا کہ سعدؓ بن ابی وقاص کو یہ جنگ عقل اور جذبے سے لڑنی تھی، ورنہ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ چالیس ہزار نفری کی فوج ایک لاکھ بیس ہزار نفری کی فوج کے مقابلے میں کھڑی بھی ہو سکتی ہے۔

سعدؓ بن ابی وقاص کو ایک اور دشواری نظر آ رہی تھی۔ وہ یہ کہ ان کی ایک ٹانگ دردِ عرق النساء سے بیکار ہوتی جا رہی تھی۔ طبیب جتنا علاج کرتے تھے، درد اُتنا ہی بڑھتا جا رہا تھا۔ جوں جوں لڑائی قریب آتی جا رہی تھی، سعدؓ اس ٹانگ سے معذور ہوتے جا رہے تھے لیکن حضرت عمرؓ کو وہ پیغامات باقاعدگی سے بھیجتے تھے۔ ان پیغامات میں اُنہوں نے ٹانگ کی تکلیف کا ذکر کبھی نہیں کیا تھا۔

رستم آخر کار قادسیہ پہنچ گیا۔ تاریخ کے مطابق رستم نے مدائن سے قادسیہ پہنچتے چار مہینے گزار دیئے تھے۔ مدائن سے قادسیہ تک فاصلہ صرف پینتیس چھتیس میل تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ لڑنے سے گریز کر رہا تھا۔ اُس نے اپنے جرنیلوں کو بھی کسی حد تک اپنا ہم خیال بنا لیا تھا لیکن طلیحہ ان کے دو گھوڑے کھول کر اور اُن کے "ہزار سوار" اور ایسے ہی ایک اور سورما کو قتل کر کے اور ایک سُورما کو زندہ لے گیا تو جرنیلوں نے رستم پر دباؤ ڈالنا شروع کر دیا کہ لڑائی ٹالتے چلے جانے سے مسلمان اتنے دلیر ہو گئے ہیں کہ ان کی بستیوں کو لُوٹتے پھرتے ہیں اور خیمہ گاہ کے اندر آ کر

گھوڑے کھول کر لے گئے ہیں، اس لیے اب آگے بڑھ کر مسلمانوں کو للکارنا پڑے گا۔

رستم آخر کار قادسیہ آگیا۔ سعدؓ بن ابی وقاص اپنے لشکر کے ساتھ وہاں پہنچ چکے تھے۔ رستم نے اپنی ایک لاکھ بیس ہزار فوج کو جنگی ترتیب میں کر دیا لیکن ابھی اُس کا ارادہ لڑنے کا نہیں تھا۔ اپنی فوج کے آگے اُس نے ہاتھیوں کو کھڑا کیا تھا۔ اس ترتیب میں فوج کو کھڑا کرنے کا مقصد مسلمانوں پر رعب طاری کرنا تھا لیکن رستم نے اپنے جرنیلوں کو بلایا۔

"میں جانتا ہوں کہ مجھ پر بزدلی کا الزام عائد کیا جا رہا ہے"۔۔۔ رستم نے جرنیلوں سے کہا۔ "اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تم میں ایسے بھی ہیں جو میرے خیال کو اور میرے قیافے کو سمجھ گئے ہیں۔ میں آج تمہیں بتا دینا چاہتا ہوں کہ میں نے کیا سوچا ہے۔ میری یہ پیشنگوئی غلط نہیں ہو سکتی کہ سلطنتِ فارس پر بہت برے سائے پڑ گئے ہیں۔ میں اس انتظار میں لڑائی کو ٹالتا رہا ہوں کہ ہو سکتا ہے یہ سائے ہٹ جائیں....

"دوسری وجہ یہ تھی کہ میں اس امید پر مسلمانوں کو للکارنے سے گریز کرتا رہا ہوں کہ مسلمان خوراک کی قلت سے تنگ آکر واپس چلے جائیں گے۔ وہ ہماری بستیوں کو لوٹتے رہے لیکن میں نے جالینوس کو چالیس ہزار فوج دے کر کہا تھا کہ اس فوج کو مختلف علاقوں میں پھیلا کر بستیوں کو تحفظ دیا جائے۔ اس کا خاطر خواہ اثر ہوا۔ مسلمانوں کے حملے بند ہو گئے۔ اب وہ لازماً اناج وغیرہ کی قلت محسوس کر رہے ہوں گے....

"اب میں مسلمانوں میں ایسا اختلاف پیدا کر دوں گا کہ وہ آپس میں لڑ پڑیں گے۔ میں ابھی لڑائی شروع نہیں کروں گا۔ میں مسلمانوں کو پیغام بھیجوں گا کہ میرے ساتھ صلح کی بات کریں۔ میں انہیں ایسے چکمے دوں گا کہ وہ آپس میں بحث مباحثے میں اُلجھ جائیں گے اور ان میں اختلاف پیدا ہو جائے گا۔ اس کے نتیجے میں لڑائی ملتوی ہوتی چلی جائے گی۔ ہم نے اپنی بستیوں کو محفوظ کر کے عربوں کے لیے رسد حاصل کرنے کے ذرائع بند کر دیئے ہیں۔ یہ بدبخت بھوک سے پریشان ہو کر فارس سے نکل جائیں گے۔ ہم انہیں زندہ نہیں نکلنے دیں گے۔ عقب سے ان پر حملے کرتے رہیں گے۔ ہمارا کوئی حملہ آور دستہ جم کر نہیں لڑے گا۔ حملہ کرے گا اور جتنا نقصان کر سکتا ہے، کر کے نکل جائے گا۔ میں تم سب کا تعاون چاہتا ہوں"۔

تمام جرنیلوں نے اُسے تعاون کا یقین دلایا۔

⚔

اگلی صبح سعدؓ بن ابی وقاص کو اطلاع دی گئی کہ رستم کا ایلچی آیا ہے۔ اُسے سعدؓ نے خیمے میں بُلا لیا۔ اپنے ماتحت سالاروں کو بھی طلب کیا اور مترجم کو بھی بلایا۔ مترجم کا نام ہلال حجری تھا۔ وہ عرب

تھا لیکن فارسی زبان مہارت سے سمجھتا اور بولتا تھا۔ وہ مدینہ سے لشکر کے ساتھ آیا تھا۔

ایلچی جس انداز سے خیمے میں داخل ہوا اُس میں رعونت کی جھلک نمایاں تھی۔ اُس کا لباس شاہانہ تھا۔ سر پر آہنی خود تھی۔ وہ آئینے کی طرح چمک رہی تھی۔ اگر لباس ہی برتری کا معیار تھا تو مسلمان اُس کے مقابلے میں گداگر لگتے تھے۔ اُس نے جن نگاہوں سے سعدؓ اور دوسرے سالاروں کو دیکھا، ان نگاہوں میں حقارت کا تاثر تھا۔

"۔۔۔ فارس کے ایلچی!"۔۔۔ سعدؓ بن ابی وقاص نے کہا ۔۔۔ "ہم نے تیری شان و شوکت دیکھ لی ہے۔ کیا تُو اپنے آنے کا مقصد نہیں بتائے گا؟"

"میں دیکھ رہا ہوں کہ تم لوگوں کے پاس ہے ہی کیا؟"۔۔۔ ایلچی نے کہا ۔۔۔ "تمہارے ہتھیار دیکھے ہیں۔ ان گھسے پٹے ہتھیاروں سے تم ہمارا مقابلہ کس طرح کرو گے؟.... اپنی تعداد دیکھو"۔

"کیا تم فارس کے بادشاہ ہو؟"۔۔۔ سعدؓ نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں!"

"کیا تم رستم ہو؟"

"نہیں!"۔۔۔ ایلچی نے جواب دیا۔

"پھر وہ پیغام دو جو رستم نے تمہیں دیا ہے"۔۔۔ سپہ سالار سعدؓ نے کہا۔

"ہاں!"۔۔۔ ایلچی نے بوکھلا کر کہا ۔۔۔ "ہمارے کماندارِ اعلیٰ تمہارے ساتھ صلح کی بات کرنا چاہتے ہیں۔ کوئی ایسا آدمی بھیجیں جو فیصلہ کن بات کر سکتا ہو.... آج ہی کسی کو بھیج دیں"۔

"ہمارا ایلچی آج شام سے پہلے تمہارے کماندارِ اعلیٰ کے پاس پہنچ جائے گا"۔۔۔ سعدؓ نے کہا۔

رستم کا ایلچی چلا گیا۔

ظہر کی نماز کے بعد سعدؓ نے اپنے ایک دانشمند ساتھی ربعی بن عامر کو رستم کے پاس جانے کے لیے ایلچی منتخب کیا اور اُسے کچھ ہدایات دیں۔

جس وقت رستم کا ایلچی آیا تھا، اُس وقت ربعی بن عامر بھی سعدؓ کے خیمے میں موجود تھا۔ اُس نے دیکھا تھا کہ رستم کے ایلچی نے مسلمانوں کے ہتھیاروں کا مذاق اڑایا تھا۔ تاریخ طبری میں بڑا دلچسپ واقعہ لکھا ہے جو عربوں کی بذلہ سنجی اور زندہ دلی کی ایک مثال ہے۔

ربعی بن عامر نے عرق گیر (ٹین نما) کے ایک ٹکڑے کو موڑ توڑ کر زرہ بنائی اور پہن لی اور ٹین ہی کی ایک فضول سی ٹوپی بنا کر سر پر رکھ لی۔ یہ فارسیوں کی آہنی خود کا مذاق تھا۔ ٹین اتنا پتلا اور کمزور تھا کہ ذرا سے دباؤ سے مڑ جاتا تھا۔ ربعی کی تلوار نیام میں تھی لیکن اُس نے نیام پر گندے اور بوسیدہ کپڑے لپیٹ لیے جیسے تلوار چیتھڑوں میں لپٹی ہوئی ہو۔ کمر کے گرد اس نے ایک رسّی باندھ لی۔ ایک برچھی ہاتھ

میں لے لی جس کی انی تو ٹھیک تھی لیکن اوپر سے لکڑی فٹ ڈیڑھ فٹ ٹوٹی ہوئی تھی۔

ربعی بن عامر جب وہاں سے چلا تو اس کے ساتھیوں نے بیساختہ قہقہوں سے اُسے [illegible] کیا۔ وہ پاگل لگتا تھا جس نے فارس کے فوجیوں کی نقل اتاری تھی۔

اِدھر یہ مسلمان تھے جن کا سپہ سالار معمولی سے خیمے میں سپاہیوں کی طرح رہتا تھا۔ اُدھر فارس [illegible] سپہ سالار رستم تھا جس نے وہاں جنگل میں بادشاہوں جیسا دربار آراستہ کر رکھا تھا۔ طبری اور [illegible] نے لکھا ہے کہ رستم کو چونکہ بتا دیا گیا تھا کہ آج مسلمانوں کا ایلچی آئے گا، اس لیے اس نے [illegible] شان و شوکت اور جاہ و جلال کا اہتمام کر رکھا تھا۔

ایک بیش قیمت کپڑے کا وسیع و عریض شامیانہ تنا ہوا تھا جس میں شیشوں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے اور رنگارنگ قیمتی موتی سلے ہوئے تھے۔ تین اطراف ایسی ہی دلفریب رنگوں والی [illegible] لگی ہوتی تھیں۔ نیچے شامیانے کی لمبائی چوڑائی کے برابر بڑا ہی قیمتی اور خوش رنگ قالین بچھا [illegible] سامنے ایک مسند تھی اور ہر طرف گاؤ تکیے رکھے ہوئے تھے جن کے غلاف ریشمی تھے۔ سا[illegible] قنات نہیں تھی۔ اِدھر سے اس دربار میں داخل ہوتے تھے۔

ربعی بن عامر گھوڑے پر سوار تھا۔ اُس نے جب فارسیوں کی خیمہ گاہ میں داخل ہو کر [illegible] وہ مسلمانوں کا ایلچی ہے اور رستم سے ملنے آیا ہے تو اُسے یہ بتانے کی بجائے کہ اسے رستم [illegible] ملے گا، فوجیوں نے ہنس ہنس کر اس کا مذاق اڑانا شروع کر دیا۔ وہ اس پر پھبتیاں کس رہے تھے

کسی نے رستم کو اطلاع دے دی کہ مسلمانوں کا ایلچی آرہا ہے۔ وہ جلدی جلدی شاہانہ [illegible] پہن کر اس فرشی مسند پر جا بیٹھا جو اُس کے لیے دربار میں رکھی گئی تھی۔ تمام جرنیل اور ان کے نائب [illegible] میں گاؤ تکیوں کے ساتھ بیٹھ گئے۔ رستم نے دور سے ربعی بن عامر کو آتا دیکھ لیا تو اس کے چہرے پر حقارت کا تاثر آگیا۔

"عربوں کا ایلچی دیکھو" ـــــ رستم نے کہا ـــــ "بدبخت بھکاری چلا آرہا ہے"۔

دربار میں قہقہہ بلند ہوا۔

ربعی بن عامر قریب پہنچا تو محافظوں نے انہیں روک لیا۔

"کیوں؟" ـــــ ربعی نے پوچھا ـــــ "روکا کیوں ہے؟ کیا تمہیں کسی نے بتایا نہیں ہے کہ میں [illegible] کا ایلچی ہوں"۔

"اسی لیے تو تمہیں روکا ہے" ـــــ محافظوں کے کمانڈر نے کہا ـــــ "تم دربار میں جا رہے [illegible] ہتھیار ساتھ لے جانا دربار کے آداب کے خلاف ہے۔ برچھی اور تلوار ہمیں دے دو اور [illegible] میں جاؤ۔ عالی جاہ رستم تمہارے منتظر ہیں۔ گھوڑا بھی یہیں چھوڑ دو"۔

"میں آیا نہیں ہوں" ـــــ ربعی نے کہا ـــــ "مجھے بلایا گیا ہے۔ کہتے ہو تو میں یہیں سے واپس چلا جاتا ہوں۔ ہتھیار نہیں دوں گا۔ گھوڑا بھی نہیں دوں گا"۔

"کیا ہو رہا ہے وہاں" ـــــ رستم نے بلند آواز سے پوچھا۔

"یہ ہتھیار نہیں دے رہا عالی جاہ!" ـــــ محافظوں کے کمانڈر نے کہا۔

"آنے دو اسے!" ـــــ رستم نے حکم دیا۔

ربعی بن عامر گھوڑے سے نہ اُترا اور دربار تک چلا گیا۔ اس طرف قنات نہیں تھی۔ ربعی دربار میں پہنچ کر گھوڑے سے اترا اور گھوڑے کو قالین پر لے گیا۔ دائیں بائیں دیکھا اور ایک گاؤ تکیے کی طرف چل پڑا۔ رستم اور دوسرے جرنیل حیرت سے دیکھ رہے تھے کہ یہ پگلا کر کیا رہا ہے۔ اُس نے گھوڑے کی باگ ایک گاؤ تکیے کے گرد لپیٹ کر گھوڑا وہیں چھوڑا اور رستم کی طرف چل پڑا۔

رستم کی طرف اُس کے چلنے کا یہ انداز تھا کہ اُس نے برچھی اس طرح پکڑ رکھی تھی جس طرح لاٹھی پکڑ کر اس کے سہارے چلا جاتا ہے۔ برچھی کی انی نیچے کو تھی۔ ربعی اس طرح چل رہا تھا جس طرح اندھا لاٹھی کے سہارے چلتا ہے۔ ربعی ہر قدم پر برچھی زور سے زمین پر مارتا جاتا تھا۔ برچھی کی اَنی قالین میں سوراخ کر کے زمین میں اُتر جاتی تھی۔ اس طرح وہ اتنے قیمتی قالین میں سوراخ کرتا گیا۔ رستم اور درباری اُسے دیکھتے رہے۔ انہیں غالباً پتہ نہیں چل رہا تھا کہ اس شخص سے کیا کہیں۔ بعض جرنیلوں کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ آگئی۔

ربعی رستم کے سامنے جا رکا اور برچھی زور سے زمین پر ماری۔ اَنی قالین کو کاٹتی زمین میں اُتر گئی۔ ربعی نے برچھی وہیں رہنے دی اور رستم کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ رستم نے سر سے پاؤں تک اُس کی ہیئت کذائی دیکھی اور اتنا بھی نہ کہا کہ بیٹھ جاؤ۔

"کیا لینے آئے ہو ہمارے ملک میں؟" ـــــ رستم نے حقارت آمیز لہجے میں پوچھا۔

"ہم اس ملک میں اس لیے آئے ہیں کہ مخلوق کی بجائے خالق کی مدد کی جائے" ـــــ ربعی بن عامر نے کہا ـــــ "ہمارا پیغام تمہارے شہنشاہ تک پہنچ چکا ہے اور ہم اپنی شرطیں بھی بتا چکے ہیں"۔

"میں اپنے مشیروں اور ساتھیوں سے مشورہ کر کے جواب دوں گا" ـــــ رستم نے کہا ـــــ "تمہیں ایک بار پھر آنا پڑے گا"۔

صلح کی بات چیت اسی مختصر سے مکالمے میں ختم ہو گئی۔ ایک جرنیل اٹھا اور زمین میں گڑھی ہوئی ربعی کی برچھی دیکھی جو اُوپر سے ٹوٹی ہوئی تھی، پھر اُس نے ربعی کی "زرہ" پر ہاتھ مارا جو در اصل ٹین کی چادر تھی، پھر اُس نے ان چیتھڑوں پر ہاتھ پھیرا جو نیام پر لپٹے ہوتے تھے۔

"اے عربی!" ـــــ اس جرنیل نے طنزیہ کہا ـــــ "کیا ان ہتھیاروں سے تم فارس کو فتح کرنے آئے ہو؟"

ربعی نے اتنی تیزی سے تلوار نکال کر سونت لی کہ جرنیل اُچھل کر دُور ہٹ گیا۔ ربعی ایک جگہ کھڑے کھڑے چاروں طرف گھوما۔ اُس کے چہرے پر میدانِ جنگ والا عتاب آگیا تھا۔

"کون ہے یہاں تلوار کا دھنی!" ——— ربعی نے کہا ——— "اُٹھے اور میرے مقابلے میں آئے... کوئی بہادر اُٹھے، پھر میں تمہیں جواب دوں گا کہ میں اِس تلوار سے فارس کو فتح کر سکتا ہوں یا نہیں"

وہ آہستہ آہستہ ایک ہی جگہ کھڑا گھومتا رہا۔ اُس نے ہر جرنیل کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں۔ وہ سب جرنیل تھے۔ ایک سے ایک تلوار کا دھنی تھا لیکن ان میں سے کوئی بھی رستم کی اجازت کے بغیر مقابلے کے لیے نہیں اٹھ سکتا تھا۔ تاریخ کہتی ہے کہ رستم نے اشارہ کر دیا تھا کہ کوئی نہ اٹھے اور اسے جانے دیں۔

"کوئی نہیں!" ——— ربعی نے کہا اور رستم سے مخاطب ہُوا ——— "تمہارے پاس ہمارا ایک اور ایلچی آئے گا... سوچ کر جواب دینا رستم!"

ربعی نے اپنی ٹوٹی ہوئی برچھی وہیں گڑھی رہنے دی، تلوار نیام میں ڈالی، اپنے گھوڑے تک گیا، باگ گاؤ تکیے سے نکال کر ہاتھ میں لی، گھوڑے پر سوار ہُوا اور چلا گیا۔

ان مذاکرات میں جو مترجم تھا، اُس کا نام عبود تھا۔ وہ حیرہ کا رہنے والا غیر مسلم تھا۔

⚔

ربعی نے واپس آکر سعدؓ بن ابی وقاص کو بتایا کہ رستم نے دربار آراستہ کر رکھا تھا اور وہاں کیا ہُوا ہے۔ ربعی نے فارسیوں کی دولت اور جاہ و جلال کو پوری تفصیل سے بیان کیا۔ اُس نے رستم کے لشکر کو بڑی اچھی طرح دیکھا تھا۔ یہ تو دیکھنا ہی تھا کیونکہ اسی لشکر سے انہوں نے لڑنا تھا۔ ربعی نے سعدؓ کو بتایا کہ فارسیوں کا لشکر کتنا بڑا ہے اور ان کے ہتھیار کتنے اچھے ہیں۔ اُس نے کہا کہ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے اس لشکر میں اتنے انسان نہیں جتنے گھوڑے ہیں۔

امیر المومنین حضرت عمرؓ کے حکم کے مطابق سعدؓ انہیں مسلسل محاذ کے حالات لکھ رہے تھے اور حضرت عمرؓ انہیں ہدایات بھیج رہے تھے۔ امیر المومنین نے یہ بات متعدد بار لکھی تھی کہ فارسیوں کی شاہانہ شان و شوکت، ان کی فوج کی افراط اور ہتھیاروں کی برتری سے مرعوب نہ ہونا۔ تمہارے پاس جو جذبہ ہے اس سے تمہارا دشمن محروم ہے۔ یہی اُس کی کمزوری اور یہی تمہاری طاقت ہے۔

"رستم کے اگلے پیغام کا انتظار کرو" ——— سعدؓ بن ابی وقاص نے کہا ——— "صلح کرنے کا حاجتمند وہ ہے ہم نہیں"

سعدؓ کا جوش اور جذبہ تو بڑھتا جا رہا تھا لیکن عرق النساء کا درد اور بڑھ گیا تھا۔ اب یہ حالت ہو گئی تھی کہ وہ اس ٹانگ پر کھڑے تو ہو جاتے تھے مگر چل نہیں سکتے تھے۔ انہیں سہارا دینا پڑتا

گھوڑسواری بھی ان کے لیے ممکن نہیں رہی تھی۔

پھر ایک روز رستم کا قاصد یہ پیغام لے کر آگیا کہ اپنا کوئی نمائندہ بھیجو۔

"... اور یہ نمائندہ کوئی دانشمند ہو" ——— ایلچی نے کہا ——— "ایسا دانشمند جو اچھی طرح واضح کر سکے تم لوگوں کا مدعا اور مقصد کیا ہے"

"خدا کی قسم، فارس میں دانشمندوں کا قحط ہے" ——— سعدؓ بن ابی وقاص نے کہا ——— "مدعا اور مقصد ...ے بادشاہ کو بڑی اچھی طرح بتا دیا گیا تھا۔ تمہارے سب سے بڑے سپہ سالار رستم کو بھی معلوم ... کہ ہم کیا چاہتے ہیں۔ یہ بتاؤ رستم کیا چاہتا ہے"

"اس سوال کا جواب رستم ہی دے سکتا ہے" ——— ایلچی نے کہا ——— "آپ اپنا نمائندہ بھیجیں"

"کل صبح ہمارا نمائندہ آئے گا" ——— سعدؓ نے کہا۔

ایلچی چلا گیا۔ ایک صحابی مغیرہؓ بن شعبہ سعدؓ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔

"ابن شعبہ!" ——— سعدؓ نے کہا ——— "اب تو ہی جا۔ واللہ، اس رستم کا دماغ شیطان کے قبضے ...معلوم ہوتا ہے۔ ہماری بات سمجھتے ہوئے بھی کہتا ہے کچھ نہیں سمجھا۔ وہ کوئی تیاری مکمل کرنے ...ے لیے وقت چاہتا ہے یا اُس کا دماغ کسی سازش پر کام کر رہا ہے۔ تو جا اور اُس کے ساتھ آخری ...ت کر کے آ۔ اُسے کہنا کہ اب ہمارا کوئی ایلچی یا نمائندہ تمہارے پاس نہیں آئے گا"

"میں کوشش کروں گا" ——— مغیرہؓ نے کہا ——— "میں پوری کوشش کروں گا کہ وہ مشتعل ہو جائے ...ہیں للکارے۔ ہمیں یہ توقع نہیں رکھنی چاہیئے کہ یہ کفار اسلام قبول کر لیں گے"

⚔

اگلی صبح جب مغیرہؓ بن شعبہ رستم سے ملنے گئے تو رستم نے پہلے کی طرح دربار سجا رکھا تھا۔ دربار کی سج دھج پہلے سے زیادہ تھی۔ رستم مسند پر بیٹھا تھا اور اُس کے پیچھے دو چوبدار کھڑے تھے۔ چوبدار ہاتھوں میں برچھیاں لیے اُس طرف بھی کھڑے تھے جدھر سے دربار میں داخل ہُوا جاتا تھا۔ ...رباراُس دن کی طرح جرنیل بیٹھے تھے۔ اُن کے لباس زرق برق اور ایسے شاہانہ تھے کہ ایک ...ن پسند صحابی کو وہ سب بادشاہ اور شہزادے لگتے تھے۔

مؤرخ لکھتے ہیں کہ مغیرہؓ گھوڑے سے اُترے۔ انہیں کسی نے نہ کہا کہ دربار میں کوئی ...یار لے کر نہ جائیں۔ مغیرہؓ شامیانے اور قناتوں کے دربار میں داخل ہوئے۔ انہوں نے جھک ...کر سلام نہ کیا نہ دربار کے آداب کی پرواہ کی۔ بلند آواز سے السلام علیکم کہی اور سیدھے ...تک پہنچے۔ اُسے بھی جھک کر سلام نہ کیا بلکہ آگے بڑھ کر اُس کے پہلو میں مسند پر بیٹھ گئے۔

درباریوں پر سناٹا طاری ہو گیا۔ دو جرنیل اُٹھ کھڑے ہوئے۔

"ہم اپنے کماندارِ اعلیٰ کی یہ توہین برداشت نہیں کر سکتے" — ایک جرنیل نے کہا۔ "عرب
کے اس لٹیرے کو یہ اعزاز نہیں دے سکتے کہ وہ فخرِ فارس رستم کی برابری میں اس کی مسند پر بیٹھے۔"

"اٹھا دو اسے وہاں سے!" — ایک جرنیل نے گرج کر کہا۔

رستم خاموش تھا اور اس کا چہرہ بے تاثر تھا۔ دربار میں کچھ اور آوازیں بھی سنائی دیں جو مغیرہؓ کی اس جسارت کے خلاف بول رہے تھے۔ ایک چوبدار جو رستم کے قریب کھڑا تھا آیا اور اس نے مغیرہؓ کو بازو سے پکڑ کر اٹھا دیا۔

"میں خود تو نہیں آیا" — مغیرہؓ نے رستم سے کہا — "تمہارے بلانے پر آیا ہوں۔ حیران ہوں کہ تم اپنے مہمان کے ساتھ یہ نازیبا سلوک کر رہے ہو۔ ہمارے ہاں یہ دستور نہیں کہ ایک آدمی خدا بن کر بیٹھ جاتے اور باقی لوگ اس کے غلاموں کی طرح کھڑے ہیں اور کوئی آدمی اس کی برابری میں بیٹھنے کی جرأت نہ کر سکے۔ میں اپنی یہ بے عزتی برداشت نہیں کروں گا۔ کیا میرے لیے یہ بہتر نہیں کہ میں چلا جاؤں؟ آج کے بعد ہمارا کوئی نمائندہ نہیں آئے گا۔ تمہارے ساتھ اگلی ملاقات میدانِ جنگ میں ہو گی۔"

بلاذری نے لکھا ہے کہ مترجم حیرہ کا رہنے والا عبود تھا۔ اس نے مغیرہؓ کی بات رستم کو سنایا۔

"نہیں!" — رستم نے کہا — "میں نے کسی کو حکم نہیں دیا تھا کہ تمہیں یہاں سے اٹھا دے اور میرا یہ منشا بھی نہ تھا۔ تم بیٹھو اور اطمینان سے بات کرو۔"

"اب تم بات کرو رستم!" — مغیرہؓ نے کہا — "ہم اپنی بات تمہارے بادشاہ تک پہنچا چکے ہیں اور ہمارے کئی ایلچی تمہارے بلانے پر آئے اور تمہیں بتا گئے ہیں کہ ہم کیا چاہتے ہیں۔ ہم جو کہتے ہیں یہ اللہ کا حکم ہے۔"

"ایک بار پھر کہو" — رستم نے کہا — "میں جواب دوں گا۔"

"اور میں اسے آخری جواب سمجھوں گا" — مغیرہؓ نے کہا — "اس کے بعد ہمارا کوئی یہاں نہیں آئے گا..... ہم تمہیں قبولِ اسلام کی دعوت دیتے ہیں۔ اسلام میں عبادت کے لائق اور اللہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ تم جس سورج کی عبادت کرتے ہو وہ سورج اللہ کی تخلیق ہے اور اللہ کے حکم کا پابند ہے اور جس آگ کو تم پوجتے ہو اسے انسان ہی جلاتا اور انسان ہی بجھاتا ہے اور تسلیم کرو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ تسلیم کرو کہ اسلام اللہ کا سچا دین ہے۔"

"ہم تمہارا دین قبول کرنے سے انکار کر چکے ہیں" — رستم نے کہا۔

"پھر جزیہ دو" — مغیرہؓ نے کہا۔

"میرے عربی دوست!" — رستم نے کہا — "شہنشاہِ فارس تمہاری بھلائی کی بات کہہ چکے ہیں۔ تم نے ہمارا جو نقصان کر چکے ہو اور ہماری رعایا کو جتنا بھی لوٹ چکے ہو، ہم سب تمہیں معاف کرتے ہیں اگر تم لوگ ہمارے ملک سے نکل جاؤ۔ ہم تمہیں اتنا زیادہ اناج دیں گے جو تم ایک عرصے تک کھاتے رہو گے اور ہم تمہیں انعام بھی دیں گے۔"

مغیرہؓ کے چہرے پر غصے کی سرخی نمودار ہو تی۔ انہوں نے اپنی تلوار کے دستے پر ہاتھ رکھا اور تلوار نیام سے تھوڑی سی باہر کھینچی۔

"رستم!" — مغیرہؓ نے کہا — "اگر اسلام بھی منظور نہیں اور جزیہ بھی منظور نہیں تو فیصلہ یہ تلوار کرے گی۔"

تاریخ نویسوں نے لکھا ہے کہ رستم بھڑک اٹھا۔ مغیرہؓ کا یہی مقصد تھا کہ رستم مشتعل ہو جائے اور میدان میں آ جائے۔ رستم مشتعل ہو گیا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

"میں کل سارے عرب کو تباہ کر دوں گا" — رستم نے غضب ناک لہجے میں کہا۔

"اگر اللہ نے چاہا" — مغیرہؓ نے کہا۔

"اگر اللہ نے نہ چاہا تو بھی!" — رستم نے کہا۔

مغیرہؓ نے زور سے اپنی تلوار کو نیام میں دبایا۔ ان کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ آ گئی اور وہ رستم کے دربار سے تیز تیز قدم اٹھاتے نکل آئے۔

تاریخ دم بخود تھی۔

زمین و آسمان حیرت زدہ تھے۔

فنِ حرب و ضرب کے اسرار و رموز کو سمجھنے والے انگشت بدنداں تھے۔

چالیس ہزار مسلمانوں نے کس بل بوتے پر ایک لاکھ بیس ہزار کے لشکرِ جرار کو للکارا تھا۔ یہ ل... مسلمانوں جیسے معمولی اور روایتی ہتھیاروں سے مسلح نہ تھا۔ فارسیوں کے ہتھیار تو اُس زمانے ... دنیا میں مشہور اور دہشت ناک تھے۔ یہ تو زرہ پوش لشکر تھا۔ چالیس ہزار سے کہیں زیادہ تو اس لشکر ... گھوڑسوار تھے اور اس لشکر میں ہاتھی بھی تھے.... یہ بدمست ہاتھی جنہیں جنگی تربیت دی گئی تھی ... پھرتی اور چنگھارتی چٹانیں تھیں۔

مانا کہ مسلمانوں نے فارس میں کئی لڑائیاں جیتی تھیں اور ان کے چند ایک جرنیلوں کو مار بھی ... تھا اور یہ بھی صحیح ہے کہ ہر میدان میں فارسیوں کی جنگی طاقت کئی گنا زیادہ تھی اور مسلمانوں کی قلیل ... اُن پر غالب آتی تھی لیکن کسی بھی میدان میں فارسی اپنی تمام تر جنگی طاقت نہیں لائے تھے۔ اب بار فارس کی اتنی زیادہ فوج میدان میں آئی تھی جو خود فارس والوں نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔

اس اتنے بڑے لشکر کا کمانڈر رستم تھا جو جنگ کو ٹال رہا تھا مگر مسلمانوں کے سپہ ... سعدؓ بن ابی وقاص اپنے ایلچی بھیج بھیج کر اُسے مشتعل کر رہے تھے کہ وہ میدان میں آئے۔ اس تا... سپہ سالار کی اپنی یہ حالت تھی کہ عرق النساء کے درد نے انہیں چلنے پھرنے سے معذور کر ... تھا۔ اب تو وہ کھڑے بھی نہیں ہو سکتے تھے۔ ہر وقت بستر پر پڑے رہتے تھے، وہ بھی پیٹ ... کے بل۔ پیٹھ کے بل لیٹتے تھے تو درد ناقابلِ برداشت ہو جاتا تھا۔

مؤرخ لکھتے ہیں کہ سعدؓ بن ابی وقاص بہت بڑا خطرہ مول لے رہے تھے۔ انہیں لڑائی ... وقت شروع کرنی چاہیے تھی جب وہ صحت یاب ہو جاتے یا امیر المومنین حضرت عمرؓ کو اپنی جسما... حالت بتا کر لکھتے کہ ان کی جگہ کوئی اور سپہ سالار آ جائے لیکن انہوں نے امیر المومنین کو اپنی معذ... سے بے خبر رکھا اور اتنے زیادہ طاقتور دشمن کو للکار کر میدان میں لے آئے۔

مؤرخ آگے چل کر لکھتے ہیں کہ فارس کا بادشاہ یزدگرد نوجوان تھا۔ اس عمر میں انسان ما...

نومیدی اور شکست کے خدشے کو قبول نہیں کیا کرتا۔ وہ پہاڑوں سے ٹکرانے اور قسمت کو اپنی امنگوں کے سانچے میں ڈھالنے کا عزم رکھتا ہے یزدگرد ایسا ہی پُرعزم نوجوان تھا۔ نوجوانی کے علاوہ اُسے ایک طاقت یہ حاصل ہو گئی تھی کہ یہ پہلا موقع تھا کہ فارس کے تمام امراء، جاگیردار، زعماء اور جرنیل متفق اور متحد ہو کر یزدگرد کے گرد جمع ہو گئے تھے ان سے پہلے کسی بادشاہ اور کسی بھی ملکہ کو ان سب کی حمایت حاصل نہیں ہوتی تھی بلکہ ان کی سیاست چلتی تھی اور ان کا ایک دوسرے کے خلاف جوڑ توڑ چلتا تھا۔ محلاتی سازشیں الگ تھیں۔ اب فارس کے شاہ و گدا ایک محاذ پر اکٹھے ہو گئے تھے۔

یزدگرد نے ہی رستم کو مدائن سے نکالا اور اُسے مجبور کر دیا تھا کہ فوجوں کی کمان لے اور مسلمانوں کو ایسی شکست دے کہ پھر کبھی وہ فارس کی سرحدوں کی طرف دیکھنے کی بھی جرأت نہ کریں۔ مبصر لکھتے ہیں کہ فارس کے اس لشکر کے ہار جانے سے فارس کی شہنشاہی کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو جاتا تھا، اور مسلمان شکست کھا جاتے ہیں تو فارسیوں کے لیے مدینہ تک کا راستہ صاف ہو جاتا تھا۔

مسلمان کوئی خطرہ مول لینے کی پوزیشن میں نہیں تھے لیکن سعدؓ بن ابی وقاص بڑے سے بڑا خطرہ مول لینے کا عزم کیے ہوتے تھے۔

اس طرح تاریخ اسلام میں جنگِ قادسیہ کو بہت ہی زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ ہار جانے کی صورت میں مسلمانوں کو فارس میں کسی طرف سے بھی مدد نہیں مل سکتی تھی، کیونکہ شام میں رومیوں کے خلاف بھی جنگ لڑی جا رہی تھی۔ اس محاذ کو کمزور نہیں کیا جا سکتا تھا۔

اُدھر مدائن تک میدانِ جنگ کے پیغام کم سے کم وقت میں پہنچانے کا یہ انتظام کیا گیا تھا کہ قادسیہ سے مدائن تک تھوڑے تھوڑے فاصلے پر آدمی کھڑے کر دیئے گئے تھے۔ فاصلہ اتنا رکھا گیا تھا کہ ایک آدمی کی بلند آواز اگلے آدمی تک پہنچ جاتی تھی۔ اس طرح میدانِ جنگ کا پیغام زبانی زبانی ایک سے دوسرے آدمی تک پہنچتا مدائن تک پہنچ جاتا تھا۔ یزدگرد کا حکم تھا کہ اُس تک پل پل کی خبر پہنچائی جائے۔

اِدھر مدینہ میں امیر المومنین حضرت عمرؓ نے سعدؓ کو حکم دے رکھا تھا کہ ذرا ذرا سی بات اُن تک پہنچائی جاتے تاکہ وہ ہدایات بروقت دے سکیں۔ اُنہوں نے اعلیٰ نسل کے صبا رفتار گھوڑوں کا اور قاصدوں کے تھکے ہوئے گھوڑے بدلنے کے لیے یہ انتظام کیا تھا کہ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر چوکیاں بنا دی تھیں۔

اُدھر مدائن میں یزدگرد تک رستم کا پیغام پہنچا کہ وہ لشکر کو میدان جنگ میں لے جا رہا ہے اور لڑائی شروع کی جا رہی ہے۔

"مجھے پوری اُمید ہے کہ اگلی اطلاع بہت بڑی خوشخبری ہوگی" —— رستم نے یزدگرد کے نام پیغام میں کہا تھا۔

ادھر مدینہ میں حضرت عمرؓ کے پاس سعدؓ بن ابی وقاص کا قاصد پہنچا جس میں لکھا گیا تھا کہ فارسی میدان میں آ رہے ہیں اور اگلے پیغام تک جنگ شروع ہو چکی ہوگی۔

حضرت عمرؓ نے پیغام کے جواب میں کچھ ہدایات لکھیں جن میں ایک یہ تھی کہ دشمن کو لڑنا ہی ہے تو نہ للکارے، دریا پار نہیں کرنا۔ فارسیوں کو دریا کے اس طرف لانا۔ اس طرح تمہارے سامنے دریا اور پیچھے عرب کا ریگستان ہوگا۔ اگر تم دشمن کو پیچھے دھکیلنے میں کامیاب ہو گئے تو وہ دریا میں ڈوبے گا، اور اگر دشمن کو تم اپنے اوپر غالب ہوتا دیکھو تو پیچھے اپنے ریگستان میں آ جاؤ۔ دشمن اس ریگستان میں بھٹک جائے گا۔

یہ وہی ہدایت تھی جو مثنیٰ بن حارثہ شہید نے وصیت کے طور پر سعدؓ بن ابی وقاص کے لیے چھوڑی تھی اور بعد میں حضرت عمرؓ نے بھی سعدؓ کو یہی ہدایت بھیجی۔ اب حضرت عمرؓ اسی ہدایت کا اعادہ کر رہے تھے۔

جنگ کی خبروں نے مدینہ اور مدائن میں ایسی بیداری پیدا کر دی جیسے قبروں سے مُردے بھی نکل آئے ہوں۔ مدینہ میں یہ کیفیت پیدا ہو گئی کہ ہر نماز کے بعد حضرت عمرؓ بارگاہِ الٰہی میں مجاہدین کی فتح کی دعا کے علاوہ یہ ضرور کہتے کہ کمک تیار رکھو۔ گھوڑے تیار رکھو۔

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ عراق کا محاذ مثنیٰ بن حارثہ نے کھلوایا تھا اور اُنہوں نے پے بہ پے کامیابیاں حاصل کر کے اپنی جان اسی محاذ پر قربان کر دی تھی۔ ٹوٹی ہوئی پسلی میں پیپ پڑتی رہی اور مثنیٰ دشمن کے سر پر موجود رہے، لڑتے رہے حتیٰ کہ اسی زخم نے ان کی جان لے لی۔

حضرت عمرؓ کو مثنیٰ کی شہادت کا بڑا رنج تھا۔ اتنا قیمتی سالار قربان کر کے امیر المومنین عراق سے دستبردار نہیں ہونا چاہتے تھے لیکن بات کچھ اور بھی تھی۔ اس بات کا پہلے بہت تذکرہ ہو چکا ہے۔ خسرو پرویز نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پُرزے پُرزے کر کے اور پھونک مار کر یہ پُرزے اڑا دیئے تھے۔ اُس نے اسی پر اکتفا نہ کی بلکہ اپنے یمن کے گورنر بازان کو پیغام بھیجا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو گرفتار کر کے مدائن بھیجو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حکم کی اطلاع ملی تو آپؐ نے مسکرا کر فرمایا —— "اسلام مجھ سے پہلے مدائن پہنچ جائے گا۔"

اللہ تبارک و تعالیٰ نے خسرو پرویز کو اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی توہین کی سزا فوراً ہی دے دی تھی۔ وہ جو اپنے آپ کو خدا کا ہم پلہ سمجھتا تھا، اپنے بیٹے کے ہاتھوں قید میں پھینکا گیا

ہی ہاتھوں قتل ہوا۔ اُس کے لیے یہی سزا کیا کم تھی کہ اُس کی بیویوں نے اُس کے اُن جرنیلوں اور جاگیرداروں کے ساتھ ناجائز تعلقات قائم کیے جنہیں پرویز خاکِ پا سمجھتا تھا۔

پھر یہ بھی ہوا کہ پرویز نے اپنے جس گورنر بازان کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی گرفتاری کا حکم دیا تھا، اُس نے اسلام قبول کر لیا تھا۔

حضرت عمرؓ پر تو عشقِ رسول کی دیوانگی طاری رہتی تھی۔ اُنہوں نے خسرو پرویز کی اس گستاخی کو اپنے اعصاب پر سوار کر لیا تھا۔ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیش گوئی کو پورا کرنا چاہتے تھے کہ جس طرح پرویز نے دعوتِ اسلام کے پیغام کو ٹکڑے ٹکڑے کیا تھا، اسی طرح سلطنتِ فارس ٹکڑے ٹکڑے ہو کر اُڑ جائے گی۔

اس کے علاوہ عراق سرسبز و شاداب علاقہ تھا جس کی زمین سونا اگلتی تھی۔ یہ علاقہ فتح ہو جانے سے سلطنتِ اسلامیہ کو وسعت ہی نہیں بلکہ اقتصادی تقویت مل سکتی تھی۔

مدائن میں یزدگرد بہت خوش تھا کہ رستم لڑنے پر آمادہ ہو گیا ہے۔ اُس نے رستم کو یہ پیغام بھیجا:

"رستم! مدائن میں اب شکست کی خبر نہ آئے۔ اس لشکر کو صرف تمہارے ہاتھی کچل دیں گے جس کی تعداد صرف چالیس ہزار ہے اور جس کا سپہ سالار اپنے خیمے میں معذور پڑا ہے۔ مجھے ایک جاسوس نے اطلاع دی ہے کہ مسلمانوں کا سپہ سالار کسی ایسے درد میں مبتلا ہے کہ وہ ایک قدم بھی چلنے کے قابل نہیں اور گھوڑے کی پیٹھ پر تو وہ بیٹھ ہی نہیں سکتا۔ مسلمانوں کے لشکر کی حالت بے مہار اونٹ جیسی ہوگی۔ یہ اونٹ تمہارا ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ لشکر میں بعض مسلمان سعدؓ سے ناراض ہیں۔"

رستم کو سعدؓ بن ابی وقاص کی اس جسمانی حالت کا علم نہیں تھا۔ اب اُسے علم ہوا تو اُس نے اپنے تمام جرنیلوں کو بتایا کہ مسلمانوں کا سپہ سالار خیمے میں معذور پڑا ہے۔

"اگر تم نے مسلمانوں کو ایک بار بکھیر دیا تو فتح ہماری ہوگی" —— رستم نے جرنیلوں سے کہا —— "ان کی ترتیب تباہ کر دینا۔"

اس سوال کا جواب ذرا طویل ہے کہ وہ کون جاسوس تھا جو سعدؓ بن ابی وقاص کی یہ حالت دیکھ گیا تھا۔ مسلمانوں کے کیمپ میں دشمن کے جاسوسوں کا داخلہ ممکن نہ تھا۔ جاسوس کو یہ بھی پتہ چل گیا کہ بعض مسلمان اپنے سپہ سالار سے ناراض ہیں۔

یہ خبر غلط نہیں تھی۔ بعض قبیلوں کے سردار واقعی سعدؓ بن ابی وقاص سے خوش نہیں تھے۔ ان ناراضگی کی وجہ یہ بھی کہ سعدؓ کی بیماری کو لشکر سے پوشیدہ رکھا گیا تھا۔ لشکر کو پتہ چلتا کہ ان کا

سپہ سالار معذور ہے تو مجاہدین کا حوصلہ مجروح ہونے کا اندیشہ تھا ـــــ سعدؓ لشکر کی کمانڈ سے دستبردار نہیں ہوتے تھے نہ ان کا ایسا کوئی ارادہ تھا۔

اُنہوں نے میدانِ جنگ میں لشکر کی ترتیب مقرر کر دی تھی اور لڑنے کے لیے میدان کا انتخاب کر لیا تھا۔ اس میدان کے قریب ایک محل کے کھنڈرات تھے۔ یہ محل قُدَیس کے نام سے مشہور تھا۔ میدانِ جنگ کی طرف اس کا حصہ ابھی کھنڈر نہیں بنا تھا۔ یہ حصہ دو منزلہ تھا۔ اس کے بالائی کھڑکیاں خاصی چوڑی تھیں۔ ان سے دُور دُور تک میدانِ جنگ نظر آتا تھا۔ بالا خانہ خاصا بلند ہونے کی وجہ سے لڑائی کا تمام منظر بڑی اچھی طرح دیکھا جا سکتا تھا۔ سعدؓ بن ابی وقاص نے اپنے آپ کو وہاں منتقل کرا لیا۔ انہیں رات کے وقت جب لشکر سویا ہوا تھا، اٹھا کر بالاخانے پر لے گئے تھے۔ وہاں ان کے لیے عام چارپائیوں سے ذرا اونچی چارپائی رکھی گئی۔ بستر بچھایا گیا اور سعدؓ اس پر لیٹ گئے۔

میدانِ جنگ میں ایک سپہ سالار کی ضرورت تو بہرحال تھی۔ سعدؓ نے خالد بن عرطفہ کو قائم مقام سپہ سالار اور امیرِ لشکر مقرر کر دیا۔ لشکر کو بتانا ضروری تھا کہ میدانِ جنگ میں وہ کس سے احکام لیں۔

لشکر میں کھلبلی سی دیکھنے میں آئی۔ سالاری میں سعدؓ کا اپنا ایک مقام تھا۔ اسی لیے مجاہدین ان کے عقیدت مند تھے۔ وہ یہ پوچھنے میں حق بجانب تھے کہ سعدؓ کہاں گئے؟ مصلحت اسی میں تھی کہ سارے لشکر کو بتا دیا جاتے۔

"مجاہدینِ اسلام!ـــــ سارے لشکر میں اعلان کیا گیا ـــــ "سعدؓ بن ابی وقاص اس قدر بیمار ہیں کہ گھوڑے کی پیٹھ پر نہیں بیٹھ سکتے اس لیے خالد بن عرطفہ کو ان کی جگہ سپہ سالار مقرر کیا گیا ہے۔"

یہ صحیح ہے کہ مسلمانوں میں اتحاد تھا لیکن قبیلوں کے سرداروں کی فطرت میں ابھی یہ وصف موجود تھا کہ وہ ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے۔ ان کا یہ وصف میدانِ جنگ میں کوئی نقصان نہیں پہنچاتا تھا بلکہ سُودمند ثابت ہوتا تھا مگر سعدؓ بن ابی وقاص کے معاملے میں معلوم نہیں انہیں کیا غلط فہمی ہو گئی کہ (محمد حسنین ہیکل کے دیتے ہوئے حوالوں کے مطابق) لشکر میں چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں کہ سعدؓ فارسیوں کا اتنا بڑا لشکر دیکھ کر میدانِ جنگ سے جی چرا رہے ہیں اور اس کے لیے انہوں نے بیماری کا بہانہ بنا لیا ہے۔

ابنِ خلکان اور یورپی مؤرخ سکاٹ نے لکھا ہے کہ مسلمانوں کے لشکر میں عراق کے چند عربی باشندے بھی شامل ہو گئے تھے۔ عرب کے عیسائی بھی مسلمانوں کے لشکر میں تھے اور اُنہوں نے شجاعت کے جوہر دکھائے تھے۔ غالب خیال یہ ہے کہ عراقی عربوں اور عربی عیسائیوں کے بھیس میں دو چار یہودی لشکر میں آ گئے تھے اور اُنہوں نے تخریب کاری کے لیے لشکر میں یہ افواہ پھیلا دی تھی کہ سعدؓ بیمار نہیں بلکہ انہوں نے لڑائی سے بچنے کا بہانہ بنایا ہے۔

تاریخوں میں لکھا ہے کہ "ذمہ دار لوگوں" نے سعدؓ بن ابی وقاص پر بزدلی اور کم ہمتی کے الزام لگائے۔ "ذمہ دار لوگوں" سے مراد قبیلوں کے سردار تھے۔ لشکر میں سعدؓ کے خلاف ایسی رَو چلی کہ ایک شاعر جو لشکر کے ساتھ تھا، شعر کہہ ڈالے جو یُوں تھے:

"ہم لڑتے رہے حتیٰ کہ اللہ نے ہمارے لیے فتح ارزاں فرما دی لیکن سعدؓ بن ابی وقاص قادسیہ کے دروازے کے ساتھ چپکے رہے۔ ہم جب میدانِ جنگ سے واپس ہوتے تو ہماری بہت سی عورتیں بیوہ ہو چکی تھیں لیکن سعدؓ کی بیویاں بیوہ نہیں ہُوئیں۔"

سعدؓ کی تیمارداری کے لیے سلمیٰ ان کے ساتھ تھی۔ باقی سب عورتوں کو میدانِ جنگ سے دُور پیچھے بھیج دیا گیا تھا۔ اعتراض کرنے والوں نے یہ الزام بھی لگایا کہ سعدؓ نے پُرسکون وقت گزارنے کے لیے اپنی نئی بیوی کو ساتھ رکھ لیا ہے۔ سلمیٰ جتنی عقلمند اور جرأت مند تھی اتنی ہی خوبصورت بھی تھی۔

"سعدؓ!ـــــ ایک روز قائم مقام سپہ سالار خالد بن عرطفہ نے سلمیٰ کی موجودگی میں سعدؓ سے کہا ـــــ "کیا تو نہیں جانتا لشکر میں تجھ پر کیا بہتان باندھے جا رہے ہیں؟ خدا کی قسم! اس ذِلّت سے تو بہتر ہے کہ ہم پسپائی کی ذلت قبول کر لیں۔"

"کیا منحوس الفاظ تیری زبان نے اُگل دیتے ہیں ابن عرطفہ!"ـــــ سعدؓ نے بھڑک کر کہا ـــــ "خدا کی قسم، تو مجھ سے کہلوانا چاہتا ہے کہ میں نے تجھے سپہ سالاری کا رتبہ اور ذمہ داریاں دے کر غلطی کی ہے!"

خالد بن عرطفہ نے سعدؓ بن ابی وقاص کو بتایا کہ لشکر میں اُس کے خلاف کیا غلط فہمی پیدا ہو گئی ہے اور وہ کیا الزام لگا رہے ہیں۔ خالد نے دو تین قبیلوں کے سرداروں کے نام بھی بتائے جو بہتان تراشی کرتے پھر رہے تھے۔

"مجھے اٹھاؤ اور لشکر کے سامنے کرو"ـــــ سعدؓ نے کہا ـــــ "میں کھڑکی میں بیٹھ جاؤں گا جہاں سارا لشکر مجھے دیکھ لے گا۔"

"نہیں"ـــــ سلمیٰ نے کہا ـــــ "انہیں اٹھاؤ اور نیچے لے جا کر انہیں لشکر کے سامنے کرو۔"

دو آدمیوں نے انہیں کندھوں پر اٹھایا۔ اٹھانے والوں میں خالد بن عرطفہ بھی تھے۔ انہیں نیچے لے جایا گیا۔ لشکر کو پہلے ہی اکٹھا کر لیا گیا تھا۔ سعدؓ بن ابی وقاص کو کندھوں پر اٹھائے ہُوئے لشکر کے سامنے سے گزارا گیا۔ سب نے دیکھا کہ سعدؓ کے چہرے پر کرب کا تاثر نمایاں تھا۔ دو آدمیوں کے کندھوں پر ان کے درد میں ناقابلِ برداشت اضافہ ہو گیا تھا۔ چہرے پر درد کے تاثر کے ساتھ غصّے کا تاثر بھی تھا۔ ایک مجاہدین بلند آواز سے بول پڑے:

"سپہ سالار بہت بیمار ہیں۔ انہیں واپس لے جاؤ۔"

"ابن ابی وقاص! ہمارے کانوں میں جھوٹ ڈالا گیا تھا۔"

"انہیں مدینہ بھیج دو۔"

"مثنیٰ بن حارثہ بھی اسی طرح بیماری کو دباتے رہے اور شہید ہو گئے تھے۔"

"سعدؓ جھوٹا نہیں ہو سکتا۔"

"خدا کی قسم، ہم نے مان لیا۔ سپہ سالار معذور ہے۔"

شور بڑھتا گیا۔ لشکر نے مان لیا کہ سعدؓ بن ابی وقاص واقعی بیماری سے معذور ہو گئے ہیں۔ سعدؓ کوئی عام سی قسم کے سالار نہیں تھے۔ انہوں نے جو میدان مارے تھے وہ سب جانتے تھے۔ سعدؓ اپنے قبیلے کے سرکردہ افراد میں سے تھے۔ انہوں نے اپنے قبیلے کے تین ہزار رضاکار اس لشکر میں شامل کیے تھے اور اس کے بعد ایک ہزار منتخب گھوڑ سوار مع گھوڑے دیئے تھے۔ سعدؓ کی عظمت تو یہ تھی کہ ممتاز صحابی تھے۔ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ سعدؓ نے لڑائی سے بچنے کے لیے بیماری کا بہانہ بنا لیا ہے۔

سعدؓ بن ابی وقاص کا قبیلہ بنو وہیب تھا جس کے چار ہزار مجاہدین اس لشکر میں تھے۔ وہ اپنے قبیلے کے سردار کے خلاف کوئی بات برداشت نہیں کر سکتے تھے لیکن انہوں نے سعدؓ کو بیماری کی حالت میں نہیں دیکھا تھا اس لیے خاموش تھے۔ اب سعدؓ کو تکلیف اور معذوری کی حالت میں دیکھا تو سارا قبیلہ بھڑک اٹھا۔ ان مجاہدین کا احتجاجی شور و غل سب سے زیادہ بلند تھا.... سعدؓ کو حضرت عمرؓ نے مثنیٰ کی شہادت کے بعد اس لشکر کی کمان دیتے ہوئے انہیں کہا تھا ——"سعدؓ! تم بنو وہیب کی سعادت ہو۔"

سعدؓ نے اپنے دونوں ہاتھ اوپر کیے۔ لشکر خاموش ہو گیا۔

"کیا اُمتِ رسُول حق و صداقت سے دستبردار ہو گئی ہے؟" —— سعدؓ نے پوچھا —— "اگر نہیں تو کیا وہ لوگ خود ہی سامنے آ جائیں گے جنہوں نے میرے خلاف الزام گھڑے ہیں؟"

وہ حق و صداقت کا زمانہ تھا۔ تین چار آدمی سامنے آ گئے۔ انہوں نے ایک دو آدمیوں کے نام لے کر کہا کہ انہوں نے انہیں یہ باتیں بتائی تھیں۔ سعدؓ کے اپنے قبیلے کے دو آدمیوں نے نشاندہی کی دی۔ اس طرح وہ آدمی سامنے آ گئے جنہوں نے سعدؓ کے خلاف الزام سارے لشکر میں پھیلائے تھے۔ یہ سراغ بھی ملا کہ دو آدمی عرب کے کسی گاؤں کا نام لے کر کچھ روز پہلے لشکر میں شامل ہوئے تھے۔ وہ سعدؓ بن ابی وقاص کے خلاف افواہیں پھیلانے میں پیش پیش تھے اور اس کام میں بہت سرگرم تھے۔ انہیں ان ناموں سے کئی بار پکارا گیا لیکن دونوں وہاں نہیں تھے۔ پھر وہ کبھی لشکر میں نظر نہیں آئے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ یہودی تھے جو مجاہدین کو سپہ سالار کے خلاف بھڑکانے اور پھوٹ ڈالنے کے لیے آئے تھے۔ وہ تو اپنا کام کر کے چلے گئے لیکن سعدؓ بن ابی وقاص اپنے ان مجرموں کو بخشنے پر آمادہ نہیں تھے۔ انہیں دو آدمیوں نے بہت دیر سے کندھوں پر اُٹھا رکھا تھا۔ سعدؓ نے دو اور آدمیوں سے کہا کہ وہ انہیں اپنے کندھوں پر اُٹھا لیں۔ ان کے حکم کی تعمیل ہوئی تو وہ ان چند ایک آدمیوں سے مخاطب ہوئے جنہوں نے سب سے زیادہ افواہیں پھیلائی تھیں۔

"خدا کی قسم، تم خوش قسمت ہو کہ میدانِ جنگ میں ہو" —— سعدؓ بن ابی وقاص نے کہا —— "اگر دشمن ہمارے مقابل نہ ہوتا تو میں تمہیں عبرتناک سزا دیتا۔ تمہارا جرم یہ نہیں کہ تم نے مجھے بدنام کیا ہے۔ میں تم سے برتر نہیں۔ میں تم میں سے ہی ہوں۔ تمہارا جرم یہ ہے کہ تم نے سپہ سالار پر بے بنیاد الزام لگا کر لشکر میں بیدلی پھیلائی۔ تم نے لشکر کو دشمن کی طرف سے غافل کیا، اور پھر تم نے اپنے لشکر کو اتنا مشتعل کیا کہ سپہ سالار کے خلاف لشکر باغی ہو سکتا تھا۔ اگر میرے خلاف یہ الزامات کسی نامعلوم آدمی نے گھڑے تھے تو اُسے پکڑ کر میرے پاس لاتے" —— سعدؓ نے اپنے قائم مقام سپہ سالار کی طرف دیکھا اور کہا —— "ان سب کو اس محل میں قید کر دیا جائے۔"

تقریباً تمام مؤرخوں نے یہ واقعہ تفصیل سے لکھا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ ان آدمیوں کا جرم جس طرح سعدؓ بن ابی وقاص نے بیان کیا ہے، اتنا سنگین تھا کہ کسی اور قوم کا سپہ سالار ہوتا تو ان تمام کو سزائے موت دے دیتا۔ سعدؓ نے انہیں معمولی سزا دی۔

قید ہونے والوں میں عرب کا ایک مشہور شاعر ابو محجن ثقفی بھی تھا جو قلم کا ہی نہیں تلوار کا بھی دھنی تھا۔ اس نے جتنی شہرت شعر و شاعری میں پائی تھی، اس سے زیادہ شہرت اُسے بہادری میں ملی تھی۔ اُسے بھی سپہ سالار کے خلاف بے بنیاد افواہیں پھیلانے کے جرم میں قید میں ڈال دیا گیا تھا۔

ابو محجن ثقفی میں خرابی یہ تھی کہ وہ شراب پیتا تھا۔ وہ شراب پینے کے جرم میں قید کی سزا بھگت چکا تھا۔ اسے جب پتہ چلا کہ عراق کے محاذ پر فارسیوں کے خلاف مجاہدین جا رہے ہیں تو وہ ان میں شامل ہو کر محاذ پر چلا گیا تھا۔ یہ اشعار جو پہلے بیان ہو چکے ہیں اسی کے تھے کہ جب ہم واپس ہوئے تو ہماری بہت سی عورتیں بیوہ ہو چکی تھی۔ سعدؓ کی بیویاں بیوہ نہیں ہوئیں۔

ان قیدیوں کو بیڑیاں ڈال دی گئی تھیں۔

طبری نے دو مؤرخوں کے حوالے سے لکھا ہے کہ مجاہدین کے لشکر نے جب دیکھا کہ مجرموں کو سعدؓ نے بہت تھوڑی سزا دی گئی ہے تو لشکر سے آوازیں اُٹھنے لگیں:

"سعدؓ ہم تمہاری اطاعت قبول کرتے ہیں۔"

"ہمارے دل صاف ہو گئے ہیں سعدؓ کو ہم امیرِ لشکر مانتے ہیں۔"

"لبیک سپہ سالار!"

"لبیک امیرِ لشکر!"

"لبیک سعدؓ بن ابی وقاص!"

"خدا کی قسم!" ۔۔۔ یہ الگ تھلگ آواز بنو بجلیہ کے سردار جریر بن عبداللہ کی تھی ۔۔۔ "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کر کے عہد کیا تھا کہ ہر اُس شخص کی اطاعت کروں گا جسے اللہ صاحبِ امر بنائے گا خواہ وہ حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔ میں اپنے پورے قبیلے کے ساتھ سعدؓ بن ابی وقاص کی اطاعت قبول کرتا ہوں۔"

"میں نے خالد بن عرطفہ کو اپنا قائم مقام سپہ سالار مقرر کیا ہے" ۔۔۔ سعدؓ بن ابی وقاص نے اعلان کیا ۔۔۔ "میں محل کے بالا خانے سے حکم دوں گا اور تم تک میرا ہر حکم خالد بن عرطفہ پہنچائے گا۔"

سعدؓ بہت زیادہ تکلیف محسوس کر رہے تھے۔ ان کے اشارے پر انہیں واپس لے گئے۔ ان کے پیچھے پیچھے قیدیوں کو محل کے ایک حصے میں لے جا کر بیڑیاں ڈالی جانے لگیں۔

سعدؓ بن ابی وقاص کو بستر پہ ڈالا گیا تو وہ نڈھال ہو گئے۔ درد کو وہ بڑی مشکل سے برداشت کر رہے تھے۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے ان پر غشی طاری ہو گئی ہو۔ طبیب اُن کے ساتھ رہتا تھا۔ یہ وہ طبیب تھا جو مثنیٰ بن حارثہ کو کہتے کہتے خاموش ہو گیا تھا کہ وہ آرام کریں ورنہ پسلیوں کا زخم مہلک ثابت ہو سکتا ہے مگر مثنیٰ پر جہاد کا جو جنون طاری تھا، وہ انہیں چین نہیں لینے دیتا تھا اور یہ زخم مہلک ثابت ہوا۔ مثنیٰ کی جگہ سعدؓ آتے تھے۔ اب طبیب انہیں کہتا رہتا تھا کہ آرام کریں۔

"سعدؓ!" ۔۔۔ اس معمر طبیب نے آہستہ سے سعدؓ کو آواز دی۔ اُس نے سعدؓ کی نبض پکڑ رکھی تھی۔

سعدؓ بن ابی وقاص نے آنکھیں کھولیں۔

"آپ مدینہ چلے جائیں" ۔۔۔ طبیب نے کہا ۔۔۔ "معاذ اللہ آپ پریشان ہونے کے سوا کچھ نہیں کر سکیں گے۔"

"کیا مثنیٰ زخم کھا کر واپس چلا گیا تھا؟" ۔۔۔ سعدؓ نے پوچھا۔

"بہت کہا تھا" ۔۔۔ طبیب نے جواب دیا ۔۔۔ "وہ نہیں مانتا تھا۔"

"پھر میں کیوں مانوں؟" ۔۔۔ سعدؓ نے کہا ۔۔۔ "کیا مدینہ میں آپ موت کو میرے قریب آنے سے روک لیں گے؟"

"موت و حیات تو اللہ کے اختیار میں ہے سعدؓ!"

"پھر بندے کے اختیار میں جو کچھ ہے وہ اسے کرنے دیں" ۔۔۔ سعدؓ نے کہا ۔۔۔ "کیا آپ آتش پرستوں کا وہ لشکر نہیں دیکھ رہے جو کالے پہاڑوں کی طرح عرب کی طرف بڑھا آ رہا ہے؟ ... پسپائی پر مجبور نہ کریں" ۔۔۔ اُنہوں نے سلمیٰ کی طرف دیکھا اور کہا ۔۔۔ "کاتب کو بلاؤ۔ میں اپنے لشکر سے کچھ اور بھی کہنا چاہتا تھا۔ میں دوسروں کے کندھوں پر بیٹھ کر اتنی باتیں نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میں لکھوا دوں گا اور ابن عرطفہ لشکر کو پڑھ کر سنا دے گا۔"

کاتب آ گیا۔ سعدؓ بن ابی وقاص نے مجاہدین کے نام جو پیغام لکھوایا، وہ تاریخ کے دامن میں آج تک محفوظ ہے:

"حمد و ثنا اللہ کے لیے جو رحمٰن ہے رحیم ہے۔ میں اپنی جگہ خالد بن عرطفہ کو تم پر امیر مقرر کرتا ہوں۔ بیماری مجھے اتنا معذور نہ کر دیتی تو یہ مقدس فرض میں خود ادا کرتا۔ تم سب نے مجھے دیکھ لیا ہے کہ درد کی شدت سے میرا سر سینے پر جھکا ہوا ہے۔ تمہارا پہلا فرض یہ ہے کہ خالد بن عرطفہ کی اطاعت کرو۔ اس کا ہر حکم میرا حکم ہے....

"پھر یہ دل میں رکھو کہ اللہ برحق ہے۔ وحدہٗ لاشریک ہے۔ حکومت اللہ کی ہے اور اس میں کوئی شریک نہیں۔ اللہ کا فرمان کبھی غلط نہیں ہو سکتا۔ قرآن میں اللہ کے اس فرمان پر غور کرو ۔۔۔ 'ہم نے زبور میں کہا ہے کہ زمین کے وارث ہمارے نیک بندے ہوں گے' ۔۔۔ اگر تم نیک بندے ہو تو یہ زمین تمہاری میراث ہے اور یہ اللہ کا وعدہ ہے۔ اللہ نے تین سال سے عراق کی زمین تم پر حلال کر رکھی ہے۔ تم اس زمین کی پیداوار کھا رہے ہو۔ اسی زمین سے پھوٹنے والے چشموں اور ندیوں کا تم پانی پی رہے ہو۔ یہاں کے لوگوں سے تم اپنی ضروریات پوری کرتے ہو۔ تمہاری کوئی حکم عدولی کرتا ہے تو اُسے تم قتل کر دیتے ہو۔ تم عرب کے معزز لوگ ہو۔ تمہارے قبیلے تم پر فخر کرتے ہیں۔ اگر تم دنیا کی ہوس اور حرص کو ٹھکرا کر آخرت کو سامنے رکھو گے تو اللہ تمہیں دنیا کی نعمتوں سے بھی نوازے گا اور آخرت میں بھی انعامات سے نوازے گا، اور اگر تم نے بزدلی دکھائی اور ہمت ہار بیٹھے تو تمہارے قدم اُکھڑ جائیں گے۔ پھر تم دنیا میں بھی ذلیل و خوار ہو گے اور آخرت میں تمہارے حصے میں عذاب آئے گا۔"

"یہ تحریر لے جاؤ" ۔۔۔ سعدؓ بن ابی وقاص نے کہا ۔۔۔ "اور سارے لشکر کو سنا دو۔"

خالد بن عرطفہ نے گھوڑے پر سوار ہو کر سعدؓ کا خطاب لشکر کو سنا دیا۔ بلاذری نے لکھا ہے کہ لشکر سعدؓ کو شدید تکلیف کی حالت میں دیکھ چکا تھا اس لیے ہر مجاہد ان کے لیے جذباتی تھا۔ سعدؓ کے اس خطاب نے مجاہدین پر ایسا اثر کیا جیسے اُن میں نئی روح پھونک دی گئی ہو۔ عاصم بن عمرو نام کا ایک مجاہد جو غیر معمولی طور پر دلیر اور بہادر تھا، صف سے نکل کر لشکر کے سامنے آ گیا۔ اس داستان میں پہلے اُس کا ذکر آ چکا ہے۔ وہ گھوڑے پر سوار تھا۔

"میرے رفیقو!" ۔۔۔ عاصم بن عمرو نے بلند آواز سے کہا ۔۔۔ "سعدؓ بن ابی وقاص

نے ٹھیک کہا ہے۔ اللہ نے اس ملک کے لوگوں کو تم پر حلال کر دیا ہے۔ یہاں تم تین سالوں سے آتے ہوئے ہو اور یہاں کے لوگوں پر تمہارا رعب اور دبدبہ بیٹھ گیا ہے۔ تم یہاں بلند اور بالاتر ہو اور اللہ تمہارے ساتھ ہے۔ اگر تم نے آتش پرستوں کے مقابلے میں صبر و تحمل اور استقلال سے کام لیا اور ثابت قدم رہے تو یہاں کی دولت، یہاں کے لوگ اور یہ سارا ملک، سب کچھ تمہارا ہو گا۔ اللہ تمہیں بزدلی اور کم ہمتی سے بچائے۔ اگر تم نے تیر اور تلوار کا استعمال بزدلی اور نالائقی سے کیا تو تمہیں اس ملک میں کچھ بھی نہیں ملے گا سوائے ذلت آمیز شکست کے۔ وہ دن یاد کرو جب ہمارے پاس کچھ بھی نہ تھا اور آج کی نعمتیں دیکھو۔ اپنے پیچھے دیکھو جہاں ریگزار اور ریت کے ٹیلے ہیں۔ وہاں جھاڑیاں بھی نہیں اور کوئی پناہ بھی نہیں.... دل میں اللہ کو رکھو اور آخرت کو۔"

یہ ایک مجاہد کا ردِ عمل تھا جو سارے لشکر کا ردِ عمل بن گیا۔ اس کا اظہار جوشیلے نعروں سے ہو رہا تھا۔ سعدؓ بن ابی وقاص بالاخانے سے اپنے لشکر کو دیکھ رہے تھے۔

اچانک لشکر خاموش ہو گیا۔ سب کی نظریں اُن دو گھوڑ سواروں پر لگ گئیں جو دریا پار کر کے اِدھر آ رہے تھے۔ وہ فارس کے فوجی تھے۔ لشکر میں کھسر پھسر ہونے لگی۔ سب ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے کہ یہ فارسی کیا لینے آئے ہیں۔ سپہ سالار خالد بن عرطفہ نے گھوڑا اُن کی طرف موڑا لیکن گھوڑے کو وہیں روکے رکھا۔

فارسی گھوڑ سوار ذرا دُور ہی رک گئے۔

"ہم دوستوں کی طرح آئے ہیں"۔۔۔ ایک گھوڑ سوار نے بلند آواز سے عربی زبان میں کہا۔۔۔ "ہم تمہارے سپہ سالار سے ملنا چاہتے ہیں۔"

"آگے آ جاؤ"۔۔۔ خالد بن عرطفہ نے کہا۔۔۔ "دوستوں کی طرح آئے ہو تو دوستوں جیسا سلوک پاؤ گے۔"

دونوں فارسی آگے آ گئے۔

"ابنِ عرطفہ!"۔۔۔ بالاخانے سے سعدؓ بن ابی وقاص نے پکار کر کہا۔۔۔ "انہیں میرے پاس بھیج دو.... بالاخانے کے نیچے۔"

سعدؓ اونچے پلنگ پر پیٹ کے بل لیٹے ہوئے تھے۔ اُن کے سینے کے نیچے تکیہ اتنا اونچا تھا کہ وہ باہر کی ہر چیز بخوبی دیکھ سکتے تھے اور باہر سے اُن کا چہرہ اچھی طرح دکھائی دیتا تھا۔

خالد بن عرطفہ دونوں فارسیوں کو بالاخانے کی کھڑکی کے نیچے لے گیا۔ تین چار گھوڑ سوار محافظ بھی ساتھ ہو گئے۔ فارسی گھوڑ سواروں میں ایک رستم کا ایلچی تھا اور دوسرا مترجم جو عربی زبان بولتا اور سمجھتا تھا۔

"فارس کے کماندارِ اعلیٰ رستم کی طرف سے عربی سپہ سالار کو سلام ہو"۔۔۔ ایلچی نے کہا جس کا ترجمہ مترجم نے کیا۔

"وعلیکم السلام!"۔۔۔ سعدؓ بن ابی وقاص نے کہا۔۔۔ "کیا پیغام لاتے ہو؟"

"رستم جس پر سلطنتِ فارس کو ناز ہے، پوچھتا ہے کہ آپ دریا عبور کر کے ہماری طرف آئیں گے یا ہم دریا عبور کر کے آ جائیں"۔۔۔ ایلچی نے کہا۔۔۔ "رستم اعظم نے کہا ہے کہ آپ کو موقع دیا جا رہا ہے کہ آپ اپنی پسند کا میدان بتا دیں۔"

"اعظم صرف اللہ کی ذات ہے"۔۔۔ سعدؓ نے کہا۔۔۔ "رستم تو ویسے بھی اعظم کہلانے کے قابل نہیں۔ ہم تمہارے ملک میں آئے ہیں۔ ہم حملہ آور ہیں۔ اگر رستم میں کچھ عظمت اور کچھ غیرت ہوتی تو وہ اپنے دشمن سے یہ نہ پوچھتا کہ تم ادھر آؤ گے یا میں اُدھر آؤں۔ وہ تو ہمارے مقابلے میں آنے سے ہچکچا رہا ہے۔ اُسے کہو کہ اب بزدلی چھوڑ دو اور دریا پار کر کے دشمن کو اپنے ملک سے باہر نکالو.... اے ایلچی! ہم تمہیں عزت سے رخصت کرتے ہیں۔ غیرت والے لوگ اپنے دشمن سے کچھ نہیں پوچھا کرتے۔"

ایلچی نے جانے کے لیے گھوڑا موڑا۔

"رستم سے ایک بات اور بھی کہنا"۔۔۔ سعدؓ نے کہا۔۔۔ "اگر وہ اپنے لشکر کو دریا کے اس طرف لانا چاہے تو اُسے کہنا کہ ہم اُس کی فوج کو اس پُل سے نہیں گزرنے دیں گے۔ اس پُل پر ہمارا قبضہ ہے۔ اِس پُل پر آؤ گے تو تمہیں تیروں کی بوچھاڑوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔"

ایلچی نے واپس جا کر رستم کو سعدؓ بن ابی وقاص کا جواب دیا۔

"کیا اُس نے مجھے بزدل کہا ہے؟"۔۔۔ رستم غصے کی شدت سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ دانت پیس کر بولا۔۔۔ "اُس نے مجھے بے غیرت کہا ہے۔ کیا وہ نہیں جانتا کہ میں پورے عرب کو پیس دینے کی طاقت رکھتا ہوں؟.... ہم دریا کے پار جائیں گے اور ان عربوں کی لاشیں دریا میں بہا دیں گے۔"

"اور عربی سالار نے یہ بھی کہا ہے کہ وہ ہمیں پُل سے نہیں گزرنے دیں گے"۔۔۔ ایلچی نے کہا۔۔۔ "انہوں نے پُل لڑ کر لیا تھا۔"

"یہ بدبخت عربی!"۔۔۔ رستم نے کہا۔۔۔ "یہ صحرائی قزاق دیکھ کر حیران رہ جائیں گے کہ میرا لشکر دریا کس طرح پار کرتا ہے۔"

رستم نے اُسی وقت اپنے جرنیلوں کو حکم دیا کہ دریا پار کرنے کی تیاری فوراً کی جائے۔ اس حکم کے ملتے ہی فارس کے ایک لاکھ بیس ہزار تعداد کے لشکر میں ہڑبونگ اور کھلبلی مچ گئی۔

سعدؓ بن ابی وقاص کا تیر خطا نہ گیا۔ وہ رستم کو مشتعل کرنا چاہتے تھے کہ وہ میدان میں آجائے اور ٹال مٹول نہ کرے۔ اسی لیے انہوں نے رستم کے ایلچی سے کہا تھا کہ رستم بزدل اور بے غیرت ہے اور وہ سامنے آنے سے ہچکچا رہا ہے۔ ایلچی نے اُسے جاکر یہی الفاظ کہے اور رستم بھڑک اُٹھا۔

یہ چھوٹا سا ایک ندی نما دریا تھا جس کا نام عتیق تھا۔ اسے ندی بھی کہا جاتا تھا۔ پُل پر مسلمانوں کا قبضہ تھا۔

رستم نے دیکھا کہ دریا پر پُل بنانے کے لیے کشتیاں ڈھونڈی جا رہی ہیں۔

"میں اتنا وقت ضائع نہیں ہونے دوں گا" — رستم نے اپنے جرنیلوں سے کہا۔ وہ غصے میں باؤلا ہوا جا رہا تھا — "پہلے کشتیاں اکٹھی کرو گے۔ پھر انہیں اِس کنارے سے اُس کنارے تک باندھو گے۔ جانتے ہو اس میں کتنے دن گزر جائیں گے؟ .... عربی ہمیں بزدل اور بے غیرت کہہ رہے ہیں۔ میں کل شام تک انہیں پیس دینا چاہتا ہوں۔"

"تو کیا فوج کو دریا میں سے گزارا جائے؟" — ایک جرنیل نے پُوچھا۔

"نہیں" — رستم نے کہا — "اس طرح دریا سے صرف آدمی، گھوڑے اور ہاتھی گزر سکتے ہیں۔ سامان نہیں گزارا جا سکتا۔ تمہارے ساتھ اتنا بڑا لشکر ہے۔ سب کو دریا پر لے جاؤ۔ جہاں دریا کا پاٹ چوڑا اور پانی کم گہرا ہے وہاں ریت اور مٹی ڈال کر دریا کو پاٹ دو۔ تمام فالتو سامان اس مٹی اور ریت میں پھینک دو۔ کچھ دور اُوپر کی طرف جاکر کہیں سے دریا کا کنارا توڑ دو تاکہ رُکا ہوا پانی باہر نکلتا رہے۔"

ادھر مسلمانوں کے لشکر کو گشتی سنتریوں نے بتایا کہ فارس کی فوج دریا کے اُس طرف والے کنارے پر کچھ کر رہی ہے۔ مجاہدین کا لشکر دریا سے دُور تھا۔ کچھ مجاہدین نے درختوں پر چڑھ کر دیکھا۔ فارسیوں کا لشکر چیونٹیوں کی طرح دریا کے کنارے پر، دریا کے اندر اور کنارے سے دُور دُور تک کسی کام میں مصروف تھا۔

فارسی دریا میں ریت، مٹی، درختوں کی ٹہنیاں اور ٹہن کاٹ کاٹ کر بند باندھ رہے تھے۔ ایک لاکھ بیس ہزار آدمی ذرا دریا کو روک سکتے تھے۔ وہ رات بھر دریا میں اس کام میں مصروف رہے۔ صبح دریا میں اس طرح بند تیار ہو چکا تھا کہ دونوں کناروں کے درمیان پانی کی سطح سے بلند چوڑی پگڈنڈی جیسا راستہ بن گیا تھا۔

شام سے خاصا وقت پہلے رستم کا لشکر دریا عبور کرنے لگا۔ پورے لشکر کو دریا عبور کرنے کے لیے پُوری رات درکار تھی۔

اگلی صبح فارس کی پوری فوج دریا عبور کر آئی تھی۔ رستم نظر نہیں آتا تھا۔ کچھ دیر بعد فارسی فوج نعرے

لگانے لگی۔ تب رستم نظر آیا لیکن وہ گھوڑے پر سوار نہیں تھا۔ وہ تختِ زرنگار پر بیٹھا ہُوا تھا اور تخت کو بارہ آدمیوں نے اٹھا رکھا تھا۔ رستم فارس کا بادشاہ نہیں تھا لیکن اُس نے بادشاہوں جیسی شان بنا رکھی تھی۔ وہ عرب کے مسلمانوں کو مرعوب کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کے آگے آگے شاپور کا سفید ہاتھی تھا اور دائیں طرف گھوڑسوار محافظ تھے جن کے لباس چمک رہے تھے۔

"اے فرزندانِ عرب!" — مجاہدین کو بالاخانے سے سعدؓ بن ابی وقاص کی للکار سنائی دی — "عجمیوں کی اس شان و شوکت سے مرعوب نہ ہو جانا۔ یہ فارسی دراصل تم سے مرعوب ہیں اور وہ اس حقیقت کو تم سے چھپا رہے ہیں۔"

رستم کا تخت زمین پر رکھا گیا۔ اُس نے سب کے سامنے زرہ پہنی، سر پر آہنی خود رکھی اور اُس نے ہاتھ بڑھایا۔ اُس کے ہاتھ میں تلوار دے دی گئی، پھر ایک گھوڑا لایا گیا جو دو آدمیوں کے قابو میں نہیں آ رہا تھا۔ رستم نے گھوڑے کی باگ پکڑی اور اس پر سوار ہو گیا۔ گھوڑے نے اگلی ٹانگیں اُٹھا کر پچھلی ٹانگوں پر ناچنا شروع کر دیا۔

سعدؓ بن ابی وقاص نے کچھ نام لیے اور کہا کہ انہیں فوراً اُن کے پاس لایا جائے۔ ان میں بعض شاعر تھے خطیب تھے اور دو ایسے مقرر تھے جو شعلہ بیاں تھے۔ تاریخ میں یہ نام آتے ہیں — شماخ حطیہ، اوس بن مغرا، عبدق بن الطیب، عمرو بن معدی کرب، قیس بن ہبیرہ غالب، ابن الہذیل الاسدی، بسر بن ابی رہم الجہنی، عاصم بن عمرو، ربیع بن عمرو، ربیع بن معدی، ربیع بن عامر، مغیرہ بن شعبہ اور طلیحہ بن خویلد۔

یہ سب فوراً محل کے بالاخانے میں پہنچے جہاں سعدؓ بن ابی وقاص پیٹ کے بل لیٹے ہوئے تھے اور سلمیٰ ان کے پاس تیمارداری کے لیے موجود تھیں۔

"اے رہنمائے عرب!" — سعدؓ بن ابی وقاص نے کہا — "خُدا کی قسم، تم عرب کا دل اور عرب کا مانع ہو۔ الفاظ جو تمہاری زبان کی نیام میں ہیں وہ اُس ساربان کی تلوار سے زیادہ کام کرتے ہیں جو نہیں جانتا کہ تلوار نیام سے نکالنے کا موقع کون سا ہے اور کب تلوار کو نیام میں رکھنا ہے.... اور یقیناً تم دیکھ رہے ہو کہ جہاں تک آنکھ دیکھ سکتی ہے، فارس کے سپاہی اور گھوڑے نظر آتے ہیں اور ان کے ہاتھی دیکھو۔ کالی چٹانیں کھڑی ہیں۔ کیا چالیس ہزار مجاہدین اس طرح نہیں لگتے، جیسے ہاتھی کے سامنے کسی بلی کو کھڑا کر دیا جائے کہ وہ ہاتھی کو بھگا دے گی؟"

"اور یہ بلی ہاتھی کی آنکھیں نوچ ڈالے گی" — عاصم بن عمرو نے کہا — "ہم نے ان کالی چٹانوں کو پہلے بھی راستے سے ہٹایا ہے۔"

"تم اپنا عہد پورا کرو۔ اللہ اپنا وعدہ پُورا کرے گا" — سعدؓ نے کہا — "اللہ کے اس وعدے کو سمجھ لو کہ تم میں بیس ایمان والے ہُوئے تو ایک سو کفار پر غالب آئیں گے.... وقت آگیا ہے کہ

تم سب اپنا فرض ادا کرو۔ میں مجاہدین کے چہروں پر تذبذب کے آثار دیکھ رہا ہوں۔ جاؤ اور انہیں گرما دو۔ تمہارے پاس وہ الفاظ ہیں جو پانی کو آگ کا شعلہ بنا سکتے ہیں، اور انہیں بتاؤ کہ اس جنگ کو عام سی لڑائی نہ سمجھیں۔ قادسیہ کی جنگ فیصلہ کن ہو گی .... عرب نہیں یا عجم نہیں .... ہم نے ان فارسیوں پر یہ ثابت کرنا ہے کہ جس سورج کی یہ عبادت کرتے ہیں وہ سورج ہمارے اللہ کا پیدا کیا ہوا ہے اور اللہ کے ہی اختیار میں ہے کہ اس کو غروب کرے، دنیا کو تاریک کر دے اور صبح اوپر آجائے .... جاؤ، اپنا فرض ادا کرو۔"

وہ سب چلے گئے۔

فارس کی فوج ترتیب میں آگئی جو تاریخوں کے مطابق اس طرح تھی کہ رستم نے اپنی فوج کو آگے پیچھے تیرہ صفوں میں کھڑا کیا۔ ان کا قلب الگ تھلگ تھا جس کے سامنے رستم خود گھوڑے پر سوار کھڑا تھا۔ گھوڑا بیتاب اور بے چین تھا۔ کبھی اگلے کھُر زمین پر اس طرح مارتا جیسے زمین کھود ڈالے گا اور کبھی دائیں بائیں ایسے جوش سے ہوتا جیسے بے لگام ہو کر دوڑ پڑے گا۔

قلب کے آگے، دائیں اور بائیں ہاتھی کھڑے تھے۔ فارسیوں کی تیرہ صفوں میں ان کا دایاں پہلو (میمنہ) اور بایاں پہلو (میسرہ) الگ تھلگ نظر آرہے تھے۔ ان کے آگے بھی ہاتھی کھڑے تھے۔

ہاتھیوں کے ہودوں میں فوجی کھڑے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں کمانیں اور پھینکنے والی برچھیاں تھیں اور وہ تلواروں سے بھی مسلح تھے۔ ہاتھیوں کی سونڈوں کے اوپر پیشانیوں پر آہنی چادریں بندھی ہوئی تھیں اور ان کے پہلوؤں سے زنجیریں لٹک رہی تھیں۔ اس طرح یہ ہاتھی بکتر بند بنا دیئے گئے تھے۔

مسلمانوں پر ہیبت طاری ہونی ہی تھی لیکن انہوں نے مرعوبیت قبول نہ کی۔ انہیں سعدؓ بن ابی وقاص کی بتائی ہوئی ترتیب کے مطابق کھڑا کر دیا گیا تھا۔ ہر حصے کے سالار پہلے ہی مقرر کیے جا چکے تھے۔ یہ تقرریاں حضرت عمرؓ نے خود کی تھیں۔

اُدھر رستم اپنی صفوں کا معائنہ کر رہا تھا۔ وہ ہر صف کے سامنے رک کر کہتا "ان کی تعداد دیکھ رہے ہو۔ یہ عربی تمہارے قدموں کے نیچے نظر ہی نہیں آئیں گے.... میں کل شام تک عرب کو کچل ڈالوں گا۔"

یورپ کے دو تاریخ نویسوں نے جنگِ قادسیہ کو سب جنگوں سے زیادہ اہمیت دی ہے۔ اُس وقت کی کچھ فارسی تحریروں کے حوالے دے کر انہوں نے لکھا ہے کہ جب رستم اپنی فوج کو

کر رہا تھا تو فوج کی حوصلہ افزائی کے لیے بڑے جوشیلے الفاظ بولتا جا رہا تھا لیکن یہ اُس نے ضرور محسوس کیا ہوگا کہ جتنا جوش اور ولولہ اُس کے الفاظ اور انداز میں تھا، اس کا عشر عشیر بھی اُس کی فوج میں نظر نہیں آرہا۔ اُس کے جوشیلے الفاظ کے جواب میں اگر کوئی دستہ نعرہ لگاتا بھی تھا تو یہ رسمی سا نعرہ ہوتا تھا۔

اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ فارس کی فوج میں وہ سپاہی موجود تھے جنہوں نے مسلمانوں سے کئی معرکے لڑے تھے اور انہوں نے مسلمانوں کا قہر اور غضب دیکھا تھا۔ انہوں نے بویب کا میدانِ جنگ بھی دیکھا تھا جس میں مسلمانوں نے فارس کی تمام فوج کو کاٹ دیا تھا۔ وہی چند ایک فارسی زندہ رہے تھے جو وقت سے پہلے بھاگ گئے تھے۔ ان چند ایک آتش پرستوں کو اللہ نے اسی مقصد کے لیے زندہ رکھا تھا کہ فارس والوں کو احساس ہو کہ کس قوم سے انہیں پالا پڑا ہے۔

فارس کی زیادہ تر فوج نئی تھی جو جاگیرداروں اور امراء نے بھرتی کی اور اسے تیار کیا گیا تھا۔ پرانے سپاہیوں نے نئے سپاہیوں کو بتا دیا تھا کہ مسلمانوں کے لڑنے کا انداز کیسا ہے اور یہ بھی کہ مسلمان جو زخمی ہو جاتا ہے وہ اچھے بھلے سپاہی سے زیادہ خطرناک ہو جاتا ہے .... اس کے علاوہ یہ تو سبھی دیکھ رہے تھے کہ مسلمان عراق میں دندناتے پھر رہے ہیں، چھاپے اور شبخون مار مار کر اپنی ضروریات پوری کر رہے ہیں اور فارس کا محل خاموش ہے اور رستم آگے بڑھنے سے ہچکچا رہا ہے۔

فارس کی فوج میں لڑنے کا جذبہ سرد ہی سہی، اس فوج کی اتنی زیادہ تعداد تھی کہ مسلمانوں پر غالب آسکتی تھی۔ سعدؓ بن ابی وقاص کے ساتھ جو مجاہدین آئے تھے وہ ہاتھیوں سے ناواقف تھے انہوں نے ہاتھی پہلی بار دیکھا تھا۔ ان کے گھوڑوں نے کبھی ہاتھیوں کی چنگھاڑ نہیں سنی تھی۔ ان مجاہدوں نے جو ہاتھیوں کے مقابلے میں آچکے تھے، نئے مجاہدین کے دلوں سے ہاتھیوں کا خوف نکالنے کی پوری کوشش کی تھی اور انہیں بتایا تھا کہ ہاتھی دیکھنے میں جتنا خوفناک لگتا ہے، اتنا خوفناک نہیں البتہ ان کے ہودوں میں کھڑے سپاہی زیادہ خطرناک ہوتے ہیں۔ پہلے انہیں گرانا ضروری ہوتا ہے۔

سعدؓ بن ابی وقاص نے مجاہدین کو ذہن نشین کرا دیا تھا کہ یہ ان کی زندگی اور موت کی اور اسلام کی بقا اور فنا کی جنگ ہے، آگ اور گلزار کی جنگ ہے اور یہ حق و باطل کا معرکہ ہے۔

اُدھر رستم اپنی فوج میں لڑنے کا جذبہ اور ولولہ پیدا کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اِدھر خوش الحان قاری میدان میں آگئے جن کی آوازوں میں سوز اور سحر تھا۔ ایک ایک قاری فوج کے ایک ایک حصے کے سامنے کھڑا ہو گیا اور وہ آیات پڑھنا شروع کر دیں جن میں جہاد کی تلقین ہے اور جن میں اللہ نے جہاد فرض فرمایا ہے۔

قرآن کی زبان مجاہدین کی اپنی زبان تھی۔ ایک ایک لفظ ان کی روحوں میں اُترتا جارہا تھا۔ مجاہدین پر رقت طاری تھا۔ ایسا سحر اور ایسا مقدس طلسم طاری ہوا جارہا تھا کہ مجاہدین کے ہاتھ اپنے آپ ہی تلواروں کے دستوں پر چلے گئے تھے۔

"....اس نازک موقع پر اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا طرزِ عمل نمونہ ہے (مجاہدین کے لیے) کہ ذرہ بھر خوف و ہراس طاری نہ ہوا اور اسلام کے نام پر ثابت قدم رہے۔ (اس کے صلے میں) اللہ نے غیبی مدد بھیجی اور رسول ﷺ نے فتح پائی۔" (۲۳/۲۲-۲۱)

"....ہم کفار کے دلوں میں تمہاری ہیبت ڈال دیں گے کیونکہ انہوں نے اللہ کا شریک بنادیا ہے۔" (۳/۱۵۱)

ایک روایت ہے کہ سعدؓ بن ابی وقاص بالا خانے میں اونچے پلنگ پر پیٹ کے بل لیٹے ہوئے تھے۔ ان کے سینے کے نیچے اونچا تکیہ تھا۔ اس پوزیشن میں وہ میدانِ جنگ کو اچھی طرح دیکھ سکتے تھے۔ اُن کے قریب جو قاری تھا، اُس کی قرأت سعدؓ کو سنائی دے رہی تھی۔ قاری نے جب مندرجہ بالا آیات پڑھیں تو سعدؓ پر رقت طاری ہوگئی۔ ان کے جسم نے جھرجھری لی۔ سلمیٰ اُن کے پاس کھڑی تھیں۔

"سلمیٰ!" ـــــ سعدؓ نے ہاتھوں کے بل ہوکر سینہ تکیے سے اُٹھایا۔

"کیا ہوا ابنِ ابی وقاص!" ـــــ سلمیٰ نے سعدؓ کے پاس بیٹھ کر ان کے سینے کے نیچے ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھا۔

"اللہ سے دعا کرو سلمیٰ!" ـــــ سعدؓ نے رندھی ہوئی آواز میں کہا ـــــ "دعا کرو اللہ مجھے دو دنوں کے لیے اُٹھنے اور چلنے کی طاقت دے دے۔ اللہ کا شریک ٹھہرانے والوں کو اپنے سامنے دیکھ کر میں لیٹا کیسے رہوں؟ ان کی جنگی طاقت دیکھو۔ کیا وہ طاقت سے منوانا چاہتے ہیں کہ اللہ وحدہٗ لاشریک نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول نہیں؟"

"سینہ تکیے پر رکھو" ـــــ سلمیٰ نے بڑے پیار سے ان کا سینہ تکیے پر ٹکاتے ہوئے کہا ـــــ "لڑانا آپ نے ہی ہے۔ آپ بھاگ تو نہیں رہے۔ اس حالت میں میدانِ جنگ میں موجود رہنا کیا جہاد میں شرکت سے کم ہے؟"

سعدؓ بن ابی وقاص وہ مجاہد تھے جن کی تسکین باتوں سے نہیں ہوسکتی تھی، حالانکہ میدانِ جنگ کا کنٹرول انہی کا تھا۔ بالا خانے کی کھڑکی کے نیچے چھ سات قاصد کھڑے تھے۔ کاتب سعدؓ کے کمرے میں موجود تھا۔ اس نظام نے اس طرح کام کرنا تھا کہ سعدؓ نے کاتب سے پیغام لکھوانا تھا اور پیغام کھڑکی سے نیچے پھینک کر بتانا تھا کہ یہ کس سالار تک پہنچانا ہے۔

قاری قرأت کر چکے تو شاعر میدان میں آتے۔ ابن الہذیل اسدی نے کہا ـــــ "اے گروہِ سعدؓ! ...ردوں کا قلعہ بنادو۔ بپھرے ہوئے شیر کی مانند دشمن پر جھپٹو اور چیتے کی طرح دشمن کے وار خطا کردو۔ ...ردی زرہ پہن لو۔ اللہ پر بھروسہ رکھو اور نگاہیں نیچی رکھو۔ جب تلواریں جواب دے جائیں تو تیر و سنان ...باگیں ڈھیلی چھوڑ دو۔ تیروں کو جہاں راستہ ملتا ہے وہاں تلواروں کو نہیں ملتا۔"

عاصم بن عمرو کہہ رہے تھے ـــــ "اے قومِ عرب! تمہیں اللہ نے عرب کی سرداری دی ہے۔ آج تم ...لم کے سرداروں کے مقابلے میں آتے ہو۔ تمہارے دلوں میں اللہ کی خوشنودی اور جنت کی آرزو ...ہے اور اُن کے دلوں میں دنیا کی محبت اور آرزو ہے۔ دیکھنا دنیا کے کتے آخرت کے شیروں پر ...اب نہ آجائیں۔ آج کے دن کوئی ایسی حرکت نہ کر بیٹھنا جو کل عرب کے لیے ندامت کا باعث بن جائے۔"

ہر شاعر اور ہر مقرر مجاہدین کو گرما رہا تھا۔ ان میں بعض کا انداز یہ تھا کہ وہ فارسیوں کی طرف منہ کر ...کے بات کرتے اور انہیں للکارتے تھے۔ ان سب کی آوازیں بہت بلند تھیں جو فارسیوں کے کانوں ...تک پہنچ رہی تھیں۔ اُن میں زیادہ تعداد عربی نہیں سمجھتی تھی۔ ان میں عربی نسل کے فوجی بھی تھے۔ وہ عربی ...سمجھتے تھے۔ وہ عربی نہ سمجھنے والوں کو بتاتے جاتے تھے۔ رستم کے کانوں میں عرب کے شاعروں اور ...خطیبوں وغیرہ کی باتیں پڑیں تو اُس نے اپنے جرنیلوں کو طلب کیا۔

"کیا تم دیکھ نہیں رہے کہ وہ کس طرح اپنی فوج کو جم کر لڑنے کی تلقین کر رہے ہیں؟" ـــــ رستم نے ...انہوں سے کہا ـــــ "تم بھی ایسے آدمی سامنے لاؤ جو ان کی طرح بول سکیں۔ انہیں کہو کہ فوج کو یہ بتائیں ...فارسی برتر قوم ہے اور یہ وہی جاہل عرب ہیں جو فارسیوں کے غلام رہ چکے ہیں۔ آج یہ فاقہ کشی اور ...تنگدستی سے مجبور ہوکر اپنے آقاؤں کو آنکھیں دکھانے آگئے ہیں۔ اپنی فوج کو بتاؤ کہ فارس کی اس سے زیادہ ...توہین ہوسکتی ہے کہ بھوکے ننگے عربی اس پر چڑھ دوڑیں۔"

...ادھر اسلام کی عظمت کی باتیں ہو رہی تھیں، اُدھر کسریٰ کی عظمت اور شہنشاہی کا ذکر شروع ہوگیا۔ ...ادھر اللہ کی راہ میں شہید ہونے والوں کو جنت کا مژدہ سنایا جارہا تھا۔ اُدھر بہادری سے لڑنے ...والوں کو دنیا کے انعام و اکرام، عیش و آرام اور خوبصورت عورتوں کے لالچ دیئے جارہے تھے۔

سعدؓ بن ابی وقاص معذوری کی حالت میں دونوں طرف کی سرگرمیوں اور تیاریوں کو دیکھ اور سن رہے ...تھے۔ ...اپنے لشکر کو بتا رکھا تھا کہ بالا خانے کی طرف سے نعرۂ تکبیر بلند ہوگا۔ یہ سنتے ہی ...تیار ہوجائیں، پھر دوسرا نعرہ بلند ہوگا۔ یہ سنتے ہی ہتھیار ہاتھوں میں لے لیں اور تیسرے نعرے ...لیکن حملے کا حکم سپہ سالار دے گا۔ حملے سے پہلے انفرادی مقابلے ہوں گے۔

سعدؓ بن ابی وقاص کے اشارے پر بالا خانے کے نیچے کھڑے ایک قاصد نے

پھیپھڑوں کا پورا زور لگا کر نعرہ لگایا — "اللہ اکبر"۔

لشکر کے سامنے شاعر، خطیب، مقرر اور قاری جو پُر اثر اندازِ خطابت سے مجاہدین کے جذبے اور حوصلے میں روح پھونک رہے تھے، وہ بڑی تیزی سے سامنے سے ہٹ گئے اور لشکر میں اپنی اپنی جگہ چلے گئے۔ وہ صرف شاعر اور خطیب ہی نہیں تھے، وہ لڑنے والے جنگجو مجاہدین بھی تھے۔

تھوڑی دیر بعد دوسرا نعرہ بلند ہوا۔

مجاہدین نے برچھیاں اور تلواریں ہاتھوں میں لے لیں۔

فارسیوں نے دیکھا کہ ابھی تو مسلمانوں کا شور و غوغا سنائی دے رہا تھا اور نعرے پر پورے لشکر میں سکوت طاری ہو گیا ہے۔ اس ڈسپلن پر وہ حیران ہونے لگے۔ اس خاموشی کو کوئی منہ زور گھوڑا ہنہنا کر توڑتا تھا اور پھر خاموشی ہو جاتی تھی۔ مجاہدین تیسرے نعرے کے منتظر تھے۔

پھر تیسرا نعرہ بلند ہوا۔

مسلمانوں کی طرف سے صرف ایک گھوڑ سوار آگے بڑھا اور گھوڑے کو ایک چکر میں دوڑانے لگا۔ اس کا نام عمرو بن معدی کرب تھا جس کا شمار عرب کے مشہور شاعروں میں ہوتا تھا۔ اُس نے ابھی تلوار نیام سے بھی نہیں نکالی تھی۔

"زرتشت کے پجاریو!" — عمرو بن معدی کرب نے فارسیوں سے للکار کر کہا — "کیا فارس کی کسی ماں نے ایسا بہادر بیٹا جنا ہے جو میرے مقابلے میں آنے کی جرأت رکھتا ہو؟"

فارسیوں نے عربی سمجھنے اور بولنے والے آدمی ساتھ رکھے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک نے عربی للکار کا ترجمہ اپنے لشکر کو بلند آواز میں سنایا۔

فارسی فوج میں سے ایک آدمی جو قوی ہیکل تھا اور جس کا جنگی گھوڑا دوڑتا تو زمین ہلتی محسوس ہوتی تھی، آگے بڑھا۔ دونوں فوجوں کے درمیان بہت فاصلہ تھا۔ فارسی سوار نے (تاریخ میں نام نہیں لکھا) شاہانہ لباس پہن رکھا تھا۔ اُس کی زرہ چمک رہی تھی اور اُس نے بازوؤں میں سونے کے کڑے پہن رکھے تھے۔ اُس کے ہاتھ میں کمان اور ایک کندھے کے پیچھے ترکش بندھی ہوئی تھی۔

عمرو بن معدی کرب نے اُس کی طرف گھوڑا موڑا ہی تھا کہ اُس نے ایک تیر کمان میں ڈال لیا۔ دونوں سواروں میں فاصلہ خاصا تھوڑا تھا۔ انفرادی مقابلے میں تیر چلانا خلافِ قاعدہ تھا۔ مقابلہ تلوار یا برچھی سے ہوتا تھا یا ہتھیاروں سے۔ تیر سے تو دُور سے ہی حریف کو مارا جا سکتا تھا اور اسے بہادری نہیں کہتے تھے۔

فارسی سوار نے عمرو پر تیر چلا دیا۔ عمرو نے حیران کُن تیزی سے گھوڑے کو ایک طرف کر دیا۔ تیر آگے گزر گیا۔ وہ ترکش سے دوسرا تیر نکال رہا تھا۔

عمرو بن معدی کرب نے پھر بھی تلوار نہ نکالی۔ اُس نے گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ گھوڑا فارسی سوار کی طرف جا رہا تھا۔ فارسی سوار نے ترکش سے ایک اور تیر نکالا اور کمان میں ڈالنے لگا لیکن عمرو کا گھوڑا اتنا تیز تھا کہ فارسی سوار تک جا پہنچا۔ عمرو نے اب بھی تلوار نہ نکالی نہ اُس کے قریب جا کر گھوڑا آہستہ کیا۔ دائیں طرف ذرا سا جھکا اور دایاں بازو اُس کی طرف لمبا کر کے اُس کے پیٹ پر رکھا اور اُس کو اپنے بازو میں لے کر اُسے گھوڑے کی پیٹھ سے اٹھا لیا۔ اپنے گھوڑے کی رفتار پھر بھی کم نہ کی۔

عمرو نے فارسی کو دونوں ہاتھوں سے ذرا اُوپر اٹھا کر زمین پر پٹخ دیا اور گھوڑے کو گھمایا۔ اب عمرو نے تلوار نکالی۔ فارسی سوار کے سر سے آہنی خود گر پڑی تھی جس سے اُس کا سر تو ننگا ہوا ہی تھا، اس کی گردن بھی ننگی ہو گئی۔ وہ بڑی مشکل سے اٹھا۔ دوڑتے گھوڑے سے پیٹھ کے بل پٹخے جانے سے اُسے بہت چوٹ آئی تھی۔

وہ اُٹھ کر سنبھلا ہی تھا اور زمین پر گری ہوئی اپنی خود کو دیکھ رہا تھا۔ وہ خود کی طرف قدم اٹھانے میں دشواری محسوس کر رہا تھا۔ عمرو بن معدی اس کے ارد گرد گھوڑا دوڑا رہا تھا۔ اُس نے فارسی کے پیچھے گھوڑا لا کر اور جھک کر اُس کی گردن پر تلوار کا ایسا زوردار وار کیا کہ اُس کی گردن صاف کٹ گئی۔ اُس کا سر اُس کی خود کے قریب جا پڑا۔

علامہ شبلی نعمانی مؤرخوں کے حوالے دے کر لکھتے ہیں کہ عمرو بن معدی نے اپنے مجاہدین کی قطار کی طرف دیکھا۔

"یوں لڑنا میرے بھائیو!" — اُس نے للکار کر کہا۔

"ہر کوئی عمرو بن معدی کرب کیسے ہو سکتا ہے" — کسی مجاہد نے عرب کے انداز سے داد دیتے ہوئے کہا۔

مجاہدین کی صفوں سے گرجدار نعرے بلند ہونے لگے۔ عمرو نے گھوڑے سے اتر کر مرے ہوئے فارسی کی سر کٹی لاش سے زرّیں کمر بند مع تلوار کھولا، اُس کی کمان اور ترکش لی اور اُس کے بازوؤں سے سونے کے کڑے نکالے۔ پھر اُس کے گھوڑے کی باگ پکڑی، اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور گھوڑا بالاخانے کی طرف دوڑا دیا جس کی کھڑکی میں سے سپہ سالار سعدؓ بن ابی وقاص دیکھ رہے تھے۔ سعدؓ کے نیچے روک کر اُس نے فارسی کے ہتھیار اور سونے کے کڑے زمین پر پھینک دیئے۔

"سپہ سالار!" — اُس نے سعدؓ بن ابی وقاص سے کہا — "یہ رہا مالِ غنیمت!"

"اللہ کی قسم!" — سعدؓ نے کہا — "اگر مجھے انعام دینے کی اجازت ہوتی تو معلوم نہیں تجھے کیا دے دیتا۔۔۔ اٹھا لے یہ ہتھیار اور یہ کپڑے۔ یہ سب تیرے ہیں۔ اس مالِ غنیمت میں کسی اور کا کیا حصہ ہو سکتا ہے۔"

عمرو نے گھوڑے سے اُتر کر سب چیزیں اٹھالیں۔ فارسی سوار کا صرف گھوڑا وہاں رہنے دیا اور مجاہدین کی صفوں میں اپنی جگہ چلا گیا۔

عمرو بن معدی کرب شاعر تھا۔

فارس کی صفوں سے ایک گھوڑ سوار آگے آیا۔ یہ کوئی معمولی حیثیت کا سوار نہیں تھا۔ اُس کا لباس دوسروں سے مختلف اور اعلیٰ تھا۔ اُس کی زِرہ تو بہت ہی قیمتی تھی۔ اُس کی خَود پر شاہی تاج بنا ہُوا تھا۔ یہ نشانی تھی کہ وہ صرف جرنیل ہی نہیں بلکہ وہ شاہی خاندان میں سے ہے۔

وہ شاہی خاندان کا نہایت اہم اور میدانِ جنگ کا شہرت یافتہ فرد ہرمز تھا جنگی قیادت میں اُسے رستم سے برتر سمجھا جاتا تھا۔ اُس نے جب دیکھا کہ ایک مسلمان نے ایک فارسی کو اس بُرے طریقے سے پٹخ کر مارا ہے تو ساری فوج پر اس کا بہت بُرا اثر ہُوا ہو گا۔ ہرمز اپنی فوج کا حوصلہ بڑھانے کے لیے خود میدان میں آگیا۔ اُس کا گھوڑا اتنا زبردست تھا جیسے زمین کو ہلا رہا ہو۔ ہرمز خود بھی خوبرو اور طاقت ور تھا۔ اُس کے چہرے پر شاہانہ جلال بھی تھا اور رعونت بھی۔

"او ریگستان کے بدّو!" — اُس نے تلوار تان کر طنز کی — "کیا تم نے سوچا نہیں کہ ہم تمہاری لاشوں کو روندتے ہوئے عذیب تک پہنچ جائیں گے جہاں تم نے اپنی عورتوں کو رکھا ہُوا ہے؟"

مسلمانوں کی طرف سے غالب بن عبداللہ الاسدی نکلا جس کے متعلق مشہور تھا کہ اُس کی یہی خواہش ہے کہ کفّار سے لڑنے کا موقع ملتا رہے۔

"ذرا سنبھل آگ کو پوجنے والے!" — غالب نے کہا — "میں ہوں غالب ابنِ عبداللہ..... آسمان دیکھے گا مرد کون ہے"۔

"تمہاری عورتیں خود کہیں گی کہ اصل مرد صرف فارسی ہیں" — ہرمز نے طنز کا ایک اور تیر چلایا۔

عربی لوگ رجز اور طنز میں خصوصی دسترس رکھتے تھے۔ غالب بن عبداللہ نے ہرمز کی طرح کے جواب میں للکار کر یہ شعر پڑھے:

"تیری وہ حسینہ جس کے گورے جسم میں چمپئی ہنسلی ایسے لگتی ہے جیسے چاندی پر سونے کا جھول چڑھا ہُوا ہو۔ وہ جانتی ہے کہ مرد میں ہوں، تم نہیں جس کا میں حلیہ بگاڑ کر رکھ دوں گا۔ مجھ جیسا مرد جب تجھ جیسے مرد پر جھپٹتا ہے تو سمجھو جیسے آفت آپڑی ہو.....

"اُس بکھری ہُدئی زلفوں، اُبھری ہُوئی پوروں اور نمایاں سینے والی حسینہ کو معلوم ہے کہ میں بجلیاں گرانے والا بہادر اور پلک جھپکتے پینترے بدلنے والا تیغ زن ہوں جو بڑی سے بڑی آفت پر غالب آجاتا ہے"۔

محل کے بالاخانے سے سعدؓ بن ابی وقاص دیکھ رہے تھے۔ سلمیٰ بھی دیکھ رہی تھی اور سُن رہی تھی۔ اُس کا چہرہ ہیجانی کیفیت اور جذبوں کے جوش سے سرخ ہو گیا تھا۔

"عبداللہ کے بیٹے!" — سلمیٰ نے چلّا کر کہا — "واللہ، تم نے اس فارسی کو زندہ نہ پکڑا تو اپنی عورتیں تمہارا منہ دیکھنے سے انکار کر دیں گی"۔

ہرمز غالب بن عبداللہ کے یہ الفاظ برداشت نہ کر سکا۔ اُس نے گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ ادھر غالب نے گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ غالب کا گھوڑا تھا تو اچھا اور تندرست لیکن ہرمز کے گھوڑے کے مقابلے میں خچر لگتا تھا۔ ہرمز ہاتھ میں تلوار گھماتا آرہا تھا۔ غالب نے تلوار نیچے کر رکھی تھی۔ دونوں طرف کے لشکروں پر خاموشی طاری ہو گئی تھی۔

دونوں گھوڑے قریب آئے تو غالب بن عبداللہ کی تلوار اتنی تیزی سے چلی کہ کوئی بھی تلوار کی اس حرکت کو نہ دیکھ سکا۔ سب کو جو نظر آیا وہ یہ تھا کہ غالب بن عبداللہ کی ضرب سے ہرمز کے ہاتھ سے اُس کی تلوار چھوٹ کر اوپر کو اُڑی اور دور جا گری۔ ایک فارسی سوار برچھی ہاتھ میں لیے ہرمز کے پیچھے گیا۔ وہ برچھی اپنے جرنیل ہرمز کو دینے جا رہا تھا۔

غالب بن عبداللہ نے قریب سے گھوڑا موڑ لیا۔ اس نے دیکھ لیا کہ ایک سوار ہرمز کو برچھی دینے آرہا ہے۔ غالب نے فارسی کی طرف گھوڑا دوڑا دیا۔ فارسی سوار نے دیکھ لیا۔ اُس نے اپنا گھوڑا روکا اور برچھی تان لی لیکن اسے برچھی مارنے کا موقعہ نہ ملا۔ غالب بن عبداللہ کی تلوار نے اُس کی گردن کاٹ دی۔ برچھی ایک طرف گری، دھڑ دوسری طرف اور سر کہیں اور گرا۔ چونکہ یہ جسم مُردہ ہو چکا تھا اس لیے ایک رکاب سے اُس کا پاؤں نہ نکل سکا۔ دوسرا پاؤں اپنے آپ ہی رکاب سے باہر آگیا تھا۔ اس فارسی کا گھوڑا بے سر لاش کو دونوں لشکروں کے درمیان گھسیٹتا پھرا۔ مسلمانوں کی صفوں سے نعرے گُونجنے لگے۔

غالب بن عبداللہ نے دیکھ لیا کہ ہرمز زمین پر گری ہُوئی اپنی تلوار اٹھانے کے لیے گھوڑے سے اُتر رہا ہے۔ غالب نے اپنا گھوڑا موڑا۔ ہرمز گھوڑے سے اُتر کر تلوار اٹھا رہا تھا غالب بن عبداللہ کا گھوڑا اُس کے قریب پہنچ چکا تھا۔ فارس کی فوج سے ایک شور اٹھا — "آگے سے ہٹ جاؤ۔ پیچھے گھوڑا آرہا ہے" — لیکن گھوڑا سر پر آگیا تھا۔ غالب نے ہرمز پر تلوار نہ چلائی بلکہ اُسے گھوڑے کا ایک پہلو مارا۔ غالب اُسے اپنے گھوڑے تلے کچل بھی سکتا تھا لیکن پہلو مارا تاکہ ہرمز تلوار سے دور گرے، زندہ بھی رہے مگر لڑنے کے قابل نہ رہے۔

ہرمز دوڑتے گھوڑے کا پہلو لگنے سے دُور جا گرا اور کچھ دُور تک لڑھکنیاں کھاتا چلا گیا۔

غالب بن عبداللہ نے گھوڑا موڑا۔ ہرمز اُٹھ رہا تھا۔ اُٹھتے اُٹھتے پھر گر پڑا۔ غالب نے گھوڑے سے اتر کر اسے اُٹھایا اور اُسے کہا کہ اس نے بھاگنے کی کوشش کی تو تلوار سے اُس کی شہ رگ کاٹ دی جائے گی۔

"میں تمہیں زندہ رکھوں گا"۔۔۔ غالب بن عبداللہ نے کہا۔

غالب ہرمز کو پکڑ کر اُس کے گھوڑے تک لے گیا اور اُس کے ہاتھ پیچھے کر کے اُس کے گھوڑے کی باگ سے باندھ دیئے۔ باگ کو آگے سے پکڑ کر غالب گھوڑے اور ہرمز کو اپنے گھوڑے تک لے گیا، اپنے گھوڑے پر سوار ہُوا اور بالاخانے کے نیچے جا رکا۔

"خدا کی قسم!۔۔۔ غالب بن عبداللہ نے کہا۔۔۔ "میں نے اپنا عہد پورا کر دیا"۔

"آفرین ابن عبداللہ!۔۔۔ سعدؓ بن ابی وقاص نے کہا۔۔۔ "انعام تو تجھے اللہ دے گا۔ اس فارسی کی زرہ اتار کر پہن لے اور اس کی تلوار اپنے پاس رکھ۔ تو نے عجم پر عرب کی دھاک بٹھا دی ہے"۔

ہرمز کو اسی محل میں پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر قید کر دیا گیا۔ وہ فارسیوں کا بڑا قیمتی جرنیل تھا جو جنگ شروع ہونے سے پہلے ہی قید میں آگیا۔

سعدؓ بن ابی وقاص نے کہا کہ آخری نعرۂ تکبیر لگایا جائے۔ بالاخانے کے نیچے نعرہ باز حکم کا منتظر کھڑا تھا۔ حکم ملتے ہی اُس نے گھوڑا دوڑا دیا اور لشکر کے قریب جا کر بڑی ہی بلند آواز سے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ اس کا مطلب تھا کہ حملہ کر دیا جائے۔ سعدؓ نے پہلے بتا رکھا تھا کہ پہلے حملہ کون سا قبیلہ کرے گا۔ اور اگر فارسی حملہ کر دیں تو یہ کس طرح روکا جائے گا۔

دونوں طرف سے بیک وقت دستے آگے بڑھے اور بڑی شدت سے ٹکرائے۔ پہلا وار بنو بجیلہ نے اپنے سینے پر لیا۔ فارسیوں کے جن دستوں نے حملہ کیا تھا، ان کی نفری بنو بجیلہ سے دُگنی سے بھی زیادہ تھی۔ ان کی کمان جریر بن عبداللہ کر رہا تھا۔ اپنے قبیلے کے مجاہدین پر اس کا کنٹرول تھا۔ وہ اپنے آدمیوں کو اندھا دھند نہیں لڑنے دے رہا تھا۔

فارسیوں کے سوار زیادہ تھے۔ مجاہدین نیچے ہو کر گھوڑوں کو زخمی کرتے تھے۔ اس سے یہ فائدہ ہوتا کہ گھوڑے زخم کھا کر بے لگام ہو جاتے اور سوار کو گرا دیتے۔ ۔۔۔ س کے ۔۔۔ جاتے تھے۔

کچھ ہی دیر میں بنو بجیلہ نے فارسیوں کو بے حال کر دیا۔ وہ مجاہدین کی تلواروں اور برچھیوں سے کٹ جاتے تھے۔ تمام تاریخ نویسوں نے لکھا ہے کہ سعدؓ بالاخانے سے دیکھ رہے تھے۔ بنو بجیلہ کا قہر و غضب دیکھ کر سعدؓ جھوم اُٹھے اور ان کی زبان سے داد و تحسین کے کلمے بیساختہ نکل رہے تھے۔

سعدؓ نے کسی تک کوئی پیغام پہنچانا ہوتا تھا تو کاتب اُن کے پاس موجود رہتا تھا۔ سعدؓ اُس سے پیغام لکھواتے اور کھڑکی سے نیچے پھینک دیتے تھے۔ نیچے قاصد تیار کھڑے تھے۔ کوئی ایک یہ پیغام سپہ سالار خالد بن عرطفہ تک پہنچا دیتا تھا۔

رستم نے جب دیکھا کہ پہلے ہی حملے میں مسلمانوں نے اُس کے حملہ آوروں کی نفری آدھی کر دی ہے اُس نے حکم دیا کہ ہاتھیوں کو آگے کیا جائے۔

فارسیوں کو اپنی تعداد کی افراط پر بھروسہ تھا لیکن رستم کو یہ خیال نہ آیا کہ ہجوم کو لڑانے میں یہ دشواری پیش آتی ہے کہ لڑنے والوں کو خصوصاً گھوڑوں کو، دائیں بائیں اور آگے پیچھے ہونے اور پینترے بدلنے کی جگہ نہیں ملتی اور یوں بھی ہوتا ہے کہ پیادے اپنے گھوڑوں کے درمیان پس جاتے ہیں۔ ہجوم کے مقابلے میں اگر دشمن کی تعداد خاصی کم ہو اور اس کم تعداد کا کمانڈر عقلمند ہو تو وہ اپنے دستوں کو ہجوم کے اندر نہیں جانے دے گا بلکہ باہر باہر سے کثیر تعداد پر دباؤ ڈالتا اور کاٹتا رہے گا۔

فارس کے یہ حملہ آور پیادہ اور سوار دستے اسی صورتِ حال میں آگئے تھے اور مجاہدین کا سردار جریر بن عبداللہ اس سے بڑی عقلمندی سے فائدہ اٹھا رہا تھا۔ اس کی کامیابی کی دوسری وجہ یہ تھی کہ فارسیوں پر عربوں کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ فارسیوں کے مشہور اور تجربہ کار جارح جرنیل ہرمز کو جس طرح ایک مسلمان زندہ پکڑ کر لے گیا تھا، اس کا بھی فارسیوں پر بہت بُرا اثر پڑا تھا۔

فارسی مسلمانوں کے ہاتھوں کٹ رہے تھے۔ جنگِ قادسیہ کا پہلا ہی معرکہ فارسیوں کے خلاف جا رہا تھا۔ فارس کا اتنا بڑا لشکر اپنے ساتھیوں کا کشت و خون دیکھ دیکھ کر گھبرا رہا تھا۔

تاریخ کے مطابق رستم کے حکم سے تیرہ ہاتھی آگے آئے۔ یہ میدانِ جنگ کے لیے تربیت یافتہ تھے اور انہیں شراب پلائی گئی تھی۔ ویسے بھی انہیں مستی میں رکھا جاتا تھا۔ انہیں ایک تربیت یہ دی گئی تھی کہ جب انہیں دشمن کے خلاف آگے کیا جاتا تھا تو یہ بڑی خوفناک آواز میں چنگھاڑتے تھے۔

تیرہ ہاتھی چنگھاڑتے اور تیز دوڑتے آگے آرہے تھے۔ ان کے پہلوؤں کے ساتھ بڑی بڑی گھنٹیاں لٹک رہی تھیں جن کی آوازیں عام گھنٹیوں جیسی مترنم نہیں بلکہ بھاری، بلند اور کرخت سی تھیں۔ ان پر تیر انداز اور برچھی باز کھڑے تھے جو تیر اور برچھیاں تاک تاک کر پھینک رہے تھے۔

بنو بجیلہ کے گھوڑوں نے پہلے کبھی ہاتھی نہیں دیکھے تھے نہ انہوں نے ایسی چنگھاڑ کبھی سنی تھی نہ گھنٹیوں کی کرخت آواز کبھی سنی تھی۔ گھوڑوں نے نہ صرف یہ کہ بدکنا شروع کر دیا بلکہ منہ موڑ کر بھاگنے لگے۔ انہوں نے اپنے پیادوں کے لیے رکاوٹ پیدا کر دی اور پیادوں کو روندنے بھی لگے۔ ہاتھیوں پر سواروں سے تیر اور برچھیاں برسنے لگیں اور اس کے ساتھ جن فارسی دستوں پر مجاہدین غالب آگئے

تھے وہ دستے اب مجاہدین پر ٹوٹ پڑے۔

بعض سوار مجاہدین نے یہاں تک ایثار اور فرض کی لگن کا مظاہرہ کیا کہ بدکنے اور منہ موڑنے والے گھوڑوں سے اُتر آتے اور گھوڑوں کو چھوڑ کر پیادوں کی طرح لڑنے لگے۔ وہ پسپا ہونے والے ہوتے تو ان کے پاس معقول بہانہ تھا کہ گھوڑے بدک کر بے لگام ہوتے اور پیچھے آ گئے تھے لیکن مجاہدین پسپائی کو قبول نہیں کرتے تھے۔

"عرب کے مجاہدو!" — جریر بن عبداللہ چلا رہا تھا — "آج کے دن پیچھے نہ ہٹنا۔ اللہ تمہیں اجر دے گا۔ وہی بہتر بدلہ دینے والا ہے۔"

بنو بجیلہ کی ترتیب ٹوٹ پھوٹ گئی تھی اور جریر بن عبداللہ کا کنٹرول ختم ہو گیا تھا۔ مجاہدین ہاتھیوں کے تیر اندازوں، برچھیاں پھینکنے والوں کا بڑا آسان شکار ہو رہے تھے۔ ہاتھیوں نے لڑائی کا پانسہ پلٹ دیا تھا۔

سعد بن ابی وقاص اور سلمیٰ بالاخانے سے مجاہدین کا قتل عام دیکھ رہے تھے۔ اس کے ساتھ ہی سعد کاتب کو ایک پیغام لکھوا رہے تھے اور ساتھ ساتھ کہے جا رہے تھے۔ "جلدی لکھو، تیز لکھو" پیغام لکھا گیا اور نیچے پھینک دیا گیا۔ قاصد نے پیغام اٹھایا اور گھوڑا دوڑا کر خالد بن عرطفہ کے پاس پہنچا۔ خالد نے پیغام پڑھا اور گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ گھوڑا بنو اسد کی صفوں کے آگے جا رکا۔ بنو اسد کے مجاہدین کے سردار طلیحہ بن خویلد تھے۔

"اے بنو اسد!" — خالد بن عرطفہ نے کہا — "سپہ سالار سعد بن ابی وقاص نے بنو بجیلہ کی مدد کے لیے تمہیں منتخب کیا ہے۔ سپہ سالار نے لکھا ہے کہ وہ وقت آ گیا ہے جب طلیحہ کا قبیلہ ہی مددگار ثابت ہو گا۔ آگے بڑھو اور جریر بن عبداللہ کو اس مشکل سے نکالو۔"

طلیحہ کی بہادری کا ایک واقعہ پہلے کسی باب میں بیان ہو چکا ہے کہ وہ کس دلیری سے اکیلا رات فارسیوں کے کیمپ میں جا گھسے تھے اور دو گھوڑ سواروں کو قتل کر کے ان کے گھوڑے اور ایک فارسی فوجی کو اپنے ساتھ لے آتے تھے۔

خالد بن عرطفہ پیغام سنا چکے تو طلیحہ اپنے قبیلے سے مخاطب ہوئے:

"میرے قبیلے کے جانبازو! خدا کی قسم، اگر سعد بنو بجیلہ کی مدد کے لیے تم سے زیادہ موزوں اور بہادر کسی اور کو سمجھتے تو اُسے بھیجتے۔ آج ثابت کر دو کہ تم اس اعزاز کے قابل ہو۔ ایسا زبردست حملہ کرو کہ فارسیوں کے پاؤں اکھڑ جائیں۔ بپھرے ہوئے شیر کی طرح جھپٹو کہ ہاتھی بھاگ جائیں۔ یاد رکھو تم بنو اسد کہلاتے ہو۔ اپنے آپ کو اسم بامسمّیٰ ثابت کرو۔ حملہ اس عزم اور اس عہد سے کرو کہ پیچھے

نہیں ہٹنا۔ آگے بڑھو۔ اللہ کا نام لے کر دشمن پر بجلی بن کے گرو۔ اللہ تمہارے ساتھ ہے۔"

طلیحہ کی قیادت میں بنو اسد کے مجاہدین نے بپھرے ہوئے طوفان کی مانند حملہ کیا۔ ان کا زیادہ تر زور ہاتھیوں پر تھا۔ ہاتھیوں پر حملہ کرنے والے پیادے تھے۔ گھوڑوں کو ہاتھیوں کے سامنے لے جانے سے گریز کیا گیا تھا۔ گھوڑ سواروں نے فارسی گھوڑ سواروں پر حملہ کیا تھا اور بگڑی ہوئی صورت حال کو کسی حد تک سنبھال لیا۔

زیادہ جانبازی کے مظاہرے پیادے کر رہے تھے جن کا حملہ ہاتھیوں پر تھا۔ وہ ہاتھیوں کے قریب جا کر انہیں زخمی کرنے کی کوشش کرتے تھے لیکن انہیں دو دشواریوں کا سامنا تھا۔ ایک یہ کہ ہاتھیوں کے ہودوں سے اُن پر تیر بھی آتے تھے اور برچھیاں بھی۔ مجاہد زخمی ہو ہو کر گرتے تھے۔ چونکہ فاصلہ بہت کم تھا اس لیے تیر اور برچھیاں جسم میں اتنی زیادہ اُتر جاتی تھیں کہ مہلک ثابت ہوتی تھیں۔

پیادہ مجاہدین کو جس دوسری دشواری کا سامنا تھا، وہ یہ تھی کہ ہاتھیوں کے پہلوؤں سے آہنی زنجیریں لٹک رہی تھیں۔ یہ تلواروں کے وار کو روک لیتی تھیں۔ بعض مجاہدین ہاتھیوں کے قریب جانے میں کامیاب ہو گئے اور برچھیوں کی طرح ہاتھیوں کو تلواریں ماریں۔ بعض نے وہ برچھیاں اٹھا لیں جو ہودوں سے پھینکی گئی تھیں۔ یہ برچھیاں ہاتھیوں کو ماری گئیں۔

مؤرخ واقدی، طبری اور بلاذری لکھتے ہیں کہ بنو اسد کا حملہ اتنا زور دار تھا کہ ہاتھی پیچھے ہٹ گئے اور امید یہی تھی کہ ہاتھیوں کے منہ موڑ دیئے گئے ہیں لیکن رستم کی للکار نے انہیں اور پیچھے نہ جانے دیا۔

"روکو ہاتھیوں کو!" — اُس نے فرعونوں جیسے لہجے میں کہا — "آگے بڑھاؤ انہیں۔ جو ہاتھی آگے نہ بڑھا اُس کے مہاوت اور ہودے کے ہر آدمی کو قتل کر دیا جائے گا۔"

ہاتھیوں کو پھر آگے لایا گیا۔ اب ہاتھیوں کی چنگھاڑ پہلے سے زیادہ خوفناک تھی۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے انہیں اپنے مہاوتوں پر بھی غصہ آ رہا تھا کہ یہ انہیں زبردستی آگے جھونک رہے تھے۔

ہاتھیوں کا یہ غصہ اور عتاب بنو اسد اور بنو بجیلہ کے لیے بڑی خوفناک آفت بن گیا۔ مجاہدین اب پھر ہودوں سے آتے ہوئے تیروں اور برچھیوں کا شکار ہونے لگے۔

سعد بن ابی وقاص ایک اور پیغام لکھوا کر نیچے پھینک چکے تھے۔ قاصد نے پیغام قائم مقام سپہ سالار خالد بن عرطفہ تک پہنچا دیا۔ یہ پیغام بنو تمیم کے نام تھا۔ اس قبیلے کا سردار طلیحہ جیسا ایک بہادر عاصم بن عمرو تھا جس کی بہادری کا ایک واقعہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔

خالد بن عرطفہ نے بنو تمیم کی صفوں کے آگے جا کر گھوڑا روکا۔

"سپہ سالار کا پیغام عاصم بن عمرو کے نام!" — خالد نے کہا — "سپہ سالار سعد بن ابی وقاص

دیکھتے ہیں ـــ "اے بنو تمیم! تم اونٹوں اور گھوڑوں والے مشہور ہو۔ کیا ان ہاتھیوں پر قابو پانے کا تمہارے پاس کوئی انتظام نہیں؟"

"ضرور ہے" ـــ عاصم بن عمرو نے پُرجوش لہجے میں کہا ـــ "ہمارے پاس ہاتھیوں کا بندوبست بھی ہے" ـــ عاصم اپنے قبیلے سے مخاطب ہوا ـــ "قبیلہ تمیم کے شیرو! تمہارے امتحان کا وقت آگیا ہے۔ سعدؓ نے تمہیں پکارا ہے.... مجھے صرف تیراندازوں کی ضرورت ہے۔ ان تیراندازوں کی ضرورت ہے جو دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کا کوئی تیر خطا نہیں جاتا۔"

تیرانداز آگے آگئے۔

"تم نے ہاتھیوں کے مہاوتوں اور ہودوں میں کھڑے فارسیوں پر تیر چلانے ہیں" ـــ عاصم بن عمرو نے اپنے تیراندازوں کو ہدایات دیتے ہوئے کہا ـــ "اور ہاتھیوں کی آنکھوں میں تیر چلا سکو تو یہ طوفان فارسیوں کو ہی فنا کر دے گا۔"

تیراندازوں کے علاوہ عاصم بن عمرو نے برچھی بازوں کو بھی آگے کر لیا۔ ان میں برچھیاں پھینکنے والے بھی اور لمبے نیزوں والے نیزہ باز بھی تھے۔

عاصم بن عمرو اپنے تیراندازوں اور برچھی بازوں کو لے کر میدان میں اترے تو ہاتھیوں پر تیر چلنے لگے۔ یہ کام آسان نہیں تھا۔ بڑا ہی خونریز معرکہ لڑا جا رہا تھا اور فارسی میدانِ جنگ میں غالب آتے ہوئے تھے۔ ان کی تلواروں اور برچھیوں اور جنگی کلہاڑوں سے بچنا ممکن نظر نہیں آتا تھا پھر بھی تیرانداز اور برچھی باز مجاہدین ہاتھیوں پر تیر چلا رہے تھے۔ یہ ایک خودکش کارروائی تھی جس کے لیے غیرمعمولی جذبے کی ضرورت تھی۔

تھوڑی سی دیر میں ہاتھیوں کے ہودوں میں فارسی تیرانداز تیروں سے زخمی ہو ہو کر گرنے لگے بعض تو ہودوں سے نیچے آپڑے۔ بعض ہاتھیوں کی آنکھوں میں تیر لگے۔ ان ہاتھیوں نے تو اپنے سواروں کو اندھا دھند بھاگ کر گرا دیا اور میدانِ جنگ میں طوفانی کیفیت پیدا کر دی۔ ان کے سامنے جو آتا اُسے سونڈ مارتے یا سونڈ میں لپیٹ کر اوپر اٹھاتے اور زور سے پٹخ کر مار ڈالتے تھے۔ اگر کوئی فیل سوار زندہ نیچے گرا تو اُسے برچھی یا تلوار سے کاٹ دیا گیا۔

عاصم بن عمرو کے تیراندازوں اور برچھی بازوں نے تمام ہاتھیوں کو بیکار ہی نہیں کیا بلکہ انہیں فارسیوں کے لیے ایسی آفت بنا دیا کہ وہ لڑائی کو بھول ہی گئے اور اِدھر اُدھر بکھر گئے۔

لڑائی کا پانسہ تو پلٹا گیا لیکن مجاہدین کا جانی نقصان بے تحاشہ تھا جسے کم تو بھی کہا جا سکتا ہے۔ کسی مؤرخ نے بھی جانی نقصان کی تعداد نہیں لکھی۔ صرف ایک قبیلے "بنو اسد" کے شہیدوں کی تعداد ملتی ہے جو پانچ سو ہے۔ زخمیوں کا تو کوئی حساب نہ تھا۔

اس دوران جب بنو بجیلہ اور بنو اسد کے مجاہدین کٹ رہے تھے اور ہاتھی بھی آگئے تھے اور نظر یہی آرہا تھا کہ آخری مجاہد تک کٹ جائے گا، اُس محل قُدَیس کے بالاخانے میں جہاں سعدؓ بن ابی وقاص لیٹے ہوئے تھے، ایک واقعہ ہو گیا جو تقریباً تمام مؤرخوں نے لکھا ہے۔

واقعہ یوں ہوا کہ سعدؓ بن ابی وقاص تکلیف کی وجہ سے پیٹ کے بل لیٹے ہوئے جنگ کے میدان کو دیکھ رہے تھے۔ جب مجاہدین کٹ کٹ کر گرنے لگے تو سعدؓ جذبات کی شدت سے اُٹھ بیٹھے۔ سلمیٰ ان کے پاس تھی اور وہ بھی میدانِ جنگ کو دیکھ رہی تھی۔ اُسے اپنے شہید شوہر مثنیٰ بن حارثہ یاد آگئے۔ مثنیٰ نے اس سے بھی زیادہ خوفناک معرکے لڑے اور فتح پائی تھی۔ سلمیٰ ان کے ساتھ ہوتی تھی۔ آج مجاہدین کا قتلِ عام ہو رہا تھا اور سپہ سالار بالاخانے میں معذور بیٹھا ہوا تھا۔

"ہائے افسوس!" ـــ سلمیٰ نے کہا ـــ "آج مثنیٰ نہ ہوئے۔"

سعدؓ بن ابی وقاص کی جذباتی حالت پہلے ہی بھڑکی ہوئی تھی۔ انہوں نے سلمیٰ کے منہ پر بڑی زور سے تھپڑ مارا۔

"ان جانبازوں سے مثنیٰ کا کیا مقابلہ؟" ـــ سعدؓ نے کہا ـــ "دیکھ نہیں رہی ہو یہ کس جانبازی سے لڑ رہے ہیں؟"

سلمیٰ نے سعدؓ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں اور طنزیہ لہجے میں بولی ـــ "واہ.... یہ بزدلی اور بےغیرت مندی!"

سعدؓ بن ابی وقاص اپنی اس حرکت پر اتنے نادم ہوئے کہ (مؤرخوں کے مطابق) ان کی پیشانی سے پسینہ ٹپکنے لگا۔ انہوں نے لپک کر سلمیٰ کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھا لیا۔

"سلمیٰ!" ـــ سعدؓ نے شرمساری آواز میں کہا ـــ "تم بھی مجھے معذور نہ سمجھو گی تو اور کون سمجھے گا۔ کیا تم میری حالت نہیں دیکھ رہیں؟" ـــ سعدؓ کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

سلمیٰ پر بھی رقت طاری ہو گئی۔

وہ عظیم خاتون تھی۔ اُس وقت اُس کے دل میں اپنے خاوند کی نہیں ان مجاہدین کی ہمدردی تھی جو پسپا ہونے کی بجائے لڑ اور کٹ رہے تھے۔ مثنیٰ بن حارثہ کو سلمیٰ نے پہلے خاوند کی حیثیت سے نہیں بلکہ پہلے سپہ سالار کی حیثیت سے یاد کیا تھا اور اس وقت سعدؓ سلمیٰ کی نگاہ میں خاوند نہیں بلکہ ایک سپہ سالار تھا۔ اُس نے دو سپہ سالاروں کا مقابلہ کیا تھا۔

سورج لبِ بام تھا۔ فارسی پیچھے ہٹ گئے۔ لڑائی اگلے روز پر ملتوی کر دی گئی۔ مجاہدین کو بھی

پیچھے ہٹا لیا گیا۔ اب لاشوں اور زخمیوں کو اٹھانا تھا۔ میدانِ جنگ لاشوں سے اَٹ گیا تھا۔

سورج افق میں اُتر گیا۔ اُدھر سے گرد اُٹھی جو اٹھتی اور پھیلتی چلی گئی۔ پہلے تو سب نے ... کہ آندھی ہے۔ صحرائی آندھی بڑی خوفناک ہوا کرتی ہے لیکن آگے علاقہ سرسبز تھا۔ وہاں گرد ختم ... اور صاف نظر آنے لگا کہ کوئی لشکر آرہا ہے جو فارسیوں کا ہی ہو سکتا تھا۔

لشکر قریب آیا تو پتہ چلا کہ مجاہدین کا لشکر ہے جو حضرت عمرؓ کے حکم سے شام کے محاذ سے سعدؓ بن ابی وقاص کی مدد کے لیے آیا ہے۔ اس لشکر کی تعداد چھ ہزار تھی۔

جنگِ قادسیہ کا پہلا دن شام کی پھیلتی ہوئی تاریکی میں گم ہوتا گیا۔

قادسیہ کی جنگ کے پہلے دن کو یوم ارماث کا نام دیا گیا ہے۔ کسی بھی مؤرخ نے اس کی وجہ تسمیہ بیان نہیں کی۔

میدانِ جنگ سے تھوڑی ہی دور عذیب نام کی چھوٹی سی ایک بستی تھی۔ وہاں خاصی کشادہ فوجی چوکی تھی۔ مسلمانوں کی مستورات کو اس جگہ رکھا گیا تھا۔ جُوں ہی لڑائی رُکی اور دونوں طرف کے لشکر پیچھے ہٹ گئے تو مسلمان خواتین جو مجاہدین کی بیویاں، بہنیں یا بیٹیاں تھیں، پانی کی چھاگلیں اٹھائے میدان جنگ کی طرف دوڑ پڑیں۔

شام ابھی گہری نہیں ہوئی تھی۔ چہرے آسانی سے پہچانے جاتے تھے لیکن وہاں کی صورت حال بڑی ڈراؤنی اور بھیانک تھی کہ بعض شدید زخمی لاشوں اور مرے ہوئے گھوڑوں کے نیچے پڑے تھے۔ بعض زخمی اُٹھتے تھے، گرتے تھے، پیٹ کے بل رینگتے اور پھر اُٹھنے کی کوشش کرتے تھے۔ زخمیوں کی کربناک صدائیں ماحول کا سینہ چاک کر رہی تھیں۔ قادسیہ کی زمین خون چوستی جا رہی تھی۔

مجاہدین کی مستورات میدانِ جنگ میں پھیل گئیں۔ بہت سے مجاہدین بھی ان کے ساتھ ہو گئے۔ عورتیں پہلا کام یہ کرتیں کہ زخمی کو پانی پلاتیں پھر اُسے اُٹھاتیں اور زخموں کی طرف توجہ دیتی تھیں۔ زخمیوں کو میدانِ جنگ سے اٹھاتے وقت عورتیں یوں نہیں کرتی تھیں کہ اپنے اپنے بیٹے، خاوند یا بھائی کو ڈھونڈنا شروع کر دیتیں اور صرف اُسی کی دیکھ بھال کرتیں۔ وہاں سب ایک تھے۔ ایک ہی رشتے میں منسلک تھے۔ خون ایک تھا اور سب کا اللہ ایک تھا جس کی راہ میں یہ خون بہایا جا رہا تھا۔ اپنے آدمی کو اُس وقت دیکھا جاتا تھا جب سب کی مرہم پٹی ہو چکی ہوتی تھی۔

مجاہدین کو ان کے ساتھی اور مستورات پیچھے لا رہی تھیں جب شام سے کمک آن پہنچی۔ افق سے گرد اٹھی تھی جو آگے ہی آگے بڑھتی آ رہی تھی۔ اسے آندھی سمجھا گیا تھا، پھر گرد میں گھوڑے نظر آنے لگے۔ سب سمجھے کہ یہ فارسیوں کی کمک ہے۔ مسلمان تو سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ انہیں کہیں سے کمک بھی مل سکتی ہے۔ گھوڑے قریب آئے تو اللہ اکبر کے نعرے سنائی دینے لگے۔

یہ ایک ہزار گھوڑسوار تھے جن کا سالار ان کے آگے تھا۔ یہ کوئی معمولی سوار نہیں تھا۔ یہ قعقاع بن عمرو تمیمی تھا۔

"سعدؓ بن ابی وقاص کہاں ہے؟" ــــ قعقاع بن عمرو نے قریب آکر بلند آواز میں کہا ــــ "اُسے بتاؤ ہم آگئے ہیں"۔

قادسیہ کے تھکے ماندے مجاہدین میں جیسے نئی روح پھونک دی گئی ہو۔ سعدؓ بن ابی وقاص کو اطلاع دی گئی کہ قعقاع ایک ہزار سواروں کی کمک لے کر آیا ہے۔ انہیں اطلاع دینے والا بالاخانے کے نیچے کھڑا تھا۔

"صرف ایک ہزار؟" ــــ سعدؓ نے کہا۔

"نہیں سعدؓ بن ابی وقاص!" ــــ بالاخانے کے نیچے سے قعقاع کی آواز اُبھری ــــ "تم پر اللہ کی سلامتی ہو۔ ایک ہزار نہیں چھ ہزار.... پانچ ہزار سوار پیچھے آرہے ہیں۔ ہمارا سالار تمہارا اپنا بھتیجا ہاشم بن عتبہ ہے.... اور یہ تم نے اپنا کیا حال بنا رکھا ہے؟"

"اوپر آجا ابن عمرو!" ــــ سعدؓ نے کہا ــــ "تُو تو فرشتہ بن کے آیا ہے"۔

قعقاع اُوپر چلا گیا۔

کچھ دیر بعد باقی پانچ ہزار سوار بھی آگئے۔ یہ کمک امیرالمومنین حضرت عمرؓ کے حکم سے شام کے محاذ سے آئی تھی۔ حضرت عمرؓ نے شام کے محاذ کے سالار ابوعبیدہؓ کو حکم بھیجا تھا کہ سعدؓ بن ابی وقاص قادسیہ کی طرف بڑھ رہا ہے۔ جوں ہی شام کا محاذ ذرا مہلت دے، کچھ کمک عراق کے محاذ پر سعدؓ کو بھیجی جاتے۔

سعدؓ بن ابی وقاص کے لیے یہ کمک ایک معجزے اور اللہ کے غیر متوقع کرم سے کم نہ تھی۔ پہلے دن ہی ہزارہا مجاہدین شہید ہوتے اور زخموں سے بیکار ہو گئے تھے۔

جس وقت حضرت عمرؓ کا حکم شام کے محاذ پر پہنچا تھا، اُس وقت تک دمشق فتح ہو چکا تھا اور فحل کا معرکہ لڑا جا رہا تھا۔ اللہ نے مسلمانوں کو فتح سے نوازا اور رومی بُری حالت میں پسپا ہوئے۔ سپہ سالار ابوعبیدہؓ نے پہلا کام یہ کیا کہ سالار ہاشم بن عتبہ اور سالار قعقاع بن عمرو تمیمی کو چھ ہزار سوار دے کر عراق (فارس) قادسیہ کے مقام پر پہنچنے کا حکم دیا۔

دونوں سالار اُسی وقت روانہ ہو گئے۔ ہاشم بن عتبہ نے قعقاع کو ایک ہزار سوار دے کر مقدمۃ الجیش (ہراول) کے طور پر آگے بھیجا اور خود پانچ ہزار سواروں کے ساتھ کچھ دیر بعد روانہ ہوا۔

سعدؓ بن ابی وقاص کو زیادہ اطمینان یہ دیکھ کر ہوا کہ دونوں سالار ہاشم اور قعقاع، شجاعت جارحیت میں شہرت یافتہ تھے۔ قعقاع تو غیر معمولی طور پر بہادر تھا۔ یقینی موت کا خطرہ مول لے کر لڑنے والا مجاہد تھا۔ وہ اور مثنیٰ بن حارثہ خالدؓ بن ولید کے ساتھ فارسیوں کے خلاف بھی لڑے تھے پھر شام میں رومیوں کے خلاف لڑے۔ مؤرخوں نے لکھا ہے کہ قعقاع مثنیٰ بن حارثہ کے ہم پلہ تھا اور خالدؓ بن ولید کو جب کبھی انتہائی دشوار صورت حال کا سامنا ہوا، اُنہوں نے قعقاع یا مثنیٰ سے مدد حاصل کی۔

قعقاع چار سال پہلے عراق میں آتش پرستوں سے خالدؓ بن ولید کی قیادت میں لڑا تھا۔ اُس کی بے مثال شجاعت کے کارنامے تھوڑے نہیں جو آسانی سے سنا دیئے جائیں۔ فارس کی ایک لڑائی سے پہلے قعقاع نے ذاتی مقابلے کے لیے فارسیوں کے جرنیل روزبہ کو للکارا۔ ذاتی بہادری میں روزبہ نے بہت شہرت حاصل کی تھی۔ وہ قعقاع کے مقابلے میں آیا اور ذرا سی دیر میں اُس کا گھوڑا اُس کے زخمی جسم کو اس طرح گھسیٹتا پھر رہا تھا کہ اُس کا ایک پاؤں رکاب میں پھنسا ہوا تھا۔

قعقاع نے شبخون مارنے میں جو کمالات دکھاتے تھے وہ رومیوں اور فارسیوں کی شکست کا باعث بنے تھے۔

آج وہ قعقاع سعدؓ بن ابی وقاص کے پاس پہنچ گیا تھا اور سعدؓ اُسے اور اپنے بھتیجے ہاشم کو جنگ کی صورت حال بتا رہے تھے۔

رات بھر لاشوں میں اپنے زخمیوں کو ڈھونڈ کر اٹھایا اور پیچھے لایا جاتا رہا۔ شہیدوں کی لاشیں بھی لائی گئیں۔

لاشیں اُٹھانے کا سلسلہ صبح بھی جاری رہا۔ شہیدوں کو عذیب کے قریب ایک وادی میں نمازِ جنازہ پڑھا کر دفن کیا گیا۔ یہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہے کہ قبریں عورتوں نے کھودی تھیں۔ مجاہد دن بھر کی لڑائی کے تھکے ہوئے تھے اور انہیں اگلے روز کی لڑائی کے لیے تازہ دم ہونا تھا۔ میتیں قبروں میں اُتاری جا چکیں تو مٹی بھی عورتوں نے ڈالی اور قبریں تیار کی تھیں۔ قبریں چند سو نہیں بلکہ چند ہزار تھیں۔

اُدھر فارسی اپنے مرے ہوئے ساتھیوں کی لاشوں کو گھسیٹ گھسیٹ کر لے جا رہے تھے۔ اُن کی تعداد مسلمانوں کے شہیدوں کی تعداد سے دگنی تھی۔ رستم چلا چلا کر حکم دے رہا تھا کہ لاشیں جلدی پیچھے لائی جائیں اور میدان خالی کیا جاتے۔ اُن کے سپاہی تنخواہ دار ملازم تھے، مر کر وہ بیکار چیزیں بن گئی تھیں جنہیں اب کہیں پھینکنا تھا۔ انہیں میدانِ جنگ سے کچھ دُور پیچھے لے گئے۔ ایک ایک گڑھے میں کئی کئی لاشیں پھینک کر اوپر مٹی ڈال دی گئی۔

میدان خالی ہونے تک سورج خاصا اوپر آگیا تھا۔ دونوں طرف کے لشکر لڑائی کی ترتیب میں آگئے۔ رستم نے پرچم بلند کیا۔ یہ پرچم رستم کا نہیں بلکہ شہنشاہ فارس یزدگرد کا تھا۔ یہ ایک بہت بڑا اعزاز تھا جو رستم اور اُس کے لشکر کو دیا گیا تھا لیکن اس اعزاز کا تقاضا یہ تھا کہ رستم سے لے کر

ایک ادنیٰ سپاہی تک اس پرچم کو بلند رکھنے کی خاطر جانیں قربان کر دیں۔

قعقاع بن عمرو نے سپہ سالار سعدؓ بن ابی وقاص کے احکام سن لیے تھے اور مجاہدین کی ترتیب بھی سمجھ لی تھی۔ سعدؓ نے چھ ہزار کی کمک کو تقسیم کیا تو قعقاع بول پڑا۔

"سپہ سالار!"۔۔۔ قعقاع نے سعدؓ سے کہا۔۔۔ "مجھے اجازت دے کہ میرے ساتھ مدینہ میں جو ایک ہزار سوار آئے تھے انہیں میری تحویل میں ہی رہنے دو۔ میں انہیں اپنے انداز سے استعمال کروں گا اور لشکر کی ترتیب میں بھی کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ میں اپنے ہر اس دستے کا جسے آگے بھیجا جائے گا، کام آسان کر دوں گا۔"

سعدؓ کے پوچھنے پر قعقاع نے تفصیل سے بتایا کہ وہ ان ایک ہزار سواروں کو کس طرح استعمال کرے گا۔ سعدؓ نے اسے اجازت دے دی۔

قعقاع بالاخانے سے اترا اور اپنے ایک ہزار سواروں کو الگ کیا۔ انہیں دس حصوں میں تقسیم کر کے باقی لشکر سے کچھ دور ایک ایسے مقام پر لے گیا جہاں دشمن انہیں نہیں دیکھ سکتا تھا۔ قادسیہ کا یہ علاقہ ہموار میدان نہیں تھا۔ ایک جگہ دلدل تھی۔ میدانِ جنگ کے ارد گرد نشیب و فراز تھے اور اونچی نیچی ٹیکریاں بھی تھیں۔ چونکہ قریب دریا تھا اس لیے سرکنڈوں، ہری اونچی گھاس اور درختوں کا گھنا جنگل بھی تھا۔

حضرت عمرؓ نے یہ علاقہ دیکھا ہوا تھا۔ اس علاقے کو انہوں نے اسی لیے منتخب کیا تھا کہ زمین کے خدوخال کی وجہ سے فارسیوں کے لیے دشواریاں پیدا کی جا سکتی تھیں۔ فارسیوں کا لشکر زیادہ تھا کہ اس میدان میں کھل کر سما نہیں سکتا تھا اور دستوں کی نقل و حرکت میدانِ جنگ کی لمحہ بہ لمحہ بدلتی ہوئی صورتِ حال کے مطابق نہیں ہو سکتی تھی۔

اس کے مقابلے میں مسلمان تھوڑی تعداد میں تھے اس لیے وہ اپنے دستوں کو جدھر چاہے حرکت دے سکتے تھے۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ حضرت عمرؓ نے سعدؓ بن ابی وقاص کو یہ حکم بھیج دیا تھا کہ دریا کے پار نہیں جانا بلکہ فارسیوں کو دریا کے اس طرف آنے پر مجبور کرنا ہے۔ مثنیٰ بن حارثہ کی بیوی نے بھی یہی وصیت کی تھی۔ میدانِ جنگ کے انتخاب سے ہی حضرت عمرؓ اور مثنیٰ بن حارثہ کی جنگی فہم کا پتہ چلتا ہے۔

"میرے جانبازو!"۔۔۔ قعقاع نے اپنے ایک ہزار سواروں سے کہا۔۔۔ "میں نے تمہیں ایک سو کی ترتیب میں جس طرح کھڑا کیا ہے، اسی ترتیب میں رہنا۔ تمہاری حرکت میرے اشارے پر ہو گی۔ پہلے ایک سو سواروں کے ساتھ میں جاؤں گا۔ میں زندہ واپس آ گیا تو باقی سوار میرے ہی اشارے پر ایسا ہی حملہ کریں گے جیسا میں کروں گا۔ اگر میں زندہ واپس نہ آیا تو یہ سب حارث بن ظبیان

میری جگہ سالار ہو گا۔ یہ بھی نہ رہا تو تم خود ویسے ہی حملے کرنا جیسے ہم نے کیے تھے....

میں تمہیں سمجھا دیتا ہوں کہ ہمارا مقصد کیا ہے۔ ہمارے لشکر کا کوئی دستہ دشمن کے کسی دستے کے ساتھ برسرِ پیکار ہو گا تو تم میں سے ایک سو سوار پہلو سے دشمن کے دستے پر حملہ کریں گے لیکن وہاں زیادہ دیر رکیں گے نہیں۔ دشمن کے اوسان خطا کر کے میدانِ جنگ سے نکل آئیں گے۔"

قعقاع کا یہ طریقۂ جنگ دراصل خودکش حملوں کا سلسلہ تھا۔ باطل کی اتنی زبردست جنگی طاقت سے ٹکر لینے کے لیے جانوں کی بازی لگانی ہی تھی۔ مسلمانوں کے پاس جذبہ تھا۔ آج کل کی زبان میں قادسیہ کی جنگ میٹیریل اور مورال کی جنگ تھی۔ فارسیوں کے پاس میٹریل تھا اور مسلمانوں کے پاس مورال تھا۔ اس مورال کی طاقت وہ مشن تھا جو مسلمان لے کر گھروں سے نکلے تھے۔

اور اس مورال کے پیچھے اللہ کا یہ وعدہ تھا۔۔۔ "اکثر ایسے ہوا ہے کہ چھوٹی جماعت بڑی جماعت پر غالب آئی ہے"۔۔۔ شرط یہ ہے کہ ایمان مضبوط ہو، جذبۂ ایثار ہو اور اپنی ذات اور اپنے وجود کو اللہ کی ذات میں گم کر دیا جائے۔

یہ جنگِ قادسیہ کا دوسرا دن تھا۔ مسلمان یہ دیکھ کر حیران بھی ہوئے اور خوش بھی کہ فارسی ایک بھی ہاتھی نہیں لائے تھے۔ تین چار مقامی آدمی باقاعدہ جاسوسی کر رہے تھے۔ انہوں نے علی الصبح ہی آ کر سعدؓ بن ابی وقاص کو بتا دیا تھا کہ گذشتہ روز کی جنگ میں مجاہدین نے ہاتھیوں پر حملے کر کر کے ان کے ہودوں کی رسیاں اور پیٹیاں کاٹ دی تھیں۔ ہودے گر کر ٹوٹ گئے تھے۔ ان کی ابھی مرمت نہیں ہوئی تھی۔ زیادہ تر ہاتھی زخمی بھی ہو گئے تھے۔ مہاوت تو ایک بھی زندہ نہیں رہا تھا۔

اچانک قعقاع نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور دونوں لشکروں کے درمیان جا کر فارسیوں کو للکارا:

"آگ کے پجاریو! تمہاری ہڈیاں اسی آگ میں جلیں گی.... تم میں جو سب سے زیادہ بہادر ہے، میرے مقابلے میں آ جائے۔"

فارسیوں کے قلب کے دستوں کا کمانڈر بہمن جادویہ تھا۔ وہ آگے آیا۔ اس کا نام ذوالحاجب تھا۔ بہمن دراصل ایک خطاب یا اعزاز تھا جو اسے فارس کی شہنشاہی سے غیر معمولی بہادری اور کامیاب جنگی قیادت کے صلے میں ملا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ غیر معمولی طور پر بہادر تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ خالدؓ بن ولید سے بھی شکست کھائی تھی اور مثنیٰ بن حارثہ سے بھی۔ یہ ایک معجزہ تھا کہ وہ زندہ بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

جسر کی لڑائی کی پوری تفصیل پہلے بیان ہو چکی ہے۔ اس وقت ابوعبید سپہ سالار تھے اور مثنیٰ بن حارثہ اس کے ماتحت تھے۔ فارسیوں کا کمانڈر یہی بہمن جادویہ تھا۔ اس لڑائی میں ابوعبید کی غلطی سے

مجاہدین کا قتلِ عام ہوا تھا اور ابوعبیدہ بھی شہید ہو گئے تھے۔ اس لڑائی میں مثنیٰ بن حارثہ کے پہلو میں برچھی لگی تھی اور یہی زخم خراب ہوتے ہوتے ایک عرصے بعد مثنیٰ کی شہادت کا باعث بنا تھا۔ یہ مثنیٰ کا کمال تھا کہ جسر کے میدانِ حشر سے تھوڑے سے مجاہدین کو نکال لاتے تھے۔

مسلمانوں کی اس تباہی کی خبر مدینہ تو پہنچنی ہی تھی، شام کے محاذ پر بھی یہ خبر پہنچ گئی تھی۔ مؤرخ لکھتے ہیں کہ جب بہمن جادویہ قعقاع کے مقابلے میں آیا تو قعقاع کو یاد آگیا کہ جسر کی لڑائی میں یہی فارس کی فوج کا کمانڈر تھا۔

"میں ہوں ذوالحاجب بہمن جادویہ!"—— فارسی جرنیل گھوڑے پر سوار سامنے آیا اور تلوار نکال کر بولا —— "میں پورے عرب کی موت ہوں۔"

"آجا ابوعبیدہ اور سلیطؓ کے قاتل!"—— قعقاع نے للکار کر کہا —— "جسر کے ایک ایک شہید کے خون کا بدلہ لوں گا"—— اور اس نے گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔

بہمن جادویہ نے بھی گھوڑے کی لگام کو جھٹکا دیا۔ دونوں گھوڑے آمنے سامنے نہ آئے بلکہ چکر میں گھومے۔ بہمن جادویہ کا گھوڑا اتنا زبردست تھا کہ اس کے نیچے زمین ہلتی محسوس ہوتی تھی۔ یکلخت یہ گھوڑا تیز ہو گیا اور گھوم کر قعقاع کے گھوڑے کے پیچھے آگیا۔ بہمن جادویہ کی یہ حرکت اتنی تیز اور اچانک تھی کہ قعقاع کو اس وقت پتہ چلا جب فارسی جرنیل کی تلوار قعقاع کی گردن کاٹنے کے لیے زناٹے سے گھوم چکی تھی۔

مجاہدین کے لشکر پر تو سناٹا طاری ہو گیا، فارسی لشکر سے داد و تحسین کا شور اٹھا جیسے گھٹا بڑے زور سے گرجی ہو۔ یہ ایک لمحے کی بات تھی۔ لگتا یہی تھا کہ قعقاع کا فیصلہ ہو چکا ہے لیکن اس فیصلہ کن لمحے میں قعقاع بڑی تیزی سے سر نیچے کر کے دائیں طرف اتنا جھک گیا جیسے گر پڑے گا۔ اب مجاہدین کے لشکر سے شور و غل اٹھا۔ سعدؓ بن ابی وقاص اور سلمیٰ بالاخانے سے دیکھ رہے تھے۔

"ابنِ عمرو!"—— سلمیٰ نے گلا پھاڑ کر کہا —— "خدا کی قسم! تو بنو تمیم کا شیر ہے۔ یہ آتش پرست پورے عرب کی موت بن کر آیا ہے۔ یہ زندہ نہ جائے۔"

اس وقت بہمن جادویہ کا گھوڑا قعقاع تمیمی کے قریب سے گزر رہا تھا۔ بہمن جادویہ نے بڑا ہی زوردار کیا تھا لیکن وار خالی گیا اس لیے بہمن جادویہ سنبھل نہ سکا۔ قعقاع کا گھوڑا اسی طرف جا رہا تھا۔ اس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ بہمن جادویہ نے گھوڑا ایسا موڑا کہ گھوڑے کا پہلو قعقاع کے گھوڑے کے سامنے آگیا۔ گھوڑے ٹکرائے۔ دونوں ایک دوسرے کے اتنا قریب ہو گئے تھے کہ قعقاع تلوار کو تلوار کی طرح نہیں چلا سکتا تھا لیکن اس نے یہ موقع ضائع نہ کیا۔

بہمن جادویہ کے سر پر آہنی خود تھی جو اس کے چہرے کو بھی ڈھانپے ہوئے تھی۔ کندھوں سے ناف تک وہ زرہ پوش تھا۔ خود اور زرہ کے درمیان تھوڑی سی گردن ننگی تھی۔ قعقاع نے برچھی کی طرح تلوار ماری جو بہمن جادویہ کی گردن میں اتر گئی۔ قعقاع نے تلوار کھینچی۔ بہمن جادویہ نے درد کی شدت سے سر اوپر اور پیچھے کر لیا۔ اس طرح اس کی گردن سامنے سے اور زیادہ ننگی ہو گئی۔ قعقاع موزوں پوزیشن میں تھا۔ اس نے تلوار کا بھرپور وار اس کی گردن پر کیا۔ اندر سے گردن پہلے ہی خاصی کٹی ہوئی تھی۔ باہر کے وار سے گردن پوری تو نہ کٹی لیکن آدھی سے زیادہ کٹ گئی اور سر ایک طرف ڈھلک گیا۔

قعقاع نے بہمن جادویہ کو گھوڑے سے گرا دیا اور نیچے اتر کر اس کی خود، زرہ اور تلوار لے کر اس کے گھوڑے کی باگ پکڑ لی۔

قعقاع ابھی اپنے گھوڑے پر سوار نہیں ہوا تھا کہ اسے فارس کے لشکر کی طرف سے ایک گھوڑے کے سرپٹ ٹاپ سنائی دیئے۔

"ذرا ٹھہر عربی!"—— قعقاع نے یہ للکار بھی سنی —— "زندہ تو بھی نہیں جائے گا۔"

فارس کا نامور اور منجھا ہوا جرنیل ذوالحاجب بہمن جادویہ زمین پر پڑا تڑپ رہا تھا۔ تندرست و توانا آدمی تھا، ابھی مرا نہیں تھا۔ قعقاع نے اپنی طرف ایک فارسی سوار کو آتے دیکھا تو اس نے بہمن جادویہ کی جو اشیاء اٹھائی تھیں، وہ پھینک دیں اور نہایت پھرتی سے اپنے گھوڑے پر سوار ہو گیا۔

"خدا کی قسم ابنِ عمرو!"—— قعقاع کو اپنے لشکر کی طرف سے للکار سنائی دی —— "اسے میرے لیے چھوڑ دینا۔"

قعقاع نے اُدھر دیکھا۔ وہ ایک شہسوار اور نامور تیغ زن اعوان بن قطبہ تھا، اور وہ جو فارس کی طرف سے بہمن جادویہ کے خون کا انتقام لینے آیا تھا۔ وہ سیستان کا شہزادہ براز تھا۔ پیشتر اس کے کہ وہ قعقاع تک پہنچتا، اعوان بن قطبہ اس کے راستے میں آگیا۔

دونوں نے ایک دوسرے پر وار کیا اور تلواروں نے ٹکرا کر دونوں کے وار بیکار کر دیئے۔ قعقاع اپنے گھوڑے پر سوار ہو گیا تھا اور ذرا پرے جا کر اعوان بن قطبہ کی حوصلہ افزائی کر رہا تھا۔

انہوں نے ایک دوسرے پر کئی وار کیے۔ دونوں کے وار خالی جاتے رہے۔

"ہاتھ کاٹ ابنِ قطبہ!"—— قعقاع نے اعوان سے کہا۔

سیستان کا شہزادہ براز شاید قعقاع کی زبان نہ سمجھ سکا۔ اس نے گھوڑے کو موڑ کر اعوان نے گھوڑا بڑھایا۔ قریب آکر شہزادہ براز نے زوردار وار کیا۔ اعوان بن قطبہ نے اس کی تلوار

پر رو کنے کی بجائے اُس کے ہاتھ پر وار کیا جس ہاتھ میں تلوار تھی۔ تلوار براز کی کلائی پر پڑی اور اس سے براز کی ہڈی کٹ گئی۔ اُس کے ہاتھ سے تلوار گر پڑی اور وہ بھاگنے کے لیے گھوڑا موڑنے لگا۔ اعوان بن قطبہ نے اُسے بھاگنے نہ دیا اور دوسرے لمحے وہ بہمن جادویہ کی لاش سے ذرا ہی پرے زمین پر تڑپ رہا تھا۔

"اور کوئی عجمی ہے جو ان دونوں کے خون کا بدلہ لینے آئے گا؟" — قعقاع نے للکار کر کہا۔

"ہاں عربی!" — فارسیوں کی طرف سے ایک للکار اٹھی — "بدلہ لینے والا غیرت مند عجمی آرہا ہے۔"

مؤرخوں نے اس فارسی کا نام بزرجمہر ہمدانی لکھا ہے۔ وہ جرنیلی سے ذرا کم درجے کا افسر تھا۔ اُس نے بہادری میں شہرت پائی تھی۔

"ابن قطبہ!" — قعقاع نے اعوان بن قطبہ سے کہا — "تو پیچھے چلا جا۔ میری تلوار ابھی پیاسی ہے۔"

"یہ میرا شکار ہے ابنِ عمرو!" — مجاہدین کی طرف سے ایک للکار اٹھی — "میری طرف آ غیرت والے عجمی!"

یہ للکار حارث بن ظبیان کی تھی جسے قعقاع بن عمرو نے اپنا جانشین مقرر کیا تھا۔ وہ گھوڑا دوڑاتا آگے آیا۔ بزرجمہر ہمدانی نے اپنے گھوڑے کا رخ اُس کی طرف کر دیا۔ دونوں کے ہاتھوں میں تلواریں تھیں۔ دونوں گھوڑے ایک دوسرے کے قریب سے گزرے تو ہمدانی نے تلوار کا ایسا زوردار وار کیا کہ حارث کی تلوار اُس کے ہاتھ سے نکل کر ہوا میں اُڑتی نظر آئی۔ فارسی لشکر سے فلک شگاف شور اٹھا۔ فارسیوں نے پہلا عربی دیکھا تھا جو ذاتی مقابلے میں شکست کھاتا نظر آرہا تھا۔

حارث کو اب مرنا ہی تھا۔ وہ نہتہ ہو چکا تھا۔ قعقاع نے اُس کی طرف گھوڑا دوڑایا تاکہ اپنی تلوار اُسے دے دے لیکن ہمدانی اپنا گھوڑا آگے کر لیتا تھا۔

"الگ ہٹ جا ابنِ عمرو!" — حارث نے قعقاع سے کہا — "میں اسے خالی ہاتھ سنبھال لوں گا۔"

اور اُس نے اس فارسی سوار کو خالی ہاتھ سنبھال لیا۔ حارث کی یہ معجزہ نما بہادری تھی۔ ہمدانی گھوڑا اُس کے قریب لے جاکر اُس پر وار کرتا تھا تو حارث کچھ گھوڑے کو ایک طرف کر لیتا اور کچھ خود ایک طرف جھک جاتا۔ آخر اس نے گھوڑے سے ایسا پینترا بدلا کہ ہمدانی کے پیچھے آگیا۔ گھوڑا تیز دوڑایا اور پیچھے سے ایک بازو اُس کے گلے میں ڈال کر اپنی طرف کھینچا۔ اپنا گھوڑا اُس کے گھوڑے سے دور کر لیا۔

بزرجمہر ہمدانی اپنے گھوڑے کی پیٹھ سے گھسٹتا ہوا نیچے آگیا۔ اُس کی گردن حارث کے بازو ۔۔۔ شکنجے میں تھی۔ حارث نے گھوڑے کو ایڑ لگا کر سرپٹ دوڑا دیا۔ ہمدانی کے ہاتھ سے تلوار گر پڑی ۔۔۔ ث نے ہمدانی کو چھوڑ دیا اور گھوڑا موڑا۔ ہمدانی لڑھکنیاں کھا کر اٹھ رہا تھا کہ حارث کا سرپٹ ۔۔۔ گھوڑا اُس سے ٹکرایا۔ وہ لڑھکنیاں کھاتا دور جا پہنچا۔ اب وہ اُٹھ نہ سکا۔ حارث گھوڑے ۔۔۔ اُترا۔ ہمدانی کے سر سے خود اتاری اور ایک ہی وار سے سر تن سے کاٹ پھینکا۔

"رستم!" — حارث بن ظبیان للکارا — "اب تم آؤ۔"

فارسی لشکر پر سکوت طاری ہو گیا اور سکوت ہی طاری رہا۔ رستم اپنے تین قیمتی کمانڈر ضائع کر ۔۔۔ کا تھا جن میں بہمن جادویہ تو بہت ہی قیمتی تھا۔ رستم اتنا مشتعل ہو چکا تھا کہ اپنے زائچے اور اپنی تمام ۔۔۔ بینیاں بھول گیا۔

"فارس کی غیرت کے پاسبانو!" — رستم اپنے لشکر سے مخاطب ہوا — "میں عہد کر کے نکلا تھا کہ عرب کو تباہ کر دوں گا لیکن یہ تھوڑے سے عربی ہمارے راستے کی دیوار بن ۔۔۔ گئے ہیں۔ کیا تم غیرت سے دستبردار ہو گئے ہو؟ آج کے دن کو ان عربوں کی زندگی کا آخری دن ۔۔۔ اور کچھ دنوں بعد ہم مدینہ میں ہوں گے۔"

قعقاع بن عمرو، اعوان بن قطبہ اور حارث بن ظبیان اُن تینوں فارسیوں کے گھوڑے اور ۔۔۔ اشیا جنہیں انہوں نے قتل کیا تھا، لے کر پیچھے آگئے تھے۔ سعدؓ بن ابی وقاص کی اجازت ۔۔۔ مطابق یہ ان تینوں کا ذاتی مالِ غنیمت تھا۔

"نعرۂ تکبیر بلند کرو" — بالاخانے سے سعدؓ نے کہا۔

نیچے کھڑے ایک آدمی نے بڑی ہی بلند آواز سے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ پہلے نعرے ۔۔۔ طلب یہ تھا کہ تیار ہو جاؤ۔

پھر دوسرا نعرہ بلند ہوا جس کا مطلب یہ تھا کہ حملے کا حکم ملنے ہی والا ہے اور اس طرح ۔۔۔ ہو جاؤ کہ حکم ملے تو ایک لمحے کی بھی تاخیر نہ ہو۔

یہ مسلمانوں کا دستور تھا۔ اس دستور سے فارسی بھی واقف تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ اب تیسرا ۔۔۔ لگے گا اور مسلمان حملہ کر دیں گے۔ رستم نے تیسرے نعرے سے پہلے ہی اپنے قلب ۔۔۔ دستوں کو حملے کا حکم دے دیا۔ اُس نے مسلمانوں کے حملے سے پہلے ہی حملہ کر دینا بہتر ۔۔۔ تھا۔

دونوں طرف کے دشمنوں کا یہ تصادم بہت شدید تھا۔ مسلمانوں کی جنگی حکمتِ عملی میں یہ ہدایت

دائمی اور مستقل حیثیت رکھتی تھی کہ لڑائی کے دوران اگر دشمن پیچھے ہٹنے لگے تو اس کے پیچھے جانا بلکہ خود ذرا پیچھے ہٹتے رہو تاکہ دشمن آگے بڑھتا آتے اور اسے پہلوؤں کے دستوں کے گھیرے میں لیا جاسکے۔

سعدؓ بن ابی وقاص بالاخانے میں چارپائی پر پیٹ کے بل پڑے میدانِ جنگ کو دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے بنو اسد کے سردار طلیحہ بن خویلد کو پیغام لکھوا کر نیچے پھینکا جو قاصد نے فوراً طلیحہ تک پہنچا دیا۔ لکھا تھا:

"کل کی لڑائی نے سب سے زیادہ قربانی بنو اسد سے ہی لی تھی۔ آج بھی یہ سعادت لو۔ دشمن کا ایک پہلو تمہارے سامنے ہے اور تم اس کے قریب ہو۔ دوسرا پہلو قعقاع کے لیے چھوڑ دو۔"

طلیحہ بن خویلد نے پیغام ملتے ہی اپنے قبیلے کو للکار کر کہا — "اے بنو اسد! اللہ نے آج بھی دشمن کا سر کچلنے کے لیے تمہیں منتخب کیا ہے.... دیکھنا، کل کے شہیدوں سے بیوفائی نہ کرنا۔"

بنو اسد نے طلیحہ کی قیادت میں فارسی دستوں پر جو آگے لڑ رہے تھے، پہلو سے حملہ کر دیا۔ ادھر قعقاع نے اپنی ایک سکیم تیار کر رکھی تھی جس کے تحت اس نے ایک ہزار گھوڑسوار ایک طرف چھپاتے ہوئے تھے اور انہیں اس نے سو سو کے دس حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا اور ہر حصے کا کمانڈر بھی مقرر کر دیا تھا۔ اس نے دیکھا کہ فارسی فوج کے لڑنے والے دستوں کا ادھر والا پہلو غیر محفوظ ہو گیا ہے تو اس نے ایک سو سواروں سے حملہ کر دیا۔

دشمن کے لیے طلیحہ اور قعقاع کے حملے آفتِ ناگہانی تھے قعقاع نے تو فارسیوں کے ان دستوں کو گھیرے میں لے لیا تھا۔ تقریباً تمام مؤرخوں نے لکھا ہے کہ قعقاع نے جس تیزی اور جس قہر و غضب سے تلوار چلائی، اس نے دیکھنے والوں کو حیران کر دیا۔ بالاخانے میں لیٹے ہوئے سعدؓ کی زبان سے بیساختہ آفریں آفریں کے کلمے نکل رہے تھے۔

فارسیوں کے لیے یہ صورتِ حال پیدا ہو گئی کہ وہ جانیں بچانے اور بھاگنے کے لیے لڑنے لگے۔ وہ وار روکتے زیادہ اور وار کرتے کم تھے۔ یہ دفاعی جنگ د[illegible] اپنا ہی تھا اور یہ انداز فارسیوں کے لیے بڑا ہی خوفناک تھا۔ اس کے ایک سو سوار حملہ کر نہیں لڑتے تھے۔ وہ وار کرتے اور اِدھر اُدھر ہو جاتے تھے۔

آخر فارسیوں کے ان دستوں میں سے جو نکل سکے وہ نکل گئے۔ رستم کے پاس فوج کی کمی نہ تھی۔ اس نے تازہ دم دستے آگے بڑھاتے اور انہیں خوب جوش دلایا۔ انعامات کا لالچ بھی دیا۔ سعدؓ نے اپنے سالاروں کو لڑائی کا پلان پہلے ہی دے رکھا تھا، پھر بھی وہ میدانِ جنگ

[illegible] لمحہ بدلتی ہوئی صورتِ حال کے مطابق کسی نہ کسی سالار کے نام پیغام لکھوا کر نیچے پھینک [illegible] تھے اور اپنی معذوری پر پیچ و تاب کھا رہے تھے۔ معرکہ بڑا ہی خونریز تھا۔ گرد اتنی زیادہ اُٹھ رہی [illegible] کہ اپنے پرائے کی پہچان ختم ہو گئی تھی۔ بھاگتے دوڑتے گھوڑے زخمیوں اور لاشوں کو روند [illegible] رہے تھے۔

قعقاع نے اپنے حملوں کا انداز وہی رکھا کہ اس کے ایک سو سوار حملہ کر کے واپس جاتے تو [illegible] سو سواروں کا دوسرا جیش آ جاتا جو دشمن کے عقب یا پہلو پر حملہ کرتا اور خاصا نقصان کر کے دوسری [illegible] نکل جاتا۔

جب یہ معرکہ عروج کو پہنچ رہا تھا اس وقت محلِ قُدیس کے بالاخانے پر ایک تو سعدؓ بن ابی وقاص [illegible] جو شدید پریشانی اور اضطراب کی کیفیت میں بے حال ہوتے جا رہے تھے کہ وہ میدان میں اترنے کے قابل نہیں، وہاں ایک مجاہد اور تھا جو جنگ میں شریک ہونے کو تڑپ رہا تھا مگر وہ مجبور تھا۔ سعدؓ [illegible] ٹانگ کے درد نے معذور کر رکھا تھا اور دوسرا شخص بھی ٹانگوں سے ہی معذور تھا کیونکہ اس کے [illegible] میں بیڑیاں پڑی ہوئی تھیں۔ اُسے سعدؓ بن ابی وقاص کے حکم سے بیڑیاں ڈال کر اس قدیم محل [illegible] میں قید کر دیا گیا تھا۔

پہلے تفصیل سے بیان ہو چکا ہے کہ بعض قبیلوں کے مجاہدین نے سعدؓ بن ابی وقاص پر یہ [illegible] عائد کیا تھا کہ وہ جنگ سے بچنے کے لیے بیماری کا بہانہ بنا کر لیٹ گئے ہیں۔ مجاہدین [illegible] فہمی دُور کرنے کے لیے سعدؓ کو کندھوں پر اُٹھا کر لشکر کے سامنے لے جانا پڑا تھا تب [illegible] کو یقین آیا تھا۔ الزام عائد کرنے والوں نے ایسی صورتِ حال پیدا کر دی تھی کہ اس پر بروقت [illegible] نہ پا لیا جاتا تو مجاہدین میں بغاوت ہو جانے کا اندیشہ پیدا ہو گیا تھا۔ جب لشکر یہ دیکھ کر مطمئن ہو گیا [illegible] واقعی معذور ہیں تو اُن مجاہدین کو پکڑا گیا جنہوں نے سپہ سالار کے خلاف بے بنیاد [illegible] پیگنڈہ کیا اور لشکر میں بدامنی پھیلائی تھی۔ ان سب کو بیڑیاں ڈال کر اُس قدیم اور ویران محل میں قید کر [illegible] تھا تفصیلات پچھلے باب میں دیکھیں۔

ان میں ایک مشہور شاعر ابو محجن ثقفی بھی تھا۔ اُس نے ایک شعر کی صورت میں سعدؓ بن ابی وقاص پر طنز [illegible] "ہم لڑتے رہے حتیٰ کہ اللہ نے ہمارے لیے فتح ارزاں فرما دی لیکن سعدؓ بن ابی وقاص [illegible] کے دروازے کے ساتھ چپکے رہے۔ ہم جب میدانِ جنگ سے واپس ہوتے [illegible] بہت سی عورتیں بیوہ ہو چکی تھیں لیکن سعدؓ کی بیویاں بیوہ نہیں ہوئیں۔"

اس شاعر میں ایک خرابی یہ تھی کہ شراب پیتا تھا۔ ایک بار شراب نوشی کے جرم میں اُسے

سزا بھی ملی تھی۔ اب جنگِ قادسیہ سے پہلے ہی اُسے پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر محل میں قید کر دیا گیا تھا۔ وہ قلم کا ہی نہیں تلوار کا بھی دھنی تھا۔ اس نے شاعری میں شہرت تو پائی ہی تھی، وہ تیغ زنی اور میدانِ جنگ میں بے خوفی اور بے جگری سے لڑنے میں زیادہ مشہور ہوا تھا۔

یہ مجاہدین جنہیں پا بجولاں کر کے محل میں بند کر دیا گیا تھا، کسی مقفل کمرے میں قید نہیں کیے گئے تھے محل کے اندر وہ چل پھر سکتے تھے۔ باہر نکلنے کی اجازت نہیں تھی۔ وہ سب بالائی منزل کی کھڑکیوں میں سے اپنے ساتھیوں کو لڑتے دیکھتے رہتے تھے۔ مؤرخوں نے لکھا ہے کہ ابو محجن ثقفی لڑائی کا منظر دیکھ دیکھ کر تڑپتا تھا۔ تیغ زنی اُس کی روح کی غذا تھی۔ قعقاع بن عمرو کی شجاعت کے مظاہرے دیکھ دیکھ کر وہ اور زیادہ بیتاب اور پریشان ہو جاتا اور جب پاؤں میں بیڑیاں پڑی دیکھتا تو بے بسی سے رو پڑتا تھا۔

جنگ کے دوسرے دن اُس سے رہا نہ گیا اور وہ اُس بالاخانے میں چلا گیا جس میں سعدؓ بن ابی وقاص جنگ کا منظر دیکھ رہے تھے سلمیٰ اُن کے ساتھ تھی۔

"کیوں ابو محجن!" — سلمیٰ نے اُسے بالاخانے میں دیکھ کر پوچھا — "تمھارا یہاں آنے کا کیا مطلب نہیں۔۔۔۔ کیا بات تمہیں یہاں لے آئی ہے؟"

"میرے سامنے آ" — سعدؓ نے کہا — "تُو دیکھ رہا ہے میں اُٹھ نہیں سکتا۔ پیچھے بھی نہیں دیکھ سکتا"

"ایک آرزو لے کر آیا ہوں میرے سپہ سالار!" — ابو محجن نے کہا — "کون ہے جو تیرے سوا میری آرزو پوری کرے گا"

"کیا ہے تیری آرزو"

"میرا جرم معاف کر دے سعدؓ بن ابی وقاص!" — ابو محجن نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔ "پھر میری بیڑیاں کٹوا دے کہ میں اپنا وہ فرض ادا کروں جس کے لیے میں یہاں آیا تھا"

"اپنے جرم کی سنگینی دیکھ اے شرابی!" — سعدؓ نے اُسے ڈانٹ کر کہا — "کیا تو دیکھ نہیں رہا میرا دماغ کہاں اُلجھا ہوا ہے۔۔۔۔ سلمیٰ! اسے یہاں سے نکال دے اور نیچے تک کے ساتھ جا اور کہہ کے آ کہ اسے اوپر نہ آنے دیا جائے"

وہ اور کچھ بھی نہ بولا۔ مڑ کر چل پڑا۔ سلمیٰ اُس کے ساتھ نیچے تک گئی۔ اُس نے اُسے بتایا کہ سعدؓ کا دماغ جنگ میں ایسا اُلجھا ہوا ہے کہ انہیں کھانے پینے کا ہوش نہیں۔ اگر ان سے کوئی اور بات کی جائے تو انہیں غصہ آ جاتا ہے۔

"سلمیٰ!" — ابو محجن نے ملتجی لہجے میں کہا — "تُو ہی مجھ پر رحم کر۔ میری بیڑیاں کھلوا دے۔ سعدؓ کا گھوڑا بیکار کھڑا ہے۔ وہ مجھے دے دے۔ میرے ساتھی لڑ رہے ہیں کٹ رہے ہیں اور میں قید میں پڑا رہوں"

"نہیں ابو محجن نہیں" — سلمیٰ نے کہا — "میرے دل کی کوئی پوچھے تو میں تجھے میدانِ جنگ میں دیکھنا چاہتی ہوں۔ تجھ جیسے غضبناک تیغ زن کو بیڑیوں میں بندھا دیکھ کر مجھے بھی دکھ ہو رہا ہے لیکن یہ میرے اختیار میں نہیں کہ تیری بیڑیاں بھی کھول دوں اور تجھے سپہ سالار کا گھوڑا بھی دے دوں"

"میں وعدہ کرتا ہوں سلمیٰ!" — ابو محجن نے کہا — "مجھے باہر جانے دے۔ زندہ رہا تو شام کو واپس آ جاؤں گا اور خود ہی بیڑیاں پہن لوں گا"

سلمیٰ نے پھر بھی انکار کیا تو ابو محجن زمین پر بیٹھ گیا اور حسرت بھری نظروں سے اُن آہنی بیڑیوں کو دیکھنے لگا جنہوں نے اُس کی ٹانگوں کو جکڑ رکھا تھا۔ اُسے اس حالت میں دیکھ کر سلمیٰ بھی خوش نہیں تھی۔ وہ وہیں کھڑی ابو محجن کو غمزدگی کی حالت میں دیکھتی رہی۔ ابو محجن نے اوپر دیکھا۔ اُس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ وہ بہت بڑا شاعر تھا اور فی البدیہہ شعر کہنے میں مہارت رکھتا تھا۔ اپنی اُس وقت کی بے بسی پر اُس کی زبان پر کچھ اشعار آ گئے جو آج تک تاریخ میں عربی زبان میں محفوظ ہیں:

"کیا اس سے بڑا کوئی اور غم ہو سکتا ہے کہ سوار (میدانِ جنگ میں) نیزہ بازی کر رہے ہیں اور میں زنجیروں میں جکڑا ہوا ہوں۔۔۔۔

"اُٹھنا چاہتا ہوں تو زنجیریں نہیں اُٹھنے دیتیں اور دروازے اس طرح بند کر دیتے جاتے ہیں کہ پکارنے والا پکارتے پکارتے تھک جاتا ہے۔۔۔۔

"میرے پاس دولت بھی بہت ہے اور میرے بھائی بھی کچھ کم نہیں لیکن کیا دولت کیا بھائی، سب مجھے تنہا چھوڑ گئے ہیں۔ کسی کو میرا خیال نہیں۔۔۔۔

"میں نے اللہ کی بارگاہ میں عہد کیا ہے کہ میرے لیے شراب خانے کے دروازے کھول دیئے جائیں تو بھی اُدھر کا رُخ نہیں کروں گا"

عرب کے اس عظیم اور بہادر شاعر کے خلاف سب کو یہی ایک شکایت تھی کہ شراب نہیں چھوڑتا تھا۔ اسے سزا ملی تو بھی اُس نے شراب نہ چھوڑی۔ اب سلمیٰ کی موجودگی میں اُس نے اشعار کی زبان میں اپنے دل کی کیفیت بیساختہ بیان کی تو اُس نے یہ عہد بھی کیا کہ اُسے آزاد کر دیا گیا تو وہ شراب ترک کر دے گا۔ اس عہد کے علاوہ اُس نے اپنے جذبات کا اظہار جس انداز سے کیا، اُس نے سلمیٰ کے دل پر ایسا اثر کیا کہ دل پسیج گیا۔ ابو محجن کے آنسو بہہ رہے تھے۔

تاریخوں میں آیا ہے کہ سلمیٰ نے اُسے کہا — "میں نے استخارہ کر لیا ہے۔ میں تمہارے عہد اور وعدے سے مطمئن ہوں"

استخارہ کا مطلب یہ نہیں کہ سلمیٰ نے نمازِ استخارہ پڑھی تھی اور اُسے خدائی اشارہ ملا تھا۔

استخارہ کا مطلب یہ تھا کہ سلمیٰ نے لمحہ بھر کے مراقبے میں محسوس کر لیا تھا کہ ابو محجن جو کہہ رہا ہے اور اس نے جو عہد کیا ہے وہ اُس کے دل کی آواز ہے۔ وہ ضمیر اور روح کی پاکیزگی کا دور تھا۔ مسلمانوں کے ذہن بدی کے خیالوں سے پاک ہوتے تھے۔ انہیں کسی پیر اور کسی عامل کی ضرورت نہیں پڑتی تھی اللہ کے ساتھ اُن کا براہِ راست رابطہ ہوتا تھا۔

سلمیٰ عظیم خاتون تھی۔ اس نے ابو محجن کی نیّت اور جذبے کو سمجھتے ہوئے اپنے خاوند کے حکم کی خلاف ورزی کی اور نہ صرف یہ کہ ابو محجن کی بیڑیاں کٹوا دیں بلکہ اُسے سعدؓ بن ابی وقاص کا گھوڑا دیا جو محل کے اندر ہی بندھا ہوا تھا۔ اس گھوڑے کا نام بلقاء تھا۔ سلمیٰ نے اس شاعر کو تلوار بھی دی۔

ابو محجن ثقفی کود کر گھوڑے پر سوار ہوا اور محل کے کسی ایسے دروازے سے نکل گیا جدھر سے اُس پر سعدؓ کی نظر نہیں پڑ سکتی تھی۔

سلمیٰ اوپر سعدؓ کے پاس چلی گئی۔ سعدؓ اس قدر اعصابی کھچاؤ میں تھے کہ انہیں جیسے یاد ہی نہیں تھا کہ سلمیٰ نیچے کیوں گئی تھی۔ سعدؓ کی نظریں میدانِ جنگ پر لگی ہوئی تھیں اور اُن کی ذہنی اور روحانی قوتیں لڑائی پر مرکوز تھیں۔ دشمن نے اب پیادہ دستے آگے کر دیئے تھے۔ سعدؓ نے اس کے مطابق ہدایات لکھوا لکھوا کر نیچے پھینکنی شروع کر دیں۔

دشمن کے پیادوں کا جو پہلو سعدؓ کی طرف تھا، ادھر ایک عربی گھوڑ سوار آیا۔ اس نے میدانِ جنگ کے دستور کے مطابق سر اور چہرہ منڈاسے میں لپیٹ رکھا تھا۔ اُسے دیکھ کر دشمن کے چند ایک پیادوں نے گھیرے میں لے لیا۔ اُن کے پاس برچھیاں تھیں، تلواریں بھی تھیں۔ ایک سوار کو گرا لینا ان پیادوں کے لیے کوئی مشکل نہیں تھا لیکن اس سوار کی جب تلوار حرکت میں آئی تو کسی کی برچھی ٹوٹ کر دو ٹکڑے ہو گئی، کسی کا بازو برچھی کی طرح کٹ کر جسم سے الگ ہو گیا۔ کوئی گھوڑے تلے آ کر کچلا گیا۔

یہ عربی سوار جس طرح گھوڑے کو گھما پھرا کر پینترے بدلتا اور وار کرتا تھا، اس سے اس کی بہادری، حاضر دماغی اور حوصلے کی پختگی کا پتہ چلتا تھا۔ اس نے اُن تمام پیادوں کا صفایا کر دیا جنہوں نے اسے گھیرے میں لیا تھا اور پھر وہ پیادوں کا صفایا کرتا ہوا چلا گیا۔

عربی پیادوں نے دشمن کے پیادوں کو کاٹ یا بھگا دیا تو اس پہلو کی طرف دشمن کے سوار آئے۔ مسلمان سواروں نے جم کر مقابلہ کیا۔ یہ ایک خونریز مقابلہ تھا۔ سعدؓ بن ابی وقاص نے ایک بار پھر اُس سوار کو دیکھا۔ وہ دوسروں سے الگ تھلگ اپنی ہی لڑائی لڑ رہا تھا۔ ایسی گھمسان کی لڑائی میں اپنے پرائے کی پہچان ختم ہو جایا کرتی ہے لیکن یہ سوار الگ تھلگ نظر آ رہا تھا۔

"سلمیٰ!" ـــــ سعدؓ بن ابی وقاص نے کہا ـــــ "اپنے اس سوار کو دیکھ رہی ہو؟"

"میں اُسی کو دیکھ رہی ہوں" ـــــ سلمیٰ نے کہا ـــــ "جس قوم کے پاس ایسے سوار ہوں اُس قوم کو کون شکست دے سکتا ہے!"

"اگر ابو محجن قید میں نہ ہوتا تو میں کہتا کہ یہ سوار یقیناً ابو محجن ہے" ـــــ سعدؓ نے کہا ـــــ "میں نے اُسے کئی جنگوں میں لڑتے دیکھا ہے۔ وہ اسی قہر اور غضب سے لڑتا ہے۔"

سلمیٰ نے سعدؓ کو نہ بتایا کہ وہ ابو محجن ہی ہے۔

"آفرین!" ـــــ سعدؓ اسی سوار کو دیکھ رہے تھے۔ اُس کے ایک پینترے پر سعدؓ نے بیساختہ داد دی ـــــ "واہ.... آفرین.... خدا کی قسم، یہ انداز ابو محجن کا ہے.... اور اس کا گھوڑا دیکھو۔ بالکل میرے بلقاء جیسا ہے۔ دیکھو، سوار کے اشارے پر کتنی تیزی سے پینترا بدلتا ہے" ـــــ سعدؓ نے لمبی آہ بھری اور گلے شکوے کے لہجے میں بولے ـــــ "یا اللہ! تیری ذاتِ باری نے کس وقت مجھے معذور کر کے یہاں پھینک دیا.... سلمیٰ! میرے بلقاء کی دیکھ بھال ہو رہی ہے نا! میں یہاں پڑا ہوں، وہ نیچے قیدیوں کی طرح بندھا کھڑا ہے.... اُسے میدانِ جنگ میں ہونا چاہیئے تھا۔"

سلمیٰ نے سعدؓ کو نہ بتایا کہ بلقاء اس وقت میدانِ جنگ میں ہی ہے۔

جنگِ قادسیہ کی دوسرے دن کی لڑائی کی مزید تفصیلات بیان کرنے سے پہلے بہتر معلوم ہوتا ہے کہ ابو محجن کی در پردہ رہائی کا پورا واقعہ بیان کر لیا جائے۔ شام کو جب دونوں طرف کے لشکر پیچھے ہٹ گئے تو سعدؓ بن ابی وقاص نے لڑائی کے اسی نتیجے پر اللہ کا شکر ادا کیا کہ لڑائی ہار جیت کے بغیر ختم ہو گئی ہے۔ لڑائی کا نتیجہ مسلمانوں کے خلاف بھی ہو سکتا تھا۔ آتش پرستوں کے اگر بیس ہزار آدمی مارے گئے ہوتے تو بھی اُن کی تعداد ایک لاکھ تھی۔ ان کے پاس ہاتھی تھے اور گھوڑ سوار دستے زیادہ تھے۔ مسلمانوں کا جانی نقصان تین چار ہزار کے درمیان ہو چکا تھا۔ ان کی شکست کسی وقت بھی متوقع تھی۔ یہ تو ان مجاہدین کے جذبے کا اور قوتِ ایمانی کا کمال تھا کہ وہ جنگ کے دوسرے دن بھی دشمن کو دھکیلتے رہے تھے۔

شاید اس اطمینان کا اثر تھا کہ سعدؓ بن ابی وقاص نے درد میں افاقہ محسوس کیا۔ وہ اُٹھ کھڑے ہوئے اور سلمیٰ سے کہنے لگے کہ چند قدم چلنا چاہتا ہوں۔ وہ اُس طرف چل پڑے جس طرف اس کمرے کا ایک دروازہ اور کھڑکی تھی۔ یہ کھڑکی محل کے کشادہ صحن کی طرف کھلتی تھی۔ سلمیٰ ان کے ساتھ ہو لی [illegible]۔

"میں اپنے بلقاء کو دیکھنا چاہتا ہوں" ـــــ سعدؓ نے کہا ـــــ "اس کھڑکی سے نظر آتا ہو گا!"

سلمیٰ کو معلوم تھا کہ اُس کے خاوند کا گھوڑا کھڑکی سے نیچے دیکھو تو نظر آتا ہے لیکن گھوڑا وہاں

ہوتا تو نظر آتا۔ اُسے تو ابومحجن ثقفی لے گیا تھا۔ سلمیٰ سعدؓ سے یہ بھی نہیں کہہ سکتی تھی کہ وہ اس کھڑکی کی طرف نہ جائیں۔ سعدؓ سلمیٰ کے کندھوں پر اپنا ایک بازو رکھے اُس کے سہارے ایک ایک قدم بڑی مشکل سے اٹھاتے چلے جا رہے تھے۔ کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔

سورج ابھی ابھی غروب ہوا تھا اس لیے ابھی دن کی روشنی کچھ باقی تھی اور مشعلیں بھی جلا کر جگہ جگہ رکھ دی گئی تھیں۔ سعدؓ کا گھوڑا بلقاء کھڑکی سے دور نہیں بلکہ کھڑکی کے بالکل نیچے باندھا جاتا تھا۔ سعدؓ کھڑکی تک پہنچ گئے۔ یہ دیکھ کر سلمیٰ کی جان میں جان آگئی کہ سعدؓ کا گھوڑا اپنی جگہ پر بندھا ہوا چارہ کھا رہا تھا لیکن راز پھر بھی چھپا نہیں رہ سکتا تھا۔ ایک اس لیے کہ گھوڑا پسینے سے شرابور تھا۔ اس کی پیٹھ سے زین اتاری جا چکی تھی۔ دوسرے یہ کہ ابومحجن قریب ہی بیٹھا اپنے پاؤں میں بیڑیاں ڈال رہا تھا۔

"بلقاء کو اتنا پسینہ کیوں آ رہا ہے سلمیٰ؟" — سعدؓ نے پوچھا — "یہ بیمار تو نہیں؟.... اس پر گرد جمی ہوئی ہے۔ گرد وہاں نہیں جہاں زین ہوتی ہے۔ یہ تو لگتا ہے جیسے میرا گھوڑا کوئی باہر لے گیا تھا.... سائیس کو بلاؤ سلمیٰ!.... اور یہ ابومحجن کیا کر رہا ہے؟ اپنے پاؤں سے بیڑیاں اتار رہا ہے؟"

"نہیں ابن ابی وقاص!" — سلمیٰ نے جرأت اور خود اعتمادی سے کہا — "ابومحجن بیڑیاں اتار نہیں رہا، اُتری ہوئی بیڑیاں پاؤں میں ڈال رہا ہے.... اور آپ کے گھوڑے کو کسی بیماری کی وجہ سے پسینہ نہیں آ رہا بلکہ یہ آج سارا دن لڑ کر آیا ہے۔"

"کیا کہہ رہی ہو سلمیٰ!"

"اور وہ ابومحجن ہی لڑ رہا تھا جسے دیکھ کر آپ نے کہا تھا کہ ابومحجن کی طرح لڑتا ہے" — سلمیٰ نے کہا — "اور وہ آپ کا گھوڑا بلقاء ہی تھا جس پر ابومحجن سوار تھا اور آپ نے کہا تھا کہ یہ گھوڑا میرے بلقاء جیسا ہے۔"

سعدؓ کو سلمیٰ سہارا دے کر پلنگ تک لے گئی اور انہیں لٹا کر پوری بات سنا دی۔ ابومحجن کے اشعار بھی سنائے اور یہ بھی سنایا کہ وہ کس طرح رویا تھا اور اُس نے دو وعدے کیے تھے۔ ایک یہ کہ وہ میدانِ جنگ سے زندہ نکل آیا تو واپس آ کر بیڑیاں پہن لے گا اور رات قید میں گزارے گا۔ اس نے دوسرا وعدہ یہ کیا ہے کہ وہ شراب سے توبہ کر لے گا۔

"آپ نے دیکھ لیا ہے کہ واپس آ کر وہ اپنے پاؤں میں بیڑیاں ڈال رہا ہے" — سلمیٰ نے کہا — "میں نے آپ کے حکم کی خلاف ورزی کی ہے لیکن ایک شخص جہاد اور شوقِ شہادت کے لیے اتنا بیتاب ہو کہ رو رو کر رہائی کی التجا کرے تو میں نے اللہ سے رہنمائی مانگی اور ابومحجن کو آزاد کر کے آپ کا گھوڑا اسے دے دیا۔ آپ نے اسے لڑتے دیکھا ہے۔"

"اسے اُوپر بلاؤ" — سعدؓ نے کہا۔

سلمیٰ نے اُسے کھڑکی میں سے آواز دے کر اوپر بلایا۔ پاؤں میں بیڑیاں ہوں تو سیڑھیاں

مشکل سے چڑھی جاتی ہیں۔ ابومحجن صبح بھی یہ سیڑھیاں چڑھا تھا، اب پھر چڑھ آیا۔

"بیڑیاں اتار دو ابومحجن!" — سعدؓ بن ابی وقاص نے کہا — "خدا کی قسم، جو اسلام پر یوں نثار ہو، میں اسے سزا نہیں دے سکتا.... جاؤ، تم آزاد ہو۔ صبح تمہیں اپنا گھوڑا مل جائے گا۔"

"خدا کی قسم میرے سپہ سالار!" — ابومحجن نے کہا — "تو نے مجھے آزاد کیا اور میں نے آج سے شراب چھوڑ دی۔"

یہ مکالمہ قاضی ابویوسف نے اپنی کتاب "کتاب الخراج" میں لکھا ہے اور یہ بھی کہ ابومحجن نے باقی عمر شراب نہیں پی۔

ابومحجن کی قید اور رہائی کے متعلق ایک روایت اور بھی ہے جو صحیح تو معلوم نہیں ہوتی لیکن تاریخ کا ریکارڈ درست رکھنے کے لیے اس روایت کا حوالہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔

بلاذری لکھتا ہے کہ سعدؓ بن ابی وقاص کے ساتھ سلمیٰ نہیں اُن کی والدہ زہرا تھیں۔ ابن کثیر نے بھی سلمیٰ کا ذکر نہیں کیا۔ البتہ طبری نے لکھا ہے کہ سعدؓ کے ساتھ سلمیٰ تھی۔ پھر یہ واقعہ اس طرح بیان کیا ہے کہ سلمیٰ نے ابومحجن سے پوچھا تھا کہ اُسے کیوں قید کیا گیا۔

"مجھے کسی حرام چیز کے کھانے پینے کے جرم میں قید نہیں کیا گیا۔ میں زمانہ جاہلیت میں شراب پیا کرتا تھا۔ میں چونکہ شاعر ہوں اس لیے دل میں جو بات آتی ہے وہ برملا کہہ دیتا ہوں۔ مجھے میرے اشعار پر قید کیا گیا ہے۔"

اس روایت کے مطابق، ابومحجن نے سعدؓ بن ابی وقاص کے سامنے جو شعر کہے تھے، وہ یہ تھے:

"میں مر جاؤں تو مجھے پہلوئے تاک میں دفن کرنا تاکہ میری ہڈیاں اس کا رس چوستی رہیں....

"مجھے خشک زمین میں دفن نہ کرنا کہ میں ڈرتا ہوں میں اس کا مزہ نہ چکھ سکوں گا۔"

پھر اس روایت میں یہ کہا گیا ہے کہ جنگ کے دوسرے دن سعدؓ سے اُن کی والدہ نے ابومحجن کی سفارش کی۔ سعدؓ نے ابومحجن سے کہا کہ جو کچھ تم نے کہا ہے، جب اس پر عمل نہ کرو گے، میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گا۔

"خدا کی قسم!" — ابومحجن نے کہا — "ایسی بیہودہ بات آئندہ میری زبان پر نہیں آئے گی۔"

محمد حسین ہیکل اور علامہ شبلی نعمانی نے مستند حوالے دے کر لکھا ہے کہ مثنیٰ بن حارثہ کی شہادت کے بعد سعدؓ بن ابی وقاص نے مثنیٰ کی بیوہ سلمیٰ کے ساتھ محاذ پر ہی شادی کر لی تھی اور سلمیٰ ہی سعدؓ کے ساتھ تھی۔ سلمیٰ کا وہ مشہور واقعہ تمام مؤرخوں نے لکھا ہے کہ قادسیہ کی جنگ کے دوران سلمیٰ نے کہا — "افسوس، آج مثنیٰ نہ ہوئے" — اور سعدؓ نے اس کے منہ پر تھپڑ مارا تھا۔ یہ واقعہ پچھلے باب میں تفصیل سے بیان ہو چکا ہے۔

بہر حال یہ روایت صحیح نہیں کہ سعدؓ بن ابی وقاص کے ساتھ ان کی والدہ تھیں۔ صحیح یہ ہے کہ ان کے ساتھ سلمیٰ تھی، اور یہ بھی صحیح ہے کہ سعدؓ کے حکم کے خلاف ابومحجن کو رہا کرنے اور اسے سعدؓ کا ہی گھوڑا دینے کی جرأت سلمیٰ ہی کر سکتی تھی۔ اس کے علاوہ ابومحجن کے وہ تمام اشعار تاریخ میں موجود ہیں جنہوں نے سلمیٰ کو متاثر کیا تھا۔

اب ہم واپس میدانِ جنگ میں جائیں گے چونکہ ہاتھی نہیں تھے اس لیے مسلمان اطمینان سے لڑ رہے تھے۔ مؤرخ ولیم سکاٹ نے لکھا ہے کہ اس روز رستم کی یہ حالت تھی کہ باؤلا ہوا جا رہا تھا۔ اُس نے اس توقع پر ایک لاکھ بیس ہزار کا لشکر اکٹھا کر لیا تھا کہ سپاہیوں میں جذبہ نہ ہوا تو وہ نفری کی افراط سے ہی مسلمانوں پر غالب آ جائے گا اور انہیں کچل کر رکھ دے گا لیکن وہ سوار دستوں کو آگے کرتا یا پیادوں کو، وہ مسلمانوں کے ہاتھوں پٹ جاتے اور پیچھے ہٹنے کی کوشش کرتے تھے۔ رستم کی دھمکیاں بھی کوئی اثر نہیں دکھا رہی تھیں اور اُس کے انعام واکرام کے لالچ بھی کوئی رنگ نہیں دکھا رہے تھے۔

جنگی امور کے مبصر اور وقائع نگار فارسیوں کی بزدلی اور مسلمانوں کی کامیابی کا سہرا قعقاع بن عمرو تمیمی کے سر باندھتے ہیں۔ اُس نے ایک ایک سو سواروں سے فارسیوں کے پہلوؤں اور عقب پر حملے کروائے تھے، اُنہوں نے فارسیوں کی جمعیت اور ترتیب بکھیر دی تھی اور اُن کی توجہ تقسیم کیے رکھی تھی۔

قعقاع کی اپنی بہادری اور تیغ زنی کا یہ عالم تھا کہ مؤرخوں نے لکھا ہے کہ اکیلے قعقاع نے تیس فارسیوں کو قتل کیا تھا۔

ابن خلکان نے تین مؤرخوں کے حوالے سے لکھا ہے کہ ایک مجاہد نے بے خوفی اور جذبے کی شدت کا حیرت انگیز مظاہرہ کیا۔ وہ فارسیوں کی اُن صفوں میں جا گھسا جہاں رستم تھا۔ مجاہد نے رستم کو قتل کرنے کے لیے تلوار کو حرکت دی ہی تھی کہ پیچھے سے ایک فارسی نے اُس کی پیٹھ میں برچھی دی پھر فارسیوں نے تلواروں اور برچھیوں سے اُس کے جسم کا قیمہ بنا دیا۔

مجاہدین اس حد تک فارسیوں پر غالب آ گئے تھے کہ اُنہیں توقع تھی کہ فارسیوں کے پورے لشکر کو اکھاڑ دیں گے لیکن شام ہو گئی اور دونوں طرف کے دستے پیچھے ہٹ گئے۔

یہ جنگ کا دوسرا دن تھا۔ اسے یوم اغواث کہا گیا ہے۔

دو مؤرخوں نے لکھا ہے اس دن کی لڑائی رات گئے تک جاری رہی اور آدھی رات کو ختم ہوئی۔ یہ صحیح نہیں۔ سورج غروب ہونے کے بعد اپنے پرائے کی پہچان ختم ہو جاتی ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ اُس رات چاند نہیں تھا۔ "یوم اغواث" کے بعد کی رات کو "لیلۃ السواد" کہا گیا ہے جس کے

معنی ہیں تاریک رات۔

اُس رات لڑائی نہیں ہوئی تھی، البتہ مسلمانوں کے کیمپ میں ایک ہنگامہ بپا تھا جو آدھی رات کے بعد تک جاری رہا۔ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ سعدؓ بن ابی وقاص نے اُس شام اللہ کا شکر ادا کیا تھا کہ آج کی لڑائی ہار جیت کے بغیر ختم ہو گئی ہے اور دشمن پر مجاہدین کا غلبہ رہا ہے۔ اسی مسرت اور اطمینان کا اثر تھا کہ سعدؓ نے ابومحجن ثقفی کو معاف کر دیا تھا اور سلمیٰ کی اس جسارت کو بھی نظرانداز کر دیا تھا کہ اُس نے اُن کے حکم کی خلاف ورزی کی تھی۔

مسرت اور اطمینان کی یہی لہر مجاہدین میں بھی چلی گئی تھی۔ بعض تاریخ نویسوں نے اس کی تفصیلات بھی لکھی ہیں۔ مجاہدین اپنے اپنے قبیلے کی تعریفیں بلند آواز سے کر رہے تھے۔ شاعر شعروں کی زبان میں ہر قبیلے کی بہادری اور جوشِ جہاد کو بڑھا چڑھا کر بیان کر رہے تھے۔

"تعریف کرو بنو ربیعہ اور بنو مضر کی ماؤں کی جنہوں نے یہ پانچ ہزار بیٹے پیدا کیے ہیں" — قعقاع نے بڑی بلند آواز سے کہا۔

"اور گیت گاؤ اُن ایک ہزار سواروں کے جنہیں حجاز کی سرزمین نے جنم دیا ہے" — ایک مجاہد نے کہا — "جو زمین سے اُبھرتے تھے اور دشمن کو خون میں نہلا کر زمین میں گم ہو جاتے تھے۔"

"ابنِ عمروؓ!" — کسی مجاہد نے کہا — "تو اپنے قبیلے کی بات کیوں نہیں کرتا؟ بنو تمیم کی بات کر جس نے تجھ جیسا چیتا پیدا کیا ہے۔"

یہ اُن چھ ہزار سواروں کی بات ہو رہی تھی جو شام کے محاذ سے سعدؓ بن ابی وقاص کے لیے کمک کے طور پر سالار ہاشم بن عتبہ کے زیرِ کمان آئے تھے۔ ان میں پانچ ہزار سوار دو قبیلوں — بنو ربیعہ اور بنو مضر — کے تھے اور قعقاع نے جو ایک ہزار سوار اپنے لیے منتخب کیے تھے، سب حجازی تھے۔ قعقاع خود بنو تمیم کے سپوت تھے۔

اُس رات کی خوشیوں کے ہنگامے کے متعلق "الاخبار الطوال" میں لکھا ہے کہ مجاہدین کے شور و غوغا نے سعدؓ بن ابی وقاص کو سونے نہ دیا۔ مجاہدین جو باتیں کر رہے تھے وہ سعدؓ بن ابی وقاص تک پہنچ رہی تھیں اور وہ جان گئے تھے کہ مجاہدین اپنے اپنے قبیلے کی بہادری کی باتیں کر رہے ہیں۔ سعدؓ کے پاس دو سالار بیٹھے ہوئے تھے۔ سعدؓ نے ان سالاروں سے ایک بات کہی جو لفظ بہ لفظ تاریخ میں محفوظ ہے۔

"خیال رکھنا!" — سعدؓ نے کہا — "اگر یہ لوگ اپنے اپنے قبیلے کی تعریفیں ہی کرتے رہیں تو کرنے دو۔ مجھے نہ جگانا۔ آخر یہ دشمن پر غالب رہے ہیں۔ اگر خاموش ہو جائیں تو اچھا ہے۔ کچھ لوگ خاموش نہ ہوں تو بھی کوئی حرج نہیں لیکن تم دیکھو کہ ان کا انداز

بدل رہا ہے اور اپنی تعریفوں میں زیادہ بڑھ رہے ہیں اور دوسروں پر مفاخرت کا پہلو غالب آتا جا رہا ہے تو مجھے جگا دینا کیونکہ یہ انداز خطرناک ہے۔"

سعدؓ بن ابی وقاص کی اس ہدایت میں اتحاد او قومیت کا وہ عظیم اسلامی فلسفہ تھا جس نے قبیلوں میں بٹے ہوئے عربوں کو ایک قوم بنا دیا تھا اور پھر یہ سبق ذہن نشین کرایا تھا کہ کسی قبیلے کو اور کسی فرد کو کسی بھی قبیلے پر اور فرد پر کسی بھی لحاظ سے فوقیت اور برتری حاصل نہیں۔ سعدؓ نے خطرہ محسوس کیا تھا کہ مجاہدین اپنے اپنے قبیلے کی تعریفوں میں ایسی مبالغہ آمیزی نہ کرنے لگیں جس سے دوسروں کی کمتری کا پہلو نکلتا ہو۔

تاریخ شاہد ہے کہ مسلمانوں کا زوال اُس وقت شروع ہوا جب ایک قبیلہ یا ایک گروہ طاقت اور دولت کے بل بوتے پر اپنے آپ کو برتر اور دوسروں کو کمتر سمجھ کر اُن کا حکمران بن بیٹھا تھا۔

مجاہدین خوش گپیوں میں لگے ہوئے تھے جب قعقاع بن عمرو تمیمی ان میں سے اٹھ گیا۔ یہ شخص دن بھر کی لڑائی کا تھکا ہوا تھا لیکن قوّتِ ایمانی اور قوّتِ ارادی کا یہ عالم کہ وہ تر و تازہ لگتا تھا۔ اُس نے اپنے ایک ہزار سواروں کو ساتھ لیا اور دُور کا چکر کاٹ کر ایک ایسے گھنے جنگل میں جا رہا تھا جہاں کھنڈرات تھے۔ اس علاقے میں سے کسی کا گزر نہیں ہوتا تھا۔

وہاں جا کر قعقاع نے اپنے سواروں سے کہا کہ وہ گھوڑوں کی زینیں اتار دیں اور آرام کر لیں۔ اب ان کی تعداد ایک ہزار نہیں تھی۔ ایک سو سے کچھ زیادہ شہید اور زخمی ہو گئے تھے۔ انہیں قعقاع نے دس حصوں میں تقسیم کیا۔ ان کے کمانڈر مقرر کیے اور انہیں بتایا کہ اگلے دن کی لڑائی میں وہ کیا کریں گے۔

اسی جنگل کے ایک اور حصے میں سعدؓ بن ابی وقاص کا بھتیجا ہاشم بن عتبہ اپنے ان پانچ ہزار سواروں کو جنہیں وہ شام سے اپنے ساتھ لایا تھا، ہدایات دے رہا تھا۔ ان سواروں کو باقی لشکر سے الگ تھلگ اور چھپا کر رکھنا تھا۔ ان کی تعداد اب پورے پانچ ہزار نہیں تھی۔ اُس دن کی لڑائی میں کچھ تعداد شہید اور زخمی ہو گئی تھی۔

جنگل میں سواروں کو چھپانا ایک دھوکہ تھا جو اگلے روز کی لڑائی میں فارسیوں کو دینا تھا۔ یہ دھوکہ قعقاع کے دماغ کی اختراع تھی۔ سعدؓ بن ابی وقاص نے اس کی منظوری دے دی تھی۔

مؤرخوں نے مسلمان عورتوں کو خصوصی خراجِ تحسین پیش کیا ہے اور ان کا ذکر خاص طور پر کیا ہے۔

اِدھر کیمپ میں رات کو مجاہدین خوشیاں منا رہے تھے اور قعقاع اور ہاشم بن عتبہ اپنے سواروں کو ساتھ لے کر جنگل میں چلے گئے تھے، اُدھر عورتیں میدانِ جنگ میں مشعلیں اٹھائے زخمی مجاہدین

پلا رہی تھیں، انہیں اٹھا رہی تھیں اور جو چل نہیں سکتے تھے انہیں سہارا دے کر پیچھے لا رہی تھیں ... مرہم پٹی کا انتظام تھا۔

عورتوں کے جذبے اور جذبات کے اس قسم کے مظاہرے دیکھنے میں آئے کہ جواں سال ... عورت جو کسی مجاہد کی بیوی ہے، ایک جواں سال مجاہد کو زخمی حالت میں پڑا دیکھتی ہے تو اُسے یہ خیال ... آتا کہ اُس کا اپنا خاوند کہیں زخمی پڑا ہو گا یا ہو سکتا ہے وہ بیوہ ہی ہو چکی ہو۔ وہ اُس مجاہد کو جو ... کے سامنے پڑا کراہ رہا ہے، پانی پلانے بیٹھ جاتی ہے پھر اُسے اپنے بازوؤں میں لے کر اُس ... اپنے جسم سے سہارا دے کر اُسے پیچھے لاتی ہے۔ نہ اس عورت کو احساس ہے کہ یہ ایک مرد ... جوان جسم ہے نہ مرد کو خیال ہے کہ یہ ایک جوان عورت ہے۔ جذبات دونوں کے مشترک ہیں اور ... دونوں کے ایک نقطے پر مرکوز ہیں ـــــ اور یہ نقطہ ہے اللہ ـــــ دونوں اللہ کی راہ میں محوِ جہاد ... دونوں کے دلوں پر حق کا غلبہ ہے اور دونوں باطل پر غالب آنے کے لیے وطن سے بے وطن ... ہیں۔ کارزارِ حق و باطل میں مردِ مجاہد کا خون بہتا ہے تو مجاہدہ اُس کے زخم پر ہاتھ رکھ کر خون ... لیتی ہے کہ مجاہد اگلا معرکہ لڑنے کے لیے زندہ رہے۔

یہی وہ راز تھا کہ چالیس ہزار سوا لاکھ پر کیونکر غالب آ رہے تھے۔

کوئی ماں ایک ہاتھ میں پانی کی چھاگل اور دوسرے ہاتھ میں مشعل لیے اپنے دو بیٹوں کی تلاش ... لیتی ہے تو اُس کے کانوں سے کراہتی ہوئی نحیف سی آواز ٹکراتی ہے ـــــ "ماں! ـــــ ماں ... قدم رک جاتے ہیں۔ وہاں تو لاشوں پر لاشیں پڑی ہیں۔ کسی مرے ہوئے گھوڑے کے نیچے ... سوار دبا پڑا ہے۔ جمے ہوئے خون سے پاؤں پھسلتے ہیں۔ ماں کو پھر آواز سنائی دیتی ہے ـــــ ... ماں مشعل کی روشنی میں اُسے دیکھ لیتی ہے لیکن یہ اُس کا بیٹا نہیں، پھر بھی ماں دوڑ کر ... ہے اور اُسے پانی پلاتی ہے اور اپنے بیٹوں کو نظرانداز کر کے اسے اُٹھاتی ہے اور مرہم پٹی ... پہنچا دیتی ہے۔

... کوئی ماں تھی تو وہ سب کی ماں تھی۔ کوئی بہن تھی تو وہ سب کی بہن تھی۔ زخمیوں کو اٹھانے اور ... ہی کیا کرتی تھیں اور جنگِ قادسیہ کے دوران عورتوں کا یہی کام کرنا کوئی نئی ... تھی لیکن مؤرخوں نے اس جنگ کے دوسرے دن کے بعد زخمیوں کو اُٹھانے اور پیچھے ... کا خصوصی طور پر ذکر کیا ہے۔ عورتوں نے نہ صرف یہ کہ زخمیوں کو اٹھایا اور ان کی دیکھ بھال ... حوصلہ بڑھانے کے لیے بڑی پُراثر باتیں کیں اور دلجوئی بھی کی۔

... یورپی وقائع نگار سائرے گیلی نے عرب کے تین مؤرخوں کے حوالے سے لکھا ہے کہ ... جب رات کو مشعلیں اور پانی کی چھاگلیں اٹھائے زخمیوں کو ڈھونڈتی، اٹھاتی، پانی پلاتی

اور پیچھے لاتی پھر رہی تھیں، اُس وقت وہ ایک جنگی ترانہ گا رہی تھیں جس کی گونج میں روح کو سکون دینے والا تاثر تھا۔

"بہن موجود ہو تو بھائی زخموں کی پرواہ نہیں کیا کرتے"۔۔۔ کسی کی بیوی کسی کے زخمی خاوند کو پانی پلاتے کہہ رہی تھی۔

"اللہ نے تمہارا خون قبول کر لیا ہے۔"

"تم نے تو ہاتھیوں کو بھگا دیا ہے۔"

"اُٹھو اور دشمن کی لاشوں کے ڈھیر دیکھو..... یہ لو، پانی پیو، آؤ پیچھے چلیں۔"

"ہم تمہارے اس احسان کا بدلہ کس طرح چکائیں گی۔ تم تو ہماری آبرو پر لہولہان ہو گئے ہو۔"

اور ایسے بیشمار الفاظ تھے جو عورتیں پھولوں کی طرح زخمیوں پر نچھاور کر رہی تھیں۔

اُدھر فارسیوں کے کیمپ میں رستم اپنے جرنیلوں اور اُن سے چھوٹے کمانڈروں پر برس رہا تھا۔ وہ پہلے روز ہی مسلمانوں کا خاتمہ کر کے عرب کی سرحد میں داخل ہونے کا عہد کر کے آیا تھا مگر مسلمانوں نے اُس کے لشکر کو دو دنوں میں پورا ایک لاکھ بھی نہیں رہنے دیا تھا۔ وہ غصے سے پاگل ہو جا رہا تھا۔

وہ معلوم نہیں کیا کر گزرتا کہ اُسے اطلاع دی گئی کہ مدائن سے فوج آ رہی ہے۔ رستم دوڑتا ہُوا خیمے سے نکلا اور دیکھا۔ مدائن سے یزدگرد نے کمک بھیجی تھی۔ یزدگرد کو میدانِ جنگ کی خبریں پہنچ رہی تھیں۔ مدائن وہاں سے گھوڑ سوار کے لیے بمشکل ایک دن کی مسافت تھی۔ جو کمک آئی یہ یزدگرد کا ذاتی دستہ تھا جس میں منتخب سوار تھے۔ ایک سے بڑھ کر ایک تیغ زن اور برچھی باز۔ اس دستے کی تعداد دو ہزار سے کچھ زیادہ تھی اور یہ پورے کا پورا زرہ پوش تھا۔

اس زرہ پوش دستے کے سالار نے رستم کو یزدگرد کا پیغام دیا:

"اے رستم! تمہیں بڑی مشکل سے جنگ پر آمادہ کیا تھا۔ تمہیں اتنا بڑا لشکر دیا تھا جو فارس نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ تم نے عہد کیا تھا کہ تم عرب کو تباہ و برباد کر دو گے لیکن مجھے اطلاعیں مل رہی ہیں کہ تمہارا اپنا لشکر تباہ و برباد ہو رہا ہے۔ میرے پاس یہی ایک دستہ ہے۔ اسے بھی بھیج رہا ہوں..... کیا ہو گیا ہے تمہیں؟ سارے فارس کی نظریں تم پر لگی ہوئی ہیں۔ عبادت گاہوں میں تمہاری فتح کی دعائیں ہو رہی ہیں۔ سوچ لو کہ قادسیہ سے تمہارے اتنے بڑے لشکر کے قدم اُکھڑ گئے تو آگے مدائن ... مدائن کی دیوار سے باہر ہی رکھیں گے۔ مدائن گیا تو سب کچھ

.....کیا تم بتلا سکتے ہو کہ مسلمانوں میں وہ کون سی طاقت ہے جو تمہارے پاس نہیں؟"

یزدگرد کو معلوم نہیں تھا نہ رستم کو احساس تھا کہ مغیرہؓ بن شعبہ آخری ایلچی تھے جو رستم کے بلاوے پر گئے تھے۔ رستم اس کوشش میں تھا کہ مسلمان کسی لالچ میں آ کر واپس چلے جائیں اور لڑائی تک نوبت نہ آئے لیکن مسلمانوں کی طرف سے اُسے یہی جواب ملتا تھا کہ اسلام قبول کر دیا جزیہ دو۔ اگر نہیں تو فیصلہ تلوار کرے گی۔ آخر مغیرہؓ نے جا کر رستم کو ایسا مشتعل کر دیا کہ وہ لڑنے پر آ گیا تھا۔ اس وقت اُس نے کہا تھا ۔۔۔ "میں کل سارے عرب کو تباہ کر دوں گا۔"

"اگر اللہ نے چاہا تو"۔۔۔ مغیرہؓ نے کہا تھا۔

"اگر اللہ نے نہ چاہا تو بھی"۔۔۔ رستم نے کہا تھا۔

اب یزدگرد کو کون بتاتا کہ مسلمان اسی اللہ کی وحدت کا پیغام لے کر آتے ہیں اور یہی ان کی طاقت ہے اور رستم کہہ رہا ہے کہ اللہ نے نہ چاہا تو بھی وہ سارے عرب کو تباہ کر دے گا۔ وہ اللہ کو چیلنج کر رہا تھا۔

اسی فارس کے کسریٰ نے اللہ کی وحدت کا پیغام جو اُسے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا تھا، پھاڑ کر اس کے ٹکڑے پھونک سے اُڑا دیئے تھے۔ اس توہین آمیز جسارت کی لعنت بھی فارس کی فضا میں منڈلا رہی تھی۔

رات بھر دونوں طرف سے زخمی اٹھائے جاتے رہے۔ مسلمان اپنے ساتھیوں کی لاشوں کو احترام سے اٹھاتے اور پیچھے لاتے تھے۔ فارسی اپنے زخمیوں اور لاشوں کو بیکار چیزوں کی طرح گھسیٹ گھسیٹ کر لے گئے تھے۔

اُس روز کی لڑائی میں دس ہزار سے کچھ زیادہ فارسی ہلاک ہوئے اور دو ہزار مجاہدین شہید ہوئے تھے۔

فجر کی نماز کے بعد شہیدوں کا جنازہ پڑھا گیا۔ نمازِ جنازہ قائمقام سپہ سالار خالد بن عرطفہ نے پڑھائی۔ قبریں مجاہدین اور عورتوں نے مل کر کھودی تھیں۔ شہیدوں کو دفن کیا جا رہا تھا جب مدینہ سے ایک قافلہ آ گیا۔ یہ قافلہ امیرالمومنین حضرت عمرؓ کا پیغام لایا تھا۔ ان کے حکم کے مطابق تقریباً ہر روز سعدؓ بن ابی وقاص محاذ کی صورتِ حال لکھوا کر مدینہ بھیجتے تھے اور حضرت عمرؓ اس کے جواب میں ہدایات بھیجتے تھے۔ ہدایات کا بروقت پہنچنا ممکن نہیں تھا کیونکہ مدینہ سے قادسیہ کا فاصلہ ساڑھے سات سو میل سے کچھ زیادہ تھا۔

اب حضرت عمرؓ کا پیغام آیا تو اس کے ساتھ چار نہایت اعلیٰ نسل کے گھوڑے اور چار بیش قیمت

تلواریں تھیں۔ امیر المومنین نے پیغام میں ہدایات کے بعد لکھا تھا کہ یہ چار گھوڑے اور چار تلواریں اُن مجاہدین کو انعام کے طور پر دی جائیں جو قادسیہ کی جنگ میں غیر معمولی شجاعت کا مظاہرہ کریں۔

مدینہ تک ابھی یہ پیغام نہیں پہنچا تھا کہ قادسیہ کی جنگ شروع ہو چکی ہے۔ یہ پیغام ابھی راستے میں ہی تھا۔ حضرت عمرؓ کو یہ یقین تھا کہ جنگ ہو گی بلکہ شروع ہو چکی ہو گی۔ چنانچہ انہوں نے محسوس کیا کہ مجاہدین کی حوصلہ افزائی ہونی چاہیے۔ حضرت عمرؓ کے ذہن پر عراق کا محاذ سوار رہتا تھا۔ ان کی بیتابی کا یہ عالم تھا کہ فرصت نکال کر مدینے سے نکل جاتے اور اُس راستے پر جا کھڑے ہوتے جس راستے سے محاذ کے قاصد آیا کرتے تھے۔

حضرت عمرؓ کے یہ تحفے جنگ کی تیسری صبح قادسیہ پہنچے اور بالاخانے پر سعدؓ بن ابی وقاص کو پیش کر دیئے گئے۔ سعدؓ نے قعقاع کو بلایا۔ اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں تھی کہ قعقاع نے اپنی سکیم اور ذاتی شجاعت سے جنگ کا پانسہ پلٹ دیا تھا اور دشمن کو خلافِ توقع بہت زیادہ نقصان پہنچایا تھا۔ قعقاع نے فارسیوں کو سب سے بڑا نقصان یہ پہنچایا تھا کہ بہمن جادویہ جیسا قیمتی جرنیل ذاتی مقابلے میں مار ڈالا تھا۔ اس سے رستم کی کمانڈ کمزور ہو گئی تھی۔ بہمن جادویہ تو رستم کا داستِ راست تھا۔

"ابنِ عمرو!" ـــــ سعدؓ بن ابی وقاص نے قعقاع سے کہا ـــــ "خدا کی قسم، ایسا کوئی نہیں ملے گا جو بہادری سے نہ لڑا ہو۔ انعام تو سب کو اللہ دے گا۔ یہ امیر المومنین کا تحفہ ہے۔ اس کے مستحق تم ہی ہو گے۔ لے جاؤ یہ تلواریں اور یہ گھوڑے!"

"مجھ سے زیادہ مستحق موجود ہیں امیرِ لشکر!" ـــــ قعقاع نے کہا ـــــ "نہ میں ان میں سے گھوڑا رکھوں گا نہ تلوار۔ یہ میں ابھی اُن کے حوالے کر دیتا ہوں جو اس کے مستحق ہیں۔"

علامہ شبلی نعمانی نے کچھ مستند حوالے دے کر لکھا ہے کہ قعقاع نے چار تلواریں جمال بن مالک ربیل بن عمرو، طلیحہ بن خویلد اور عاصم بن عمرو تمیمی کو دے دیں اور گھوڑے قبیلہ یربوع کے چار بہت ہی بہادر مجاہدین کو دے دیئے۔ ان چاروں کے نام کسی تاریخ میں نہیں ملتے۔

تیسرے دن کی ابتدا امیر المومنین کے تحفے سے ہوئی جو بڑا ہی اچھا اور متبرک شگون تھا۔ اس کے بعد ایک اور اچھا شگون سامنے آیا۔ خنساء عرب کی مشہور شاعرہ تھی۔ جب امیر المومنین کی طرف سے اعلان ہوا کہ عراق (فارس) کے محاذ کے لیے رضاکار مجاہدین کی ضرورت ہے تو خنساء نے اپنے چاروں بیٹے پیش کر دیئے تھے۔ اس کے چار بیٹے تھے اور چاروں جوان تھے۔ خنساء مرثیہ گو تھی۔ پچھلی صدی میں بیروت میں اس کا دیوان چھپا تھا۔ اُس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد اسلام قبول کیا تھا اور مدینہ پہلی بار اُس وقت آئی تھی جب حضرت عمرؓ خلیفہ تھے۔

اُس نے اپنے چاروں بیٹوں کو آتش پرستوں کے خلاف جانے والے مجاہدین کے لشکر میں شامل کر دیا اور خود بھی اُن کے ساتھ محاذ پر چلی گئی۔ جنگ کے تیسرے دن صبح کے وقت نمازِ جنازہ کے بعد مجاہدین لڑنے کے لیے صف بندی کرنے لگے تو خنساء گھوڑے پر سوار سامنے آگئی۔

"میرے چاروں بیٹے میرے سامنے آجائیں" ـــــ خنساء نے بلند آواز سے کہا۔

اُس کے چاروں بیٹے اُس کے سامنے جا کھڑے ہوئے۔ مجاہدین خاموش ہو گئے اور دیکھنے لگے کہ عرب کی یہ عظیم مرثیہ گو اپنے بیٹوں سے کیا کہتی ہے۔ اُس نے جو کہا وہ اتنی بلند آواز سے کہا کہ پورے لشکر نے نہیں تو اُس دستے کے ہر مجاہد نے ضرور سنا جس میں اُس کے بیٹے تھے۔ اس کے الفاظ بزبانِ عربی تاریخ میں موجود ہیں:

"میرے عزیز بیٹو!" ـــــ خنساء نے کہا ـــــ "تم اپنے ملک پر بوجھ نہیں تھے نہ قحط پڑ گیا تھا۔ پھر بھی تم اپنی ضعیف العمر ماں کو یہاں لے آئے اور فارس کے دروازے پر ڈال دیا۔ خدا کی قسم جس طرح تم ایک ماں کی اولاد ہو اسی طرح تمہارا باپ بھی ایک ہی ہے۔ میں نے تمہارے باپ سے بددیانتی نہیں کی نہ تمہارے ماموں کو بدنام کیا ہے۔ جاؤ اور آخری سانس تک لڑو۔"

چاروں بیٹوں نے تکبیر کا نعرہ لگایا۔

"اے ماں!" ـــــ ایک بھائی نے کہا ـــــ "ہم بھی اپنے باپ کی روح سے بددیانتی نہیں کریں گے نہ اپنے ماموں کو بدنام کریں گے نہ تجھے شرمسار ہونے دیں گے۔"

بیٹے اپنے دستے میں شامل ہونے کے لیے چلے گئے۔

"یا اللہ!" ـــــ ماں نے ہاتھ پھیلا کر دعا کی ـــــ "میرے بیٹوں کو بچا لینا۔"

میدان میں دونوں طرف صف بندی ہو گئی۔ اُس روز فارسیوں کی ترتیب بالکل بدلی ہوئی تھی۔ ... وچو بند نظر آتا تھا۔ اُس نے یزدگرد کا ذاتی دستہ اپنی کمان میں رکھ لیا تھا۔ فارسیوں ... تھا کہ آج وہ مسلمانوں کو فیصلہ کن شکست دینے پر تُلے ہوتے ہیں۔

پہلے دن کی لڑائی میں مجاہدین نے ہاتھیوں کو یوں بھگایا تھا کہ ان کے ہودوں کی رسیاں کاٹ ... گرا دیئے اور ان کے سواروں کو ہلاک کر دیا تھا۔ مہاوتوں کو بھی مار ڈالا تھا جس سے ہاتھی

بے قابو ہو گئے اور اپنی ہی فوج کی صفیں درہم برہم کرنے لگے تھے۔ مجاہدین نے چند ہاتھیوں کو زخمی بھی کر دیا تھا۔ ہاتھی زخمی نہ ہوتے تو بھی مہاوتوں کے بغیر وہ بیکار تھے۔ دوسرے دن ہاتھی ہودوں کی مرمت کے لیے میدان میں نہ لائے گئے۔ تیسرے دن پہلے سے کچھ زیادہ ہاتھی میدان میں لائے گئے لیکن اس ترتیب میں نہیں جس ترتیب میں وہ پہلے دن لائے گئے تھے۔ اب انہیں ایک دوسرے سے دُور دُور رکھا گیا تھا اور ہر ہاتھی کے دائیں اور بائیں گھوڑسوار تھے۔ یہ ہاتھیوں کی حفاظت کا انتظام تھا۔

ہاتھیوں کا استعمال یہ نہیں ہوتا تھا کہ وہ دشمن کے سپاہیوں کو روندتے پھرتے بلکہ ہاتھیوں کو آج کل کے ٹینکوں کی طرح استعمال کیا جاتا تھا۔ ان کے ہودوں میں چار چار، پانچ پانچ تیرانداز اور برچھی باز بیٹھے ہوتے تھے۔ ہاتھی میدانِ جنگ میں بھاگتے دوڑتے تھے اور ان کے ہودوں کے سوار دشمن پر تیر اور برچھیاں برساتے تھے۔

گذشتہ رات سعدؓ بن ابی وقاص سالاروں کو اگلے روز کی لڑائی کے متعلق ہدایات دے رہے تھے۔ قعقاع بن عمرو اور ہاشم بن عتبہ نے اپنا ایک الگ پلان پیش کیا تھا جو سعدؓ نے منظور کر لیا تھا۔ یہ ایک دھوکہ تھا جو دشمن کو دینا تھا۔

دستور کے مطابق جنگ شروع ہونے سے پہلے ذاتی مقابلے ہونے تھے۔ فارسیوں کی طرف سے ایک قوی ہیکل پہلوان آگے آیا۔ وہ سوار نہیں تھا۔ پیدل آرہا تھا۔ اُس کے ہاتھ میں خنجر تھا۔ توقع تھی کہ مسلمانوں کی طرف سے بھی کوئی ایسا ہی پہلوان اُس کے مقابلے کے لیے نکلے گا لیکن اِدھر سے ایک دبلا پتلا اور لاغر سا مجاہد آگے گیا۔ یوں لگتا تھا جیسے پہلوان کے ساتھ مذاق کیا جا رہا ہو۔ اس مجاہد کے مقابلے میں فارسی پہلوان دیو لگتا تھا۔

فارسیوں کی صفوں سے قہقہہ بلند ہُوا۔ مجاہد پہلوان کے قریب پہنچا تو پہلوان نے خنجر اپنے کمربند میں اُڑس لیا اور مجاہد کی بغلوں میں ہاتھ رکھ کر اُسے اوپر اٹھا لیا۔ پھر اُسے ایسا پٹخا کہ مجاہد منہ کے بل گرا۔ پہلوان اوپر کو اسی طرح اچھلا کہ اُس نے گرتے ہوئے مجاہد پر گرنا تھا۔ اُس کا وزن اتنا زیادہ تھا کہ مجاہد کا کچومر نکل جانا تھا لیکن مجاہد تیزی سے ایک پہلو کی طرف لڑھک گیا اور پہلوان زمین پر گرا۔ مجاہد پھرتی سے اٹھا اور خنجر نکال لیا۔ پہلوان تیزی سے نہیں اُٹھ سکتا تھا۔ مجاہد نے خنجر اُس کی پیٹھ میں اتار دیا۔ ایک ہی بار نہیں تین بار۔ وہ آخر پہلوان تھا۔ اتنی جلدی نہیں مر سکتا تھا۔ اُس نے خنجر نکالا لیکن مجاہد کا خنجر اُس کے دل میں اُتر چکا تھا۔ پہلوان کے ہاتھ سے خنجر گر پڑا اور وہ آگے کو جھکا۔ مجاہد نے اُس کا خنجر اُٹھا کر بڑی زور سے اُس کی پیٹھ میں مارا اور خنجر وہیں رہنے دیا۔ پہلوان گرا پھر اُٹھ نہ سکا۔

ختم کرو یہ مقابلے!" ـــ رستم کی آواز گرجی "حملہ کرو.... دو ہاتھی دائیں دو بائیں سے آگے بڑھاؤ۔ گھوڑسوار ہاتھیوں کا گھیرا ٹوٹنے نہ دیں۔"

فارسیوں کے پیادہ دستے آگے بڑھتے۔ اِدھر سے مجاہدین آگے کو چلے۔

ابھی دونوں طرف کے پیادے ایک دوسرے کے قریب پہنچے ہی تھے کہ مجاہدین کے دائیں پہلو کی طرف کچھ دُور پیچھے سے بہت سے گھوڑسوار سرپٹ گھوڑے دوڑاتے آئے۔ "مدد آگئی" ـــ مجاہدین کے لشکر سے نعرے گرجنے لگے ـــ "کمک آگئی.... اللہ اکبر.... اللہ نے مدد بھیج دی ہے۔"

یہ دھوکہ پہلے سے طے شدہ تھا۔ یہ ایک سو سوار تھے جو اُن سواروں میں سے تھے جنہیں قعقاع اور ہاشم بن عتبہ نے جنگل میں لے جا کر چھپا دیا تھا۔ طے یہ تھا کہ اُدھر سے گھوڑے آئیں گے اور لشکر نعرے لگائے گا کہ کمک آگئی ہے۔ مقصد یہ تھا کہ فارسی فوج پر نفسیاتی اثر ڈال کر اس کا حوصلہ توڑا جائے۔

مؤرخ لکھتے ہیں کہ فارسیوں پر اس دھوکے کا اثر تو ہُوا لیکن ان کے جرنیلوں نے اپنی فوج میں یہ کہہ کر اثر زائل کر دیا کہ مسلمان جتنی بھی کمک لے آئیں، وہ ہماری فوج جتنی فوج نہیں لا سکتے۔ شہنشاہ نے اپنا ذاتی حفاظتی دستہ پہلے ہی کمک کے طور پر ہمیں دے چکے ہیں۔

ان ایک سو سواروں کے ساتھ قعقاع کو ہونا چاہیے تھا لیکن اُس کی بجائے قیس بن ہبیرہ ان کا سالار تھا۔ قعقاع میدانِ جنگ سے پیچھے ایک اور کام میں مصروف تھا۔ لشکر کے ساتھ اونٹ بھی ہوتے تھے جنہیں باربرداری کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ قعقاع نے پچاس سے کچھ زیادہ اونٹ منگوا لیے۔ بعض مؤرخین نے اونٹوں کی تعداد ایک سو لکھی ہے۔ قعقاع نے عورتوں کو بلا لیا تھا۔ اُس نے پرانے کپڑے اور خیمے اکٹھے کر لیے اور عورتوں سے سلائی شروع کرا دی۔

اُس نے اونٹوں پر ڈالنے کے لیے برقع نما غلاف سے تیار کیے۔ ان ڈھیلے ڈھالے اور بڑے بڑے غلافوں کو تاریخ نویسوں نے جھول لکھا ہے۔ یہ بڑی تیزی سے تیار کیے گئے۔ ہر اونٹ پر ایک ایک غلاف چڑھا کر اس کے اندر ایک ایک سوار بٹھا دیا گیا۔ اونٹوں کے سر، گردنیں اور سب کچھ غلافوں میں ڈھکا ہُوا تھا۔ شتر سواروں کے دیکھنے کے لیے غلافوں میں آنکھوں کے آگے سوراخ کیے گئے تھے۔

ذہانت اور دانش مندی جو عربوں میں تھی وہ کسی اور قوم میں کم ہی پائی جاتی تھی۔ اس کے باوجود تمام قعقاع کے دماغ کی اختراع تھی، یہ کسی عربی کے ہی دماغ میں آسکتی تھی۔ اس دھوکے

نے میدانِ جنگ میں مجاہدین کا کام آسان کر دیا۔

اُدھر سے جو ایک سو گھوڑ سوار مجاہدین سرپٹ گھوڑے دوڑاتے آرہے تھے، انہوں نے اُن پیادہ دستوں پر حملہ کر دیا جو رستم نے آگے بڑھائے تھے لیکن سوار رُکے نہیں۔ وہ پیادہ فارسیوں کو کاٹتے اور انہیں درہم برہم کرتے آگے نکل گئے۔ انہوں نے رُک کر نہیں لڑنا تھا۔

"ہاتھیوں کو آگے لے جاؤ" ——— رستم کی آواز گرجی ——— "گھوڑ سوار ہاتھیوں کو اپنے گھیرے میں رکھیں۔ اتنے تیر اور برچھیاں برساؤ کہ ایک بھی عربی زندہ نہ رہے۔"

دو ہاتھی دائیں سے اور دو بائیں سے چلے آرہے تھے۔ فیل سواروں نے ہودوں سے مسلمانوں پر تیراندازی شروع کر دی جس سے مسلمانوں میں ابتری پھیلتی چلی جا رہی تھی۔ قعقاع نے غلافوں میں لپٹے ہوئے اونٹوں کو آگے بڑھا دیا۔ اُس نے ان کے سواروں کو ہدایات دے رکھی تھیں۔ اونٹ بکھر گئے اور ہاتھیوں کی طرف گئے۔ ہاتھیوں کے محافظ گھوڑ سواروں نے گھوڑے اونٹوں کی طرف موڑے۔ سواروں نے تو دیکھ لیا تھا کہ غلافوں کے اندر اونٹ ہیں لیکن گھوڑوں اور ہاتھیوں میں اتنی عقل نہیں تھی کہ وہ سمجھ سکتے کہ یہ کیا ہے۔ ایسا ہیبت ناک جانور انہوں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ ان کے لیے یہ بھوت اور دیو تھے۔ گھوڑے بدک بدک کر پیچھے ہٹنے اور ادھر اُدھر ہونے لگے۔ ہاتھیوں کے گرد انہوں نے جو حصار باندھ رکھا تھا وہ ٹوٹ گیا۔ شتر سوار اُونٹوں کو ہاتھیوں کے سامنے لائے تو ہاتھی بھی چنگھاڑتے ہوئے پیچھے کو بھاگے۔ گھوڑے سواروں کے اور ہاتھی مہاوتوں کے قابو سے نکل گئے۔

رستم اُس روز خاصا آگے آکر حکم دے رہا تھا۔ اُس نے مسلمانوں کا یہ تماشہ دیکھا تو اُس نے بڑے غصے سے حکم دیا کہ سوار دستے کو آگے بڑھایا جائے۔ سوار دستے تیار تھے۔ حکم ملتے ہی گھوڑے سرپٹ دوڑے۔ ادھر مجاہدین کا سوار دستہ آگے بڑھا۔ قعقاع نے اونٹوں کو آگے کر دیا۔ فارسیوں کے گھوڑے ڈر ڈر کر ادھر اُدھر ہونے لگے۔

"مت ڈرو" ——— رستم چلا رہا تھا ——— "یہ اونٹ ہیں۔ ان پر غلاف چڑھے ہوئے ہیں۔"

ایک تو ہزاروں گھوڑوں کے دوڑنے کے شور میں رستم کی آواز سواروں تک نہیں پہنچ رہی تھی، دوسری دشواری یہ کہ گھوڑے رستم کی زبان نہیں سمجھتے تھے۔

اب جنگل میں سے چھپے ہوئے کم و بیش پانچ سو گھوڑ سوار نکلے۔ ان کی قیادت سالار ہاشم بن عتبہ کر رہا تھا۔ مجاہدین کے لشکر نے ایک بار پھر نعرے لگانے شروع کر دیے ——— "کمک آگئی.... مدد آگئی۔"

کوئی کمک اور کوئی مدد نہیں آئی تھی۔ یہ بھی ایک دھوکہ تھا جو دشمن کو دیا جا رہا تھا۔ اسی کے چند ہزار گھوڑ سواروں کو جنگل میں چھپا دیا گیا تھا۔ دوسرا دھوکہ اونٹوں پر غلاف چڑھا کر دشمن کے ہاتھیوں اور گھوڑوں کو دیا جا رہا تھا۔

ہاشم بن عتبہ کے سواروں نے پہلو کی طرف سے فارس کے بڑھتے ہوئے سوار دستے پر حملہ کر دیا۔ سامنے سے مجاہدین نے ان سے ٹکر لی۔ فارسیوں کے گھوڑے اونٹوں سے بدکے ہوئے بکھر گئے تھے۔ مجاہدین نے انہیں بہت نقصان پہنچایا لیکن غلافوں والے اونٹ اپنے گھوڑوں کو بھی ڈرا رہے تھے۔ اس کے ساتھ ہی فارسی پیادوں نے اونٹوں کو زخمی کرنا شروع کر دیا۔

سعدؓ بن ابی وقاص محل کے بالاخانے سے دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے پیغام لکھ کر نیچے پھینکا جو قاصد نے فوراً قائمقام سپہ سالار خالد بن عرفطہ تک پہنچا دیا ——— "اونٹوں کو ذرا پیچھے لاؤ۔ ان سے اپنے گھوڑے بھی ڈر رہے ہیں اور یہ زخمی بھی ہو رہے ہیں۔"

اونٹوں کو میدان سے نکال لیا گیا۔ یہ دھوکہ خاصا کامیاب رہا تھا لیکن رستم کے پاس نفری کی کمی نہیں تھی۔ سواروں کی کمی نہیں تھی اور اس کے تمام ہاتھی محفوظ تھے۔ رستم نے سوار دستوں سے تابڑ توڑ حملے شروع کر دیے۔ ہاشم بن عتبہ اور قعقاع بن عمرو کے گھوڑ سوار پہلوؤں سے حملے کرتے تھے۔ ان حملوں سے مجاہدین پر فارسیوں کا دباؤ کم ہو جاتا اور مجاہدین ذرا سنبھل جاتے اور دو لمحے دم لے لیتے تھے۔

بعض اوقات فارسی ایسا شدید اور اتنا سخت ہلہ بولتے تھے کہ مجاہدین کو پیچھے ہٹنا پڑتا تھا اور دو تین مرتبہ یوں بھی ہوا کہ مجاہدین اتنا پیچھے ہٹ آئے کہ گمان ہوتا تھا جیسے اب آگے نہیں بڑھ سکیں گے۔ مجاہدین کی ایک محرومی تو یہ تھی کہ ان کی نفری دشمن کے مقابلے میں بہت کم تھی۔ یہ ایک اور تین کا مقابلہ تھا۔ دوسری کمزوری یہ پیدا ہو گئی کہ تیسرا دن تھا، مجاہدین مسلسل لڑ رہے تھے اور ان کے جسم شل ہو گئے تھے۔ ان کے مقابلے میں فارس کی فوج اتنی زیادہ تھی کہ اس کے دستے باری باری آرام کر لیتے تھے۔ بعض دستے پورا پورا دن لڑائی میں شامل ہی نہیں ہوتے تھے۔

مجاہدین اب جسمانی توانائی سے نہیں روحانی طاقت سے لڑ رہے تھے اور وہ اُسی اللہ سے مدد مانگ رہے تھے جس کی راہ میں وہ لڑ رہے تھے۔

جنگل میں چھپے ہوئے مسلمان گھوڑ سوار تھوڑی تعداد میں نکلتے اور پہلو سے حملے کرتے اور دوسری طرف نکل جاتے تھے۔ سعدؓ بن ابی وقاص نے لشکر پر دباؤ کم کرنے کے لیے ہاشم بن عتبہ کو پیغام بھیجا کہ اب اپنے حملوں کا طریقہ بدل دو۔ اپنے تمام سواروں کو (تعداد تقریباً چھ ہزار) حصوں میں تقسیم کرو۔ دو تین پیچھے ایک حصے کو دائیں اور دوسرے کو بائیں لے جا کر دشمن پر پہلوؤں

سے حملہ کرو۔

یہ حملہ فارسیوں کے لیے غیر متوقع تھا۔ وہ اس کے لیے تیار نہیں تھے۔ وہ خوش ہو رہے تھے کہ مسلمانوں کو انہوں نے اتنا پیچھے دھکیل دیا ہے کہ اب وہ آگے نہیں آسکیں گے اور پسپا ہو جائیں گے لیکن ہاشم اور قعقاع کے سواروں نے پہلوؤں پر ایسا زوردار حملہ کیا کہ مجاہدین کے قدم جو پیچھے کو ہٹ رہے تھے وہ آگے بڑھنے لگے اور اب فارسیوں کے قدم اکھڑنے لگے۔

رستم نے اپنی فوج کو یوں پیچھے ہٹتے دیکھا تو اُس نے تمام ہاتھیوں کو ایک ہی بار آگے کر دیا۔ اُس کا حکم وہی تھا جو وہ پہلے بھی دے چکا تھا کہ ہاتھیوں سے اتنے تیر اور اتنی برچھیاں برساؤ کہ کوئی مسلمان زندہ نہ رہے۔

ہاتھی کالے پہاڑ کی طرح آرہے تھے۔ وہ اتنے بدمست تھے کہ سونڈیں اوپر اٹھا اٹھا کر چنگھاڑتے تھے۔ فارسیوں کے اپنے گھوڑے تو اس چنگھاڑ کے عادی تھے لیکن مسلمانوں کے گھوڑے اس کرخت اور بلند آواز سے ڈرتے تھے۔

قادسیہ کی پہلے دو دنوں کی لڑائی میں کچھ فارسی جنگی قیدی بھی ہاتھ آئے تھے۔ انہیں پرانے محل کے اندر رکھا گیا تھا۔ سعدؓ بن ابی وقاص نے ایک ہی روز پہلے ایک فارسی قیدی کو اپنے پاس بلایا تھا۔ انہوں نے کہا تھا کہ ان فارسیوں سے پوچھو کہ ان میں کوئی ہے جو ہاتھیوں کے متعلق مجھے کچھ بتا سکے۔

جو قیدی سعدؓ بن ابی وقاص کے سامنے لے جایا گیا، وہ مہاوت تھا۔ وہ ہاتھی سے گرا تھا تو اُس نے التجا کی تھی کہ اُسے قتل نہ کیا جائے، وہ ہتھیار ڈال رہا ہے اور قید میں جاکر سوچے گا کہ اسے اسلام قبول کر لینا چاہیے یا نہیں۔

"مجھے ہاتھی کی خصلت کے متعلق بتاؤ" —— سعدؓ نے اُسے کہا تھا —— "اور یہ بھی بتاؤ کہ ہاتھی کو کس طرح مارا جاتا ہے"

"ہاتھی کی خصلت یہ ہے" —— مہاوت نے بتایا —— "کہ یہ جب اکیلا ہوتا ہے تو اس پر وحشت طاری رہتی ہے اور جب اس کے ارد گرد مانوس انسان اور جانور ہوں تو اس کی وحشت محبت میں بدل جاتی ہے پھر اسے پتہ نہیں چلتا کہ کس پر حملہ کرنا ہے، کسے مارنا اور کسے چھوڑنا ہے"

"پھر اسے میدانِ جنگ میں کیوں لاتے ہیں؟" —— سعدؓ نے پوچھا —— "کیا تم مجھے غلط بتا رہے ہو؟"

"نہیں سپہ سالار!" —— مہاوت نے جواب دیا —— "میں صحیح بتا رہا ہوں۔ ہاتھی کو لڑائی میں اس لیے لاتے ہیں کہ اس کے ہودے میں تیر انداز اور برچھی باز ہوتے ہیں جو ہاتھی کو گھما پھرا کر دشمن کی طرف لے جاتے ہیں۔ پھر ہاتھی کا استعمال یہ ہوتا ہے کہ یہ دشمن کی طرف دوڑتا ہے تو اُس کی صفیں بکھیر دیتا ہے، آگے بڑھتے دشمن کو پیچھے بھگا دیتا ہے اور جو اس کی لپیٹ میں آجائے اُسے سونڈ میں لپیٹ کر اُوپر کو پھینکتا ہے۔ وہ آدمی اتنی بلندی سے گر کر مر جاتا ہے اور کسی کو ٹکر مار کر گرا دیتا اور اُس پر پاؤں رکھ کر کچل دیتا ہے....

میں نے آپ کو بتایا ہے کہ پہلے یہ دوست اور دشمن میں فرق محسوس نہیں کرتا اور اسے پتہ نہیں چلتا کہ کسے مارنا اور کسے چھوڑنا ہے۔ یہ کیفیت زیادہ دیر نہیں رہتی۔ مہاوت اسے اس کی گردن پر بیٹھ کر ایسے اشارے دیتے ہیں کہ اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ دوست ہے اور وہ دشمن ہے.... آپ نے پوچھا ہے کہ اسے کس طرح مارا جاتا ہے....

"میں مہاوت ہوں۔ صرف مہاوت ہی بتا سکتا ہے کہ ہاتھی سے دوست اور دشمن کی پہچان کس طرح کرائی جاتی ہے۔ ہاتھی کو جان سے مارنا آسان نہیں۔ اسے برچھیاں اور تلواریں مارتے چلے جاؤ، یہ مقابلہ کرے گا اور جو اُس کی زد میں آئے گا اُسے جان سے مار دے گا۔ ہاتھی کو بیکار کرنے کے لیے اس کی آنکھوں میں برچھی مارو اور اس کی سُونڈ کاٹ دو"

اب جنگ کے تیسرے روز فارسیوں نے ہاتھیوں کو ایک صف میں آگے بڑھا دیا تھا۔ علامہ بلاذری نے لکھا ہے کہ ان میں دو ہاتھی غیر معمولی طور پر بہت بڑے اور ہیبت ناک تھے۔ ان میں ایک تو وہی سفید ہاتھی تھا جس کا پہلے ذکر آچکا ہے اور دوسرا سیاہ رنگ کا تھا۔ سفید کا نام ابیض اور سیاہ کا اجرب تھا۔ سعدؓ نے خاص طور پر دیکھا کہ جس طرف یہ دونوں جاتے ہیں باقی ہاتھی اسی طرف جاتے ہیں۔ یہ دونوں بہت ہی بدمست لگتے تھے۔

ان سب ہاتھیوں نے آگے آکر قیامت بپا کر دی۔ ان کے ہودوں سے تیروں اور برچھیوں کی بوچھاڑیں آتی تھیں اور ہاتھیوں کو دیکھ کر گھوڑے اور آدمی ڈر ڈر کر بھاگ رہے تھے۔ سعدؓ بن ابی وقاص یہ صورتِ حال دیکھ کر پریشان ہو گئے۔ انہیں مہاوت کی باتیں یاد آگئیں۔ انہوں نے بالاخانے کی کھڑکی کے نیچے کھڑے قاصد سے کہا کہ قعقاع اور عاصم سے کہو کہ فوراً میرے پاس آئیں۔

قعقاع اور عاصم لڑائی سے نکل کر سعدؓ کے پاس گئے۔

"کون ہے تم دونوں کے سوا جو اِن ہاتھیوں کو روک سکتا ہے!" —— سعدؓ نے کہا —— "ہاتھیوں کی آنکھوں میں برچھی مارو۔ ان کی سونڈیں کاٹ دو.... تم دونوں سفید ہاتھی کو سنبھالو"

ان دونوں کے جانے کے بعد سعدؓ نے بنو اسد کے دو مشہور بہادروں —— حمّال بن مالک اور ربیل عمرو —— کو بلایا اور انہیں کہا کہ وہ سیاہ ہاتھی کو سنبھالیں۔ انہیں بھی کہا کہ ہاتھی کی آنکھوں میں

برچھی ماریں۔

ہاتھیوں کی آنکھوں میں برچھی مارنا تو کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ مسلمانوں میں ایسے ماہر برچھی باز موجود تھے جو کچھ فاصلے سے صحیح نشانے پر برچھی پھینکنے کی مہارت رکھتے تھے لیکن کسی ہاتھی کے قریب جانا خودکشی کے برابر تھا۔ ان کے ہودوں سے تیر اور برچھیاں آتی تھیں۔

قعقاع اور عاصم نے سفید ہاتھی تک پہنچنے کا یہ طریقہ اختیار کیا کہ چند ایک سواروں اور چند ایک پیادوں کو آگے بھیجا کہ وہ ہاتھی کو گھیرے میں لے لیں۔ تین چار سوار تیر اندازوں سے کہا کہ وہ ہودے میں بیٹھے ہوئے تیر اندازوں پر تیر پھینکتے رہیں تاکہ وہ سر اوپر نہ کر سکیں۔

سوار اور پیادہ مجاہدین خونریز معرکہ لڑ کر ہاتھی تک پہنچ گئے۔ ایک سوار نے لمبے نیزے سے مہاوت کو گرا لیا۔ تیر اندازوں نے ہودے پر تیر پھینکنے شروع کر دیئے۔ فیل سوار ہودے میں سر نیچے کر کے دبک گئے۔ قعقاع اور عاصم گھوڑوں سے اُتر کر ہاتھی کی طرف دوڑے۔ ان کے ہاتھوں میں برچھیاں تھیں۔ مشکل یہ تھی کہ ہاتھی سر کو دائیں بائیں کرتا تھا۔ اس نے ذرا سا سر ساکن کیا تو قعقاع اور عاصم کی برچھیاں اس کی آنکھوں میں اُتر گئیں۔

ہاتھی بڑی زور سے چنگھاڑا اور سونڈ اوپر نیچے مارنے لگا۔ قعقاع نے برچھی پھینک کر تلوار نکالی اور ایک ہی بھرپور وار سے سُونڈ مستک سے الگ کر دی۔

اُدھر بنو اسد کے جانبازوں، حمال اور ربیل نے سیاہ ہاتھی پر بالکل اسی طرح حملہ کیا لیکن اُس کی صرف ایک آنکھ میں برچھی داخل ہو سکی۔ ان جانبازوں میں سے کسی ایک نے اس ہاتھی کی بھی سُونڈ کاٹ دی۔

سیاہ ہاتھی تو چیختا چنگھاڑتا فارسیوں کی طرف دوڑ پڑا اور انہیں کچلتا گیا۔ وہ گھوڑوں کو ٹکریں مارتا تھا اور گھوڑے بدک بدک کر بے لگام ہوتے اور بھاگتے تھے۔ فارسیوں کی ترتیب تباہ ہو گئی۔ مسلمانوں کے لیے یہ موقع اچھا تھا۔ سعدؓ نے حکم بھیجا کہ تمام دستے دشمن پر ٹوٹ پڑیں مگر اس حکم کی تعمیل نہ ہو سکی کیونکہ سفید ہاتھی جس کی دونوں آنکھیں ضائع ہو گئیں اور سونڈ کٹ گئی تھی چیختا چنگھاڑتا مسلمانوں کی طرف آ گیا۔ اُس کی آواز بڑی ہی خوفناک تھی۔ گھوڑے بھی اور انسان بھی اس سے بچنے کے لیے اندھا دھند بھاگ رہے تھے۔

یہ دونوں ہاتھی باقی ہاتھیوں کے سردار تھے اس لیے کچھ سیاہ ہاتھی کے پیچھے چلے گئے اور کچھ سفید ہاتھی کے پیچھے۔ یہ دونوں ہاتھی خطرے کے وقت کی آوازیں نکالتے تھے جو ہر ہاتھی سمجھتا اس لیے تمام ہاتھی بے قابو ہو کر بھاگ رہے تھے۔ وہ اپنوں کو بھی دشمن سمجھ رہے تھے۔ سیاہ اور سفید ہاتھیوں کے ماتھوں سے جہاں سے سونڈیں کٹی تھیں خون آبشار کی طرح گر رہا تھا۔

دونوں طرف کے لشکر بُری طرح اُکھڑ اور بکھر گئے تھے اور ہاتھیوں نے دونوں طرف کے ئی آدمی مار ڈالے تھے۔ سیاہ ہاتھی دریا کی طرف جا رہا تھا۔ سب ہاتھی اُس کے پیچھے گئے۔ سفید تھی بغیر آنکھوں کے دیکھ تو نہیں سکتا تھا لیکن کانوں سے آواز کی سمت معلوم کر سکتا تھا کہ اُس کے ساتھیوں کی آوازیں کدھر سے آ رہی ہیں۔ وہ اُسی سمت کو دوڑ پڑا۔ سیاہ ہاتھی دریا میں اتر گیا۔ تمام ہاتھی ں کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے دریا میں اُتر گئے۔ سفید ہاتھی بھی دریا پر پہنچ گیا اور اپنے ساتھیوں کے پیچھے گیا۔ اس کے بعد یہ ہاتھی کبھی نظر نہ آئے۔

ہاتھیوں کے مقابلے کے سلسلے میں ایک اور جانباز کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ مؤرخوں نے ے خاص طور پر خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ یہ تھا عمرو معدی کرب جس کی بہادری کی داستانیں حیرت انگیز ں۔ ہاتھیوں کو بیکار کرنے کے لیے اُس نے ایسی جرأت کا مظاہرہ کیا جسے خودکشی کی کوشش کے دا ادر کیا کہا جا سکتا ہے۔ اُس نے جب قعقاع، عاصم، حمّال اور ربیل کو سفید اور سیاہ ہاتھیوں پر حملہ کرتے یکھا تو اپنے قبیلے سے مخاطب ہُوا:

"میں اپنے سامنے والے ہاتھی پر حملہ کرنے جا رہا ہوں"۔۔۔ اُس نے کہا ۔۔۔ "تم میرا ساتھ دینا ورنہ معدی کرب مارا گیا تو دوسرا معدی کرب پیدا نہ ہو گا"۔

اُس نے تلوار تانی اور سامنے والے ہاتھی کی طرف دوڑ پڑا اور اُس ہاتھی تک پہنچ بھی گیا لیکن اُن سیوں نے جو ہاتھی کے اِردگرد تھے، اُسے گھیر لیا۔ گرد اتنی زیادہ تھی کہ معدی کرب کے ساتھی دیکھ نہ سکے کہ اُس پر کیا بیت رہی ہے۔ عین اُس وقت فارسیوں کے کچھ دستوں نے مجاہدین کے لشکر کے اس رف حملہ کر دیا۔ ایسا گھمسان کا رن پڑا کہ معدی کرب کا کسی کو خیال ہی نہ رہا۔

اس کے فوراً بعد سفید اور سیاہ ہاتھیوں نے اُودھم مچایا تو دونوں لشکروں کے درمیان میدان ف ہو گیا۔ تب معدی کرب نظر آیا۔ وہ پہچانا نہیں جاتا تھا کیونکہ سر تا پا وہ خون میں نہایا ہُوا تھا۔ اُس کے سم پر اتنی برچھیاں لگی تھیں کہ زخم گنے نہیں جاتے تھے، پھر بھی تلوار اُس کے ہاتھ میں تھی اور وہ گرا ہا تھا۔ حیران کن امر یہ ہے کہ دوسرے دن معدی کرب لڑائی میں موجود تھا۔

ہاتھیوں نے دونوں طرف کے لشکروں کو بکھیر دیا۔ نہ کوئی ترتیب رہی نہ جمعیت رہی۔ اپنے لشکر کو یکجا کرنے کے لیے اِدھر سالاروں اور اُدھر جرنیلوں کو بہت بھاگ دوڑ کرنی پڑی۔ مسلمان تعداد میں تھوڑے تھے اس لیے انہوں نے فارسیوں سے پہلے صف بندی کر لی۔ سعدؓ بن ابی وقاص ے بالاخانے سے ایک پیغام لکھوا کر بھیجا جو قائم مقام سپہ سالار خالد بن عرطفہ کے نام تھا۔ یہ تھا:

"....سارے لشکر کو یہ پیغام پڑھ کر سنا دو۔ ہاتھیوں کا میدان سے بھاگ کر دریا میں چلے جانا اللہ کا اشارہ ہے کہ فتح ہماری ہوگی۔ میں جانتا ہوں تمہارے جسم ٹوٹ پھوٹ گئے ہیں پھر بھی ثابت قدم رہو۔ آج کا دن اور آج کی رات۔ آتش پرستوں کے لشکر کو نہ دیکھو۔ تم دیکھو گے کہ جس طرح ان کے ہاتھی دریا میں ڈوبے ہیں، اسی طرح یہ بھی دریا میں کود یں گے۔ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔"

شاید یہ پیغام رستم کے کانوں تک پہنچ گیا تھا یا اُن فلک شگاف نعروں نے رستم کو مشتعل کر دیا تھا جو مجاہدین نے اپنے سپہ سالار کا پیغام سن کر لگائے تھے۔ اس پیغام کو وہ اللہ کا پیغام سمجھ رہے تھے۔ رستم نے اپنے آدھے سے زیادہ دستوں کو حملے کا حکم دے دیا۔ مورخوں نے لکھا ہے کہ رستم نے ہاتھیوں کی خفت کو مٹانے کے لیے اتنا زبردست حملہ کرایا تھا۔

رستم کو معلوم نہ تھا کہ حملہ کرانے سے ہی جنگ نہیں جیتی جا سکتی نہ زیادہ نفری اور زیادہ گھوڑوں سے حملہ کامیاب ہو سکتا ہے۔ حملے نفری کے زیادہ ہونے سے نہیں بلکہ حوصلہ اور جذبہ زیادہ ہونے سے کامیاب ہوا کرتے ہیں۔ فارس کی فوج کا جذبہ یہی دیکھ کر کمزور ہوتا جا رہا تھا کہ مسلمانوں کی نفری کم ہوتی جا رہی ہے اور وہ پہلے سے زیادہ قہر اور غضب سے لڑ رہے ہیں۔

فارسیوں کو ہاتھیوں پر بھروسہ تھا۔ اُن کا خیال تھا کہ ہاتھی اُن کا کام آسان کر دیتے ہیں اور ہاتھیوں کی وجہ سے اُن کے حملے کے لیے زمین ہموار ہو جاتی ہے۔ وہ یہ دیکھ کر بھی مسلمانوں سے مرعوب ہو گئے تھے کہ انہوں نے ہاتھیوں کو بھگا دیا ہے۔

جنگِ قادسیہ کی روز بروز لڑائیوں کو تفصیل سے لکھنے والے تاریخ نویسوں اور وقائع نگاروں نے لکھا ہے کہ رستم کسی خوش فہمی میں مبتلا نہیں تھا۔ اس نے محسوس کر لیا تھا کہ مسلمانوں کو شکست دینا کوئی آسان کام نہیں، کم از کم آدھی فوج مروانی پڑے گی۔ وہ اپنی فوج کا مورال بھی دیکھ رہا تھا جو ٹوٹتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ اُس کے پاس اب یہی ایک طریقہ رہ گیا تھا کہ اپنی پوری فوج مسلمانوں پر چڑھا دے۔

رستم نے یہی طریقہ اختیار کیا اور اپنی فوج سے ہجوم کی صورت میں حملہ کرا دیا۔

عصر کا وقت ہو گیا تھا۔ سورج جنگل کے پیچھے جا رہا تھا۔ لڑائی ایسی صورت اختیار کر گئی تھی کہ رستم کو پتہ چل رہا تھا نہ سعدؓ بن ابی وقاص کو کہ اس گرد و غبار کے اندر کیا ہو رہا ہے، کس کا پلّہ بھاری ہے، کون غالب اور کون مغلوب ہے۔

"سلمیٰ!" ـــــ سعدؓ بن ابی وقاص نے اپنی بیوی سے کہا ـــــ "اللہ جب کسی کام کا ارادہ کر لیتا ہے تو اُس کے ارادے اور اُس کے فیصلے کو کوئی نہیں بدل سکتا۔ ہم ناچیز بندے اللہ کے حضور صرف التجا کر سکتے ہیں۔"

"اللہ دیکھ رہا ہے" ـــــ سلمیٰ نے کہا ـــــ "دلوں میں چھپی ہوئی نیتوں کو وہ جانتا ہے۔"

سورج غروب ہو گیا۔ شام گہری ہونے لگی مگر لڑائی جاری رہی۔ محمد حسنین ہیکل نے کچھ حوالے دے کر لکھا ہے کہ اُس وقت لڑائی رُک جانی چاہیئے تھی لیکن نہ رُکی۔ وجہ یہ تھی کہ فارس کے جرنیل اسی شام جنگ کا خاتمہ چاہتے تھے۔ وہ اس دن کی لڑائی کو فیصلہ کن بنانے کی کوشش میں تھے اور اس ارادے اور کوشش میں رستم کا ذرا سا بھی عمل دخل نہ تھا۔ مجاہدین کے سالاروں نے بھی یہی ٹھان لی تھی کہ آج اس جنگ کا فیصلہ کرنا ہے۔

رات تاریک ہو گئی تو اپنے پرائے کی پہچان ختم ہو گئی۔ مجبوراً لڑائی روکنی پڑی۔

چونکہ یہ بڑی ہی خونریز اور قیامت خیز جنگ تھی اور اس معرکے میں مسلمانوں نے بڑے ہی بلند اور مسلسل نعرے لگائے تھے اس لیے اس رات کو "لیلۃ الہریر" کا نام دیا گیا۔ یہ جنگ کا تیسرا دن تھا۔ اسے "یوم عماس" کا نام دیا گیا۔

دو مورخوں نے لکھا ہے کہ لڑائی ساری رات جاری رہی۔ یہ صحیح نہیں۔ رات کے پہلے پہر میں ہی لڑائی ختم ہو گئی تھی۔ اس کے بعد رات کو ایک شبخون مارا گیا تھا جس کی وجہ یہ ہوئی تھی کہ مخبروں نے سعدؓ بن ابی وقاص کو اطلاع دی کہ رستم ایک ٹولی بھیج رہا ہے جو مجاہدین کے کیمپ پر شبخون مارے گی۔

مسلمانوں میں ایک خوبی یہ تھی کہ وہ سوئے ہوئے ہوتے تو بھی ذہنی طور پر بیدار رہتے تھے۔ ان کا مخبری اور جاسوسی کا نظام مضبوط اور قابلِ اعتماد اور کارگر ہوتا تھا۔ قادسیہ کی جنگ میں یہ نظام بروقت کام آیا۔ تاریخ میں شہادت ملتی ہے کہ رستم نے رات کو لڑائی ہار جیت کے بغیر ختم ہونے کے بعد اپنے جرنیلوں کو بلایا۔

"....اور ہمارا نوجوان بادشاہ محل میں اپنی ماں کے پاس بیٹھا حکم پر حکم بھیج رہا ہے" ـــــ رستم نے کہا ـــــ "کہتا ہے یہ چند ایک صحرائی ڈاکو تم سے سنبھالے نہیں جاتے، آخر وجہ کیا ہے؟ کیا تم حوصلہ ہار بیٹھے ہو یا فوج کا دم خم ٹوٹ گیا ہے؟ ہر بار اُس کا یہی حکم آتا ہے کہ کل صبح مجھے فتح کی اطلاع ملے۔ جب اُسے اطلاع ملے گی کہ مسلمانوں نے ہاتھیوں کو بھگا دیا ہے اور تمام ہاتھی دریا میں بہہ گئے ہیں تو وہ [illegible] اور پریشان ہوگا۔ میں خود بھی چاہتا ہوں کہ لڑائی طول نہ پکڑے۔ اس کا یہی ایک طریقہ ہے کہ آج رات نہ آرام کیا جائے نہ مسلمانوں کو آرام کرنے دیا جائے۔ صرف پانچ سو جانباز منتخب کرو اور ابھی میرے پاس لے آئیں۔ اس وقت مسلمان زخمیوں کو اٹھا رہے ہیں۔ ان کی عورتیں ان کے [illegible] ہیں۔ ان کے گھوڑے الگ بندھے ہوئے ہیں۔ مسلمان اس وقت تھکے ہیں۔ یہ پانچ سو جانباز پیچھے سے جائیں گے اور مسلمانوں پر حملہ کر دیں گے۔ ان کی عورتوں میں بھگدڑ مچ جائے گی جتنی عورتیں

پکڑی جا سکیں پکڑ لائیں۔ مسلمانوں کا قتل عام کریں۔ ان کے گھوڑوں کو کھول کر بھگا دیں.... مجھے اطلاع ملی ہے کہ ان کا سپہ سالار بیمار پڑا ہے اور قدلیس کے بالاخانے سے میدانِ جنگ کو دیکھتا اور حکم بھیجتا رہتا ہے۔ چار ایسے دلیر اور عقلمند جانباز تیار کرو جو اس قدیم محل میں داخل ہو کر سپہ سالار کو قتل کریں گے۔ ہمارے آدمی تباہی مچا کر واپس آجائیں گے۔ صبح تک مسلمان لڑنے کے لیے تیار نہیں ہو سکیں گے۔ ہم سورج نکلنے سے پہلے ان پر حملہ کر دیں گے اور انہیں گھیرے میں لے کر مار دیں گے۔

رستم کے جرنیلوں نے رستم کے اس اقدام کو بہت سراہا اور اُسی وقت پانچ سو جانباز تیار کر لیے گئے۔ ان میں سے چار وحشی آدمیوں کو سعدؓ بن ابی وقاص کے قتل کا کام سونپا گیا۔ ان میں سے ایک قُدلیس محل کے اندر سے بھی واقف تھا اور وہ اُن سیڑھیوں سے بھی واقف تھا جو بالاخانے تک جاتی تھیں۔

معمولی سا اختلاف پایا جاتا ہے کہ سعدؓ بن ابی وقاص کو رستم کے اس شبخون کے فیصلے کی قبل از وقت اطلاع کس نے دی تھی۔ بعض مؤرخوں نے لکھا ہے کہ یہ اطلاع کسی مخبر نے دی تھی اور بعض نے وثوق سے لکھا ہے کہ مجاہدین کے گشتی سنتریوں (پٹرول) نے فارسیوں کے ان پانچ سو آدمیوں کو دلدلی علاقے کے پرے سے گزرتے دیکھا تھا۔ ایک سنتری نے دبے پاؤں قریب جا کر دیکھا۔ یہ فارسی جس سمت کو جا رہے تھے اس سے سنتری کو شک ہُوا۔ سنتری واپس دوڑ پڑا اور اُس نے سالاروں کو خبردار کیا۔

اطلاع کسی نے بھی پہنچائی ہو، تاریخی واقعہ یہ ہے کہ سعدؓ بن ابی وقاص نے قعقاع بن عمرو، طلیحہ بن خویلد اور حمال بن مالک کو بلا کر بتایا کہ فارسیوں کا ایک دستہ جو پانچ سو کے لگ بھگ ہوگا، اسے روکنا ہے۔ سعدؓ بن ابی وقاص نے انہیں کہا کہ وہ جتنی نفری ساتھ لے جانا چاہیں لے جائیں لیکن یہ نفری پیادہ ہو۔

قعقاع، طلیحہ اور حمال کا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ یہ تینوں غیر معمولی طور پر بہادر تھے اور بڑے تجربہ کار اور جارح قائد بھی تھے۔ یہ تینوں دن بھر کے تھکے ہوئے تھے۔ انہوں نے جس قسم کی لڑائی لڑی تھی، وہ تو ہڈیاں بھی توڑ دیتی ہے لیکن جس مشن پر انہیں بھیجا جا رہا تھا، اس کی تکمیل یہی تینوں کر سکتے تھے۔ انہیں لڑنا بھی تھا اور قیادت بھی کرنی تھی۔ انہوں نے اُسی وقت ایک سو سے کچھ زیادہ مجاہد منتخب کیے اور چل پڑے۔ انہوں نے دو مجاہدین کو ہراول کے طور پر آگے بھیج دیا تھا کہ فارسیوں کا دستہ نظر آئے تو فوراً آکر اطلاع دیں۔

شبخون مارنے کے لیے آنے والے اس فارسی دستے کو جلدی دیکھ لیا گیا۔ قعقاع، طلیحہ اور حمال نے اپنے مجاہدین کو گھات میں بٹھا دیا۔ فارسیوں کا دستہ گھات کے علاقے میں داخل ہوا تو مجاہدین خاموش رہے۔ جب پورا دستہ گھات میں آگیا تو دونوں طرف سے مجاہدین بڑی خوفناک آوازوں سے نعرے لگاتے جھپٹ پڑے۔ ایک سو مجاہدین نے پانچ سو فارسیوں کو گھیرے میں لے لیا تھا۔ تھوڑی سی دیر میں تمام فارسی کٹ چکے تھے۔

مسلمان عورتیں اپنے زخمیوں کو اٹھانے، پانی پلانے اور ان کی مرہم پٹی میں مصروف تھیں۔ انہیں پتہ ہی نہ چلا کہ کتنی بڑی آفت ان کے سروں کے اوپر سے گزر گئی ہے۔

عورتوں کو تو پتہ نہ چلا کہ کچھ ہُوا ہے۔ پتہ چلا تو رستم کو چلا جس کے نہ صرف

مُسلمان پانچ سو منتخب سوار مارے گئے تھے بلکہ اُس کا پلان ہی تباہ و برباد ہو گیا تھا۔ اُس نے بڑا خوبصورت خواب دیکھا تھا اور اُس نے اپنے آپ کو یقین دلا دیا تھا کہ تعبیر خواب سے زیادہ خوبصورت ہو گی۔ اُس کے جرنیلوں نے اُس کے اس پلان کی بہت تعریف کی تھی۔ رستم سمجھ نہیں سکا تھا کہ اُس کے ماتحت جرنیل اُس کے پلان کی نہیں بلکہ اُس کے عہدے اور اُس کے رُتبے کی تعریف کر رہے ہیں اور یہ چاپلوسی ہے۔ رستم فارس کی افواج کا کمانڈر انچیف بھی تھا اور وزیر جنگ بھی۔

رستم نے اپنے پانچ سو جانبازوں کو مسلمانوں کے کیمپ پر شبخون مارنے کے لیے بھیج کر سمجھ لیا تھا کہ اُس کا یہ پلان کامیاب ہے۔ اُس نے کامیابی سے پہلے ہی اپنے آپ کو انعام دے دیا تھا۔ یہ مدائن کی دو نوخیز لڑکیاں تھیں... فارس کے حُسن کے دو نادر شہکار! یہ تو فارس کے جرنیلوں کا شغل تھا جو میدانِ جنگ میں ان کے ساتھ رہتا تھا۔ شراب کو تو یہ لوگ لازمی سمجھتے تھے۔ رستم کو یہ دونوں لڑکیاں شراب پلا رہی تھیں لیکن وہ اتنی پی نہیں رہا تھا جتنا سوچ رہا تھا۔ اُس کے کان باہر کی آوازوں پر لگے ہُوئے تھے۔ کبھی وہ اُکتا کر ایک لڑکی کو گھسیٹ کر اپنے پاس بٹھا لیتا۔ وہ دو تین بار خیمے سے باہر نکل گیا۔ اُس کے خیمے کے باہر کھڑے دو دربان اُسے دیکھ کر جُھک جاتے اور محافظ دستے کا کمانڈر اُس کے پاس دوڑا آتا۔

"ابھی تک اُن کی کوئی اطلاع نہیں آئی؟" ــــ رستم آخری بار نکلا تو اُس نے کہا۔

"نہیں محترم!" ــــ محافظ دستے کے کمانڈر نے کہا ــــ "وہ آتے ہی ہوں گے۔ وہ معمولی سپاہی تو نہیں کہ بھاگ جائیں گے۔ ساری فوج میں سے چُنے ہُوئے جانباز ہیں۔"

"وہ آ گئے ہیں" ــــ یہ قُدلیس محل میں سلمیٰ کی آواز تھی۔ وہ سعدؓ بن ابی وقاص کو بتا رہی تھی۔ "ان کے آنے کا انداز بتا رہا ہے کہ کچھ کر کے آتے ہیں۔"

"بلاؤ انہیں!" ــــ سعدؓ نے جوش میں آ کر اُٹھتے ہُوئے کہا ــــ "انہیں فوراً لاؤ۔"

سعدؓ جذبے کے جوش میں اُٹھے تھے مگر درد کی ایسی ٹیس اُٹھی کہ بستر پر اوندھے منہ گر

"وہ یہیں آ رہے ہیں" ــــ سلمیٰ نے کہا ــــ "آپ کیوں اُٹھنے کی کوشش کر رہے ہیں!"

"اسلام علیکم سپہ سالار!" ــــ یہ قعقاع کی آواز تھی ــــ "خدا کی قسم! ہمارے کپڑے جس خون سے لال ہیں یہ خون ہمارا نہیں۔ دیکھ، سورج کے پجاریوں کا خون دیکھ۔"

قعقاع کے ساتھ طلیحہ اور حمّال تھے اور ان کے ساتھ قائمقام سپہ سالار خالد بن عرطفہ تھے۔ انہوں نے سعدؓ بن ابی وقاص کو تفصیل سے بتایا کہ دشمن کا ایک دستہ آ رہا تھا جسے گھات لگا کر ختم کر دیا گیا ہے۔

"خدا کی قسم" ــــ سعدؓ نے کہا ــــ "آنے والی نسلیں اور ان کے بعد آنے والی نسلیں تمہیں یاد کیا کریں گی.... اور کیا تم نہیں سمجھتے کہ یہ اللہ کا اشارہ ہے کہ فتح ہماری ہو گی!"

"لیکن ہمیں آرام نہیں کرنا چاہیئے سپہ سالار!" ــــ طلیحہ نے کہا ــــ "دشمن کے شبخون کا مطلب یہ ہے کہ وہ جنگ کو فیصلہ کُن مرحلے میں لے جانا چاہتا ہے۔"

"وہ چاہتا ہے یا نہیں" ــــ قعقاع نے کہا ــــ "ہم چاہتے ہیں کل جنگ کا فیصلہ ہو جائے۔ مجاہدین کی جسمانی حالت ایسی ہو گئی ہے کہ ان میں ایمان کی قوت نہ ہوتی تو ان میں کوئی ایک بھی ایسا نہیں جو پاؤں پر کھڑا رہ سکے۔"

"اللہ انہی کے ساتھ ہوتا ہے جن کا ایمان مضبوط ہو" ــــ سعدؓ نے کہا۔

اِدھر ایمان کی باتیں ہو رہی تھیں اُدھر ایک حسین و جمیل لڑکی رستم کو مدائن کے شاہی محل کا ایک راز سنا رہی تھی۔ رات کا آخری پہر شروع ہو چکا تھا۔ رستم کو ابھی تک اُس کے پانچ سو جانبازوں کی کوئی اطلاع نہیں ملی تھی۔ انتظار سے تو وہ اُکتا گیا تھا لیکن اُسے ایسا کوئی غم نہیں تھا کہ اس کا یہ جانباز دستہ ناکام لوٹے گا۔

اُس کے ساتھ دو لڑکیاں بھی جاگ رہی تھیں۔ اُس نے ایک لڑکی کو بھیج دیا اور دوسری کو اپنے پاس رکھا۔ رستم کا خیمہ بیش قیمت کپڑے کا محل تھا۔ اندر رنگا رنگ فانوس روشن تھے۔ وہ میدانِ جنگ میں گھوڑے پر سوار ہو کے نہیں نکلتا تھا بلکہ ایک شاہی تخت تھا جو ایک گھوڑا گاڑی پر نصب تھا۔ اسے چار گھوڑے کھینچتے تھے۔ بادشاہ جیسا یہ تخت اتنا اونچا تھا کہ اس پر بیٹھ کر سارا میدانِ جنگ نظر آتا تھا۔ مورخ اُس کے شاہانہ جاہ و جلال کا ذکر کرتے ہُوئے لکھتے ہیں کہ وہ اپنے آپ کو شہنشاہِ فارس کے درجے کا آدمی سمجھتا تھا اور یہی وجہ تھی کہ وہ جنگ کو ٹالتا رہا تھا۔ وہ مرنا نہیں چاہتا تھا۔ اُس کی نظریں فارس کے تخت و تاج پر لگی ہُوئی تھیں۔

اُس رات اُس نے انتظار کی کوفت سے بچنے کا یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ پہلے دو

لڑکیوں کو اپنے پاس رکھا پھر رات کے آخری پہر ایک لڑکی کو بھیج کر اُس لڑکی کو لے کے بیٹھ گیا جو زیادہ حسین اور دلکش تھی۔

"کہاں کی رہنے والی ہو؟" ——— رستم نے اُس سے چھیڑ خانی کرتے ہوئے پُوچھا۔

"مدائن!" ——— لڑکی نے جواب دیا۔

"تمھاری کوئی بہن نہیں ہے؟"

"ایک ہے" ——— لڑکی نے جواب دیا ——— "مجھ سے دو سال بڑی ہے۔"

"اُس کی تو شادی ہو چکی ہو گی!"

"نہیں" ——— لڑکی نے کہا ——— "وہ شاہِ فارس یزدگرد کے پاس ہے.... مجھ سے زیادہ خوبصورت ہے اور بہت ہوشیار اور عقلمند ہے۔"

رستم نے اس کے ساتھ بچوں کی سی باتیں شروع کر دیں۔

"آپ کو ایک بات بتاؤں" ——— لڑکی نے کہا ——— "میری بہن شاہِ فارس یزدگرد کی بڑے مزے کی باتیں سناتی ہے۔ میری بہن کو شاہِ فارس کی ماں (نورین) نے پسند کیا تھا اور میرے باپ کو سونا اور دو بہت ہی قیمتی ہیرے دے کر اپنے ساتھ لے گئی اور اپنے بادشاہ بیٹے کے حوالے کر دیا تھا۔ میں ابھی گھر میں ہی تھی۔ میری بہن بڑی شاندار بگھی پر دوسرے تیسرے دن کچھ دیر کے لیے گھر آیا کرتی اور باتیں سنایا کرتی تھی....

"اُسے شاہِ فارس کی ماں نے کہا تھا کہ میرا بیٹا محاذ پر جانے کی باتیں کرتا رہتا ہے اور میں نہیں چاہتی کہ وہ میدانِ جنگ میں جائے۔ یہ میرا ایک ہی ایک بیٹا ہے اور میں نے اسے چھُپا چھُپا کر پالا اور جوان کیا ہے۔ میں اسے ایک مجبوری کے تحت مدائن لائی تھی۔ مجھے فارس کی شہنشاہی سے زیادہ اپنا بیٹا عزیز ہے لیکن بیٹے کو فارس کی سلطنت اور فارس کے وقار کے ساتھ اتنی دلچسپی پیدا ہو گئی ہے کہ اس کے لیے جان تک دینے کو تیار رہتا ہے....

"شہنشاہ کی ماں نے میری بہن سے کہہ رکھا ہے کہ یہ نوجوان ہے اور تم اتنی زیادہ حسین ہو کہ اس کی نوجوانی کو اپنے حسن کی زنجیروں میں جکڑ سکتی ہو۔ اس پر اپنا نشہ طاری کیے رکھو اور شراب اتنی زیادہ پلاتی رہو کہ یہ نشے میں رہے۔ لڑنے والے لڑ رہے ہیں۔ مسلمان بڑی وحشی اور جابر قوم ہے۔ انھوں نے ہر میدان میں ہماری فوج کو شکست دی ہے اور اتنی قتل و غارت کی ہے کہ فارس کے لیے نئی فوج بنانی پڑی ہے۔ اگر ہماری فوج نے شکست ہی کھانی ہے تو میرا بیٹا شکست کو فتح میں تو نہیں بدل سکتا....

"میری بہن بڑی ہوشیار لڑکی ہے۔ اُس نے شاہِ فارس کو اپنے اثر میں لے لیا لیکن فارس

کی محبت اور مسلمانوں کی دشمنی اُسے نشے میں بھی یاد رہتی تھی اور وہ کہتا تھا کہ نہ مجھے رستم پر بھروسہ ہے نہ کسی اور جرنیل پر.... یہ اُن دنوں کی باتیں ہیں جب آپ قادسیہ نہیں آئے تھے۔ اُس کی ماں بہت پریشان تھی۔ آخر ماں کہیں سے ایک سفوف لے آئی اور میری بہن کو دے کر کہا کہ جب کبھی یزدگرد میدانِ جنگ میں جانے کا ارادہ کرے، اس سفوف کی چٹکی شراب میں ملا کر اُسے پلا دیا کرے....

"مجھے جس روز آپ کے پاس بھیجا گیا اس سے دو روز پہلے میری بہن گھر آئی تھی۔ اُس نے بتایا کہ یزدگرد کو جب یہ سفوف پلایا جاتا ہے تو وہ مدہوش نہیں ہوتا بلکہ اور زیادہ بیدار ہو جاتا ہے لیکن میدانِ جنگ کو بھُول جاتا ہے۔ ہنستا کھیلتا ہے اور بالکل پتہ نہیں چلتا کہ اس پر کسی نشے کا اثر ہے۔ اب معلوم نہیں اُس کی کیا حالت ہے.... آپ مجھ سے ناراض تو نہیں ہو جائیں گے میں نے شاہِ فارس کی شان میں گستاخی کی ہے۔"

رستم ہنس پڑا۔ اُس کا چہرہ بتا رہا تھا کہ وہ ناراض نہیں بلکہ راز کی یہ بات سُن کر خوش ہُوا ہے۔ وہ ناراض ہُوا ہوتا تو وہ لڑکی کے سوال کے جواب میں ہنس نہ پڑتا۔ اُسی وقت قاصد کو پیغام دے کر مدائن بھیج دیتا کہ فلاں لڑکی کو گرفتار کر لیا جائے کیونکہ وہ شاہِ فارس کی ماں کے ایما پر اُسے کوئی خطرناک نشہ آور دوائی پلا رہی ہے۔ تاریخ نویسوں کی تحریروں سے صاف پتہ ملتا ہے کہ رستم دل میں اقتدار کی ہوس لیے ہوئے تھا۔ پہلے ایک باب میں بیان ہو چکا ہے کہ پوران ملکۂ فارس بنی تو اُس نے رستم کو وزیرِ جنگ بنا کر تمام کاروبارِ سلطنت اُس کے حوالے کر دیا تھا۔ رستم کا یہ دعویٰ تھا کہ وہ علمِ نجوم میں مہارت رکھتا ہے۔ اُس نے پیش گوئی کی کہ سلطنتِ فارس کا انجام اچھا نہ ہو گا۔ کسی نے اُس سے پوچھا کہ اُسے معلوم ہے کہ سلطنت کا انجام اچھا نہیں ہو گا تو اُس نے سلطنت کی ذمہ داریاں کیوں قبول کر لی ہیں؟ اُس نے جواب دیا ——— "اقتدار کی ہوس اور حکومت کے لالچ میں!"

اس نے ہنس کر لڑکی کو اپنے ساتھ لگا لیا۔ عین اُس وقت اُسے خیمے سے باہر کھڑے چوبدار کی آواز سنائی دی:

"وزیرِ سلطنت، کماندارِ اعلیٰ کی خدمت میں ایک زخمی سپاہی حاضری کی اجازت چاہتا ہے۔"

"فوراً اندر بھیجو!" ——— رستم نے بلند آواز سے کہا اور لڑکی کو یوں دھکیل کر ایک طرف کر دیا جیسے کسی بے جان چیز کو راستے سے ہٹایا جاتا ہے اور اُٹھ کھڑا ہُوا۔

ایک سپاہی خیمے میں داخل ہُوا۔ اس کے کپڑے خون سے لال تھے۔ اُس کے ایک گال سے ابھی خون بہہ رہا تھا۔ اس کے جسم پر نہ جانے کتنے زخم تھے۔ وہ خیمے میں آ کر یوں زمین پر بیٹھ گیا جیسے

گر پڑا ہو۔ اس کا منہ کھلا ہوا تھا اور وہ ہانپ رہا تھا۔

"بولو کیا ہوا!" ـــــ رستم نے کہا۔

"پانی!" ـــــ زخمی نے کراہتی ہوئی آواز میں کہا ـــــ "زندہ نہیں رہوں گا!"

"مرنے سے پہلے ساری بات سناؤ" ـــــ رستم نے رعونت آمیز لہجے میں کہا اور دربان کو آواز دے کر بولا ـــــ "اسے پانی پلاؤ۔"

"سب مارے گئے" ـــــ زخمی نے بڑی مشکل سے کہا۔

اتنے میں فارس کا مشہور جرنیل جالینوس خیمے میں داخل ہوا۔

"مجھے کسی نے بتایا ہے کہ شب خون مارنے والے دستے کا ایک آدمی آیا ہے" ـــــ جالینوس نے تیزی سے بولتے ہوئے کہا ـــــ "میں اسی انتظار میں سویا ہی نہیں۔"

"تم بھی سن لو" ـــــ رستم نے جالینوس سے کہا اور زخمی سے مخاطب ہوا ـــــ "ہاں.... سب مارے گئے ہیں اور تم زخمی ہو کر نکل آئے ہو۔ یہ بتاؤ کہ شبخون کیسا رہا؟.... عربوں کا تم لوگوں نے کتنا نقصان کیا ہے؟"

"شبخون والی جگہ تک تو ہم پہنچ ہی نہیں سکے" ـــــ زخمی سپاہی نے ہانپتی کانپتی اور کراہتی ہوئی آواز میں کہا ـــــ "ابھی راستے میں تھے کہ اچانک ہر طرف سے مسلمان ہم پر ٹوٹ پڑے۔ وہ تو جیسے ہمارے انتظار میں وہاں چھپے ہوئے تھے۔ ان کا ہلّہ ایسا اچانک اور اتنا زبردست تھا کہ ہمیں ہتھیار نکالنے اور سنبھالنے کی بھی مہلت نہ ملی۔ انہوں نے ہمیں چاروں طرف سے ایسا دبایا کہ ہم سب ایک دوسرے کے ساتھ جڑ گئے۔ ہم کوئی جوابی کارروائی کر ہی نہیں سکتے تھے۔ ہتھیار نکال بھی لیتے تو بیکار تھا۔"

"کتنے آدمی بچ کر آئے ہیں؟" ـــــ رستم نے قہر بھری آواز میں کہا۔

"شاید میں ہی واپس آیا ہوں" ـــــ زخمی نے ایسی آواز میں کہا جو ڈوبتی جا رہی تھی ـــــ "کوئی قسمت والا ہی نکلا ہوگا۔ میں نے آپ کو اطلاع ...."

اس کی آواز ڈوب گئی اور وہ ایک پہلو کی طرف لڑھک گیا۔ رستم نے چوبدار کو آواز دی۔

"اسے لے جاؤ" ـــــ رستم نے چوبدار کو حکم دیا ـــــ "اور کہیں پھینک آؤ" ـــــ وہ جالینوس سے مخاطب ہوا ـــــ "سن لیا تم نے جالینوس؟ یہ بدبخت وہاں تک پہنچے ہی نہیں۔ یہ سب منتخب تھے۔ جانباز تھے۔ کیا یہ اچھا نہیں ہوا کہ سب مارے گئے ہیں؟"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ عربوں کے مخبر ہم میں موجود ہیں" ـــــ جالینوس نے کہا۔

"یہ نہیں" ـــــ رستم نے گرج کر کہا ـــــ "مطلب یہ ہے کہ وہ بیدار ہیں اور ہم سوتے رہے

ہیں۔ وہ رات کو بھی ہماری فوج کو دیکھتے رہتے ہیں لیکن یہ باتوں کا وقت نہیں جالینوس! ہمیں طلوعِ آفتاب کا انتظار نہیں کرنا چاہیئے۔ فیروزان اور ہرمزان کو فوراً بلاؤ۔ طلوعِ آفتاب سے پہلے حملہ کرنا ہے۔ کچھ ہی دیر بعد عربوں کی نماز کا وقت ہو جائے گا۔ وہ نماز کے لیے اکٹھے ہوں گے تو ہم حملہ کر دیں گے۔ میں آج جنگ کا خاتمہ چاہتا ہوں۔ میں کسی ایک عرب کو اپنی زمین پر زندہ نہ دیکھوں۔"

ہرمزان اور فیروزان فارس کے دو مشہور اور تجربہ کار جرنیل تھے۔ وہ رستم کے خیمے میں آئے۔ انہیں رستم نے بتایا کہ آج پوری فوج سے حملہ کرنا ہے۔ ہدایات اور احکام دے کر رستم نے ان دونوں جرنیلوں میں سے ایک کو دائیں اور دوسرے کو بائیں پہلو کے دستوں کی کمان دی۔

اتنی بڑی فوج کو حملے کی تیاری کے لیے کچھ وقت درکار تھا۔ گھوڑوں کو تیار کرنا تھا۔ دستوں کو ترتیب میں کھڑا کرنا تھا۔ تیاری کا حکم دے دیا گیا۔ خیمہ گاہ میں ہنگامہ بپا ہو گیا۔

مسلمانوں نے اپنے سنتری مقرر کر رکھے تھے جو رات بھر دشمن کے کیمپ پر چھپ چھپ کر نظر رکھتے تھے۔ اس رات پچھلے پہر کا چاند تھا۔ چاندنی بڑی شفاف تھی۔ چاندنی نہ ہوتی تو بھی سنتری فارسیوں کے کیمپ میں ہنگامے اور بھاگ دوڑ سے سمجھ جاتے کہ فوج تیار ہو رہی ہے۔ ایک سنتری دوڑ گیا اور اپنے قبیلے کے سردار کو بتایا جو میدانِ جنگ میں اس کا کمانڈر تھا۔ اس طرح یہ اطلاع قائمقام سپہ سالار خالد بن عرطفہ تک پہنچی۔ اس نے خود آگے جا کر دیکھا اور واپس آ کر سعدؓ بن ابی وقاص کو بتایا۔

اس وقت ایک مجاہد نے فجر کی اذان دی۔

"ابنِ عرطفہ!" ـــــ سعدؓ نے کہا ـــــ "اگر میرا دماغ ساتھ چھوڑ نہیں گیا تو آج فارسی اوچھی چال چل رہے ہیں۔ وہ اس وقت حملہ کریں گے جب ہمارا لشکر نماز پڑھ رہا ہوگا۔ لشکر سے کہہ دو تیار ہو جائے۔ آج نماز قضا پڑھی جائے گی.... آج ہاتھی نہیں ہوں گے.... سب کو بلاؤ۔"

ذرا سی دیر میں تمام سالار آ گئے۔ یہ سب اپنے اپنے قبیلے کے سردار تھے۔

"میرے رفیقو!" ـــــ سعدؓ بن ابی وقاص نے کہا ـــــ "آج کے دن تم ثابت قدم رہے تو تمہارے گھوڑوں اور مدائن کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہیں رہ جائے گی۔ دشمن کی حرکت بتا رہی ہے کہ آج وہ جنگ کا فیصلہ چاہتا ہے۔ فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے اور فیصلہ آج ہی کرنا ہے۔ تم اللہ کے ساتھ کیے ہوئے وعدے اور عہد پورے کرنا۔ اللہ اپنے وعدے پورے کرے گا۔"

اس کے بعد سعدؓ نے سب کو بتایا کہ کون کس پوزیشن میں ہوگا اور اگر دشمن حملے میں پہل کرتا ہے تو کون سا سالار اپنے دستوں سے حملہ روکے گا اور دوسرے کیا کریں گے۔

"یاد رکھو" ـــــ سعدؓ نے کہا ـــــ "دشمن خواہ سر پر آ جائے، تم اپنی اپنی جگہ کھڑے رہو گے۔ تکبیر کے تیسرے نعرے پر صرف وہ دستے آگے بڑھیں گے جنہوں نے حملہ روکنا ہے۔ اپنے آدمیوں کو قابو میں رکھنا تمہارا کام ہے اور یہ بہت ضروری ہے۔ مجھے یہ نظر آ رہا ہے کہ آج رستم بڑے تیز و تند طوفان کی طرح آئے گا۔ ایسا نہ ہو کہ تم بھی جوش میں آ جاؤ اور جو نظم و نسق تم نے کل تک برقرار رکھا ہے وہ ٹوٹ جائے۔ اپنی تعداد دیکھو۔ بہت تھوڑی ہے۔ اپنے جسموں کی حالت دیکھو۔ جسم ٹوٹ پھوٹ گئے ہیں۔ اگر مجاہدین مشتعل ہو کر جوش میں آ گئے تو یاد رکھو، دشمن کی اتنی بڑی فوج میں گم ہو جاؤ گے ..... میں دیکھتا رہوں گا۔"

رستم نے پوری کوشش کی تھی کہ صبح طلوع ہونے سے پہلے اس وقت حملہ کرے جب مجاہدین نماز باجماعت پڑھ رہے ہوں۔ اُس نے اپنے کیمپ میں بہت شور شرابہ کیا تھا کہ فوج بروقت تیار ہو کر حملے کی ترتیب میں آ جائے۔ وہ گالی گلوچ کرتا پھر رہا تھا لیکن تھکے ہارے ہوئے تنخواہ دار سپاہی بیہوشی کی نیند سوئے ہوئے تھے۔ کماندار اور عہدیدار رات بھر شراب پیتے رہے تھے۔ انہیں اٹھنے میں دشواری محسوس ہو رہی تھی۔ سب جانتے تھے کہ لڑائی سورج نکلنے کے بعد شروع ہوا کرتی ہے اس لیے انہیں اُٹھنے کی کوئی جلدی نہیں تھی۔

فوج کی تیاری میں صبح طلوع ہو گئی اور جب یہ فوج میدان جنگ میں ترتیب میں آئی تو رستم یہ دیکھ کر پریشان ہو گیا کہ مسلمان اُس کے استقبال کے لیے تیار کھڑے تھے۔

سعدؓ بن ابی وقاص بالاخانے سے دیکھ رہے تھے۔ اُنہوں نے دیکھا کہ فارسیوں کی ترتیب میں کچھ تبدیلیاں ہیں۔ فوج کے ساتھ ہاتھی نہیں تھے۔ کسی بھی مؤرخ نے نہیں لکھا کہ ہاتھی جو دریا میں اُتر گئے تھے وہ ڈوب کر مر گئے تھے یا آگے جا کر کہیں زندہ پکڑے گئے تھے۔ سفید اور سیاہ ہاتھیوں کی سونڈیں کٹ گئی تھیں۔ انہیں تو سارا خون بہ جانے سے مرنا ہی تھا۔

سعدؓ کو رستم بھی دکھائی دیا۔ وہ چار گھوڑوں کی بگھی پر نصب شدہ تخت پر بیٹھا تھا۔ یہ تخت ایک کُرسی تھی جس میں ہیرے اور جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ رستم قلب کے دستوں کے درمیان تھا اور اُس کے اردگرد محافظ دستے کا حصار تھا۔

"سلمیٰ!" ـــــ سعدؓ بن ابی وقاص نے اپنی بیوی سے کہا ـــــ "فارسیوں کی پیش قدمی کا انداز دیکھ رہی ہو؟ کیا بدمست سانڈ اسی طرح پھنکارتا اور ڈکارتا نہیں آیا کرتا؟"

"ہاں ابی وقاص کے بیٹے!" ـــــ سلمیٰ نے کہا ـــــ "صحرا کی آندھی اسی طرح آیا کرتی ہے۔ اپنے لشکر کو دیکھتی ہوں تو ہاتھ اللہ کی طرف اُٹھ جاتے ہیں۔"

"اللہ ہی تو ہے سلمیٰ!" ـــــ سعدؓ نے کہا ـــــ "میں نے قبیلوں کے سرداروں سے کئی بار کہا ہے کہ اپنے مجاہدین کو قرآن کا یہ فرمان یاد دلاتے رہا کریں ـــــ 'اے جماعتِ مومنین! ثابت قدم رہو اور دوسروں کو ثابت قدم رہنے کی تلقین کرو اور تقویٰ اللہ پر رکھو۔ آپس میں جڑے رہو پھر اپنی مراد (منزل) پا لو گے' ـــــ (آل عمران: ۲۰۰) ..... اور سلمیٰ! میں نے کہنا کچھ اور تھا۔ مجھے اکیلا چھوڑو اور عورتوں کو اچھی طرح سمجھا کر آؤ کہ آج دشمن بپھر کر آ رہا ہے۔ کسی بھی وقت کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ عورتیں تیار رہیں۔ ہو سکتا ہے دشمن اُن تک پہنچ جائے۔ اس صورت میں عورتیں جم کر مقابلہ کریں اور کوئی عورت زندہ دشمن کے ہاتھ نہ آئے۔"

سلمیٰ چلی گئی۔

رستم کے پاس فوج بہت زیادہ تھی اس لیے اُس نے فوج کو جس ترتیب میں منظم کیا تھا اس کی گہرائی بہت زیادہ تھی۔ قلب کے دائیں اور بائیں کے دستوں کی آگے پیچھے تیرہ تیرہ صفیں تھیں۔ اس کے مقابلے میں مسلمانوں کی آگے پیچھے تین تین صفیں تھیں۔ رستم نے گھوڑ سوار پیچھے رکھے تھے اور مسلمانوں کے گھوڑ سوار دستے آگے تھے۔

سعدؓ بن ابی وقاص نے پہلا نعرۂ تکبیر لگوا دیا۔ مجاہدین تیار ہو گئے۔ مجاہدین نے تیسرے نعرے پر آگے بڑھنا تھا۔ پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے کہ مسلمانوں کے ان نعروں سے فارسی واقف تھے۔ رستم نے دو مرتبہ یوں کیا تھا کہ مسلمانوں نے پہلا نعرہ لگایا اور رستم نے حملہ کرا دیا تا کہ مسلمانوں کو تیاری کی مہلت ہی نہ مل سکے۔ مسلمانوں کے سپہ سالار کا سخت حکم تھا کہ تیسرے نعرے سے پہلے اپنی جگہ سے نہ ہلیں۔

پہلے نعرے پر فارسیوں نے ایک ایسی چال چلی جو پہلے کبھی نہیں چلی تھی۔ وہ یہ کہ اُن کے گھوڑ سوار تیر انداز آگے آ گئے اور انہوں نے مجاہدین پر تیروں کی بوچھاڑیں پھینکنی شروع کر دیں۔ اس سے رستم کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کی ترتیب خراب ہو جائے اور وہ آگے بڑھنے کی بجائے پیچھے ہٹنا شروع کر دیں اور دلجمعی سے مقابلہ نہ کر سکیں۔

سعدؓ نے دشمن کی یہ چال دیکھی تو دوسرا نعرہ لگوا دیا۔ اس جنگ کو تفصیل سے بیان کرنے والے مؤرخوں نے لکھا ہے کہ قعقاع بن عمرو تمیمی نے دیکھا کہ دشمن تیر اندازی کرتا آ رہا ہے اور تیر اندازوں کے پیچھے پیادہ دستے آ رہے ہیں تو قعقاع ایسے جوش میں آ گیا جس میں غصہ بھی تھا اور عتاب بھی۔ وہ سپہ سالار کا یہ حکم بھول گیا کہ تیسرے نعرے سے پہلے کوئی حرکت نہیں کرنی۔

"اے بنو تمیم!" ـــــ اُس نے اپنے قبیلے کو للکارا ـــــ "خدا کی قسم، میں فارسیوں کی یہ چال کامیاب

نہیں ہونے دوں گا۔ میرے پیچھے آؤ۔"

اُس نے تیسرے نعرے کا انتظار کیے بغیر گھوڑے کو ایڑ لگا دی اور اس کے پورے قبیلے کے سوار تلواریں اور برچھیاں تانے اُس کے پیچھے گئے۔

سپہ سالار سعدؓ بن ابی وقاص نے یہ دیکھا تو پریشان ہو گئے۔ پریشانی کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ قعقاع جیسے ذمہ دار عہدیدار نے سپہ سالار کے حکم کی خلاف ورزی کی تھی۔ امیرِ لشکر کی حکم عدولی کو گناہ سمجھا جاتا تھا۔ دوسری پریشانی یہ تھی کہ پورا میدانِ جنگ سعدؓ کی نظر میں تھا۔ دشمن کی نقل و حرکت اور چالوں کو وہی دیکھ رہے تھے اس لیے وہی بہتر سمجھتے تھے کہ کسے آگے بڑھانا اور کسے پیچھے رکھنا ہے۔

قعقاع اپنے قبیلے کی قیادت کرتے ہوئے دشمن کی آگے بڑھتی ہوئی صفوں میں گھس گیا تھا۔ اُس کی بہادری، بے خوفی اور جارحانہ قیادت پر کسی کو شک نہ تھا۔ اُس کے حملے کا زور سوار تیر اندازوں پر تھا۔ "الاخبار الطوال" میں یہ واقعہ تفصیل سے لکھا ہے۔

"یا اللہ!" ـــ سعدؓ بن ابی وقاص نے ہاتھ اُٹھا کر اللہ سے التجا کی ـــ "اسے (قعقاع کو) معاف کر دے اور اس کی مدد فرما۔ بیشک اس نے مجھ سے اجازت نہیں لی۔ میں اسے اجازت دیتا ہوں.... اللہ! اے غفور الرحیم! اس کی مدد فرما۔ اس کی حفاظت فرما۔"

یہ تھی سپہ سالار اور امیرِ لشکر کی عالی ظرفی اور فیاضی۔

قعقاع نے یہ کامیابی حاصل کر لی کہ دشمن کے سوار تیر اندازوں کو درہم برہم کر کے اپنے لشکر کو تیروں سے بچا لیا اور اس کے ساتھ فارسیوں کی ترتیب کو اور اُن کے جنگی پلان کو تہ و بالا کر دیا۔

مستند تاریخوں کے مطابق مجاہدین کے لشکر میں ایک اور بدنظمی پیدا ہو گئی۔ قعقاع کو یوں دشمن پر حملہ آور ہوتے دیکھ کر قیس بن اشعث نے اپنے قبیلے کو یوں للکارا ـــ "بہادرو! بنو تمیم کو دیکھو کس طرح دشمن کے اندر جا کر اُس کا جگر چاک کر رہے ہیں۔ تم نے ان سے زیادہ بہادری دکھانی ہے۔ بنو تمیم اللہ کی راہ میں تم سے آگے نہ نکل جائیں۔ میرے پیچھے آؤ۔"

ایک اور قبیلہ دشمن پر ٹوٹ پڑا اور سعدؓ اس کے لیے بھی دعا کرنے لگے۔ اس قبیلے کا سردار عمرؓ بن معدی کرب تھا جس نے قبیلے کو خوب بھڑکایا اور اکسایا تھا۔

پھر ایک اور قبیلے کا سردار ابن ذی البردین جوش میں آ گیا۔ اُس نے بھی اپنے قبیلے کو مشتعل کر دیا اور سپہ سالار کی اجازت کے بغیر حملہ کر دیا۔

اس طرح بنو تمیم کی تقلید میں چار اور قبیلے ـــ بنو اسد، بنو نخع، بنو بجیلہ اور بنو کندہ ـــ

حیرت انگیز بہادری سے دشمن کی صفوں پر حملہ آور ہوتے۔ یہ بڑا ہی شدید اور تیز رفتار ہلّہ تھا جس سے یہ کامیابی حاصل ہوئی کہ رستم کا پلان تباہ ہو گیا اور اس کی فوج کی نہ صرف ترتیب بکھر گئی بلکہ اس کا جانی نقصان بھی خاصا ہوا۔

لڑائی نے ایسی صورت اختیار کر لی تھی کہ نہ رستم کا اپنی فوج پر نہ سعدؓ بن ابی وقاص کا اپنے لشکر پر کنٹرول رہا تھا۔ علامہ شبلی نعمانی بلاذری اور طبری کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ سعدؓ خشوع و خضوع سے اپنے لشکر کی سلامتی اور کامیابی کے لیے دعائیں کر رہے تھے۔ دعا کے سوا وہ اور کر بھی کیا سکتے تھے۔ دعا مانگتے مانگتے اُن پر رقت طاری ہو گئی۔

قعقاع اور قبیلوں کے وہ سالار جو سپہ سالار کے حکم کے بغیر دشمن پر ٹوٹ پڑے تھے، کوئی اناڑی نہیں تھے۔ ان میں صرف جذبات کا ہی جوش نہ تھا بلکہ وہ عسکری ذہانت سے آگے بڑھے اور لڑ رہے تھے۔ تیسرے نعرۂ تکبیر پر دوسرے قبیلے بھی اُن سے مل گئے تھے۔ قعقاع نے یہ کمال کر دکھایا تھا کہ سوار تیر اندازوں کو بکھیر کر دشمن کے ایک پہلو پر جا ہلّہ بولا تھا۔ دوسرے پہلو پر دو اور قبیلوں نے مل کر حملہ کیا تھا۔ اس کے نتیجے میں پہلوؤں کے دستے قلب کے دستوں میں گڈمڈ ہو گئے اور پھر دشمن کی فوج میں قلب کی جگہ شگاف پیدا ہو گیا جس سے مسلمان سالاروں نے بہت فائدہ اُٹھایا۔

رستم نے اس صورتِ حال میں بہتر سمجھا کہ اپنی فوج کو پیچھے ہٹا لے۔ وہ ابھی تک اپنے متحرک تخت پر بیٹھا میدانِ جنگ میں بگھی دوڑاتا پھر رہا تھا۔ اس نے اپنی فوج کو دستہ بدستہ پیچھے ہٹا لیا۔ مسلمان سالار پہلے ہی محسوس کر رہے تھے کہ انہیں پیچھے ہٹ آنا چاہیے۔ انہوں نے اپنا یہ مقصد حاصل کر لیا تھا کہ فارس کی فوج کا دم خم اور جوش و خروش توڑ دیا اور اس کی ترتیب اور تنظیم کو بُری طرح بکھیر دیا تھا۔

دونوں فوجیں پیچھے ہٹ گئیں۔ کچھ دیر بعد دونوں فوجوں نے اپنی اپنی ترتیب اور تنظیم بحال کر لی۔ سعدؓ بن ابی وقاص نے بالاخانے سے پیغام بھیجا جو قاصد نے فوراً قائم مقام سپہ سالار خالد بن عرفطہ تک پہنچا دیا۔ یہ سالاروں کے نام تھا۔ خالد بن عرفطہ نے پیغام اپنے لشکر کو سنایا:

"اللہ تم سب کو معاف کرے۔ تم نے دوسرے اور تیسرے نعرۂ تکبیر کا انتظار نہ کیا۔ اللہ تمہارے جوش اور جذبے کو قبول کرے لیکن میدانِ جنگ کے نظم و نسق اور تنظیم کو نہ توڑو۔ اللہ نے تمہیں معاف کر دیا ہے جس کا ثبوت یہ ہے کہ تم دشمن پر غالب رہے۔ اب تیسرے نعرے کا انتظار کرنا اور اگر اب دشمن پہلے

کی طرح ہلّہ بولے تو تمہارا زیادہ زور اور دباؤ دشمن کے پہلوؤں پر ہو۔ مجھے اطلاع ملی ہے کہ رستم نے اپنے پہلوؤں پر اپنے دو سب سے زیادہ قابل اور بہادر جرنیل رکھے ہیں۔ ایک کا نام فیروزان اور دوسرے کا ہرمزان ہے۔"

خالد بن عرطفہ یہ پیغام بمشکل سنا ہی پاتے تھے کہ اُفق سے بڑا ہی گرد و غبار اٹھا جو میدانِ جنگ کی طرف بڑھتا اور ہر طرف پھیلتا چلا گیا۔ میدانِ جنگ کی فضا میں ہوا بالکل بند ہو گئی۔ یہ طوفان سے پہلے کی خاموشی تھی۔ بڑا ہی خوفناک طوفان آ رہا تھا۔

"اللہ کی مدد آ رہی ہے" ——— کسی مجاہد یا سالار نے بڑی ہی بلند آواز سے نعرہ لگایا۔

یہ بڑی ہی تند و تیز آندھی تھی کہ درخت اس کے راستے میں سجدہ ریز ہو رہے تھے۔ اس کی چیخیں اور زناٹے اتنے خوفناک تھے کہ گھوڑے بدکنے لگے۔ گرد اتنی کہ آنکھیں نہیں کھلتی تھیں وہ علاقہ تو سرسبز تھا لیکن یہ آندھی صحرا کی طرف سے آ رہی تھی اس لیے اس میں ریت بہت زیادہ تھی۔ یہ ریت آنکھوں میں پڑتی تھی۔

سعدؓ بن ابی وقاص نے پیغام لکھوایا نہیں بلکہ بالاخانے کے نیچے کھڑے ایک قاصد سے کہا کہ خالد بن عرطفہ سے کہو کہ اس آندھی کو اللہ کی طرف سے کمک اور مدد سمجھو۔ دیکھو کہ آندھی کا رخ تمہارے حق میں اور دشمن کے خلاف ہے۔ اللہ کا نام لو اور دشمن کے پہلوؤں پر ہلّہ بول دو۔

تاریخ نویسوں نے اس آندھی کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ رستم کا محل نما خیمہ اس طرح اُڑا کہ پورے کا پورا دریائے عتیق میں جا پڑا۔ یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ رستم کے تمام ہاتھی اسی دریا میں ڈوبے تھے اور اُس کا خیمہ جو کپڑے کا وسیع و عریض محل تھا اُڑ کر اسی دریا میں جا پڑا۔ اس کے اندر جو بیش قیمت اشیاء اور فرنیچر وغیرہ تھا۔ وہ سب کچھ دریا کی نذر ہو گیا۔

مسلمانوں نے اپنے سپہ سالار کا حکم ملتے ہی فارسیوں پر حملہ کر دیا۔ اگر دونوں فوجوں کی تعداد اور جنگی ساز و سامان دیکھا جاتا تو یہ حملہ ایسے ہی تھا جیسے ایک بلّی نے ہاتھی پر حملہ کر دیا ہو۔ مسلمانوں کا زیادہ تر زور فارسیوں کے پہلوؤں پر تھا۔ فارسیوں کو توقع نہیں تھی کہ مسلمان اتنی خوفناک آندھی میں بھی حملہ کر دیں گے۔ وہ ذہنی طور پر اس کے لیے تیار نہیں تھے۔ آندھی کا رخ اُنہی کی طرف تھا۔ ریت اور مٹی اُن کی آنکھوں میں پڑ رہی تھی لیکن یہ رکاوٹ صرف ان کے لیے نہیں تھی۔ لڑائی کے دوران پینترے بدلتے ہوئے اور آگے پیچھے، دائیں بائیں ہوتے اور ہٹتے مسلمانوں کے منہ بھی آندھی کے رُخ میں آ جاتے تھے اور ریت اُن کی آنکھوں میں بھی پڑتی تھی۔ اس لحاظ سے آندھی دونوں فریقوں کے لیے رکاوٹ تھی۔ فرق صرف یہ تھا کہ فارسی تنخواہ کے لیے یا اپنے جرنیلوں کی خوشنودی حاصل کر کے انعام و اکرام کے لیے لڑتے تھے اور اس کے برعکس مسلمانوں کو صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی مطلوب تھی۔

پھر ایک فرق یہ تھا کہ فارسی آندھی کو قدرتی آفت سمجھتے تھے لیکن مسلمانوں نے اس آندھی کو اللہ تعالیٰ کی نعمت اور غیبی مدد سمجھا۔

ایک بار پھر میدانِ جنگ کی صورتِ حال ایسی ہو گئی کہ اُدھر رستم کو اور اِدھر سعدؓ بن ابی وقاص کو پتہ ہی نہیں چل رہا تھا کہ کیا ہو رہا ہے اور کون کس پر غالب آ رہا ہے۔ البتہ رستم یہ محسوس کر رہا تھا کہ اُس کے دائیں اور بائیں پہلو گڈمڈ ہو گئے ہیں اور فوج کی کوئی ترتیب نہیں رہی۔

رستم کے پاس ایک طاقت ایسی تھی جس پر مسلمانوں کے جوش و جذبے کا کچھ اثر نہیں ہو رہا تھا اور یہ طاقت مسلمانوں کو نقصان پہنچا رہی تھی۔ یہ وہ خاص دستہ تھا جو یزدگرد نے کمک کے طور پر رستم کو بھیجا تھا۔ اس کا ہر سوار زرہ پوش تھا۔ مجاہدین کی تلواریں زرہ پر پڑتی تھیں تو بیکار اُچھل کر واپس آتی تھیں۔ کسی قبیلے کے دو سرداروں نے دیکھا تو انہوں نے مجاہدین کو بتایا کہ وہ غلط طریقہ استعمال کر رہے ہیں۔ ان میں سے ایک سردار نے ایک زرہ پوش سوار کی ناف کے نیچے برچھی ماری تو برچھی سوار کی کمر میں سے بھی پار ہو گئی۔

"تمہیں معلوم نہیں" ——— اس سردار نے مجاہدین سے کہا ——— "یہ زرہ ناف تک ہی ہے۔ یہ صرف سینے اور پیٹ کا ہی بچاؤ کر سکتی ہے۔ تم اس کی ناف کے نیچے برچھی مارو یا تلوار برچھی کی طرح استعمال کرو۔"

اس کے بعد مجاہدین نے یہی طریقہ اختیار کیا اور زرہ پوش سواروں کو گرانا شروع کر دیا۔

آندھی کی شدت میں کمی آ گئی اور آہستہ آہستہ آندھی کم ہوتی گئی پھر فضا صاف ہونے لگی اور نظر کچھ دُور تک کام کرنے لگی۔ تب دیکھا کہ فارسیوں کا خاصا نقصان ہو چکا تھا اور اُن کی کوئی ترتیب نہیں رہی تھی۔ سعدؓ بن ابی وقاص کی طرف سے یہ پیغام آیا کہ دباؤ جاری رکھو اور رستم تک پہنچو۔

یہ پیغام جب قعقاع تک پہنچا تو اُس نے اپنے قبیلے کے کچھ منتخب مجاہدین کو ساتھ لیا اور اُس طرف چل پڑے جس طرف انہیں رستم کی موجودگی کا شک تھا۔

ان مجاہدین کو زیادہ دُور نہ جانا پڑا۔ انہیں رستم کی تخت بردار بگھی نظر آ گئی لیکن رستم تخت پر نہیں تھا۔ اس وقت فارس کی فوج کے پاؤں اُکھڑ چکے تھے۔ سعدؓ بن ابی وقاص کی طرف سے پیغام آیا کہ پل کی طرف دیکھو، فارسی بھاگ رہے ہیں۔

حضرت عمرؓ اور مثنیٰ بن حارثہ کی دانشمندی اُس وقت سامنے آئی جب فارسی پسپا ہونے کے لیے پل پر ہجوم کیے ہوئے تھے۔ گھوڑے اور انسان آپس میں اس طرح پھنس گئے تھے کہ ایک دوسرے سے نکل نہیں سکتے تھے۔ کچھ فارسی فوجیوں کو دریا میں چھلانگیں لگاتے دیکھا گیا لیکن لڑائی ابھی تک

جاری تھی۔

پہلے ایک باب میں بیان ہو چکا ہے کہ حضرت عمرؓ نے سعدؓ بن ابی وقاص کو یہ ہدایت بھیجی تھی کہ تم دریا کے پار نہ جانا بلکہ فارسیوں کو دریا کی اپنی طرف لانے کی کوشش کرنا۔ مثنیٰ بن حارثہ نے بھی شہادت سے پہلے یہی وصیت کی تھی کہ جو کوئی بھی میرا جانشین ہو گا، اُسے بتا دینا کہ دریا کے پار جا کر لڑائی نہ لڑنا دشمن کو اپنی طرف گھسیٹ لینا تاکہ دریا اس کی پشت پر رہے۔

اب جب کہ فارسی پسپا ہو رہے تھے تو حضرت عمرؓ اور مثنیٰ کی راستے کے فائدے سامنے آ رہے تھے۔ دریا عبور کرنے کے لیے ایک تو پل تھا اور پل سے تھوڑی ہی دُور ایک عارضی پشتہ تھا۔ فارسیوں کی پوری فوج ایک ہی بار پل اور پشتے سے نہیں گزر سکتی تھی۔ اس دریا کا ایک فائدہ پہلے ہی مسلمانوں کو حاصل ہو چکا تھا وہ یہ کہ فارسیوں کے تمام ہاتھی بھاگ کر دریا میں اُترے اور دریا انہیں بہا کر لے گیا تھا۔ پھر ایک فائدہ یہ بھی تھا کہ پسپا ہونے والے بیشتر فارسی دریا میں اُترنے سے ڈرتے تھے اس لیے وہ دریا کے کنارے، ڈرے ہوئے ہجوم کی صورت اکٹھے ہوتے اور اِدھر اُدھر بھاگتے دوڑتے تھے۔

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اب لڑائی کی صورتِ حال ایسی ہو گئی تھی جیسے عام سے لوگ ایک دوسرے کا خون بہا رہے ہوں، سالار بھی سپاہیوں کی طرح لڑ رہے تھے اور دونوں طرف کسی کا کنٹرول نہیں رہا تھا۔ قعقاع اپنے منتخب آدمیوں کے ساتھ رستم تک پہنچ گیا لیکن رستم اپنے حفاظتی دستے کے حصار میں تھا اور اس دستے کی تعداد زیادہ تھی۔ اس کے مقابلے میں قعقاع کے ساتھ آدمی تھوڑے تھے۔ حفاظتی دستے کا ہر آدمی اپنی جان پر کھیل کر لڑ رہا تھا جس سے مجاہدین کو خاصی دشواری پیش آ رہی تھی۔

یہاں مؤرخوں میں کچھ اختلاف پایا جاتا ہے۔ زیادہ تر مؤرخ لکھتے ہیں کہ جب آندھی میں مسلمانوں نے حملہ کیا تھا تو سوار مجاہدین بھی گھوڑوں سے اُتر آئے تھے اور سب نے پیادہ حملہ کیا تھا کیونکہ انہوں نے اسی میں سہولت سمجھی تھی۔ ایسے مؤرخوں کی تعداد کم ہے جنہوں نے لکھا ہے کہ مجاہدین سوار تھے، انہوں نے گھوڑوں پر ہی سوار رہ کے حملہ کیا تھا۔ بہرحال اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا کہ مجاہدین پیادہ تھے یا سوار۔ قابلِ توجہ حقیقت یہ ہے کہ اتنی کم تعداد مجاہدین نے اپنے سے تین گنا زیادہ اور بہتر ہتھیاروں سے مسلح فوج کو بے بس کر دیا تھا۔

قعقاع اور اس کے جانباز رستم کا حصار توڑنے کے لیے جان کی بازی لگاتے ہوئے تھے۔ ان میں سے بعض زخمی ہو چکے تھے پھر بھی لڑ رہے تھے۔ ایک تو یہ معرکہ بڑا ہی شدید اور خونریز تھا

رہے یہ کہ فارسیوں کے گھوڑوں کی اڑائی ہوئی گرد میں کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رستم نکل گیا۔ جانباز مجاہدین کو پتہ ہی نہ چلا۔ انہیں اس وقت پتہ چلا جب رستم کے پیچھے پیچھے محافظ اِدھر اُدھر بھاگ نکلے۔ مجاہدین نے رستم کو بہت ڈھونڈا لیکن وہ کہیں نظر نہ آیا۔

دریا کے قریب ہی بہت سی خچریں کھڑی تھیں جن پر سامان لدا ہوا تھا اور سامان پر چمڑے کے بال پڑے ہوئے تھے کچھ سامان زمین پر پڑا ہوا تھا۔ یہ ایک ڈھیر کی صورت تھی۔ رستم اس سامان میں چھپ گیا تھا۔ مجاہدین وہاں تک جا پہنچے پھر وہ رستم کی تلاش میں بکھر گئے۔

بلال بن علقمہ نام کا ایک مجاہد سب سے الگ تھلگ رستم کو ڈھونڈ رہا تھا۔ اُسے سامان کے اور ڈھیر میں حرکت سی محسوس ہوئی۔ اس سامان کے اردگرد رسّی بندھی ہوئی تھی۔ بلال بن علقمہ نے زور سے تلوار ماری کہ رسّی کٹ گئی اور سامان گر پڑا۔ بلال کو اس میں کوئی انسان نظر نہ آیا۔

مؤرخوں کی تحریروں کے مطابق رستم سامان کے اسی ڈھیر کے اندر چھپا ہوا تھا۔ یہ لوہے اور لکڑی کے بکس تھے۔ بلال نے جب تلوار سے رسّی کاٹ دی تھی تو ایک بڑا وزنی بکس رستم کی پیٹھ پر گرا تھا جس سے اس کی ریڑھ کی ہڈی کو بڑی شدید ضرب لگی۔ بلال کو پتہ نہ چلا۔ وہ وہاں سے ہٹ گیا۔

رستم چھپا ہوا بلال بن علقمہ کو دیکھ رہا تھا۔ جب بلال کچھ دُور چلا گیا تو رستم سامان میں سے پیٹ کے بل رینگتا ہوا نکلا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ریڑھ کی ہڈی پر ضرب لگنے سے وہ اُٹھ کر کھڑا نہیں ہو سکتا تھا اگر وہ اُٹھا بھی تو تیز نہ چل سکا۔ اُسے صرف دریا پناہ دے سکتا تھا۔ دریا چند قدم دُور تھا۔ رستم دیر کھڑا نہ رہ سکا۔ وہ پیٹ کے بل رینگتا ہوا دریا میں چلا گیا۔ اس وقت بلال بن علقمہ نے اُسے دیکھ لیا۔

رستم دریا میں جا کر تیرنے لگا۔ وہ طاقتور آدمی تھا۔ اگر اس کی ریڑھ کی ہڈی کو چوٹ نہ لگی ہوتی تو وہ دریا سے تیر کر وہ نکل جاتا لیکن اس میں اتنی ہمت نہیں تھی۔ بلال بن علقمہ نے اُسے دیکھا تو اس کے پیچھے دریا میں کود گیا۔ اس نے رستم کی ایک ٹانگ ٹخنے سے پکڑ لی اور اُسے گھسیٹ کر کنارے پر لے آیا۔ رستم کی بدنصیبی کہ اس کے محافظ یہ سمجھ کر کہ ان کا آقا زندہ سلامت نکل گیا ہے۔ وہ سب بھی چلے گئے تھے لیکن رستم ایک مجاہد کے قابو میں آ گیا تھا۔

بلال بن علقمہ نے رستم کو کنارے پر لا کر تلوار نکالی۔ رستم نے اُٹھنے کی کوشش کی جس میں وہ کامیاب نہ ہو سکا۔

"اے عربی!" ۔۔۔ رستم نے بلال سے کہا ۔۔۔ "مجھے زندہ چھوڑ دے تو جتنی دولت مانگے گا ۔۔۔ بول کیا چاہتا ہے؟"

"اے عجمی سردار!" — ہلال بن علقمہ نے کہا — "میں جو چاہتا ہوں وہ میں خود لے لوں گا۔"
ہلال نے تلوار کے ایک ہی وار سے رستم کا سر اُس کے جسم سے الگ کر دیا۔
"مجھے جس دولت کی ضرورت تھی وہ میں نے لے لی ہے" — ہلال نے کہا۔

ہلال وہاں سے دوڑا اور سامان کے اُس ڈھیر کے اوپر چڑھ گیا جس کے نیچے سے رستم نکل کر بھاگا تھا۔ ہلال نے میدانِ جنگ پر نظر دوڑائی۔ اُسے وہ بگھی نظر آ گئی جس پر رستم کا شاہانہ تخت تھا۔ ہلال دوڑا اور تخت پر جا چڑھا۔ بگھی چلانے والے بھاگ گئے تھے۔

"ربّ کعبہ کی قسم!" — ہلال نے بڑی ہی بلند آواز سے اعلان کیا — "میں نے عجم کے رستم کو قتل کر دیا ہے.... اِدھر آؤ.... اِدھر آؤ۔"

ہلال نے تین بار نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ جس جس مجاہد نے اُس کی آواز سُنی، وہ دوڑا آیا۔ سب نے دیکھا کہ رستم کی سر کٹی لاش دریا کے کنارے پڑی ہے۔ مجاہدین نے بھی نعرہ بازی کے انداز سے اعلان کرنے شروع کر دیئے کہ رستم قتل ہو گیا ہے۔

علامہ بلاذری نے دوسرے مؤرخوں سے تھوڑا سا اختلاف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ رستم کے قاتل کا صحیح نام معلوم نہیں۔ وہ لکھتا ہے کہ رستم پر تین مجاہدین — عمرو بن معدی کرب، طلیحہ بن خویلد اور قرط بن جماح — نے مل کر حملہ کیا تھا۔

علامہ شبلی نعمانی اور محمد حسنین ہیکل نے مختلف مؤرخوں کے حوالوں سے ثابت کیا ہے کہ رستم کو قتل کرنے والا ہلال بن علقمہ تھا۔

اس دوران رستم کے دو نامور جرنیل فیروزان اور ہرمزان جو دائیں اور بائیں پہلوؤں کے کمانڈر تھے، بھاگ گئے تھے۔ رستم کی ہلاکت کا علم جب اُس فوج کو ہوا جو ابھی تک لڑ رہی تھی تو وہ فوج بھی دل ہار بیٹھی اور زندہ نکل جانے کے راستے ڈھونڈنے لگی۔

فرار کے تین راستے تھے۔ ایک پُل تھا لیکن اس پُل پر بھاگنے والے فارسیوں کا اتنا ہجوم تھا کہ وہ سب پھنس کر رہ گئے تھے اور اس طرح پُل والا راستہ بند تھا۔ دوسرا راستہ وہ پشتہ تھا جو رستم نے جنگ سے پہلے فالتو سامان اور مٹی پھینکوا کر بنوایا تھا اور اس سے اپنی فوج گزاری تھی۔ تاریخوں میں لکھا ہے کہ بھاگتی ہوئی فوج کی بے اندازہ نفری اس پشتے سے دریا عبور کرنے لگی۔ کچا پشتہ اتنے زیادہ آدمیوں اور گھوڑوں کا بوجھ سہار نہ سکا اور بیٹھ گیا۔ کچھ تو دریا جوش میں تھا، اس کے ساتھ پشتے نے جو پانی روکا ہوا تھا، یہ پانی تیس ہزار فارسیوں کو اپنے ساتھ ہی بہا لے گیا۔ گھوڑسوار گھوڑوں سمیت بہہ گئے۔ ان میں سے کوئی بھی زندہ نہ نکل سکا۔

جو فارسی پُل پر ایک ہجوم کی صورت میں پھنسے ہوئے تھے انہوں نے اپنے ساتھ

کو بہتے اور ڈوبتے دیکھا اور اپنے تعاقب میں مسلمانوں کو آتے دیکھا تو وہ ایک دوسرے کو دھکیلتے دباتے آگے کو نکل گئے — میدان مجاہدین کے ہاتھ تھا۔

سعدؓ بن ابی وقاص نے بالاخانے سے اپنے سالاروں کو پیغام بھیجا کہ فارسیوں کا تعاقب کیا جائے تاکہ یہ لوگ کہیں رک کر دم نہ لے سکیں اور نہ کہیں اکٹھے ہو سکیں۔ سعدؓ نے پیغام میں لکھا تھا کہ ایسا ہو سکتا ہے کہ فارسی اور ان کے جرنیل زخمی شیر کی طرح مرنے سے پہلے مقابلے پر اتر آئیں۔ اگر ایسا ہوا تو مجاہدین کے لیے نقصان دہ ثابت ہو سکتا ہے کیونکہ مجاہدین تھک کر چور ہو چکے ہیں۔

تعاقب میں جانے والوں میں قعقاع، شرجیل اور زہرہ تمیمی پیش پیش تھے۔ ان کے قبیلوں کے مجاہدین ان کے ساتھ تھے۔ سعدؓ بن ابی وقاص نے جو خدشہ محسوس کیا تھا وہ صحیح ثابت ہونے لگا۔ وہ اس طرح کہ فارس کا ایک اور مشہور جرنیل جالینوس بھاگنے والے فارسیوں کو کچھ دور روک کر مقابلے کے لیے یکجا کر رہا تھا۔ وہ انہیں بھڑکا رہا تھا کہ اس طرح شکست کھا کر مدائن پہنچے تو تمہاری اپنی ہی عورتیں تمہیں گھروں میں داخل نہیں ہونے دیں گی۔ اس کے فوجی اس کے بھڑکانے سے متاثر ہو کر مقابلے کے لیے اکٹھے ہو رہے تھے۔

اتنے میں مجاہدین جا پہنچے۔ مجاہدین کی تعداد تو بہت تھوڑی تھی لیکن فتح نے ان کے جسموں میں نئی روح پھونک دی تھی۔ ان کے مقابلے میں فارسی حوصلہ ہار بیٹھے تھے، اس لیے ان کی اتنی زیادہ تعداد بھی تھوڑی اور بیکار لگتی تھی۔

مجاہدین ان پر ٹوٹ پڑے۔ زہرہ تمیمی نے اپنے ساتھیوں کو ساتھ لیا اور اُس جگہ جا حملہ بولا جہاں جالینوس اپنے آدمیوں میں گھرا ہوا تھا۔ مجاہدین نے ایسا حملہ بولا کہ جالینوس کے آدمی اِدھر اُدھر ہو گئے۔ اکیلے جالینوس نے مقابلہ کیا لیکن یہ مقابلہ خودکشی کی کوشش تھی۔ زہرہ تمیمی نے اُسے قتل کر دیا۔ اب تو فارسی فوج کا رہا سہا حوصلہ بھی ٹوٹ پھوٹ گیا اور فارسی بھاگنے لگے۔

قادسیہ کی جنگ ختم ہو چکی تھی۔ فارس کی فوج تقریباً آدھی ماری گئی۔ زخمیوں کی تعداد بے اندازہ تھی اور جو فوج بچ گئی تھی وہ بھاگ رہی تھی۔ خطرہ یہ تھا کہ بھاگنے والی فوج کو اس کے بچے کھچے جرنیل کہیں یکجا نہ کر لیں۔ اسی خدشے کے پیش نظر سعدؓ بن ابی وقاص نے حکم دیا تھا کہ تعاقب کیا جائے۔

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ جالینوس مارا گیا۔ اس کے بعد بھاگنے والے فارسیوں کی یہ حالت ہو گئی جیسے انہیں پتہ نہیں چل رہا تھا کہ اپنی جانیں بچانے کے لیے لڑیں، ہتھیار ڈال دیں،

یا بھاگ جائیں۔ ان کے جسم مجاہدین کے مقابلے میں زیادہ شل تو نہیں ہوتے تھے لیکن ان کا جذبۂ استقلال ختم ہو چکا تھا اور اُن پر ایسی نفسیاتی کیفیت طاری ہو گئی تھی جس نے اُن کے جسموں سے جیسے جان ہی نکال دی ہو۔

مجاہدین نے اُن کا قتلِ عام شروع کر دیا۔ جو فارسی سامنے آتا اُسے قتل کر دیتے۔ بعض مورخوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہاں تک ہوا کہ مجاہدین ایک فارسی کو ہی کہتے ہیں کہ اپنے ساتھی کو قتل کر دو اور وہ فارسی فوراً اس حکم کی تعمیل کرتا۔

ایسے مناظر بھی دیکھنے میں آتے کہ ایک ایک مجاہد بیسیوں فارسیوں کو مویشیوں کی طرح ہانک کر لا رہا ہے اور فارسی سپاہی سر جھکائے آگے آگے چلے آ رہے ہیں۔

تاریخ میں ایک عربی خاتون اُمِّ کثیر کا بیان لفظ بلفظ محفوظ ہے۔ اُمِّ کثیر ایک مجاہد ہمّام بن حارث کی بیوی تھی۔ اُس نے کہا:

"اپنے خاوندوں کے ساتھ ہم بھی قادسیہ کی جنگ میں شریک تھیں۔ ہمیں امیرِ لشکر سعدؓ بن ابی وقاص کی بیوی سلمٰی نے ہمارے پاس آکر کہا تھا کہ لڑائی ایسی صورت اختیار کر رہی ہے کہ عورتوں کو بھی تیار رہنا چاہیے۔ یہ سن کر ہم سب تیار ہو گئیں لیکن مجاہدین نے فارسیوں پر فتح حاصل کر لی۔ جب فارسی بھاگے تو ہم تمام عورتیں ہاتھوں میں ڈنڈے اٹھائے میدانِ جنگ میں پہنچ گئیں۔ ہم نے اپنا جو زخمی دیکھا اُسے پانی پلایا اور اُٹھا کر پیچھے پہنچایا لیکن ہمیں جو فارسی زخمی اُٹھنے کی کوشش کرتے نظر آتے، انہیں ہم ڈنڈے مار مار کر ہلاک کر دیتیں۔ ہمارے بچے بھی ہمارے ساتھ تھے۔ انہوں نے فارس کے زخمیوں کو مار مار کر ہلاک کرنے کا ہی کام شروع کر دیا۔"

اس آخری روز کی جنگ میں چھ ہزار مسلمان شہید ہوتے۔ اس سے پہلے قادسیہ کی جنگ میں اڑھائی ہزار مسلمان شہید ہو چکے تھے۔ شہیدوں کی تعداد خاصی زیادہ لگتی ہے لیکن فارس کے جانی نقصان کو دیکھا جاتے تو شہیدوں کی تعداد کچھ بھی نہیں لگتی۔ میدانِ جنگ میں جو فارسی مارے گئے، اُن کی تعداد کا تو کوئی حساب ہی نہ تھا۔ یہ دیکھیں کہ پُشتے سے دریا پار کرتے ہوئے تیس ہزار فارسی، پُشتہ بیٹھ جانے سے دریا میں غرق ہو گئے تھے۔

فارسیوں کے تعاقب میں جانے والے مجاہدین جن کی قیادت قعقاع، شرحبیل اور زہرہ بن حیّہ کر رہے تھے۔ وہ اس وقت واپس آئے جب دیکھا کہ فارسی ایک ایک کر کے اِدھر اُدھر غائب

گئے ہیں اور وہ ایک ٹولی یا گروہ کی صورت میں کہیں بھی نظر نہیں آتے۔

قعقاع، شرحبیل اور زہرہ سعدؓ بن ابی وقاص کے پاس گئے۔ یہ فتح کوئی معمولی فتح نہیں تھی۔ سعدؓ کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو تیر رہے تھے۔ خوشی کا بھی یہ عالم کہ ان کی تکلیف میں کمی آگئی اور وہ اٹھ کر بیٹھ گئے۔

اس داستان کو آگے چلانے سے پہلے بہتر معلوم ہوتا ہے کہ کچھ باتیں اور کچھ واقعات جو اس وقت اور کچھ بعد پیش آتے وہ یہیں بیان کر دیئے جائیں۔

پہلے کسی باب میں درفش کاویانی کا ذکر آیا ہے۔ اسے ہم پرچم ہی کہیں گے۔ تاریخوں میں بھی اسے پرچم ہی لکھا گیا ہے لیکن یہ اس قسم کا جھنڈا نہیں تھا جو ایک آدمی اٹھائے میدانِ جنگ میں بلند رکھتا تھا۔ درفش کاویانی دراصل ایک بہت بڑا اور لمبا چوڑا شامیانہ تھا۔ جب فارس کی فوج جنگ کے لیے روانہ ہوتی تھی تو اس کا کمانڈر فوج کے آگے آگے چلتا تھا۔ درفش کاویانی کو کئی ایک گھوڑ سوار ہر طرف سے پکڑے رکھتے تھے اور فوج کا اعلیٰ کمانڈر اس کے نیچے نیچے چلتا تھا۔ یہ اس کمانڈر کے لیے شہنشاہِ فارس کی طرف سے بہت بڑا اعزاز ہوتا تھا بلکہ پوری فوج جو درفش کاویانی کے پیچھے پیچھے چلتی تھی، وہ بھی اسے شہنشاہ کا عطا کیا ہوا اعزاز سمجھتی تھی۔ درفش کاویانی کو فوجی فارس کی آن و آبرو سمجھتے تھے۔

یہ اعزاز رستم کو بھی دیا گیا تھا۔ مجاہدین نے رستم کو اس اعزاز سے محروم کر دیا۔ یہ پرچم ضرار بن خطاب کے ہاتھ لگا۔ اُس نے کچھ مجاہدین کو ساتھ لے کر اسے لپیٹ کر اُس جگہ پہنچا دیا جہاں مجاہدین مالِ غنیمت جمع کر رہے تھے۔

درفش کاویانی بڑے ہی زیادہ قیمتی کپڑے کا بنا ہوا تھا۔ ایک تو اس کپڑے کی قیمت تھی، اس کے علاوہ اس میں جو سونے کے تار سیئے گئے تھے اور اس میں جو قیمتی موتی اور ہیرے لگائے گئے تھے، ان سب کی قیمت لاکھوں درہم تھی۔

"کیا میں اُس مجاہد کو نہ دیکھوں جس نے رستم کو قتل کیا ہے؟" — سعدؓ نے کہا۔

"اُسے ہم اپنے ساتھ لائے ہیں" — قعقاع نے کہا اور بالا خانے کی کھڑکی سے ہلال بن علقمہ کو آواز دی۔

ہلال دوڑتا ہوا بالا خانے میں پہنچا۔ سعدؓ بن ابی وقاص نے اُس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر چومے، پھر آنکھوں سے لگائے۔

"کیا تم نے رستم کے جسم سے ساری اشیاء اتار لی ہیں؟" — سعدؓ بن ابی وقاص نے اُس سے پوچھا۔

"ہاں امیرِ لشکر!"۔۔۔ ہلال بن علقمہ نے جواب دیا۔۔۔ "اگر آپ حکم دیں تو میں وہ اشیاء آپ کی خدمت میں حاضر کر دوں"۔

"نہیں علقمہ کے بیٹے!"۔۔۔ سعدؓ نے کہا۔۔۔ "وہ سب اشیاء خواہ وہ کتنی ہی قیمتی کیوں نہ ہوں، تمہاری ہیں"۔

"ہائے افسوس!"۔۔۔ ہلال بن علقمہ نے کہا۔۔۔ "رستم کی ٹوپی میرے ہاتھ نہ آئی۔ دریا میں گر پڑی تھی۔ وہ مل جاتی تو میں بہت زیادہ نفع میں رہتا"۔

محمد حسنین ہیکل نے چند حوالے دے کر لکھا ہے کہ رستم کے لباس، تلوار، خنجر، زرہ اور دیگر اشیاء کی قیمت کم و بیش ستر ہزار درہم بنتی تھی۔ اُس کی ٹوپی یا خود میں ہیرے جواہرات جڑے ہوئے تھے اور اس کی شکل شاہانہ تاج جیسی تھی۔ یہ ٹوپی دریا میں چلی گئی تھی۔ رستم کا جو تخت بگھی پر نصب تھا وہ تو بہت ہی قیمتی تھا۔

اس کے بعد زہرہ تمیمی جس کا پورا نام زہرہ بن حویّہ تھا، سعدؓ بن ابی وقاص کے پاس آیا اور انہیں بتایا کہ اس نے کس طرح جالینوس کو قتل کیا ہے اور اُس فوج کو کس طرح بکھیرا ہے جسے وہ مقابلے کے لیے یکجا کر رہا تھا۔

"امیرِ لشکر!"۔۔۔ زہرہ نے سعدؓ سے پوچھا۔۔۔ "کیا میں اس مال و دولت کا حق دار نہیں ہوں جو میں نے جالینوس سے حاصل کی ہے؟"

سعدؓ بن ابی وقاص نے اُس سے ان اشیاء کی تفصیل پوچھی جو اُس نے جالینوس سے حاصل کی تھیں۔ ان اشیاء میں جالینوس کی ذاتی چیزوں کے علاوہ سونے کے کچھ ٹکڑے اور قیمتی ہیرے اور جواہرات بھی تھے جو وہ اپنے ساتھ واپس لے جا رہا تھا۔

"ابنِ حویّہ!"۔۔۔ سعدؓ نے کہا۔۔۔ "کون کہہ سکتا ہے کہ تیرا یہ کارنامہ اتنے بڑے انعام کے قابل نہیں لیکن یہ مال و دولت اتنا زیادہ ہے کہ میں امیر المومنین کی اجازت کے بغیر صرف ایک آدمی کو نہیں دے سکتا"۔

زہرہ نے اس فیصلے کو بلا چوں و چرا قبول کر لیا۔ سعدؓ نے اُسی وقت ایک پیغام امیر المومنین حضرت عمرؓ کے نام لکھوایا جس میں انہوں نے فتح کی خوشخبری لکھی اور اس کے ساتھ یہ لکھوایا کہ زہرہ نے ایک بڑے ہی قابل فارسی جرنیل کو قتل کیا اور اس کی جمعیت کو بکھیرا ہے۔ انہوں نے حضرت عمرؓ کے نام پیغام میں اس مالِ غنیمت کی تفصیل لکھوائی جو زہرہ نے جالینوس سے حاصل کیا تھا اور اجازت طلب کی کہ یہ تمام مال و دولت زہرہ کو ہی دے دیا جائے یا اس میں سے اسے اتنا حصہ دیا جائے۔

"یہ پیغام گھوڑے کی بجائے اونٹ پر روانہ کیا جائے"۔۔۔ سعدؓ بن ابی وقاص نے کہا۔۔۔ ٹ یقیناً گھوڑے سے تیز جائے گا اور ایک ہی بار گھوڑے سے زیادہ سفر بغیر پانی کے لے گا"۔

حکم کے مطابق یہ پیغام شتر سوار قاصد کے ہاتھ اُسی وقت بھیج دیا گیا۔ قاصد کا نام سعد بن عمیلہ ری تھا۔

یہ قاصد تو کچھ دنوں بعد مدینہ پہنچا ہوگا اور ان دنوں کے دوران قادسیہ میں اور قادسیہ سے مدائن راستے میں بہت کچھ ہوا ہوگا۔ وہاں کی بات کرنے سے پہلے ہم بہتر سمجھتے ہیں کہ قاصد کی اور امیر المومنین حضرت عمرؓ نے جو جواب دیا تھا اس کا ذکر پہلے کر دیا جائے۔

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ حضرت عمرؓ کے ذہن پر فارس سوار ہو گیا تھا۔ اس کی وجوہات بیان کی جا چکی ہیں۔ انہیں قادسیہ سے ہر روز سپہ سالار کی طرف سے پیغام جاتا تھا۔ دو چار روز انہیں اطلاع پہنچی تھی کہ قادسیہ کی جنگ شروع ہو گئی ہے۔ حضرت عمرؓ اس قدر بیتاب ہونے لگے کہ جب فرصت ملتی گھوڑے پر سوار ہو کر مدینہ سے اُس راستے کی طرف نکل جاتے ان کی طرف جاتا تھا۔ خبر ہر روز تو نہیں پہنچ سکتی تھی۔ ساڑھے سات سو میل کی مسافت تھی۔

ایک روز حضرت عمرؓ حسبِ معمول قادسیہ کے راستے پر مدینہ سے کچھ دور نکل گئے۔ صد کی راہ دیکھ رہے تھے۔ انہیں ایک شتر سوار نظر آیا جو اونٹ کو دوڑاتا آ رہا تھا۔

"کہاں سے آ رہے ہو بھائی؟"۔۔۔ حضرت عمرؓ نے شتر سوار کے قریب آنے پر اُس سے ۔۔۔ "اور کہاں جا رہے ہو؟"

"میں قادسیہ سے آ رہا ہوں بھائی!"۔۔۔ شتر سوار نے اونٹ کو بلا روکے جواب دیا۔

حضرت عمرؓ نے اُس کے ساتھ گھوڑا دوڑا دیا۔

"تم قادسیہ کے قاصد تو نہیں!"۔۔۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا۔

"ہاں بھئی!"۔۔۔ شتر سوار نے جواب دیا۔۔۔ "میں قادسیہ سے امیرِ لشکر سعدؓ بن ابی وقاص کا امیر المومنین کے نام لایا ہوں"۔

یہ قاصد تاریخ کے مطابق، نوجوان تھا اور مدینہ سے کچھ دور کے گاؤں کا رہنے والا تھا۔ نے حضرت عمرؓ کو کبھی نہیں دیکھا تھا۔ حضرت عمرؓ نے بھی اُسے نہ بتایا کہ میں ہی امیر المومنین ۔ اُس کے ساتھ گھوڑا دوڑاتے گئے۔

"خدا کی قسم!"۔۔۔ حضرت عمرؓ نے کہا۔۔۔ "میں قادسیہ کی ہی خبر سننے کو بیتاب ہوں۔ میں مدینہ کا

رہنے والا ہوں۔ کوئی خوشخبری ہے تو مجھے نہیں سنانا چاہو گے؟

"اللہ نے آتش پرستوں کو چار دنوں کی لڑائی کے بعد بہت بُری شکست دی ہے"

قاصد نے کہا ——— "اللہ نے ہمیں اتنی بڑی فوج پر فتح دی ہے جو ہم لوگوں نے کبھی دیکھی بھی نہ تھی"

اونٹ کی رفتار مدینہ میں داخل ہو کر کم ہوئی۔ حضرت عمرؓ بھی اس کے ساتھ شہر میں داخل ہوئے۔ لوگوں نے انہیں ایک شتر سوار کے ساتھ آتے دیکھا تو وہ راستے میں آ گئے۔

"یا امیر المومنین!" ——— ایک آدمی نے آگے ہو کر پوچھا ——— "قادسیہ کی کوئی خبر نہیں آئی؟"

اسی طرح دو تین اور آدمیوں نے حضرت عمرؓ کو بعد از سلام امیر المومنین کہا تو شتر سوار نے اونٹ کو روک لیا اور کود کر اونٹ سے اترا۔ حضرت عمرؓ بھی گھوڑے سے اتر آئے۔

"یا امیر المومنین!" ——— شتر سوار سعد بن عمیلہ نے حضرت عمرؓ کا ایک ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا ——— "اللہ آپ پر رحم کرے۔ مجھے راستے میں ہی کیوں نہ بتا دیا کہ آپ امیر المومنین ہیں۔ مجھ سے یہ گستاخی کیوں کروائی!"

"کچھ حرج نہیں میرے بھائی!" ——— حضرت عمرؓ نے مسکراتے ہوئے کہا ——— "مجھے اس سے کوئی دل چسپی نہیں کہ کوئی مجھے امیر المومنین کہتا ہے یا نہیں۔ میری دل چسپی تو اس پیغام کے ساتھ ہے جو تم لائے ہو"

حضرت عمرؓ نے وہیں پیغام لے کر پڑھنا شروع کر دیا۔ مدینہ کے لوگ اکٹھے ہو گئے تھے۔ حضرت عمرؓ نے سب کو فتح کی خوشخبری سنائی۔ تھوڑی سی دیر میں یہ خوشخبری گھر گھر پہنچ گئی۔ لوگ مسرت و شادمانی کے نعرے لگاتے باہر نکل آئے۔ مدینے کا بچہ بچہ قادسیہ کی خبر سننے کا منتظر تھا۔

حضرت عمرؓ اپنے گھر چلے گئے اور دوسرا پیغام پڑھا جو مال غنیمت سے متعلق تھا۔ انہوں نے اسی وقت جواب لکھوایا اور اسی قاصد سے کہا کہ وہ کچھ دیر آرام کر کے واپس چلا جائے۔

☆

کچھ دنوں بعد سعدؓ بن ابی وقاص کو امیر المومنین کا جواب ملا۔ سعدؓ نے امیر المومنین سے زہرہ بن حویّہ کو مال غنیمت دینے کے متعلق پوچھا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اس کا جواب یہ دیا:

"زہرہ جیسے جانباز مجاہد روز روز پیدا نہیں ہوا کرتے۔ اس پر اعتبار کرو۔ اس نے بے نظیر شجاعت کا مظاہرہ کیا۔ اس نے تمہارے ساتھ ہی رہنا ہے اور تم نے اور جنگیں بھی لڑنی ہیں۔ اس کا دل نہ توڑو۔ اس نے جالینوس کے جسم سے جو کچھ بھی حاصل کیا ہے وہ اسے دے دو۔ اس کے علاوہ جب مجاہدین میں مال غنیمت تقسیم

کرو تو زہرہ کو پانچ سو درہم زیادہ دینا"

سعدؓ بن ابی وقاص کو توقع نہیں تھی کہ قادسیہ سے انہیں اتنا زیادہ مال غنیمت ملے گا۔ تمام بھی جو خچروں پر لدے ہوئے تھے اور لادے جا رہے تھے اور جن میں رستم چھپ گیا تھا وہ سب سونے چاندی کے سکوں سے بھرے ہوئے تھے۔ یہ فارس کی فوج کی تنخواہ تھی۔ اتنی رقم یہ سوچ کر ساتھ لائی گئی تھی کہ رستم یہ عہد کر کے نکلا تھا کہ وہ مدینہ تک پہنچے گا۔ فارس کے جرنیلوں اور ان سے کم درجہ افسروں کی شہنشاہی مشہور تھی۔ وہ اپنے ساتھ آسائش اور عیاشی کا قیمتی سامان لاتے تھے۔ اس کے علاوہ اُس فوج کے ساتھ بڑا ہی قیمتی سامان تھا۔

تاریخوں کے مطابق مال غنیمت اس طرح تقسیم کیا گیا کہ ہر سوار کو چھ ہزار درہم اور ہر پیادے کو دو ہزار درہم دیئے گئے۔ جن مجاہدین نے شجاعت کے غیر معمولی مظاہرے کیے تھے، انہیں پانچ پانچ سو درہم زیادہ دیئے گئے۔

سعدؓ نے خلافت کا حصہ جو خمس کہلاتا تھا الگ کر دیا تھا۔ یہ تقسیم ہو چکی تو اسی روز سعدؓ نے حضرت عمرؓ کو لکھا کہ انہوں نے نقد رقم یوں تقسیم کی ہے اور خمس الگ کر دیا ہے۔ امیر المومنین حضرت عمرؓ نے جواب دیا:

"خمس بھی مجاہدین میں تقسیم کر دو۔ ان تھوڑے سے مجاہدین کا یہ کارنامہ معمولی نہیں کہ انہوں نے فارس جیسی جنگی قوت کو اتنی زبردست شکست دی ہے کہ فارس کا نام و نشان ہی نہیں رہے گا۔ اگر کوئی مسلمان بیماری کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے اس جنگ میں شریک نہیں ہو سکا تو اُسے بھی پورا صلہ دو"

سعدؓ نے خمس بھی مجاہدین میں تقسیم کر دیا۔ شہیدوں کا حصہ اُن کی بیوگان کو وہیں دے دیا گیا جو بیوگان اپنے گھروں میں تھیں، ان کے حصے الگ کر دیئے گئے۔ سعدؓ بار بار یہ اعلان کرواتے تھے کہ کسی کو حصہ نہ ملا ہو یا تھوڑا ملا ہو تو وہ سامنے آئے۔ کوئی بھی سامنے نہ آیا۔ یہ اعلان کروانے کی ضرورت اس لیے محسوس ہوئی تھی کہ ہر کسی کو اتنا زیادہ حصہ دے کر بھی خاصا مال غنیمت بچ گیا تھا۔ سعدؓ بن ابی وقاص نے اس کی اطلاع حضرت عمرؓ کو دی اور پوچھا کہ یہ بیت المال کے لیے بھیجا جائے یا نہیں۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ یہ اُن مجاہدین میں تقسیم کر دیا جائے جو حافظ قرآن ہیں۔

حضرت عمرؓ کا یہ جواب پہنچا تو سعدؓ بن ابی وقاص نے اعلان کروایا کہ جو مجاہدین حافظِ قرآن ہیں وہ سامنے آئیں۔

کسی بھی تاریخ میں ان مجاہدین کی تعداد نہیں ملتی جو حافظ قرآن تھے۔ جتنے بھی تھے انہیں مال

غنیمت میں سے اضافی حصّہ دیا جانے لگا۔ اس تقسیم میں ایک دلچسپ واقعہ ہوگیا۔ قرآن کے حافظوں میں دو مجاہد — عمرو بن معدی کرب اور بشر بن ربیعہ — بھی شامل ہو گئے۔ ہر مجاہد جو حافظِ قرآن ہونے کا دعویٰ کرتا تھا، اس کا امتحان لے کر اُسے حصّہ دیا جاتا تھا۔

"ابنِ معدی کرب!" — سعدؓ بن ابی وقاص نے عمرو بن معدی کرب سے پوچھا — "تمہیں کتنا قرآن حفظ ہے؟"

"میں قرآن حفظ کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں" — ابنِ معدی کرب نے جواب دیا — "میں نے یمن میں اسلام قبول کیا تھا۔ اس کے بعد میں اتنی زیادہ لڑائیوں میں شریک ہوا کہ قرآن حفظ کرنے کی مہلت ہی نہیں ملی۔"

"نہیں میرے بھائی!" — سعدؓ نے کہا — "تمہاری شجاعت سے کون انکار کر سکتا ہے لیکن میں تمہیں یہ حصّہ دینے سے انکار کرتا ہوں کیونکہ تم حافظِ قرآن نہیں ہو.... اور تم ابن ربیعہ!" — سعدؓ نے بشر بن ربیعہ سے پوچھا — "تم نے کتنا قرآن حفظ کیا ہے؟"

بشر بولا — "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" — اور مسکرا کر چُپ ہوگیا۔

وہاں جتنے لوگ موجود تھے، سب ہنس پڑے۔ سعدؓ بن ابی وقاص کی بھی ہنسی نکل گئی۔ نہ سعدؓ نے نہ کسی اور نے بُرا جانا کہ دونوں قرآن کے حافظوں میں شامل ہو گئے ہیں مگر قرآن پڑھتا تک نہیں۔ بُرا نہ جاننے کی وجہ یہ تھی کہ یہ دونوں مجاہد غیر معمولی طور پر بہادر تھے مثلاً عمرو بن معدی کرب کی بہادری کا ایک واقعہ بیان ہو چکا ہے کہ وہ اکیلا ہی ایک ہاتھی کو مارنے پہنچ گیا تھا جس کے دائیں بائیں پیادہ اور گھوڑ سوار محافظ موجود تھے انہوں نے اس مجاہد کو برچھیوں سے چھلنی کر دیا تھا لیکن اس کے ہاتھ سے تلوار نہیں گری تھی اور دوسرے دن اسلام کا یہ شیدائی پھر میدانِ جنگ میں موجود تھا۔ اب بھی اُس کے جسم پر جگہ جگہ پٹیاں لپٹی ہُوئی تھیں۔

سعدؓ بن ابی وقاص نے اُسے بھی کوئی مزید حصّہ دینے سے انکار کر دیا۔

طبری، بلاذری اور ابنِ خلکان نے یہ واقعہ تفصیل سے لکھا ہے۔ عرب میں ان دنوں شاعری عام تھی اور عام طور پر عربی لوگ شاعرانہ انداز میں اپنا مدعا بیان کیا کرتے تھے۔ سعدؓ نے ابنِ معدی کرب کو قرآن کا حافظ نہ ہونے کی بنا پر حصّہ دینے سے انکار کر دیا اور ابنِ معدی کرب نے شاعرانہ انداز میں کہا:

"جب ہم قتل کیے جا رہے تھے تو ہم پر کوئی رونے والا نہ تھا۔ اہلِ قریش نے کہا یہ سب قسمت کا کھیل ہے...."

"جب برچھیاں سینوں کو چھید رہی تھیں، ہمیں برابر کا شریک رکھا گیا لیکن دینار تقسیم ہونے لگے تو ہمیں برابر کا حصّہ نہ ملا۔"

عمرو بن معدی کرب خاموش ہوا تو بشر بن ربیعہ شعروں کی زبان میں گویا ہُوا:

"میں نے قادسیہ کے دروازے پر جا اپنی اونٹنی بٹھائی، اور سعدؓ بن ابی وقاص ہم پر امیر تھے....

"اور سعدؓ ایسے امیر ہیں جن کی بھلائی ان کی بُرائی سے سوا ہے اور عراق کے سب سے اچھے امیر جریر ہیں....

"اللہ تجھے نیکی دے تو قُدیس (محل) کے دروازے پر ہماری تلواروں کی کاٹ یاد کر جب ہجوم اتنا زیادہ تھا کہ اس میں سے نکلنے کی گنجائش نہیں تھی....

"وہ ایسی (خوفناک) رات تھی جس میں سب چاہتے تھے کہ پرندوں سے پر لے لیں اور اُڑ جائیں۔"

سعدؓ بن ابی وقاص نے ان کے الفاظ کو رائیگاں نہ جانے دیا۔ انہوں نے اس روز حضرت عمرؓ کو قادسیہ کے حالات کی جو تفصیل لکھوا کر بھیجی، اس کے ساتھ ابنِ معدی کرب اور بشر بن ربیعہ کے اشعار بھی لکھوائے اور اپنی سفارش ان الفاظ میں لکھوائی:

"ان دونوں نے میدانِ جنگ میں اپنی بہادری کے کارنامے مجھے یاد دلائے جن میں ذرا سا بھی مبالغہ نہیں۔ انہوں نے مجھ پر طعن اور تشنیع کی ہے لیکن اس کا تعلق جہاد سے نہیں میری ذات سے ہے۔ میں امیر المومنین کا فیصلہ چاہتا ہوں کہ انہیں کچھ اضافی مال دیا جائے یا نہیں۔"

یہاں دو مورخوں کے اختلاف کا ذکر ضروری ہے۔ بشر بن ربیعہ کا دوسرا شعر طبری نے یوں لکھا ہے — "اور سعدؓ ایسے امیر ہیں جن کی بھلائی ان کی بُرائی کے سوا ہے اور عراق کے سب سے اچھے امیر جریر ہیں۔"

بلاذری نے لکھا ہے کہ بشر بن ربیعہ کا یہ شعر یوں ہے — "اور سعدؓ ایسے امیر ہیں جن کی بُرائی ان کی بھلائی کے سوا ہے۔ وہ تکلیف دینے میں دراز قد ہیں اور ابو الزناد کی طرح کوتاہ قد ہیں۔"

سعدؓ بن ابی وقاص کا قد چھوٹا تھا۔ انہوں نے حضرت عمرؓ کو لکھا تھا کہ انہوں نے مجھ پر طعن و تشنیع کی ہے۔ اس سے بلاذری والا شعر صحیح معلوم ہوتا ہے۔ اس میں سعدؓ کے چھوٹے قد پر طنز کی گئی ہے۔

اپنے اسلاف کے کردار کی بلندی پر غور کیجیے۔ امیرِ لشکر پر طنز کی جاتی ہے کیونکہ وہ اُس

شخص کو اضافی حصہ اس لیے دینے سے انکار کرتا ہے کہ وہ اس کا حقدار نہیں۔ اگر ستاخی کی سزا دینے کے اسے اختیارات حاصل ہیں لیکن وہ اپنی ذات کی توہین اور تعریف پر قوم کے مفاد کو ترجیح دیتا ہے اور اس لیے خود فیصلہ نہیں کرتا کہ اس سے بے انصافی نہ ہو جائے۔ وہ یہ بھی دیکھ رہا ہے کہ امیر المومنین مال غنیمت کی تقسیم میں فیاضی برت رہے ہیں تو ہو سکتا ہے کہ وہ کچھ اور فیصلہ کریں۔

حضرت عمرؓ کو پیغام پہنچا تو انہوں نے مسجد نبویؐ میں بیٹھ کر یہ مسئلہ اپنے مصاحبوں کے آگے رکھا۔

"میرے عزیزو!" — حضرت عمرؓ نے کہا — "میں ڈرتا ہوں اللہ تبارک و تعالیٰ سے جس نے ہمیں دیو جیسی ایک طاقت پر غلبہ عطا فرمایا ہے۔ اس فتح نے میری روح سے بہت بڑا بوجھ اٹھا دیا ہے۔ میرے اوپر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک قرض تھا۔ ہمارے ان تھوڑے سے مجاہدین نے یہ قرض چکا دیا ہے۔"

"کیسا قرض امیر المومنین؟" — کسی نے پوچھا۔

"خدا کی قسم۔ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی بھولے نہیں ہو گے" — حضرت عمرؓ نے کہا — "آپؐ نے فرمایا تھا کہ سلطنت فارس اسی طرح ٹکڑے ٹکڑے ہو کر اُڑ جائے گی جس طرح کسریٰ پرویز نے میرا پیغام پھاڑ کر اس کے ٹکڑے اُڑا دیئے ہیں.... کیا مجاہدین نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی پوری نہیں کر دی؟"

"بے شک امیر المومنین! بے شک!" — کئی آوازیں اٹھیں۔

"اور پھر میں نے تمہیں سعدؓ کا ایک پیغام سنایا تھا" — حضرت عمرؓ نے کہا — "اس نے لکھا تھا کہ رستم نے مغیرہؓ سے کہا تھا کہ میں عرب کو تباہ کر دوں گا۔ مغیرہؓ نے کہا کہ اللہ نے چاہا تو.... رستم نے کہا کہ اللہ نے نہ چاہا تو بھی.... کہاں ہے وہ رستم؟ فارس کا سب سے زیادہ بہادر اور فارس کے بادشاہوں پر غالب رہنے والا رستم جو فارس کا بے تاج بادشاہ سمجھا جاتا تھا.... اس کی لاش کی ہڈیاں بھی دریا کے کنارے بکھر گئی ہوں گی۔ اس کا گوشت گیدڑ، بھیڑئے اور گدھ کھا گئے ہوں گے.... کیا اللہ کی رضا کے خلاف چلنے والوں کا یہی انجام نہیں ہوتا؟"

"بیشک امیر المومنین!" — سب نے کہا — "ان کا انجام یہی ہوتا ہے۔"

"خدا کی قسم!" — حضرت عمرؓ نے کہا — "یہ کارنامہ ہمارے مجاہدین کا ہے۔ انہوں نے اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لاج رکھ لی ہے اور کفار پر ثابت کر دیا ہے کہ اسلام سچا دین ہے۔ عمرو بن معدی کرب اور بشر بن ربیعہ انہی مجاہدین میں سے ہیں۔ مجھے مشورہ دو میرے عزیزو! کیا میں سعدؓ کو اجازت دے دوں کہ وہ ان دونوں کو کچھ فالتو رقم دے دے؟"

"ابن الخطاب!" — ایک ضعیف العمر صحابی بولے — "جہاں تو نے خمس بھی مجاہدین میں تقسیم کرا دیا ہے وہاں ان دونوں کو تھوڑا سا حصہ فالتو مل گیا تو اللہ تجھ سے باز پرس نہیں کرے گا۔ یہ نہ دیکھ کہ انہوں نے فالتو حصہ کس طرح مانگا ہے یہ دیکھ کہ انہوں نے کیا کارنامہ کیا ہے۔"

"ہاں امیر المومنین!" — ایک اور نے کہا — "امیر لشکر کو اجازت دے دیں کہ انہیں کچھ دے دے۔ خدشہ صرف یہ ہے کہ فالتو حصہ طلب کرنے کا رواج ہی نہ شروع ہو جائے۔ حکم دے دیں کہ آئندہ کسی کو کسی بھی حالت میں فالتو حصہ نہیں ملے گا۔"

مسجد میں جتنے لوگ موجود تھے، ان کی اکثریت نے یہ رائے دی کہ ان دونوں مجاہدین کو فالتو حصہ دے دیا جائے۔

حضرت عمرؓ نے وہیں بیٹھے بیٹھے سعدؓ بن ابی وقاص کے پیغام کا جواب لکھوایا۔ دیگر ہدایات کے بعد انہوں نے لکھوایا کہ عمرو بن معدی کرب اور بشر بن ربیعہ کو دو دو ہزار درہم فالتو دے دیئے جائیں اور سب سے کہہ دیا جائے کہ آئندہ ایسی کوئی مثال سامنے نہ آئے کہ زیادہ مانگنے کی عادت دل میں دنیا کی محبت پیدا کر دے گی۔

حضرت عمرؓ کے اجازت نامے میں ایک جملہ یہ تھا — "ان کی سرفروشی کی قیمت انہیں دے دی جائے۔"

یہ پیغام قادسیہ پہنچا تو سعدؓ بن ابی وقاص نے دونوں مجاہدین کو تمام لشکر کے سامنے دو دو ہزار درہم دے کر امیر المومنین کا یہ پیغام سنایا کہ آئندہ ایسی کوئی مثال سامنے نہ آئے۔

مؤرخ لکھتے ہیں کہ امیر المومنین کا پیغام سن کر مجاہدین میں کئی آوازیں سنائی دیں:

"خدا کی قسم، ہم میں دنیاوی لالچ والا کوئی نہیں۔"

"ہمارا انعام فتح ہے جو اللہ دیتا ہے۔"

"خدا کی قسم، ہم مانگیں گے نہیں، ہمیں اللہ دے گا۔"

"واللہ، ہم پورا فارس انعام میں لیں گے۔"

✪

مجاہدین کے یہ نعرے کھوکھلے اور بے جان الفاظ نہیں تھے۔ یہ اُن کا کردار تھا اور اسی کو ایمان کہتے تھے۔ مبصرین اور وقائع نگاروں نے لکھا ہے کہ ان فاتح مجاہدین کے لشکر میں وہ لوگ بھی تھے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد مرتد ہو گئے تھے اور ان کے خلاف باقاعدہ جنگ لڑنی پڑی تھی۔ ان کی تعداد مسلمانوں سے کہیں زیادہ ہو گئی تھی۔ ان میں ایک سے ایک

بڑھ کر بہادر موجود تھے مگر انہوں نے ہر میدان میں شکست کھائی۔

طلیحہ بن خویلد، عمرو بن معدی کرب اور اشعث بن قیس فتنۂ ارتداد کے دست و بازو تھے اور یہ بڑے مضبوط دست و بازو تھے۔ یہ سب دعویٰ کرتے تھے کہ اسلام کا خاتمہ کرکے دم لیں گے مگر مٹھی بھر مسلمانوں کے ہاتھوں پٹ گئے اور ارتداد کا جو طوفان اٹھا تھا وہ ہمیشہ کے لیے دم توڑ گیا۔

طلیحہ نے تو نبوّت کا دعویٰ کیا تھا اور دیکھتے ہی دیکھتے ہزاروں پیروکار پیدا کر لیے تھے۔ طلیحہ قوی الجثہ آدمی تھا اور بہت ہی بہادر۔ لوگ اُس کے گرویدہ بھی تھے اور اُس سے ڈرتے بھی تھے لیکن وہ مسلمانوں سے اپنی نبوّت کو نہ بچا سکا تھا۔

اسی طلیحہ بن خویلد نے، اسی عمرو بن معدی کرب اور اسی اشعث بن قیس نے مسلمانوں سے شکست کھا کر ارتداد سے توبہ کی اور ازسرِنو اسلام قبول کیا اور حق کی تلوار لے کر باطل کے خلاف نکلے تو اُن کی بہادری کی داستانیں آج تک تاریخ سنا رہی ہے اور رہتی دنیا تک سناتی رہے گی۔ ایسا کیونکر ممکن ہوا؟ صرف اس لیے کہ یہ سب قوی الجثہ تو تھے لیکن ضعیف الایمان تھے۔ جب اسلام کی قوت سے مالا مال ہوئے تو فارس کی ہیبت ناک جنگی طاقت کو ریزہ ریزہ کر کے بکھیر دیا۔

مؤرخوں نے غزوۂ بدر کے بعد جس جنگ کو باقی تمام جنگوں سے زیادہ اہمیت دی ہے وہ جنگِ قادسیہ ہے۔ اس کی متعدد وجوہات ہیں۔ اس جنگ نے مسلمانوں کے لیے ایوانِ کسریٰ کے دروازے کھول دیئے تھے۔ قادسیہ فارس کا (جو ایران بھی کہلاتا تھا) دروازہ تھا۔ فارسیوں نے اس دروازے کو ایک لاکھ بیس ہزار فوج سے جس میں زیادہ تعداد گھوڑ سواروں کی تھی، بند کر دیا تھا۔ مسلمانوں کو کچلنے کے لیے فارسی تمام جنگی ہاتھی بھی میدان میں لے آئے تھے۔

جنگی طاقت کے علاوہ فارسیوں کو یہ سہولت بھی حاصل تھی کہ یہ ان کا اپنا ملک تھا اس لیے انہیں رسد اور افرادی قوّت فوراً مل جاتی تھی۔ اس زمین پر فارس کے فوجی اجنبی نہیں تھے۔ اجنبی تھے تو مسلمان تھے۔ وہاں کی زمین ان کی دشمن، وہاں کے لوگ ان کے دشمن، وہاں کا پتّا پتّا، پتھر پتھر ان کا دشمن تھا۔ مسلمان اپنے وطن سے آٹھ سو میل دُور تھے۔

فارس کے مؤرخوں نے بھی جنگ قادسیہ کو تفصیل سے اور خصوصی اہمیت دے کر بیان کیا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ مسلمان ایک اللہ اور ایک رسولؐ کے تابع ہو کر یک جان یا ایک اُمّت بن گئے تھے۔ انہوں نے ایک عقیدے کی خاطر جنگ لڑی۔ اس عقیدے نے مسلمانوں میں ایسا جذبہ پیدا کر دیا تھا کہ انہوں نے بہادری کے ماورا العقل کارنامے کر دکھائے اور چار روز مسلسل آرام کیے بغیر لڑے۔ ان کے مقابلے میں فارس کی فوج کے دستے باری باری آرام کر لیتے تھے۔

یہ تو بعد کی باتیں ہیں جو مبصروں اور مؤرخوں نے لکھیں۔ ہم واپس قادسیہ کے میدان میں چلتے ہیں۔ فارس کی فوج کی جو نفری بچ کر نکل گئی، اُس کا رُخ مدائن کی طرف تھا۔ سعدؓ بن ابی وقاص نے حکم دے دیا تھا کہ فارسیوں کا تعاقب کیا جائے۔

حضرت عمرؓ نے فتح کی خبر ملنے پر سعدؓ کو لکھا تھا کہ ان کے اگلے حکم تک وہ قادسیہ میں ہی رکے رہیں۔

جس طرح حضرت عمرؓ قادسیہ کی تازہ خبر کے انتظار میں مدینہ سے باہر قادسیہ کے راستے پر چلے جایا کرتے تھے، ایسی ہی بیتابی سے یزدگرد مدائن کی شہر پناہ پہ جا کھڑا ہوتا اور قادسیہ کی طرف سے آنے والے راستے کو دیکھتا رہتا تھا۔ اُس کی ماں نورین بھی اُس کے پاس جا کھڑی ہوتی تھی۔

اُس روز وہ اپنے خاص کمرے میں بیٹھا ہُوا تھا جس روز قادسیہ سے آخری قاصد اُس کے محل میں آکر گھوڑے سے اُترا۔ وہی حسین و جمیل لڑکی اُس کے پاس تھی جس کی بہن میدان جنگ میں رستم کے ساتھ تھی۔ اُس روز یزدگرد کچھ زیادہ ہی بےچینی اور بیتابی محسوس کر رہا تھا۔ لڑکی اُس کا دل بہلانے کے لیے بڑے ہی حسین اور طلسماتی جتن کر رہی تھی لیکن یزدگرد اُس روز شراب بھی قبول نہیں کر رہا تھا۔ اگر وہ شراب کے چند گھونٹ پی لیتا تو اُس کی بیتابی اور ہیجانی کیفیت ختم ہو جاتی۔ لڑکی نے شراب میں وہ دوائی ملا رکھی تھی جو اُس کے جوش و خروش پر قابو پا لیا کرتی تھی۔

اُس وقت قادسیہ کا قاصد اُس کے دروازے پہ پہنچ چکا تھا اور دربان سے کہہ رہا تھا کہ یہ پیغام وہ شہنشاہ کو دے کیونکہ پیغام اچھا نہیں۔ دربان نے اُسے کہا کہ قاصد کو تو شہنشاہ ضرور بلائے گا۔ دربان کے پوچھنے پہ قاصد نے بتا دیا کہ اپنی فوج نے بہت بُری شکست کھائی ہے اور رستم مارا گیا ہے۔

"بیوقوف نہ بنو" — دربان نے کہا — "ایسا کبھی ہوا نہیں کہ یہ پیغام شہنشاہ تک پہنچاؤں اور قاصد زندہ رہ جائے۔ میں تمہارے آنے کی اطلاع دے دیتا ہوں۔"

یزدگرد اور رستم نے پیغام رسانی کا یہ انتظام کیا تھا کہ میدانِ جنگ سے مدائن تک اتنے اتنے فاصلے پر آدمی کھڑے کر دیئے تھے جتنے فاصلے پر کوئی بلند آواز سے بولے تو اس کی آواز سنی جا سکتی ہے۔ فارس کی فوج بھاگی تو پیغام رسانی کا نظام برباد ہو گیا۔ پیغام رسانی جن آدمیوں کے ذریعے ہوتی تھی انہوں نے اپنی فوج کو بھاگتے اور بکھرتے دیکھا تو میدان جنگ کے قریب جو پیغام رساں تھے، وہ بھاگ گئے تھے۔ یہ جو قاصد آیا تھا، اسے جالینوس نے بھیجا تھا اور اس قاصد کے سامنے

جالینوس مارا گیا تھا۔

دربان یزدگرد کے کمرے میں داخل ہُوا۔

"قادسیہ سے کوئی آیا ہے؟"۔۔۔ یزدگرد نے پوچھا۔

"ہاں شہنشاہِ فارس!"۔۔۔ دربان نے اُداس اور مایوس سے لہجے میں جواب دیا۔۔۔ "وہ اندر آنے کی اجازت چاہتا ہے"۔

"کیا غم کھا رہا ہے تمہیں؟"۔۔۔ یزدگرد نے اُس کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر پوچھا۔ "کیا قاصد نے کوئی بُری خبر سنائی ہے؟"

"میں اُسے اندر بھیج دیتا ہوں"۔۔۔ دربان نے کہا۔

"فوراً بھیجو"۔

"تمہارا چہرہ بتا رہا ہے کہ تم اچھی خبر نہیں لائے"۔۔۔ قاصد اندر گیا تو یزدگرد نے لڑکی کو اپنے سے الگ کرتے ہُوئے کہا۔

"میں کسی کا بھیجا ہُوا قاصد نہیں ہوں شہنشاہِ معظم!"۔۔۔ قاصد نے کہا۔۔۔ "میں اپنا فرض سمجھ کر آیا ہوں"۔

"کیا تمہیں رستم نے نہیں بھیجا؟"

"نہیں شہنشاہِ معظم!"۔۔۔ قاصد نے جواب دیا۔۔۔ "رستم مارا گیا ہے۔ میں خود اُس کی سرکٹی لاش دریا کے کنارے پڑی دیکھ آیا ہوں"۔

"نہیں!"۔۔۔ یزدگرد بدک کر اُٹھ کھڑا ہُوا اور بڑبڑا کر بولا۔۔۔ "رستم نہیں رہا تو۔۔۔"

"جالینوس بھی نہیں رہا شہنشاہ!"۔۔۔ قاصد نے کہا۔۔۔ "وہ اپنی بھاگتی ہوئی فوج کے ساتھ مارا گیا ہے"۔

"اور فیروزان؟"

"لاپتہ ہے"۔۔۔ قاصد نے جواب دیا۔۔۔ "بھاگ گیا ہے"۔

"اور ہرمزان؟"

"وہ بھی بھاگ نکلا ہے"۔۔۔ قاصد نے کہا۔۔۔ "وہاں اب کچھ نہیں رہا شہنشاہِ معظم! قادسیہ کے میدان میں ہماری لاشوں کے سوا کچھ نہیں رہا۔ فارس کی عزت اور وقار۔۔۔ درفش کاویانی۔۔۔ بھی مسلمان لے گئے ہیں۔ میں معمولی سا عہدیدار ہوں۔ میں اپنا فرض سمجھ کر آیا ہوں کہ آپ کو خبردار کر دوں کہ مسلمان ہماری بھاگتی ہوئی فوج کے تعاقب میں آ رہے ہیں۔ مدائن کو بچائیں۔ ہماری فوج ایسی بکھری

ہے کہ اسے کہیں بھی اکٹھا نہیں کیا جا سکتا"۔

اس دوران وہ لڑکی جو یزدگرد کے پاس تھی، کمرے سے نکل گئی۔ قاصد یزدگرد کو آخری دن کی لڑائی کی تفصیلات سنا رہا تھا۔ یزدگرد بیٹھ گیا تھا اور یوں آنکھیں پھاڑے اس عہدیدار کو دیکھ رہا تھا جیسے اُسے سکتہ ہو گیا ہو۔

اتنے میں یزدگرد کی ماں لڑکی کے ساتھ دوڑتی کمرے میں داخل ہوئی اور یزدگرد کے پاس بیٹھ کر اُسے اپنے بازوؤں میں لے لیا جیسے وہ بچہ ہو۔

"کیا ہو گیا یزدی!"۔۔۔ ماں نے کہا۔

"جو نہیں ہونا چاہئے تھا"۔۔۔ یزدگرد بم کی طرح پھٹا۔۔۔ "اور اس کی ذمہ دار تم ہو۔۔۔ تم۔۔۔ تم جو میری ماں ہو۔۔۔ مجھے رستم کے ساتھ ہونا چاہئے تھا۔ تم نے مجھے مامتا کی زنجیروں میں باندھے رکھا"۔

وہ غصے سے باؤلا ہُوا جا رہا تھا۔ لڑکی اس خیال سے آگے ہُوئی کہ یزدگرد پر اُسے غلبہ حاصل ہے۔ اُس نے شراب کا وہ پیالہ جس میں اُس نے ذہن کو بے حس کرنے والی دوائی ملائی ہُوئی تھی، اٹھا کر یزدگرد کو آگے کیا۔

"یہ ساری مصیبت جرنیلوں کی بزدلی کی وجہ سے آئی ہے"۔۔۔ لڑکی نے جذباتی لہجے میں پیار سے کہا۔۔۔ "اور اس کا سارا بوجھ اکیلے شہنشاہ پر آ پڑا ہے"۔۔۔ اُس نے شراب کا پیالہ یزدگرد کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا۔۔۔ "دو گھونٹ پی لیں۔ غصہ ذرا ٹھنڈا ہو جائے گا۔ آپ کے لئے سوچنے کی صورتِ حال پیدا ہو گئی ہے جس پر ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہئے۔ مسلمان کوئی جن بھوت تو نہیں"۔

یزدگرد نے پیالہ ہاتھ میں لے لیا۔ یہ خالص سونے کا وزنی پیالہ تھا۔ اس میں چھوٹے ہیرے بھی جڑے ہوئے تھے۔ یزدگرد نے پیالے کو دیکھا پھر لڑکی کے حسین چہرے کو دیکھا جیسے پیالے کی دلکشی اور لڑکی کے حسن کا موازنہ کر رہا ہو۔ اچانک اُس نے پیالہ اپنے دونوں ہاتھوں میں پکڑ کر ہاتھ اپنے سر سے اوپر کئے اور پُوری طاقت صرف کر کے پیالہ لڑکی کے سر پر مارا۔ ایک تو پیالہ وزنی، دوسرے جوان آدمی کی طاقت۔ لڑکی کا سر ٹوٹا پھر اس کی ٹانگیں دوہری ہُوئیں اور وہ ایک پہلو پر گر پڑی۔ اس کے سر سے خون نکل کر اس کے ریشم جیسے ملائم بالوں میں سے فرش پر پھیلنے کا راستہ بنانے لگا۔

"ہوش میں آ یزدی!"۔۔۔ نورین نے اٹھ کر اپنے بیٹے کو کندھوں سے پکڑا اور اُسے جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔۔۔ "اس بے چاری کو پیار کا یہ صلہ دیا ہے!"

"انہیں بھی یہی صلہ ملنا چاہئے ماں!"۔۔۔ یزدگرد نے کہا۔۔۔ "تم خوش قسمت ہو کہ میری ماں

ہو۔ اس وقت مجھے بیدار ہونا چاہیئے اور یہ لڑکی مجھے شراب پلا رہی ہے۔ حرم میں میرے لیے لڑکیوں کی کمی نہیں لیکن تم میرے لیے اس لڑکی کو خاص طور پر لائی تھیں۔ یہ راز مجھ پر آج کھلا ہے کہ تم نے اس لڑکی کو مجھ پر نشے کی طرح غالب آنے کا سبق پڑھایا تھا۔ تم اس کوشش میں تھیں کہ میں اس محل میں قیدی بنا رہوں اور محاذ پر نہ جاؤں۔"

یزدگرد نے دیکھا کہ پیغام لانے والا فوجی وہیں کھڑا ہے۔

"تم نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے" ـــــ یزدگرد نے اُسے کہا ـــــ "اس لڑکی کو پاؤں سے پکڑو اور گھسیٹ کر باہر پھینک دو۔ کسی کو بتا دینا کہ ہوش میں آجائے تو اپنے گھر چلی جائے۔ مرتی ہے تو اس کی لاش اس کے ماں باپ کے حوالے کر دینا۔"

"اتنا بے رحم نہ بن یزدی!" ـــــ نورین نے کہا ـــــ "اس عظیم سلطنت کو اس کے بادشاہوں اور جرنیلوں نے گناہ کھا گئے ہیں۔ اس سلطنت نے ایک نہ ایک دن تو ڈوبنا ہے۔ میں تجھے ڈوبتے نہیں دیکھ سکتی۔"

"مت بھولو ماں!" ـــــ یزدگرد نے کہا ـــــ "مت بھولو کہ لوگ مجھے تمہاری قید سے نکال کر کیوں مدائن لائے تھے.... کسریٰ کی اس عظیم سلطنت کی عظمت کو بحال کرنے کے لیے.... میں جانتا ہوں تم کیا چاہتی ہو۔ تم مجھے پھر اُسی قید میں ڈالنا چاہتی ہو جس میں میری عمر کے سولہ سترہ سال گزر گئے تھے لیکن میں نہیں چاہتا کہ تاریخ ساری دنیا کو ہمیشہ یہ سناتی رہے کہ فارس کی فوج کو شکست ہوئی تو یزدگرد ماں کے ساتھ بھاگ کر کسی گمنام گوشے میں جا چھپا تھا.... میں مرد ہوں ماں! اب میرے راستے میں نہ آنا۔ مدائن کو بچانا میری ذمہ داری ہے۔"

یزدگرد نے ماں کو رعایا کی ایک عام عورت کی حیثیت دے کر حکم دے دیا کہ وہ اپنے کمرے میں بند ہو جائے۔

اس ایک فوجی شہدیار کے پیچھے کئی اور فوجی جو قادسیہ سے بھاگے تھے اور گھوڑسوار تھے مدائن میں داخل ہوئے۔ ان میں بعض زخمی تھے۔ وہ دہشت زدگی کے انداز میں مدائن کے لوگوں کو بتاتے آرہے تھے:

"سب کٹ گئے.... کوئی نہیں بچا۔"

"رستم مارا گیا۔ بہمن جادویہ مارا گیا۔ جالینوس مارا گیا!"

"باقی سب جرنیل بھاگ گئے۔"

"عربی انسان نہیں، وحشی درندے ہیں۔"

"ہزاروں ساتھی ڈوب گئے۔"

"اپنا بندوبست کر لو۔ وہ اِدھر آرہے ہیں۔"

"اپنا مال و دولت چھپا لو۔"

وہ غلط تو نہیں کہہ رہے تھے لیکن اُن کا انداز ایسا تھا جیسے مسلمان واقعی خونخوار درندے ہوں اور ہوں نے ان فارسیوں پر بے خبری میں ساری فوج کو چیر پھاڑ دیا ہو۔ یہ شکست خوردہ فارسی اپنے آپ بےگناہ ثابت کرنے کے لیے مظلومیت کا اظہار کر رہے تھے۔

شکست کی خبر سارے شہر میں پھیل گئی۔ لوگوں پر خوف طاری ہوتا چلا گیا۔ جن لوگوں کے گھروں یں سونا چاندی اور ہیرے جواہرات تھے اور جن کی بیٹیاں جوان تھیں، انہوں نے مال و متاع اور بیٹیوں لے کر شہر سے نکل جانے کی تیاریاں شروع کر دیں۔

شہر کے چند ایک معززین شاہی محل کے سامنے جا پہنچے۔ انہیں دیکھ کر شہر کے لوگ بھی وہاں اکٹھے ہونے لگے۔ ان سب نے نعرے لگانے شروع کر دیئے کہ انہیں یقین دلایا جائے مدائن میں ان کے تحفظ کا انتظام موجود ہے۔

یزدگرد کو اطلاع ملی تو وہ باہر آگیا۔ معززین نے لوگوں کو خاموش کرایا اور یزدگرد کے ساتھ ات چیت کی۔

"تمہیں کس نے بتایا کہ ہماری فوج کو شکست ہوئی ہے؟" ـــــ یزدگرد نے پوچھا۔

اُسے بتایا گیا کہ اپنے کچھ فوجی آئے ہیں جن میں بعض زخمی بھی ہیں۔ معززین نے یزدگرد کو یہ بھی بتایا کہ ان فوجیوں نے کیسی کیسی باتیں سنا کر لوگوں میں خوف و ہراس پیدا کر دیا ہے۔

یزدگرد نے حکم دے دیا کہ ان فوجیوں کو گرفتار کر کے قید خانے میں بند کر دیا جائے اور فوجی قادسیہ سے بھاگ کر مدائن آئیں، انہیں باہر روک کر یہ حکم سنایا جائے کہ شہر کے لوگوں کو قادسیہ کوئی بات نہ سنائی جائے اور شہر میں خوف و ہراس پھیلانے والوں کو سزائے قید دی جائے گی۔

"....اور اے شہر کے لوگو!" ـــــ یزدگرد نے لوگوں سے خطاب کیا ـــــ "کیا ان عربوں کو شکست دینے کا یہ طریقہ ہے کہ تم شہر چھوڑ کر بھاگ جاؤ؟ مدائن فارس کی عصمت ہے۔ کیا تم اپنی عظیم سلطنت کی عصمت اپنے دشمن کے حوالے کر جاؤ گے؟ ... جاؤ گے کہاں؟ جہاں جاؤ گے دشمن ں تک پہنچ جائے گا۔ تعاقب اُسی کا کیا جاتا ہے جو بھاگتا ہے، اور جو مقابلے میں سینہ سپر ہو جاتے دشمن کو نہ صرف روک لیتے ہیں بلکہ اُسے بھگا بھی دیا کرتے ہیں اور اس کا تعاقب کیا کرتے ور اُسے اپنی سرزمین سے نکال کر دم لیا کرتے ہیں....

"زرتشت کی قسم! عربوں کو تم بھگاؤ گے۔ وہ میدانِ جنگ ہے جس میں فتح بھی ہو سکتی ہے شکست،

بھی لیکن جنگ کا فیصلہ شہروں میں ہُوا کرتا ہے اور کوئی شہر محاصرے کی کامیابی کے بغیر فتح نہیں ہُوا کرتا۔ تم یہاں سے بھاگنے کی بجائے دشمن کے مقابلے کی تیاری کرو۔ میں تمہیں یہ بھی یقین دلاتا ہُوں کہ عربی لشکر مدائن تک نہیں پہنچ سکے گا۔ وہ ابھی تک قادسیہ میں ہے۔ مدائن تک کئی جگہوں پر ہماری فوج موجود ہے۔ راستے میں دجلہ ہے۔ اگر دشمن دجلہ تک پہنچ بھی گیا تو دجلہ کے پل توڑ دیں گے وہاں ایک بھی کشتی نہیں چھوڑیں گے۔ عربی دریا عبور کریں گے ہی کس طرح؟ .... جاؤ، اپنے گھروں کو چلے جاؤ اور جنگ کی تیاری کرو۔ باقی انتظام مجھ پر چھوڑ دو"

*

یزدگرد نے مدائن کے لوگوں کو خوب گرمایا اور اُن کے دلوں سے مسلمانوں کا خوف بہت حد تک اتار دیا۔ اُس نے ایسے الفاظ استعمال کیے تھے کہ وہی لوگ جو ڈرے ڈرے سے اُس کے پاس آئے تھے وہ جوش و خروش سے نعرے لگاتے ہُوئے چلے گئے۔

یزدگرد واپس محل میں جا رہا تھا تو پوران آگئی۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ پوران فارس کی ملکہ تھی لیکن اُسے ہٹا کر یزدگرد کو تخت پر بٹھایا گیا تھا۔ پوران کے متعلق جو تفصیلات پہلے بیان ہو چکی ہیں، ان میں ایک یہ بھی تھی کہ وہ تخت و تاج میں اتنی دلچسپی نہیں رکھتی تھی جتنی دلچسپی اُسے فارس کے دفاع سے تھی۔ اُسے اطلاع ملی کہ فارس کی فوج نے قادسیہ میں بہت بُری شکست کھائی ہے اور تمام جرنیل میدان چھوڑ گئے ہیں اور کچھ مارے گئے ہیں تو وہ یزدگرد کے پاس دوڑی آئی۔

یزدگرد عمر میں اُس سے بہت چھوٹا تھا اور اُس کا سوتیلا بھائی تھا۔ اس کے علاوہ پوران میں یہی قومی جذبہ تھا جو یزدگرد میں تھا۔ پوران نے یزدگرد کو اپنے بازوؤں میں لے کر گلے لگا لیا۔ یزدگرد پر جذبات کا ایسا غلبہ طاری ہُوا کہ اُس کے آنسو نکل آئے۔

"مرد بنو یزدی!" —— پوران نے یزدگرد سے کہا —— "نہ فتح سے اتنا خوش ہونا چاہیے اور شکست سے اتنا دلبرداشتہ ہونے کی ضرورت ہے۔ تم اکیلے تو نہیں ہم سب تمہارے ساتھ ہیں"

"لیکن ہمارے پاس رہ ہی کیا گیا ہے" —— یزدگرد نے کہا —— "جس قدر فوج اکٹھی ہو سکی وہ فوج میں نے آگے بھیج دی تھی۔ مجھے پریشانی ہے تو صرف یہ کہ اتنی بڑی اور اتنے اچھے [illegible] فوج صرف چالیس ہزار آدمیوں کی فوج سے شکست کس طرح کھا گئی"

"یہ مت سوچو" —— پوران نے کہا —— "اس شکست کی ذمہ داری رستم پر عائد ہوتی ہے۔ کیا تمہیں [illegible] نہیں کہ رستم کتنا عرصہ آگے جانے سے گریز کرتا رہا ہے؟ یہ تم تھے جس نے اُسے کچھ ڈرا دھمکا کر اور کچھ بہلا ورغلا کر میدان جنگ میں جانے کے لیے تیار کیا تھا"

وہ دونوں [illegible] چلتے محل میں داخل ہو گئے [illegible] پوران کو اپنے کمرے میں [illegible]

وہاں پہلے سے موجود تھی۔

"پوران!" —— یزدگرد نے کہا —— "میری ماں کو سنبھالو اور اسے سمجھاؤ کہ میں اس تخت پر بیٹھ کر اور فارس کا تاج اپنے سر پر رکھ کر تمہارا بیٹا نہیں رہا۔ میں اب فارس کا فرزند ہوں۔ میرے خون کا ایک ایک قطرہ فارس کی آبرو کے لیے وقف ہو گیا ہے۔ میں فارس کے پہلے بادشاہوں کی طرح اپنے حریفوں کو قتل کر کے اس تخت پر قابض نہیں ہُوا۔ مجھے رعایا لائی ہے اور رعایا نے میرے ساتھ کچھ توقعات وابستہ کی ہیں"

"ان باتوں کو الگ رکھو یزدی!" —— پوران نے کہا —— "اور یہ مجھ پر چھوڑ دو۔ اس وقت سوچنے والی باتیں کچھ اور ہیں۔ تم جانتے ہو کہ میرا دو ہزار گھوڑ سواروں کا رسالہ ساباط میں ہے اور تمہیں یہ بھی معلوم ہو گا کہ یہ رسالہ ابھی تک لڑائی میں شامل نہیں ہُوا۔ میں اب اس رسالے کو مسلمانوں کے مقابلے میں استعمال کروں گی لیکن مسلمانوں کو آگے آنے دو۔ اُنہوں نے ساباط کے راستے سے ہی آنا ہے۔ میں اپنے رسالے کو ہدایات بھجوا دوں گی کہ مسلمانوں کو کہاں اور کس طرح روکنا ہے"

پوران نے جن دو ہزار گھوڑ سواروں کا ذکر کیا تھا۔ یہ ایک خاص رسالہ تھا جس میں فوج کے منتخب اور جانباز قسم کے سوار شامل کیے جاتے تھے۔ اس رسالے کے ساتھ ایک پالتو شیر بھی تھا جو اپنے مالکوں کے ساتھ تو مانوس تھا لیکن دشمن کے لیے وہ ویسا ہی تھا جیسے جنگل کے شیر ہوتے ہیں۔ اُسے دشمن پر جھپٹنے کی تربیت خاص طور پر دی گئی تھی۔

اس رسالے کی ایک روایت یہ تھی کہ ہر صبح اس رسالے کے تمام گھوڑ سوار ایک جگہ جنگی ترتیب سے اکٹھے ہوتے اور ایک مذہبی پیشوا اُن کے سامنے کھڑا ہوتا۔ وہ ایک عہد کے الفاظ بلند آواز میں بولتا جاتا اور ہر گھوڑ سوار یہ الفاظ دہراتا جاتا تھا۔ یہ ایک عہد تھا کہ جب تک یہ رسالہ موجود ہے، فارس کی سلطنت کو زوال نہیں آنے دے گا اور فارس کی عظمت کو ہمیشہ زندہ و تابندہ رکھے گا۔ اس رسالے کے روزمرہ کے معمولات اس عہدنامے سے شروع ہوتے تھے۔ اسے کسریٰ کا شاہی رسالہ کہا جاتا تھا۔

"مجھے رستم کے مارے جانے کا بہت افسوس ہے" —— یزدگرد نے کہا —— "اُس جیسا فوجی قائد کہاں [illegible] گا"

"نہیں یزدی!" —— پوران نے کہا —— "مجھے اس شخص کے مرنے کا ذرا سا بھی غم نہیں۔ مجھ سے ایک بھول ہُوئی تھی۔ میں نے فارس کے دفاع کی خاطر تمام اختیارات رستم کو دے دیئے تھے۔ میں نے صاف طور پر محسوس کیا کہ اس شخص کی نگاہیں تخت و تاج پر لگی ہُوئی ہیں۔ عورت اس کی کمزوری تھی۔ میں یہ بات کہنے میں ذرا سی بھی شرم محسوس نہیں کروں گی کہ وہ مجھے ہر وقت ساتھ رکھتا تھا۔ اکثر راتوں کو بھی وہ مجھے اپنے کمرے میں نہیں جانے دیتا تھا۔ وہ فارس کا تاج اپنے سر پر رکھنے کے لیے زندہ رہنے کی کوشش

میں تھا۔ بہر حال وہ اچھا تھا یا بُرا، مرگیا ہے۔ مرے ہوؤں پر آنسو بہانے کا یہ وقت نہیں۔ اب یہ سوچنا ہے کہ ہم جو زندہ ہیں، ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ تم اکیلے غم نہ کرو۔ تم ابھی نوجوان ہو۔ ہم نے جو دیکھا ہے وہ تم نے نہیں دیکھا۔ میں اب تمہیں اکیلا نہیں چھوڑوں گی۔"

پہلے تفصیل سے بیان ہو چکا ہے کہ پوران گھوڑے پر سوار ہو کر فارس کے ہر اُس شہر کی گلیوں میں گھوڑا دوڑاتی پھرتی اور لوگوں کے حوصلے بڑھاتی اور انہیں شہر کے دفاع کے لیے تیار کرتی رہتی تھی جہاں مسلمان حملہ کرتے تھے۔ اب اُس نے وہی کام پھر شروع کر دیا۔ مدائن بہت بڑا شہر تھا۔ پوران گھوڑے پر سوار کسی ایک جگہ جا رُکتی، لوگ اس کے ارد گرد اکٹھے ہو جاتے اور وہ لوگوں کو سلطنتِ فارس پر مر مٹنے کے لیے بڑے ہی جذباتی الفاظ میں تیار کرتی تھی۔

دوسرے دن یزدگرد کو اطلاع دی گئی کہ ایک ضعیف العمر سفید ریش ملنا چاہتا ہے۔

یزدگرد نے اُسے اندر بلا لیا۔ اس بزرگ کی سفید داڑھی چاندی کے تاروں کی طرح چمک رہی تھی۔ اس کا جھریوں بھرا چہرہ گورا اور آنکھیں سبز تھیں جن میں ایسا تاثر تھا جو دیکھنے والے کو اپنی طرف متوجہ کرتا تھا۔ اُس کے سر پر کپڑے کی گول ٹوپی تھی اور اُس نے کالے رنگ کا چغہ پہن رکھا تھا۔ اُس کے ایک ہاتھ میں عصا اور دوسرے ہاتھ میں پندرہ بیس دانوں کی تسبیح تھی۔

وہ بلاشبہ مذہبی پیشوا تھا لیکن یہ آتش پرست نہیں ہو سکتا تھا۔ آتش پرست راہبوں کا لباس اس قسم کا نہیں ہوتا تھا۔ یزدگرد فارس کا شہنشاہ تھا۔ اُس کے سامنے آنے والے رکوع میں جاتے پھر اُسے سلام کیا کرتے تھے لیکن اس بزرگ کا اُس نے اُٹھ کر استقبال کیا۔

"آئیے مقدس راہب!" ——— یزدگرد نے کہا ——— "آپ یقیناً یہودی ہیں..... آپ کی عبادت گاہ میں ہماری طرف سے کوئی مداخلت تو نہیں ہوتی؟"

"نہیں شاہِ فارس!" ——— یہودی راہب نے کہا ——— "میں نے اپنے گھر میں ہی عبادت گاہ بنا رکھی ہے۔ یہودیوں کی یہاں تعداد ہی کتنی ہے کہ عبادت گاہ تعمیر کی جاتے۔ میرے گھر میں ہی یہ ضرورت پوری ہو جاتی ہے۔ آپ کے زیرِ سایہ ہمیں کوئی تکلیف نہیں۔"

"مقدس راہب!" ——— یزدگرد نے کہا ——— "آپ شاید ہماری شکست پر اظہارِ افسوس کرنے آئے ہیں..... کیا آپ ہماری فتح کے لیے دعا نہیں کرتے؟"

"ہم ہر روز آپ کے لیے دعا کیا کرتے ہیں" ——— یہودی راہب نے کہا ——— "ہم آپ کے وفادار ہیں اور فارس ہمارا وطن ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں کچھ عرض کروں۔ میں اپنا فرض ادا کرنا چاہتا ہوں۔ ہو سکتا ہے آپ کو میری کوئی بات بُری لگے۔"

"اگر آپ فارس کی بھلائی کی بات کریں گے تو مجھے کوئی بات بُری نہیں لگے گی" ——— یزدگرد نے کہا ——— "آپ نے زمانہ دیکھا ہے۔ نہ جانے زمانے کے کتنے رنگ دیکھے ہیں۔ میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ عام سے روایتی ہتھیاروں سے مسلح چالیس ہزار آدمیوں نے اتنے اچھے ہتھیاروں سے مسلح ایک لاکھ بیس ہزار کے لشکر کو شکست کس طرح دی ہے۔ ان عربوں نے ہاتھیوں تک کو کاٹ کر دریا میں ڈبو دیا ہے، اور یہ بھی میری سمجھ سے بالا ہے کہ رستم مارا کس طرح گیا۔"

"میں میدانِ جنگ کے تمام حالات سے واقف ہوں" ——— یہودی راہب نے کہا ——— "صرف قادسیہ ہی نہیں، مسلمانوں نے یہاں آ کر جتنی لڑائیاں لڑی ہیں، میں ان سب کے حالات بیان کر سکتا ہوں۔ ان دو تین دنوں میں میں نے قادسیہ کی جنگ کی ہر بات معلوم کر لی ہے..... رستم قسمت اور ستاروں کے چکر میں پڑ گیا تھا اور زائچے اور فال نامے نکال نکال کر اپنی پیش گوئیاں سب کو سناتا تھا۔ اس کی پیش گوئی یہ تھی کہ سلطنتِ فارس کا انجام اچھا نہیں ہو گا.....

"یہ پیش گوئی ساری فوج میں پھیل گئی۔ اس کا یہی اثر ہونا تھا جو آپ نے دیکھ لیا ہے۔ ہماری فوج اس لیے بھاگ اٹھی کہ فارس کا انجام تو بُرا ہی ہونا ہے تو ہم اپنی جانیں اور اپنا خون کیوں ضائع کریں؟"

"تو کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ رستم کی پیش گوئی غلط ہے؟" ——— یزدگرد نے پوچھا۔

"بالکل غلط!" ——— یہودی راہب نے جواب دیا ——— "کیا آپ کو یاد نہیں کہ وہ جنگ میں جانے سے ہچکچا رہا تھا؟ آپ نے اُسے دھمکی دی کہ وہ نہیں جائے گا تو آپ خود فوج لے کر مسلمانوں کے خلاف چلے جائیں گے تب اُس نے سوچا کہ ایسا ہو گیا تو فارس کے لوگ اُس کے خلاف ہو جائیں گے۔ وہ فوج لے کر نکل گیا لیکن اُس نے ایک دن کی مسافت چار مہینوں میں طے کی۔ وہ قادسیہ پہنچ تو گیا لیکن مسلمانوں کے ساتھ صلح سمجھوتے کی بات چیت شروع کر دی.....

"میں نے کہا ہے کہ اُس کی یہ پیش گوئی غلط تھی کہ سلطنتِ فارس کا انجام اچھا نہیں ہو گا۔ یہ دراصل اُس کے اپنے دل کی آواز تھی۔ اسی لیے وہ لڑنا ہی نہیں چاہتا تھا۔ لڑنے میں شکست کا خطرہ بھی تھا اور قتل ہونے کا خطرہ بھی۔ اُسے فارس سے نہیں بلکہ اپنی ذات سے محبت تھی۔ اُس نے بہت لڑائیاں لڑی تھیں مگر اب وہ اپنے آپ کو انعام دینا چاہتا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اُس نے اپنے آپ کو فارس کا بادشاہ بنا لیا تھا۔ اُس کی یہ خواہشات اور اُس کے یہ ارادے یہ پیش گوئی اختیار کر گئے کہ سلطنتِ فارس کا انجام اچھا نہیں ہو گا.....

"آپ پوچھتے ہیں کہ ان تھوڑے سے مسلمانوں نے اتنے بڑے لشکر کو شکست کس طرح دی ہے۔ وجہ بالکل صاف ہے۔ مسلمان ایک عقیدے پر یقین رکھتے ہیں۔ انہوں نے اپنی قسمت ستاروں کے ساتھ وابستہ نہیں کی ہوئی بلکہ اپنے ہاتھ میں رکھی ہوئی ہے۔ ان کے دلوں میں اللہ اور محمدؐ کی محبت

اور عقیدت ہے جسے وہ اللہ کا رسول مانتے ہیں۔ رستم نے اپنی ذات کو سامنے رکھا لیکن مسلمان اپنی ذات سے بے نیاز ہیں....

"میں آپ کو راز کی ایک بات بتانا چاہوں گا۔ آپ مسلمانوں سے اس لیے لڑتے ہیں کہ وہ آپ کے ملک پر قبضہ نہ کرلیں لیکن ہم یہودیوں کی لڑائی مسلمانوں کے خلاف ایک عقیدے اور ایک نظریے کی خاطر ہے۔ آپ میدانِ جنگ میں لڑتے ہیں مگر ہم زمین کے نیچے سے وار کرتے ہیں۔ ہمارے آدمی کسی نہ کسی بہروپ میں کسی سرکردہ مسلمان کے ساتھ دوستی کرتے ہیں۔ بڑی ہی خوبصورت اور تربیت یافتہ لڑکیوں کو جال میں دانے کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ خوبصورت عورت ہی مرد کی سب سے بڑی کمزوری ہوتی ہے لیکن ہمیں کامیابی نہیں ہوئی۔ جہاں بھی ہم نے یہ طریقہ اختیار کیا وہاں ہماری لڑکی نے مسلمانوں کے کردار سے متاثر ہو کر اسلام قبول کرلیا یا اس کی اصلیت بے نقاب ہوگئی اور وہ قتل ہوگئی یا اس کے ساتھ ہم نے جو ایک دو آدمی مسلمانوں کے بہروپ میں بھیجے وہ مارے گئے....

"ان کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زندگی کا واقعہ ہے۔ مکہ والوں نے مدینہ پر حملہ کیا تھا۔ مسلمانوں نے مدینہ کے اردگرد خندق کھود لی اور مکہ والے باہر کھڑے رہ گئے۔ میں اس وقت وہاں نہیں تھا۔ ہمارے بہت سے یہودی مدینہ میں تھے۔ انہوں نے محمدؐ کو اپنی وفاداری کا دھوکہ دیا اور محمدؐ نے انہیں اپنا دوست سمجھ کر مدینہ میں ہی رہنے کی اجازت دے دی۔ مسلمانوں نے اپنی عورتوں اور بچوں کو ایک کشادہ مکان میں منتقل کر دیا تاکہ قریشِ مکہ کہیں رات کو خندق پھاند کر اندر آجائیں تو عورتیں اور بچے محفوظ رہیں....

"یہودیوں نے اپنے ایک آدمی کو تلوار دے کر اس کام کے لیے بھیجا کہ وہ کسی طرح اس حویلی کے اندر جا کر ایک دو عورتوں یا بچوں کو قتل کر دے اور بھاگ آئے۔ مقصد یہ تھا کہ عورتوں اور بچوں میں بھگدڑ مچ جائے گی اور وہاں سے شور شرابا اٹھے گا تو تمام مسلمان خندق سے ہٹ کر اس مکان کی طرف دوڑیں گے تو ان کی غیر حاضری میں مکہ والے خندق کے اندر آجائیں گے۔ خندق کو پھاندنا آسان نہیں تھا لیکن کچھ جگہ ایسی بھی تھی جہاں خندق نہیں تھی۔ اس طرف مسلمانوں نے اپنی خاصی تعداد بٹھا رکھی تھی۔ اگر ہمارا آدمی کامیاب ہو جاتا تو اہلِ قریش اس طرف سے مدینہ میں داخل ہو جاتے لیکن ہمارے آدمی کو کسی نے اس مکان کے قریب مشکوک حالت میں دیکھ لیا اور اسے وہیں قتل کر دیا گیا۔ قتل کسی آدمی نے نہیں کیا بلکہ ایک عورت نے کیا اور یہ عورت محمدؐ کی پھوپھی تھیں۔ یہودیوں نے اس آدمی کے قتل ہو جانے کے باوجود مکہ والوں کو مدد دینے کی اور مسلمانوں کو شکست دلوانے کی بہت کوشش کی تھی۔ یہ کوشش خفیہ تھی پھر بھی مسلمانوں کو اس کا علم ہو گیا۔ محمدؐ نے اس کی پاداش میں مدینہ کے تمام یہودیوں کو قتل کروا دیا۔ اس کے باوجود یہودی جہاں بھی تھے۔ وہاں انہوں نے مسلمانوں کی پیٹھ پر وار کرنے کا کوئی

موقع ہاتھ سے جانے نہ دیا۔"

"مقدس راہب!" — یزدگرد نے کہا — "میں آپ کی ساری بات سمجھ گیا ہوں اور یہ میں پہلے سے ہی جانتا تھا کہ مسلمانوں کا سب سے بڑا کوئی دشمن ہے تو وہ یہودی ہے۔ آپ مجھے باتیں نہ سنائیں۔ اس وقت ضرورت یہ ہے کہ مسلمانوں کو روکا جائے۔ وہ دجلہ پار نہ کر سکیں۔"

"ہاں شہنشاہِ فارس!" — یہودی راہب نے کہا — "میں اسی لیے حاضر ہوا ہوں کہ مسلمانوں کی پیش قدمی کو پسپائی میں تبدیل کر دیا جائے۔ میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ مرد کی دو سب سے بڑی کمزوریاں مسلمانوں کے خلاف بیکار اور ناکام ہو چکی ہیں۔ ایک شراب ہے اور دوسری عورت۔ مسلمان مالِ غنیمت میں ہر ایک چیز اکٹھی کر لیتے ہیں لیکن شراب کتنی ہی قیمتی کیوں نہ ہو وہ پھینک دیتے ہیں اور ان برتنوں کو بھی نہیں اٹھاتے جن میں شراب ہوتی ہے۔ وہ عورتوں کو تو لے جاتے ہیں لیکن انہیں مدینہ بھیج دیتے ہیں اور ان کے حقدار وہی ہوتے ہیں جو ان کے ساتھ باقاعدہ شادی کر لیتے ہیں۔ ہمارے پاس جادو ہے جو ہم آزمانا چاہتے ہیں لیکن اس کے لیے جو اشیاء درکار ہیں وہ اکٹھی کرنے اور ان پر عمل وغیرہ کرنے کے لیے بہت دن لگیں گے۔ اگر آپ یہ اشیاء مہیا کر دیں تو ہم ایسا جادو کر سکتے ہیں کہ مسلمانوں کے سالار اندھے ہو جائیں گے۔ اندھے صرف جسمانی طور پر نہیں ہوں گے بلکہ وہ عقل کے بھی اندھے ہو جائیں گے۔"

"فوراً بتائیں!" — یزدگرد نے کہا — "آپ کو کیا کیا چیز چاہیے۔"

"ایک نوخیز لڑکی" — بوڑھے راہب نے کہا — "ایک نوزائیدہ بچہ جس کی عمر تین دنوں سے زیادہ نہ ہو۔ دو الّو.... یہ تو ہیں جاندار اشیاء۔ دوسری چیزیں جو درکار ہیں وہ ہم خود اکٹھی کر لیں گے۔"

یزدگرد نے اسی وقت حکم دے دیا کہ یہ اشیاء یہودیوں کی عبادت گاہ میں فوراً پہنچا دی جائیں۔

یہودی راہب چلا گیا۔

یہ پہلا واقعہ نہیں تھا کہ یہودی مسلمانوں پر زمین دوز وار کر رہے تھے۔ اسلام کے خلاف یہودی فتنے کی تاریخ میں ایسے کئی واقعات ملتے ہیں۔ اس کے بعد بھی یہودیوں نے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لیے کئی ڈھنگ کھیلے۔ مورخ لکھتے ہیں کہ ایک طرف یہودی جادو کا حربہ استعمال کر رہے تھے لیکن دوسری طرف مسلمانوں نے جو کامیابی حاصل کی تھی وہ تو کسی جادو کا ہی کرشمہ لگتا تھی۔ مسلمانوں کی تعداد جنگِ قادسیہ کی ابتدا میں چالیس ہزار تھی۔ انہیں چھ ہزار کی کمک ملی۔ اس ساری تعداد میں سے آٹھ نو ہزار مجاہدین شہید ہو گئے تھے۔ زخمیوں کی تعداد بے شمار تھی جن میں تقریباً آدھے مجاہدین لڑنے کے قابل نہیں رہے تھے۔ اس کے باوجود وہ مدائن کی طرف بغیر آرام کیے پیش قدمی کر رہے تھے۔ بظاہر وہ کامیاب ہوتے نظر نہیں آتے تھے۔

امیرالمومنین حضرت عمرؓ نے سعدؓ بن ابی وقاص کو حکم بھیجا تھا کہ جب تک اُن کا اگلا حکم نہ پہنچے وہ قادسیہ میں ہی رہیں، البتہ اپنے دستے آگے ضرور بھیجیں تاکہ فارسی کہیں اکٹھے نہ ہو سکیں۔

ان دو مہینوں میں حضرت عمرؓ اور سعدؓ کی آپس میں خاصی پیغام رسانی ہوئی۔ دو مہینے پورے ہوئے تو ایک روز سعدؓ بن ابی وقاص نے ایسے محسوس کیا جیسے ان کا درد غائب ہو گیا ہو۔ وہ اٹھ کھڑے ہوئے، چلے اور کمرے میں چلتے ہی رہے۔ اُن کا درد واقعی ختم ہو چکا تھا۔ اُنہوں نے جسم کو پوری طرح کی حرکت دی، یہاں تک کہ بالاخانے سے اُترے، اپنے گھوڑے پر بیٹھے، گھوڑے کو چلایا تو انہیں کوئی تکلیف محسوس نہ ہوئی۔ تمام مؤرخوں نے اس معجزے کا ذکر کیا ہے۔ سعدؓ بن ابی وقاص لڑائی کے لیے تیار ہو گئے۔ اُنہوں نے اور سلمیٰ نے سجدے میں جا کر اللہ کا شکر ادا کیا۔

فارس کا نوجوان اور وطن کی محبت میں دیوانہ شہنشاہ یزدگرد محل کے باہر پچاس ساٹھ آدمیوں کے سامنے کھڑا تھا۔ یہ سب زخمی تھے۔ زخمی بھی ایسے کہ لڑنے کے قابل نہیں رہے تھے۔ یہ قادسیہ سے مدائن تک بڑی مشکل سے پہنچے تھے۔ انہیں یزدگرد نے قادسیہ کی لڑائی کی تفصیلات معلوم کرنے کے لیے بلایا تھا۔ ان میں سے جو بھی بولتا تھا اُس کی آواز کانپتی محسوس ہوتی تھی۔

"کیا تم مجھ سے ڈر رہے ہو یا تم پر عربوں کا خوف سوار ہے؟" ——یزدگرد نے ان کی باتیں سُن کر پوچھا۔

کوئی بھی نہ بولا۔ یزدگرد نے شاہانہ رُعب سے اپنا سوال دہرایا۔

"ہاں شہنشاہ!" ——ان میں سے ایک نے کہا —— "ہم آپ سے بھی ڈر رہے ہیں اور ہمارے دلوں پر عربوں کا خوف بھی موجود ہے۔ میں تو یہ بھی کہوں گا کہ عربوں کے پاس کوئی جادو ہے۔ ان کی تعداد اتنی تھوڑی ہے کہ لڑائی میں ہمارے لشکر کے درمیان وہ نظر نہیں آتے لیکن کٹ کٹ کر گرتے ہیں تو ہمارے آدمی گرتے ہیں۔ ہمارے پانچ سو چُنے ہوئے جانباز گئے کہ عربوں پر شبخون ماریں گے لیکن وہ راستے میں ہی عربوں کا شکار ہو گئے۔ پھر ہمیں حکم ملا کہ علی الصبح عربوں پر حملہ کرنا ہے جب وہ نماز پڑھ رہے ہوں گے لیکن نماز کے وقت ہم نے انہیں لڑائی کے لیے تیار پایا۔ اس کے بعد جو لڑائی ہوئی وہ میں بتا نہیں سکتا کہ کیا لڑائی تھی۔"

"شہنشاہِ فارس!" ——ایک ادھیڑ عمر فوجی جو عہدیدار تھا، بولا —— "جاں بخشی کی التجا کرتا ہوں۔ آپ ہمیں بزدلی کی سزا دیں، ہمیں قبول ہے۔ ایک گزارش سُن لیں۔ آپ کے اس غلام نے بہت لڑائیاں لڑی ہیں لیکن یہ پہلی لڑائی ہے جس میں میرے دل پر خوف طاری ہو گیا تھا اور مجھے یقین ہونے لگا کہ عرب کے ان مسلمانوں کے پاس کوئی جادو ہے۔ وہ بے خوفی اور بے جگری سے لڑتے ہیں۔ یہ کوئی جادو نہیں شہنشاہِ فارس! جادو یہ ہے کہ لڑائی شروع ہوئی تو بڑی ہی زبردست آندھی آگئی۔ ایسی زبردست کہ اس میں لڑائی ممکن نہیں تھی۔ آندھی اُس طرف سے آرہی تھی جس طرف مسلمان تھے....

"آندھی گرد و غبار کی دیوار کی طرح جو زمین سے آسمان تک اونچی تھی، اُفق سے اُٹھی تو مسلمانوں کے لشکر سے نعرے اُٹھنے لگے — اللہ کی مدد آرہی ہے..... اللہ کی مدد آرہی ہے' — آندھی ایسی خوفناک کہ بڑے مضبوط ٹہن ٹوٹ ٹوٹ کر گزر رہے تھے۔ اس کی چیخیں اتنی خوفناک کہ دل دہل رہے تھے۔ آندھی صحرا کی جو ریت اپنے ساتھ لاتی تھی وہ ہماری آنکھیں نہیں کھلنے دے رہی تھی۔ گھوڑوں کی آنکھوں میں بھی ریت اور مٹی پڑتی تھی۔ آندھی کے زناٹوں اور چیخوں سے گھوڑے بدکتے تھے۔"

"ریت عربوں کی آنکھوں میں بھی پڑتی تھی" — یزدگرد نے غصیلی آواز میں کہا — "اُن کے گھوڑوں کی بھی آنکھیں نہیں کھلتی تھیں۔ اُن کے گھوڑے بھی بدکتے تھے۔ آندھی صرف تمہارے لیے نہیں آئی تھی۔"

"شہنشاہِ فارس!" — اس ادھیڑ عمر فوجی عہدیدار نے کہا — "میں جانتا ہوں میری جاں بخشی نہیں ہوگی، پھر میں وہ سب کچھ زبان پر لے ہی کیوں نہ آؤں جو میں کہنے سے ڈرتا تھا..... اُس آفتاب کی قسم ہم جس کے پجاری ہیں، عرب کے سالاروں کی آنکھوں میں بھی ریت پڑتی تھی لیکن اُن کی عقل کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ وہ گھوڑوں کو لڑائی میں لاتے ہی نہیں تھے۔ اُن کے تمام گھوڑسوار گھوڑوں سے اُتر آتے اور پیادوں کی طرح لڑے تھے.....

"ادھر ہمارے جرنیل آندھی سے بچتے پھرتے تھے۔ اُدھر سالار پیادے بن گئے تھے ادھر رستم تخت پر بیٹھا حکم دے رہا تھا۔ اُس کا خیمہ آپ کے اس محل سے کم نہ تھا۔ آخر ہوا کیا؟ کپڑے کے اس محل کو آندھی اُڑا کر لے گئی اور رستم مارا گیا۔ اُس کا تخت مسلمان لے گئے۔ میں ہی نہیں، جو فوج بچ گئی ہے اس میں یہی مشہور ہو گیا ہے کہ مسلمانوں کے پاس کوئی جادو ہے اور وہ آندھی جادو کے زور پر لاتے تھے۔"

پچاس ساٹھ فوجی جو یزدگرد کے سامنے کھڑے تھے، وہ سب کہتے تھے کہ قادسیہ کی لڑائی کا یہ انجام جادو کا کرشمہ ہے۔

کئی مؤرخوں نے لکھا ہے کہ آتش پرست رمل، فال اور علم نجوم کی پیش گوئیوں کو بہت مانتے تھے۔ یزدگرد فارس کے معاملے میں بہت جذباتی تھا۔ وطن پرستی اس کی روح میں اُتری ہوئی تھی۔ وہ جوش و خروش سے پھٹا جاتا تھا لیکن اُس کے کانوں میں بار بار یہ الفاظ پڑتے یہ جادو ہے یہ جادو ہے، تو اُس کے چہرے کے تاثرات بدل گئے۔ اُس نے ان زخمی فوجیوں کو جانے کی اجازت دے دی اور اپنے وزیر سے مخاطب ہوا۔

"کیا وہ یہودی راہب کچھ کر رہا ہے؟" — یزدگرد نے وزیر سے پوچھا — "کیا وہ کچھ

کرے گا؟..... اُس نے ایک لڑکی مانگی تھی اور شاید اُس نے دوا تو بھی کہے تھے۔"

"ہاں شاہِ فارس!" — وزیر نے کہا — "جادوگری کے ماہر یہودی ہی ہیں۔ پوران اور آپ کی والدہ ایک لڑکی کا انتظام کر رہی ہیں..... شاہِ فارس! میں آپ کے دادا کی عمر کا ہوں۔ دنیا کے جو رنگ میں نے دیکھے ہیں وہ آپ نے سُنے بھی نہ ہوں گے۔ میں نے ان عربی مسلمانوں کو پہلے بھی یہاں آتے دیکھا ہے۔ اُس وقت ان کے سالار خالدؓ بن ولید اور مثنیٰ بن حارثہ تھے۔ انہوں نے مدائن تو لے ہی لیا تھا۔ اگر ان دونوں سالاروں کو شام کے محاذ پر نہ بھیج دیا جاتا تو آج ہم عربوں کے غلام ہوتے۔"

"آپ کہنا کیا چاہتے ہیں!" — یزدگرد نے کہا — "یہ تو میں بھی جانتا ہوں کہ دنیا کے جو رنگ آپ نے دیکھے ہیں وہ میں نے نہیں دیکھے۔ آپ دنیا میں مجھ سے بہت پہلے آئے تھے..... میرے باپ سے بھی پہلے..... مجھے یہ بتائیں کہ میں آج جو رنگ دیکھ رہا ہوں اس میں مجھے کیا کرنا چاہیے۔"

"ہاں شہنشاہ!" — معمر وزیر نے کہا — "میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ میں نے عربوں کی تلوار کی کاٹ پہلے بھی دیکھی ہے اور اب بھی دیکھ رہا ہوں۔"

"یہ تو میں بھی دیکھ رہا ہوں" — یزدگرد نے کہا۔

"میں کہنا یہ چاہتا ہوں" — بوڑھے وزیر نے کہا — "جہاں اس طرح تلوار چلتی ہے کہ لشکر بھاگ اٹھیں وہاں جادو نہیں چلا کرتے۔"

"اگر یہ یہودی راہب جادو چلا لیں تو کیا بُرائی ہے؟"

"اس راہب کو ضرور موقع دیں شہنشاہ!" — بوڑھے وزیر نے کہا — "لیکن اسی پر بھروسہ نہ کریں۔ بکھری ہوئی فوج کو اکٹھا کریں اور مدائن سے آئیں مسلمانوں کو محاصرہ کرنے دیں۔ ہم انہیں محاصرے میں ہی مار لیں گے لیکن میں پھر کہوں گا کہ صرف جادو پر ہی بھروسہ کر کے نہ بیٹھ جانا۔"

"میرے رفیقو!" — سعدؓ بن ابی وقاص قادسیہ کے قدیس محل میں اپنے سالاروں سے کہہ رہے تھے — "طالوت اور جالوت کا معرکہ یاد کرو جو اللہ نے قرآن میں بیان فرمایا ہے — پھر جب طالوت اور اُس کے مومنین ساتھی دریا پار کر کے آگے بڑھے تو انہوں نے طالوت سے کہا کہ ہم میں جالوت اور اس کے لشکر کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں۔ لیکن ان میں جو لوگ سمجھتے تھے کہ انہیں ایک روز اللہ کے حضور حاضر ہونا ہے، انہوں نے

کہا کہ بارہا یوں ہوا ہے کہ چھوٹی سی جماعت ایک بہت بڑی جماعت پر غالب آگئی۔ اللہ استقلال رکھنے والوں کے ساتھ ہے اور جب وہ جالوت اور اُس کے لشکر کے مقابلے کے لیے نکلے تو انہوں نے اللہ سے دعا کی، اے ہمارے رب! ہم پر صبر و استقلال کا فیضان کر، ہمارے قدم جما دے اور ان کفار پر ہمیں فتح عطا فرما۔ اللہ کے حکم سے انہوں نے کفار پر فتح پائی اور داؤد نے جالوت کو قتل کر دیا۔ اللہ نے داؤد کو بادشاہی اور دانائی بخشی اگر اللہ انسانوں کے ایک گروہ کو دوسرے گروہ کے ذریعے ہٹاتا نہ رہتا تو زمین کا نظام بگڑ جاتا۔ ملک تباہ ہو جاتا۔ اللہ دنیا والوں پر مہربان ہے....

"ایسا ہی حال ہمارا تھا۔ ہم میں کون ہے جس نے یہ نہیں سوچا ہو گا کہ اتنی تھوڑی تعداد سے اور ایسے تھکے ہوئے جسموں سے ہم اتنے بڑے لشکر کے سامنے ٹھہر ہی کس طرح سکیں گے۔ ہم جادوگر تو نہیں تھے کہ دشمن کو اندھا کر دیتے۔ ہم میں سے کوئی ساحر بھی نہیں تھا جو دشمن کے جرنیلوں پر سحر طاری کر کے اُن سے ہتھیار ڈلوا لیتا لیکن تم سب نے اللہ کا یہ فرمان یاد رکھا کہ تم اللہ کو یاد رکھو، اللہ تمہیں یاد رکھے گا۔ تم اللہ کی مدد کرو، اللہ تمہاری مدد کرے گا.... اللہ نے تمہاری یہ مدد کی کہ تیز و تند آندھی بھیج دی....

"اللہ کی راہ میں ثابت قدم رہنے والے فتح و نصرت سے اسی طرح فیض یاب ہوا کرتے ہیں جیسے یہ جادو اور سحر کا شعبدہ ہو لیکن یہ اللہ کا کرشمہ ہے اور یہ اللہ کا وعدہ ہے جو اُس کی ذاتِ باری نے پورا کیا ہے۔ مجھے دیکھو جو اٹھ کر بیٹھنے سے معذور ہو گیا تھا۔ اب دیکھو۔ میں یوں محسوس کر رہا ہوں جیسے کبھی بیمار ہوا ہی نہیں تھا.... ہماری منزل مدائن ہے۔ آرام کے لیے کوئی وقت نہیں۔ دشمن کو کہیں بیٹھ کر سستانے نہ دو۔"

حضرت عمرؓ کا حکم آ چکا تھا کہ سعدؓ بن ابی وقاص بھی مدائن کی طرف کوچ کریں۔ تاریخ کے مطابق، امیر المومنین نے اس حکم میں یہ بھی لکھا تھا کہ مجاہدین کے بیوی بچے اور دیگر رشتہ دار خواتین کو عتیق کے مقام پر چھوڑ دینا اور ان کی حفاظت کے لیے مجاہدین کی ایک جماعت کو ان کے ساتھ رہنے دینا۔

علامہ بلاذری نے لکھا ہے کہ امیر المومنین حضرت عمرؓ کو حقوقِ انسانی کا، خصوصاً مجاہدین کے حقوق کا، اتنا زیادہ خیال ہوتا تھا کہ انہوں نے اپنے حکم میں یہ بھی لکھا کہ خواتین اور بچوں کی حفاظت کے لیے جو مجاہدین پیچھے رہ جائیں گے، ان کے متعلق یہ نہ سوچنا کہ یہ لڑائی میں شامل نہیں ہوں گے، اس لیے مالِ غنیمت میں ان کا حصہ نہیں ہو گا یا کم ہو گا۔ انہیں مالِ غنیمت کا دوسرے مجاہدین کے برابر حصہ دینا۔

سعدؓ بن ابی وقاص نے مجاہدین کی ایک جماعت الگ کر کے اسے ساتھ لیا اور وہاں لے گئے جہاں عورتیں اور بچے تھے۔ جماعت کا امیر مقرر کیا اور اُسے بتایا کہ وہ اپنی جماعت کے ساتھ عورتوں اور بچوں کی حفاظت کے لیے یہیں رہے گا۔

عورتوں نے سعدؓ کو اپنے گھوڑے بلقا پر سوار آتے دیکھا تو انہوں نے مسرت و شادمانی کا ہنگامہ بپا کر دیا۔ اُنہوں نے تو سُنا تھا کہ سعدؓ بالاخانے میں معذور پڑے ہیں۔ سلمیٰ عورتوں میں جاتی رہتی اور انہیں ہر بار یہی بتاتی تھی کہ سعدؓ روز بروز زیادہ ہی معذور ہوتے جا رہے ہیں۔ اب سعدؓ کو عورتیں گھوڑے پر آتا دیکھ رہی تھیں۔ وہ سب باہر آگئیں۔

"خدا کی قسم، سلمیٰ جھوٹ نہیں بول سکتی"—— ایک ادھیڑ عمر عورت نے آگے آ کے بلند آواز سے کہا—— "لیکن یہ سعدؓ ہے۔ خدا کی قسم، یہ سعدؓ بیمار نہیں۔"

"ہم نے راتوں کو اللہ سے اس کی صحت کی دعائیں کی ہیں۔"

"اللہ سُنتا ہے.... اللہ نے ہماری دعائیں قبول کر لی ہیں۔"

"مجاہدین نے آگ کے پجاریوں پر فتح پائی ہے، سعدؓ نے بیماری کو شکست دی ہے۔"

"یہ معجزہ ہے.... یہ معجزہ ہے۔"

اور ایسی بہت سی آوازیں تھیں جو عورتوں کے ہجوم سے نعروں کی طرح اُٹھ رہی تھیں۔ عورتوں کو جب پتہ چلا کہ انہیں پیچھے چھوڑ کر ان کی حفاظت کے لیے مجاہدین کا چھوٹا سا ایک دستہ ان پر مقرر کیا گیا ہے تو عورتوں نے ایک بار پھر ہنگامہ بپا کر دیا۔ صرف اتنا پتہ چل سکتا تھا کہ وہ پیچھے نہیں رہنا چاہتیں۔ سعدؓ نے انہیں خاموش کر کے کہا کہ کوئی ایک عورت بات کرے کہ وہ کیا چاہتی ہیں۔

"ہم اپنے لشکر کے ساتھ رہنا چاہتی ہیں"—— ایک ذرا زیادہ عمر کی عورت نے آگے آ کر کہا—— "وجہ یہ نہیں کہ ہمیں اکیلے ڈر آتا ہے بلکہ وجہ یہ ہے کہ ہم اپنے مردوں کو اکیلا نہیں چھوڑ سکتیں۔ کیا آپ نے خود ہی ہمیں حکم نہیں دیا تھا کہ لڑائی ایسی صورت اختیار کر گئی ہے کہ عورتیں بھی لڑنے کے لیے تیار رہیں؟ ہم اُس وقت بھی لڑنے کے لیے تیار تھیں، اب بھی تیار ہیں۔"

"ہم یہ بھی دیکھ رہی ہیں کہ آپ کی تعداد پہلے سے بھی کم رہ گئی ہے"—— ایک اور عورت نے کہا—— "مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ کفار کئی جگہوں پر بکھر گئے ہیں۔ ان کے پیچھے ہمارے مرد بھی تقسیم ہو گئے ہیں۔ کون کہتا ہے کہ یہ صورت خطرناک نہیں؟ ہم مردوں کی کمی پوری کر سکتی ہیں۔"

"یہ بھی سوچیں سپہ سالار!"—— ایک جواں سال عورت نے کہا—— "اگر لڑنے کے لیے نہیں تو زخمیوں کو سنبھالنے کے لیے ہمیں ساتھ ہونا چاہیے۔ آپ کفار کے تعاقب میں

جا رہے ہیں۔ نہ جانے کہاں کہاں لڑائیاں ہوں گی اور ہمارے مجاہدین زخمی ہوں گے اور کہاں کہاں گریں گے۔ انہیں کون اٹھائے گا؟.... یہ کام ہمارے سپرد کر دیں۔"

"زخمی تمہارے ہی پاس آئیں گے"—— سعدؓ نے کہا—— "لیکن ہم عورتوں اور بچوں کو ساتھ نہیں لے جائیں گے۔ کفار کسی سے شکست کھاتے ہیں تو فاتح کو خوش کرنے کے لیے اُسے اپنی بیٹیاں بھی دے دیا کرتے ہیں۔ دشمن کو گمراہ اور کمزور کرنے کے لیے اپنی لڑکیوں کو استعمال کرتے ہیں لیکن ایک بھی مسلمان عورت کفار کے ہاتھ آجائے تو مسلمان اس ملک کو فتح کرنے سے پہلے اپنی عورت کو آزاد کرانے پر اپنی طاقت مرکوز کر دیتے ہیں۔ کوئی باوقار قوم کبھی اپنی عصمت سے دستبردار نہیں ہوا کرتی.... ہمیں جب بھی اور جہاں بھی تمہاری ضرورت محسوس ہوئی ہم تمہیں بلا لیں گے۔"

"کیا اپنی بیوی کو آپ اپنے ساتھ رکھیں گے؟"—— ایک عورت نے پوچھا۔

"نہیں"—— سعدؓ بن ابی وقاص نے جواب دیا—— "میں بیمار تھا تو مجھے ہر وقت سلمیٰ کی ضرورت رہتی تھی۔ اب یہ تمہارے ساتھ رہے گی.... یہ بھی سن لو کہ میں تمہیں اپنے حکم سے یہاں نہیں چھوڑ رہا۔ یہ امیر المومنین کا حکم ہے اور امیر المومنین کے حکم کی تعمیل ہم پر فرض ہے۔"

یہ تھا اُس وقت کا جذبہ جو لڑنے والے مجاہدین میں ہی نہیں بلکہ عورتوں اور بچّوں میں بھی پوری طرح موجود تھا۔ اسے جذبہ نہیں ایمان کہا جاتا تھا۔ مؤرخوں نے اس جذبے کا ذکر ذرا تفصیل سے کیا ہے لیکن اُنہوں نے سعدؓ بن ابی وقاص کی اچانک صحت یابی پر حیرت کا اظہار کیا ہے۔ مسلم تاریخ نویسوں نے تو اسے معجزہ ہی کہنا ہے۔ انیسویں صدی کے ایک یورپی تاریخ نویس اور تجزیہ نگار این ڈی ہیرنگٹن نے "تاریخ کے چند معجزے" کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی جس میں اُس نے سعدؓ بن ابی وقاص کے اس مرض کا اور مرض کے اچانک رفع ہو جانے کا مختصر سا ذکر کیا ہے اِس مرض کو اُس نے عرق النساء بھی لکھا ہے اور گنٹھیا بھی۔

اس یورپی تجزیہ نگار نے لکھا ہے کہ عرب کا یہ سپہ سالار پیغمبر نہیں تھا کہ خدا اسے معجزہ کر کے اس مرض سے نجات دلا دیتا۔ یہ عقیدے کی شدت کا اور مقدّس جنگ (جہاد) کو جزوِ ایمان سمجھنے کا اثر تھا۔ سعدؓ کو ایک ایسی جنگ میں فتح حاصل ہو گئی تھی جو ہر لحاظ سے مسلمانوں کے خلاف جا رہی تھی۔ یہ اس کا ذہنی یا روحانی ردِعمل تھا جو ایک اچانک اور شدید جھٹکا یا دھچکہ تھا کہ اس کے جسم میں ایسا تغیّر آیا کہ مرض سے نجات مل گئی۔

مسلمان کی حیثیت سے ہم یقین رکھتے ہیں کہ یہ قوّتِ ایمانی کا کرشمہ تھا اور یہ قوّت اللہ

مال بھی تھا۔ مردانِ حُر کی زندگیوں میں ایسے معجزے کوئی انوکھا واقعہ نہیں۔

سعدؓ بن ابی وقاص عورتوں کو الوداع کہہ کر واپس آ رہے تھے کہ ایک مجاہد آگیا۔ یہ اُن چند مجاہدین میں سے تھا جنہیں دیکھ بھال اور سعدؓ تک اطلاعات پہنچاتے رہنے کا فرض سونپا گیا تھا۔ اس پارٹی میں تین چار مقامی آدمی بھی تھے جو آگے جا کر مخبری اور جاسوسی کرتے تھے۔

"کیا میں امید رکھوں کہ تم کوئی بُری خبر نہیں لاتے؟"—— سعدؓ نے خوشگوار لہجے میں کہا۔

"اللہ آپ کو بُری خبر سے محفوظ رکھے سپہ سالار!"—— مجاہد نے کہا—— "آتش پرستوں کے لشکر کہیں نہیں جم سکے۔ وہ یکجا ہونے کی کوشش کرتے ہیں لیکن مجاہدین بروقت پہنچ جاتے اور انہیں بکھیر دیتے ہیں۔ آتش پرست کہیں بھی جم کر نہیں لڑتے۔ بھاگ جاتے ہیں۔ اُن کا رخ مدائن کی طرف کم اور بابل کے کھنڈروں کی طرف زیادہ ہے۔ میرا ایک مقامی ساتھی لڑائی سے بھاگا ہُوا مسلمان بن کر آگے چلا گیا تھا۔ اُس نے آکر بتایا ہے کہ فارسی بابل میں اکٹھے ہو رہے ہیں اور ان کے جرنیل انہیں ہمارے مقابلے کے لیے منظّم کر رہے ہیں۔"

سعدؓ بن ابی وقاص نے حکم دیا تھا کہ بھاگتے ہوئے فارسیوں کا تعاقب کیا جائے تا کہ وہ اکٹھے نہ ہو سکیں، اس حکم پر مجاہدین اندھا دھند دشمن کے پیچھے دوڑ نہیں پڑے تھے بلکہ سعدؓ نے انہیں باقاعدہ دستوں میں منظّم کر کے انہیں سمتیں اور علاقے بتا دیئے تھے۔ ان سب کی منزل مدائن تھی لیکن انہوں نے مختلف راستوں اور علاقوں سے مدائن تک پہنچنا تھا۔

زہرہ بن حویّہ کو سعدؓ نے عراق کے ایک مشہور اور اہم مقام حیرہ بھیج دیا تھا حیرہ مسلمانوں کے قبضے میں تھا۔ دو اور سالاروں—— عبداللہ بن معتم اور شرجبیل بن سمط—— کو دوسرے راستوں سے آگے بھیجا۔ ان دونوں کے دستے فارسیوں کے تعاقب میں مختلف علاقوں سے گزرتے ہوئے تک پہنچ گئے۔ سعدؓ نے انہیں پہلے ہی بتا رکھا تھا کہ حیرہ میں اکٹھے ہو کر کسے کہاں جانا ہے۔

"اب یہ بتا"—— سعدؓ نے اس مجاہد سے پوچھا جو آگے کی رپورٹیں لے کر آیا تھا—— "زہرہ، عبداللہ اور شرجبیل کہاں کہاں ہیں اور کیا ان کا جانی نقصان زیادہ تو نہیں ہُوا؟"

"بہت کم نقصان ہُوا ہے امیرِ لشکر!"—— مجاہد نے جواب دیا—— "اپنے کچھ آدمی زخمی ہوئے ہیں۔ زہرہ بن حویّہ حیرہ پہنچ گئے تھے۔ ایک ہی دن بعد سالار عبداللہ بن معتم اور سالار شرجبیل بن سمط اپنے دستوں کے ساتھ حیرہ پہنچ گئے اور سالار زہرہ بن حویّہ اپنے دستے ساتھ لے کر مدائن کی طرف روانہ ہو گئے۔ میں اپنے ایک مقامی ساتھی کے ساتھ اسی علاقے میں تھا....

بُرس کے مقام پر فارسیوں کی اچھی خاصی نفری اکٹھی ہو گئی تھی۔ اپنے مجاہدین کی تعداد

بہت ہی کم تھی۔ فارسی مقابلے پر ڈٹ گئے لیکن مجاہدین نے آمنے سامنے کی ٹکر لینے کی بجائے دائیں اور بائیں سے اس طرح حملے کیے کہ کچھ دیر لڑ کر پیچھے ہٹ آتے یا اِدھر اُدھر ہو جاتے۔ اس طرح انہوں نے فارسیوں کو بکھیر دیا۔ ہمارے آدمیوں نے چُن چُن کر انہیں مارنا شروع کر دیا۔

"میرے مقامی ساتھی نے مجھے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ قادسیہ سے بھاگے ہوئے فارسی لڑنے کا حوصلہ ختم کر بیٹھے ہیں جس کی ایک وجہ یہ ہے کہ ان پر عربی مسلمانوں کی دہشت طاری ہے۔ دوسری وجہ یہ کہ یزدگرد اور رستم نے فارس کی جو نئی فوج تیار کی تھی، اس میں کئی ایک آدمیوں کو جبراً فوج میں گھسیٹا گیا تھا۔ باقی جو تھے انہیں زیادہ تنخواہ، انعامات اور بڑے قیمتی مالِ غنیمت کا لالچ دیا گیا تھا۔ انہیں بتایا گیا تھا کہ مسلمانوں کا لشکر بہت تھوڑا ہے اور اسے اپنی اتنی بڑی فوج سے کاٹ کر حرب جانا ہے اور عرب زر و جواہرات سے مالا مال ہے لیکن ان کے ساتھ جو ہُوا وہ ہمارے سامنے ہے۔"

"مجھے وہ سناؤ جو تم نے دیکھا ہے"— سعدؓ بن ابی وقاص نے کہا— "اور خیال رکھو کہ اپنے دشمن کو حقیر اور کمزور نہیں سمجھنا۔ زخمی بلّی شیر پر بھی حملہ کر دیا کرتی ہے۔ یہ بھی مت سمجھو کہ دشمن بھاگ رہا ہے تو فتح تمہاری ہی ہوگی۔"

"کیا شک ہو سکتا ہے اس بات میں جو امیرِ لشکر نے کہی ہے"— مجاہد نے کہا— "مَیں وہ کہہ رہا ہوں جو مَیں نے دیکھا ہے اور وہ بھی جو میں نے سُنا ہے۔ میرا فرض ہے کہ ہر بات سے امیرِ لشکر کو آگاہ کر دوں۔ اس وقت دشمن کی کیفیت یہ ہے کہ وہ ڈری ہُوئی بھیڑوں اور بکریوں کی طرح بھاگ رہا ہے.... میں کہہ رہا تھا کہ بُرس کے مقام پر فارسیوں نے مقابلہ کیا مگر سالار زہرہؓ بن حویّہ کے آدمیوں نے انہیں جانی نقصان پہنچایا اور باقی فارسی بابل کی طرف بھاگ گئے۔ میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ فارسی بابل میں اکٹھے ہو رہے ہیں۔ ایک اطلاع یہ بھی ہے کہ فارس کے پانچ جرنیل— فیروزان، ہرمزان، خیرجان، مہران اور بصیری— بابل کے کھنڈرات میں پہنچ گئے ہیں اور مقابلے کی تیاری کر رہے ہیں۔"

مجاہدینِ اسلام اُس علاقے میں کفار پر اللہ کا عتاب بن کر گرج اور برس رہے تھے جو سزا و جزا کی کہانیاں بزبانِ خاموشی سناتا تھا۔ اس علاقے میں انسانیت گناہوں میں ڈوبی ہُوئی تھی۔ اللہ نے اپنے گمراہ بندوں کو صراطِ مستقیم دکھانے کے لیے کتنے ہی پیغمبر اتارے تھے۔

بُرس وہ مقام تھا جہاں حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے نمرود کو قید میں ڈالا تھا۔ بُرس سے آگے کوثیٰ ایک مقام ہُوا کرتا تھا۔ اس قید خانے کی زمین آج تک ویسی ہی ہے جیسی حضرت ابراہیمؑ

کے زمانے میں تھی۔ کھنڈرات تو نہیں ہیں لیکن دیواروں کی بنیادیں موجود ہیں اور صاف نظر آتی ہیں۔ یہیں کہیں کوئی دیوار ایک آدھ فٹ اوپر کو اُٹھی ہوئی ہے۔ یہ علاقہ اُس زمانے سے بنجر اور ویران چلا آرہا ہے۔ اس مقام کو تبر النمرود کہا جاتا تھا۔ اس سے کچھ دُور بابل آباد تھا۔ تبر النمرود بُرس اور کوثیٰ کے درمیان بنایا گیا تھا۔

علامہ شبلی نعمانی نے علامہ بلاذری احمد بن کوفی کے حوالے سے لکھا ہے کہ نمرود کا محل بابل میں تھا جو قصرِ نمرود کہلاتا تھا۔ اس سے کچھ دور ویران علاقے میں ایک بہت وسیع اور گہرا گڑھا آج بھی موجود ہے۔ اس کے متعلق مشہور ہے کہ نمرود کا محل تعمیر کرنے کے لیے یہاں سے مٹی کھود کھود کر استعمال کی گئی تھی۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ نمرود اس قدر سفّاک اور گناہگار تھا کہ اس کی ساری رعایا گناہوں میں ڈوب گئی تھی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے جب ان لوگوں پر تباہی نازل کی تو یہاں سے زمین دھنس گئی تھی اور اس پر نمرود کی جو تعمیرات تھیں، انہیں زمین نے نگل لیا تھا۔

سعدؓ بن ابی وقاص کو جب اس علاقے اور مجاہدین کے حالات معلوم ہوئے تو وہ بابل کی طرف چل پڑے۔ ان کے ساتھ مجاہدین کے دو تین دستے تھے۔ راستے میں ان کی ٹکر فارس کی فوج کے چند ایک دستوں کے ساتھ ہو گئی۔

فارس کے فوجیوں میں لڑنے کا جذبہ تقریباً ختم ہو چکا تھا۔ یہ جو دستے سعدؓ بن ابی وقاص کے راستے میں حائل ہو گئے تھے، وہ اس لیے مقابلے میں آ گئے تھے کہ ان کے ساتھ فارس کا ایک مشہور جرنیل فیروزان تھا۔ فیروزان چاہتا تھا کہ شکست خوردہ حالت میں مدائن نہ جائے اور کچھ کر کے دکھا لے تاکہ مدائن جا کر فخر سے کہہ سکے کہ وہ شکست خوردہ نہیں اور شکست اور پسپائی کے ذمہ دار دوسرے جرنیل ہیں۔ وہ یہ دیکھ کر مقابلے میں آ گیا کہ اُس کے ساتھ جو فوج ہے اُس کی تعداد مسلمانوں کی نسبت بہت زیادہ ہے لیکن وہ یہ بھول گیا تھا کہ اُس کے سپاہیوں میں لڑنے کا جذبہ رہا ہی نہیں۔

ادھر سعدؓ بن ابی وقاص بڑی لمبی بیماری سے اُٹھے تھے۔ ان پر یہ الزام بھی لگ گیا تھا کہ وہ بیماری کا بہانہ بنا کر لیٹ گئے ہیں۔ اُنہوں نے اپنے لشکر کے دلوں سے یہ الزام صاف کر دیا تھا لیکن یہ ایک خلش سی تھی جو حضرت سعدؓ کے دل سے نہیں نکلی تھی۔ اس وجہ سے وہ کوئی مافوق الفطرت کارنامہ سرانجام کرنے کا تہیہ کیے ہوئے تھے۔ قادسیہ کی جنگ میں شامل نہ ہونے کا جو صدمہ انہیں تھا، اسے بھی دل سے اتارنا ضروری تھا جس کا ایک ہی طریقہ تھا کہ وہ تھوڑی سی تعداد کے ساتھ بہت بڑی تعداد پر غالب آ جائیں۔

سعدؓ نے اپنی قلیل تعداد کو اس طرح منظم کیا کہ دشمن کا مقابلہ بھی کر سکیں اور مجاہدین ان کے

کنٹرول میں بھی رہیں۔ انہوں نے وہی طریقہ اختیار کیا کہ آمنے سامنے ٹکر لینے کی بجائے دائیں بائیں سے حملے شروع کر دیتے۔ انہوں نے "ضرب لگاؤ اور بھاگو" کے اصول پر لڑتے ہوئے فارسی فوج کا یہ حال کر دیا کہ وہ بکھر گئی اور فیروزان کے قبضے سے نکل گئی۔ بکھرتے بکھرتے فارس کے یہ فوجی دُور دُور تک ایک دوسرے سے الگ ہو گئے اور مجاہدین نے انہیں بہت جانی نقصان پہنچایا۔

فیروزان کا پرچم جب تک نظر آتا رہا، اُس وقت تک فارسی مقابلہ کرتے رہے۔ اُن کے مقابلے کا انداز جارحانہ نہیں بلکہ دفاعی تھا۔ وہ جانیں بچانے کے لیے لڑ رہے تھے۔ اچانک فیروزان کا پرچم غائب ہو گیا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ فیروزان مارا گیا ہے لیکن جلد ہی پتہ چل گیا کہ وہ بھاگ گیا ہے۔ پھر یہ بھی پتہ چلا کہ اُس نے نہاوند میں جا پناہ لی ہے۔ اُس کے فوجیوں نے جو مجاہدین کی تلواروں اور برچھیوں سے بچ گئے تھے، ہتھیار ڈال دیئے۔

سعدؓ بن ابی وقاص وہاں سے حیرہ چلے گئے۔

بُرس شہر سے کچھ دور زہرہ بن حویہ نے فارسیوں کے کچھ دستوں کو بہت بُری شکست دی تو ان بچے کھچے فارسیوں میں سے زیادہ تو بابل کی طرف چلے گئے اور کچھ بُرس شہر میں جا پہنچے ادھر سعدؓ بن ابی وقاص نے فیروزان کو پسپا کیا تو فارس کی فوج کے دستوں میں سے بھی زیادہ تر بابل کو بھاگ گئے اور کچھ بُرس شہر میں چلے گئے۔ بُرس کے شہریوں کو پہلے ہی پتہ چل گیا تھا کہ ان کی فوج قادسیہ کی جنگ ہار کر بُری طرح ماری گئی ہے اور ہزارہا سپاہی دریائے عتیق میں ڈوب گئے ہیں اور ہاتھی بھی مسلمانوں کی تلواروں سے زخمی ہو کر دریا میں کود گئے ہیں تو ان شہریوں پر خوف و ہراس طاری ہو گیا۔ اب اُن کے فوجی بُرس میں جا پہنچے۔ ان میں کچھ زخمی بھی تھے۔ انسانی فطرت کے عین مطابق انہوں نے یہ ظاہر نہ ہونے دیا کہ وہ بزدل اور بے حوصلہ ہو کر بھاگ آتے ہیں بلکہ شہریوں کو یہ بتایا کہ مسلمانوں کی تعداد بھی زیادہ ہے اور وہ وحشی اور خونخوار بھی ہیں۔

اس شہر کا رئیس یا امیر بسطام تھا۔ یہ آتش پرست خود اتنا زیادہ امیر کبیر تھا کہ اس کے گھر میں اتنا خاصا خزانہ دفن تھا۔ اس کی دو جوان بیٹیاں بھی تھیں۔ اُسے احساس تھا کہ وہ مسلمانوں کے مقابلے نہیں ٹھہر سکتا۔ مقابلے میں آنے کے لیے اُس کے پاس تھا ہی کیا! فارس کی تمام فوج باہر تھی اور باہر جس کیفیت میں تھی، وہ بیان ہو چکی ہے۔ بھاگتی ہوئی یہ فوج اپنے کسی شہر کو مسلمانوں سے نہیں بچا سکتی تھی۔ اُسے یہ بھی معلوم تھا کہ اُس نے مقابلہ کیا تو اس کا نتیجہ یہی ہو گا کہ مسلمان اُس کا سارا مال و دولت مالِ غنیمت میں لے لیں گے اور اُس کی بیٹیوں کو کنیزیں بنا لیں گے۔

وہ اپنے گھر میں بیٹھا یہی سوچ رہا تھا کہ وہ کیا کرے کہ اُسے باہر شور و غل سنائی دیا۔ وہ اس طرح ڈرتے ڈرتے باہر نکلا جیسے مسلمان شہر میں داخل ہو گئے ہوں لیکن باہر شہر کے لوگ ہجوم کر کے آ گئے تھے اور وہ بازو لہرا لہرا کر واویلا بپا کر رہے تھے۔

"شہر مسلمانوں کے حوالے کر دو۔"

"مسلمانوں کا استقبال کرو۔"

"انہیں شہر میں آنے دو۔"

"ہماری عزتیں اور جان و مال بچاؤ۔"

"ہماری فوج ہمارے جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت نہیں کر سکتی۔"

شہریوں کے یہ مطالبے، یہ نعرے اور یہ واویلا بڑھتا جا رہا تھا۔ عورتیں مردوں سے آگے آ کر بسطام سے کہہ رہی تھیں۔ ہمیں کہاں چھپاؤ گے؟ کیا ہمیں عربوں کے حوالے کر دو گے؟

"نہیں" ـــ بسطام نے اتنی زور سے گرج کر کہا کہ ہجوم خاموش ہو گیا۔ بسطام کہہ رہا تھا ـــ "میں تمہارے فیصلے کا منتظر تھا۔ تمہاری طرح میں نے بھی دیکھ لیا ہے کہ ہماری اتنی بڑی فوج عربوں سے شکست کھا کر کٹ گئی ہے اور جو بچ گئی ہے وہ ڈرے ہوئے مویشیوں کی طرح سارے علاقے میں بھاگی بھاگی پھر رہی ہے۔ ہمارا بادشاہ محل میں بیٹھا عیش کر رہا ہے۔ تم لوگ میرا ساتھ دو۔ میں عربوں کے ساتھ سمجھوتہ کر لوں گا پھر تمہیں وہ سب کچھ کرنا پڑے گا جو میں تمہیں بتاؤں گا۔"

سعدؓ بن ابی وقاص اسی علاقے میں جا رہے تھے۔ تاریخ میں یہ واضح نہیں کہ اُس وقت وہ کس مقام پر تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ ایک بڑے ہی شاندار گھوڑے پر شاہانہ لباس میں ملبوس ایک شخص ان کی طرف آ رہا ہے۔ وہ کوئی معمولی آدمی معلوم نہیں ہوتا تھا۔ اُس کے پیچھے چھ گھوڑسوار تھے اور ان کے پیچھے چار پانچ خچر تھے جن پر کچھ سامان لدا ہوا تھا۔

سعدؓ بن ابی وقاص کے قریب آ کر وہ شخص گھوڑے سے اُترا۔ اُس کے ساتھی بھی گھوڑوں سے اُتر آئے۔ شاہانہ لباس میں ملبوس اس شخص نے سعدؓ کے قریب آ کر اس طرح سلام کیا کہ اُس کا ایک گھٹنہ زمین پر تھا اور اُس نے ہاتھ اپنے سینے پر رکھا اور سر جھکا لیا۔

"خدا کی قسم، یہ شخص میرے دین کی توہین کر رہا ہے" ـــ سعدؓ نے اپنے ترجمان سے کہا ـــ "اسے کہو کھڑا ہو جائے۔ میں فارس کا بادشاہ نہیں ہوں کہ لوگ میرے سامنے اس طرح جھک کر آداب بجا لائیں۔ اسے بتاؤ کہ ہم جو مذہب تمہارے لیے اپنے ساتھ لائے ہیں، اس میں اللہ کا کوئی بندہ اللہ کے کسی بندے کو اپنے آگے جھکا نہیں سکتا.... اور اس سے پوچھو کہ یہ کیوں

آیا ہے۔"

ترجمان نے اس شخص کو یہ ساری بات جو سعدؓ نے کہی تھی اُس کی زبان میں سمجھائی۔ اس شخص نے ترجمان کے ذریعے اپنا تعارف کرایا اور آنے کا مدعا بیان کیا۔

"میرا نام بسطام ہے" ——— اُس نے کہا ——— "میں بُرس کا امیر ہوں اور میں صُلح کرنے کے ارادے سے آیا ہوں۔ میرے شہر کے لوگ بھی صلح کرنا چاہتے ہیں۔ میں کچھ تحفے لایا ہوں اور صرف یہ شرط پیش کرتا ہوں کہ ہماری عزتیں اور جان و مال محفوظ رہیں۔ میں اس کے عوض آپ کی پیش قدمی کو بہت ہی آسان بنا دوں گا۔ شہر کے لوگ آپ کی پوری پوری مدد کریں گے۔"

"ہم تحفے نہیں لیا کرتے" ——— سعدؓ بن ابی وقاص نے کہا ——— "ہم جانتے ہیں کہ اس شہر کے لوگوں کی حفاظت کے لیے فوج موجود نہیں۔ تم نے ہم سے پناہ مانگی ہے تو ہم تمہیں اور تمہارے لوگوں کو پناہ دیں گے۔ واپس جاؤ اور لوگوں سے کہو کہ وہ امن اور اطمینان سے رہیں۔"

بسطام اپنے تحفے لے کر چلا گیا۔ وہ علاقہ جس میں مسلمان مختلف سمتوں سے مدائن کی طرف پیش قدمی کر رہے تھے سرسبز و شاداب علاقہ تھا لیکن خاصا علاقہ بنجر، ویران اور سطح مرتفع تھا۔ ندی نالے بھی تھے اور گہرے نشیب بھی تھے۔ کھڈ اور کھائیاں بھی تھیں۔ ایسی زمین پر پیش قدمی کے راستے لمبے ہو جاتے تھے۔ مؤرخوں نے لکھا ہے کہ بسطام شہر کے لوگوں کو باہر لے آیا اور اُس نے بڑی تیزی سے ندی نالوں پر لکڑی کے پُل بنا دیے اور کہیں قدرتی رکاوٹیں ہٹا دیں۔ مسلمانوں کو اپنے گائیڈ بھی دیے اور اُن کی دیگر ضروریات بھی پوری کیں۔

ان انتظامات نے مجاہدین کی پیش قدمی آسان کر دی۔

زہرہ بن حویہ ایک اور سمت سے پیش قدمی کر رہے تھے۔ اُن کے راستے میں کوثیٰ نام کا ایک شہر آتا تھا۔ بسطام کے دیے ہوئے راہنماؤں نے زہرہ بن حویہ کو بتایا کہ کوثیٰ میں کچھ فوج موجود ہے اور بہت سے بھاگے ہوئے فوجی بھی وہاں جمع ہو گئے ہیں۔ اس مخبر نے یہ بھی بتایا کہ اس شہر کا رئیس شہریار ہے جو فوج کا جرنیل بھی ہے اور وہ جذبے والا بھی ہے۔

"کیا شہریار ہمارا راستہ روکے گا؟" ——— زہرہ نے پوچھا۔

"ضرور روکے گا" ——— گائیڈ نے جواب دیا ——— "میں اپنے ایک ساتھی کے ساتھ کوثیٰ سے ہو آیا ہوں۔ اُس نے فوج کو اور شہریوں کو بھی لڑائی کے لیے تیار کر لیا ہے اور اس کی تیاریوں کا اندازہ بتاتا ہے کہ وہ شہر کے باہر آ کر لڑے گا۔ اُس نے فوجیوں اور شہریوں کو بہت

ڈرایا ہے اور کہا ہے کہ مسلمانوں کی تعداد بہت تھوڑی ہے اور وہ چار دنوں کی لڑائی اور تعاقب سے اتنے زیادہ تھکے ہوئے ہیں کہ ان میں لڑنے کی ہمت نہیں رہی۔۔۔۔ وہ یہی سمجھتا ہے۔ آپ کے آدمی بہت تھک گئے ہیں اس لیے وہ باہر کھلے میدان کی لڑائی کی تیاری مکمل کر چکا ہے۔"

زہرہ بن حویہ نے اپنے مجاہدین کو بتا دیا کہ کوثیٰ کے قریب دُو بدُو لڑائی کا خطرہ ہے۔ انہوں نے مجاہدین کو ترتیب میں کر لیا اور بڑھتے چلے گئے۔ کوثیٰ سے ابھی کچھ دُور ہی تھے تو زہرہ نے دیکھا کہ شہر کے باہر کھلے میدان میں فارس کی فوج لڑائی کی ترتیب میں کھڑی ہے۔ فوج کے پیچھے شہریوں کی صفیں بھی تھیں۔ ان میں سوار زیادہ تھے۔ اس فوج کے مقابلے میں مجاہدین کی تعداد بہت ہی تھوڑی تھی اور مجاہدین میں بہرحال یہ کمزوری بھی تھی کہ وہ تھکے ہوئے تھے۔ وہ تو اب ایمان اور جذبے کی قوّت پر بھروسہ کیے ہُوئے تھے۔

دونوں فریق آمنے سامنے آ گئے۔ شہریار اپنے لشکر کے آگے گھوڑے پر سوار تھا۔ اس کی جسامت اُس زمانے کے پہلوانوں جیسی تھی۔ وہ قوی ہیکل آدمی تھا۔ صاف پتہ چلتا تھا کہ وہ کسی ہتھیار کے بغیر بھی لڑے تو اپنے حریف کو گرا سکتا ہے۔

"عرب کے بدبختو!" ——— شہریار نے للکار کر کہا ——— "تمہیں موت عجم کے مقابلے میں کہاں لے آئی ہے۔ رستم بزدل تھا جو مارا گیا۔ یہاں سے تم آگے نہیں بڑھ سکو گے۔ کیا تمہارے لیے یہ اچھا نہیں ہو گا کہ اپنی جانیں صحیح سلامت لے کر واپس چلے جاؤ؟"

"اس کا فیصلہ تلوار کرے گی" ——— زہرہ بن حویہ نے شہریار کی للکار کا جواب دیا ——— "کون اپنی جان لے کر یا گنوا کر یہاں سے جاتا ہے۔ اس کا فیصلہ اللہ کے ہاتھ میں ہے جس کے دین کو ہم اپنے سینوں میں لے کر تمہارے ملک میں آئے ہیں۔"

"اس کا فیصلہ میرے ہاتھ میں ہے" ——— شہریار نے بڑی بلند اور رعونت آمیز آواز میں کہا ——— "تمہارے اللہ کو یہاں کون پہچانتا ہے۔ تم سب کو لاشوں میں تبدیل کرنے سے پہلے میں تمہارے ساتھ کھیل تماشہ کرنا چاہتا ہوں۔۔۔۔ کیا تم میں کوئی ایسا بہادر ہے جو میرے مقابلے میں آئے؟"

"تیرے مقابلے کے لیے میں نے خود آگے ہونا تھا" ——— زہرہ بن حویہ نے للکار کر کہا ——— "او اے بدقسمت آتش پرست! تُو نے میرے اللہ کو للکارا ہے۔ میں تیرے مقابلے میں اپنے غلام کو آگے کرتا ہوں۔"

علامہ شبلی نعمانی نے تاریخ طبری اور علامہ بلاذری کے حوالے سے لکھا ہے کہ زہرہ

بن حوتیہ نے ایک خطرہ مول لیا تھا کہ شہریار جیسے دیوہیکل پہلوان کے مقابلے میں جس مجاہد کو مقابلے
کے لیے آگے بھیجا وہ ایک دُبلا پتلا اور بظاہر کمزور سا آدمی تھا۔ وہ بنو تمیم کا ایک غلام تھا جس
کا نام نابل تھا۔ نابل گھوڑے پر سوار شہریار کی طرف بڑھا تو شہریار نے بڑی زور سے قہقہہ لگایا۔ زہرہ
بن حوتیہ کو نابل پر نہیں بلکہ اللہ پر بھروسہ تھا اور یہ اس کا عقیدہ اور یقین تھا کہ اللہ اس کمزور سے
آدمی کی مدد کو آئے گا لیکن ظاہری طور پر اس مقابلے کا انجام صاف نظر آرہا تھا اور فارس کی
فوج سے قہقہے بلند ہو رہے تھے۔

شہریار نے جب نابل کو دیکھا تو وہ یہی سمجھا ہوگا کہ مسلمانوں نے اُس کے ساتھ مذاق کیا ہے۔
وہ گھوڑے سے اُترا۔ اُس کے ہاتھ میں برچھی تھی جو اُس نے پھینک دی۔ نہتہ ہو کر لڑنے سے
وہ یہ ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ اس کمزور سے آدمی کو وہ خالی ہاتھ مار ڈالے گا۔

نابل بھی گھوڑے سے اُتر آیا۔ اُس کے پاس تلوار تھی۔ شہریار نے اپنی برچھی الگ پھینک
دی تو نابل نے اپنی تلوار پھینک دی۔ اچانک شہریار نابل پر جھپٹا اور اُسے اٹھا کر زمین پر پٹخ دیا۔ نابل
پیٹھ کے بل گرا۔ ابھی اٹھنے ہی لگا تھا کہ شہریار اُس کے سینے پر بیٹھ گیا۔ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا
تھا کہ اتنا کمزور آدمی ایسے قوی ہیکل آدمی کے وزن کے نیچے سے نکل آئے گا لیکن شہریار کا
ایک ہاتھ نابل کے منہ کے قریب چلا گیا۔ نابل نے اُس کا انگوٹھا اپنے منہ میں لے کر اتنی
زور سے کاٹا کہ شہریار تلملا اٹھا اور اپنا انگوٹھا چھڑانے کے لیے ایک پہلو پر کچھ زیادہ جھک گیا۔
نابل نے جسم کی پوری طاقت صرف کر کے شہریار کو اُسی پہلو پر گرا دیا اور اُس کا انگوٹھا دانتوں میں
دباتے رکھا۔ نابل کی تلوار قریب ہی زمین پر پڑی تھی۔ اُس نے ٹانگ لمبی کر کے پاؤں سے تلوار
اپنی طرف کر لی اور بڑی تیزی سے تلوار اٹھا کر شہریار کے پیٹ اور سینے کے درمیان برچھی کی
طرح اتار دی اور اٹھ کھڑا ہوا۔ تلوار کھینچ کر اُسی تیزی سے تلوار کا وار کیا اور شہریار کا پیٹ چاک کر دیا۔
اس کے بعد شہریار تڑپنے کے سوا کچھ نہ کر سکا۔

مسلمانوں کی طرف سے داد و تحسین کے اور تکبیر کے نعرے بلند ہونے لگے۔ فارس
کی فوج اور شہریوں پر سناٹا طاری ہو گیا۔ نابل شہریار کو تڑپتا اور پھر مرتے دیکھتا رہا۔ جب شہریار
مر گیا تو نابل نے اُس کی کمر سے بندھی ہوئی تلوار اور نیام کھولی۔ یہ بڑی ہی قیمتی تلوار تھی۔ اس
کے دستے میں ہیرے اور بڑے قیمتی پتھر جڑے ہوئے تھے۔ شہریار کا لباس جو شاہانہ
تھا، بہت ہی قیمتی کپڑے کا تھا۔ اُس کی خود بھی قیمتی تھی۔ نابل نے اُس کے کپڑے اتار لیے اور
اُس کی ہر چیز، ہتھیار اور اُس نے جو برچھی پھینک دی تھی وہ بھی اور یہ ساری چیزیں اُسی کے گھوڑے
پر رکھ کر اُس کے گھوڑے کو پکڑ لایا اور یہ تمام تر مالِ غنیمت اپنے سالار زہرہ بن حوتیہ کے آگے

ڈال دیا۔

شہریار کے لشکر نے جب یہ دیکھا کہ اتنے دُبلے پتلے اور کمزور سے آدمی نے ان
کے قوی ہیکل جرنیل کو کتنی آسانی سے قتل کر دیا ہے تو ان میں بے چینی پیدا ہو گئی۔ اس لشکر میں قادسیہ
سے بھاگے ہوئے فوجی بھی تھے، وہ ایک بار پھر بھاگ اُٹھے لیکن جو ذرا عقل والے تھے انہوں
نے آگے آکر ہتھیار ڈال دیئے۔

کوثیٰ کے شہر کے لوگوں نے جب یہ صورتِ حال دیکھی تو انہوں نے شہر کے بڑے آدمیوں
کا ایک وفد زہرہ بن حوتیہ کے پاس بھیجا۔ اس وفد نے کہا کہ مسلمان شہر میں آکر قبضہ کر لیں اور شہر
کے لوگ جزیہ دے دیں گے۔ محمد حسنین ہیکل نے لکھا ہے کہ شہر کے کئی لوگوں نے اسلام
قبول کر لیا۔

زہرہ بن حوتیہ کو معلوم تھا کہ اس وقت سعد بن ابی وقاص کہاں ہیں۔ اُس نے سعد کو پیغام
بھیجا کہ کوثیٰ ان کے قبضے میں آگیا ہے۔ شہریار اور نابل کے مقابلے کی تفصیل بھی انہوں نے
لکھی اور پوچھا کہ نابل نے شہریار کی لاش سے جو اشیا اٹھائی ہیں ان کا کیا کیا جائے۔ سعد بن
ابی وقاص نے جواب بھیجا کہ وہ اشیا خواہ کتنی ہی قیمتی کیوں نہ ہوں، وہ سب نابل کو دے دی
جائیں کہ یہ اُسی کا حق ہے۔ اس کے علاوہ سعد نے زہرہ کو یہ حکم بھیجا کہ وہ ہاشم بن عتبہ کو ساتھ لے
کر مدائن کی طرف پیش قدمی کریں۔

زہرہ بن حوتیہ اور ہاشم بن عتبہ اپنے تھکے ماندے مجاہدین کو ساتھ لے کر مدائن کی طرف
بڑھے۔ مدائن سے پہلے ایک بڑا شہر ساباط آتا تھا۔ ساباط کے بالکل قریب ایک اور مقام
تھا جس کا نام بہرشیر تھا۔ ساباط میں وہ شاہی رسالہ تھا جس کا ذکر پوران نے یزدگرد کے ساتھ کیا
تھا۔ پچھلے باب میں اس رسالے کا ذکر آچکا ہے۔ یہ دو ہزار گھوڑ سواروں کا رسالہ تھا جسے شاہی
رسالہ بھی کہا جاتا تھا اور پُوران بنتِ کسریٰ کا رسالہ بھی کہا جاتا تھا۔ اس رسالے کے سوار ہر صبح اکٹھے
ہو کر [illegible] یہ عہد کرتے تھے کہ جب تک یہ رسالہ موجود ہے فارس کی سلطنت کو زوال
نہیں آنے دے گا اور فارس کی عظمت کو ہمیشہ زندہ و تابندہ رکھے گا۔ اس رسالے کے ساتھ
ایک شیر بھی تھا جو رسالے کے ہر سوار کے ساتھ تو مانوس تھا لیکن دشمن کے لیے وہ ویسا ہی
خونخوار تھا جیسے جنگل کا شیر ہوتا ہے۔ بعض مؤرخوں نے لکھا ہے کہ اس شیر کی مناسبت سے ہی
اس مقام کو بہرشیر کہا جاتا تھا۔

مجاہدین جب ساباط کے قریب پہنچے تو اس جانباز رسالے کو اپنے مقابلے کے

لیے تیار پایا۔ جب مجاہدین قریب پہنچے تو آتش پرستوں نے شیر کا منہ مجاہدین کی طرف کے چھوڑ دیا۔

مجاہدین کے لیے شیر کا لڑائی میں شامل ہونا انوکھی سی بات تھی اور بہت ہی خطرناک بھی۔ شیر انسان تو ڈرتا ہی ہے لیکن گھوڑا شیر کو دیکھ کر اتنا خوفزدہ ہو جاتا ہے کہ سوار کے قابو سے نکل جاتا ہے اور ہر طرف بھاگتا پھرتا ہے۔ اس شیر کو اپنی طرف آتا دیکھ کر مسلمانوں کے گھوڑے خوف سے ہنہنانے لگے اور ان میں بے چینی پیدا ہو گئی۔ فارسیوں کے گھوڑے اس شیر سے مانوس تھے۔ صرف ایک شیر کی وجہ سے مسلمانوں کا پسپا ہونا قدرتی امر تھا لیکن ہاشم بن عتبہ نے جان کی بازی لگا دی اور اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ اس کا رُخ شیر کی طرف تھا۔

شیر گھوڑے کو دیکھ کر رُک گیا اور گھوڑے پر حملہ کرنے کے لیے اپنے جسم کو سکیڑنے لگا۔ ہاشم کا گھوڑا ڈرنے لگا اور اُس نے پیچھے ہٹنا شروع کر دیا۔ ہاشم گھوڑے سے کود کر اترا اور گھوڑے کو وہاں سے بھگا دیا۔ خود تلوار نکال کر شیر کے سامنے چلا گیا۔ شیر جست لگا کر اس پر جھپٹا۔ ہاشم نے بڑی تیزی سے ایک طرف ہو کر اپنے آپ کو گرا دیا۔ شیر دوسرے حملے کے لیے پیچھے مڑا۔ اتنے میں ہاشم اٹھ کر تیار ہو چکا تھا۔ اب شیر نے اُس پر پہلے سے زیادہ شدت سے جست لگائی۔ ہاشم نے بڑی پھُرتی سے ایک طرف ہو کر تلوار کا وار کیا جو شیر کی اگلی ٹانگوں پر سینے کے قریب پڑا۔ اس سے شیر اتنا زخمی ہو گیا کہ جب اُس کے پاؤں زمین پر لگے تو وہ سنبھل نہ سکا اور لڑھکنے لگا۔ زخمی شیر بہت ہی زیادہ خطرناک ہوتا ہے وہ اٹھ ہی رہا تھا کہ ہاشم نے دوڑ کر اُس کی گردن پر تلوار ماری۔ گردن پوری تو نہ کٹی لیکن اُس کا سر ڈھلک گیا۔ شیر ایک بار پھر گرا۔ ہاشم نے تلوار سے اُس کا پیٹ چاک کر دیا اور پھر شیر اٹھنے کے قابل نہ رہا۔

اس شاہی رسالے کے سواروں کو توقع نہیں تھی کہ کوئی مسلمان اس قدر دلیر ہو سکتا ہے کہ شیر کے آمنے سامنے آ کر اسے تلوار سے مار ڈالے۔ یہ نظارہ اُنہوں نے دیکھا تو اس سے اُن کے لڑنے کے جذبے پر چوٹ پڑی۔ بیشک یہ رسالہ ہر روز اپنی جانبازی اور فارس کی سلامتی کا عہد کرتا تھا لیکن اس کے سوار بھی دیکھ رہے تھے کہ اتنی بڑی فوج اتنی کم تعداد کے مسلمانوں کے آگے کس طرح بھاگی آ رہی ہے۔ اس کا مطلب یہی ہو سکتا تھا کہ مسلمانوں میں کوئی سمجھ میں نہ آنے والی طاقت موجود ہے جو مسلسل لڑتے اور تعاقب میں آتے جا رہے ہیں۔ اُن میں تھکن کے ذرا سے بھی آثار نہیں پائے جاتے۔ اب اُنہوں نے اپنے اس خونخوار شیر کو ایک مسلمان کے ہاتھوں مرتے دیکھا تو اُن کے دلوں پر مسلمانوں کا جو خوف سوار تھا وہ کئی گنا بڑھ گیا۔

زہرہ بن حویہ کو توقع تھی کہ یہ رسالہ تازہ دم ہے اور اس کے سوار تجربہ کار بھی ہیں اس لیے

یہ بڑا ہی شدید حملہ کرے گا لیکن رسالے میں کوئی ایسی حرکت نہ ہوئی۔ زہرہ بن حویہ نے جب یہ دیکھا تو اُس نے اپنے سواروں کو حملے کا حکم دے دیا۔ فارسی سواروں کی اگلی صف حملہ روکنے کے لیے تیار ہو گئی لیکن ان کے ایک پہلو سے کچھ سواروں نے گھبرا کر بہرشیر کا رخ کیا اور گھوڑے دوڑا دیئے۔ اُن کی دیکھا دیکھی پچھلی صف کے سوار بھی بھاگ اُٹھے۔ پھر یہ بھیڑ چال بن گئی اور پورے کا پورا رسالہ بھاگ اٹھا اور بہرشیر میں داخل ہو کر شہر کے دروازے بند کر دیئے۔ بہرشیر بالکل قریب تھا۔

زہرہ بن حویہ نے آگے بڑھ کر شہر کا محاصرہ کر لیا۔

سعدؓ بن ابی وقاص بابل کی طرف چلے گئے۔ امیر زہرہ بن لبطام نے مجاہدین کی پیشقدمی کے راستوں سے قدرتی رکاوٹیں ہٹا دی تھیں۔ اس سے پیشقدمی آسان ہو گئی تھی اور تیز بھی۔ اطلاع کے مطابق قادسیہ کے بھگوڑے فارسی بابل کے کھنڈروں میں اکٹھے ہو رہے تھے اس لیے سعدؓ نے مجاہدین کے دستوں کو جو اُن کے ساتھ تھے، محاصرے کی ترتیب میں کر لیا اور ان سے کہا کہ محاصرہ کر کے اشارے پر ہلّہ بول دینا ہے۔

مجاہدین احتیاط سے آگے بڑھنے لگے۔

"جتنے آدمی اندر ہیں سب باہر آ جائیں" — قریب جا کر سعدؓ بن ابی وقاص نے اعلان کرایا — "لڑو گے تو کسی ایک کو بھی زندہ نہیں چھوڑا جائے گا۔ باہر آ کر ہتھیار ڈال دو گے تو تمہاری حیثیت اور عزت برقرار رہے گی۔"

بابل کے کھنڈرات وسیع و عریض علاقے پر پھیلے ہوئے تھے۔ ہر طرف سے اعلان کیے گئے لیکن کوئی جواب نہ آیا۔ آخر ایک ضعیف العمر، دودھ کی مانند سفید داڑھی، سیاہ چغے میں ملبوس، جُھکا جُھکا، اپنے قد سے لمبے عصا کے سہارے باہر آیا۔ سعدؓ بن ابی وقاص نے اُسے دیکھ لیا اور اپنے ایک محافظ سے کہا کہ اس بزرگ کو ان کے پاس لے آئے۔

وہ بوڑھا قریب آیا تو سعدؓ گھوڑے سے اُتر کر اُس سے ملے۔

"اے عربی سالار!" — سفید ریش بزرگ نے کہا — "کسے پکار رہے ہو۔ وہ سب بھاگ گئے ہیں جس فوج کے افسر بھاگ اٹھیں اُس فوج کے سپاہی میدان میں کیسے ٹھہر سکتے ہیں.... ان کھنڈروں میں گھوم پھر کر دیکھ لو۔ کچھ زخمی سپاہی پڑے کراہ رہے ہیں اور اپنے اُن ساتھیوں اور افسروں کو کوس رہے ہیں جو انہیں اس حالت میں چھوڑ کر بھاگ گئے ہیں۔ اس کے علاوہ چار نوجوان لڑکیاں ہیں جو اپنی ہی فوج کے آدمیوں کی درندگی کا شکار ہو کر ادھر اُدھر پڑی ہیں۔"

سعدؓ بن ابی وقاص آگے بڑھے۔ علامہ شبلی نعمانی نے تاریخ طبری اور فتوح البلدان کے حوالے سے لکھا ہے کہ سعدؓ نے سب سے پہلے اُس قید خانے کے کھنڈرات دیکھے جس میں ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کو قید کیا تھا۔ فرطِ جذبات سے سعدؓ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور بے اختیار انہوں نے یہ آیت پڑھی۔۔۔ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۔۔۔ "اور ہم یہ دن لوگوں پر باری باری بدلتے رہتے ہیں۔"

پھر سعدؓ بابل کے کھنڈرات میں گئے۔ شاہی محل کے کھنڈرات عبرت کا نشان بنے ہوئے تھے۔

"کیا تم جانتے ہو کہ یہ کس شہر کے کھنڈر ہیں؟"۔۔۔ سعدؓ بن ابی وقاص نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا اور جواب کا انتظار کیے بغیر کہا۔۔۔ "یہ وہ شہر ہے جس میں اللہ نے دو فرشتے ہاروت اور ماروت اُتارے تھے اور ان فرشتوں کو جادو کا علم دیا تھا۔ انہوں نے لوگوں سے کہا تھا کہ یہ جادو جائز نہیں لیکن اُس وقت کے لوگوں نے یہ جادو سیکھنا بھی، سکھانا بھی اور چلانا بھی شروع کر دیا.... آج دیکھ لو۔ اللہ نے اس جگہ کو کس قدر عبرتناک بنا دیا ہے۔ اگر آتش پرست بادشاہ عبرت حاصل کرتے تو آج انہیں یہ دن نہ دیکھنا پڑتا کہ ان کے محل تکبیر کے نعروں سے لرز رہے ہیں اور جس فوج پر انہیں بھروسہ تھا کہ ان کی شہنشاہی کو بچا لے گی وہ فوج اللہ کے مٹھی بھر سپاہیوں کے آگے آگے بکھر بکھر کر بھاگی جا رہی ہے۔ کسریٰ پرویز نے ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغامِ حق پھاڑ کر اس کے پُرزے اڑا دیئے تھے۔ آج اس کی شہنشاہی کے پُرزے اُڑ رہے ہیں"۔۔۔ سعدؓ نے سفید ریش بوڑھے کی طرف دیکھا اور پوچھا۔۔۔ "تم یہاں کیا کر رہے تھے؟"

"میری تو عمر ہی یہیں گزر گئی ہے"۔۔۔ بوڑھے نے جواب دیا۔۔۔ "میرا خاندان مذہب پرست تھا۔ مجھے کچھ یاد نہیں کہ میں کب یہاں آیا تھا۔ باپ دادا کا بسیرا ان کھنڈروں میں ہی تھا۔ ایک ایک کر کے سب مر گئے ہیں۔ میری عمر ایک سو سال سے کچھ زیادہ ہے۔"

"مذہب کیا ہے تمہارا؟"

"میرے مذہب کا کوئی نام نہیں"۔۔۔ بوڑھے نے جواب دیا۔۔۔ "باپ دادا سورج پوجتے تھے۔ کبھی آگ جلا کر عبادت کرتے تھے۔ وہ دنیا سے اُٹھ گئے تو میں نے سب عبادتیں چھوڑ دیں اور اُس خدا کو ڈھونڈنے لگا جسے کوئی سورج میں ڈھونڈتا ہے۔ کوئی اُسے آگ میں اور کوئی پانی میں اور کوئی آسمانی بجلیوں اور طوفانوں میں تلاش کرتا ہے۔ میں نے عمر گزرنے کے ساتھ ساتھ محسوس کرنا شروع کر دیا کہ خدا میرے اپنے وجود میں موجود ہے اور کبھی یہ وہم سا بھی ہوتا کہ میں خود ہی اپنا خدا ہوں.... اور جب میں عمر کے اس حصے میں پہنچا جہاں بال سفید

نے لگتے ہیں تو مجھ پر یہ راز کھُلا کہ خدا اُنہیں ملتا ہے جن کے دلوں میں اُس کے بندوں کی ت ہوتی ہے۔"

سعدؓ بن ابی وقاص اور ان کے ساتھی اس بزرگ کی باتیں بڑے غور سے سن رہے تھے اور پر ایسی کیفیت طاری ہوتی جا رہی تھی جیسے اس بوڑھے کی باتوں سے مسحور ہو رہے ہوں۔

"یں مدائن جاتا رہتا ہوں"۔۔۔ بوڑھے نے کہا۔۔۔ "شاہی محلات کو دیکھتا ہوں۔ بادشاہوں شان و شوکت بھی دیکھتا ہوں۔ اُس شراب کی بُو بھی سونگھی ہے جس کا نشہ بادشاہوں کو خدا بنا تا ہے اور اُن حسین و جمیل دوشیزاؤں کو بھی دیکھا ہے جن سے وہ لذت اور سکون حاصل کرتے پھر میں بابل کے ان کھنڈروں کو دیکھتا ہوں اور سوچتا ہوں کہ انسان اپنے آپ کو کیا دھوکے فریب دیتا ہے کہ اسے اپنے انجام کا خیال ہی نہیں آتا.... میں تم سے پوچھے بغیر بتا سکتا ں کہ تم عرب کے سپہ سالار ہو۔ تمہیں شاید معلوم ہوگا کہ تم کہاں کھڑے ہو.... یہ بابل ہے۔ یم الشان عبادت گاہوں کا شہر ہُوا کرتا تھا۔ تم نے شاید سُنا ہوگا کہ اس وسیع و عریض شہر میں لق باغات ہُوا کرتے تھے۔ آج کا انسان سوچ بھی نہیں سکتا کہ وہ باغ کس طرح بنائے گئے جو زمین پر تھے نہ آسمان پر۔ کہتے ہیں کہ ان باغوں میں آکر انسان یہی سمجھتا تھا کہ جنت یہی ہے....

"کہاں ہیں وہ باغ؟ ....ان کا نام و نشان نہیں رہا۔ یہاں کے بادشاہوں کے محلات اتنے ورت اور عالی شان تھے کہ ایسی شان و شوکت اور تعمیرات کا ایسا حُسن ایک عام آدمی کے تصوّر ھی نہیں آسکتا۔ اس شہر میں حُوروں جیسی خوبصورت دوشیزائیں یوں گھومتی پھرتی تھیں جیسے رنگ ا چڑیاں معلّق باغوں کے پیڑ پودوں پر اُڑتی اور چہچہاتی پھرتی تھیں۔ یہ شہر اشوریوں کی تہذیب و تمدن عقیدوں کا مرکز رہا ہے۔ یہاں کئی فاتحین آتے۔ ہر ایک نے اس شہر کی فصیلیں مضبوط کیں خوشنما میناروں جیسے برج بناتے۔ ہر فاتح یہاں اپنے تہذیب و تمدن کے آثار چھوڑتا گیا اس طرح بابل مختلف تہذیبوں کا گہوارہ بن گیا جو ان تمام تہذیبوں کا بڑا ہی حسین امتزاج تھا لیکن ے بادشاہ لوگوں کے خدا بن گئے تھے۔ مصر میں فرعون تھے اور یہاں کے بادشاہ وں سے کم نہ تھے.... کیا تم جانتے ہو؟"

"ہاں میرے بزرگ!"۔۔۔ سعدؓ بن ابی وقاص نے کہا۔۔۔ "میں یہ سب جانتا ہوں۔ اس شہر کا ماری اس مقدس کتاب میں بھی ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہے۔ اسے ہم قرآن کہتے ہیں۔ اللہ نے ہمیں ان ہی بادشاہوں کے انجام سے خبردار کیا ہے ن اس مقدس کتاب میں یہ ذکر یُوں آیا ہے ۔۔۔ اور سلیمان کی بادشاہی کے وقت وہ اس علم کو

پڑھتے تھے جو شیطان کا علم تھا۔ یہ کفر سلیمان نے نہیں کیا بلکہ شیطانوں نے کیا کہ وہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے اور لوگ اس علم کے پیچھے ہو گئے جو شہر بابل میں ہاروت اور ماروت نام کے دو فرشتوں پر اُترا تھا۔ یہ دونوں فرشتے جب لوگوں کو یہ جادو بتاتے تو ساتھ کہہ دیتے تھے کہ ہم تو آزمائش کے لیے آئے ہیں لہٰذا تم یہ کفر نہ کرنا لیکن لوگ یہ جادو سیکھتے تھے جو مرد اور اس کی عورت کے درمیان جدائی ڈالتا ہے۔ اللہ کے حکم کے بغیر وہ اس سے سوائے اپنا اور کسی کا نقصان نہیں کر سکتا جس نے جادو کو اختیار کیا اُس کے لیے آخرت میں کچھ حصّہ نہیں۔ اگر ان کو سمجھ ہوتی تو وہ اتنی بُری چیز کے بدلے اپنی آخرت کو نہ بیچتے'۔۔۔ (سُورہ البقرہ: ۱۰۲)۔"

"تم جادو کی بات کرتے ہو سپہ سالار!"۔۔۔ بوڑھے نے کہا۔۔۔ "وہ جادو اب بھی چلایا جا رہا ہے۔ مدائن میں یہودی راہب بھی ہیں۔ وہ اس جادو کے ماہر تسلیم کیے جاتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ مدائن کا بادشاہ ان سے جادو کے ذریعے مدد لے رہا ہے۔ میں نے ایک روز ایک یہودی راہب کو شاہِ فارس کے محل سے نکلتے دیکھا تھا جس سے مجھے شک ہُوا کہ بادشاہ ان لوگوں کا سہارا لے رہا ہے.... مجھے نظر آرہا ہے کہ فتح تمہاری ہوگی اور سلطنتِ فارس کا تخت تمہارے قدموں تلے ہوگا۔"

"سب اللہ کے اختیار میں ہے"۔۔۔ سعدؓ بن ابی وقاص نے کہا۔۔۔ "ہمارے پاس اتنی فوج نہیں جس پر ہم تکبّر کریں۔ ہم اللہ کا حکم لے کر آتے ہیں اور اسی کی پیروی کرتے ہیں اور پھر انجام اسی کی ذاتِ باری پر چھوڑ دیتے ہیں۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ فتح ہماری ہوگی۔ کون جانے اللہ کو کیا منظور ہوگا۔"

"میں تمہاری فتح کی پیش گوئی اس لیے نہیں کر رہا کہ فارس کی فوجیں کٹ چکی ہیں اور جو بچ گئی ہیں وہ بندہ بندہ ہو کر بھاگی جا رہی ہیں"۔۔۔ بوڑھے نے کہا۔۔۔ "بلکہ میں کچھ اور دیکھ رہا ہوں۔ انسان اپنے آپ کو خود شکست دیا کرتا ہے۔ فارس کے جرنیل میدانِ جنگ سے بھاگ کر ان کھنڈروں میں پہنچے۔ سپاہی بھی آئے اور ان کے ساتھ وہ لڑکیاں بھی آئیں جو جرنیلوں اور دوسرے افسروں نے اپنے ساتھ رکھی ہُوئی تھیں۔ میرا خیال تھا کہ یہ لوگ یہیں اکٹھے ہو کر انہی کھنڈروں کو مورچہ یا قلعہ بنا کر تمہارا مقابلہ کریں گے لیکن یہاں آکر انہوں نے خوب شراب پی اور پھر ان لڑکیوں پر ان کی آپس میں لڑائیاں ہوئیں پھر میں نے جرنیلوں اور افسروں کو یہاں سے بھاگتے دیکھا۔ انہیں اطلاع ملی تھی کہ عرب کا لشکر بڑی تیزی سے چلا آرہا ہے اور جو شہر اس لشکر کے راستے میں آتا ہے اس کے رئیس اور دوسرے لوگ عربوں کی اطاعت قبول کر لیتے ہیں اور انہیں ہر طرح کی مدد بھی دیتے ہیں۔ جرنیلوں اور افسروں کے بھاگنے کے بعد فارس کے عہدے داروں اور سپاہیوں

نے ان لڑکیوں کو خراب کرنا شروع کر دیا اور ان پر بعض نے تلواروں سے ایک دوسرے کا خون بہانے سے بھی دریغ نہیں کیا....

"جس فوج کی نظر میدانِ جنگ میں بھی عورت اور شراب پر لگی ہُوئی ہو، اُس کی تعداد اپنے دشمن کے مقابلے میں دس بارہ گُنا زیادہ ہی کیوں نہ ہو وہ میدان میں نہیں ٹھہر سکتی۔ بابل کی تباہی کے پس منظر میں بھی عورت، شراب، عیش و عشرت اور بادشاہوں کا فرعونوں جیسا تکبّر تھا.... تم نے نمرود کا نام سنا ہوگا اور تم نے فرعونوں کی باتیں سُنی ہوں گی۔ جس طرح فرعون مصر کے خُدا بنے ہوئے تھے، اسی طرح نمرود اس خطے کا خُدا تھا لیکن اس شخص کو موت آئی تو قید خانے میں آئی۔"

"ہاں میرے بزرگ!"۔۔۔ سعدؓ بن ابی وقاص نے کہا۔۔۔ "میں مصر کے فرعونوں کے متعلق بھی جانتا ہوں اور نمرود کے متعلق بھی۔ اس نمرود کا بھی ذکر ہماری کتاب میں آیا ہے جسے ہم قرآن کہتے ہیں۔ یہ اللہ کا کلام ہے۔ شاید تم جانتے ہو گے کہ نمرود کو ہمارے پیغمبر ابراہیم علیہ السّلام نے قید خانے میں ڈالا تھا۔ ابراہیم علیہ السّلام کیا تھے.... اللہ کے بندے تھے جنہیں اللہ نے بنی نوعِ انسان کی بھلائی اور رہنمائی کے لیے پیغمبری عطا کی.... نمرود نے کہا کہ میں کیسے مان لوں کہ رعایا کے ایک عام بندے کو اتنا بڑا اعزاز مل جائے۔ اُس نے ابراہیم علیہ السّلام کو گرفتار کیا اور حکم دیا کہ آگ جلائی جائے اور اس شخص کو زندہ اس آگ میں پھینک دیا جائے۔ آگ جلائی گئی اور جب ابراہیم علیہ السلام کو اس میں پھینکنے لگے تو انہوں نے ذرا سی بھی خوف کا یا گھبراہٹ کا اظہار نہ کیا۔ وہ یوں آگ کی طرف چل پڑے جیسے وہ آگ تھی ہی نہیں۔ اُس وقت اللہ نے آگ کو حکم دیا.... اے آگ سرد ہو جا، اتنی سرد بھی نہ ہو نا کہ اس شخص کو سردی سے بھی تکلیف پہنچے.... ابراہیم علیہ السّلام آگ میں جا کھڑے ہوئے اور آگ سرد ہو گئی۔ بعد میں یہی نمرود ابراہیم علیہ السلام کا قیدی بنا۔"

"عبرت پھر بھی کسی نے حاصل نہ کی"۔۔۔ سفید ریش بزرگ نے کہا۔۔۔ "جس نے انسانیت کو اپنا غلام بنایا اُس کا انجام یہی ہُوا.... انسان کی یہ فطرت ہے کہ وہ گزرے ہُوئے وقت کی غلطیوں اور نادانیوں کو بھول کر گزرے ہُوئے وقت کو ہی سب کچھ سمجھتا ہے۔ ماضی سے عبرت حاصل نہ کرنے والوں کا یہی حشر ہوتا ہے۔ عیش و عشرت میں جو پڑ جاتے ہیں وہ چڑھتے سورج کے پجاری ہوتے ہیں اور یہ نہیں دیکھتے کہ یہ سُورج ڈوب بھی جایا کرتا ہے.... تم ان کھنڈروں کے اندر آؤ۔ تمہیں فارس کی بادشاہی کے محافظ سسکتے اور کراہتے نظر آئیں گے۔"

سعدؓ بن ابی وقاص اُس کے ساتھ کھنڈروں کی طرف چل پڑے۔

اتنے عظیم الشان محلّات اور اتنے حسین شہر کے کھنڈرات بڑے ہی ڈراؤنے تھے۔ زیادہ تر مکانات تو بالکل ہی ملبے کا ڈھیر بن گئے تھے۔ بعض عمارتوں کے ستون کھڑے تھے یا ادھوری ادھوری سی ایک ایک دو دو دیواریں کھڑی تھیں۔ محلّات کی چھتیں غائب تھیں۔ دیواریں کھڑی تھیں۔ کچھ عمارتوں کی چھتیں جھک آئی تھیں۔ ان میں سانپوں، اُلوؤں اور چیلوں جتنے بڑے بڑے چمگادڑوں نے بسیرا کیا ہُوا تھا۔

سعدؓ بن ابی وقاص نے مجاہدین کو دُور دُور تک پھیلے ہُوئے کھنڈرات کی تلاشی لینے کے لیے بھیج دیا اور خُود قصرِ نمرود کے کھنڈرات کو دیکھنے چلے گئے۔ ان میں حشرات الارض رینگ رہے تھے۔

"آہ انسان!" — سعدؓ نے کہا اور سُورہ ہُود کی دو آیات پڑھیں — "اور جب تمہارے رب کا حکم آیا تو ان قوموں کو ہلاکت کے سوا کچھ نہ ملا۔ ایسی ہی پکڑ ہے تمہارے رب کی جب بستیوں کو پکڑتا ہے ان کے گناہوں پر۔ بیشک اللہ کی پکڑ بڑی ہی شدید ہے۔"

اب ایک اور قوم کو ربِّ باری تعالیٰ نے پکڑ لیا تھا جو سورج اور آگ کی عبادت کرتی تھی اور جس کے بادشاہوں کے آگے لوگ سجدے کرتے تھے۔ ان بادشاہوں کی جنگی قوت جس نے ہر قوم پر ہیبت طاری کر رکھی تھی، بابل کے کھنڈروں میں پڑی کراہ رہی تھی، اپنے زخم چاٹ رہی تھی۔

فارس کے ان زخمی فوجیوں کی تعداد دو ہزار کے قریب تھی۔ ان میں جو اُٹھ سکتے تھے وہ کھنڈروں سے باہر آ گئے اور جنہیں زخموں نے نڈھال کر رکھا تھا وہ کراہ رہے تھے۔ ان تمام زخمیوں کی جذباتی کیفیت یہ تھی کہ وہ رو رہے تھے، اپنے افسروں کو کوستے اور اپنے بادشاہوں کو گالیاں دیتے تھے۔

"سپہ سالار!" — سعدؓ بن ابی وقاص کو بنو تمیم کے ایک سردار نے آ کر کہا — "زخمیوں کی تعداد کچھ کم نہیں۔ وہ اپنے سالاروں اور بادشاہوں کی جان کو رو رہے ہیں۔ ان میں سے کئی ایک نے کہا ہے کہ وہ اسلام قبول کرنا چاہتے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ وہ اپنے پورے پورے خاندان سمیت مسلمان ہو جائیں گے۔"

"نہیں" — سعدؓ بن ابی وقاص نے کہا — "وہ اپنی جانوں کے خوف سے اسلام قبول کر رہے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ہم انہیں اسی حالت میں پڑا رہنے دیں گے اور یہ زخموں سے خون بہ جانے سے مر جائیں گے۔ اگر اس حالت میں ہم نے انہیں مسلمان کر لیا تو یہ جبر ہو گا اور یہ

دل سے مسلمان نہیں ہوں گے۔ ان کی مرہم پٹی کا انتظام کرو۔ انہیں پانی پلاؤ۔ یہ بھوکے ہوں گے۔ انہیں کھانا دو اور انہیں بتاؤ کہ تم ہماری پناہ میں ہو اور تم پر کوئی جبر اور تشدد نہیں ہو گا.... ان سے ہتھیار لے لو اور ان سے گھوڑے بھی لے لو۔"

فوراً ہی سپہ سالار کے حکم کی تعمیل شروع ہو گئی۔

پھر چار پانچ لڑکیوں کو سعدؓ بن ابی وقاص کے پاس لایا گیا۔ وہ نوخیز دوشیزائیں تھیں۔ ایک سے ایک بڑھ کر حسین اور دلکش تھی لیکن ان کی جسمانی حالت اتنی بُری تھی کہ ان سے چلا نہیں جاتا تھا۔ وہ اس خوف سے چیخ چلا رہی تھیں کہ مسلمان بھی ان کے ساتھ وہی سلوک کریں گے جو ان کھنڈروں میں ان کے اپنے فوجی افسر اور عہدیدار میدانِ جنگ سے بھاگ کر کرتے رہے تھے۔

سعدؓ بن ابی وقاص نے انہیں تسلی دلاسہ دیا کہ ان کے ساتھ ویسا سلوک نہیں ہو گا لیکن سب کی سب ایک ہی رٹ لگائے جا رہی تھیں کہ انہیں جان سے مار دیا جائے۔

"کیا تم اپنے گھروں کو جانا چاہتی ہو؟" — ان سے پوچھا گیا۔

"نہیں" — سب نے باری باری کہا — "ہم میں سے کوئی بھی زندہ نہیں رہنا چاہتی۔"

"میں تمہیں ایسی زندگی دوں گا کہ تم زندہ رہنا چاہو گی" — سعدؓ بن ابی وقاص نے کہا — "تم ہماری عورتوں کے ساتھ رہو گی۔ کوئی مرد تمہارے قریب سے گزرے گا بھی نہیں۔"

سعدؓ کے حکم سے انہیں گھوڑوں پر بٹھا کر پیچھے عورتوں کے پاس بھیج دیا گیا۔

مدائن دریائے دجلہ کے سامنے والے کنارے پر آباد تھا اور بُہرشیر اس کے بالمقابل اس طرف والے کنارے پر واقع تھا۔ مؤرخوں نے لکھا ہے کہ مدائن اور بہرشیر ایک ہی شہر تھا جس کے درمیان سے دجلہ بہتا تھا اس لیے شہر کے دونوں حصّوں کے نام الگ الگ رکھ دیتے گئے تھے۔

مدائن کی دریا کی طرف والی دیوار دریا سے اڑھائی تین فرلانگ دُور تھی۔ بارشوں کے موسم میں دریا میں سیلاب آ جایا کرتا تو پانی شہر کی دیوار تک پہنچ جایا کرتا تھا۔ وہ علاقہ نشیبی تھا اس لیے وہاں پانی جمع رہتا اور وسیع تالاب بنے رہتے تھے۔ وہاں درختوں کی بہتات تھی اور ہرے سرکنڈوں کا جنگل بھی تھا۔

ماہی گیر اور ملّاح دریا کے کنارے اپنے اپنے کاموں میں مصروف دکھائی دیتے تھے لیکن وہ ان وسیع تالابوں کی طرف نہیں جاتے تھے کیونکہ اس علاقے میں ان کا کوئی کام نہیں ہوتا تھا اور اس لیے بھی کہ یہ علاقہ خطرناک بھی تھا۔ ان تالابوں میں پانی کے عفریت دیکھے گئے

تھے۔ تین چار بڑے مگرمچھ اور اتنے ہی چھوٹے مگرمچھ تھے۔ ان کے علاوہ ایک اژدہا بھی دیکھا گیا تھا جو پانی میں رہتا تھا۔ یہ بیس بائیس فٹ لمبا اور ایک فٹ سے کچھ زیادہ موٹا سانپ تھا۔ پہاڑ میں رہنے والی نسل سے تھا جو درخت پر بھی چڑھ جایا کرتا تھا۔ بھیڑ بکری اور انسان کو سالم نگل لیا کرتا تھا۔

یہ عفریت نہ ہوتے تو بھی یہ علاقہ بڑا ہی ڈراؤنا لگتا تھا۔ راتوں کو یہاں اُلوؤں کی آوازیں سنائی دیا کرتی تھیں اور دن کو ان درختوں پر گدھ بیٹھے رہتے اور بڑے چمگادڑ درختوں سے اُلٹے لٹکے رہتے تھے۔ ان سینکڑوں چمگادڑوں کی چیختی ہوئی آوازیں دن کے وقت بھی ڈرا دیا کرتی تھیں۔

لوگ کہتے تھے کہ اس علاقے میں جنات اور چڑیلوں کا بسیرا ہے۔ بہت دنوں سے رات کو درختوں کے گھنے جھنڈ میں روشنی نظر آنے لگی تھی جو کچھ دیر نظر آتی اور غائب ہو جاتی تھی۔ ماہی گیروں اور ملاحوں نے مدائن کے لوگوں کو بتایا کہ ان درختوں اور سرکنڈوں کے گھنے جنگل میں ایک کٹیا ہے جو پہلے نہیں ہوا کرتی تھی۔

رات کو شہر کے لوگوں نے دیوار پر چڑھ کر دیکھا تھا اور انہیں وہاں روشنی نظر آئی تھی۔ ہر رات لوگ شہر پناہ پر چلے جاتے اور اُدھر دیکھتے تھے۔

"شہر پر بہت بڑی آفت آنے والی ہے" — لوگ کہتے تھے۔

"آفت تو آچکی ہے" — بزرگ کہتے تھے — "عرب کے مسلمان آسمانی آفت کی طرح آ رہے ہیں۔ ہماری فوج آدھی بھی نہیں رہی اور جو ہے وہ نہ جانے کہاں کہاں پناہیں ڈھونڈ رہی ہے۔"

لوگوں کے یہ خوف اور اندیشے شاہی محل تک پہنچے تو وہاں سے یہ حکم جاری ہوا کہ شہر کا کوئی شخص دن کو یا رات کو شہر پناہ پر نہیں چڑھ سکتا اور اگر کوئی پکڑا گیا تو اُس کی وہیں گردن مار دی جائے گی۔

شاہی محل میں شاہِ فارس یزدگرد، اُس کی ماں نورین اور سوتیلی بہن پوران کو معلوم تھا کہ دریا کے کنارے اُس خطرناک دلدلی علاقے میں راتوں کو جو روشنی دکھائی دیتی ہے وہ کیا ہے۔ انہیں اب اسی روشنی پر بھروسہ تھا اور اس یقین کو انہوں نے عقیدہ بنا لیا تھا کہ یہ روشنی مسلمانوں کو اندھا اور کمزور کر دے گی اور وہ شاہِ فارس کے آگے ہتھیار ڈال کر اُس کے غلام ہو جائیں گے۔

جس وقت فارس کا لشکر قادسیہ سے پسپا ہوا تھا اور رستم مارا گیا تھا اور یہ خبر شاہی محل

...ی طرح گزری تھی تو مدائن کا ایک معمر یہودی راہب یزدگرد کے پاس گیا تھا۔ اُس نے یزدگرد کے ساتھ بہت باتیں کیں اور اُسے یقین دلایا تھا کہ وہ مسلمانوں کی پیش قدمی کو نہ صرف روک لے ...کہ انہیں تباہ و برباد کر دے گا۔

اس یہودی راہب نے کہا تھا کہ اُسے چند ایک اشیاء مہیا کر دی جائیں تو وہ ایسا جادو کر ...تا ہے جو مسلمانوں کے سالاروں کو جسمانی طور پر بھی اندھا کر دے گا اور وہ عقل کے بھی ...ھے ہو جائیں گے۔ اُس نے جن اشیاء کا مطالبہ کیا تھا، ان میں ایک نوخیز دوشیزہ تھی، دو...ر ایک نوزائیدہ بچہ، جس کی عمر تین دن سے زیادہ نہ ہو۔ اُس نے یہ بھی کہا تھا کہ کچھ اور اشیاء ...درکار ہیں جو وہ خود اکٹھی کر لے گا۔

یہ اشیاء اکٹھی کرتے کرتے خاصا وقت گزر گیا تھا۔ نوخیز دوشیزہ کا حصول تو کوئی مشکل ...نہ تھا۔ بادشاہ کے درباری ایسی دلکش لڑکیوں کی تلاش میں رہتے تھے۔ کسی بھی حسین دوشیزہ کے ...ین اسے شاہی محل کے حوالے کرنے میں فخر محسوس کیا کرتے تھے۔ یہودی راہب کو ...کی ضرورت کے مطابق ایک لڑکی دے دی گئی تھی لیکن لڑکی کو یہ نہیں بتایا گیا کہ اُسے شاہی حرم ...کے لیے نہیں بلکہ کسی اور مقصد کے لیے اس بوڑھے راہب کے حوالے کیا گیا ہے۔

راہب اُسے اپنی عبادت گاہ میں لے گیا تھا اور اُسے خاص قسم کی غذا دی جاتی تھی۔ آدھی ...کے وقت راہب لڑکی کو اپنے سامنے فرش پر بٹھا لیتا اور اُس کے کپڑے اُتروا کر اُسے ...سیاہ چغہ پہنا دیتا تھا۔ اسی چغے کا بالائی حصہ لڑکی کے سر کو بھی ڈھانپ لیتا تھا۔ راہب ...کے ماتھے پر اپنا ایک ہاتھ یوں پھیلا دیتا کہ انگوٹھا لڑکی کی ایک کنپٹی پر اور درمیان والی انگلی دوسری ...ہوتی۔ راہب اُس کی کنپٹیاں آہستہ آہستہ مسلتا اور بڑبڑاتا رہتا تھا۔ دن کو لڑکی اپنے کپڑوں ...میں رہتی تھی اور کچھ وقت کے لیے اُس سے کوئی خاص عبادت کرائی جاتی تھی۔

"اے مقدس راہب!" — ایک روز لڑکی نے یہودی سے پوچھا — "یہ سب کیا ہے ...میرے گھر سے کیوں لایا گیا ہے؟ میں تو کچھ اور سمجھی تھی۔"

"...س لڑکی!" — یہودی راہب نے کہا — "وہی ٹھیک ہے جو تم سمجھی تھیں۔ تم اتنے دنوں ...یہاں ہو۔ تم دیکھ رہی ہو کہ تمہارے اتنے زیادہ حسین اور دل کش جسم میں میرے کسی آدمی ...نے دلچسپی نہیں لی نہ تمہارے ساتھ کوئی بیہودہ حرکت ہو گی۔ تمہارے جسم کو پاک اور مقدس ...کیا جائے گا۔"

"لیکن کیوں؟"

"اس لیے کہ تمہیں شاہِ فارس یزدگرد کی ملکہ بننا ہے" — یہودی راہب نے جھوٹ بولا — "تم

نے اُسے دیکھا ہوگا۔ وہ بہت خوبصورت اور دانشمند ہے۔ وہ تمہیں حرم میں نہیں رکھے گا۔ اُس نے تمہیں ملکہ بنانے کے لیے منتخب کیا ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ تمہاری ذات میں وہ خوبیاں پیدا کردوں جو ملکہ میں ہونی چاہئیں۔"

لڑکی پر نشہ طاری ہوگیا جیسے وہ ملکہ بن گئی ہو۔

یزدگرد دوسرے تیسرے دن یہودی راہب کو بلا کر پوچھتا تھا کہ اُس کا جادو کہاں تک پہنچا ہے۔ راہب کے پاس ایک جواب ہوتا تھا کہ وہ وقت ضائع نہیں کر رہا اور یہ بھی کہ اتنا زبردست جادو اتنی جلدی تیار نہیں ہُوا کرتا۔

یزدگرد کو اپنی فوج کی پسپائی اور مسلمانوں کی پیشقدمی کی جو خبریں روز بروز مِل رہی تھیں وہ اُس کے پاؤں تلے سے زمین نکال رہی تھیں۔ پُورا فارس اُس کی مٹھی سے نکل رہا تھا۔ وہ اس قدر مایوس اور پریشان ہوگیا کہ ایک روز اُس نے یہودی راہب کو بلایا۔

"اگر آپ سے کچھ نہیں ہو سکتا تو مجھے بتا دیں"— یزدگرد نے کہا— "میں آپ کو کوئی سزا نہیں دُوں گا۔"

"اپنی عبادت گاہ میں میرا جو کام تھا وہ ختم ہوگیا ہے"— یہودی راہب نے کہا— "میں نے دریا کے کنارے ایک جھونپڑا تیار کروالیا ہے۔ لڑکی کو وہاں لے جا رہا ہوں۔ دو اُلّو وہاں پہنچا دیئے گئے ہیں۔ چار یا پانچ دنوں بعد مجھے نوزائیدہ بچے کی ضرورت ہوگی۔"

"کیا آپ جانتے ہیں مسلمان کہاں تک آگئے ہیں؟"— یزدگرد نے کہا— "بُرس پر اُن کا قبضہ ہوگیا ہے۔ کوثیٰ میں شہریار مارا گیا ہے اور یہ شہر بھی مسلمانوں کے پاس چلا گیا ہے۔ بُورا اور دیر پر بھی مسلمان قابض ہوگئے ہیں اور اب اُنہوں نے بُہرشیر کا محاصرہ کر لیا ہے۔ اِدھر آپ ہیں کہ دن پہ دن گزارتے چلے جا رہے ہیں۔ کیا آپ اُس وقت کچھ کریں گے جب مسلمان مدائن میں داخل ہو جائیں گے؟"

"شہنشاہِ فارس!"— بوڑھے یہودی نے کہا— "آپ میری کچھ باتیں بھ[illegible] نے کہا تھا کہ آپ کسی طریقے سے اپنی فوج کا حوصلہ مضبوط کریں، خواہ آپ کو خود آگے [illegible] مجھے یہ توقع تھی کہ ہماری فوج کہیں نہ کہیں مسلمانوں کو روک لے گی اور کچھ دن روکے رکھے گی [illegible] مسلمانوں کی پیشقدمی تیز نہیں ہوگی۔ میں اتنے وقت میں اپنا کام مکمل کر لوں گا لیکن ہماری فوج نے کبھی قدم جمانے کی کوشش نہیں کی.... جادو کسی ایک انسان پر کرنا ہو تو تھوڑی سی دیر میں ہو جاتا ہے لیکن ایک لشکر کو جادو کے زور پر روک لینے کے لیے بہت وقت درکار ہوتا ہے [illegible]

[illegible]دکی تیاری میں اپنی جان کا خطرہ بھی ہوتا ہے۔ اگر میں آپ کو خوش کرنے کے لیے جلد بازی کروں [illegible]جادو کمزور ہونے کی وجہ سے بیکار ہو سکتا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جادو اُلٹا اثر کر جائے۔ [illegible]صورت میں آپ کی تباہی کا عمل اور تیز ہو جائے گا۔ آپ یہ کام کریں کہ بُہرشیر میں کمک بھیجیں [illegible]محاصرہ لمبا ہو جائے۔ اپنی فوج کو پیغام بھیجیں کہ غیب سے مدد آ رہی ہے، جم کر لڑیں۔"

یہ تھا وہ جادو جس کا ذکر قرآنِ پاک میں آیا ہے اور جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے دو فرشتوں [illegible]ہاروت ماروت سے منسوب کیا ہے اور اس کے ساتھ ہی اسے شیطان کا کام کہا ہے یہودی جسے اللہ تعالیٰ نے دھتکاری ہوئی قوم کہا تھا، اس جادو کے پیچھے پڑ گئے۔ یہودی کی فطرت [illegible]شامل ہے کہ وہ ہر اُس کام کو پسند کرتا ہے جس کام میں شیطان کا عمل دخل ہو۔ جیسا کہ پہلے [illegible]ان ہو چکا ہے یہودی مسلمانوں کے جانی دشمن تھے، انہوں نے مسلمانوں کے خلاف جادو کا [illegible]ستعمال بھی کیا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر انہوں نے جادو بھی چلایا اور دھوکے سے زہر بھی [illegible]۔ اس کے علاوہ جہاں کہیں مسلمانوں کو کامیاب ہوتے دیکھا وہاں زمین دوز کارروائیوں سے [illegible]سلمانوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی اور مسلمانوں کے دشمنوں کو ہر طرح کی مدد دینے کی اور [illegible]کے ہاتھ مضبوط کرنے کی کوشش کی۔ وہ آج تک ان کوششوں میں مصروف ہیں۔

یہ بوڑھا یہودی راہب یزدگرد کو جادو کا سہارا دے رہا تھا۔ یہ نہیں بتایا جا سکتا کہ وہ واقعی [illegible]دو کر رہا تھا یا جادو چلانا جانتا بھی تھا یا نہیں لیکن وہ یزدگرد کا حوصلہ مضبوط کر رہا تھا اور اُسے [illegible]سا رہا تھا کہ وہ اپنی فوج کا حوصلہ بھی مضبوط کرے۔ اُس نے یزدگرد پر اپنا اثر ڈال لیا تھا۔ اثر [illegible]تا اتنا جیسے اُسے ہپناٹائز کر لیا ہو۔

اُسی رات یہ بوڑھا یہودی اس لڑکی کو شہر سے باہر دریا کے کنارے اُس علاقے میں لے گیا جس میں سیلابی پانی کے تالاب بنے رہتے تھے اور جہاں درختوں اور سرکنڈوں کا گھنا [illegible]ل تھا۔ وہاں اُس نے ایک کُٹیا بنا لی تھی جس میں زیادہ تر لکڑی استعمال کی گئی تھی۔ اُس کا ایک [illegible]ن سال چیلا بھی اُس کے ساتھ تھا۔ وہاں اُنہوں نے اپنے لیے اور لڑکی کے لیے کھانا پکانے اور بستروں کا بھی انتظام کر لیا تھا۔ ان کا زیادہ تر کام رات کو کُٹیا کے باہر ہوتا تھا۔

راہب نے دو اُلّو بھی پکڑ رکھے تھے۔ انہیں کوئی ایسی غذا کھلاتا تھا کہ وہ اُڑ کر کہیں جاتے ہی نہیں تھے۔ کُٹیا میں ہر وقت لوبان کی دھونی جلتی رہتی تھی۔ رات کو راہب لڑکی کو سیاہ چغہ پہنا کر [illegible]زانو بٹھا لیتا تھا۔ ایک اُلّو اُس کے دائیں کندھے پر اور دوسرا بائیں کندھے پر بٹھا دیتا تھا۔ کُٹیا [illegible]ایک فانوس جلتا رہتا تھا۔ اسی کی روشنی تھی جو لوگوں کو دُور سے نظر آتی اور اسے وہ پُراسرار

روشنی سمجھتے تھے۔ یہ تو کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ یہاں کوئی انسان آباد ہے۔

کچھ دنوں بعد لڑکی نے بوڑھے راہب کے اشاروں پر بولنا شروع کر دیا۔ راہب اسے کچھ پوچھتا تھا اور لڑکی جواب دیتی تھی۔ اس کا انداز اور لہجہ ایسا ہوتا تھا جو لڑکی کا قدرتی انداز نہیں تھا۔ صاف پتہ چلتا تھا کہ وہ کسی اور کے اثر کے تحت بول رہی ہے۔

"نہیں..... ابھی نہیں۔ ابھی کام نہیں ہوا۔ ابھی ہوگا بھی نہیں۔"

یہ لڑکی کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ تھے۔ تین چار راتیں اس کی زبان سے یہی الفاظ نکلتے رہے۔ ان سے پتہ چلتا ہے کہ راہب کے جادو کا اثر کم از کم اس لڑکی پر ہو گیا تھا۔ وہ لڑکی سے آنے والے وقت کے متعلق معلوم کرنا چاہتا تھا اور یہ بھی دیکھنا چاہتا تھا کہ اس کے جادو میں اثر کس حد تک پیدا ہوا ہے۔ یہ بھی جادو کا اثر تھا کہ جب لڑکی بول چکتی تو دونوں اُلّو اپنی مخصوص آواز میں بولتے تھے جیسے ویرانوں میں اُلّو بولا کرتے ہیں۔

ابھی نوزائیدہ بچے کو نہیں لایا گیا تھا۔ شاید یہودی کے اس عمل کا وہ مرحلہ ابھی شروع نہیں ہوا تھا۔

یزدگرد نے اپنے متعدد قاصد اپنی فوج کی طرف بھیج دیئے۔ انہیں پیغام یہ دیا کہ وہ جہاں کہیں بھی ہیں، اکٹھے ہو جائیں، غیب سے مدد آرہی ہے۔ جم کر مقابلہ کریں اور اب مسلمانوں کی پیش قدمی پسپائی میں بدلنے ہی والی ہے۔

بُہرشیر مدائن سے کوئی دور نہیں تھا۔ درمیان میں صرف دریا حائل تھا۔ یزدگرد نے وہاں بھی پیغام بھجوایا اور کہا کہ جہاں جہاں اپنے فوجی موجود ہیں، وہاں سے انہیں بُہرشیر لے آؤ اور بُہرشیر کا دفاع مضبوط کر لو تاکہ مسلمان شہر کا محاصرہ کریں تو محاصرہ اتنا طویل ہو جائے کہ وہ مایوس ہو کر واپس چلے جائیں۔

سعدؓ بن ابی وقاص بابل سے چلے تو راستے میں فارس کے بیشمار شہریوں نے جن میں مختلف بستیوں کے رؤسا اور اُمراء شامل تھے، سعدؓ سے آکر ملے اور اطاعت قبول کی اور اپنا تعاون پیش کیا۔ زیادہ تر مؤرخوں نے لکھا ہے کہ ان لوگوں میں سے کسی ایک نے اسلام قبول کر لیا اور کسی جزیہ کی ادائیگی پر رضامند ہو گئے۔

سعدؓ بن ابی وقاص بُہرشیر پہنچ گئے۔ انہیں پہلے اطلاع مل چکی تھی کہ ہاشم بن عتبہ نے بُہرشیر کے شیر کو تلوار سے مار ڈالا تھا۔ تاریخ طبری میں لکھا ہے کہ سعدؓ نے جواں سال ہاشم بن عتبہ کو گلے لگا لیا اور اُس کا ماتھا چوما۔ ہاشم نے جھک کر بڑے احترام سے سعدؓ کے پاؤں اور

گھٹنے چھو لیے۔ ہاشم بن عتبہ سعدؓ بن ابی وقاص کا بھتیجا تھا۔

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ مدائن اور بُہرشیر ایک ہی شہر کے دو حصے تھے۔ اُن کے درمیان سے دجلہ گزرتا تھا۔ بغداد مدائن سے بیس میل دور چھوٹی سی ایک بستی ہوا کرتی تھی۔ مؤرخوں نے لکھا ہے کہ مدائن شروع سے ہی فارس کا دار السلطنت چلا آرہا تھا۔ تعمیرات اور باغات کے لحاظ سے بابل کی خوبصورتی مشہور تھی۔ وہ تو قصۂ پارینہ بن چکی تھی اور اس کے کھنڈر اس پر نشان تھے۔ اس کے بعد خوبصورتی کے لحاظ سے جس شہر نے شہرت پائی وہ مدائن تھا۔ اپنے دار السلطنت کو دنیا کا حسین ترین شہر بنانے کے لیے ملک کے خزانے لٹا دیئے گئے تھے۔

مدائن پر رومیوں کا بھی قبضہ رہا اور مدائن بارہا اندرونی بغاوتوں سے بھی دوچار ہوا۔ اس کا سکون تباہ ہوا۔ اس کی گلیوں میں خون بہہ گیا لیکن اس شہر کے حسن و جمال میں کوئی فرق نہ آیا۔ ایک مؤرخ نے لکھا ہے کہ مدائن میں ساحرانہ کشش تھی۔ اجنبی اس شہر میں آکر مسحور ہو جاتے تھے۔ یہاں کے قحبہ خانوں، شراب خانوں، رقص گاہوں اور عشرت کدوں کی شہرت دوسرے ممالک تک پہنچی ہوئی تھی۔

سعدؓ بن ابی وقاص بُہرشیر سے کچھ دور خیمہ زن ہو کر دجلہ کے پار مدائن کو دیکھ رہے تھے۔ جو ایک ہیرے کی طرح چمک رہا تھا۔ اس کی شہر پناہ پر بُرج اور ان کے سنہری کلس دیکھے۔ محل کے گنبد اور مینار دیکھے۔ کسریٰ کا محل بلندی پر کھڑا تھا اس لیے شہر کی دیوار دیکھنے والوں کے آگے رکاوٹ نہیں بنتی تھی۔ مؤرخوں کے مطابق یہ محل اپنے زمانے میں عجائباتِ عالم میں ہوتا تھا۔ یہ محل کسریٰ نوشیرواں نے ۵۵۰ء میں تعمیر کروایا تھا۔ معمار رومی اور یونانی تھے اس لیے یہ محل روم اور یونان کے فنِ تعمیر کا غیر معمولی طور پر حسین شاہکار بن گیا تھا۔

محمد حسنین ہیکل نے محل کے سامنے کی چوڑائی ایک سو پچاس میٹر سے زیادہ اور بلندی چالیس میٹر لکھی ہے۔ اس کے پانچ گنبد تھے۔ درمیان والا گنبد سب سے زیادہ بڑا اور اونچا تھا۔ اس کے نیچے ایوانِ کسریٰ تھا۔ یہیں کسریٰ کا تخت تھا جس میں جڑے ہوئے ہیروں اور نایاب جواہرات کی قیمت کا کوئی اندازہ نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے کئی حصے تو خالص سونے کے بنے ہوئے تھے۔

سعدؓ بن ابی وقاص گھوڑے پر سوار ایک بلند ٹیکری پر کھڑے تھے۔ ان کے ایک طرف زہرہ اور دوسری طرف ہاشم بن عتبہ گھوڑوں پر سوار موجود تھے۔ تین چار مؤرخوں نے لکھا ہے کہ یہ دیر تک مدائن کی طرف دیکھتے رہے۔ انہوں نے اتنا بڑا اور اتنا خوبصورت شہر شاید پہلی بار دیکھا تھا اور انہیں توقع تھی کہ وہ اس شہر کو فتح کر لیں گے اور یہ سلطنتِ فارس کے تابوت میں

آخری کیل ہو گی۔ انہوں نے آسمان کی طرف دیکھا اور دونوں ہاتھ اوپر اٹھا کر اللہ کا شکر ادا کیا پھر بلند آواز سے یہ آیت پڑھی:

اَوَلَمْ تَكُوْنُوْٓا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ

"کیا تم نے قسم نہیں کھائی تھی کہ تمہارے لیے زوال نہیں ہے!"

اُس وقت سعدؓ بن ابی وقاص کے ذہن میں یقیناً فارس کی عظیم سلطنت کا زوال تھا۔

"میرے عزیزو!" —— سعدؓ نے زہرہ اور ہاشم سے کہا —— "مدائن کے ان گنبدوں کے نیچے کسریٰ پرویز نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغامِ حق پھاڑ کر اُڑا دیا تھا...... کیا تمہیں یہ گنبد لرزتے محسوس نہیں ہو رہے؟"

"بیشک...... بیشک" —— زہرہ اور ہاشم بیک زبان بولے اور دونوں نے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر کہا —— "اللہ...... اللہ"

اُس وقت وہ بہرشیر سے کچھ دُور تھے۔ اُن کے تمام دستے جو قادسیہ سے پسپا ہونے والے فارسیوں کے تعاقب میں بکھر گئے تھے، ان کے پاس پہنچ گئے تھے۔ رات کو سعدؓ نے سالاروں اور قبیلوں کے سرداروں کو بلایا۔

"میں جانتا ہوں مجاہدین بہت تھکے ہوئے ہیں" —— سعدؓ بن ابی وقاص نے کہا۔ "خدا کی قسم، ان کی ہڈیاں ٹوٹ رہی ہوں گی لیکن ہم آرام کرنے بیٹھ گئے تو آتش پرستوں کی فوج اس شہر میں اکٹھی ہو جائے گی اور ہمارے لیے بہت بڑی رکاوٹ بن جائے گی۔ ہمیں فوراً اس شہر پر حملہ کر دینا چاہیے۔ شہر کے دروازے کھلے ہیں۔ اگر ہم شہر میں داخل ہو گئے تو اندر جتنی بھی فوج ہوتی، اس کا مقابلہ کر لیں گے...... اگر دروازے بند ہو گئے تو محاصرہ بہت لمبا ہو گا۔ مجاہدین کو شہر پر حملے کے لیے فوراً تیار کرو۔"

اِدھر مجاہدین کو حملے کے لیے تیار کیا جانے لگا اُدھر فارس کی وہ فوج جو بہرشیر کے باہر نظر آ رہی تھی وہ بڑی تیزی سے شہر کے اندر چلی گئی اور شہر کے دروازے بند ہو گئے۔ فوراً ہی شہر کی دیواروں کے اوپر یہ فوجی تیر کمانیں لیے کھڑے نظر آنے لگے۔

بہرشیر کی وہ دیوار جو دریا کی طرف تھی، وہ دریا کے اندر تھی۔ وہاں سے مدائن تک پُل تھا۔ تاریخ میں یہ پتہ نہیں چلتا کہ یہ پُل کشتیوں کا تھا یا لکڑی وغیرہ سے بنایا گیا تھا۔ یہ واضح ہے کہ پُل اتنا مضبوط تھا کہ اس سے زیادہ سے زیادہ فوج گزر جاتی تھی۔ سعدؓ بن ابی وقاص کو معلوم ہو سکا کہ رات کے وقت مدائن سے فوج اور دیگر ساز و سامان بہرشیر بھیجا جاتا ہے اور

طرح اس شہر کا دفاع بہت ہی مضبوط کیا جا چکا ہے۔ جس شہر کا محاصرہ کیا جاتا تھا، اس شہر کے لوگوں کو کھانے پینے کی اشیاء ملتی رہتیں تو محاصرہ بہت ہی لمبا ہو جاتا تھا۔ بہرشیر میں خوراک کی کوئی قلت نہیں تھی۔

یزدگرد نے بہرشیر کو ناقابلِ تسخیر بنانے کا ایسا تہیہ کر لیا تھا کہ وہ خود راتوں کو فوجوں کی نقل و حرکت کی نگرانی کرتا تھا۔ پھر خود بہرشیر آ کے دیکھتا تھا کہ لوگوں میں دفاع کا جذبہ کمزور نہیں ہو گیا۔

اُس کی بہن پوران جو فارس کی ملکہ رہ چکی تھی یزدگرد سے کہیں زیادہ وطن پرست تھی۔ اس نے اپنا ہی طریقہ کار جاری رکھا ہوا تھا کہ گھوڑے پر سوار ہو کر مدائن کی گلیوں میں گھومتی پھرتی اور کہیں رُک کر لوگوں کو اکٹھا کر کے بڑے ہی جذباتی اور جوشیلے الفاظ میں ان کے حوصلے مضبوط کرتی۔ بہرشیر کے لوگوں کو تو اُس نے اِس قدر گرما دیا تھا کہ بچہ بچہ فارس پر جان قربان کرنے کے لیے تیار ہو گیا تھا۔

"تم دیکھ رہے ہو کہ مسلمان آدھے سے زیادہ فارس پر قابض ہو کر تمہارے دروازے پہنچ گئے ہیں" —— یہ پوران کے الفاظ تھے جو مدائن اور بہرشیر کی گلیوں میں گونجتے اور گرجتے رہتے تھے —— "ہمارے جرنیل اور ہماری ساری فوج اتنی بزدل نکلی کہ چند ہزار مسلمانوں کے سامنے نہ ٹھہر سکی" —— پوران لوگوں کی غیرت کو جگانے کے لیے اور انہیں ڈرانے کے لیے یہ الفاظ ضرور کہتی تھی —— "ان تمام شہروں سے جن پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا ہے، مسلمانوں نے تمام جوان لڑکیوں اور جوان عورتوں کو اپنے پاس رکھ لیا ہے اور ان میں جو بہت خوبصورت ہیں انہیں عرب بھیج دیا ہے۔ تم نہیں جانتے کہ مسلمان کیسے وحشی اور درندے ہیں۔ انہوں نے تمام مویشی اپنے قبضے میں لے لیے ہیں جنہیں وہ ذبح کر کے کھاتے رہتے ہیں۔ مذہبی پیشواؤں اور بڑے بڑے رئیسوں اور معزز لوگوں کو بھی انہوں نے غلام بنا لیا ہے۔ اگر تم نے مسلمانوں کو یہیں ختم نہ کیا تو تمہارا بھی یہی حال ہو گا۔ تمہاری آنکھوں کے سامنے تمہاری بیٹیاں مسلمانوں کی لونڈیاں اور کنیزیں بنی ہیں۔ تمہارے گھر میں جتنا بھی مال و دولت ہے وہ مسلمان اُٹھا لیں گے اور تم فاقہ کشی پر مجبور ہو جاؤ گے۔ یہ بھی سمجھ لو کہ اپنے دیوتاؤں کا اور زرتشت کا جو قہر تم پر گرے گا وہ بڑا ہی بھیانک ہو گا اور تم عربوں کے آگے جم گئے تو خدائے آفتاب کی ایسی ایسی نعمتیں تم پر نچھاور ہوں گی جنہیں تم تصور میں بھی نہیں لا سکتے۔"

سعدؓ بن ابی وقاص نے آگے بڑھ کر شہر کا محاصرہ کر لیا تب انہیں پتہ چلا کہ دریا کی طرف سے شہر کو کمک اور رسد باقاعدگی سے مل رہی ہے لیکن اس کا وہ کوئی سدِباب نہیں کر سکتے تھے

کیونکہ دریا کی طرف دیوار کی لمبائی خاصی زیادہ تھی۔ یہ دیکھا گیا کہ تیروں سے کمک کو روکا جا سکتا ہے یا نہیں لیکن جہاں سے تیر چلائے جا سکتے تھے، وہاں سے پُل بہت دور تھا۔ سعدؓ بن ابی وقاص نے شہر کے تین اطراف گھوم پھر کر دیکھ لیا۔ شہر پناہ پر اس قدر تیر انداز اور برچھیاں پھینکنے والے فارسی موجود تھے کہ آگے بڑھ کر دیوار کو کہیں سے توڑنا یا دیوار پر کمند پھینک کر چڑھنا ناممکن تھا۔

"میرے عزیز رفیقو!" —— سعدؓ بن ابی وقاص نے اپنے سالاروں اور سرداروں کو بُلا کر کہا —— "تم دیکھ رہے ہو کہ شہر کا دفاع بہت مضبوط ہے اور ہم جانوں کی اتنی قربانی نہیں دے سکتے کہ دروازے توڑنے کے لیے مجاہدین کو آگے بھیجیں۔ محاصرہ لمبا ہو گا جس کا ہمیں صرف یہ فائدہ ملے گا کہ ہمارا لشکر آرام کرے گا اور جو پہلے کے زخمی ہیں وہ ٹھیک ہو کر لڑائی کے لیے تیار ہو جائیں گے لیکن غور کرو کہ ہم ایک بہت بڑے خطرے میں ہیں جو یہ ہے کہ بیشمار فارسی فوجی چھپ گئے ہیں۔ ان کے بڑے جرنیل تو مارے گئے ہیں لیکن چھوٹے افسر ابھی زندہ ہیں۔ کیا تمہیں یاد نہیں کہ اسی علاقے کے لوگوں نے مثنیٰ بن حارثہ کے خلاف بغاوت کر دی تھی۔ یہ لوگ اب بھی وہ حرکت کر سکتے ہیں۔ اب فوجی بھی ان کے ساتھ ہیں۔ مجھے صاف نظر آ رہا ہے کہ یہ لوگ اکٹھے ہو کر ہم پر پیچھے سے حملہ کر سکتے ہیں۔ ادھر اس شہر میں بہت سی فوج موجود ہے۔ اگر ہم پر عقب سے حملہ ہو گیا تو شہر کی فوج بھی باہر آ جائے گی پھر تم سوچ سکتے ہو کہ ہمارا انجام کیا ہو گا۔ کیا تم میری اس کارروائی کو پسند کرو گے کہ دجلہ اور فرات کے درمیانی علاقے کے لوگوں کو، وہ کسان ہیں، فوجی ہیں یا کوئی بھی ہیں، پکڑ کر ایک جگہ اکٹھا کر لیا جائے اور اُن پر پہرہ لگا دیا جائے؟"

"بیشک.... بیشک" —— سعدؓ بن ابی وقاص کی تائید میں کئی آوازیں اٹھیں —— "اور یہ کارروائی فوراً ہونی چاہیے۔"

یہ سعدؓ بن ابی وقاص کی دُور اندیشی تھی۔ فارس کے اس علاقے کے لوگوں کی فطرت میں یہ شامل تھا کہ وہ ذرا سی بھی گرفت ڈھیلی ہونے پر بغاوت کر دیتے تھے۔ مؤرخ لکھتے ہیں کہ سعدؓ بن ابی وقاص کی یہ دُور اندیشی اُن ہی کی عسکری دانشمندی کا کرشمہ تھا۔ اپنے سالاروں کی تائید حاصل کر کے اُنہوں نے ایک دستہ تمام علاقے کے لوگوں کو پکڑ لانے کے لیے بھیج دیا۔

اس کارروائی میں کچھ دن لگ گئے۔ لوگوں کو ایک جگہ اکٹھا کیا جاتا رہا اور اس طرح چند دنوں میں ایک لاکھ افراد جو سب کے سب مرد تھے، اکٹھے کر لیے گئے۔ کسی کے پاس کوئی ہتھیار نہیں تھا۔ انہیں بتایا گیا کہ انہیں کھانے پینے کے لیے ملتا رہے گا اور اس کے سوا کہ انہیں یہیں موجود رہنا پڑے گا، کوئی تکلیف نہیں دی جائے گی۔

دو مؤرخوں نے جن میں محمد حسنین ہیکل بھی شامل ہے، لکھا ہے کہ مسلمانوں نے اپنے اِرد گرد ان ...ؤں سے خندق کھُدوالی تھی تاکہ عقب کے خطرے سے محفوظ ہو جائیں لیکن زیادہ تر مؤرخوں نے ایسی خندق کا ذرا سا بھی ذکر نہیں کیا نہ ہی یہ خندق صحیح معلوم ہوتی ہے۔ سعدؓ بن ابی وقاص ایسے ...ل تھے جو اپنے عقب میں ایسی رکاوٹ کبھی کھڑی نہیں کیا کرتے۔

محاصرہ لمبا ہوتا جا رہا تھا۔ ایک روز ساباط کا ایک رئیس شہرزاد سعدؓ بن ابی وقاص کے پاس آیا۔ "محترم سپہ سالار!" —— شہرزاد نے کہا —— "آپ نے اس علاقے کے تمام آدمیوں کو اپنے ...ی بنا لیا ہے۔ آپ نے یہ نہیں دیکھا کہ یہ سب کسان ہیں۔ ان کا ذریعہ معاش کاشت کاری ہے۔ ...ی گرفتاری کی وجہ سے کھیتی باڑی کا نقصان ہو رہا ہے۔ اگر آپ نے انہیں یہاں بٹھائے رکھا تو ...بتیاں ویران ہو جائیں گی۔ اس کا نقصان لوگوں کو تو ہو گا ہی، خود آپ کو نقصان یہ ہو گا کہ محاصرہ زیادہ ...ا ہو گیا تو آپ کے لشکر کو کھانے کے لیے بھی کچھ نہیں ملے گا۔ یہ سب غریب سے کسان ہیں۔ اگر ...غ زنی اور تیر اندازی کی سُوجھ بوجھ رکھتے تو انہیں فوج میں لے لیا جاتا۔ ان میں آپ کو بہت سے ...لیے بھی ملیں گے جو جنگی گھوڑے کی سواری میں بھی مہارت نہیں رکھتے۔"

"لیکن کون ہے جو ان کی ضمانت دے سکتا ہے؟" —— سعدؓ بن ابی وقاص نے کہا —— "ان ...فوجی بھی ہو سکتے ہیں۔"

"ایک بھی نہیں" —— شہرزاد نے کہا —— "ہم نے کوئی ایک بھی فوجی نہیں دیکھا جو کسی بستی میں آ کر ...چھپا ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بھگوڑے فوجی لوگوں سے ڈرتے ہیں کہ لوگ انہیں طعنے دیں ...ے کہ وہ بزدل ہیں اور بھاگ آئے ہیں.... ان کی ضمانت میں دیتا ہوں اور میں دوسری بستیوں کے ...ں اور جاگیرداروں کو بھی لے آتا ہوں۔ وہ سب ان کی ضمانت دیں گے۔ اگر ان سب نے نہیں، ...ت چند ایک نے بھی گڑبڑ کی تو آپ ہمیں قتل کر دیں۔"

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ سعدؓ بن ابی وقاص روز بروز محاذ کی کارگزاری اور صورتِ حال ...امیر المومنین کے لیے مدینہ بھیجا کرتے تھے۔ انہوں نے شہرزاد سے کہا کہ وہ آج ...سب کو آزاد کر دیں گے تاکہ یہ اپنے کام کاج میں مصروف ہو جائیں اور آج ہی قاصد کو مدینہ ...ے گے۔ اگر امیر المومنین نے یہ حکم بھیج دیا کہ ان لوگوں کو اپنا قیدی بنائے رکھو تو میں انہیں پھر ...نے پر مجبور ہو جاؤں گا۔

تقریباً تمام تاریخ نویسوں نے لکھا ہے کہ ان تمام دیہاتی قیدیوں کو یہ وارننگ دے کر آزاد ...دیا کہ ذرا سا بھی شک ہُوا کہ ان میں سے کچھ لوگ بغاوت پر آمادہ ہیں تو انہیں قتل کر دیا جائے ...ن کے فوراً بعد سعدؓ بن ابی وقاص نے امیر المومنین حضرت عمرؓ کو پیغام بھیجا کہ انہوں نے حتی

خطرے کے پیشِ نظر یہاں کے تمام لوگوں کو گرفتار کر لیا تھا لیکن کھیتی باڑی کا کام رک جانے کی وجہ اور یہاں کے جاگیرداروں اور رئیسوں کی ضمانت پر انہیں رہا کر دیا گیا ہے۔ مجھے اس کارروائی کی توثیق یا تردید درکار ہے۔

قاصد عموماً تیز رفتار گھوڑوں یا اونٹوں پر آیا جایا کرتے تھے۔ کچھ دنوں بعد حضرت عمرؓ کی طرف سے توثیق آ گئی۔ انہوں نے یہ بھی لکھا کہ ان لوگوں کو امان دے دو اور ان میں سے اگر کوئی جزیہ اور خراج دینا چاہے وہ لے لو ورنہ جبر نہ کرنا کیونکہ جو کام محبت کر سکتی ہے وہ جبر نہیں کر سکتا۔

سعدؓ بن ابی وقاص نے وہاں کے مقامی لوگوں میں سے جاسوس اور مخبر تیار کر لیے جو کسانوں اور غریب مسافروں کے روپ میں اس سارے علاقے میں گھومتے پھرتے رہتے، لوگوں سے ملتے ملاتے اور دیکھتے رہتے تھے کہ کسی گوشے میں بغاوت کی چنگاری تو نہیں سلگ رہی۔

محاصرے کا ایک مہینہ پورا ہو گیا۔

مدائن کے محل میں یزدگرد اور پوران کبھی تو مطمئن ہوتے کہ بہرشیر کا محاصرہ ناکام ہو جائے گا اور کبھی مسلمانوں کے نعرے سن کر مایوس ہو جاتے کہ مسلمانوں کا دم خم ٹوٹنے کی بجائے ان میں جوش و خروش پیدا ہوتا چلا جا رہا ہے۔ یزدگرد شاہانہ عیش و عشرت بھول گیا تھا۔ اس نے اپنی ماں سے ملنا ملانا بھی کم کر دیا تھا۔ پوران بھی عیش و عشرت میں کچھ کم نہیں تھی لیکن ان حالات میں جب کہ مسلمان مدائن کی دہلیز پہ پہنچ گئے تھے، پوران پر وطن پرستی غالب آ گئی تھی۔ ان دونوں نے مذہبی پیشواؤں کو بلا کر کئی بار کہا تھا کہ عبادت گاہوں میں ہر وقت عبادت جاری رکھیں۔

ایک روز وہ یہودی راہب جو مسلمانوں کو روکنے کے لیے بڑا سخت جادو تیار کر رہا تھا، یزدگرد کے پاس آیا۔ اُسے دیکھ کر یزدگرد کی آنکھیں چمک اٹھیں جیسے فارس کا نجات دہندہ یہ یہودی راہب ہو۔

"کیا تم نے اپنا کام مکمل کر لیا ہے؟" — یزدگرد نے اُسے دیکھتے ہی بیتابی سے پوچھا۔

"تیاری کا آخری مرحلہ آ گیا ہے شہنشاہ!" — یہودی راہب نے جواب دیا۔

"کیا تمہیں احساس ہے کہ تم کتنے عرصے سے اس کام میں لگے ہوئے ہو؟" — یزدگرد نے غصیلی آواز میں کہا — "عربی لشکر ہمارے سر پہ پہنچ گیا ہے۔"

"مجھے احساس ہے شہنشاہ!" — راہب نے کہا — "میرا جادو عربی لشکر کو یہیں تباہ کرے گا۔ اسے پسپائی کی مہلت ہی نہیں ملے گی۔"

"تو اب کیا لینے آئے ہو؟" — یزدگرد نے کہا — "کیا تم خود نہیں سمجھ سکتے کہ جلدی کیا ہے، مدائن کو نہیں بچا سکتیں؟ کبھی تو مجھے شک ہوتا ہے کہ تم یہودی اپنی فطرت کے عین مطابق مجھے دھوکہ دے رہے ہو جس سے تمہارا مقصد شاید یہ ہے کہ مسلمان مدائن پر قابض ہو جائیں اور تم مدائن کے خزانوں سے اپنا حصہ وصول کرو۔"

"نہیں شہنشاہ!" — بوڑھے راہب نے کہا — "میں تسلیاں دینے نہیں آیا، میں صرف ایک حکم لینے آیا ہوں۔ آخری چیز جو مجھے درکار ہے وہ ایک نوزائیدہ بچہ ہے جس کی عمر تین دن سے زیادہ نہ ہو۔ میں نے شہر میں اپنے مخبر چھوڑے ہوئے تھے۔ ابھی ابھی مجھے ایک مخبر نے اطلاع دی ہے کہ گذشتہ رات ایک عورت نے ایک بچے کو جنم دیا ہے۔ وہ بچہ ہمیں لے دیں، اور دو دنوں بعد آپ میرے جادو کے اثرات دیکھ لیں گے۔"

یزدگرد نے اُسی وقت حکم دیا کہ جو بچہ رات کو پیدا ہُوا ہے وہ اس راہب کو دے دیا جائے۔ اگر بچے کے ماں باپ بچے کی قیمت مانگیں تو اس سے زیادہ قیمت دے کر بچہ لے لیا جائے اور اگر وہ بچہ کسی قیمت پر بھی نہ دینا چاہیں تو بچہ اٹھا لیا جائے اور اس راہب کے سپرد کر دیا جائے۔ یزدگرد نے یہ بھی کہا کہ بچے کے ماں باپ مزاحمت کریں تو انہیں قتل کر دیا جائے۔

حکم ملتے ہی یزدگرد کے محافظ دستے کے چار آدمی اُس گھر جا پہنچے اور بادشاہ کا حکم سنایا۔ ماں نے لپک کر نوزائیدہ بچے کو سینے سے لگا لیا۔ ماں کو بتایا گیا کہ اس بچے کی وہ جتنی بھی قیمت مانگے گی، اُس سے زیادہ قیمت دی جائے گی۔

"نہیں" — ماں نے بچے کو سینے کے ساتھ چپکاتے ہُوئے کہا — "یہ میرا پہلا بچہ ہے۔ آسمان کے ستارے توڑ لاؤ تو بھی میں یہ بچہ نہیں دوں گی۔"

محافظوں نے بچے کے باپ کی طرف دیکھا۔ باپ نے بھی بچہ دینے سے انکار کر دیا اور اُس نے محافظوں کے قدموں میں بیٹھ کر التجا کی کہ وہ ان پر یہ ظلم نہ کریں۔

"ان سے بچہ چھین لو" — محافظوں کے کمانڈر نے حکم دیا۔

سپاہیوں نے بچہ ماں کے سینے سے نوچ لیا۔ ماں نے چند ہی گھنٹے پہلے بچے کو جنم دیا تھا اس لیے وہ ابھی اٹھنے کے قابل نہیں تھی پھر بھی وہ کھڑی ہو گئی تھی لیکن سپاہی کے دھکے سے وہ گری تو اُٹھ نہ سکی۔ اُس کے خاوند نے اُسے اٹھایا۔ اتنی دیر میں محافظ سپاہی بچے کو لے کر جا چکے تھے۔ پیچھے ماں کی چیخیں رہ گئی تھیں۔ وہ دروازے کی طرف دوڑتی تھی، خاوند اُسے پکڑتا اور رو رو کر کہتا تھا کہ یہ بادشاہوں کا حکم ہے جس کی خلاف ورزی کی جرأت کوئی بھی نہیں کر سکتا تھا۔

ماں چیختی چلّاتی رہ گئی اور بچے کو یہودی راہب لے گیا۔

آدھی رات کا وقت ہو گا جب دریا کے کنارے تالابوں والی ویران جگہ پر یہودی راہب نے اس لڑکی کو دوزانو بٹھا رکھا تھا۔ روز مرّہ کی طرح لڑکی چغے میں ملبوس تھی۔ اس سے پہلے وہ لڑکی کو کُٹیا کے اندر بٹھایا کرتا تھا۔ اُس رات اُس نے لڑکی کو کُٹیا سے باہر ایک قدرتی تالاب کے قریب بٹھایا اور نوزائیدہ بچہ اُس کی گود میں دے دیا۔

راہب لڑکی کو اپنے عمل سے ہپناٹائز کر کے اُس سے کچھ پوچھتا تھا اور لڑکی جواب دیتی تھی۔ ان جوابوں کے مطابق راہب کوئی جادو تیار کر رہا تھا۔ اس کا آخری مرحلہ یہ تھا کہ نوزائیدہ بچے کو اس لڑکی کی گود میں ڈالنا تھا جو اُس نے ڈال دیا پھر کُٹیا میں چلا گیا۔ باہر آیا تو اُس کے ہاتھ میں ایک چھُری تھی۔ معلوم نہیں اس چھُری سے اُس نے بچے کو ذبح کرنا تھا یا کہیں سے اُس کا خون نکالنا تھا یا اُس نے لڑکی کی ہی جان لینی تھی۔ چھری دیکھ کر لڑکی کی چیخ نکل گئی۔

"ڈرو مت لڑکی!" ـــــ راہب نے بڑے پیار سے کہا ـــــ "اس چھُری سے مت ڈر۔"

تالاب بالکل قریب تھا۔ یہودی معلوم نہیں کیوں پیچھے ہٹا۔ اچانک اُس کی ایک ٹانگ ایک شکنجے میں آ گئی۔ لڑکی ایک بار پھر چیخی اور اُٹھ کر کُٹیا کی طرف دوڑی۔ پیچھے دیکھا تو اُسے یہودی راہب پانی میں ہاتھ مارتا نظر آیا۔ لڑکی کو صاف نظر آ رہا تھا کہ ایک مگرمچھ نے یہودی کی ٹانگ پکڑ لی تھی اور اُسے گھسیٹ کر تالاب میں لے گیا تھا۔

یہودی کے شور شرابے پر اُس کا جواں سال چیلا کُٹیا سے دوڑتا تالاب کے کنارے تک چلا گیا۔ وہاں ایک نہیں دو مگرمچھ تھے۔ ایک کو تو شکار مل گیا تھا اور دوسرا اُس سے اُس کا شکار چھیننے کی کوشش کر رہا تھا۔ لڑکی نے بچے کو زمین پر رکھا اور اس جواں سال چیلے کی طرف دوڑی اور اُسے پیچھے سے اتنی زور سے دھکا دیا کہ وہ پانی میں جا پڑا۔ دوسرے مگرمچھ نے تیزی سے آ کر اُسے اپنے لمبے اور خوفناک جبڑوں میں جکڑ لیا پھر دیکھتے ہی دیکھتے یہودی راہب اور اُس کا چیلا غائب ہو گئے۔

لڑکی نے نوزائیدہ بچے کو اپنے چغے میں لپیٹا اور وہاں سے دوڑ پڑی۔ شہر کی دیوار دُور نہیں تھی لیکن شہر کے دروازے بند تھے۔ اُس نے باقی رات بند دروازے کے ساتھ بیٹھ کر گزار دی۔

صبح جب یہ دروازہ کھلا تو لڑکی شہر میں داخل ہو گئی اور اپنے گھر جا پہنچی۔ لڑکی کا باپ ڈر گیا کہ یہ شاہی حکم سے لے جائی گئی تھی اور شاید وہاں سے بھاگ آئی ہے اور ابھی سرکاری

ہرکارے آئیں گے اور لڑکی کو گھسیٹ کر لے جائیں گے۔ اُس نے اپنی خیریت اسی میں سمجھی کہ لڑکی کو شاہی محل میں لے جائے۔

وہ اپنی بیٹی اور نوزائیدہ بچے کو ساتھ لے کر شاہی محل جا پہنچا اور دربانوں کو بتایا کہ وہ کیوں آیا ہے۔ یزدگرد کو اطلاع ملی تو اُس نے فوراً بلا لیا۔ اُس کے سامنے جا کر لڑکی نے اُسے بتایا یہودی راہب اور اُس کے چیلے کا کیا انجام ہوا ہے۔

"وہ تمہارے ساتھ کرتا کیا تھا؟" ـــــ یزدگرد نے لڑکی سے پوچھا ـــــ "کیا وہ تم پر کوئی عمل کیا کرتا تھا؟"

"نہیں شہنشاہ!" ـــــ لڑکی نے یہ سوچ کر کہ وہ دونوں یہودی تو مگرمچھوں کے پیٹوں میں چلے گئے ہیں، جھوٹ بولا ـــــ "وہ دونوں میرے ساتھ سوائے بدکاری کے اور کچھ نہیں کرتے تھے۔ میرا خیال ہے کہ اس نوزائیدہ بچے کو وہ صرف اس لیے وہاں لے گئے تھے کہ آپ کو دھوکہ دیا جائے کہ واقعی وہ کوئی جادو تیار کر رہے ہیں۔ ہو سکتا ہے وہ بچے کو پانی میں پھینک دینا چاہتے ہوں لیکن قدرت نے اُلٹا انہیں پانی میں پھینک دیا اور دونوں کو مگرمچھ کھا گئے۔"

اُس وقت پُوران بھی وہاں موجود تھی اور یزدگرد کی ماں بھی وہیں تھی۔

"یہ بچہ تم نے کہاں سے لیا تھا؟" ـــــ یزدگرد کی ماں نے پوچھا اور بڑی بیتابی سے کہنے لگی ـــــ "یہ ظلم نہ کرو۔ کسی ماں کی آہیں نہ لو۔ میں بھی ماں ہوں۔ تم بادشاہ ہو اور جوان بھی ہو لیکن تمہارے متعلق میری جو بیتابی ہے، اُس سے تم بھی تنگ آئے ہوئے ہو لیکن ماں کی مجبوری کو اور ممتا کی تڑپ کو تم نہیں سمجھتے۔"

"یہودیوں کے چکر سے نکلو یزدی!" ـــــ پُوران نے کہا ـــــ "یہ تو میں بھی جانتی ہوں کہ یہودی جادوگری کے ماہر ہیں لیکن میں یہ بھی جانتی ہوں کہ جادو کی تیاری میں اتنا لمبا عرصہ نہیں لگا کرتا۔ یہ جس ماں کا ہے اُس کو واپس کر دو۔ ممتا کی آہوں سے ڈرو اور اُس حقیقت کو دیکھو جو کالی گھٹا بن کر بجلیاں لیے ہوئے ہمارے سروں پر گہری ہی ہوتی چلی جا رہی ہے۔ اپنے آپ کو دھوکے اور فریب میں نہ رکھو۔ جہاں تلوار اور تیر چلا کرتے ہیں وہاں جادو نہیں چلتے۔ کیا تم عربوں کی تیغ زنی سے واقف نہیں؟"

یزدگرد نے اُسی وقت محافظ دستے کے کمانڈر کو بلایا اور اُسے حکم دیا کہ یہ بچہ جس سے چھینا گیا تھا اُسی کی گود میں ڈال دیا جائے۔ کمانڈر نے بچہ لڑکی سے لے لیا۔ بچہ بھوک سے بلبلا رہا تھا۔ یزدگرد نے لڑکی کو اُس کے باپ کے حوالے کر کے کہا کہ اسے اپنے ساتھ لے جاؤ۔

اُس ماں کے گھر کا دروازہ کھٹکا جو اپنے پہلے نوزائیدہ بچے کی جُدائی میں چیخ اور چلّا رہی تھی اور اُس کا خاوند اُسے بہلانے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔ دروازہ کھولا تو وہی کمانڈر جو ماں کے سینے سے بچے کو نوچ کر لے گیا تھا، اندر آیا۔ ماں نے اُس کے ہاتھوں میں اپنا بچہ دیکھا تو دوڑ کر بچے پر جھپٹی اور بچہ اُس کے ہاتھوں سے لے کر اپنے سینے سے لگا لیا۔

"شہنشاہ نے بچہ واپس دے دیا ہے" ــــ کمانڈر نے کہا اور باہر نکل گیا۔

"ماؤں کی چھاتیوں سے بچے نوچنے والے بادشاہ کی بادشاہی زیادہ دن نہیں رہے گی" ــــ یہ ایک آہ تھی یا ایک فریاد تھی جو اس عورت کے منہ سے نکلی۔

"یہاں جتنے یہودی ہیں انہیں قید خانے میں پھینک دیا جائے" ــــ یزدگرد نے حکم دیا۔

مدائن میں چند ایک ہی یہودی تھے جو تین چار مکانوں میں رہتے تھے۔ ایک کشادہ مکان کے ایک حصے میں انہوں نے عبادت گاہ بنا رکھی تھی۔ گذشتہ رات وہ سب اکٹھے بیٹھے اُس بوڑھے یہودی کے متعلق باتیں کر رہے تھے جو لڑکی اور نوزائیدہ بچے کو دریا کے کنارے لے گیا تھا۔ اس بوڑھے کا نام شمعون جبریل اور اُس کے ساتھی کا نام الیؔاز میر تھا۔ اس محفل میں سب سے زیادہ عمر والا ایک یہودی راہب تھا۔

"... لیکن شمعون مجھے کامیاب ہوتا نظر نہیں آرہا" ــــ یہودی راہب کہہ رہا تھا ــــ "آخر میں بھی کچھ جانتا ہوں۔ میں نے خبردار کر دیا تھا کہ تم جو عمل کر رہے ہو، اس میں خطرہ یہ ہے کہ اُلٹ بھی جایا کرتا ہے۔ تم ایک کنواری لڑکی اور ایک نوزائیدہ بچے کی جان لے رہے ہو۔ اگر تمہاری اپنی جان چلی گئی تو میں حیران نہیں ہوں گا ... وہ میری بات سن کر اس طرح ہنس پڑا تھا جیسے میں کم عقل اور نادان ہوں یا بچہ ہوں۔"

"ربی شمعون کے ساتھ میری بھی بات ہوئی تھی" ــــ ایک اور یہودی بولا ــــ "اُس نے کہا تھا کہ ہمارے پیغمبر موسیٰؑ نے دریائے نیل کا پانی روک دیا اور اپنے قبیلے کو اس سے گزار لائے تھے۔ فرعون کا لشکر جو اُن کے تعاقب میں آرہا تھا، نیل میں ڈوب گیا تھا۔ میں نے اپنے عمل کے لیے دجلہ کے کنارے کا انتخاب کیا ہے۔ یزدگرد کی فوج کشتیوں اور پُل کے ذریعے مدائن میں آجائے گی اور مسلمان ان کے تعاقب میں دجلہ پار کرنے لگیں گے تو ان کا سارا لشکر ڈوب جائے گا۔ ان میں سے کوئی ایک بھی نہیں بچے گا۔"

"اگر یہ بات وہ مجھ سے کرتا تو میں اُسے سمجھاتا" ــــ راہب نے کہا ــــ "وہ خدا کا حکم تھا کہ موسیٰؑ نکل جائے اور فرعون اور اس کا لشکر ڈوب جائے ... یہاں کون موسیٰؑ ہے؟ فرعون کون ہے؟ ہم اگر مسلمانوں کے دشمن ہیں تو مسلمان فرعون تو نہیں ہو جاتے۔ فرعونوں والے اوصاف تو ان آتش پرستوں میں ہیں۔ ان کے بادشاہوں کا حکم ہے کہ جو کوئی دربار میں آئے، پہلے سجدہ کرے۔ مسلمان خدا کے سوا کسی کے آگے سجدہ نہیں کرتے نہ ہی یہ بادشاہت کو مانتے ہیں ... ہم مسلمانوں کو تباہ و برباد کر کے اسلام کو ختم کرنا چاہتے ہیں

لیکن ہمارے چاہنے سے وہ قوّت کمزور تو نہیں ہو جاتی جو مسلمانوں کو فتح پہ فتح دیتی چلی آرہی ہے"۔

"یہ قوّت کیا ہے؟" — ایک یہودی نے پوچھا — "معلوم ہو جاتے تو ہم اسے کمزور کر سکتے ہیں"۔

"یہ عقیدے کی قوّت ہے" — معمّر ربّی نے کہا — "اور یہ یقین کی قوّت ہے.... خدا پہ یقین، اپنی ذات پر یقین.... اپنی ذات پر صرف اُس شخص کو یقین ہوتا ہے جس کا کردار سحر کے ستارے کی طرح روشن اور شفاف ہوتا ہے۔ اس یقین اور اس کردار کو مسلمان ایمان کہتے ہیں۔ ہمارے پاس جو لڑکیاں ہیں، ان کے حُسن اور ان کے انداز میں طلسماتی اثر ہے ہماری ہر لڑکی بادشاہی کا تخت اُلٹ سکتی ہے مگر یہی لڑکی معمولی سے ایک مسلمان کا دل نہیں موہ سکتی کیونکہ مسلمانوں پہ کوئی اور ہی طلسم طاری ہے"۔

"کیا بات ہے ربّی!" — ایک یہودی نے کہا — "کیا آپ مسلمانوں کی حمایت میں نہیں بول رہے؟"

"مسلمانوں کے حق میں نہیں" — ربّی نے کہا — "میں ایک حقیقت بیان کر رہا ہوں..... اور میرے دوستو! میں کچھ اور بھی محسوس کر رہا ہوں.... مسلمان جسمانی طاقت کے زور پر یہاں تک نہیں پہنچے۔ سوچو۔ غور کرو۔ ہم اسلام کو نہیں مانتے۔ پھر ہمیں ماننا پڑے گا کہ مسلمانوں کے پاس بھی جادو ہے اور وہ ہمارے جادو سے زیادہ طاقتور اور تیز ہے۔ ہم نے کیا کیا جتن نہیں کیے، مسلمانوں کی پیشقدمی کو ہم نہیں روک سکے۔ شاید روک بھی نہیں سکیں گے۔ ربّی شمعون نے میری بات نہیں مانی۔ مجھے خطرہ نظر آرہا ہے"۔

"کیا آپ یزدگرد اور اس کی فوج سے مایوس ہو چکے ہیں؟"

"کیا تم دیکھ نہیں رہے؟" — راہب نے کہا — "ہمیں یزدگرد کے ساتھ کوئی دلچسپی نہیں۔ ہمارا مقصد مسلمانوں کو شکست دلانا ہے۔ میں کہہ رہا ہوں کہ شمعون نے بڑا ہی خطرناک راستہ اختیار کیا ہے"۔

"کیا آپ انہیں روک نہیں سکتے؟"

"روک سکتا ہوں" — بوڑھے راہب نے جواب دیا — "لیکن وہ اپنا عمل مکمل کرنے پر مجبور ہو گیا ہے۔ اُس نے شاہِ فارس یزدگرد کو یقین دلایا ہے کہ وہ جو جادو تیار کر رہا ہے یہ مسلمانوں کو تباہ کر دے گا۔ یزدگرد بے صبری سے انتظار کر رہا ہے۔ اگر جادو نے کام نہ کیا تو یزدگرد شمعون کو زندہ نہیں چھوڑے گا"۔

اچانک سب یک زبان ہو گئے اور اس بوڑھے راہب سے کہا کہ ربّی شمعون کوئی اناڑی نہیں اور اُس نے خطرہ مول لیا ہے تو سوچ سمجھ کر لیا ہے۔

ان یہودیوں کی محفل ابھی برخاست نہیں ہُوئی تھی کہ دجلہ کے کنارے دلدلی علاقے میں شمعون جبرل اور اُس کا ساتھی الیواز میر مگرمچھوں کے پیٹوں میں جا چکے تھے۔ اُس نے جو خطرہ سوچ سمجھ کر مول لیا تھا وہ اپنا کام کر گیا تھا۔

دوسرے دن ان یہودیوں کے گھروں کے دروازوں پر بیک وقت دستک ہُوئی۔ دروازے کھلے تو شاہی محافظ اندر چلے گئے۔ انہوں نے ہر گھر کے ہر فرد کو پکڑ لیا اور باہر لے آئے۔ ان میں بڑی عمر کی عورتیں صرف دو ہی تھیں اور دو جواں سال لڑکیاں تھیں جن کا حُسن بےمثال تھا۔ ان تمام یہودیوں کو قید خانے کی طرف لے گئے۔

"ہمارا جُرم کیا ہے؟" — راستے میں یہودی محافظوں سے پوچھتے تھے۔

اس سوال کے جواب میں انہیں دھکیلتے ہُوئے لے جایا جا رہا تھا۔

"ٹھہر جاؤ" — محافظوں کے کمانڈر نے رُکتے ہُوئے کہا — "ہم لوگ شہنشاہِ فارس کے کام کی چیزیں بھی قید خانے میں لے جا رہے ہیں.... ان دونوں لڑکیوں کو محل میں بھیج دو۔ اگر شہنشاہ حکم دیں کہ انہیں قید خانے میں ڈال دو تو پھر انہیں اِدھر لے آنا"۔

کمانڈر نے دو محافظوں سے کہا کہ وہ ان دونوں لڑکیوں کو محل میں لے جائیں اور شہنشاہ سے پوچھیں کہ ان کے متعلق کیا حکم ہے۔

محافظوں نے لڑکیوں کو الگ کیا تو اُنہوں نے کوئی نمایاں طور پر مزاحمت نہ کی، البتّہ ...نی زبان میں اپنے آدمیوں کے ساتھ کوئی بات کی۔ ان آدمیوں میں جو سب سے زیادہ بوڑھا تھا ...نے لڑکیوں سے کچھ کہا۔ کمانڈر نے انہیں ڈانٹ کر کہا کہ وہ ان آدمیوں سے الگ ہو جائیں۔

یزدگرد بڑی ہی بےچینی اور اضطراب میں اپنے کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ اُس کی ماں ...پوران اس کمرے میں موجود تھیں۔

"ان یہودیوں کو قید خانے میں بند کر دو گے تو کیا حاصل ہو گا؟" — پوران نے کہا۔

"یہ یہودی فریب کار اور عیار ہیں" — یزدگرد نے رُک کر اور فرش پر زور سے پاؤں ...کر کہا — "اس بوڑھے نے ہمیں دھوکا دیا ہے۔ میں انہیں قید خانے میں بھوکا اور پیاسا ...مار دوں گا"۔

"ایک بات کہوں یزدی!" —— پُوران نے کہا —— "یہ دھوکہ اس بُوڑھے یہودی نے ہمیں نہیں دیا۔ یہ ہمارا اپنا قصور ہے کہ ہم اپنے آپ کو خود ہی دھوکہ دے رہے ہیں۔ تم اپنے آپ کو دھوکہ دے کر مطمئن ہو سکتے ہو لیکن یزدی! حقیقت کو تم اپنی خواہشات اور اپنے خیالوں کے سانچے میں نہیں ڈھال سکتے.... ہوش میں آؤ یزدی! حقیقت کا سامنا کرو۔ مسلمان بہرشیر تک پہنچ چکے ہیں اور انہوں نے اس شہر کا محاصرہ کر لیا ہے۔ اگر ہم یہ شہر دے بیٹھے تو سمجھو مدائن بھی گیا اور پھر سب کچھ گیا۔"

"اب میری بات سن یزدی بیٹا!" —— یزدگرد کی ماں نورین نے کہا —— "میں اب تک ایک ماں بنی رہی ہوں اور مجھے یہی غم کھاتا رہا کہ میرا بیٹا میری آغوش سے چھن کر موت کی آغوش میں نہ چلا جائے لیکن اب جب کہ مسلمان مدائن کے دروازے پر آ پہنچے ہیں، مجھ میں یہ جذبہ بیدار ہو گیا ہے کہ تجھ جیسے ایک سو بیٹے ہوتے تو میں ان سب کو فارس کی عزت اور عظمت پر قربان کر دیتی.... دل کو مضبوط کر میرے بیٹے! یہ تیرے باپ کی سلطنت ہے اور تُو ہی اس کا رکھوالا ہے۔ یہ میرے خاوند کی سلطنت ہے۔ اس کی آن پر میں بھی لڑوں گی.... اور اس جادو کے دھوکے سے نکل۔"

"یہ ایک انسانی کمزوری ہے یزدی!" —— پُوران نے کہا —— "حالات بعض اوقات ایسی کروٹ بدل لیتے ہیں کہ انسان بے بس ہو جاتا ہے اور وہ گھبرا کر جادو اور اس قسم کے ٹوٹکوں کا سہارا لینے لگتا ہے۔ میں تسلیم کرتی ہوں کہ ہم لوگ علمِ نجوم اور جوتش وغیرہ کے زیادہ ہی قائل ہیں۔ رستم نے ہمارے اس عقیدے کو کچھ زیادہ ہی پختہ کر دیا تھا۔ وہ خود زائچے بناتا رہتا تھا۔ سب سے پہلے اُس نے کہا تھا کہ ستاروں کی گردش سلطنتِ فارس کے خلاف جا رہی ہے اور ستارے سلطنتِ فارس کے زوال کی خبر دیتے ہیں۔ اُس نے حماقت یہ کی کہ اُس کی یہ پیشگوئی ساری فوج میں پھیل گئی جس سے فوج میں بددلی پیدا ہوئی۔ اب تم نے پھر یہودیوں کے جادو کا سہارا لیا ہے اور تم نے دیکھ لیا ہے کہ اُس جادو نے جادوگر کی ہی جان لے لی۔"

"مجھے کچھ بتاؤ" —— یزدگرد نے ہارے ہوئے سے لہجے میں کہا —— "کچھ سمجھ نہیں آتا کیا کروں۔ فوج بکھر گئی ہے۔"

"بہرشیر کو مضبوط کرو" —— یزدگرد کی ماں نے کہا —— "وہ تو ہم پہلے ہی کر رہے ہیں۔ میرا مطلب ہے کہ اس شہر کو اتنا زیادہ مضبوط کر دو کہ مسلمان اس کو محاصرے میں ہی لیے بیٹھے رہیں اور پھر تنگ آ کر چلے جائیں۔"

"اُن پر عقب سے حملہ کروایا جا سکتا ہے" —— پُوران نے کہا۔

"حملہ کون کرے گا؟" —— یزدگرد نے پوچھا اور خود ہی جواب دیا —— "باہر ہماری فوج موجود ہے لیکن وہ فوج نہیں، وہ بکھرے ہوئے، ڈرے ہوئے اور پناہیں ڈھونڈتے ہوئے فوجی ہیں۔ ان کے ساتھ کوئی جرنیل نہیں۔"

"کیا ہم لوگوں کو اکٹھا نہیں کر سکتے؟" —— یزدگرد کی ماں نے پوچھا۔

"نہیں ماں نہیں" —— یزدگرد نے جھنجھلا کر کہا —— "مجھے جاسوس باہر کے حالات بتا گئے ہیں۔ مسلمانوں نے اس علاقے کے تمام لوگوں کو پکڑ کر اپنی حراست میں رکھ لیا تھا۔ ہمارے ساتھ سب سے بڑا دھوکہ یہ ہوا کہ اس علاقے کے تمام امیر اور جاگیردار مسلمانوں سے مل گئے ہیں۔ انہوں نے اپنے علاقے کے لوگوں کو مسلمانوں کی حراست سے رہا کرا لیا ہے اور نہ صرف یہ کہ مسلمانوں کی اطاعت قبول کر لی ہے بلکہ انہیں ہر طرح کی مدد اور امداد دے رہے ہیں۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ ہمارے ان اُمراء نے مسلمانوں کی پیشقدمی کو اس طرح آسان بنا دیا ہے کہ اُن کے راستوں میں جو کھڈ اور ندی نالے آتے تھے اُن پر پل بنا دیئے۔ ان لوگوں کو جاگیریں میرے آباؤ اجداد نے دی تھیں۔ آج انہی جاگیروں سے مسلمانوں کے ہاتھ مضبوط کیے جا رہے ہیں۔ اگر شہرزاد اور بسطام میرے ہاتھ چڑھ گئے تو میں انہیں زمین میں آدھا گاڑ کر ان پر خونخوار کتے چھوڑ دوں گا۔"

"وہ بہت بعد کی بات ہے بیٹا!" —— نورین نے کہا —— "اس وقت مدائن کو بچانے کی بات کرو۔"

"حقیقت کی بات کرو یزدی!" —— پُوران نے کہا —— "حالات کو دیکھو.... یہ تم نے اچھا کیا ہے کہ بہرشیر کے ساحل سے تمام کشتیاں مدائن کے ساحل پر لے آنے کا حکم دے دیا تھا۔ صرف ایک پل ہے۔ یہ پل مسلمانوں کے کام نہیں آ سکتا کیونکہ یہ مدائن کے وسط سے بہرشیر کے وسط تک جاتا ہے۔ اس پل سے مسلمان صرف اس صورت میں گزر سکتے ہیں کہ وہ بہرشیر پر قبضہ کر لیں۔ بہرشیر میں مزید فوج بھیج دیتے ہیں۔"

"تیر اور پھینکنے والی برچھیاں زیادہ بھیجو" —— نورین نے کہا —— "اتنی زیادہ کہ مسلمان شہر کی دیوار کے قریب آئیں تو اُن پر تیروں اور برچھیوں کا مینہ برس پڑے۔"

"میں نے سنا ہے کہ مسلمانوں کے پاس منجنیقیں بھی ہیں" —— یزدگرد نے کہا —— "یہ ایسا ہتھیار ہے جو ہمارے پاس نہیں ہے نہ اس کا ہمارے پاس کوئی توڑ ہے۔"

"ایک بات کہوں یزدی!" —— پوران نے کہا —— "مسلمانوں کے پاس ایک اور ہتھیار بھی ہے جو ہمارے پاس نہیں۔"

"وہ کون سا؟"

"جذبہ" ــــ پوران نے کہا ــــ "ہم مسلمانوں کو ڈاکو، قزاق، راہزن اور جانے کیا کیا کہتے ہیں لیکن ان میں لڑنے کا جذبہ اور فتح حاصل کرنے کا جو عزم ہے، وہ اتنا مضبوط ہے کہ اسے ہمارے ہاتھی بھی نہیں توڑ سکے۔ ہماری فوج اس جذبے اور اس عزم سے محروم ہے۔ مجھے معلوم ہُوا ہے کہ مسلمان اس لڑائی کو عبادت سمجھتے ہیں.... لیکن اب وقت نہیں کہ ہم فوج میں یہ جذبہ پیدا کریں۔"

"آہ!" ــــ یزدگرد نے منہ چھت کی طرف کر کے آہ بھری اور کہا ــــ "میں آج اپنے آباؤ اجداد کو کوستا ہوں کہ انہوں نے فوج میں جذبہ پیدا کرنے کی بجائے لالچ پیدا کیا۔ وفاداریوں کی قیمت ادا کی۔ جاگیریں تقسیم کیں۔ پھر فوج میں یہ صورتِ حال پیدا کر دی کہ جو بہادری سے لڑے گا اُسے انعام ملے گا۔ ہمارے آباؤ اجداد نے درباری اور خوشامدی پیدا کیے اور درہم و دینار کی اور زر و جواہرات کی تھیلیاں تقسیم کیں۔ اس کا نتیجہ دیکھ لو کہ چند ہزار مسلمانوں نے ہماری ایک لاکھ بیس ہزار نفری کی فوج کو اس طرح خون میں نہلا دیا اور اس طرح بکھیر دیا جس طرح آندھی خس و خاشاک کو اڑا کر کہیں سے کہیں پہنچا دیتی ہے۔ ہمارے اپنے درباری اور خوشامدی جرنیلوں اور اُمرا نے اور جاگیرداروں نے دیکھا کہ عجم کا پرچم گر رہا ہے تو وہ سب عرب کے پرچم تلے جمع ہو گئے اور ان کے سپہ سالاروں کے آگے سجدے کر رہے ہیں.... میں تنہا رہ گیا ہوں۔ بے بس اور مجبور ہو گیا ہوں۔ سوچتا ہوں کہ میں اس طوفان کو روک بھی سکوں گا یا نہیں۔"

"ہاں یزدی!" ــــ پوران نے کہا ــــ "ہم اس طوفان کو روک لیں گے۔ اپنے آپ کو تنہا نہ سمجھو۔ بہرشیر کو مضبوط کرو۔"

دربان نے اندر آ کر اطلاع دی کہ باہر ایک محافظ دو لڑکیوں کو اپنے ساتھ لایا ہے اور وہ کہتا ہے کہ یہ یہودیوں کی لڑکیاں ہیں۔

"اُدھر بٹھاؤ" ــــ یزدگرد نے کہا ــــ "میں آتا ہوں۔"

وہ یزدگرد کا خاص کمرہ تھا۔ یہودیوں کی دونوں لڑکیاں اس کمرے میں بیٹھی ہُوئی آپس میں باتیں کر رہی تھیں۔ انہیں یہ تو معلوم تھا کہ اُن کے ساتھ کیا سلوک ہو گا۔ اُنہوں نے طے کر لیا تھا کہ وہ یزدگرد کے ساتھ کیا باتیں کریں گی۔

"ہم نے اس بادشاہ سے انتقام لینا ہے" ــــ ایک لڑکی نے دوسری سے کہا ــــ "اس نے ہمارے مذہبی پیشواؤں کی توہین کی ہے اور ہمارے بزرگوں کو اور سب لوگوں کو قید

میں ڈال دیا ہے۔"

"لیکن کس جرم میں!" ــــ دوسری لڑکی نے کہا ــــ "ربّی شمعون اور الیواز میر تو ان کے لیے کوئی عمل کر رہے تھے۔"

"معلوم ہو جائے گا" ــــ پہلی لڑکی نے کہا۔

اتنے میں یزدگرد کمرے میں داخل ہُوا۔ دونوں لڑکیاں اٹھیں اور فرش پر گھٹنے ٹیک کر جھک گئیں۔

"اٹھو" ــــ یزدگرد نے کہا ــــ "اوپر ہو کر بیٹھ جاؤ.... تم دونوں یہودی نسل کے ہیرے ہو۔ میں تمہارے حسن کی تعریف کیے بغیر نہیں رہ سکتا لیکن تمہارے مذہبی پیشواؤں نے مجھے جو دھوکہ دیا ہے۔ اس نے میرے دل میں یہودیوں کے خلاف نفرت پیدا کر دی ہے۔"

"ہم خوش نصیب ہیں کہ آپ کے دربار تک ہمیں رسائی ملی ہے" ــــ ایک لڑکی نے زیرِ لب تبسّم سے کہا ــــ "ہم نہیں جانتیں کہ ہمارے مذہبی پیشواؤں نے آپ کو کیا دھوکہ دیا ہے۔ ہم مجبور لڑکیاں ہیں، ہم آپ کو کیا دھوکہ دے سکتی ہیں!"

"ہمیں دھوکہ دینے والوں نے سزا پا لی ہے" ــــ یزدگرد نے کہا ــــ "تمہارے سب سے بڑے راہب شمعون اور اُس کے ساتھی کو مگرمچھوں نے کھا لیا ہے۔ شمعون نے ہمیں یقین دلایا تھا کہ وہ ایسا جادو تیار کرے گا جو مسلمانوں کو تباہ و برباد کر دے گا اور فارس کے جو علاقے انہوں نے فتح کر لیے ہیں وہ ہمیں واپس مل جائیں گے لیکن ہمیں پتہ چلا کہ وہ ایک نوجوان لڑکی کو ساتھ رکھ کر بدکاری کرتے رہے اور کوئی جادو وغیرہ تیار نہیں کیا۔ مسلمانوں کو تباہ کرنے والے خود ہی مگرمچھوں کی خوراک بن گئے اور وہ لڑکی ایک ماہ کے نوزائیدہ بچے کو اٹھائے ہُوئے ہمارے پاس آ گئی اور اُس نے بتایا کہ شمعون اُس کے ساتھ کیسا سلوک کرتا رہا تھا۔"

"لیکن شہنشاہ!" ــــ لڑکی نے کہا ــــ "آپ نے اس کی سزا ان سب کو کیوں دی ہے جو ربّی شمعون کو روکتے تھے کہ وہ اس کام میں ہاتھ نہ ڈالے کیونکہ سوائے نقصان کے کچھ حاصل نہ ہو گا۔"

"تو اس کا مطلب یہ ہُوا" ــــ یزدگرد نے کہا ــــ "کہ تم جانتی ہو کہ شمعون جادو کر رہا تھا۔"

"ہاں شہنشاہ!" ــــ دوسری لڑکی بولی ــــ "ہم سب کچھ جانتی ہیں لیکن ہم بات کرنے سے ڈرتی ہیں۔ آپ ناراض ہو جائیں گے۔"

"ہم سننا چاہتے ہیں" ــــ یزدگرد نے کہا۔

"پھر یہ بات ہم سے سُنیں" —— ان دونوں میں سے ایک لڑکی نے کہا —— "آپ کے حکم سے جن یہودیوں کو قید خانے میں بند کر دیا گیا ہے، ان میں سے تین چار ہی ہیں جنہیں معلوم تھا کہ ربی شمعون مسلمانوں کی تباہی کا کوئی بندوبست کر رہا ہے۔ ہمارے دو راہب اُسے روکتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ جادو اتنا خطرناک ہے کہ یہ صحیح ہدف پہ نہ گرا تو جادو کرنے والے کو ہی تباہ کر دے گا لیکن ربی شمعون پورے وثوق سے کہتا تھا کہ اس کا جادو ناکام نہیں ہوگا۔ اب آپ سے پتہ چلا ہے کہ ربی شمعون اور اس کے ساتھی الیُوازمیر کو مگرمچھوں نے کھا لیا اور جس لڑکی کو اس جادو میں استعمال کیا جا رہا تھا، وہ آپ کے پاس پہنچ گئی ہے تو ہمارے دوسرے بزرگوں کا یہ کہنا ٹھیک ثابت ہُوا کہ یہ جادو جادو چلانے والوں کو ہی ختم کر سکتا ہے۔"

"اب ہمیں ایک اور خطرہ نظر آ رہا ہے" —— دوسری لڑکی بولی —— "وہ یہ کہ اس جادو کا اثر آپ کی سلطنت پہ بھی بہت بُرا ہوگا۔ ہم نے اپنے راہب سے جو باتیں سُنی ہیں، ان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مدائن اور بہرشیر میں بہت قتل و غارت ہو گی اور اس کے بعد یہ دونوں شہر آپ کے ہاتھ سے نکل جائیں گے۔"

ان دونوں لڑکیوں کے بولنے کا انداز اتنا پُراثر تھا کہ یزدگرد پر گھبراہٹ سی طاری ہو گئی اور وہ خوفزدگی کے عالم میں ان لڑکیوں کو دیکھنے کے سوا کچھ بھی نہ بولا۔ لڑکیاں یہی تاثر پیدا کرنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

"آپ زندہ رہ سکتے ہیں" —— ایک لڑکی نے کہا —— "شہر کو بچانے کی کوشش کریں لیکن جوں ہی دیکھیں کہ یہ ممکن نہیں تو اپنے پورے خاندان کو ساتھ لے کر مدائن سے نکل جائیں اور کہیں پناہ لے کر اپنی فوج تیار کریں پھر جوابی حملہ کریں پھر آپ کو فتح حاصل ہو گی۔"

"آپ ان بے گناہوں کو چھوڑ دیں شہنشاہ!" —— دوسری لڑکی نے کہا —— "کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کی بددعائیں آپ کو وہ نقصان پہنچا دیں جس سے آپ بچنے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

یزدگرد نوجوان تھا اور وہ شہنشاہ بھی تھا اور وہ پریشان حال بھی تھا۔ اُس کے اعصاب پہ اتنا زیادہ بوجھ تھا کہ اُسے کسی پل چین نہ آتا تھا۔ ان لڑکیوں کے حُسن اور ناز و انداز نے اُس پہ ایسا نشہ طاری کر دیا کہ اُس کا ذہن فرار کے راستے پر آ گیا۔ رات بھر دونوں لڑکیاں اُس کے ساتھ رہیں صبح ہوئی تو اُس نے پہلا حکم یہ دیا کہ تمام یہودیوں کو رہا کر کے ان کے گھروں کو بھیج دیا جائے۔

ان لڑکیوں نے اُس پر دوسرا اثر یہ چھوڑا کہ اُس نے اپنی ماں اور پوران کو اپنا یہ فیصلہ سنایا کہ وہ بہرشیر کو بچانے کی کوشش کرے گا اور یہ ممکن نہ ہو سکا تو وہ مدائن سے اپنے تمام خاندان

کو ساتھ لے کر نکل جائے گا۔ مدائن کے آگے سلطنتِ فارس کے کچھ اور شہر اور قصبے ابھی فارس کی سلطنت میں ہی تھے۔ یزدگرد ان میں سے کسی ایک میں جا سکتا تھا۔

سعدؓ بن ابی وقاص بہرشیر کو محاصرے میں لیے ہُوئے تھے لیکن جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ یہ محاصرہ مکمل نہیں تھا کیونکہ ایک طرف دجلہ بہ رہا تھا اور اُس طرف شہر کی چوڑائی خاصی زیادہ تھی۔ شہر کی دیوار پر تیرانداز اور برچھیاں پھینکنے والے اس طرح کھڑے تھے جیسے دیوار کے اوپر ایک انسانی دیوار کھڑی ہو۔ مسلمان قریب جانے کی جرأت نہیں کرتے تھے۔ سعدؓ امیرالمومنین حضرت عمرؓ کو روز بروز محاذ کی خبریں پہنچا رہے تھے۔ انہوں نے بہرشیر کو جب محاصرے میں لیا تھا تو اسی روز امیرالمومنین کو پیغام بھیج دیا تھا۔ جس وقت مدائن میں جادو کے ذریعے مسلمانوں کی تباہی کی کوششیں ہو رہی تھیں اس وقت مدینہ سے امیرالمومنین کا پیغام آیا تھا جس میں لکھا تھا:

"....اور تم نے دیکھ لیا ہے کہ اللہ کی راہ میں خون کے نذرانے دینے والوں کو اللہ مایوس نہیں کرتا۔ مدینہ میں اور عرب میں وہ کون سا مسلمان ہوگا جو تمہاری فتح و کامرانی کے لیے دعا نہیں کرتا ہوگا۔ تمہارا اتنی خطرناک بیماری سے اٹھنا اور اٹھ کر لڑنا اور اتنی دُور تک پہنچ جانا اس حقیقت کی دلیل ہے کہ جو اللہ کے ساتھ اپنا وعدہ نبھاتا ہے اُس کے لیے اللہ بھی اپنا وعدہ پورا کرتا ہے۔ کون نہیں جانتا کہ تمہارے اور باقی سب مجاہدین کے جسموں کا کیا حال ہو چکا ہو گا لیکن رُوح کی طاقت اتنی بڑی طاقت ہے کہ وہ مُردہ جسم کو بھی اٹھا دیا کرتی ہے.... تم فارس کے دروازے پر پہنچ گئے ہو۔ آتش پرست تمہیں آسانی سے اس دروازے میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ اب تمہیں عقل سے زیادہ کام لینا ہوگا۔ تم اُس مقام پہ پہنچ گئے ہو جہاں اپنی قوت کا آخری ذرّہ بھی استعمال کرنا پڑتا ہے۔ اس جنگ میں تمہارا یہ پہلا محاصرہ ہے۔ اب تم منجنیقیں استعمال کرو۔ شہر پر اتنے پتھر برساؤ کہ شہر پتھروں میں دب جائے۔ ہو سکتا ہے دشمن باہر آ کر تم پہ حملہ کرے۔ اس صورت میں اپنے عقب کا خیال رکھنا۔ جن لوگوں کو تم نے رہا کیا تھا، وہ تمہارے لیے خطرہ بھی پیدا کر سکتے ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی تمہیں دھوکہ دے تو اُسے جینے کے حق سے محروم کر دینا.... تم نے عورتوں اور بچّوں کو بہت دور پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ انہیں اتنی دور نہ رکھو۔ انہیں اپنے قریب لے جاؤ۔"

محاصرے میں ڈیڑھ دو مہینے گزر چکے تھے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ شہر کا دفاع بہت

مضبوط تھا اور دیوار میں شگاف ڈالنے کے لیے دیوار کے قریب جانا خودکشی کے برابر تھا۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ سعدؓ بن ابی وقاص اتنا وقت حاصل کرنا چاہتے تھے کہ زخمی مجاہدین صحت یاب ہو جائیں۔ ان ڈیڑھ دو مہینوں میں بیشتر زخمی لڑنے کے قابل ہو گئے تھے۔ امیرالمومنین کا پیغام ملتے ہی سعدؓ بن ابی وقاص نے اپنے لشکر کو حکم دیا کہ منجنیقوں کے لیے پتھر اکٹھے کر لیے جائیں۔ تقریباً آدھا لشکر محاصرے میں رہا اور باقی آدھا پتھر اکٹھے کرنے کے لیے بکھر گیا۔

قریبی بستیوں میں رہنے والے لوگوں نے جب دیکھا کہ مجاہدین پتھر اکٹھے کر رہے ہیں تو وہ سب باہر آ گئے اور پتھر اکٹھے کرنے کے لیے اِدھر اُدھر بکھر گئے۔ وہ بیل گاڑیاں اور گھوڑا گاڑیاں بھی لے آئے تھے۔ ایک ہی دن میں انہوں نے پتھروں کے انبار اکٹھے کر لیے۔

اُدھر مدائن سے بُہرشیر کو ہر طرح کی مدد مل رہی تھی۔ پوران بُہرشیر جا کر وہاں کے لوگوں کو جوشیلی تقریروں سے بھڑکاتی اور اکساتی رہتی تھی۔

شہر کے لوگوں نے جب دیکھا کہ فوج اُن کے ساتھ ہے اور فوج کا جذبہ بھی عروج پر ہے اور مدائن سے ضرورت کی ہر چیز آ رہی ہے تو لوگوں کا جذبہ بھی بڑھ گیا اور وہ جوش و غروش سے اپنی فوج کے دوش بدوش شہر کے دفاع میں سینہ سپر ہو گئے۔

ایک دو دنوں بعد اچانک شہر پر پتھر گرنے لگے۔ چونکہ دیوار پر تیر انداز اور برچھیاں پھینکنے والے کھڑے تھے اور انہیں توقع نہیں تھی کہ پتھر آئیں گے، اس لیے پہلے پتھر ان فوجیوں میں سے کسی ایک کو لگے۔ ان میں سے بعض صرف زخمی ہوئے اور کچھ مارے گئے۔ انہیں حکم دیا گیا کہ وہ دیوار پر کھڑے نہ ہوں بلکہ بیٹھ کر باہر دیکھتے رہیں۔ منجنیقیں ان کے لیے ایک انوکھا اور عجیب و غریب ہتھیار تھا جو انہوں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

یزدگرد کو اطلاع ملی تو وہ اپنے محافظ دستے کے ساتھ دوڑا آیا اور پُل سے بُہرشیر پہنچا۔ یہ منجنیقیں چھوٹی تھیں اس لیے ان سے چھوٹے سائز کے پتھر پھینکے جاتے تھے۔ یزدگرد نے شہر پر پتھر گرتے دیکھے تو اُس نے حکم دیا کہ لوگ گھروں کے اندر رہیں۔ یزدگرد نے دیوار پر جا کر منجنیقیں دیکھیں۔ ان کا اُس کے پاس کوئی توڑ نہیں تھا۔ اُس نے شہر کے جرنیل اور دیگر حاکموں کو بلایا۔ مسئلہ زیرِ بحث آیا کہ منجنیقوں کو کس طرح بیکار کیا جائے۔

"اس کا ایک ہی طریقہ ہے" — شہر کے جرنیل نے کہا — "کچھ نفری باہر بھیجی جائے جو مسلمانوں پر اُس جگہ شدید حملہ کرے جس جگہ کوئی ایک منجنیق ہو۔ شدید حملے سے مسلمان منجنیق کو

...سیٹ کر نہیں لے جا سکیں گے۔ اسے ہمارے آدمی گھسیٹ کر شہر میں لے آئیں گے۔ ...سے دیکھ کر ہم اسی طرح کی منجنیقیں بنا لیں گے۔"

یزدگرد کو یہ تجویز بڑی اچھی لگی۔ اس نے حکم دیا کہ اُس کے سامنے کچھ نفری کو باہر نکال ...حملہ کیا جائے۔ فوری طور پر نفری تیار کر لی گئی۔ انہیں ضروری ہدایات دی گئیں۔ یزدگرد نے اُن ...حوصلہ مضبوط کرنے کے لیے اُن کے جذبات کو بڑی جوشیلی تقریر سے اُبھارا۔

شہر کی ایک طرف کی دیوار میں دو دروازے تھے۔ بیک وقت دونوں دروازے ...کھلے اور ان میں سے گھوڑ سوار تلواریں اور برچھیاں تانے اس طرح نکلے جیسے سیلابی دریا ...بند ٹوٹ جاتا ہے۔ مسلمانوں کو اس حملے کی توقع نہیں تھی۔ ان گھوڑ سواروں کا رُخ اُس طرف تھا ...جہاں دو منجنیقیں قریب قریب لگی ہوئی تھیں۔

مسلمان چونکہ محاصرہ کیے ہوئے تھے اس لیے گھوڑ سوار تیار نہیں تھے۔ اُن کے ...گھوڑے الگ کھڑے تھے جن پر زینیں نہیں تھیں۔ پیادے ہر طرح تیار تھے۔ اِن کے ...ساتھ قعقاع، عاصم، طلیحہ اور ہاشم بن عتبہ جیسے جانباز بھی موجود تھے۔ انہوں نے گھوڑوں ...کی پروا نہ کی اور پیادوں کو ساتھ لے کر سواروں کا مقابلہ کرنے لگے۔

مجاہدین نے شہر کے گھوڑ سواروں کو گھیرے میں لینے کی کوشش کی لیکن گھیرا مکمل نہ ...ہو سکا کیونکہ جو مجاہدین گھیرا مکمل کرنے کے لیے دیوار کے قریب چلے گئے اُن پر اوپر سے ...برچھیاں اور تیر آنے لگے۔ بعض مجاہدین زخمی ہو گئے۔ اس وجہ سے گھیرا توڑنا پڑا۔

آتش پرستوں کے گھوڑ سواروں کو یہ بھی دیکھنا تھا کہ انہیں واپس بھی جانا ہے۔ شہر کے ...دونوں دروازے بند کر دیے گئے تھے۔ پیادہ مجاہدین نے گھوڑ سواروں کا مقابلہ ایسی ...خوبی سے کیا کہ کئی ایک کو گرا لیا اور اس کوشش میں لگے رہے کہ کوئی بھی سوار واپس نہ جا سکے۔ ...کچھ دیر میدان گرم رہا۔ دوسری طرف سے بھی مجاہدین اِدھر آنے لگے لیکن سعدؓ بن ابی وقاص ...نے اس خیال سے انہیں روک دیا کہ اندر سے مزید گھوڑ سوار آ گئے تو صورتِ حال بگڑ ...جائے گی۔

مجاہدین اتنے لمبے محاصرے کی وجہ سے تازہ دم تھے۔ انہوں نے یہ عرصہ آرام ...سے گزارا تھا اس لیے گھوڑ سواروں پر وہ ایسے برسے کہ تقریباً نصف کو وہیں رکھا اور باقی شہر ...کی طرف بھاگ نکلے۔ پیچھے سے تیر اندازوں نے اس طرح تیر چلائے کہ اُن میں سے کئی ...سوار تیروں کا نشانہ بن گئے۔

اس کے بعد مسلمانوں نے پھر منجنیقوں سے سنگباری شروع کر دی۔ شہر پر خوف و ہراس

جاری ہو گیا جو مسلسل سنگباری سے بڑھتا گیا۔

اس کے بعد یہ معمول بن گیا کہ تیسرے چوتھے روز شہر کے دروازے کھلتے اور گھوڑسواروں کے ایک دو دستے باہر آتے، گھمسان کا معرکہ لڑا جاتا اور جو سوار بچ رہتے وہ واپس چلے جاتے۔ ان حملوں میں زیادہ تر نقصان فارس کے گھوڑسواروں کا ہوتا تھا۔ مورخوں نے لکھا ہے کہ مسلمانوں کو محاصرے سے پسپا کرنے کا یہ طریقہ اُن کے لیے بڑا ہی نقصان دہ ثابت ہو رہا تھا لیکن یزدگرد کا حکم تھا کہ حملے جاری رکھے جائیں۔ یہ دراصل یزدگرد کا آخری اقدام تھا لیکن وہ یہ نہیں دیکھ رہا تھا کہ اس کا اُسے کتنا نقصان پہنچ رہا ہے۔ اُس نے یہ بھی نہ دیکھا کہ اتنے زیادہ نقصان سے اُس کی فوج کا حوصلہ ٹوٹ رہا ہے۔

بعض تاریخوں میں یہ روایت ملتی ہے کہ یزدگرد نے خواب میں اپنے باپ خسرو پرویز کو دیکھا اور خسرو پرویز نے اُسے کہا کہ اپنی فوج میں سے ایسے بہادر افسر، عہدیدار اور سپاہی منتخب کرو جو اپنے وطن پر جانیں قربان کرنے سے دریغ نہ کریں۔ انہیں باہر نکال کر مسلمانوں پر حملہ کراؤ اور یہ جانباز عہد کر کے باہر نکلیں کہ مسلمانوں کو کاٹ کر واپس آنا ہے یا واپس آنا ہی نہیں۔

ایک روایت یہ ہے کہ علم نجوم و جوتش کے ایک ماہر نے زائچہ تیار کر کے یزدگرد کو ایک خاص دن اور وقت بتایا تھا کہ اس دن مسلمانوں پر حملہ کیا جائے تو کامیابی حاصل ہوگی اور بہرشیر بھی بچ جائے گا اور مدائن بھی۔ اس نجومی نے یزدگرد سے یہ بھی کہا تھا کہ وہ بدی ترک کر دے اور کسی غیر عورت کے قریب نہ جائے۔

یہی روایت صحیح معلوم ہوتی ہے کیونکہ آتش پرستوں کا شاہی خاندان علم نجوم اور فال وغیرہ میں یقین رکھتا تھا۔ رستم جو بہادری، جارحیت اور جنرل شپ کی بے مثال علامت سمجھا جاتا تھا خود علم نجوم پڑھا ہوا تھا اور اُس کے اپنے ہی بناتے ہوئے زائچوں نے اُسے بزدل بنا دیا تھا۔ اُس کی پیش گوئی یہ تھی کہ سلطنت فارس ختم ہو جائے گی۔

ایک مورخ نے ذرا مختلف روایت لکھی ہے۔ وہ یہ کہ پوران نے یزدگرد سے کہا تھا کہ مسلمانوں پر ایک ایسا ہلّہ بولا جائے کہ ان کے پاؤں اُکھڑ جائیں اور اس سے اپنی فوج کا خون گرمایا جائے اور ان میں غیرت بیدار کی جائے اور پھر ان سے کہا جائے کہ جو سب سے زیادہ غیرت مند ہیں اور اپنے آپ کو بہادر سمجھتے ہیں وہ حملے کے لیے تیار ہو جائیں۔

"...اور یزدی!" ــــ اس مورخ کے مطابق پوران نے یزدگرد سے کہا ــــ "مت بھولو کہ یہاں کے امراء اور لوگوں کے نمائندے تمہیں اس لیے لائے تھے کہ تم سلطنت فارس

کو عربوں سے بچاؤ گے۔ میں تمہاری خاطر تخت سے دستبردار ہو گئی تھی۔ خون کا آخری قطرہ بھی بہا دو۔ فوج کا آخری سپاہی بھی مروا دو۔ دجلہ کے کنارے عربوں کی لاشوں کے انبار لگا دو.... ابھی بہرشیر چلو۔"

ان میں کوئی بھی روایت سچی ہو سکتی ہے لیکن یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ یزدگرد نے دونوں یہودی لڑکیوں کو آزاد کر دیا اور اس حرم کو ذہن سے اتار دیا تھا جس میں ایک سے ایک بڑھ کر حسین لڑکی موجود تھی۔ شاہانہ عیش و عشرت کو اُس نے ترک کر دیا اور اپنی ماں نورین اور پوران کو ساتھ لے کر بہرشیر چلا گیا۔

اس کے ساتھ ماں اور پوران کے علاوہ مدائن کی فوج کے دو جرنیل اور چند ایک کم رتبہ فوجی افسر بھی تھے۔ کسی بھی تاریخ میں ان دو جرنیلوں کے نام نہیں ملتے۔ بہرشیر پہنچتے ہی یزدگرد نے وہاں کی تمام فوج کو اکٹھا کیا۔ وہ گھوڑے پر سوار تھا۔ نورین اور پوران بھی گھوڑوں پر سوار تھیں۔

"سورج کے پجاریو!" ــــ اُس نے فوج سے خطاب کیا ــــ "تم اس سورج کی کرنیں ہو جو ہمارا معبود ہے۔ تم وہ کرنیں ہو جو دشمن کو جلا کر راکھ کر دیتی ہیں لیکن کیا ہو گیا ہے تمہاری غیرت کو.... تم سے تو دنیا ڈرتی تھی۔ آج تم خود ڈرے ہوئے مویشیوں کی طرح اس قلعے میں بند ہو گئے ہو۔ کیا تم اتنے بزدل ہو گئے ہو کہ تمہیں یہ بھی احساس نہیں رہا کہ تم اپنی کنواری بیٹیوں، بہنوں کو مسلمانوں کے حوالے کر آتے ہو۔ مسلمانوں نے تمہاری عورتوں کو لونڈیاں اور کنیزیں بنا لیا ہے.... اور اپنے کسانوں کا حال دیکھو جن کی کھیتیاں سونا اگلتی ہیں مگر آج ہمارے کسانوں کی کمائی کے مالک مسلمان ہیں...."

یزدگرد ابھی بول ہی رہا تھا کہ پوران اپنا گھوڑا یزدگرد کے گھوڑے کے پہلو میں لے گئی اور بازو لہرا کر بولی:

"اگر تمہاری غیرت مر گئی ہے تو میں تمہاری بیٹیوں اور بہنوں کی عزت کی خاطر اٹھوں گی۔ شہنشاہ فارس کی ماں لڑے گی۔ ہم دونوں عورتوں کو اکٹھا کر کے فوج بنائیں گی اور تم دیکھو گے کہ مسلمانوں کی لاشیں کس طرح تمہاری آنکھوں کے سامنے تڑپتی ہیں۔"

فوج پر سناٹا طاری تھا۔ پوران کی بات سن کر فوج میں کچھ بے چینی سی پیدا ہو گئی۔

"کیا تمہاری غیرت گوارا کرے گی کہ شہنشاہ کی ماں اور بہن میدان میں اتریں؟" ــــ پوران نے اور زیادہ جوشیلی آواز میں کہا ــــ "یہ سوچ لو کہ مدائن بھی ہاتھ سے نکل گیا تو کہاں جاؤ گے؟

یہ سورج عتاب میں آگیا تو جل کر راکھ ہو جاؤ گے۔ مرو گے بھی نہیں اور زندہ بھی نہیں رہو گے۔ کوڑھیوں کی طرح اس زمین پر کیڑے مکوڑوں کی طرح رینگتے اور بھیک مانگتے پھرو گے۔ تم جانتے ہو کہ کوڑھیوں کو کوئی بھیک بھی نہیں دیتا.....؛

پوران نے ابھی اپنی جوشیلی تقریر ختم نہیں کی تھی کہ یزدگرد کی ماں نورین اپنا گھوڑا آگے لے آئی۔

"میں اپنے اس اکلوتے بیٹے کو عظیم سلطنت فارس کی آن پر قربان کر رہی ہوں"۔۔۔ نورین نے بڑے ہی جوشیلے لہجے میں کہا۔۔۔ "تم عورتوں کی طرح بناؤ سنگھار کر کے گھروں میں بیٹھ جاؤ۔ میں اور پوران عورتوں کی فوج بنا کر لڑیں گی اور تم شہر کی دیوار پر کھڑے ہو کر دیکھنا.....؛

"نہیں"۔۔۔ اچانک فوج میں سے ایک آواز بلند ہوئی۔۔۔ "نہیں.....ہم اتنے بے غیرت نہیں ہوتے۔ لڑنا ہمارا کام ہے؛"

"جو ہو گیا سو ہو گیا"۔۔۔ ایک اور آواز آئی۔۔۔ "اب یہاں سے مسلمان ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکیں گے؛"

ان دو آوازوں کے ساتھ ہی ساری فوج میں ہڑبونگ بپا ہو گئی۔ جوشیلے نعروں سے زمین و آسمان لرزنے لگے۔ فوج زندگی کا آخری معرکہ لڑنے کے لیے تیار ہو گئی۔ نعروں جیسا یہ شور و غل بہت ہی بلند تھا۔ اتنا بلند کہ گھوڑے بھی ہنہنانے لگے۔

اُس وقت سعدؓ بن ابی وقاص اپنے دو تین سالاروں کے ساتھ شہر کی دیوار سے کچھ دُور دُور گھوڑوں پر سوار آہستہ آہستہ چلے جا رہے تھے۔ شہر سے اُٹھنے والا شور و غل اتنا بلند تھا کہ باہر بھی سنائی دے رہا تھا۔ سعدؓ بن ابی وقاص نے گھوڑا روک لیا۔ سالار بھی رک گئے۔

"یہ شور سن رہے ہو؟"۔۔۔ سعدؓ نے اپنے سالاروں سے کہا۔۔۔ "یہ نعرے، ان کا مطلب سمجھنے کی کوشش کرو۔"

"ان کے جرنیل اپنی فوج کو جوش دلا رہے ہوں گے"۔۔۔ ایک سالار نے کہا۔

"جوش تو وہ دلاتے ہی رہتے ہوں گے"۔۔۔ سعدؓ نے کہا۔۔۔ "لیکن آج کا اتنا زیادہ ہنگامہ بتا رہا ہے کہ ان کا شہنشاہ آیا ہو گا.... اور مجھے صاف پتہ چل رہا ہے کہ یہ لوگ باہر آ کر ایک اور حملہ کریں گے اور یہ حملہ بڑا ہی زوردار ہو گا۔ ہمیں اس کے لیے تیار ہو جانا چاہیے۔"

"آنے دو"۔۔۔ ایک سالار نے کہا۔۔۔ "اب ہم منجنیقیں ان پر استعمال کریں گے۔"

شہر کے اندر کا شور و غل جس طرح اچانک اٹھا تھا اسی طرح اچانک خاموش ہو گیا۔ اب

[یز]دگرد بول رہا تھا۔

[مسلمانوں کو یہیں پر ختم کرنے کا طریقہ ایک ہی ہے"۔۔۔ یزدگرد کہہ رہا تھا۔۔۔ "طریقہ] یہ [ہے] کہ باہر نکل کر ان پر اس قدر سخت حملہ کیا جائے جو ابھی تک نہیں کیا گیا۔ اس حملے کے لیے [...] جانبازوں کی ضرورت ہے جنہیں اپنی جان کی پروا نہ ہو اور جن کے دلوں میں سلطنتِ فارس [کی محب]ت ہو۔ میں کسی کو حکم نہیں دوں گا، مجھے رضاکار جانبازوں کی ضرورت ہے اور مجھے زیادہ [سے] زیادہ افسروں کی ضرورت ہے جو افسر اور سپاہی حملے میں شامل ہونا چاہتے ہیں وہ [آگے] آ جائیں۔"

[...] فوج میں اس قدر جوش و خروش پیدا ہو چکا تھا کہ ساری فوج آگے آ گئی۔ اس فوج میں وہ [سپاہی] بھی شامل تھے جو دیوار کے اوپر موجود رہتے تھے۔ انہیں بھی یزدگرد کے حکم سے نیچے [بلا] لیا گیا تھا۔

مؤرخوں نے لکھا ہے کہ ساری کی ساری فوج سے حملہ نہیں کروانا تھا۔ طے یہ پایا تھا کہ [منتخ]ب جانبازوں سے حملہ کروایا جائے۔ جرنیلوں سے کہا گیا کہ وہ وطن کی آن پر مر مٹنے والے [ا]سی قسم کے افسروں اور سپاہیوں کو منتخب کریں۔ چنانچہ ایک فوج تیار کر لی گئی جس میں [ایسے] کمانڈر شامل کیے گئے جو شجاعت اور جنگی مہارت میں شہرت یافتہ تھے۔ چونکہ رات ہو [گئی] تھی اس لیے حملہ اگلی صبح کو کرنا تھا۔

اگلی صبح سورج ابھی نکلا ہی تھا کہ شہر کے تمام دروازے بیک وقت کھلے اور اندر سے [...] سوار فوج اور پیادے بھی رُکے ہوئے سیلاب کی طرح نکلنے لگے۔ سعدؓ بن ابی وقاص [نے گ]زشتہ روز اندر کا شور و غل سن کر کہہ دیا تھا کہ یہ اگلے حملے کی تیاری ہو رہی ہے۔ انہیں [ایک] سالار نے مشورہ دیا تھا کہ منجنیقوں کو حملہ آوروں پر استعمال کیا جائے گا۔ سعدؓ نے یہ [مشور]ہ قبول کر لیا تھا۔ رات کو ہی منجنیقیں اس طرح رکھ دی گئی تھیں کہ ہر دروازے کے [سام]نے ایک منجنیق رکھ دی گئی تھی۔ باقی منجنیقوں کا رُخ بھی اوپر کی بجائے ذرا نیچے کر دیا گیا۔

جُوں ہی شہر سے فوج نکلنے لگی اس پر سنگباری شروع ہو گئی۔ چونکہ منجنیقیں چھوٹی تھیں [اس] لیے ان میں پتھر بھی چھوٹے استعمال ہوتے تھے لیکن اتنے چھوٹے بھی نہیں کہ کچھ نقصان [نہ کریں]۔ کم و بیش دس کلو وزنی پتھر پھینکا جاتا تھا۔ بعض منجنیقیں اس سے زیادہ وزنی پتھر بھی [پھین]ک سکتی تھیں۔ اتنا وزنی پتھر جس آدمی کو لگتا تھا وہ وہیں ڈھیر ہو جاتا تھا۔ گھوڑے بھی اتنے [وزنی] پتھر کی ضرب کو برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ منجنیق سے نکلا ہوا پتھر توپ سے نکلے

ہوتے گولے کی طرح جاتا تھا۔

جب فوج پر پتھر برسنے لگے تو پتھروں سے گرنے والے سواروں نے دروازوں کا راستہ بند کر دیا۔ بعض گھوڑے بھی گر پڑتے تھے اور بعض بدک کر پیچھے کو دوڑتے تھے۔ اس طرح فوج کے باہر آنے میں اچھی خاصی رکاوٹ پیدا ہو گئی۔ فوجیوں کو حکم دیا گیا کہ وہ دروازے میں گرے ہوئے آدمیوں اور گھوڑوں کے اُوپر سے گزر کر باہر نکلیں۔ اس حکم کی تعمیل میں فوجی اپنے گرے ہوئے ساتھیوں کو کچلتے مسلتے ہُوئے باہر نکلے۔

پتھر پھینکنے کی رفتار تیز نہیں ہو سکتی تھی کیونکہ منجنیق میں پتھر رکھنے اور پیچھے کو کھینچنے اور چھوڑنے میں کچھ وقت لگ جاتا تھا، پھر بھی یہ خاطر خواہ نقصان کر رہی تھیں۔ شہر کی فوج کے یہ سوار اور پیادے بلاشک وشبہ جانباز اور نڈر تھے۔ وہ باہر چلے آ رہے تھے لیکن اُن کے حملے میں جو جان ہونی چاہیئے تھی وہ نہیں تھی۔ ایسی شدت پیدا ہو ہی نہیں سکتی تھی۔

یزدگرد، اُس کی ماں اور پوران دیوار پر کھڑے نظر آتے۔ فارس کا پرچم اُن کے ساتھ تھا

سعدؓ بن ابی وقاص نے بھی شہنشاہ فارس اور اُس کے پرچم کو دیکھا۔

"خدا کی قسم!" — سعدؓ نے کہا — "اس جھنڈے کو دیوار کے باہر گرنا چاہیئے" — اُنہوں نے بڑی ہی بلند آواز سے کہا — "کیا کوئی تیر انداز وہاں تک تیر پہنچا سکتا ہے؟"

سعدؓ بن ابی وقاص نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور اپنے محافظوں کے ساتھ اُس جگہ جا پہنچے جس کے بالمقابل یزدگرد دیوار پر کھڑا تھا۔ فاصلہ اتنا زیادہ تھا کہ وہاں تک تیر پہنچانا ممکن نہیں تھا۔ چند ایک تیر انداز مجاہدین آگے بڑھے اور انہوں نے تیر چلائے لیکن تیر ذرا نیچے دیوار پر لگتے تھے۔ تیر انداز اور آگے بڑھے تو فاصلہ اتنا کم ہو گیا کہ مجاہدین دیوار کے تیر اندازوں کی زد میں آ گئے۔ اُوپر سے آیا ہوا تیر اپنا کام کر جاتا تھا۔

"انہیں پیچھے ہٹا لو" — سعدؓ نے حکم دیا — "ہم بلاجواز جانی نقصان کے بغیر یہ شہر لے لیں گے۔ ایک منجنیق کا مُنہ اُدھر کر کے پتھر پھینکو۔"

فوراً ایک منجنیق کو گھسیٹ کر وہاں تک لے گئے اور اُس میں پتھر ڈال ہی رہے تھے کہ یزدگرد نے دیکھ لیا اور وہ فوراً نورین اور پوران کے ساتھ پیچھے ہٹ گیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہ دیوار پر ایک اور جگہ نظر آیا۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہ بھی جان کی بازی لگائے ہوئے ہے۔ وہ اپنے حملہ آور دستوں کو اوپر سے للکار رہا تھا لیکن اُس کی للکار رائیگاں جا رہی تھی جس کی ایک وجہ تو سنگباری تھی اور دوسری وجہ جو زیادہ تر مؤرخوں نے لکھی ہے وہ یہ ہے کہ یزدگرد کی تمام فوج پر، جرنیل سے لے کر نیچے سپاہیوں تک یہ تاثر مکمل طور پر پختہ ہو گیا تھا کہ مسلمانوں

کو شکست دی ہی نہیں جا سکتی، لہٰذا فارس کی فوج پر مسلمانوں کی جو ہیبت طاری تھی وہ سنگباری نے اور زیادہ پختہ کر دی۔

جوش و خروش سے نعرے تو لگائے جا سکتے ہیں لیکن میدانِ جنگ میں نعرے محض بیکار ثابت ہوتے ہیں۔ اگر جذبہ اور حوصلہ مضبوط نہ ہو تو میدانِ جنگ میں گھوڑے اور ہتھیار بھی بیکار ہو جاتے ہیں۔ آتش پرستوں کو اپنے بیشمار ہاتھیوں پر بھروسہ تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ انسان ہاتھی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا بلکہ ہاتھی انسانوں کو کچل اور مسل ڈالتا ہے لیکن مسلمانوں نے ہاتھیوں کو بھی کاٹ کر دکھا دیا اور جو بچ گئے تھے، انہیں بھگا دیا تھا۔ فارس کی فوج پر یہی دہشت طاری تھی۔ یورپی مؤرخوں نے تعصب کے باوجود پوری تفصیل سے لکھا ہے کہ فارس کی فوج پر مسلمانوں کی جو ہیبت اور دہشت طاری ہو گئی تھی، اُس نے اس فوج کے کہیں بھی قدم نہ جمنے دیئے۔ اس حملے کے متعلق جو ہم بیان کر رہے ہیں، انہوں نے لکھا ہے کہ شجاعت کی قیادت اور جنگی مہارت کے لحاظ سے جو فارسی افسر اور سپاہی شامل تھے، اُن کی جانبازی میں کوئی شک نہیں تھا۔ انہوں نے جو حملہ کیا وہ بھی کچھ کم شدید نہیں تھا پھر بھی مسلمانوں کے آگے وہ ٹھہر نہ سکے۔

جب دونوں فوجیں معرکے میں اُلجھ گئیں تو سنگباری روک دی گئی۔ ایسی صورتِ حال ہی پیدا ہو گئی جس میں مسلمانوں پر فارسیوں کا دباؤ اچھا خاصا بڑھ گیا تھا لیکن مسلمانوں میں لڑنے کا جذبہ تھا وہ اتنا شدید تھا کہ مسلمان صورتِ حال پر غالب آ جاتے تھے اور جب دو تین جگہ مسلمانوں نے فارسیوں کے دباؤ کو برداشت کر کے اپنا دباؤ ڈالا تو فارسیوں کا حوصلہ ٹوٹنے لگا۔ دونوں طرف کی فوجوں میں ایک فرق تھا۔ وہ یہ کہ فارسی جوش اور جذبے سے لڑ رہے تھے۔ اس کے مقابلے میں مسلمانوں کے سالار عقل سے کام لے رہے تھے۔

ایک جگہ مسلمان اس طرح پیچھے ہٹتے گئے جیسے پسپا ہو رہے ہوں۔ فارسی اُن پر دباؤ ڈالتے آگے ہی آگے بڑھتے گئے۔ انہیں اُس وقت ہوش آیا جب وہ مجاہدین کے گھیرے میں آ چکے تھے۔ اُس وقت انہیں پتہ چلا کہ یہ مسلمانوں کی ایک چال تھی اور مجاہدین نے انہیں اس طرح گھیرے میں لینا تھا۔ اب فارسی اپنی جانیں بچانے کے لیے لڑنے لگے لیکن جس پھندے میں وہ آ گئے تھے اس سے بچ نکلنا اُن کے لیے ممکن نہ تھا۔

دوسرے فارسیوں نے جب یہ حال دیکھا تو وہ محتاط ہو گئے اور پیچھے دیکھنے لگے کہ اُن کی پسپائی کا راستہ صاف ہے یا نہیں۔ دیوار پر یزدگرد کھڑا دیکھ رہا تھا۔ پہلے تو وہ اپنے حملہ آوروں کو للکار رہا تھا لیکن میدانِ جنگ کی نئی صورتِ حال دیکھ کر اُس کی زبان

بند ہوگئی۔ اُس نے اپنی ماں اور پھر پوران کی طرف دیکھا۔ اُس کے چہرے پر مایوسی کا تاثر بڑا ہی گہرا تھا۔ اُس نے میدانِ جنگ سے نظریں پھیر لیں اور آہستہ آہستہ چل پڑا۔ دیوار سے اُس نے اندر کی طرف دیکھا تو اُسے ایسا منظر نظر آیا جو اُس کی برداشت سے باہر تھا۔ اُس کے زخمی فوجی کھلے ہوئے دروازوں سے اندر آرہے تھے۔ بعض اچھے بھلے سوار اور پیادے بھی باہر سے بھاگ کر اندر آرہے تھے۔ پوران اور نورین بھی اُس کے پاس آگئیں۔ یزدگرد نے دونوں کی طرف دیکھا اور سر جھکا لیا۔ پھر وہ آہستہ آہستہ چل کر دیوار سے اُتر گیا۔

فارس کی فوج کا جانی نقصان بے تحاشا تھا۔ اس کے مقابلے میں مسلمانوں کا نقصان بہت ہی کم تھا۔ کسی بھی تاریخ میں مسلمانوں کے نقصان کے اعداد و شمار نہیں ملتے۔ صرف ایک مجاہد کا ذکر تقریباً ہر مؤرخ نے کیا ہے۔ یہ تھا زہرہ بن حوِیّہ جس کا پہلے کئی معرکوں میں ذکر آچکا ہے۔ زہرہ سالار تھا اور غیر معمولی طور پر بہادر اور نڈر تھا۔ اُس کی شجاعت کے واقعات کچھ کم نہیں جو یہاں پھر سنائے جاسکیں۔ قارئین کی یاد دہانی کے لیے یہ بتانا ضروری ہے کہ جب فارسیوں کو شکست دے کر قادسیہ سے مجاہدین کے لشکر نے بھاگتے ہوئے فارسیوں کے تعاقب میں مدائن کی طرف پیشقدمی کی تھی تو سعدؓ بن ابی وقاص نے زہرہ بن حوِیّہ کو سالار بنا کر مجاہدین کے ایک دستے کے ساتھ بہرشیر بھیجا تھا۔ اس کے ساتھ ہاشم بن عتبہ تھا۔ بہرشیر کے باہر زہرہ نے بڑا سخت معرکہ لڑا تھا اور فارسیوں کی فوج بیشمار نقصان اُٹھا کر شہر میں چلی گئی تھی۔

علامہ شبلی نعمانی نے طبری اور بلاذری اور چند اور مؤرخوں کے حوالوں سے لکھا ہے کہ بہرشیر کے محاصرے میں زہرہ بن حوِیّہ نے فارس کے کسی فوجی کی زرہ پہن رکھی تھی۔ قادسیہ کی چار روزہ جنگ میں اور اس سے پہلے کے معرکوں میں اُس نے یہی زرہ استعمال کی تھی۔ اس زرہ نے تلواروں اور برچھیوں کے بے شمار وار روکے تھے۔ اس زرہ نے نہ جانے کتنے تیر روکے تھے۔ زہرہ تو محفوظ رہے تھے لیکن زرہ کی کئی کڑیاں ٹوٹ گئی تھیں۔

یزدگرد نے بہرشیر کی فوج سے یہ حملہ کرایا جو اوپر بیان ہوا ہے تو زہرہ بن حوِیّہ نے یہی ٹوٹی ہوئی کڑیوں والی زرہ پہن رکھی تھی۔ اُس کے کسی ساتھی نے اُسے کہا کہ زرہ بیکار ہوگئی ہے، اسے بدل لو۔ فارسیوں کی کئی زرہیں موجود ہیں۔

"ہاں ابنِ حوِیّہ!— اُس کے ایک اور ساتھی نے کہا —"یہ زرہ تیر کو روک نہیں سکے گی"

"میں ایسا خوش نصیب کہاں!— زہرہ بن حوِیّہ نے خوشگوار انداز میں کہا —"میرے نصیب اتنے اچھے نہیں کہ دشمن کے تیر دوسروں کو چھوڑ کر میری طرف آئیں"

یہ تھا شوقِ شہادت.... مسلمانوں کی اصل طاقت یہی تھی کہ ہر مجاہد اللہ کی راہ میں جان دینے کو سعادت اور خوش نصیبی سمجھتا تھا۔ یہ اتفاق تھا یا اللہ تعالیٰ نے زہرہ کی دعا قبول کر لی تھی کہ فارسیوں کی طرف سے جو پہلا تیر آیا وہ زہرہ بن حوِیّہ کے پہلو میں اُتر گیا۔ وہاں سے زرہ کی زیادہ کڑیاں ٹوٹی ہوئی تھیں۔ تیر جسم کے اندر خطرناک حد تک چلا گیا تھا۔

"ابنِ حوِیّہ ٹھہر جا"— اُس کے ایک ساتھی نے کہا —"میں یہ تیر نکال دیتا ہوں پھر تم پیچھے چلے جانا"

چار پانچ مجاہدین اُس کے پاس آگئے۔ سب کہہ رہے تھے کہ تیر نکال دیتے ہیں۔

"نہ میرے بھائیو!— زہرہ نے کہا —"اِسے نہ نکالنا۔ میں اُسی وقت تک زندہ ہوں جب تک یہ میرے جسم میں ہے"

طبری اور بلاذری وغیرہ نے لکھا ہے کہ زہرہ نے پہلو میں تیر لیے ہوئے ایک جگہ فارسیوں کے ایک دستے پر حملہ کیا۔ اس دستے کے ساتھ فارس کا ایک نامور جرنیل شہرباز تھا۔ زہرہ نے اُس کا پرچم دیکھ لیا تھا۔ اُس نے چند ایک مجاہدین کے ساتھ شہرباز کے گرد محافظوں کا جو حصار تھا، وہ توڑا اور اُسے تلوار سے مار ڈالا۔ زہرہ بن حوِیّہ کو یقیناً احساس تھا کہ وہ اپنی زندگی کا آخری معرکہ لڑ رہا ہے۔

اس فارسی جرنیل کا پرچم گرنے سے اور اُس کے مارے جانے سے ان فارسی جانبازوں میں بھگدڑ مچ گئی اور وہ شہر کے دروازوں کی طرف بھاگنے لگے۔

کچھ دیر بعد زہرہ بن حوِیّہ پہلو میں تیر لیے ہوئے شہید ہو گئے۔

یزدگرد کا یہ حملہ بھی ناکام ہو چکا تھا۔ اُس نے جس جانباز اور منتخب فوج کو باہر نکالا تھا، اس کی بہت تھوڑی سی نفری واپس شہر میں جا سکی تھی۔ باقی سب باہر مرے پڑے تھے یا زخمی تھے جو مجاہدین کی منت سماجت کر رہے تھے کہ انہیں اپنے ساتھ لے جائیں اور ان کی مرہم پٹی کر دیں۔

بہرشیر کو مسلمانوں سے بچانا ناممکن ہو گیا تھا۔

دوسرے ہی دن شہر کا ایک دروازہ کھلا۔ پانچ چھ گھوڑ سوار باہر آئے۔ سب سے آگے والے گھوڑے کے سوار کی پوشاک بتاتی تھی کہ اُس کا تعلق شاہی خاندان کے ساتھ ہے یا وہ کوئی بڑا افسر ہے۔ اُس کے ایک پہلو کے ساتھ والے سوار نے سفید جھنڈا اُٹھا رکھا تھا جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ صلح اور سمجھوتے کا پیغام لائے ہیں۔ ان کے ساتھ ایک ترجمان بھی تھا جو عرب اور عجم کی زبانیں جانتا تھا۔ گھوڑ سوار کچھ اور آگے آکر رک

گئے۔ ترجمان ذرا آگے آگیا۔

"شہنشاہِ فارس یزدگرد کے ایلچی آتے ہیں" —— ترجمان نے عربی زبان میں بلند آواز سے کہا —— "یہ عربی سپہ سالار سے ملنا چاہتے ہیں۔ امن اور دوستی کا پیغام لاتے ہیں۔"

سعدؓ بن ابی وقاص کا بھتیجا ہاشم بن عتبہ کہیں قریب ہی کھڑا تھا۔ وہ اُن کی طرف بڑھا۔

"ہم شہنشاہ کے ایلچی کا استقبال دل و جان سے کرتے ہیں" —— ہاشم بن عتبہ نے کہا —— "میرے ساتھ آئیں۔"

ہاشم بھی گھوڑے پر سوار تھا۔ وہ انہیں سعدؓ بن ابی وقاص کے خیمے میں لے گیا۔ سعدؓ وہاں نہیں تھے۔ وہ اپنے لشکر کے ساتھ تھے اور محاصرے کا جائزہ لے رہے تھے۔ انہیں اطلاع دی گئی کہ شاہِ فارس کا ایلچی آیا ہے۔ وہ فوراً اپنے خیمے میں پہنچے۔ ایلچی اور ترجمان فرش پر بچھی ہوئی چٹائیوں پر بیٹھے ہوتے تھے۔ ایلچی کا جسم خاصا فربہ تھا۔ سعدؓ بن ابی وقاص کو دیکھ کر ایلچی احتراماً اٹھنے لگا لیکن موٹاپے کی وجہ سے اُسے اٹھنے میں دشواری پیش آرہی تھی۔

"میری تعظیم میں اٹھنے کی ضرورت نہیں" —— سعدؓ نے ایلچی کے کندھوں پر اپنے دونوں ہاتھ رکھ کر بٹھاتے ہوئے کہا —— "تمہارے جرنیل میدانِ جنگ میں بھی تخت، کرسیاں اور قالین لے آتے ہیں" —— سعدؓ نے ایلچی کو اٹھنے نہ دیا۔ اُس سے ہاتھ ملایا اور اُس سے ذرا دور ہٹ کر بیٹھ گئے اور کہا —— "آپ کے رستم کا تخت ہمارے پاس ہے جس پر بیٹھ کر وہ جنگ کے میدان میں اپنی فوج کو لڑایا کرتا تھا۔ اُس کے قالین اور تکیے بھی ہمارے پاس ہیں اور اُس کی شاہانہ کرسیاں بھی ہمارے پاس ہیں۔ اس کے دربار کا سارا ہی ساز و سامان ہمارے قبضے میں ہے لیکن ہم ان چٹائیوں پر بیٹھا کرتے ہیں.... تمہیں زحمت تو ہو گی لیکن ہم اپنے طور طریقے نہیں چھوڑ سکتے۔"

"آپ نے جس احترام سے میرا استقبال کیا ہے، اس سے مجھے محسوس ہی نہیں ہوا کہ میں زمین پر بیٹھا ہوں یا نرم و ملائم مخمل کے گدّوں پر" —— ایلچی نے کہا —— "سب سے پہلے شہنشاہِ فارس یزدگرد کا سلام قبول کریں۔ پھر شہنشاہ کی ایک پیش کش پر غور کریں۔ آپ یقیناً پیش کش کو قبول کریں گے۔ یہ ہمارے شہنشاہ کی فیاضی ہے کہ وہ اپنی آدھی سلطنت آپ کو دے رہا ہے۔"

"اپنے شہنشاہ کا پورا پیغام سناؤ" —— سعدؓ بن ابی وقاص نے کہا۔

"شہنشاہِ فارس کا فیصلہ یہ ہے" —— ایلچی نے کہا —— "کہ ہماری سلطنت کا جو علاقہ آپ نے لے لیا ہے وہ آپ کا اور دجلہ سے اُس طرف کا علاقہ فارس کا۔"

"یعنی شہنشاہ دجلہ کو عرب اور عجم کے درمیان حدِ فاصل بنانا چاہتے ہیں" —— سعدؓ بن ابی وقاص نے کہا۔

"بالکل یہی!" —— ایلچی نے کہا —— "شہنشاہ نے فیصلہ کر دیا ہے۔ صرف آپ کی رضامندی درکار ہے۔ بہرشیر آپ کا ہو گا اور مدائن ہمارا۔ شہنشاہ نہیں چاہتے کہ مزید خون بہایا جائے۔"

"ہم تمہارے شہنشاہ کے چاہنے اور نہ چاہنے کے پابند نہیں" —— سعدؓ نے کہا —— "اب شہنشاہ کو ہمارے فیصلوں کی پابندی کرنی پڑے گی۔ اگر تمہارا شہنشاہ یہ پیش کش اُس روز کرتا جس روز ہم بہرشیر پہنچے تھے تو اس پر غور کیا جا سکتا تھا۔ تم نے بہرشیر کو بچانے کے لیے کیا کیا جتن نہیں کیے۔ دو تین دن پہلے تمہارے شہنشاہ نے کتنا سخت حملہ کروایا تھا۔ یہ اُس کا آخری وار تھا جو بیکار گیا۔ اب شہنشاہ مدائن کو بچانے کے لیے آدھی سلطنت پیش کر رہا ہے.... نہیں محترم ایلچی! شہنشاہ سے کہنا کہ ہمیں یہ پیش کش قبول نہیں۔"

فارس کے ایلچی نے بہت کوشش کی، بہت باتیں کیں، زر و جواہرات کی پیش کش بھی کی لیکن سعدؓ بن ابی وقاص ٹس سے مس نہ ہوئے۔

"پھر آپ اپنی شرائط بتائیں" —— ایلچی نے کہا —— "شہنشاہ یہیں پر جنگ بندی چاہتے ہیں۔"

"شرائط پیش کرنے کا وقت گزر گیا ہے" —— سعدؓ نے کہا —— "ہم نے شرائط پیش کی تھیں۔ تمہارے شہنشاہ نے ہمارے ایلچیوں کا مذاق اُڑایا تھا۔ اُس نے ہمارے ایک بڑے ہی معزز اور قابلِ احترام ایلچی کے سر پر مٹی کا بھرا ہُوا ٹوکرا رکھ دیا تھا۔ تمہارے رستم نے کہا تھا کہ خدا نے نہ چاہا تو بھی عرب کو تباہ و برباد کر دوں گا۔ جنگ کا فیصلہ تمہارے شہنشاہ نے کیا تھا۔ اب شہنشاہ کو جنگ کا نتیجہ قبول کرنا چاہیئے۔"

"میں حیران ہوں کہ آپ جیسا دانشمند سپہ سالار اتنی بڑی پیش کش ٹھکرا رہا ہے" —— ایلچی نے کہا۔

"محترم ایلچی!" —— سعدؓ نے کہا —— "میں اس سے بھی بڑی پیش کش قبول نہیں کر سکتا۔ ہمارے خلیفہ کا واضح حکم ہے کہ مدائن کو فتح کرنا ہے۔ میں اپنے خلیفہ کی حکم عدولی نہیں کر سکتا۔"

سعدؓ بن ابی وقاص نے ایلچی کو رخصت کر دیا۔

تمام مؤرخوں نے یزدگرد کی اس پیش کش کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ مؤرخ لکھتے ہیں کہ ایلچی رخصت ہُوا تو سعدؓ بن ابی وقاص نے سالاروں کو بلا کر کہا کہ شہر پر سنگباری پہلے سے تیز کر دی جائے۔

سارے لشکر میں یہ بات پھیل گئی کہ شہنشاہِ فارس نے جنگ بندی کی پیش کش کی ہے اور اس کے عوض اُس نے دجلہ تک کے علاقے سعدؓ بن ابی وقاص کو پیش کیے ہیں۔ جس وقت سعدؓ یہ حکم دے رہے تھے کہ سنگباری تیز کر دی جائے اُس وقت لشکر سے نعرے گرجنے لگے!

"ہماری منزل مدائن ہے۔"

"ہم مدائن سے بھی آگے جائیں گے۔"

"ہم اپنے شہیدوں کے خُون کی پوری قیمت لیں گے۔"

سعدؓ بن ابی وقاص نے جب یہ نعرے سنے جو بلند سے بلند تر ہوتے جا رہے تھے، اُن کے چہرے پر رونق آگئی۔ اُنھوں نے گھوڑا دوڑا دیا اور محاصرے میں گھومنے لگے۔

"تم نے میری تائید کر دی ہے"—— سعدؓ نے کئی جگہوں پر گھوڑا روک کر مجاہدینؓ سے کہا—"میں نے شاہِ فارس کے ایلچی کو یہی جواب دے کر واپس بھیجا ہے کہ ہم اب اُس کی کوئی شرط اور کوئی معاوضہ قبول نہیں کریں گے.... میرے رفیقو! میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ میں شہیدوں سے بیوفائی نہیں کروں گا۔ امیرالمومنین کا بھی یہی حکم ہے کہ مدائن کو فتح کیا جائے۔"

مجاہدین کے نعروں نے سعدؓ کو نیا حوصلہ دیا اور سعدؓ بن ابی وقاص کا عزم سن کر مجاہدین کے حوصلوں میں نئی روح پھونکی گئی۔ یہ قوتِ ارادی تھی بلکہ روحانی قوّت کہنا زیادہ موزوں ہوگا جس کے بھروسے پر مجاہدین یہ ارادے باندھ رہے تھے کہ وہ مدائن تک پہنچیں گے۔ وہ تو ابھی بُہرشیر کو بھی فتح نہیں کر سکے تھے۔

بعض مؤرخ لکھتے ہیں کہ محاصرہ نو مہینے جاری رہا اور بعض نے لکھا ہے کہ محاصرہ اٹھارہ مہینے جاری رہا تھا۔ بہرحال یہ وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ محاصرے کا عرصہ ایک سال کے لگ بھگ تھا۔ اس ایک سال کے دوران امیرالمومنین حضرت عمرؓ نے کچھ کمک بھی بھیجی تھی۔ زخمی مجاہدین ٹھیک ہو کر لڑنے کے قابل ہو گئے تھے۔

سعدؓ بن ابی وقاص نے جو جاسوس اور مخبر بنائے تھے وہ اپنا پورا کام کر رہے تھے۔ کچھ دنوں بعد ایک جاسوس نے آکر بتایا کہ بُہرشیر اور مدائن میں کچھ خفیہ سی نقل و حرکت ہوتی رہتی ہے اور یوں معلوم ہوتا ہے جیسے بُہرشیر سے فوج ہٹائی جا رہی ہو۔

دو تین دن اور گزرے تو سعدؓ کو سالاروں نے بتایا کہ دیوار پر جو تیر انداز ہر وقت موجود رہتے ہیں، اُن کی تعداد کم ہوتی جا رہی ہے۔

"میں بھی یہی دیکھ رہا ہوں"—— سعدؓ نے کہا—"میں اس انتظار میں ہوں کہ یہ تعداد مزید

...م ہو جائے تو ہم دروازے توڑنے یا کمندیں پھینک کر دیوار پر چڑھنے کی کوشش کریں گے۔"

کچھ دن اور گزرے تو رات کے وقت مجاہدین میں کچھ شور و غل سا اُٹھا۔ سالار بھی ...اگ اٹھے اور سعدؓ بن ابی وقاص کی بھی آنکھ کھل گئی اور وہ خیمے سے باہر آئے۔ انہوں نے ...یکھا کہ دجلہ کی طرف آسمان سرخ ہوا جا رہا تھا۔ اُس طرف شہر کی چوڑائی اتنی زیادہ تھی کہ جا ...نہیں دیکھا جا سکتا تھا کہ اُدھر کیا ہو رہا ہے۔ سرخ روشنی سے یہ صاف ظاہر ہوتا تھا کہ ...یہ آگ لگی ہوئی ہے لیکن یہ معلوم کرنا ممکن نہیں تھا کہ یہ آگ کسی ایک مکان کو یا بہت سے ...مکانوں کو لگی ہے۔

سعدؓ بن ابی وقاص نے یہ خیال ظاہر کیا کہ آتش پرست شہر کو آگ لگا رہے ہیں اور آگ ...سی صورت میں لگائی جاتی ہے جب شہر خالی کرنا ہوتا ہے۔

سعدؓ بن ابی وقاص کے کہنے پر دو گھوڑ سوار بھیجے گئے کہ وہ دریا کے کنارے اتنی ...دور تک چلے جائیں جہاں سے انہیں شہر کا دریا کے کنارے والا حصہ نظر آجائے اور وہ ...یکھیں کہ آگ کہاں لگی ہوئی ہے۔

"اُنھوں نے پُل جلا ڈالا ہے"—— گھوڑ سواروں نے آکر اپنے سپہ سالار کو بتایا—— ...رے کا پورا پُل جل رہا ہے۔"

"اُنھوں نے ہمارے لیے مدائن کا راستہ بند کر دیا ہے"—— سعدؓ بن ابی وقاص نے ...کہا—"صبح دیکھیں گے کہ بُہرشیر میں کیا رہ گیا ہے۔ ہو سکتا ہے ہمیں شہر خالی مل جائے۔"

صبح طلوع ہوئی تو سب سے پہلے جو تبدیلی بُہرشیر میں نظر آئی وہ یہ تھی کہ دیوار پر ایک بھی آدمی نظر ...نہیں آرہا تھا۔ سعدؓ کے حکم سے ایک جگہ دیوار پر کمند پھینکی گئی اور تین چار مجاہدین اوپر چلے گئے۔ ...ان کی حفاظت کے لیے نیچے بہت سے تیر انداز کمانوں میں تیر ڈالے ہوئے کھڑے کر ...دیے گئے تھے تاکہ اوپر کوئی فارسی کمند اتارنے یا کمند پر چڑھنے والوں پر تیر یا برچھی چلانے ...لگے تو اُن پر تیروں کی بوچھاڑیں پھینکی جائیں۔

مجاہدین اوپر چلے گئے اور دیوار سے شہر کو دیکھا۔

"شہر خالی معلوم ہوتا ہے"—— ایک مجاہد نے بلند آواز سے کہا۔

"یہ دھوکا بھی ہو سکتا ہے"—— سعدؓ بن ابی وقاص نے کہا—"نیچے اُتر کر دروازہ کھول دو۔"

تھوڑی ہی دیر بعد دروازہ کُھل گیا۔ سعدؓ بن ابی وقاص نے قعقاع کو حکم دیا کہ وہ اپنے قبیلے ...ساتھ لے کر سب سے پہلے شہر میں داخل ہو۔ قعقاع غیر معمولی طور پر دلیر سالار تھا۔ اُس نے

اپنے قبیلے کو للکارا اور یہ لوگ شہر میں داخل ہو گئے اور سیلاب کی طرح سارے شہر میں پھیل گئے۔ انہوں نے شہر کے باقی دروازے بھی کھول دیئے اور تمام لشکر شہر میں داخل ہو گیا اور شہر میں پھیل گیا۔ مکانوں کے اندر جا کر دیکھا تمام گھر خالی تھے۔ ہر گھر میں وہی سامان پڑا تھا جو لوگ اٹھا کر لے جا نہیں سکتے تھے۔ صاف پتہ چلتا تھا کہ وہ قیمتی اشیاء اور مال و دولت اپنے ساتھ لے گئے ہیں۔

سارے شہر میں صرف ایک بوڑھا سا آدمی ملا جو خود ہی باہر آ گیا تھا۔ اُسے سعدؓ بن ابی وقاص کے سامنے لے جایا گیا تقریباً تمام تاریخوں میں اس معمر آدمی کا ذکر ملتا ہے لیکن اس کا نام کسی نے نہیں لکھا۔

"تم اس شہر میں کیوں رہ گئے ہو؟" ــــ سعدؓ نے اُس سے پوچھا ــــ "کیا تم بتا سکتے ہو کہ یہ لوگ کہاں اور کیوں چلے گئے ہیں؟"

"یہی بتانے کے لیے میں باہر نکلا ہوں" ــــ بوڑھے نے عربی زبان میں کہا ــــ "میں اگر یہاں رہ بھی گیا تو تمہارا کیا بگاڑ سکتا ہوں۔ سب نے کہا کہ تم بھی چلو، یہاں رہ گئے تو مسلمان تمہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ میں نے کہا میں اب زندہ رہ کر کروں گا بھی کیا.... اُس مکان کو چھوڑتے ہوئے بہت دکھ ہو رہا تھا جو مکان میرے باپ نے بنایا تھا اور جس میں اُس نے پُوری عمر گزاری تھی۔ میرے دو جوان بیٹے فارس کی فوج میں گئے تھے۔ دونوں مارے گئے ہیں۔ میری دو بیٹیاں نوجوان ہیں۔ میں نے انہیں مدائن بھیج دیا ہے۔ یہ ایک رواج ہے کہ فاتح مفتوح شہر کی عورتوں کو اپنا مال سمجھ لیتے ہیں۔ میں تمہارے سامنے کھڑا ہوں۔ قتل کرنا چاہو تو کر دو۔"

"نہیں میرے بزرگ!" ــــ سعدؓ بن ابی وقاص نے کہا ــــ "ہم نہتّوں پر، بوڑھوں اور بچّوں پر اور عورتوں پر ہاتھ نہیں اُٹھایا کرتے۔ ہم لُوٹ مار بھی نہیں کیا کرتے۔ کیا تم دیکھ نہیں رہے کہ میرے آدمی گھروں میں داخل ہو کر خالی ہاتھ واپس آ رہے ہیں۔ جب تک میں نہیں کہوں گا، وہ کسی گھر میں کسی بھی چیز کو ہاتھ نہیں لگائیں گے.... ہمیں بتاؤ کہ یہ شہر کس طرح خالی کیا گیا؟"

"دو روز پہلے مدائن سے حکم آیا تھا کہ رات کے وقت شہر خالی کر دیا جائے" ــــ بوڑھے نے کہا ــــ "لوگوں نے دو راتیں لگا کر شہر خالی کر دیا۔ میں دیکھ رہا تھا کہ لوگ کشتیوں میں جا رہے تھے۔ لوگ چلے گئے تو فوج بھی چلی گئی۔ گذشتہ رات میں نے اپنی چھت پر جا کر دیکھا پُل جل رہا تھا۔ یہ پُل میرے بچپن کی یادگار تھا۔ میں آہستہ آہستہ چلتا دریا تک گیا۔ پُل کو اُس سرے تک آگ لگی ہوئی تھی اور پھر میں نے یہ بھی دیکھا کہ دریا کے اس کنارے جو بیشمار چھوٹی بڑی کشتیاں بندھی رہتی تھیں، وہ ہمارے فوجی مدائن کی طرف لے جا رہے تھے۔"

"کیا اب وہاں ایک بھی کشتی نہیں؟" ــــ سعدؓ نے پوچھا۔

"ایک بھی نہیں" ــــ بُوڑھے نے جواب دیا ــــ "دریا کے اِس طرف کے کنارے پر تمہیں دُور تک کوئی کشتی نہیں ملے گی۔ تم سپہ سالار ہو، سمجھ سکتے ہو کہ کشتیاں کیوں لے گئے اور پُل کو کیوں جلایا گیا ہے۔ دریا کی حالت دیکھ لو چونکہ یہاں دریا تنگ ہے اس لیے پانی بہت گہرا ہے اور دریا کی کیفیت سیلابی ہے۔ کوئی نامور تیراک بھی دریا میں اُترنے کی جرأت نہیں کر سکتا.... لیکن میں آپ کو یہ بتا سکتا ہوں کہ فتح تمہاری ہو گی۔"

"وہ کیسے؟" ــــ سعدؓ نے پوچھا۔

"وہ اس طرح کہ تم لُوٹ مار کرنے نہیں آئے" ــــ بوڑھے نے کہا ــــ "میں یہ بھی جانتا ہوں کہ ہمارے شہنشاہ نے تمہیں اپنی آدھی سلطنت پیش کی ہے جو تم نے قبول نہیں کی۔"

"لیکن میں اپنے لشکر کو پار کیسے لے جاؤں گا؟" ــــ سعدؓ نے کہا ــــ "نہ کوئی کشتی ہے نہ پُل ہے.... کیا تم دریا پار کرنے کا کوئی اور ذریعہ بتا سکتے ہو؟"

سعدؓ بن ابی وقاص اس کی رہنمائی چاہتے تھے۔ اُنہوں نے بوڑھے سے یہ بھی پوچھا کہ ایسی جگہ ہو جہاں دریا کا پاٹ بہت چوڑا ہو اور گہرائی کم ہو۔ بوڑھے کو ایسی کسی جگہ کا علم نہیں تھا۔ اُس نے اتنا ہی بتایا کہ بہت ہی دُور دریا کے نیچے کی طرف دریا دو تین حصّوں میں تقسیم ہو جاتا ہے لیکن وہ جگہ بہت دور تھی۔ بوڑھے نے یہ بھی بتایا کہ وہ سارا علاقہ دلدلی ہے۔

سعدؓ بن ابی وقاص نے اس بُوڑھے کو اس حکم کے ساتھ پیچھے بھجوا دیا کہ اسے عزت و احترام کے ساتھ رکھا جائے اور اس کے ساتھ معزّز مہمانوں جیسا سلوک کیا جائے۔

سعدؓ بن ابی وقاص نے اپنے سالاروں کو بلایا اور ان سب کو اُس طرف دلوار کے پاس لے گئے جس طرف دریا تھا اور سامنے والا کنارے پہ مدائن کا شہر تھا۔ وہاں سے انہوں نے مدائن کی شان و شوکت دیکھی۔ یہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اب یہ سب سالار بالکل قریب سے دیکھ رہے تھے۔ ان سالاروں میں ایک سالار ضرار بن خطاب بھی تھے۔ وہ بڑے انہماک سے مدائن کو دیکھ رہے تھے۔

"اللہ اکبر" ــــ ضرار بن خطاب نے نعرہ لگا کر کہا ــــ "یہ کسریٰ کا سفید قلعہ ہے جس کا اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے تم سے وعدہ کیا تھا۔"

"اور یہی وہ جگہ ہے" ــــ سعدؓ نے کہا ــــ "جہاں کسریٰ پرویز نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا دعوتِ حق کا پیغام پھاڑ کر پھینک دیا تھا.... میرے رفیقو! سوچنا یہ ہے کہ ہم یہ

دریا عبور کس طرح کریں گے؟ دریا کی کیفیت دیکھو۔ میں ایسا سیلابی دریا پہلی بار دیکھ رہا ہوں۔ موجوں کا زیر و بم دیکھو۔ کیا کوئی اس میں اُترنے کی جرأت کر سکتا ہے؟"

"جرأت کرنی پڑے گی"۔۔۔ عاصم بن عمرو نے کہا۔۔۔"فارسیوں نے دجلہ کو اپنی آڑ بنایا ہے۔ انہوں نے ٹھیک سوچا ہے کہ اس بپھرے ہوئے دریا کو کوئی فوج اس صورت میں عبور نہیں کر سکتی کہ کشتیاں بھی نہ ہوں اور پُل بھی نہ ہو۔ میں کہتا ہوں کہ شہنشاہِ فارس کے اس خیال کو چکنا چور کر دیں کہ یہ دریا اُس کی سلطنت کو بچا لے گا۔"

"کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ اس دریا کو ہم تیر کر پار کریں؟"۔۔۔ سعدؓ بن ابی وقاص نے کہا۔۔۔"ہم میں کوئی موسیٰؑ نہیں جس کے لیے اللہ تبارک و تعالیٰ کے حکم سے نیل نے اپنی روانی روک کر راستہ دے دیا تھا۔"

"ہاں سپہ سالار!"۔۔۔ عاصم بن عمرو نے کہا۔۔۔"ارادے نیک ہوں اور دل میں اللہ کا نام ہو تو وہ معجزہ ہم جیسے انسان بھی کر کے دکھا سکتے ہیں۔"

مؤرخ لکھتے ہیں کہ سعدؓ بن ابی وقاص پر خاموشی طاری ہو گئی اور وہ گہری سوچ میں کھو گئے۔ چند لمحوں بعد وہ چل پڑے، دیوار سے اُترے اور اُس کمرے میں جا بیٹھے جہاں فارس کے جرنیل بیٹھا کرتے تھے۔ اُنہوں نے کہا کہ تمام سرداروں کو بلایا جائے۔ قاصد چلا گیا تو سعدؓ نے اُسے آواز دے کر روک لیا۔

"تمام لشکر کو باہر میدان میں اکٹھا کیا جائے"۔۔۔ سعدؓ نے کہا۔

زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ مجاہدین کا لشکر آ گیا۔ سعدؓ باہر نکلے۔ قبیلوں کے سردار اپنے اپنے قبیلے کے سامنے کھڑے تھے۔ سعدؓ گھوڑے پر سوار ہوئے اور لشکر کے سامنے جا رُکے۔

"...شہنشاہِ فارس نے اس دریا کو اپنی ڈھال بنا لیا ہے"۔۔۔ سعدؓ مجاہدین سے مخاطب ہوئے۔۔۔"میں نے دیکھا ہے کہ مدائن کی دیوار پر کچھ آدمی کھڑے ہماری طرف اشارے کر کر کے ہنس رہے تھے۔ وہ ہمارا مذاق اڑا رہے تھے کہ ہم آگے نہیں بڑھ سکتے۔ ہم پر فرض ہو گیا ہے کہ دشمن کو اس مذاق کا جواب دیں لیکن کشتیاں دشمن کے قبضے میں ہیں۔ وہ جب بھی چاہے ہم پر حملہ کر سکتا ہے۔ ہم پار نہیں جا سکتے لیکن ہم پار جائیں گے۔ ہم نے میدانِ جنگ میں معجزے کر دکھائے ہیں۔ اب ایک معجزہ یہ رہ گیا ہے کہ یہ دریا پار کرنا ہے۔ ہم ایسے مقام پر آ پہنچے ہیں جہاں ہم گھیرے میں آ سکتے ہیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جن امراء اور جاگیرداروں نے ہماری اطاعت قبول کر لی ہے وہ لوگوں کو جمع کر کے اطاعت سے

دستبردار ہو جائیں اور ہم پر عقب سے حملہ کر دیں... میں اب ایسی بات کہنے لگا ہوں جسے شاید تم سن کر بھی کہو کہ میں نے ایسی بات نہیں کہی۔"

"اے امیرِ لشکر!"۔۔۔ مجاہدین میں سے کسی کی بڑی ہی بلند آواز ابھری۔۔۔"اس سے پہلے تُو وہ بات منہ سے نکالے، ایک بات مجھے کہہ لینے دے... اللہ ہماری رہنمائی کا اور ہماری قسمت کا فیصلہ کر چکا ہے۔ ہم یہ دریا تیر کر پار کریں گے۔"

تاریخ میں اس مجاہد کا نام نہیں ملتا۔ اُس کے یہ الفاظ تاریخ کے دامن میں محفوظ ہیں۔ تبصرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ اُس وقت سعدؓ بن ابی وقاص کے چہرے پر، ہر سالار، سردار اور ہر ایک مجاہد کے چہرے پر کچھ ایسا تاثر تھا جیسے وہ اس زمین سے اُٹھ کر عالمِ بالا میں پہنچ گئے ہوں یا عالمِ خواب و خیال میں جا پہنچے ہوں جہاں وہ دنیاوی حقائق سے لاتعلق ہو گئے ہوں۔ مؤرخوں کے مطابق لشکر سے یہی ایک آواز بار بار اُٹھ رہی تھی۔۔۔"ہم تیر کر دریا پار کریں گے... ہم تیر کر دریا پار کریں گے۔"

سعدؓ بن ابی وقاص حقیقت پسند سپہ سالار تھے۔ وہ خاموشی سے لشکر کے نعرے سنتے رہے پھر انہوں نے ہاتھ اٹھا کر لشکر کو خاموش کیا۔

"ہمیں صرف دریا ہی عبور نہیں کرنا"۔۔۔ سعدؓ بن ابی وقاص نے کہا۔۔۔"دریا کے سامنے والے کنارے پر فارس کی فوج موجود ہے اور شہر کی جو دیوار دریا کے ساتھ ہے، اُس پر تیر انداز اور برچھیاں پھینکنے والے بھی موجود ہیں۔ اگر تم دریا میں اُترے اور سامنے والے کنارے پر پہنچ بھی گئے تو تم پر تیروں کی بوچھاڑیں آئیں گی۔ برچھیاں بھی آئیں گی۔ چاہتا میں بھی یہی ہوں کہ دریا عبور کیا جائے۔"

"یہ تیرا حکم نہیں سپہ سالار!"۔۔۔ عاصم بن عمرو کے قبیلے کے ایک آدمی نے گرج کر کہا۔۔۔"یہ اللہ کا حکم ہے کہ دریا پار کرو۔ ہم اللہ کے حکم کی تعمیل کریں گے۔"

"ہم اللہ کے حکم کی تعمیل کریں گے"۔۔۔ لشکر سے ایک شور اٹھا۔۔۔"ہم دریا پار کریں گے۔"

سعدؓ بن ابی وقاص کا چہرہ جذبات کی شدت سے سرخ ہو گیا۔ انہوں نے ایک سرے سے دوسرے سرے تک اپنے لشکر کو دیکھا۔

"اس ایثار اور شجاعت کا اجر تمہیں اللہ دے گا"۔۔۔ سعدؓ بن ابی وقاص نے بڑی ہی بلند آواز سے کہا۔۔۔"اب میں تم سے پوچھتا ہوں، کون ہے وہ جو کچھ آدمی اپنے ساتھ لے کر دریا میں اُتر جائے اور اگر وہ دریا پار کر لے تو اُس دشمن کو روکے رکھے جو سامنے والے کنارے پر موجود ہے۔"

تقریباً تمام مؤرخوں نے لکھا ہے کہ عاصم بن عمرو نے ہاتھ اوپر کیا اور گھوڑے کو ایڑ لگا کر لشکر کے سامنے آ گیا۔

"میں گھوڑے پر سوار سب سے پہلے دریا میں اُتر دوں گا" ـــــ عاصم نے اعلان کیا۔

اُس کے اعلان کے ساتھ ہی چھ سو گھوڑ سوار لشکر میں سے نکل کر اُس کے سامنے جا کے۔ سب نے بیک زبان کہا کہ عاصم بن عمرو کے ساتھ ہم دریا میں اُتریں گے۔

دریا کی طرف جو دروازے تھے وہ کھول دیئے گئے۔ سعدؓ کے اشارے پر عاصم بن عمرو ان چھ سو سواروں کو شہر سے باہر دریا کے کنارے لے گیا۔ تاریخوں میں ایک واقعہ یہ بھی ملتا ہے کہ دریا کے کنارے کھڑے ہو کر عاصم نے ان چھ سو سواروں سے خطاب کیا۔

"میرے رفیقو!" ـــــ اُس نے کہا ـــــ "دریا کی حالت دیکھ لو۔ ایسا نہ ہو کہ دریا کے وسط میں جا کر پچھتانے لگو کہ یہ ہم نے کیا کیا کہ اپنے آپ کو موت کے منہ میں ڈال دیا۔ میں تمہیں یقینی موت کے خطرے میں جانے کا حکم نہیں دیتا۔ تم میں سے جو میرے ساتھ دریا میں کودنا چاہتے ہیں وہ آگے آ جائیں اور جو آگے نہیں آتے گا اُس پر کوئی گلہ نہیں۔"

اِن چھ سو سواروں میں سے صرف ساٹھ مجاہد آگے آئے اور جو آگے نہیں آئے تھے عاصم اُن کے سامنے چلا گیا۔

"کیا تم اس تھوڑے سے پانی سے ڈر گئے ہو؟" ـــــ عاصم نے کہا اور قرآن کی ایک آیت پڑھی ـــــ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَمُوتَ إِلَّا بِإِذْنِ اللّٰهِ كِتَابًا مُؤَجَّلًا ـــــ اور کوئی شخص نہیں مر سکتا جب تک اللہ کا حکم نہ ہو۔ اُس نے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے۔"

عاصم بن عمرو نے ان سواروں کے جواب کا انتظار نہ کیا، گھوڑا موڑا اور اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر گھوڑا دریا میں ڈال دیا۔ اُس کے پیچھے ساٹھ سواروں نے گھوڑے دریا میں اُتار دیئے۔ جب وہ چند قدم ہی آگے گئے تھے کہ اُن سواروں نے بھی جو پیچھے رہ گئے تھے گھوڑے دریا میں اُتار دیئے۔ گھوڑوں نے ذرا سی ہچکچاہٹ یا ڈر محسوس نہ کیا۔ وہ پوری طرح اپنے سواروں کے تابع رہے۔ اُن کے پاؤں دریا کی تہہ سے اُٹھ گئے تھے کیونکہ وہاں پانی زیادہ گہرا تھا۔ وہ کنارے سے خاصا آگے نکل گئے۔

تاریخ کے اوراق پھڑپھڑانے لگے، زمین و آسمان دم بخود ہو گئے۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے سورج رک گیا ہو اور ان مجاہدین کا یہ اقدام جو بظاہر خودکشی کی کوشش معلوم ہوتا تھا دیکھنے کے لیے آگے جانے کی بجائے کچھ پیچھے آ گیا ہو۔

سعدؓ بن ابی وقاص اور اُن کے ساتھ سالار اور دوسرے مجاہدین بہرشیر کی دیوار پر کھڑے

کھڑے تھے۔ سامنے مدائن کی دیوار پر اور دریا کے کنارے فارسی کھڑے دیکھ رہے تھے۔ سب کی سانسیں رک گئی تھیں۔

"وہ دیکھو" ـــــ سامنے والے کنارے سے کسی فارسی کی بڑی بلند آواز آئی ـــــ "وہ دیکھو عربی پاگل ہو گئے ہیں۔"

وہ پاگل پن ہی تو تھا۔۔۔۔ اجتماعی پاگل پن۔۔۔۔ چھ سو گھوڑ سوار تیز و تند اور بپھرے ہوئے دریا میں جا رہے تھے۔ یہ بھی پیشِ نظر رہے کہ شمال میں آذربائیجان تھا جو برفانی ملک تھا۔ اس ملک کی برف پگھل پگھل کر دجلہ کو شوریدہ سر اور کف آگیں رکھتی تھی۔ دریا ہر وقت طغیانی کی کیفیت میں رہتا تھا۔ پانی یخ بھی ہوتا تھا۔

اُدھر سامنے والے کنارے پر بعض فارسی قہقہے لگا رہے تھے کہ مسلمان مرنے کے لیے دریا میں اُتر رہے ہیں اور اب جنگ ختم ہو جائے گی اور بعض فارسی حیران و ششدر کھڑے تھے اور منہ کھولے دیکھ رہے تھے کہ یہ اُن ہی جیسے انسان ہیں اور یہ کس طرح اپنے سپہ سالار کے حکم سے ڈوبنے کے لیے دریا میں اتر آئے ہیں۔

علامہ شبلی نعمانی تاریخِ طبری کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ گھوڑے دریا میں کبھی ترتیب سے تیرتے جا رہے تھے۔ سیلابی موجیں گھوڑوں کو اوپر اٹھاتی اور نیچے اتارتی تھیں۔ سوار بے خوف و خطر گھوڑوں پر بیٹھے انہیں قابو میں رکھے ہوئے تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے دریا انہیں ہلا رہے دے رہا ہو لیکن دیکھنے والوں کے لیے یہ اجتماعی خودکشی کا اقدام تھا۔

فارس کی فوج کا جو دستہ سامنے والے کنارے پر تیار کھڑا تھا، اُس کے ساتھ ایک جرنیل تھا۔ مدائن کا دفاع اسی جرنیل کی ذمہ داری تھی۔ اس کا نام خرزاد تھا۔ تمام تاریخوں میں اس کا یہی نام لکھا ہے۔ یہ نہیں بتایا جا سکتا کہ اُس کا یہ نام کیوں رکھا گیا تھا۔ خرزاد کے معنی ہیں گدھے کا بچہ۔ وہ گدھے کا بچہ تھا یا نہیں، اُس کا دماغ گدھوں جیسا معلوم ہوتا تھا کیونکہ اُس نے تمام گھوڑ سواروں کو جو دریا کے وسط میں پہنچ چکے تھے اور ابھی ڈوبا ایک بھی نہیں تھا، روکنے کا بڑا ہی احمقانہ حکم دیا۔

ان مجاہدین کو روکنے اور ڈبونے کا آسان طریقہ یہ تھا کہ کنارے سے ان پر تیروں کا مینہ برسا دیا جاتا لیکن اُس نے اپنا ہی طریقہ اختیار کیا۔

"آفتاب کے بیٹو!" ـــــ خرزاد نے اپنے دستے کو حکم دیا ـــــ "عربی یہ نہ کہیں کہ عجمی بزدل تھے۔ تم بھی گھوڑے دریا میں ڈال دو اور ان عربوں کو دریا میں کاٹ کر ڈبو دو۔"

سینکڑوں فارسی گھوڑ سواروں نے گھوڑے دریا میں ڈال دیئے اور تلواریں اور برچھیاں

تان لیں۔ اب سیلابی دریا میں معرکہ لڑا جانا تھا لیکن مسلمانوں کے سپہ سالار عاصم بن عمرو نے اپنا دماغ حاضر رکھا۔ عاصم صرف بہادر اور دلیر ہی نہیں تھا، اس میں جنگی فہم و فراست کی بھی کمی نہیں تھی۔

"تیر اندازو!" — عاصم نے اپنے تیر انداز سواروں کو حکم دیا — "انہیں تیروں سے روکو۔ تیر ان کے گھوڑوں کی آنکھوں میں لگیں۔"

یہ افسانہ یا من گھڑت قصہ نہیں، یہ واقعہ اُس تاریخ کے دامن میں بھی محفوظ ہے جو یورپی مؤرخوں نے لکھی ہے حالانکہ اس تاریخ میں تعصب بھی پایا جاتا ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ دجلہ کی غصیلی موجیں مجاہدین کے گھوڑوں کو اٹھا اٹھا کر پٹخ رہی تھیں اور سوار اپنے آپ کو بڑی مشکل سے سنبھال رہے تھے۔ اس حالت میں کہ مجاہدین اپنے آپ کو اور گھوڑوں کو قابو میں رکھنے کی سرتوڑ کوشش کر رہے تھے، کمانوں میں تیر ڈال کر فارسی سواروں کے گھوڑوں کی آنکھوں کا نشانہ بھی لے رہے تھے۔

کئی ایک تیر فارسیوں کے گھوڑوں کی آنکھوں میں اُتر گئے اور باقی خطا گئے یا فارسی سواروں کے جسموں میں اُتر گئے۔ فاصلہ زیادہ نہیں تھا اس لیے تیر اندازوں کے تیر گھوڑوں کو لگتے یا سواروں کے جسموں میں دُور تک اُتر جاتے تھے۔ فارسیوں کے گھوڑے تیرنا بھول گئے۔ انہوں نے اپنے آپ کو دریا کے حوالے کر دیا۔ سوار تیر کھا کھا کر دریا بُرد ہونے لگے۔ خرزاد کا دفاعی اقدام بُری طرح تباہ ہُوا۔

مجاہدین کے گھوڑے دجلہ کو چیرتے، موجوں کے قہر و عتاب کو روندتے آگے ہی آگے بڑھتے گئے۔ کنارا ابھی دُور تھا۔

کہا جاتا ہے کہ فارسی جرنیل خرزاد کا یہ اقدام احمقانہ تھا کہ اُس نے کنارے سے ہی مجاہدین پر تیر برسانے کی بجائے اپنے سواروں کو دریا میں اتار دیا۔ معلوم نہیں خرزاد احمق تھا یا نہیں، اصل بات یہ تھی کہ اللہ تبارک و تعالیٰ جب چاہتا ہے کہ یہ کام ہو جائے تو ایسے حالات پیدا کر دیتا ہے کہ وہ کام ہو جاتا ہے۔ اللہ نے دیکھا کہ اُس کے نام اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی آن پر ان مجاہدین نے جانوں کی بازی لگا دی ہے تو اللہ نے ان کے دشمن جرنیل کو عقل کا اندھا کر دیا۔

جس وقت خرزاد نے اپنے سواروں کو دریا میں اتارا، اُس وقت مجاہدین کے ایک اور قبیلے کے سردار قعقاع بن عمرو نے سعدؓ بن ابی وقاص کے حکم کے بغیر ہی اپنے قبیلے کے سواروں کو للکارا۔

"خدا کی قسم!" — اُس نے کہا — "مدائن پر چڑھائی اکیلے عاصم کی ذمہ داری نہیں۔ وہ دیکھو، فارسی سوار گھوڑے دریا میں اُتار رہے ہیں۔"

قعقاع نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور گھوڑا دریا میں ڈال دیا۔ اُس کے پیچھے چھ سو گھوڑ سوار دریا میں اُتر گئے۔ "اللہ اکبر" کے نعروں میں دریا کا شور دب گیا۔

ان کے پیچھے لشکر کے تمام گھوڑ سواروں نے گھوڑے دریا میں اتار دیئے۔ سعدؓ بن ابی وقاص نے پیادہ مجاہدین کو اپنے ساتھ رکھا۔ بعض پیادے بھی جوش میں آکر دریا میں کودنے کو تیار ہو گئے تھے لیکن سعدؓ نے انہیں روک دیا۔

دریا میں ہزاروں گھوڑے تیرتے جا رہے تھے۔ محمد حسنین ہیکل نے مختلف مؤرخوں کے حوالے سے لکھا ہے کہ دریا کا پانی گھوڑوں اور انسانوں کے سروں میں چھُپ گیا تھا۔ فارس کی فوج جو دوسرے کنارے پر مقابلے کے لیے تیار کھڑی تھی، صرف یہی دیکھ کر بددل ہو گئی تھی کہ اُس کا جو سوار دستہ دریا میں اُترا تھا، وہ مسلمانوں کے تیروں سے ڈوب مرا ہے۔ اب دیکھا کہ مسلمانوں کا سارا لشکر دریا کو چیرتا آ رہا ہے تو فوج میں شور اُٹھا:

"دیواں آمدند، دیواں آمدند" (دیو آگئے، دیو آگئے)

یہ آوازیں بھی سنائی دیں — "ہم جنات سے نہیں لڑ سکتے۔ بھاگو لوگو بھاگو۔ جنات کا مقابلہ کیسے کرو گے۔"

عاصم بن عمرو کنارے پر جا پہنچے۔ وہاں انہیں روکنے والا کوئی نہ تھا۔ اپنے جرنیل خرزاد سمیت فارس کی فوج بھاگ گئی تھی۔ کچھ لوگ وہاں کھڑے تھے۔ عاصم نے ان سے پوچھا کہ وہ کیوں نہیں بھاگے۔ انہوں نے بتایا کہ وہ ان کشتیوں کے ملاح اور ماہی گیر ہیں۔ عاصم نے انہیں حکم دیا کہ وہ کشتیاں بُہرشیر والے کنارے پر لے جائیں اور مجاہدین کے لشکر کو لے آئیں۔

پیادہ مجاہدین نے سعدؓ بن ابی وقاص کے ساتھ کشتیوں میں دریا پار کیا۔ منجنیقیں اور دیگر سامان بھی کشتیوں میں لے جایا گیا۔

اب مدائن کو محاصرے میں لینا تھا لیکن شہر کے لوگوں اور سعدؓ بن ابی وقاص کے جاسوسوں نے بتایا کہ مدائن خالی پڑا ہے۔ شہنشاہ یزدگرد اپنے خاندان کو ساتھ لے کر چلا گیا ہے اور فوج کا ایک سپاہی بھی شہر میں موجود نہیں۔

سعدؓ بن ابی وقاص شہر میں داخل ہُوئے تو اتنے خوبصورت اور اتنے امیر شہر پر ہُو کا عالم طاری تھا۔ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص رک گئے اور ہر سُو دیکھا پھر انہوں نے بلند آواز سے قرآن کی یہ آیت پڑھی:

كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ○ وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ○ وَّنَعْمَةٍ كَانُوْا
فِيْهَا فٰكِهِيْنَ ○ كَذٰلِكَ وَاَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ○ فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ
وَالْاَرْضُ وَمَا كَانُوْا مُنْظَرِيْنَ ○ (الدّخان : ۲۵ تا ۲۹)

"وہ بہت سے باغ، چشمے، کھیت، پاکیزہ مقام اور نعمتیں چھوڑ گئے جن میں وہ عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتے تھے اور اس طرح ہم نے ایک دوسری قوم کو ان کا وارث بنایا۔ پس نہ اُن پر آسمان رویا نہ زمین اور نہ انہیں ڈھیل دی۔"

دریا تیر کر پار کرنے میں صرف ایک مجاہد ڈوب کر شہید ہُوا۔ تاریخوں میں صرف یہ لکھا ہے کہ وہ قبیلہ طے کا مجاہد تھا۔ نام کسی نے بھی نہیں لکھا۔ عمرو بن العلاء کی روایت ہے کہ اُسے تیر لگا تھا جو فارسیوں نے چلائے تھے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ فارسیوں نے تھوڑی سی تیر اندازی بھی کی تھی۔

یزدگرد اور اُس کا خاندان کہاں گیا؟

تاریخِ اسلام کی معجزہ نما داستان کو آگے بڑھانے سے پہلے ہم ذرا پیچھے اُس مقام پر واپس جانا چاہتے ہیں جہاں اِس داستان کے ایک ہیرو عاصم بن عمرو نے گھوڑا دریا میں ڈالا تھا۔ یہ سنایا جا چکا ہے کہ عاصم کے ساتھ ساٹھ رضا کار تھے جنہوں نے دجلہ پار کرنے کے لیے گھوڑے دریا میں ڈال دیئے تھے۔ ان کے پیچھے باقی پانچ سو چالیس جانباز سواروں نے بھی گھوڑے دریا میں اتار دیئے تھے۔

اُس وقت مدائن کی دیوار پر بہت سے فارسی کھڑے قہقہے لگا رہے تھے۔ انہیں توقع تھی کہ مسلمان اتنے زیادہ جوش میں آتے ہوتے دریا میں ڈوب جائیں گے یا دریا کا اتنا تیز و تند بہاؤ انہیں اپنے ساتھ ہی لے جائے گا۔ فارسیوں کی یہ توقع بے بنیاد نہیں تھی۔ مسلمان ایک معجزہ کر دکھانے کی کوشش کر رہے تھے جو بظاہر ناممکن نظر آ رہا تھا۔

دیوار پر کھڑے فارسیوں کے اس ہجوم سے الگ تھلگ ایک آدمی کھڑا تھا جس نے اپنے سر پر اس طرح ایک کپڑا ڈال رکھا تھا کہ اُس کا چہرہ بھی نظر نہیں آتا تھا۔ وہ دوسروں کی طرح ہنس نہیں رہا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر ہلکا سا تبسم بھی نہیں تھا بلکہ چہرے پر سنجیدگی تھی اور سنجیدگی میں اُداسی اور مایوسی کی جھلک نمایاں تھی۔

ایک عورت جس کے چہرے پر نقاب تھا، تیز تیز چلتی اُس کے قریب آ رکی۔

"یہاں کھڑے کیا کر رہے ہو یزدی؟" ــــ عورت نے اُس سے پوچھا ــــ "تم حوصلہ کیوں ہار بیٹھے ہو؟"

"تم چلی کیوں نہیں جاتیں ماں!" ــــ اُس نے کہا ــــ "سب جا چکے ہیں۔ تم بھی یہاں سے فوراً چلی جاؤ۔"

"تمہیں اکیلا چھوڑ کر کیسے چلی جاؤں بیٹا؟"

اُس نے عورت کی طرف دیکھا اور بولا کچھ بھی نہیں۔

وہ یزدگرد تھا.... شہنشاہِ فارس.... اور یہ عورت اُس کی ماں نورین تھی۔

یزدگرد شاہی لباس میں ملبوس نہیں تھا۔ لباس سے وہ بالکل ہی عام سا شہری لگ رہا تھا۔

اُس نے چہرہ چھپا رکھا تھا۔ تمام مستند مورخوں نے لکھا ہے کہ بہرشیر سے فارس کی فوج بھاگ کر مدائن چلی گئی تو یزدگرد کے ہاتھ سے امید کا دامن چھوٹ گیا۔ اُس پر اتنی زیادہ مایوسی طاری ہو گئی کہ وہ نوجوانی میں بوڑھا نظر آنے لگا تھا۔

اُس نے بہرشیر پر مسلمانوں کا قبضہ ہوتے ہی تمام تر شاہی خاندان کو مدائن سے نکال کر مدائن سے کچھ دُور ایک مقام حُلوان بھیج دیا اور خود محل میں ہی رُکا رہا۔ اُس کی خاطر اُس کی ماں بھی وہیں رُک گئی۔

"....اور تم اتنے مایوس کیوں ہوتے جا رہے ہو یزدی؟" — نورین نے بڑے پیار اور حوصلہ مندی سے یزدگرد سے کہا — "مسلمان ڈوبنے کے لیے دریا میں اُترے ہیں۔ کیا یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ ان کے گھوڑے اس طغیانی میں سے نکل آئیں گے؟"

"ان کے سوار انہیں طغیانی میں سے نکال لائیں گے" — یزدگرد نے کہا — "جذبہ سواروں میں ہوتا ہے گھوڑوں میں نہیں۔ بات سواروں کی کرو.... کہاں ہیں ہمارے سوار؟ وہ پیچھے کو بھاگنا چاہتے تھے اس لیے ان کے گھوڑے پیچھے کو بھاگ آئے ہیں۔"

"کیا ہمارے جرنیل دھوکہ باز نہیں؟" — نورین نے دانت پیس کر کہا — "بزدل، کمینے، عیاش اور بھاگنے میں سب سے آگے۔ خرزاد کو میں دوسروں سے بہتر سمجھتی تھی۔ وہ رستم کا بھائی ہے۔"

"اور میں خرزاد پر صرف اسی لیے بھروسہ نہیں کرتا کہ یہ رستم کا بھائی ہے" — یزدگرد نے کہا — "کیا تمہیں یاد نہیں ماں! رستم کو میں نے کس طرح دھکیل دھکیل کر قادسیہ بھیجا تھا؟ اُس نے مہینوں کے حساب سے وقت ضائع کیا اور اس وقت سے عربوں نے فائدہ اٹھایا" — یزدگرد چونک کر خاموش ہو گیا۔ اُس کی نظریں دریا پر لگی ہوئی تھیں مسلمانوں کے گھوڑے دریا کے وسط تک آ گئے تھے۔ یزدگرد نے گھبرائی ہوئی سی آواز میں کہا — "وہ دیکھو ماں! تم کہتی ہو وہ ڈوبنے کے لیے دریا میں اُترے ہیں۔ کیا تم دیکھ نہیں رہی ہو کہ اتنے قہر اور غضب سے اٹھنے والی طوفانی موجیں عربوں کے گھوڑوں تلے دب گئی ہیں؟ وہ دریا پار کر لیں گے۔ انہیں ڈوبنا ہوتا تو اب تک ڈوب چکے ہوتے۔"

"خرزاد نے مجھے یقین دلایا ہے کہ وہ مسلمانوں کو دریا میں ہی تباہ کر دے گا" — نورین نے کہا — "کہتا ہے کہ وہ بہرشیر کی شکست کو فتح میں بدل دے گا۔"

یزدگرد طنزیہ سی ہنسی ہنس پڑا۔

جس وقت یزدگرد اپنی ماں کے ساتھ مدائن کی دیوار پر کھڑا مسلمانوں کے گھوڑوں کو دریا پا

کرتا دیکھ رہا تھا، سعدؓ بن ابی وقاص ایک مشہور و معروف صحابی سلمانؓ فارسی کے ساتھ دریا کے بہرشیر والے کنارے پر کھڑے تھے۔

"حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ" — سعدؓ بن ابی وقاص نے کہا — "خدا کی قسم۔ اللہ اپنے ان نیک بندوں کو جو اُس کی راہ میں جانیں قربان کرنے نکلے ہیں، فتح و نصرت عطا کرے گا۔ مجھے یقین ہے اور یہ میرا عقیدہ ہے کہ اللہ اپنے دین کو غالب کرے گا اور دشمن کو لازمی طور پر شکست دے گا بشرطیکہ مجاہدین کے لشکر میں ایسا کوئی گناہ یا کوئی ایسی زیادتی نہ ہو گئی ہو جو نیکیوں پر غالب آ جاتی ہے۔"

"خدا کی قسم ابن ابی وقاص!" — سلمانؓ فارسی نے کہا — "جس طرح ان کے لیے اللہ نے زمین کی دشواریاں ہموار کر دی تھیں، اسی طرح اللہ ان کے لیے اس دریا کو بھی پامال کر دے گا۔ قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں سلمان کی جان ہے، جس طرح یہ دریا میں اُترے ہیں اسی طرح زندہ و سلامت دریا کے اُس کنارے پر پہنچ جائیں گے۔"

اُس وقت مجاہدین کے گھوڑے دریا کے وسط سے آگے نکل گئے تھے۔ موجوں کا طوفانی زیروبم وسط میں ہی تھا۔ وہاں سے گھوڑے نکل گئے تو اُمید بندھ گئی کہ اب دریا پار کر لیں گے۔

سلمانؓ فارسی کے متعلق کچھ بتانا ضروری معلوم ہوتا ہے جیسا کہ نام سے ظاہر ہے سلمانؓ فارس (ایران) کے رہنے والے تھے۔ اسلام قبول کیا تو مدینہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور جا پہنچے اور آنحضورؐ کی رفاقت میں ہی زیادہ وقت گزارا۔

اہلِ قریش نے مکہ اور اردگرد کے دیگر قبائل سے مل کر جب مدینہ پر حملہ کیا، اُس وقت سلمانؓ فارسی مدینہ میں ہی تھے۔ حملہ آوروں کی آمد کا قبل از وقت پتہ چل گیا۔ اُس وقت مسلمانوں کے نفری کے لحاظ سے جنگی طاقت خاصی کم تھی۔ حملہ آوروں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ اس خطرناک صورتِ حال میں سلمانؓ فارسی کام آتے۔ انہوں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورہ دیا کہ مدینہ کے اردگرد خندق کھودی جائے جو اتنی چوڑی اور اتنی گہری ہو کہ طاقتور گھوڑا بھی اسے پھلانگ نہ سکے۔

اُس وقت تک مسلمان خندق کے تصور سے ناآشنا تھے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سلمانؓ فارسی کا مشورہ قبول فرما کر اہلِ مدینہ سے فرمایا کہ سلمانؓ فارسی کی نگرانی میں خندق کھودی جاتے۔

مسلمانوں میں بے پناہ جوش و خروش اور جذبہ تھا۔ انہوں نے بہت ہی تھوڑے سے وقت

ٰیں شہر کے ارد گرد خندق کھود ڈالی اور پھر دیکھا کہ اسے گھوڑا پھلانگ سکتا ہے یا نہیں۔ گھوڑے کے لیے یہ کام ممکن نہیں تھا۔ اہلِ مکہ جوش و خروش سے آئے اور خندق کے باہر رک گئے۔ انہوں نے بہت کوشش کی کہ خندق کو پھلانگ سکیں لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔ اس وقت خالدؓ بن ولید مسلمان نہیں ہوتے تھے اور اس حملے کے قائد وہی تھے۔ اہلِ مکہ نے مدینہ کو ایک مہینے تک محاصرے میں رکھا۔ آخر مایوس ہو کر واپس چلے گئے۔ اس خندق کی وجہ سے اس جنگ کو جنگِ خندق کہا جاتا ہے۔

اب سلمانؓ فارسی سعدؓ بن ابی وقاص کے ساتھ تھے اور پورے وثوق سے کہہ رہے تھے کہ مجاہدین دریا پار کر لیں گے۔ پچھلے باب میں بیان ہو چکا ہے کہ مجاہدین نے دریا پار کر لیا تھا۔

یزدگرد دیوار سے اُتر گیا۔ نورین اُس کے ساتھ تھی۔ نیچے کہیں دو گھوڑے کھڑے تھے۔ یزدگرد اور اُس کی ماں ان گھوڑوں پر سوار ہوئے اور محل میں جانے کی بجائے شہر کے ایک چھوٹے سے دروازے سے نکل گئے۔ وہ مدائن سے دُور چلے گئے۔ یزدگرد نے ایک بار بھی مُڑ کر مدائن کو نہ دیکھا۔ اُس کی ماں بار بار پیچھے دیکھتی تھی۔ اُس کے آنسو رُکتے ہی نہیں تھے۔

اس خاندان پر کڑی آزمائش کا وقت تو وہ تھا جب یزدگرد کو اطلاع ملی تھی کہ بُہرشیر میں بھی مسلمان داخل ہو گئے ہیں۔ یزدگرد نے دیوار پر کھڑے ہو کر اپنی بچی کھچی فوج کو کشتیوں اور پُل سے مدائن کی طرف بھاگتے دیکھا تھا۔ وہ اپنے محل میں گیا۔ اپنی ماں، سوتیلی بہن پوران اور شاہی خاندان کے سرکردہ افراد کو بلایا۔ ان کے علاوہ اُس نے دو جرنیلوں کو بھی بلایا۔ ایک مہران تھا اور دوسرا فیروزان۔ ان سب کو معلوم ہو چکا تھا کہ بُہرشیر سے اپنی فوج بھاگ آئی ہے اور وہاں مسلمان قابض ہو گئے ہیں۔

یہ وہ محل تھا جہاں مسرت و شادمانی محوِ رقص رہتی تھی۔ جہاں شہنشاہ ہوتا وہاں انتہائی حسین اور دلکش کنیزیں شہنشاہ کے آگے پیچھے حاضری میں موجود رہتی تھیں۔ ان کے ناز و انداز اور طور طریق سے محفل میں کچھ اور ہی رونق پیدا ہو جاتی تھی۔ شراب کی صراحیاں اور پیالے تو اس محل کا ... سمجھے جاتے تھے لیکن اس روز تمام افراد پر سناٹا طاری تھا۔ کسی کنیز کو اُس کمرے میں جانے کی اجازت نہیں تھی جس میں یزدگرد نے ان سب کو بلایا تھا۔ شراب کی صراحیاں بھی ہٹا لی گئی تھیں۔ ان سب کے انداز بتاتے تھے کہ وہ ایک دوسرے سے نظریں ملانے سے بھی گھبرا رہے تھے۔

"خدائے آفتاب کی لعنت ہو تم جرنیلوں پر!" ——— یزدگرد نے مہران اور فیروزان کی طرف

دیکھ کر سکوت توڑا ——— "تم میں سے کوئی ایک بھی جرنیل کسی ایک بھی میدان میں نہیں ٹھہر سکا۔ بُہرشیر کے دفاع کے لیے میں تمہیں اور کتنی مدد دے سکتا تھا۔ خرزاد نے سب کچھ ضائع کر دیا۔"

"ہم ابھی زندہ ہیں شہنشاہِ فارس!" ——— مہران نے کہا ——— "دجلہ ہمارے دشمن کے سامنے ایسی رکاوٹ ہے جو اُسے بُہرشیر سے آگے بڑھنے نہیں دے گی۔ فوج واپس آ رہی ہے۔ اُدھر کے کنارے سے تمام چھوٹی بڑی کشتیاں ادھر لے آئیں اور پُل کو آگ لگا دیں۔"

"پھر کیا ہو گا؟" ——— یزدگرد نے طنزیہ سے لہجے میں پوچھا۔

"ہم اپنی تمام فوج کو اکٹھا کریں گے" ——— مہران نے کہا ——— "اور بہت جلد بہت بڑا لشکر تیار کر کے اُس جگہ سے دریا پار کریں گے جہاں پانی تھوڑا ہو۔"

"مہران!" ——— یزدگرد نے کہا ——— "تم میرے باپ کی عمر کے آدمی ہو۔ جو تجربہ تمہیں حاصل ہے، میں اس سے محروم ہوں لیکن جو تجربہ مجھے عربوں کی لڑائی میں ہوا ہے وہ میری آنکھیں کھولنے کے لیے کافی ہے۔ میں تمہیں اتنا بڑا لشکر دے چکا ہوں جو فارس کے لوگوں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ میں نے تمہیں ہاتھی بھی دیئے تھے اور میں نے تمہیں وہ جنگی ساز و سامان دیا تھا جو عرب خواب میں بھی نہیں دیکھ سکتے.... ہمارے بہت سے جرنیل مارے گئے ہیں جن کا مجھے ذرا سا بھی افسوس نہیں۔ اگر تم بھی مارے جاؤ گے تو مجھے افسوس نہیں ہو گا۔ ہر اُس جرنیل کو جو اتنی تھوڑی نفری سے شکست کھا کر بھاگ آتے اُسے خودکشی کر لینی چاہیئے۔"

"شہنشاہِ فارس!" ——— فیروزان نے کہا ——— "ہمیں ایک موقع دیں۔"

"میرا فیصلہ سن لو" ——— یزدگرد نے کہا ——— "ایک وہ وقت تھا جب ہم کہتے تھے کہ عربوں کو عراق کی سرحد سے باہر کر دیں گے اور رستم کہتا تھا کہ وہ پورے عرب کو تباہ و برباد کر کے مدینہ پر قبضہ کرے گا اور اسلام کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دے گا۔ پھر وہ وقت آیا کہ ہم نے بے انتہا نفری کا لشکر تیار کیا کہ عرب کے ان مسلمانوں کو قادسیہ کے میدان میں کچل ڈالیں گے....

"پھر تم جانتے ہو کہ قادسیہ کے میدان میں کیا ہُوا۔ عرب کو تباہ کرنے والا رستم خود تباہ ہو گیا ... اس طرح بکھر گیا جس طرح آندھی میں خشک گھاس کے تنکے اُڑ جایا کرتے ہیں۔ پھر ہم نے کہا کہ عربوں کو بُہرشیر تک نہیں پہنچنے دیں گے مگر اب وہ وقت آ گیا ہے کہ ہم مدائن کو بھی شاید نہ بچا سکیں۔"

"یوں مت کہو یزدی!" ——— یزدگرد کی ماں نے تڑپ کر کہا ——— "مدائن کی طرف کوئی آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتا۔"

"تم چپ رہو ماں!" ——— یزدگرد نے کہا ——— "اپنے جرنیلوں اور اپنی فوج کی بزدلی کو دیکھ کر

مجھے یہ جھجک بھی مارنی پڑی کہ میں نے اپنی آدھی سلطنت عربوں کو پیش کی اور ساتھ یہ درخواست کی کہ وہ دجلہ کے اُس کنارے تک رہیں۔ آگے نہ بڑھیں۔ تم سب جانتے ہو کہ ان عربوں نے جنہیں ہم حقیر سمجھتے تھے ہماری اتنی بڑی پیش کش کو رعونت سے ٹھکرا دیا۔۔۔۔ ہم مدائن کو نہیں بچا سکتے۔ اب ہم صرف اپنی جانیں بچا سکتے ہیں اور ہم اپنی عزتیں بچا سکتے ہیں۔۔۔۔ میرا فیصلہ یہ ہے کہ شاہی محل کے تمام افراد یہاں سے فوراً نکلیں اور حلوان پہنچ جائیں۔"

"ہم اپنی فوج کے ساتھ یہیں رہیں گے"۔۔۔ مہران نے کہا۔

"یہاں کوئی نہیں رہے گا"۔۔۔ یزدگرد نے کہا۔۔۔ "مدائن خالی کر دیا جائے۔ نہرشیر والے کنارے پر کوئی ایک ٹوٹی پھوٹی کشتی بھی نہ رہنے دی جائے۔ پل کو آگ لگا دی جائے۔ کوئی ایک بھی کنیز ہمارے ساتھ نہیں جائے گی۔ تمام تر شاہانہ جاہ و جلال اور عیش و عشرت مدائن میں ہی رہے گی۔ فوج مدائن میں نہیں رہے گی۔"

"نہیں شہنشاہِ فارس!"۔۔۔ فیروزان نے کہا۔۔۔ "فوج کو مدائن میں رہنا چاہیئے۔ مسلمان دجلہ سے آگے نہیں آسکتے۔"

"مسلمان دجلہ سے آگے آسکتے ہیں"۔۔۔ یزدگرد نے پُرزور لہجے میں کہا۔۔۔ "اور وہ آئیں گے۔ میری کوئی حس بتا رہی ہے کہ عرب کے یہ مسلمان جو یہاں تک پہنچ گئے ہیں، دجلہ پار کر لیں گے۔ اگر ان میں اتنی ہمت نہ ہوتی تو میری آدھی سلطنت کی پیش کش کو فوراً قبول کر لیتے۔"

کسی بھی مؤرخ یا مبصر نے نہیں لکھا کہ یزدگرد نے مدائن کیوں خالی کر دیا تھا۔ اس سے آگے جو واقعات اور معرکے سامنے آتے، ان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یزدگرد آگے جا کر پوری تیاری کے بعد مسلمانوں سے ٹکر لینا چاہتا تھا۔ بحیثیت مسلمان ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اللہ نے جو کرنا تھا اُس کے لیے حالات خود ہی پیدا ہوتے چلے جا رہے تھے۔ یہاں ہم پھر یاد دلاتے ہیں کہ مدائن کا یہ محل وہ محل تھا جس میں خسرو پرویز نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغامِ حق اور اسلام قبول کرنے کا دعوت نامہ بڑی رعونت سے پھاڑ کر پُرزے پُرزے کیا، انہیں ہتھیلی پر رکھ کر زور سے پھونک ماری اور پُرزے اُڑا دیئے تھے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی تو آپ نے فرمایا کہ سلطنتِ فارس اسی طرح ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بکھر جائے گی۔

اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان پورا کرنا تھا اور رسول اللہ کے دو صحابہ کرامؓ سعدؓ بن ابی وقاص اور سلمانؓ فارسی کا یقینِ محکم سے کہنا کہ اللہ ہمیں فتح و نصرت سے نوازے گا، رائیگاں جانے والا نہیں تھا۔

یزدگرد کا مدائن کو خالی کر جانا اور اپنی تمام تر دولت وہیں چھوڑ جانا، ایک ثبوت ہے کہ اُس کی ہمت تو جواب دے ہی گئی تھی، اُس کی عقل پر بھی پردہ پڑ گیا تھا۔

شاہی خاندان کا وہاں سے نکلنا اور وہ بھی ضرورت کی چند ایک اشیاء ساتھ لے کر نکلنا اس خاندان کے لیے کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا۔ پوران پر ایسی خاموشی طاری تھی جیسے اُس کی زبان بولنے سے معذور ہو گئی ہو اور دماغ سوچنے کے قابل نہ رہا ہو۔ نورین کا چہرہ بے تاثر تھا۔ اُس کے سامنے ایک تو سلطنت فارس تھی جس کی وہ مادرِ ملکہ تھی اور دوسرا اُس کا اکلوتا بیٹا تھا جسے وہ سلطنتِ فارس کی قیمت دے کر بھی زندہ و سلامت دیکھنا چاہتی تھی۔

پھر بہت سی نوجوان اور ایک سے ایک بڑھ کر حسین کنیزیں تھیں۔ انہیں پیچھے چھوڑا جا رہا تھا۔ جب شاہی خاندان کے تمام افراد محل سے نکلے تو یہ کنیزیں راستے میں کھڑی آنسو بہا رہی تھیں۔

شاہی خاندان کا ہر ایک فرد مدائن سے نکل گیا۔ صرف یزدگرد پیچھے رہ گیا اور اُس کے ساتھ اُس کی ماں رہ گئی۔ یزدگرد نے جب مسلمانوں کو دجلہ پار کرتے دیکھا تو وہ بھی اپنی ماں کے ساتھ مدائن سے نکل گیا۔

اس کے بعد جس طرح مسلمانوں نے دجلہ پار کیا وہ بیان ہو چکا ہے۔

سعدؓ بن ابی وقاص اپنے ساتھیوں کے ساتھ مدائن کے محل کی طرف چلے تو اُس وقت (مؤرخوں کے مطابق) اُن کے چہرے پر ایسا تاثر تھا جیسے انہیں یقین نہ آ رہا ہو کہ اس قدر خوبصورت اور اتنا قیمتی شہر مسلمانوں کے قدموں میں پڑا ہے۔ عرب کے صحراؤں میں پل کر جوان ہونے والے ان مجاہدین نے کبھی خواب میں بھی ایسا جنت نظیر شہر نہیں دیکھا تھا۔ عمارتیں ایسی جیسے دنیا بھر کی دولت ان کی تعمیر پر صرف کر دی گئی ہو۔ باغ ایسے جو بہشت کا منظر پیش کر رہے تھے۔

سعدؓ اپنے ساتھیوں کے ساتھ محل کے علاقے میں داخل ہوئے۔ محل کے اردگرد دُور دور تک رنگا رنگ پھولوں، سرسبز درختوں اور عجیب و غریب پودوں کے باغ تھے۔ پھولوں کی [illegible] رہی تھی۔ بعض درخت پھلوں سے لدے ہوئے تھے۔ یہ باغ آتش پرستوں کے ذوق کی نزاکت کا پتہ دیتے تھے۔

اور جب سعدؓ بن ابی وقاص اپنے ساتھیوں کے ساتھ محل میں داخل ہوئے تو اُن کے قدم رک گئے۔ دیواروں پر ایسے نقش و نگار بنائے گئے تھے کہ یہ مصنوعی نہیں بلکہ قدرتی معلوم ہوتے تھے۔ محل کے ہر کمرے میں جو فرنیچر، آرائش و زیبائش کا جو سامان تھا اس کے ڈیزائن اور اس

کی خوبصورتی حیرتناک تھی اور دیکھنے والوں پر طلسماتی سا تاثر پیدا کرتی تھی۔ دروازوں اور کھڑکیوں پر فارس کے ریشم کے پردے لٹک رہے تھے۔ سونے کے کمرے کچھ اس طرح سجائے گئے تھے کہ ایسے کسی بھی کمرے میں داخل ہوتے ہی غنودگی طاری ہونے لگتی تھی۔

سعدؓ بن ابی وقاص جب محل کے ایوان میں پہنچے جہاں شہنشاہ کا دربار لگا کرتا تھا تو رک گئے۔ ان پر ایسی خاموشی طاری تھی جیسے بہت ہی مرعوب ہو گئے ہوں اور جیسے انہیں یقین نہ آتا ہو کہ عرب کے بوریا نشینوں کی قسمت میں یہ شاہی محل اور یہ بے بہا دولت بھی لکھی ہوئی ہو۔

"وضو کرو" ـــــ سعدؓ نے اپنے ساتھیوں سے کہا ـــــ "سب سے پہلے اللہ کے حضور شکرانے کے نفل پڑھو۔"

کسی بھی مؤرخ نے یہ نہیں لکھا کہ شکرانے کے نفل باجماعت پڑھے گئے یا ہر ایک نے الگ الگ پڑھے، بہرحال تمام مؤرخوں نے متفقہ طور پر لکھا ہے کہ سعدؓ نے شکرانے کے آٹھ نفل پڑھے۔ اللہ کے حضور رکوع و سجود کے دوران سعدؓ بن ابی وقاص کی آنکھوں سے آنسو بہتے رہے۔

اس کے بعد سعدؓ بن ابی وقاص نے جو پہلا حکم دیا، وہ یہ تھا کہ وہ تمام عرب خواہ وہ مسلمان ہیں یا عیسائی جن کے بیوی بچے ساتھ ہیں، انہیں مدائن لے آئیں اور اپنی اپنی پسند کے مکان میں آباد ہو جائیں۔

جس شہر سے بادشاہ اپنے خاندان اور پوری فوج کے ساتھ بھاگ جائے، اس شہر میں رعایا کے لوگ کیسے ٹھہر سکتے ہیں۔ شہر کے لوگوں پر مسلمانوں کی دہشت تو پہلے ہی طاری ہو چکی تھی اور جب مسلمان دریا گھوڑوں کی پیٹھوں پر پار کر رہے تھے تو شہر کے لوگ شہر پناہ پر کھڑے دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے یہ بھی دیکھا تھا کہ ان کے جرنیل خرزاد نے مسلمانوں کو روکنے کے لیے اپنے گھوڑسوار دریا میں اتار دیئے تھے اور ان سواروں کو مسلمان سواروں نے تیروں سے گھائل کر کے دریا برد کر دیا تھا۔ پھر ان لوگوں نے مسلمانوں کو مدائن والے کنارے تک پہنچتے دیکھا اور اپنی فوج کا یہ واویلا بھی سنا تھا ـــــ "دیواں آمدند۔ دیواں آمدند" ـــــ اور پھر انہوں نے اپنی فوج کو دہشت زدگی کے عالم میں بھاگتے دیکھا تھا۔ شہر کے اندر جنگل کی آگ کی طرح گھر گھر تک یہ آواز پہنچ رہی تھی کہ یہ عربی انسان نہیں جنات ہیں۔

لوگ اپنے بیوی بچوں کو ساتھ لے کر اور اپنا مال و اسباب پیچھے پھینک کر شہر سے نکل گئے تھے۔ سعدؓ بن ابی وقاص نے اپنے لشکر کے ہر اس مجاہد کو ایک ایک مکان دے دیا جن کے بیوی بچے ان کے ساتھ تھے۔ زیادہ تر کنبے حیرہ میں تھے۔ کچھ لشکر کے ساتھ پیچھے کسی مقام پر تھے اور بعض ان شہروں اور قصبوں میں تھے جن پر مسلمانوں کا قبضہ ہو چکا تھا۔

سعدؓ بن ابی وقاص نے اپنے لشکر کے کچھ حصے کو فارس کی فوج کے بھاگتے ہوئے دستوں کے تعاقب میں بھیج دیا۔ انہیں غالباً توقع تھی کہ وہ یزدگرد کو پکڑ لیں گے۔ جاسوسوں نے سعدؓ کو بتایا کہ یزدگرد بہت پہلے چلا گیا تھا اور وہ اب حلوان میں ہے۔

جو مجاہدین تعاقب میں گئے تھے، ان کے گھوڑے دجلہ جیسا سیلابی دریا تیر کر پار کر کے بری طرح تھکے ہوئے تھے۔ جسم پر یخ پانی کے اثرات بھی تھے، پھر بھی مجاہدین انہیں فارسیوں کے تعاقب میں دوڑاتے گئے۔ مدائن کے فوجی بکھر کر بھاگے جا رہے تھے۔ ان میں شہر کے لوگ بھی تھے۔ کچھ لوگ بیل گاڑیوں اور گھوڑا گاڑیوں پر جا رہے تھے۔

کوئی فوجی ہوتا یا شہری، وہ مجاہدین کو اپنے تعاقب میں دیکھ کر چھپنے یا بھاگنے کی کوشش کرتا تھا لیکن مجاہدین کی اس دھمکی پر کہ چھپنے والے کو قتل کر دیا جائے گا، ہر کوئی رک جاتا تھا۔ مجاہدین ہر کسی کی، خصوصاً بیل گاڑیوں اور گھوڑا گاڑیوں میں جانے والوں کی تلاشی لیتے اور قیمتی اشیاء، سونا، چاندی، ہیرے جواہرات اور نقد رقمیں لے لیتے تھے۔

مسلمانوں کی اس معجزہ نما فتح اور فارسیوں کی شرمناک پسپائی کی تاریخ میں مؤرخوں نے مالِ غنیمت کا تفصیلی اور خصوصی ذکر کیا ہے جس کی ایک وجہ یہ ہے کہ اس قدر بیش قیمت مالِ غنیمت عرب کے مسلمانوں کے تصور میں بھی کبھی نہیں آیا تھا، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ مالِ غنیمت کے معاملے میں مجاہدین نے جس دیانتداری کے مظاہرے کیے، ان پر آج کے تاریخ نویس بھی حیرت کا اظہار کرتے ہیں۔

ہم سب سے پہلے اس مالِ غنیمت کا ذکر کریں گے جو مدائن سے بھاگتے ہوئے فوجیوں اور شہریوں سے مجاہدین نے حاصل کیا۔ مدائن دولت مند تاجروں اور جاگیرداروں کا شہر تھا۔ وہاں کے معمولی سے گھروں میں بھی سونا اور نقدی موجود تھی۔ تعاقب کے دوران ان لوگوں سے زر و جواہرات بیش قیمت ہیروں اور رقموں کی صورت میں بے بہا خزانہ ملا۔

چند ایک گھوڑا گاڑیاں بڑی تیز رفتار سے دوڑ پڑیں۔ ایک کے تعاقب میں قعقاع بن عمرو نے گھوڑا دوڑا دیا۔ گاڑی میں صرف گاڑی بان تھا۔ جب قعقاع کا گھوڑا گاڑی کے ایک طرف گاڑی بان کے قریب پہنچا تو گاڑی بان نے تلوار نکال لی اور قعقاع پر وار کیا۔ قعقاع نے وار بچا لیا اور تلوار نکالی۔

گاڑی کے آگے دو گھوڑے تھے جو پوری رفتار سے دوڑ رہے تھے۔ قعقاع نے آگے بڑھ کر ایک گھوڑے کی لگام پکڑ لی اور اس گھوڑے کو روکنے سے دوسرا گھوڑا بھی

رُک گیا۔ گاڑی بان کود کر اُترا اور قعقاع پر حملہ کیا۔ اُسے معلوم نہیں تھا کہ مقابلہ کس کے ساتھ ہے۔ قعقاع گھوڑے پر تھا۔ اس نے گھوڑا گاڑی بان پر چڑھا دیا لیکن یہ شخص اصل میں گاڑی بان نہیں بلکہ تجربہ کار شمشیر زن تھا۔ وہ گھوڑے سے بچ کر نکل آیا۔ قعقاع نے اُسے مار تو لیا لیکن کئی پینترے بدلنے کے بعد۔

گاڑی والے کو قتل کر کے قعقاع نے گاڑی کے اندر دیکھا۔ لمبے لمبے تھیلوں میں کچھ چیزیں بند تھیں۔ تھیلے کھولے تو ان میں سے بڑی ہی قیمتی تلواریں اور زِرہیں برآمد ہوئیں۔ یہ بادشاہوں کی معلوم ہوتی تھیں۔ نیاموں پر بھی ہیرے اور قیمتی پتھر جڑے ہوتے تھے۔ تلواروں کے دستوں کی قیمت کئی کئی ہزار دینار تھی۔

بعد میں شاہی محل میں کام کرنے والے لوگوں نے بتایا کہ ایک زِرہ خسرو پرویز اور دوسری روم کے بادشاہ ہرقل کی ہے۔ ہرقل نے آتش پرستوں سے شکست کھائی تھی۔ تلواروں میں کچھ تو فارس کے بادشاہوں کی تھیں اور کچھ دوسرے ملکوں کے اُن بادشاہوں کی تھیں جن کی آتش پرستوں کے ساتھ لڑائیاں ہوئیں اور انہوں نے آتش پرستوں سے شکست کھائی تھی۔

گھوڑا گاڑی میں زِرہوں اور تلواروں کے علاوہ ڈھالیں بھی تھیں۔ بعض ڈھالوں کے کچھ حصے خالص سونے کے تھے۔ چونکہ یہ بادشاہوں کی تھیں اس لیے ان میں ہیرے جواہرات بڑی ہی کاریگری اور نفاست سے جڑے ہوتے تھے۔

یہ تو ایک خزانہ تھا جو اس گھوڑا گاڑی میں جا رہا تھا۔ قعقاع نے دو گھوڑسوار مجاہدین کو بلا کر کہا کہ اس گاڑی کے گھوڑوں کی باگیں پکڑیں اور مدائن کے محل میں سپہ سالار سعدؓ بن ابی وقاص کے حوالے کر دیں۔

تاریخ میں ایک اور مجاہد کا ذکر آتا ہے جس کا نام عصمت بن خالد ضبّی تھا۔ اُس نے ایک گھوڑا گاڑی کو پکڑا۔ اس میں شاہی محافظ دستے کے تین محافظ سوار تھے۔ انہوں نے بغیر مزاحمت کے گاڑی میں رکھا ہوا سامان عصمت بن خالد ضبّی کے حوالے کر دیا۔ یہ دو بہت بڑے بڑے بکس نما پٹارے تھے۔ انہیں ان محافظوں سے ہی کھلوایا گیا۔ ان میں سے جو چیزیں برآمد ہوئیں انہیں دیکھ کر عرب کے یہ مسلمان ایسے حیرت زدہ ہوئے کہ آنکھیں جھپکنا بھول گئے اور اُن کے منہ کھُلے رہ گئے۔

ایک پٹارے سے ایک گھوڑا نکلا جو سونے کا بنا ہُوا تھا۔ اس پر چاندی کی بنی ہوئی زین تھی۔ ساز اور رکابیں بھی چاندی کی تھیں۔ اس پر جو سوار بیٹھا ہوا تھا وہ بھی چاندی کا بنا ہُوا تھا۔ اس کے سر پر تاج تھا جو ہیروں اور جواہرات سے مرصّع تھا۔ بلکہ تاج تھا ہی ہیروں، جواہرات اور

بہت ہی قیمتی پتھروں کا جو روشنی میں چمکتے تھے تو ان میں سے رنگا رنگ شعاعیں نکلتی تھیں۔ اس گھوڑے کا سائز گھوڑے کے قدرتی قد کاٹھ سے آدھا تھا۔ اگر آج کے حساب سے اس گھوڑے اور سوار کی قیمت لگائی جائے تو کم از کم ایک ارب روپیہ بنتی ہے۔

دوسرے پٹارے میں سے ایک اونٹنی نکلی۔ یہ چاندی کی بنی ہُوئی تھی۔ اس کی مہار اور تنگ وغیرہ سونے کے تھے۔ ان میں یاقوت پروئے ہُوتے تھے۔ اس پر ایک سوار بیٹھا ہُوا تھا جو سونے کا تھا اور سر سے پاؤں تک جواہرات سے مرصّع تھا۔

یہ گھوڑا اور اونٹنی بھی سعدؓ بن ابی وقاص کو بھیج دی گئی۔

کسی بھی تاریخ سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ شاہی خاندان پہلے ہی مدائن سے نکل گیا تھا تو یہ اتنی قیمتی اور نادر اشیاء شاہی خاندان کے ساتھ کیوں نہ گئیں۔ اب یہ جو آدمی لے جا رہے تھے، انہوں نے بتایا کہ انہیں یہ چیزیں اسی طرح بند دی گئیں اور ایک جرنیل نے حکم دیا تھا کہ انہیں حلوان پہنچانا اور شاہی خاندان کے حوالے کر دینا ہے۔ اس حکم میں یہ بھی کہا گیا تھا کہ یہ چیزیں راستے میں ہی ضائع ہو گئیں تو ان کے محافظوں کو قتل کر دیا جائے گا۔ یہی وجہ تھی کہ شاہی محافظ دستے کے ان آدمیوں نے عصمت بن خالد ضبّی سے کہا تھا کہ انہیں جنگی قیدی بنا لیا جائے۔

ان اشیاء کے علاوہ بھی بہت سی قیمتی اشیاء تھیں جو بھاگنے والوں سے ملیں۔

مدائن کے تمام مکان خالی تھے۔ کئی مکانوں سے سونے اور چاندی کے برتن ملے۔ ایسے ریشمی ملبوسات تو بیشمار ملے جن پر سونے کے تاروں کی کڑھائی کی ہُوئی تھی۔ دوپٹوں، چادروں اور سر پر لینے والے بڑے سائز کے رومالوں کے کنارے تاروں کے بنے ہُوتے تھے۔ ان کے علاوہ دیگر قیمتی سامان کے انبار ملے۔

سعدؓ بن ابی وقاص نے اپنی رہائش محل میں ہی رکھی۔ ان کی بیوی سلمیٰ ان کے پاس آ گئی۔ سعدؓ نے حکم دیا کہ محل کا تمام قیمتی سامان اور نادر اشیاء ایک جگہ اکٹھی کی جائیں۔

مؤرخ علّامہ طبری نے جو اپنے وقت کے بہت بڑے محدّث بھی تھے، مالِ غنیمت کی تفصیلات لکھی ہیں۔ اُس وقت سے صدیوں پہلے یہ علاقہ فرعونوں کے زیرِ نگیں بھی آیا تھا۔ مدائن کے محل میں فرعونوں کے وقت کے نوادرات بھی موجود تھے۔ کیانی خاندان کی بادشاہی سے لے کر خسرو پرویز تک کے زمانے کے تاج، تلواریں، ملبوسات، فرغل اور عجیب و غریب اور بے حد قیمتی اشیاء برآمد ہوئیں۔

شاہی محل کے دو اعلیٰ رتبے کے کارندوں کو پکڑا گیا تھا۔ انہوں نے بتایا تھا کہ کون سی چیز

کیا ہے اور کس کی ہے۔ ان میں دوسرے ملکوں کے بادشاہوں کے تحفے بھی تھے، مثلاً خاقانِ چین، ہند کے راجہ داہر، قیصرِ روم، نعمان بن منذر، سیاوش اور بہرام چوبیں کے تحفے خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ان میں زرہیں اور ڈھالیں بھی تھیں۔ ان اشیاء میں سونا زیادہ استعمال کیا گیا تھا۔

یہ ذہن میں رکھیں کہ راجہ داہر کے باپ دادا کی آتش پرستوں کے بادشاہوں کے ساتھ گہری دوستی تھی۔ انہیں ہاتھی داہر کے باپ دادا نے دیئے تھے اور اپنے مہاوت اور ہاتھیوں کی دیکھ بھال کرنے والے اپنے آدمی ساتھ بھیجے تھے۔ مسلمانوں نے ان تمام ہاتھیوں کا خاتمہ کر دیا تھا۔

مدائن کے محل کی کوئی معمولی سی چیز دیکھتے تھے تو اس میں بھی کچھ نہ کچھ مقدار میں سونا یا چاندی ضرور ملی ہوئی تھی۔ ایسے معلوم ہوتا تھا جیسے سلطنتِ فارس میں سونے کی کان تھی لیکن وہاں سونے کی کوئی کان نہیں تھی، یہ اس سلطنت کے بادشاہوں کا خزانہ تھا۔ اس خزانے میں رعایا کا خون پسینہ بھی شامل تھا جو محصولات کے ذریعے ان کی ہڈیوں سے نچوڑا جاتا تھا اور اس میں کمزور ملکوں پر فوج کشی کر کے مالِ غنیمت کے طور پر حاصل کیا گیا تھا۔ رومیوں کے ساتھ جنگوں میں فارس کے بادشاہوں نے بے بہا خزانہ اکٹھا کیا تھا۔ اس خزانے نے ان بادشاہوں کو فرعون بنایا تھا اور اب وہ فرعونوں کے انجام کو پہنچ گئے تھے، اور اب ان کی یہ دولت اور منوں سونا اور اربوں درہم و دینار مالیت کے ہیرے، جواہرات اور نادر پتھر اُس قوم کے ہاتھ آ گئے تھے جس کا دنیا کے خزانوں کے متعلق نظریہ یہ تھا کہ یہ سب اللہ کا مال ہے اور اس پر اللہ کے ہر کلمہ گو بندے کا مساوی حق ہے، جتنا حصہ خلیفہ کا ہے اُتنا ہی ایک عام آدمی کا ہے۔

اسلام کے اس نظریئے کی ایک نمایاں مثال ایک قالین کی صورت میں سامنے آئی۔ یہ قالین محل سے ملا۔ اس کا نام "بہار" تھا۔ یہ ساٹھ مربع گز تھا۔ اسے بہار کا نام اس لیے دیا گیا تھا کہ اسے خزاں کے موسم میں استعمال کیا جاتا تھا۔ استعمال یہ تھا کہ بادشاہ اس پر بیٹھ کر شراب پیا کرتے تھے۔ چُنی ہوئی حسین اور نوجوان کنیزیں شراب پلاتی تھیں۔

اس قالین کی بناوٹ میں بہار کے تمام مناظر بنائے گئے تھے۔ درمیان میں سبزے کا چمن تھا۔ چاروں طرف جدولیں تھیں۔ ہر قسم کے درخت اور درختوں میں کونپلیں، شگوفے، پھل، پتے اور یہ سب کچھ زر و جواہرات کا تھا۔ زمین سونے کے تاروں سے بُنی گئی تھی، سبزہ زمرد کا، جدولیں کھرج کی، درخت سونے چاندی کے۔ پتے حریر کے اور پھل پھول جواہرات کے تھے۔

محمد حسنین ہیکل نے اس قالین کی ساخت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے — "یہ فرش (قالین) ساٹھ مربع گز تھا اور شاہانِ آلِ ساسان اسے موسمِ بہار گزر جانے کے بعد شدتِ سرما میں استعمال کرتے تھے۔ اس پر سلطنت کا نقشہ بنا ہوا تھا۔ اس کی زمین سونے کی تھی جس پر موتیوں کی نہریں بنی

ہوئی تھیں۔ کناروں پر چمن تھے جن میں سبز رنگ کے درخت بنائے گئے تھے۔ ان درختوں کے تنے سونے کے، پتے ریشم کے اور پھل جواہرات کے تھے۔"

اسلام کے نظریئے کو ہم اس قالین کی مثال سے پیش کر رہے تھے اس لیے اس قالین کی کہانی پہلے ہی سنا دینا بہتر ہے۔

اتنا زیادہ اور اس قدر قیمتی مالِ غنیمت ایک جگہ اکٹھا کیا گیا تو سعدؓ بن ابی وقاص نے کہا کہ خُمس یعنی خلیفۃ المسلمین کو بھیجنے والا حصہ پہلے ہی الگ کر لیا جائے۔

"میرے رفیقو!" — سعدؓ نے سالاروں اور قبیلوں کے سرداروں سے کہا — "کیوں نہ ہم مدینہ والوں کے لیے ایسی چیزیں بھیجیں کہ وہ حیرت زدہ ہو جائیں۔"

"بیشک، بیشک" — سعدؓ کی تائید میں آوازیں اٹھیں — "سب سے زیادہ قیمتی اور حیرت ناک اشیاء امیرالمومنین کو بھیجی جائیں۔"

"اور یہ قالین!" — سعدؓ بن ابی وقاص نے کہا — "یہ میرے لیے ایک مسئلہ ہے۔ اس پر ہر ایک کا حق ہے لیکن ہر ایک کو اس کا حق کس طرح دیا جائے؟ کیا تم پسند کرو گے کہ اس میں سے ہیرے، جواہرات اور پتھر وغیرہ نکال کر تقسیم کر دیئے جائیں؟ کیا یہ بہتر نہیں ہو گا کہ اتنی خوبصورت چیز کو ضائع کرنے کی بجائے اسے خمس کا حصہ قرار دے کر مدینہ بھیج دیا جائے؟"

"ہاں سپہ سالار!" — ہاشم بن عتبہ نے کہا — "اس سے بہتر اور کوئی طریقہ نہیں ہو سکتا۔ قالین ضائع ہونے سے بچ جائے گا اور مدینہ والوں کے لیے یہ ایک نادر تحفہ ہو گا۔"

اتفاقِ رائے سے فیصلہ ہوا کہ یہ قالین خمس میں شامل کر کے مدینہ بھیج دیا جائے۔

مالِ غنیمت مدینہ پہنچا اور امیرالمومنین نے تقسیم کیا لیکن یہ قالین وہاں بھی ایک مسئلہ بن گیا۔ یہ فیصلہ کرنا ناممکن تھا کہ اسے کس طرح تقسیم کیا جائے۔

"مجھے رائے دو" — حضرت عمرؓ نے کہا — "میں اس قالین کو کس طرح تقسیم کروں!"

"فاتح سپہ سالار نے یہ آپ کو دیا ہے" — کسی نے کہا — "مجاہدین کی طرف سے یہ آپ کے لیے تحفہ آیا ہے۔"

"ہاں امیرالمومنین!" — کسی اور نے کہا — "یہ صرف آپ کے لیے ہے۔ اس میں کسی اور کا حصہ نہیں۔"

اس رائے کی تائید میں کئی آوازیں اٹھیں۔

"نہیں" — حضرت عمرؓ نے کہا — "خدا کی قسم، میں وہ چیز ہرگز نہ لوں گا جس کے حصے دار

اور بھی ہوں .... اور میں فیصلہ کرنے سے قاصر ہوں کہ اس قالین کو کیسے تقسیم کروں .... کیا تُو کوئی رائے نہیں دے گا علیؓ ؟

"ابن الخطاب!" ــــ حضرت علیؓ نے کہا ــــ "اللہ نے تجھے علم دیا ہے۔ یہ علم ہے جہل نہیں۔ اللہ نے تجھے یقین کی طاقت دی ہے۔ یہ یقین ہے شک نہیں۔ اپنے علم سے سوچ اور اپنی سوچ پر شک نہ کر .... دنیا میں وہی چیز تیری ہے جو تُو اپنی مرضی سے کسی کو دے دے یا پہن کر پرانا کر دے یا کھا کر ختم کر دے۔ یہ قالین وہ چیز ہے جو تُو کسی کو دے نہیں سکتا، جو پہن کر پھاڑ نہیں سکتا اور جو کھا کر ختم نہیں کر سکتا۔ ایک روز تُو دنیا میں نہیں رہے گا، یہ قالین رہ جائے گا اور یہ اس کی ملکیت میں جا سکتا ہے جو اس کا مستحق نہیں ہو گا۔ چیز اتنی قیمتی ہے کہ اس کی ملکیت کے کئی دعویدار ہوں گے پھر یہ قالین فتنہ و فساد کا باعث بن جائے گا۔ آج تُو دیانت اور ایمان والا ہے تو کون کہہ سکتا ہے کہ تیرے بعد آنے والے بھی تجھ جیسے دیانتدار ہوں گے یا نہیں۔ زر و جواہرات بھائی کو بھائی کا دشمن بنا دیتے ہیں .... اس قالین کو تقسیم کر دے اے خطاب کے بیٹے!"

"خدا کی قسم ابن ابی طالب!" ــــ حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ سے کہا ــــ "تُو نے سچ کہا ہے۔ یہ قالین تقسیم ہو گا۔"

حضرت عمرؓ کے حکم سے اُسی وقت قالین سے سونے اور چاندی کے تار، ہیرے قیمتی پتھر اور موتی نوچ لیے گئے۔ پیچھے تھوڑا سا جو کپڑا رہ گیا تھا، اس کے بھی کئی ٹکڑے کیے گئے پھر یہ تمام اشیا تقسیم کر دی گئیں۔

یورپی مؤرخوں نے حضرت عمرؓ کے اس فیصلے کا مذاق اُڑایا اور لکھا ہے کہ عرب اتنی خوبصورت اور نادر چیز کی قدر نہ کر سکے۔ انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ عرب کے مسلمانوں کا ذوق بہت ہی پست تھا۔ یورپ کے یہ مؤرخ سمجھ نہیں سکے اور وہ سمجھنا چاہتے بھی نہیں تھے کہ مسلمان دنیاوی لالچ سے آشنا نہیں تھے۔ وہ اللہ کی خوشنودی اور آخرت پر ایمان رکھتے تھے۔

اب ہم مدائن چلتے ہیں جہاں مجاہدین مالِ غنیمت لا لا کر سعدؓ بن ابی وقاص کے آگے ڈھیر کرتے جا رہے ہیں۔

بات ہو رہی تھی کہ مدائن کی فتح کے حالات بیان کرتے ہوئے مؤرخین نے مالِ غنیمت کے معاملے میں مجاہدین کی دیانتداری کا خصوصی تذکرہ کیا ہے۔ امیرالمومنین کا کردار بیان ہو چکا

ہے۔ اتنا زیادہ قیمتی قالین جس میں آج کے حساب سے اربوں روپوں کے ہیرے اور جواہرات اور سونے کے تار لگے ہوئے تھے، انہیں پیش کیا گیا۔ ان کے ساتھیوں، مشیروں اور صحابہ کرام نے بھی کہا کہ امیرالمومنین! یہ تحفہ صرف آپ کے لیے ہے، اس میں کسی اور کا حصہ نہیں لیکن حضرت عمرؓ نے انکار کر دیا۔

اُدھر محاذ پر قعقاع بن عمرو اور عصمت بن خالد ضبّی کے ہاتھ جو خزانہ لگا تھا، اس میں سے وہ بہت کچھ رکھ سکتے تھے۔ شہر سے دُور ویرانے میں دیکھنے والا کون تھا لیکن انہیں جو ملا وہ اُنہوں نے سپہ سالار کے آگے لا کر رکھ دیا۔ قعقاع نے مختلف بادشاہوں کی تلواریں، زرہیں اور ڈھالیں پیش کی تھیں۔

"ابنِ عمرو!" ــــ سعدؓ بن ابی وقاص نے قعقاع سے کہا ــــ "ان چیزوں میں سے جو تمہیں پسند ہے وہ لے لو۔"

تاریخ گواہ ہے کہ قعقاع نے بجائے اس کے کہ کوئی بہت ہی قیمتی چیز لیتا جس میں سونے اور ہیروں کی بہتات ہوتی، اُسے روم کے بادشاہ ہرقل کی تلوار اچھی لگی اور وہ لے لی۔

مشہور مؤرخوں ــــ طبری، ابنِ اثیر، ابنِ خلدون اور ابنِ کثیر ــــ نے ایک نہایت معمولی سے مجاہد کا واقعہ لکھا ہے لیکن ان میں سے کسی نے بھی اس کا نام نہیں لکھا۔ یہ گمنام مجاہد ایک ڈبہ لایا جو جواہرات سے بھرا ہُوا تھا۔ ڈبے میں بڑے قیمتی ہیرے بھی تھے۔ اس وقت تک ایک خزانچی مقرر کر دیا گیا تھا جو مالِ غنیمت وصول کرتا تھا۔ اُس کی مدد کے لیے چار پانچ مجاہدین اس کے ساتھ رہتے تھے۔

گمنام مجاہد نے یہ ڈبہ خزانچی کو دیا۔ خزانچی نے ڈبہ کھولا تو اُس نے یُوں بدک کر سر پیچھے کر لیا جیسے ڈبے میں سانپ ہو۔ اُس کے ساتھیوں کا ردِعمل بھی کچھ ایسا ہی تھا۔

"کیا تجھے معلوم ہے اس ڈبے میں کتنی مالیت کا خزانہ ہے؟" ــــ خزانچی نے گمنام مجاہد سے پوچھا۔

"میں صحیح مالیت نہیں بتا سکتا" ــــ مجاہد نے کہا ــــ "میں صرف یہ جانتا ہوں کہ یہ ایک خزانہ ہے"

"میں تجھے بتاتا ہوں" ــــ خزانچی نے کہا ــــ "اس وقت تک ہمارے پاس جتنے بھی ہیرے جواہرات آئے ہیں ان میں ایک بھی اس قابل نہیں جو تُو لایا ہے۔"

"اس میں سے تُو نے کچھ لیا تو نہیں؟" ــــ خزانچی کے ایک معاون نے پُوچھا۔

"اللہ گواہ ہے" ــــ مجاہد نے اُنگلی آسمان کی طرف کر کے کہا ــــ "اگر ایک بات نہ ہوتی تو میں یہ یہاں لاتا ہی نہ .... میں نے اس میں سے کچھ نہیں لیا۔"

"وہ بات کیا ہے؟" ــــ مجاہد سے پوچھا گیا۔

"یہ نہیں بتاؤں گا" ـــــ مجاہد نے جواب دیا ـــــ "یہ بات تم تک پہنچ گئی تو تم سب میری تعریف کرو گے لیکن تعریف صرف اللہ کے لیے ہے۔ میں اللہ کی ہی تعریف کرتا ہوں اور وہ جو اجر اور صلہ مجھے دیتا ہے، میں اس سے مطمئن اور خوش ہوں"۔

اس مجاہد کو رخصت کر کے خزانچی یہ ڈبہ سعدؓ بن ابی وقاص کے پاس لے گیا۔ سعدؓ نے ڈبہ کھولا تو اُن کے چہرے پر بھی حیرت زدگی کے آثار نظر آنے لگے۔ ڈبہ لانے والے مجاہد کے ساتھ خزانچی نے جو باتیں کی تھیں وہ بھی اُس نے سعدؓ کو سنائیں۔ اُس وقت تک کئی مجاہدین بڑا قیمتی مالِ غنیمت لاتے تھے اور پوری ذمہ داری اور دیانتداری سے خزانچی کے حوالے کر دیا تھا۔

"خدا کی قسم، پورا لشکر امین ہے" ـــــ سعدؓ بن ابی وقاص نے کہا ـــــ "اگر اصحابِؓ بدر کو ایک خاص قدر و منزلت حاصل نہ ہوتی تو میں کہتا کہ میرے لشکر کے مجاہدین اصحابِؓ بدر کے ہم رتبہ ہیں"۔

"خدا کی قسم!" ـــــ ایک نامور صحابی اور مجاہدین کے سردار جابرؓ بن عبداللہ نے اس موقع پر کہا ـــــ "اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ قادسیہ کے مجاہدین میں ہمیں ایک بھی مجاہد ایسا نہیں ملا جس نے آخرت کی بجائے دنیا طلب کی ہو۔ ہم نے تین آدمیوں پر الزام لگایا تھا کہ وہ دنیا کے طلبگار ہیں۔ یہ ہیں طلیحہ، عمرو بن معدی کرب اور قیس بن مکشوح لیکن ان کے زُہد، امانت اور دیانت کی بھی مثال نہیں ملتی"۔

ان تینوں کا پہلے بھی ذکر آچکا ہے۔ یہاں چونکہ بات الزام کی ہوئی ہے اس لیے مزید وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے۔ جابرؓ بن عبداللہ کا اشارہ اس دور کی طرف تھا جب یہ تینوں شخصیتیں مرتدین کی قیادت کر رہی تھیں۔ طلیحہ نے تو نبوت کا دعویٰ بھی کیا تھا۔ اس کی تفصیلات ہم اپنی کتاب "شمشیرِ بے نیام" ـــــ میں پیش کر چکے ہیں۔ وہ خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیقؓ کا دورِ خلافت تھا جب فتنۂ ارتداد ایک تیز و تند طوفان کی طرح اٹھا تھا اور جس طرح اس فتنے کو دبایا گیا تھا، اس کی تفصیلات بھی ہم اپنی مذکورہ کتاب میں پیش کر چکے ہیں۔

جب خونریز لڑائیوں کا یہ سلسلہ ختم ہوا تو ارتداد کے کچھ لیڈر مارے جا چکے تھے اور جو زندہ تھے اُنہوں نے ارتداد سے توبہ کر لی اور دل کی گہرائیوں سے اسلام قبول کر لیا۔ اس کے بعد انہوں نے جہاد کے مختلف میدانوں میں جو کارہائے نمایاں سرانجام دیئے وہ سنائے جا چکے ہیں۔ ان میں طلیحہ، عمرو بن معدی کرب اور قیس بن مکشوح بھی تھے۔ انہوں نے اسلام کی آغوش میں آکر اپنے دامن سے وہ سارے داغ دھو ڈالے تھے جو انہوں نے خود ہی لگائے تھے۔ اللہ کی راہ میں یہ جس طرح لڑے اور دنیاوی لالچ کو انہوں نے جس طرح ٹھکرایا اور جس طرح

ہوں نے میدانِ جنگ میں شجاعت کے ناقابلِ یقین مظاہرے کیے۔ ان سے اُنہوں نے اللہ کا رب حاصل کر لیا اور عربوں میں انہیں بڑا ہی بلند اور قابلِ احترام مقام حاصل ہوا۔

مالِ غنیمت اکٹھا کرنے کے سلسلے میں یہ تینوں پیش پیش تھے۔ انہیں جو ملا وہ سعدؓ بن ابی قاص کے سامنے رکھ دیا۔

مختلف مؤرخوں میں تعداد کا تھوڑا تھوڑا اختلاف پایا جاتا ہے۔ محمد حسنین ہیکل نے جن مؤرخوں کے حوالے دیئے ہیں، وہ لکھتے ہیں کہ اُس وقت مجاہدین کے لشکر کی تعداد ساٹھ ہزار تھی۔ یہ داد اس وجہ سے صحیح تسلیم کی جاسکتی ہے کہ مدینہ سے وقتاً فوقتاً کمک جاتی رہی تھی۔

یہاں تعداد کا ذکر اس لیے آیا ہے کہ مالِ غنیمت تقسیم کیا گیا تھا اور ہر مؤرخ نے تعداد لکھی ہے کہ یہ مالِ غنیمت کتنے ہزار مجاہدین میں تقسیم ہوا تھا۔ ہم زیادہ تر مؤرخوں کی تعداد کو ہی مستند سمجھتے ں جو ساٹھ ہزار ہے۔ سعدؓ بن ابی وقاص نے اس لشکر میں مالِ غنیمت تقسیم کیا۔ مالیت کے لحاظ سے ہر مجاہد کے حصے میں بارہ بارہ ہزار دینار مالیت کا مالِ غنیمت آیا۔

ابھی خاصا مالِ غنیمت بچا ہوا تھا۔ کچھ مجاہدین ایسی شجاعت اور دلیری سے لڑے تھے غیر معمولی ہی نہیں بلکہ ناقابلِ یقین تھی۔ انہیں انعام کے طور پر کچھ فالتو حصہ دیا گیا۔ یہ امیر المومنین ضرت عمرؓ کا حکم تھا کہ مالِ غنیمت بچ جاتے تو وہ اُن مجاہدین میں تقسیم کر دیا جائے جو سب سے یادہ شجاعت سے لڑے ہوں۔ شجاعت کے ان کارناموں میں یہ کارنامہ خاص طور پر شامل ا کہ بعض مجاہدین نے فارسی جرنیلوں کا حفاظتی حصار توڑ کر انہیں قتل کیا تھا۔ مدینہ کو بھیجنے کے لیے خمس الگ کر دیا گیا تھا۔ یہ ایک قبیلے کے سردار بشیر بن خصاصیہ لے کر مدینہ کو روانہ ہوئے خاصا بڑا قافلہ تھا جس کے ساتھ باڈی گارڈز کے طور پر مجاہدین کی چھوٹی سی ایک جماعت ی بھیجی گئی تھی۔

تاریخ کے مطابق سعدؓ بن ابی وقاص نے حضرت عمرؓ کو مدائن کی فتح اور مالِ غنیمت کی صیلات لکھ کر بھیج دی تھیں اور یہ خاص طور پر لکھا تھا کہ مجاہدین نے مالِ غنیمت اکٹھا کر کے انکے حوالے کرنے میں خصوصی دیانتداری کی ہے۔

مالِ غنیمت کا قافلہ مدینہ سے کچھ دور ہی تھا کہ مدینہ والوں کو اطلاع مل گئی۔ مدینہ کی ساری دی اٹھ کر اُس راستے پر دوڑ پڑی جس راستے سے قافلہ آرہا تھا۔ لوگوں کے دلوں میں مالِ غنیمت نہیں تھا۔ وہ فاتح مجاہدین کے استقبال کے لیے گئے تھے۔ قافلہ جب مدینہ میں داخل اللہ فتح و نصرت کے نعروں سے زمین و آسمان ہل رہے تھے۔

مالِ غنیمت امیر المومنین تک پہنچ گیا اور کھولا گیا۔ مؤرخ لکھتے ہیں کہ سعدؓ بن ابی وقاص نے حضرت عمرؓ کو تفصیل سے لکھا تھا کہ مالِ غنیمت حیرت انگیز ہے، پھر بھی حضرت عمرؓ نے یہ مال و دولت دیکھی تو ان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں اور کچھ دیر اُن کا منہ بھی کھلا رہا۔ یہ حیرت زدگی کا تاثر تھا۔ وہاں جتنے لوگ موجود تھے، ان سب پر سنّاٹا طاری ہو گیا تھا۔

"خُدا کی قسم!" — حضرت عمرؓ نے یکلخت سنّاٹا توڑا — "اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ لوگ انتہا درجے کے امانت دار اور دیانتدار ہیں جنہوں نے یہ چیزیں نہ جانے کہاں کہاں سے لیں اور اپنے سپہ سالار کے حوالے کر دیں۔"

"حیران مت ہو ابن الخطاب!" — حضرت علیؓ نے حضرت عمرؓ سے کہا — "تیرا دامن پاک ہے اس لیے تیری رعایا کا دامن بھی پاک ہے۔ اگر تیری نیّت ٹھیک نہ ہوتی تو ہمارے لوگوں کی نیّتوں میں بھی فتور آ جاتا۔"

"میں کسریٰ کی یہ پوشاکیں، تلواریں اور یہ زِرہیں سب کو دکھاؤں گا" — حضرت عمرؓ نے کہا۔

حضرت عمرؓ کے حکم سے ایک میدان میں لکڑیاں گاڑی گئیں۔ ان پہ فارس کے بادشاہوں کی پوشاکیں، تلواریں، زرہیں اور ڈھالیں لٹکا دی گئیں۔ مدینہ کے ارد گرد دیہات میں بھی منادی کرائی گئی کہ مدینہ آ کر یہ چیزیں دیکھیں۔ مؤرخ لکھتے ہیں کہ مدینہ میں میلہ لگ گیا۔ لوگ فارس کے بادشاہوں کی پوشاکیں دیکھ دیکھ کر حیران ہوتے تھے کہ ایسے انسان بھی ہیں جو یہ پوشاکیں پہنتے ہیں۔

حضرت عمرؓ نے ایک دلچسپ کام کیا۔ انہوں نے مدینہ کے ایک جسیم آدمی سراقہ بن جعشم کو بلایا اور کسریٰ پرویز کا لباس اسے پہنایا۔ اس کے ہتھیار بھی اس کی کمر سے باندھے اور سر پر کسریٰ کا تاج رکھا۔

"پیچھے ہٹو" — حضرت عمرؓ نے سراقہ سے کہا۔

سراقہ دو چار قدم پیچھے ہٹ گیا۔

"آگے آؤ" — حضرت عمرؓ نے کہا۔

سراقہ آگے بڑھا۔

"اللہ، اللہ!" — حضرت عمرؓ نے کچھ جذباتی سے لہجے میں کہا — "بنو مدلج کا ایک عربی اور اُس کے جسم پر کسریٰ کا لباس..... اے سراقہ! ایسے دن بھی آنے تھے کہ تیرا جسم کسریٰ کے شاہانہ لباس میں ملبوس ہو۔ یہ تیرے لیے اور تیری قوم کے لیے باعثِ شرف اور

باعثِ فخر ہے۔"

حضرت عمرؓ نے دو تین اور جسیم آدمیوں کو مختلف بادشاہوں کے شاہانہ لباس پہناتے اور انہیں بڑی ہی غور سے دیکھا۔ لوگوں پر تو جیسے سحر طاری ہو گیا تھا۔ حضرت عمرؓ کے سامنے صرف یہ شاہانہ ملبوسات اور تاج ہی نہیں تھے بلکہ اُن کے سامنے وہ تمام مالِ غنیمت تھا جو مدائن سے آیا تھا۔

"یا اللہ!" — حضرت عمرؓ نے دونوں ہاتھ پھیلا کر آسمان کی طرف دیکھا اور بلند آواز سے بولے — "تو نے اتنا مال و دولت اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیا حالانکہ وہ تجھے مجھ سے زیادہ عزیز تھے اور تیرے محبوب تھے۔ تُو نے اپنے رسولؐ کے پہلے خلیفہ ابُوبکرؓ کو بھی یہ مال و دولت نہیں دیا، وہ بھی تجھے مجھ سے زیادہ عزیز تھے۔ تُو نے مجھے اتنے بڑے انعام سے کیوں نوازا ہے؟ میں اس قابل تو نہ تھا..... میرے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں، کہیں ایسا تو نہیں کہ تیری ذاتِ باری نے مجھے اتنے سخت امتحان میں ڈال دیا ہے۔ مجھے اتنی کٹھن آزمائش میں نہ ڈال میرے اللہ!"

طبری اور بلاذری نے لکھا ہے کہ پہلے تو حضرت عمرؓ کی آنکھیں نمناک ہوئیں، پھر آنسو بہ نکلے اور پھر وہ ایسا روئے کہ اُن کی ہچکی بندھ گئی۔ لوگوں کو اُن پہ رحم آ گیا۔ تین چار آدمی آگے بڑھے اور انہیں اپنے اپنے الفاظ اور انداز میں سنبھالا دیا۔ کچھ دیر بعد حضرت عمرؓ اپنے آپ پر قابو پا سکے۔

غور فرمائیے، یہ وہ عمرؓ بن الخطاب تھے جن کے سامنے جلیل القدر صحابہ کرام بھی بات کرتے تو سوچ کر کرتے تھے۔ اُن کی شخصیت سے ہر کوئی مرعوب تھا۔ اس رعب میں تقدّس بھی تھا۔ وہ حضرت عمرؓ بچّوں کی طرح روتے تھے۔

"اللہ کی پناہ مانگو لوگو!" — حضرت عمرؓ نے حاضرین سے کہا — "اتنی زیادہ دولت، اتنی نعمتیں اور اتنی زیادہ آسودگی ایک طلسم ہے۔ ایسا طلسم جس میں ابلیس کا فتنہ ہے اور یہ ہر کسی کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ اس کے جال میں آنے والے سمجھتے ہیں کہ وہ دانشمند ہو گئے ہیں لیکن وہ نہیں سمجھتے کہ ان میں جو عقل و دانش تھی وہ بھی نہیں رہی اور ان کی روحانی قوّتیں اور صلاحیتیں بیکار ہو گئی ہیں..... اے عرب کے لوگو! دولت اور یہ زر و جواہرات انسان کو انسانیّت کے درجے سے گرا دیتے ہیں۔ اپنے پاس اتنا ہی رکھو جس سے تمہاری ہر ضرورت پوری ہو جائے اور تم کسی کے محتاج نہ رہو۔ اصل دولت اللہ کی خوشنودی ہے..... یہ بھی سوچو کہ اللہ تعالیٰ نے آلِ ساسان کی یہ دولت تمہیں آزمائش کے لیے ہی عطا نہ کی ہو۔"

"آلِ ساسان کی دولت سے اتنا بھی مرعوب نہ ہو ابن الخطاب!" ـــــ عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے امیرالمومنین سے کہا ـــ "یہ فاتح مجاہدین کا جائز حق ہے۔"

"خُدا کی قسم!" ـــ حضرت عمرؓ نے کہا ـــ "میں سورج غروب ہونے سے پہلے پہلے یہ مال و دولت تقسیم کر دوں گا۔ اسے میں اپنی نظروں کے سامنے زیادہ وقت رکھوں گا ہی نہیں۔"

حضرت عمرؓ نے وہی کیا جو کہا تھا۔ کچھ اپنی مرضی سے اور کچھ مشیروں اور صحابہ کرام کے مشوروں سے سورج غروب ہونے سے پہلے پہلے تمام مالِ غنیمت تقسیم کر دیا۔ جن شہیدوں کے نام اُن تک پہنچے تھے، اُن کے پسماندگان کو کچھ حصّہ فالتو دیا۔ پیچھے وہ قالین رہ گیا جسے فارسی بہار کہتے تھے۔ اس کی جس طرح تقسیم ہوئی وہ پہلے بیان ہو چکی ہے۔

سعدؓ بن ابی وقاص نے مدائن کے محل سے بادشاہوں کا تخت اُٹھوا کر منبر رکھوا دیا اور کسریٰ کے اس دربار کو مسجد بنا لیا۔ سعدؓ نے اس ایوانِ شاہی میں جو پہلی نماز پڑھی وہ نمازِ جمعہ تھی۔ وہ جمعہ کا دن اور نمازِ جمعہ کا وقت تھا جب سعدؓ اس محل میں داخل ہوتے تھے۔ اس کے بعد یہاں ہر نماز باجماعت پڑھی جاتی تھی۔

ایک روایت ہے کہ جب مجاہدین مدائن کے محل میں آ جا رہے تھے تو محل کے دروازے پر لکھا تھا ـــ "آتش کدۂ نوبہار" ـــ اس کے نیچے فارسی زبان میں لکھا تھا ـــ "بادشاہ کے دربار میں وہ حاضری دے جس کے پاس علم، حوصلہ اور دولت ہو۔"

ایک مجاہد نے ایک فارسی سے پوچھا کہ یہ کیا لکھا ہے۔ فارسی نے اس تحریر کا ترجمہ کر کے سنایا۔ مجاہد نے اس تحریر کے نیچے عربی زبان میں لکھ دیا:

"جس کے پاس علم، حوصلہ اور دولت یا ان میں سے ایک بھی چیز ہو گی اُسے شاہی دربار میں حاضری دینے کی ضرورت ہی نہیں۔"

جس وقت کسریٰ کے محل میں نمازیں پڑھی جا رہی تھیں، اُس وقت یزدگرد حلوان میں اس حالت میں تھا کہ کسی کے ساتھ بات بھی نہیں کرتا تھا اور زیادہ تر تنہا رہتا تھا۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے وہ شہنشاہیت سے ہی نہیں بلکہ زندگی سے ہی بیزار ہو گیا ہو۔ اُس کے کمرے میں اُس کی ماں جاتی تھی یا پوران کبھی کبھی وہ انہیں بھی کہہ دیا کرتا تھا کہ وہ اُسے تنہا چھوڑ دیں۔

اُس کی ماں نورین اُسے اس کیفیت میں دیکھتی تو بہت روتی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اُس کے نوجوان بیٹے کو کون سا غم کھاتے جا رہا ہے۔

وہ صرف ایک امید دل میں لیے ہوئے تھا۔ اُس کا خیال تھا کہ شکست کو فتح میں بدلنا

ممکن نہیں رہا لیکن جنگ اور مسلمانوں کی پیشقدمی کو روکا جا سکتا ہے۔ اُس نے اپنا ایک وفد مدائن میں اس پیش کش کے ساتھ بھیجا کہ دجلہ کو عرب اور عجم کے درمیان حدِ فاصل بنا دیا جائے اور جنگ بند کر دی جائے۔

"کیا تمہارے بادشاہ یزدگرد کا دماغ ٹھیک نہیں رہا؟" ـــــ سعدؓ بن ابی وقاص نے یزدگرد کے ایلچی سے کہا ـــ "کیا وہ بھول گیا ہے کہ وہ پہلے بھی یہ پیش کش کر چکا ہے اور میں اس کی آدھی سلطنت کی پیش کش کو ٹھکرا چکا ہوں۔ اب جب کہ ہم نے مدائن پر بزور بازو قبضہ کر لیا ہے اور مالِ غنیمت کی تقسیم بھی ہو رہی ہے تو میں ایسا احمق کیوں بن جاؤں کہ اتنی جد وجُہد اور جانوں کی قربانی سے جو چیز حاصل کی ہے وہ میں تمہیں واپس دے دوں.... اور اپنے شہنشاہ سے کہنا کہ اُس کے باپ نے ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کے پیغامِ حق کی ایسی توہین کی تھی جسے کوئی مسلمان برداشت نہیں کر سکتا۔"

یزدگرد کا وفد مایوس و نامراد واپس چلا گیا۔

اور یہ مایوسی حلوان پر سیاہ گھٹا بن کر چھا گئی۔ اس جیسے بادشاہ جب غمگین ہوتے تو حسین و جمیل کنیزوں، رقص و سرود اور شراب سے دل بہلایا کرتے تھے لیکن یزدگرد تمام کنیزوں اور حرم کی تمام عورتوں کو مدائن میں ہی چھوڑ آیا تھا۔ ان میں سے چند ایک نوجوان لڑکیاں بھاگ گئی تھیں اور جو محل میں ہی رہ گئی تھیں، انہوں نے اپنے آپ کو مسلمانوں کے حوالے کر دیا تھا اور سعدؓ بن ابی وقاص نے انہیں مدینہ بھیج دیا تھا۔ انہیں یقین دلا دیا گیا تھا کہ ان کے ساتھ یہ سلوک نہیں ہو گا جو اس محل میں ہوتا رہا ہے بلکہ انہیں باقاعدہ بیویاں بنایا جائے گا اور معاشرے میں انہیں باعزّت مقام حاصل ہو گا۔

یزدگرد نے شراب بھی چھوڑ دی تھی۔

"یزدی!" ـــ ایک روز پوران اُس کے پاس جا بیٹھی اور اُسے اپنے بازوؤں میں لے لیا پھر اُس کا سر اپنے سینے سے لگا کر کہا ـــ "میں جانتی ہوں تمہارے سینے میں کیسے کیسے زہریلے سانپ بل کھا رہے ہیں لیکن جوانمرد اپنی یہ حالت نہیں بنا لیا کرتے۔ میں بھی وہی محسوس کر رہی ہوں جو تم کر رہے ہو۔"

یزدگرد آخر نوجوان تھا۔ اُسے ماں نے اپنے سینے سے لگا کر اور شہر سے دُور گمنام سے ایک گاؤں میں چھپا کر پالا تھا۔ اُسے عملی زندگی کا کوئی تجربہ نہ تھا۔ فنِ حرب و ضرب سے وہ بے بہرہ تھا۔ اُس کے پاس جوش و خروش تھا اور اُس کے دل میں سلطنتِ فارس کی محبت تھی۔

پُوران نے اُسے پیار سے اپنے ساتھ لگایا تو وہ بچوں کی طرح رو پڑا اور روتا ہی چلا گیا۔

"دنیا مدائن پر ختم نہیں ہو جاتی یزدی!" — پوران نے کہا — "اور سلطنتِ فارس بھی مدائن پر ختم نہیں ہو گئی۔ اگر تم نے اس طرح حوصلہ ہار دیا تو عرب پورے عجم پر غالب آ جائیں گے۔"

"اپنی بدنصیبی پر رونا آتا ہے پوران!" — یزدگرد نے کہا — "وہ وقت یاد آتا ہے جب لوگ مجھے میری ماں کی مرضی کے خلاف مدائن لائے تھے اور تم میرے حق میں تخت و تاج سے دست بردار ہوئی تھیں۔ لوگوں نے یہ توقع مجھ سے وابستہ کر لی تھی کہ میں عربوں کو تباہ و برباد کر کے فارس کا وقار اور رعب بحال کر دوں گا مگر میں ناکام رہا۔ مجھے اپنی عظیم سلطنت کی تاریخ یاد آتی ہے۔ ہمارے آباؤ اجداد نے عراق پر یلغار کر کے یہ اتنا وسیع و عریض اور اتنا سر سبز اور زرخیز علاقہ سلطنتِ فارس میں شامل کر لیا تھا۔ ہم جو بنی ساسان تھے ہم نے ساری دنیا پر اپنی جنگی طاقت کی دھاک بٹھا دی تھی رومی ساسانیوں کے آگے نہ ٹھہر سکے، یونانی نہ ٹھہر سکے مگر آج معمولی سی ایک قوم نے جس کا کوئی ماضی نہیں، سلطنتِ فارس کی عظمت کو پامال کر دیا ہے۔ آنے والی نسلیں کہیں گی کہ اس شکست کا قصوروار یزدگرد تھا۔"

"ہم مر تو نہیں گئے یزدی!" — پوران نے کہا — "ہمارے پاس فوج ہے، وسائل ہیں۔"

"مجھے رستم کی پیش گوئی یاد آتی ہے" — یزدگرد نے شکست خوردہ لہجے میں کہا — "وہ کہتا تھا کہ سلطنتِ فارس کا انجام بہت بُرا ہو گا۔ وہ شاید ٹھیک کہتا تھا۔"

"رستم مر گیا ہے" — پُوران نے جھنجھلا کر کہا — "اس کی پیشین گوئیاں مر گئی ہیں۔ یہ اُس نے اپنے متعلق کہا تھا کہ اُس کا انجام بہت بُرا ہو گا۔ وہ بہت ہی بُرے انجام کو پہنچا۔ تم اِس انجام سے بچنے کی کوشش کرو۔"

"لیکن کیسے؟" — یزدگرد نے پوچھا — "فوج کہاں ہے؟ ہمارے بزدل جرنیل کہاں ہیں؟.... کچھ تو مارے گئے ہیں باقی چھپتے پھر رہے ہیں۔"

"فوج بھی ہے جرنیل بھی ہیں" — پوران نے کہا — "سب جلولا میں ہیں.... مہران، فیرزان، خرزاد.... یہ تینوں جرنیل وہاں موجود ہیں۔ وہ فوج کو اکٹھا کر کے منظم کر رہے ہیں۔"

"نہیں پوران!" — یزدگرد نے حقارت آمیز لہجے میں کہا — "ان پر عربوں کا خوف طاری ہو چکا ہے۔ یہ سب میدان کے بھگوڑے ہیں۔ ان پر کس طرح اعتبار کیا جا سکتا ہے۔ میں ایک اور شکست کا صدمہ برداشت نہیں کر سکوں گا۔"

"کیا تم یہ سمجھے بیٹھے ہو کہ عرب کے یہ مسلمان مدائن میں ہی بیٹھے رہیں گے؟" — پوران نے قدرے غصے سے کہا — "وہ وہاں تک پہنچیں گے جہاں تم ہو گے۔ کیا تم اُن کے آگے آگے بھاگتے پھرو گے؟ بھاگو گے تو کہاں تک جاؤ گے؟ ہمارے جرنیل اتنے بزدل نہیں جتنے تم ہو گئے ہو۔ تم ڈرپوک ہو یزدی! تم پوری سلطنت عربوں کو دے کر دم لو گے۔"

"تم مجھے تنہا کیوں نہیں چھوڑ دیتیں؟" — یزدگرد نے جھنجھلا کر کہا۔

"تم تنہا رہو" — پوران نے اُٹھتے ہوئے کہا — "میں لڑوں گی۔ میں نے تینوں جرنیلوں سے بات کر لی ہے۔ جلولا کو ہم بڑا مضبوط مرکز بنا رہے ہیں اور جرنیلوں نے جلولا کے دفاع کا انتظام ایسا کیا ہے کہ مسلمان وہاں سر ٹکراتے رہیں گے اور ختم ہو جائیں گے۔"

پُوران غصے کے عالم میں باہر کو چل پڑی۔

"ٹھہر جاؤ پوران!" — یزدگرد نے کہا۔

پُوران رک گئی اور پیچھے کو مڑی۔

"مجھے جلولا لے چلو" — یزدگرد نے کہا۔

پوران اُسی وقت اُسے جلولا لے گئی۔

جلولا مدائن سے تقریباً چالیس میل دُور ایک شہر تھا۔ سعدؓ بن ابی وقاص نے مدائن میں اپنے لشکر کے ساتھ قیام کر رکھا تھا اور اُنہوں نے اپنے جاسوس حلوان اور جلولا تک بھیجے ہوئے تھے۔ ان جاسوسوں میں مقامی آدمی تھے جن میں وہ عربی تھے جو بڑی لمبی مدت سے عراق میں آباد تھے۔ ایک روز دو جاسوس آئے۔

"جلولا میں فارسیوں نے بہت بڑی فوج جمع کر لی ہے" — ان جاسوسوں نے سعدؓ بن ابی وقاص کو بتایا — "خرزاد نے جو رستم کا بھائی ہے۔ ایسی جنگی تدبیر پر عمل کیا ہے جو مجاہدین کے لشکر کے لیے بہت ہی زیادہ مشکلات پیدا کر دے گی۔ شہر کے اردگرد گہری اور اتنی چوڑی خندق کھود دی گئی ہے جسے کوئی طاقتور گھوڑا بھی نہیں پھلانگ سکتا۔ شہر کے اندر باہر آنے جانے کے لیے کچھ جگہیں چھوڑی گئی ہیں جہاں خندق نہیں ہے۔ خندق کے اردگرد لوہے کے نوکیلے تار بچھا دیئے گئے ہیں۔ انہی تاروں سے شہر میں آنے جانے والے راستے بند کر دیئے گئے ہیں۔"

"شہر کے اندر کیا کیفیت ہے" — سعدؓ بن ابی وقاص نے پوچھا — "لوگوں کے، فوج کے اور جرنیلوں کے ارادے اور خیالات کیسے ہیں؟ کیا ان سب پر ہمارا رعب پہلے جیسا طاری ہے یا نہیں؟"

"یزدگرد اور پوران وہاں پہنچ چکے ہیں" — ایک جاسوس نے کہا — "اُنہوں نے اپنی فوج ایسا گرمایا اور جنم کا یہ ہے کہ شہری بھی فوج میں شامل ہو گئے ہیں۔ وہ بھگوڑے جو قادسیہ اور

مدائن سے بھاگے تھے، وہ سب جلولا میں اکٹھے ہو گئے ہیں۔ ہم نے ان کے جرنیلوں کی تقریریں سنی ہیں۔ انہوں نے اپنی فوج سے اور دوسرے لوگوں سے کہا ہے کہ ہم یہاں مقابلے میں جم گئے تو مسلمان محاصرے میں بیٹھے بیٹھے ہی کمزور ہو جائیں گے اور اگر ہم یہاں بھی پیٹھ دکھا گئے تو پھر ہمیں اور ہماری نوجوان لڑکیوں اور عورتوں کو کہیں پناہ نہیں ملے گی۔ جرنیلوں نے فوج سے یہ بھی کہا ہے کہ یہاں عربوں سے ہم بڑا ہی زبردست مقابلہ کریں گے اگر ہم نے انہیں شکست دے دی تو سلطنت کے وہ تمام علاقے جو مسلمانوں کے قبضے میں چلے گئے ہیں، واپس آجائیں گے اور یہاں کے لوگ ہمیں سر آنکھوں پر بٹھائیں گے۔ اگر فتح مسلمانوں کی ہوئی تو فارس کے لوگ ہم پر یہ الزام نہیں لگائیں گے کہ ہم لڑے نہیں تھے"۔

"یزدگرد جلولا میں ہی ہو گا!"

"نہیں امیرِ لشکر!" ـــــ دوسرے جاسوس نے جواب دیا ـــــ "وہ پوران کے ساتھ جلولا آیا تھا۔ پوران بہت ہی جوشیلی عورت ہے۔ وہ لوگوں کے گھروں میں جا کر عورتوں کمسن لڑکیوں اور لڑکوں کو بھی جنگ کے لیے تیار کر رہی ہے۔ اُس کے بولنے کا انداز ایسا پُراثر ہے کہ جو اُسے سنتا ہے وہ آگ بگولہ بن جاتا ہے.... یزدگرد واپس حلوان چلا گیا ہے۔ جلولا میں اس قدر اناج پانی اور روزمرہ ضرورت کی تمام اشیا جمع کر لی گئی ہیں جو فوج کے لیے بھی اور شہریوں کے لیے بھی ایک سال سے زیادہ عرصے کے لیے کافی ہوں گی"۔

"اور امیرِ لشکر!" ـــــ اس جاسوس کے ساتھی نے کہا ـــــ "جرنیلوں نے اور ہر ایک فوجی نے حلف اٹھا کر عہد کیا ہے کہ عربوں کو جلولا کی دیوار کے باہر ختم کر کے ان کی لاشیں خندق میں پھینک کر مٹی ڈال دیں گے"۔

"کیا بھگوڑے فوجی ابھی تک آ رہے ہیں؟"

"ہاں امیرِ لشکر!" ـــــ جاسوس نے جواب دیا ـــــ "وہ خود بھی آ رہے ہیں اور انہیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر بھی لایا جا رہا ہے۔ جلولا کے لوگ ہر آنے والے فوجی کا والہانہ استقبال کرتے ہیں اور پھر اُس سے وہی حلف لیا جاتا ہے جو دوسروں سے لیا گیا ہے۔ مدائن سے بھاگے ہوئے شہری جلولا میں خیموں میں رہ رہے ہیں۔ وہ سب لڑنے کے لیے تیار ہیں۔ تیغ زنی اور تیراندازی کی مشق کرتے رہتے ہیں"۔

بعض مؤرخوں نے جلولا کے دفاعی انتظامات اور شہر میں جو فوج تھی، ان کی تفصیلات لکھی ہیں۔ اتنی زیادہ فوج کے مارے جانے کے باوجود جلولا میں مقیم فوج مسلمانوں کی نسبت کم و بیش تین گنا زیادہ تھی۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ سعدؓ بن ابی وقاص کسی بہروپ میں جلولا گئے اور کچھ دُور سے خندق اور خاردار تار دیکھی تھی۔

سعدؓ بن ابی وقاص نے امیرالمومنین کو آتش پرستوں کی ان تیاریوں کی تفصیل لکھی اور یہ بھی لکھا کہ معلوم ہوتا ہے یہ فارسیوں کا آخری مضبوط مورچہ ہے اور وہ وہاں آخری معرکہ لڑنا چاہتے ہیں۔

امیرالمومنین نے فارسیوں کے دفاعی انتظامات اور تیاریوں کی تفصیلات پڑھ کر لکھا کہ ہاشم بن عتبہ کو بارہ ہزار مجاہدین دے کر جلولا بھیجا جائے۔ ہراول میں قعقاع بن عمرو ہوں گے۔ دائیں پہلو پر مشعر بن مالک، بائیں پہلو پر عمرو بن مالک اور پیچھے والے حصے کے کماندار عمرو بن مرّہ ہوں گے۔

حضرت عمرؓ نے اور بھی کچھ ہدایات دی تھیں۔ انہوں نے زور دے کر لکھا کہ ایک ہی بار سارا لشکر جلولا کی لڑائی میں نہ جھونک دینا۔ مدائن کا دفاع مضبوط رکھنا۔ جلولا سے اپنی پسپائی بھی ہو سکتی ہے۔ اس صورت میں مدائن کو بچانا مشکل ہو جائے گا۔ اس مشکل کا حل پہلے ہی تیار رکھنا۔

امیرالمومنین کا حکم ملتے ہی سعدؓ بن ابی وقاص نے بارہ ہزار کا لشکر تیار کیا اور اسے چار حصوں میں تقسیم کر کے اس کے سالار مقرر کیے اور انہیں بتایا کہ جلولا میں انہیں کیسا دفاع ملے گا۔

"....اور یاد رکھ میرے بھائی کے بیٹے!" ـــــ سعدؓ بن ابی وقاص نے اپنے بھتیجے ہاشم بن عتبہ سے کہا ـــــ "تو بڑی سخت آزمائش میں جا رہا ہے۔ ہمارا خاندان ناکامی اور شکست کے صرف نام سے واقف ہے۔ کبھی شکست کھائی نہیں۔ ہم کبھی ناکام نہیں ہوتے۔ اگر تو ناکام ہوا تو زندہ واپس نہ آنا۔ تیری لاش آئی تو میں اسے نہیں دیکھوں گا"۔

"کیا مجھے کمک کی امید رکھنی چاہیئے؟" ـــــ ہاشم نے پوچھا۔

"میں تیری پیٹھ پیچھے رہوں گا" ـــــ سعدؓ بن ابی وقاص نے کہا ـــــ "میں خود محسوس کر لوں گا کہ تجھے کمک کی ضرورت ہے اور وقت سے پہلے تجھے کمک مل جائے گی.... قعقاع بن عمرو میرے ساتھ ہے اور تیرے ماتحت دوسرے جو سالار جا رہے ہیں، وہ امیرالمومنین کے منتخب کیے ہوئے ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی تجھے دھوکہ نہیں دے گا۔ ایسا نہ ہو کہ تو ہی انہیں دھوکہ دے جائے.... یہ بھی سُن لے۔ آگ کے پجاریوں نے قسم کھائی ہے کہ وہ ہمیں خندق کے باہر ہی تباہ کر کے لاشیں خندق میں پھینک دیں گے"۔

سعدؓ بن ابی وقاص نے ہاشم بن عتبہ کو بتایا کہ فارس کی فوج کا محصور ہو کر لڑنے کا انداز

یہ ہے کہ اس کے دو چار دستے باہر آکر زوردار حملہ کرتے اور قلعے میں واپس چلے جاتے ہیں۔"

"میں فارسیوں سے ہی لڑتا آرہا ہوں"۔۔۔ ہاشم نے کہا۔۔۔"اگر میں قادسیہ اور نہر شیر کی لڑائیوں میں بزدل نہیں رہا تو اب بھی بزدل نہیں بنوں گا۔ کیا یہ بہتر نہیں کہ میں جلولا کی طرف چل پڑوں؟"

"ہاں میرے بھائی کے بیٹے!"۔۔۔ سعدؓ بن ابی وقاص نے کہا۔۔۔"اللہ حافظ! تو ہر جگہ اللہ کو اپنے ساتھ پائے گا۔"

ہاشم بن عتبہ کا لشکر فجر کی نماز پڑھ کر چلا اور سورج غروب ہونے سے پہلے جلولا پہنچ گیا۔ ہاشم اور اُس کے سالاروں کو بتا دیا گیا تھا کہ جلولا کے دفاعی انتظامات کیا ہیں لیکن انہوں نے وہاں جا کر یہ انتظامات دیکھے تو پریشان ہو گئے۔ وہاں تو محاصرے میں بیٹھنے والی بات تھی۔ دیوار تک پہنچنا ہی ناممکن تھا۔ اتنی چوڑی خندق اور جہاں تین چار جگہوں پر خندق نہیں راستے تھے، وہاں لوہے کے نوکیلے تاروں کے گچھے تھے۔

شہر کی دیوار پر شہری اور فوجی کھڑے قہقہے لگا رہے تھے اور آوازے کس رہے تھے۔

دو دروازے کھلے اور بہت سے لوگ خندق کے دو راستوں تک دوڑے آئے۔ انہوں نے بہت تیزی سے ان راستوں سے تار ہٹا دیئے۔ فوراً ہی شہر کے کھلے ہوئے دروازوں سے گھوڑسواروں کا سیلاب نکلا اور ان دونوں راستوں سے باہر آکر مسلمانوں پر ٹوٹ پڑا۔ مسلمان ابھی ایسے ناگہانی حملے کے لیے تیار نہیں تھے، پھر بھی انہوں نے ان سواروں کا مقابلہ کیا۔

"ان کے واپسی کے راستے روک لو"۔۔۔ یہ قعقاع بن عمرو کی گرجدار آواز تھی جو بار بار گرجتی تھی۔

مجاہدین نے بھی "ان کے راستے روک لو" کے نعرے لگانے شروع کر دیئے۔ ان کا خاطر خواہ اثر ہوا۔ فارسی سواروں نے "ضرب لگاؤ اور بھاگو" کے اصول پر حملہ کرنا، زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچانا اور واپس چلے جانا تھا۔ ان کے کانوں میں جب یہ للکار پڑی کہ ان کے واپسی کے راستے بند کر دو تو اُن کا دھیان آگے کی بجائے پیچھے کو ہو گیا۔ وہ زندہ و سلامت واپس جانے کی کوشش کرنے لگے۔

مسلمان راستے تو بند نہ کر سکے لیکن تیر انداز مجاہدین نے انہیں بہت نقصان پہنچایا۔

راستے تنگ تھے اور ہر سوار دوسروں سے پہلے واپس چلے جانے کی کوشش میں تھا اس لیے سوار ان تنگ راستوں میں پھنس گئے۔ مجاہدین نے تلواروں اور برچھیوں سے بھی انہیں بہت نقصان پہنچایا۔ مجاہدین کا نقصان معمولی تھا۔

راستے پھر نوکیلی تاروں سے بند کر دیئے گئے۔ مجاہدین نے مرے ہوئے فارسیوں کو خندق میں پھینکنا شروع کر دیا۔ زخمی گھوڑوں کو بھی خندق میں دھکیل دیا۔

تصور میں لائیں کہ مجاہدین کی تعداد صرف بارہ ہزار تھی اور جلولا ایک بڑا شہر تھا۔ اس کے محاصرے میں بارہ ہزار مجاہدین بالکل ناکافی تھے۔ اندر سے حملہ آنے کی صورت میں مجاہدین کو اکٹھا ہونا پڑتا تھا جس سے محاصرہ ٹوٹ جاتا تھا۔ شہر کے ایک طرف محاصرہ ہو ہی نہیں سکتا تھا کیونکہ اُس طرف پہاڑی تھی اور اس میں سے ایک راستہ شہر میں آتا تھا۔ یہ راستہ حلوان اور جلولا کو ملاتا تھا۔ اس سے فارسیوں کو یہ سہولت حاصل تھی کہ کمک اور رسد آسانی سے بھیج سکتے تھے۔ پہلے حملے میں جلولا کے جتنے فوجی مارے گئے، حلوان سے اس سے زیادہ فوجی جلولا بھیج دیئے گئے۔

یہی معمول بن گیا۔ دو دن گزرتے تھے تو جلولا سے سوار نکلتے اور اسی طرح حملہ کرتے جس طرح انہوں نے پہلا حملہ کیا تھا۔ ہر حملے میں بہت سے فارسی گھوڑسوار اور پیادے ہلاک یا زخمی ہو کر پیچھے رہ جاتے اور باقی واپس چلے جاتے۔

سعدؓ بن ابی وقاص نے زخمیوں کو مدائن لے جانے اور ان کی جگہ تازہ دم مجاہدین کو جلولا بھیجنے کا انتظام کر رکھا تھا۔ مدائن سے انہیں گھوڑا گاڑیاں اور بیل گاڑیاں مل گئی تھیں۔

دو مہینے گزر گئے۔ پہلے دن سے ہی پوران نے اپنا یہ معمول بنا لیا تھا کہ جلولا کے اندر فوجیوں کو اکٹھا کر کے بڑی ہی جذباتی اور جوشیلی تقریر کرتی جس سے فوجیوں کے حوصلوں میں نئی جان پیدا ہو جاتی اور ان کے جذبے بیدار ہو جاتے۔ وہ شہریوں کو بھی اسی طرح تقریریں کر کے مشتعل کرتی رہتی تھی۔

دو مہینوں میں جلولا والوں کا اتنا زیادہ جانی نقصان ہو چکا تھا جو شہریوں کے لیے ناقابلِ برداشت تھا۔ فوجیوں کے ساتھ شہر کے لوگ بھی باہر آکر مسلمانو حملے کرتے اور مارے جاتے یا زخمی ہوتے تھے۔ زخمیوں کو پیچھے ہی چھوڑ دیا جاتا تھا۔ انہیں مسلمان مدائن بھیج دیتے تھے۔ یہ جنگی قیدی تھے جنہیں مدینہ جا کر غلاموں کی طرح فروخت نا تھا۔

ایک روز پوران حسبِ معمول شہر کی گشت کے لیے نکلی تو ایک جگہ بہت سی عورتوں نے

اُسے گھیر لیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ پوران کو بولنے کا موقع نہ ملا۔ عورتوں نے اُسے دیکھتے ہی ہنگامہ بپا کر دیا۔ جوں جوں عورتوں کا شور و غل بڑھتا جا رہا تھا، عورتوں کے ہجوم میں بھی اضافہ ہو رہا تھا۔ عورتیں بھول گئی تھیں کہ پوران ملکہ تھی یا شہنشاہِ فارس کی سوتیلی بہن ہونے کی وجہ سے اب بھی اُس کا درجہ ملکہ جیسا ہے اور یہ وہ شاہی خاندان ہے جو قتل کو یوں سمجھتا ہے جیسے دو چار مکھیاں مار ڈالیں۔

"پوران! تو ماں ہوتی تو تجھے اُن ماؤں کے دلوں کی حالت معلوم ہوتی جن کے جوان بیٹے تُو نے باہر بھیج کر مروا دیئے ہیں۔"

"تُو نے شادی نہیں کی۔ تو بیوہ ہوتی تو...."

"تیرا کوئی بھائی نہیں مرا پوران!"

"تو ملکہ ہے، تجھے کیا غم! ہماری دولت یہی لڑکے تھے جنہیں تُو نے مروا دیا ہے۔"

عورتیں واویلا بپا کیے جا رہی تھیں۔ ان کے بیٹے، بعض کے بھائی، باپ اور خاوند پوران کی للکار پر جوش میں آ کر فوج میں شامل ہو گئے تھے اور گذشتہ دو مہینوں میں فوج سے مل کر شہر سے باہر مسلمانوں پر حملوں میں شامل ہوتے رہے اور مارے جاتے رہے تھے۔

"کیا تم اپنے ملک کے لیے کوئی قربانی نہیں دینا چاہتیں؟" — پوران کو بڑی مشکل سے یہ کہنے کا موقع ملا — "کیا تم نہیں جانتیں کہ اس شہر پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا تو تمام جوان لڑکیوں کو یہ وحشی عرب اپنی لونڈیاں اور کنیزیں بنا لیں گے؟"

"تم اپنے بھائی کو باہر کیوں نہیں نکالتیں؟" — ایک عورت نے کہا — "یہ ملک ہمارا نہیں، یہ یزدگرد اور اُس کے خاندان کا ملک ہے۔ یہ بزدل اور عیاش فوج کا ملک ہے۔ بیٹے ہمارے مرواتی ہو عیش و عشرت تمہارا خاندان کرتا ہے۔"

وہاں تو بغاوت جیسی صورتِ حال پیدا ہو گئی تھی۔ ان حالات میں کہ شہر محاصرے میں تھا اور فوج کی خاصی نفری ماری گئی تھی، ان لوگوں کو جبر و تشدد سے دبانا خطرناک تھا۔ پوران دیکھ رہی تھی کہ پہلے صرف عورتیں پھر مرد بھی جمع ہونے لگے تھے۔ ان میں سے بعض نے مذاق کے طعنے بھی دیئے۔

پوران تو دب کے رہ گئی۔ اُس نے عورتوں کو تسلی دلاسہ دیا۔ اپنے مخصوص اور پُر اثر انداز میں بول کر اُس نے مردوں کو بھی ٹھنڈا کر دیا مگر خود اتنی مضطرب اور پریشان ہو گئی کہ گھوڑے پر سوار ہو کر وہاں سے چلی تو اُس کا سر اوپر نہیں اُٹھ رہا تھا۔

اُس نے ایک جگہ جرنیلوں کو بلایا اور انہیں کہا کہ وہ سب حلوان پہنچیں.... وہ خود بھی حلوان

پہنچ گئی۔

مہران، فیروزان اور خرزاد اُس کے پیچھے پیچھے حلوان پہنچے۔ پوران انہیں یزدگرد کے پاس لے گئی۔

"معلوم ہوتا ہے جلولا کی شکست بھی ہماری قسمت میں لکھ دی گئی ہے" — پوران نے کہا — "آج جلولا کی عورتوں نے مجھے جو طعنے دیئے ہیں وہ تم سنتے تو دجلہ میں ڈوب مرنے کے لیے چل پڑتے لیکن تم دجلہ میں ڈوب مرنے کے حق سے بھی محروم کر دیئے گئے ہو۔ دجلہ اب تمہارا نہیں رہا۔"

"کیا تم تینوں جرنیل بتا سکتے ہو کہ ہماری فوج میں کس چیز کی کمی ہے؟" — یزدگرد نے اپنے جرنیلوں سے پوچھا۔

"حوصلے کی!" — مہران نے جواب دیا — "عربوں کی تعداد دس سے بارہ ہزار تک ہے لیکن ان کا حوصلہ مضبوط ہے۔ وہ شکست کھانے کی بجائے مرجانے کو بہتر سمجھتے ہیں۔ پے بہ پے فتوحات نے بھی ان کے حوصلے بلند کر دیئے ہیں۔ ہماری فوج پر ان کا خوف غالب آ گیا ہے۔ جب سے انہوں نے گھوڑوں کی پیٹھ پر دجلہ پار کیا ہے، ہماری فوج میں یہ بات پورے یقین سے تسلیم کر لی گئی ہے کہ مسلمان جن بھوت ہیں یا ان کے پاس کوئی جادو ہے۔ ہم نے انہیں بہت سمجھایا ہے کہ مسلمانوں میں کوئی مافوق الفطرت طاقت نہیں لیکن ہمارے سپاہی جب ان کے سامنے جاتے ہیں تو بھاگنے کا راستہ پہلے دیکھ لیتے ہیں۔"

"شہنشاہِ فارس!" — فیروزان نے کہا — "مسلمان اپنے عقیدے کے پکے ہیں۔"

"ان باتوں کا ہمارے پاس کوئی وقت نہیں" — پوران نے کہا — "میں نے تمہیں یہ رائے دینے کے لیے نہیں بلایا کہ عقیدہ کس کا پکا اور کس کا کچا ہے۔ میں تم سب کو یہ بتا رہی ہوں کہ ہم نے جلولا کا محاصرہ توڑ کر عربوں کو پسپا نہ کیا تو جلولا کے شہری ہمارے قابو سے نکل جائیں گے۔ وہ باغی ہو جائیں گے تو اپنی فوج کے لیے مصیبت بن جائیں گے۔ وہ دروازے کھول کر باہر نکل جائیں گے اور خندق کے راستوں سے تار ہٹا دیں گے.... تم بھی غور کرو یزدی! ہمیں کچھ کرنا چاہیئے اور بہت جلدی کرنا چاہیئے۔"

"یہ میں پہلے ہی سوچ چکا ہوں" — مہران نے کہا — "ہمیں اپنی پوری فوج سے عربوں پر حملہ کرنا چاہیئے۔ محاصرے کو پچھتر دن گزر گئے ہیں۔ ہم بہت جانی نقصان اٹھا چکے ہیں۔ مجھے پوری امید ہے کہ میں ایک بھی عربی کو زندہ واپس نہیں جانے دوں گا۔ میں پوری فوج سے حملہ نہیں

کردوں گا۔ حملہ آدھی فوج سے ہوگا۔ یہ دستے تھکنے لگیں گے تو آہستہ آہستہ پیچھے آنا شروع کر دیں گے اور باقی آدھی فوج جو شہر میں تیار ہوگی، وہ باہر آجائے گی اور لڑائی جاری رہے گی..... عرب اتنی کم تعداد میں ہیں کہ لڑائی جاری نہیں رکھ سکیں گے۔"

"یہ حملہ کب ہوسکے گا؟" ——— یزدگرد نے پوچھا۔

"تین چار دنوں بعد" ——— مہران نے جواب دیا ——— "میں اور فیروزان فوج کے ساتھ باہر جائیں گے۔ ہم ساتھ ہوں گے تو فوج جم کر لڑے گی۔"

"جاؤ" ——— یزدگرد نے کہا ——— "ابھی تیاری شروع کردو۔"

اور تین دنوں میں تیاریاں مکمل ہوگئیں۔

جلولا میں دوسری جگہوں سے نقلِ مکانی کرکے پہنچنے والے شہریوں اور بھگوڑے فوجیوں کا ایک ہجوم اکٹھا ہوگیا تھا۔ یزدگرد، نورین اور پُوران نے ان تین دنوں میں یہ معمول بنا رکھا تھا کہ ان میں سے کوئی فوج کو اور کوئی شہریوں کو اکٹھا کرکے بڑے ہی جذباتی اور جوشیلے انداز اور الفاظ میں گرماتا اور اس طرح لڑائی کے لیے تیار کیا جاتا تھا۔

"اب بھاگ کر کہاں جاؤ گے؟" ——— یہ الفاظ ان تینوں کی زبانوں پر چڑھے ہوئے تھے ——— "تمہیں فارس کی دوسری سرحد کے قریب پہنچا دیا گیا ہے۔ آگے رومیوں کا علاقہ ہے۔ تم عربوں کے نرغے میں آگئے ہو۔ اب عورتوں اور بچوں کو بھی لڑنا پڑے گا۔ اگر تم اس کے لیے تیار نہیں تو پھر عربوں کے غلام اور لونڈیاں بننے کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

مدائن کے دولت مند تاجر اور جاگیردار بھی مدائن سے بھاگ کر جلولا چلے گئے تھے۔ ان کے خزانے مدائن میں ہی رہ گئے تھے۔ جاگیرداروں اور بڑے زمینداروں کی وہ وسیع وعریض اراضی جو سونا اور چاندی اگلتی تھی، مسلمانوں کے قبضے میں آگئی تھی۔ وہ تو کنگال ہو گئے تھے۔

ان میں سے ایک نے اعلان کردیا کہ جو فوجی یا شہری بے مثال بہادری سے لڑے گا اُسے سونے اور چاندی کی صورت میں وہ جھولی بھر کے انعام دے گا۔

فوراً ہی ایک اور جاگیردار نے اعلان کردیا کہ بہادری سے لڑنے والے کو وہ اپنی جاگیر میں سے حصہ دے گا۔

ایک ہی دن میں تقریباً تمام تاجروں اور جاگیرداروں نے بہادری سے لڑنے والوں کے لیے انعامات کا اعلان کردیا۔

یزدگرد، نورین اور پوران کے اشتعال انگیز الفاظ کے ساتھ اتنے زیادہ انعامات کے اعلان

نے فوج اور شہریوں میں نئی روح پھونک دی۔ کمسن لڑکے بھی مرنے مارنے کے لیے تیار ہو گئے۔ عورتوں نے اعلان کردیا کہ عربی اگر شہر میں داخل ہو گئے تو وہ شہر کی گلیوں اور گھروں میں لڑیں گی، کسی عربی مسلمان کو زندہ نہیں چھوڑیں گی یا خود زندہ نہیں رہیں گی۔

ایک طوفان تھا یا آتش فشاں میں اُبلتا ہوا لاوا تھا جو جلولا کو محاصرے میں لیے ہوئے بارہ ہزار مجاہدین کو خس وخاشاک کی طرح اُڑا اور بہا لے جانے کے لیے تیار تھا۔

مجاہدین کی تعداد بارہ ہزار تھی۔ پہلے معرکوں کے زخمیوں اور شہیدوں کو مدائن بھیج دیا گیا تھا۔ ان کی جگہ تازہ دم مجاہدین آگئے تھے۔ اس طرح جلولا کے مجاہدین کی نفری پوری بارہ ہزار رکھی گئی تھی۔ تیروں اور برچھیوں کے تو انبار تھے جو مجاہدین کے لیے بھیجے گئے تھے۔ مجاہدین کے دلوں میں کوئی دنیاوی لالچ نہیں تھا۔ ان کے دلوں میں اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبّت تھی۔

جلولا کے اندر لڑنے کے لیے جو نفری تیار ہوئی تھی، وہ ایک لاکھ سے زیادہ تھی۔

تاریخوں کے مطابق، محاصرے کے اَسّی دن پورے ہوئے تو شہر کے دروازے کھلے۔ ...ھ آدمیوں نے آگے آکر خندق پر بنائے ہوئے راستوں سے خاردار تار ہٹا دیئے۔ بڑا ہی زبردست سیلاب تھا جو بند توڑ کر مجاہدین کی طرف آیا۔ یہ گھوڑوں اور انسانوں کا تیز وتند سیلاب تھا جس کے آگے کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ بارہ ہزار مجاہدین زندہ کھڑے رہ سکتے ہیں۔ مجاہدین کے لیے یہ حملہ غیر متوقع اور ناگہانی تھا۔

"انہیں خندق کی طرف دباتے رکھو" ——— یہ مجاہدین کے سالار ہاشم بن عتبہ کی آواز تھی جو بلند ...از مجاہدین نے محاصرے کے ایک سرے سے دوسرے تک پہنچا دی۔

فارسی لشکر میں نیا ہی جوش وخروش نظر آرہا تھا لیکن وہ زیادہ آگے آنے سے بھی گریز کر رہے تھے کیونکہ انہیں واپس بھی جانا تھا۔ واپسی کے راستے تین چار ہی تھے۔

علاّمہ شبلی نعمانی نے لکھا ہے کہ فارسیوں نے باہر آکر حملہ کیا تو بڑی تیز آندھی آگئی۔ مجاہدین نے اس آندھی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایسے شدید حملے کیے کہ فارسی خندق میں گرنے لگے ... آدھا لشکر تباہ ہوگیا۔

کسی اور مؤرخ نے آندھی کا ذکر نہیں کیا۔ سب لکھتے ہیں کہ یہ لڑائی غیر معمولی طور پر خونریز تھی۔ ...ثیر نے لکھا ہے کہ ایسی گھمسان کی لڑائی ہوئی کہ برچھیاں ٹوٹ گئیں، تیر ختم ہو گئے۔ تلواریں نکلیں ...ہار سے نکلے۔ فارسی اتنے زیادہ تھے کہ مجاہدین ان میں نظر نہیں آتے تھے۔ مجاہدین نے وہی ...یقہ اختیار کیا کہ فارسیوں کو خندق کی طرف دباتے تھے اور فارسی پیچھے ہٹتے ہٹتے خندق میں

گرتے تھے۔ بعض اپنے گھوڑوں کے نیچے آجاتے اور مرتے تھے۔

مؤرخوں نے اس معرکے کو بیان کرتے ہوتے بار بار قعقاع کا ذکر کیا ہے۔ دوسرے سالاروں کی شجاعت بھی کچھ کم نہ تھی لیکن قعقاع نے تو معجزہ کر دکھایا تھا۔ اس کی کوشش یہ تھی کہ خندق کے راستے بند کر دیئے جائیں تاکہ فارسی واپس نہ جا سکیں لیکن قعقاع اس کوشش میں کامیاب نہ ہو سکے۔

مؤرخوں نے اس معرکے کو عراق کی جنگ کا سب سے زیادہ خونریز اور انتہائی گھمسان کا معرکہ کہا ہے۔ فارسیوں کی ایک کمزوری یہ تھی کہ وہ ہجوم کی صورت میں آتے تھے اور ہجوم کی صورت میں ہی لڑ رہے تھے۔ مجاہدین انہیں بکھرنے نہیں دے رہے تھے۔ اس سے فارسیوں کے لیے یہ دشواری پیدا ہو گئی تھی کہ وہ ایک دوسرے میں پھنس گئے تھے۔ انہیں گھوم پھر کر لڑنے کا موقع نہیں ملتا تھا۔ دوسری کمزوری یہ کہ انہیں واپس بھی جانا تھا اور واپسی کے راستے تھوڑے بھی تھے اور تنگ بھی۔

ان کی سب سے بڑی کمزوری یہ تھی کہ بہادری سے لڑنے اور مرنے کا حلف اٹھانے کے باوجود اُن پر مسلمانوں کی دہشت طاری تھی۔ یزدگرد، نورین اور پُوران کی جوشیلی تقریریں بھی انہیں اس دہشت سے نجات نہیں دلا سکی تھیں۔

پھر فارسیوں کی ایک کمزوری اور بھی تھی۔ وہ یہ کہ مسلمان پہلے سے کہیں زیادہ جوش و خروش سے اُن کا مقابلہ کر رہے تھے اور مسلمان نعرے لگاتے تھے کہ امیر المومنین کا حکم ہے کہ بارہ ہزار مجاہدین دشمن کو شکست دیں۔

ظہر کے وقت فارسی واپس جانے لگے۔ مجاہدین نے بہت کوشش کی کہ واپسی پر انہیں مزید نقصان پہنچائیں۔ اس کوشش میں وہ خاصی حد تک کامیاب بھی ہوتے۔

جب آخری فارسی بھی خندق کی دوسری طرف چلا گیا تو کسی مجاہد نے اذان دی۔ سالار ہاشم بن عتبہ نے اعلان کرایا کہ "نمازِ خوف" ادا کی جائے گی۔

بعض مؤرخوں نے لکھا ہے کہ مجاہدین نے ظہر کی نماز اشاروں میں ادا کی۔ دراصل یہ "نمازِ خوف" تھی جس کی ادائیگی کا ایک خاص طریقہ ہے۔ دشمن کی طرف سے اتنی مہلت مل گئی تھی کہ مجاہدین نے ٹولیوں میں تقسیم ہو کر "نمازِ خوف" ادا کر لی۔

*

"اللہ کے مجاہدو!" — قعقاع بن عمرو نے اپنے دستوں سے کہا — "کیا تم ڈر تو نہیں گئے؟"

"ڈرے ہوتے نہیں، ہم تھکے ہوتے ہیں" — ایک مجاہد نے کہا — "اگر ایسا ہی حملہ پھر

آ گیا تو تازہ دم فوج سے ہوگا۔"

"ہاں!" — قعقاع نے کہا — "ایسا حملہ ہوا تو ہم اب ذرا پیچھے ہٹ کر ان پر حملہ کریں گے اور انہیں اُس وقت تک نہیں چھوڑیں گے جب تک اللہ اُن کے اور ہمارے درمیان کوئی فیصلہ نہیں کر دیتا" — قعقاع کے یہ الفاظ تاریخ کے اوراق پر محفوظ ہیں۔ اُس نے کہا — "اب وہ آتے تو انہیں روکنے کی بجائے ان کے اندر گھس کر پیچھے چلے جانا۔"

قعقاع کی یہ بات ابھی پُوری نہیں ہُوئی تھی کہ شہر کے دو دروازے ایک بار پھر کھُلے اور فارسیوں کے حملے کی دوسری طوفانی لہر آئی جو پہلے حملے جیسی ہی طوفانی اور تیز و تند تھی۔ یہ فارس کی فوج کے تازہ دم دستے تھے۔

ایک بار پھر گھمسان کا رن پڑا۔

"مجاہدو!" — بڑی ہی بلند آوازیں سنائی دینے لگیں — "مسلمانو... تمہارے سردار خندق کے حصار کے اندر چلے گئے ہیں۔ آگے بڑھو۔ راستہ صاف ہے۔"

یہ قعقاع کی بہادری کا غیر معمولی کمال تھا کہ چند ایک مجاہدین کو ساتھ لے کر دشمن کے پیچھے چلا گیا اور خندق کے دو راستوں پر قبضہ کر لیا تھا۔

یہاں کچھ مؤرخوں کی تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ آندھی کا ذکر نہیں آیا۔ یوں لکھا ہے کہ گرد و غبار سے فضا تاریک ہو گئی۔ کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ اس تاریکی سے فائدہ اٹھا کر قعقاع نے خندق کے دو راستے بند کر دیئے۔

جب قعقاع نے اعلان کروا دیا کہ وہ خندق کے اندر چلے گئے ہیں اور راستہ صاف ہے تو فارسی پریشان ہو گئے۔ وہ پیچھے کو بھاگنے لگے لیکن راستے بند پاتے۔ دوسرے ایک دو راستے دوسرے سالاروں نے بند کر لیے۔ فارسی سوار افراتفری اور نفسانفسی کے عالم میں گھوڑوں سمیت خندق میں گرنے لگے۔

مؤرخوں نے لکھا ہے کہ فارس کے گھوڑسواروں پر خوفزدگی کی جو کیفیت طاری ہوئی، اس کے زیرِ اثر وہ خندق کے باہر کی طرف خندق کے ساتھ ساتھ گھوڑے دوڑاتے پھرتے تھے۔ آندھی کی تاریکی مجاہدین کے لیے بھی یکساں تھی لیکن انہوں نے آنکھیں کھلی اور حوصلہ قائم رکھا۔

ان حالات میں جو کچھ ہو رہا تھا وہ مسلمانوں کے ہاتھوں فارسیوں کا قتلِ عام تھا۔ بعض فارسی سواروں نے گھبراہٹ میں خندق کو پھلانگنے کے لیے گھوڑوں کو ایڑیں لگائیں لیکن خندق اتنی چوڑی تھی کہ گھوڑے خندق میں گرے۔ خندق کے اندر یہ حال تھا کہ سینکڑوں گھوڑے اس کے اندر سواروں کے بغیر بدکے ہوتے دوڑتے پھر رہے تھے اور زخمی سوار اور پیادے گھوڑوں

تے چلے جا رہے تھے۔

تقریباً تمام مؤرخوں نے لکھا ہے کہ کم و بیش ایک لاکھ فارسی مارے گئے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ فارسیوں کی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ تھی۔ اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ فارسی فوج کے جن پہلے دستوں نے باہر آکر حملہ کیا تھا وہ دوسرے مرحلے میں بھی شامل تھے۔

فارس کے بچے کھچے فوجی شہر میں نہ جا سکے۔ وہ باہر سے ہی حلوان کی طرف بھاگ گئے۔

جلولا کا ایک جرنیل مہران قعقاع کو نظر آگیا۔ وہ اپنے محافظ دستے کے چند ایک سواروں کے ساتھ بھاگ رہا تھا۔ قعقاع نے اس کا تعاقب کیا اور ایک مقام خانقین میں اُسے جا لیا۔ اُس کے محافظ اُس کا ساتھ چھوڑ گئے۔ قعقاع نے اپنے ہاتھ سے مہران کو قتل کیا۔ مہران نے مقابلہ تو کیا تھا لیکن اس کے مقابل قعقاع تھا جو قتل ہونا نہیں قتل کرنا زیادہ بہتر جانتا تھا۔

دوسرا فارسی جرنیل فیروزان تھا۔ وہ جلولا سے فرار ہو کر حلوان پہنچ گیا تھا۔ تیسرے جرنیل خرزاد کے انجام کے متعلق تاریخ خاموش ہے۔

مجاہدین جلولا میں داخل ہو گئے۔ اُس وقت قعقاع اور اُس کے مجاہدین حلوان پہنچ گئے تھے۔

اُس گھوڑ سوار کی رفتار بڑی ہی تیز تھی۔ اتنی تیز کہ یوں لگتا تھا جیسے گھوڑا بدک کر بے لگام ہو گیا ہو اور سوار کے قابو میں نہ آ رہا ہو۔ مدائن کی دیوار پہ کھڑے ایک مجاہد نے دیکھا۔

"جلولا سے ایک سوار آ رہا ہے"۔۔۔ مجاہد نے چلّا کر کہا۔۔۔ "گھوڑا بے لگام لگتا ہے"۔

"جلولا سے ایک سوار آ رہا ہے"۔۔۔ نیچے کھڑے ایک مجاہد نے بلند آواز سے اعلان کیا۔۔۔ "سپہ سالار کو اطلاع کر دو"۔

سپہ سالار سعدؓ بن ابی وقاص مدائن میں کسریٰ کے محل میں قیام پذیر تھے۔ اپنے بھتیجے ہاشم بن عتبہ کی زیرِ کمان بارہ ہزار مجاہدین کا لشکر جلولا بھیج کر سعدؓ بن ابی وقاص کی بیتابی کا عالم یہ تھا کہ فجر کی نماز کے بعد شہر کی جلولا کی طرف والی دیوار پر جا کھڑے ہوتے اور قاصد کی راہ دیکھنے لگتے تھے۔ انہوں نے بارہا افسوس کا اظہار کیا کہ وہ خود جلولا نہ جا سکے۔ ہر بار ان کے اظہارِ افسوس کی تان ان الفاظ پر ٹوٹتی تھی۔۔۔ "...لیکن امیرالمومنین مجھ سے زیادہ بہتر سوچا کرتے ہیں"۔

کمک اور رسد ہر وقت تیار رہتی تھی۔ جوں ہی جلولا سے زخمی اور شہیدوں کی لاشیں آتی تھیں اُسی وقت اتنی ہی تعداد میں مجاہدین جلولا کو روانہ ہو جاتے تھے۔ اُدھر سے رسد کی جو بیل گاڑیاں اور گھوڑا گاڑیاں خالی واپس آتی تھیں، اتنی ہی گاڑیاں رسد سے بھر کر روانہ کر دی جاتی تھیں۔

سعدؓ بن ابی وقاص نے اَسّی دن اور راتیں قاصدوں کے انتظار میں اور قاصدوں سے جلولا کے محاصرے کی خبریں سنتے، انہیں ہدایات اور احکام دے کر رخصت کرتے، زخمیوں کی عیادت کرتے اور ذہن میں کشمکش اور اعصاب پر زبردست دباؤ لیے گزارے تھے۔ وہ اکیاسیواں دن تھا جب اُن کے کانوں میں آواز پڑی کہ جلولا سے ایک سوار آ رہا ہے۔

سعدؓ کا گھوڑا ہر وقت تیار رہتا تھا۔ یہ اعلان سنتے ہی سعدؓ دوڑتے باہر نکلے۔ رکاب میں پاؤں رکھ کر سوار ہونے کی بجائے اُچھل کر گھوڑے کی پیٹھ پر جا بیٹھے اور باگ کو جھٹکا دے کر گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ جلولا کی طرف والے دروازے سے نکلے۔ گھوڑ سوار ابھی کچھ دور

تھا۔ سعدؓ نے اُس کی طرف گھوڑا سرپٹ دوڑا دیا۔

"دُور سے بولو" — سعدؓ نے بڑی ہی بلند آواز سے کہا — "کوئی خبر لائے ہو؟"

"فتح مبارک ہو سپہ سالار!" — گھوڑ سوار نے جواب دیا — "ہم جلولا میں داخل ہو گئے ہیں۔"

سوار سعدؓ بن ابی وقاص کے قریب آ گیا۔ سعدؓ نے اپنا گھوڑا موڑا اور دونوں گھوڑے پہلو بہ پہلو مدائن کی طرف دوڑنے لگے۔

"رکنا نہیں" — سعدؓ نے سوار سے کہا — "وہ دیکھو مدائن کی دیوار پر کتنا ہجوم تمہارے انتظار میں کھڑا ہے۔"

"خدا کی قسم!" — شہر کے قریب جا کر سعدؓ بن ابی وقاص نے دیوار پر کھڑے ہجوم سے کہا — "میرے بھتیجے نے اپنا عہد پورا کر دیا ہے۔"

جلولا کی فتح کی خبر نے مدائن میں خوشیوں کا ہنگامہ بپا کر دیا۔ مجاہدین کی بیویاں اور بچے مدائن میں آ گئے تھے۔ عورتیں بھی باہر نکل آئیں اور مسرت و شادمانی اور فتح و نصرت کے گیت ترانے گانے لگیں۔

سعدؓ بن ابی وقاص قاصد کو اپنے ساتھ لے گئے اور اُس سے آخری لڑائی کی تفصیلات سنیں۔

"آپ کا جلولا پہنچنا بہت ضروری ہے" — قاصد نے سعدؓ سے کہا — "آتش پرست تو حلوان بھاگ گئے ہیں۔ ایسا کوئی خطرہ نظر نہیں آتا کہ وہ جوابی حملہ کریں گے یا جلولا کو محاصرے میں لیں گے۔ سردار قعقاع بن عمرو حلوان تک پہنچ گئے ہیں۔ آپ کا وہاں فوراً پہنچنا اس لیے ضروری ہے کہ جلولا میں مدائن کی طرح بہت ہی قیمتی اور خاصا زیادہ مالِ غنیمت ہے۔"

سعدؓ نے پہلا کام یہ کیا کہ امیرالمومنین حضرت عمرؓ کے نام جلولا کی فتح کا پیغام لکھوایا۔ قاصد سے جو تفصیلات معلوم ہوئی تھیں، وہ لکھوائیں اور اس کے بعد لکھا کہ فارسی بھاگ رہے ہیں۔ ان کے قدم کہیں بھی نہیں جم رہے اور ان کا لڑنے کا جذبہ ختم ہو چکا ہے۔ اجازت دی جائے کہ ان کا تعاقب جاری رکھا جائے اور انہیں اتنی مہلت نہ دی جائے کہ کچھ دنوں کے لیے سستا سکیں۔ انہیں اتنی مہلت مل گئی تو وہ اپنی بکھری ہوئی فوج کو یکجا کر لیں گے اور شہریوں کی بھی فوج بنا لیں گے۔ وہ اب حلوان میں ہیں۔ ہمیں فوراً حلوان کا محاصرہ کر لینا چاہیے۔

یہ پیغام مدینہ کو بھجوا کر سعدؓ بن ابی وقاص اپنے محافظ دستے کے ساتھ جلولا کو روانہ ہو گئے۔

جلولا مدائن جیسی اہمیت کا شہر نہ تھا لیکن وہاں سے مدائن جیسا ہی قیمتی اور بے انداز غنیمت ل ملا۔ جلولا میں شاہی خاندان کے دو چار ملازم وہیں رہ گئے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ یہ وہ مال ہے جو شاہی محل کے کارندے مدائن سے لائے تھے اور بڑے بڑے جاگیردار اور تاجر مدائن سے اپنے ساتھ بہت سا سونا، چاندی اور نقدی لائے تھے۔ جلولا کے اُسی ن کے محاصرے کے دوران شہریوں کو یزدگرد اور جرنیل یہ خوشخبری سناتے رہے کہ انہوں نے محاصرہ توڑ دیا ہے اور عربوں کو اتنا زیادہ نقصان پہنچایا جا چکا ہے کہ وہ کسی بھی وقت ل جائیں گے۔

شہر کی دیوار پر کسی شہری کو جانے کی اجازت نہیں تھی اس لیے لوگوں کو محاصرے کی صحیح ورتِ حال کا پتہ چل ہی نہیں سکتا تھا۔ انہیں یہ بھی پتہ نہ چلا کہ انہیں جھوٹی تسلیاں دی جا ہی ہیں۔ وہ اطمینان سے شہر میں بیٹھے رہے اور قیمتی مال و متاع اپنے اپنے طور پر چھپا دیا۔ گر ایک روز انہیں اچانک پتہ چلا کہ مسلمان خندق کے اندرونی طرف آ گئے ہیں اور ان اپنی فوج خندق کے باہر چلی گئی ہے اور مسلمانوں کے ہاتھوں بُری طرح کٹ رہی ہے۔

پھر اچانک مسلمان شہر میں داخل ہونے لگے اور فارس کی فوج کی جو نفری شہر کے اندر تھی بھاگنے لگی۔ دیوار پر جو تیرانداز اور برچھی باز تھے، وہ دیوار سے غائب ہونے لگے۔ شہر میں افراتفری ہو گئی اور یہ خبر بھی شہر میں پھیل گئی کہ شہنشاہِ فارس یزدگرد اپنے شاہی خاندان کے ساتھ رات ہی بھاگ کر حلوان پہنچ گیا ہے۔

"کہاں ہے شہنشاہ جو ہمیں کہتا تھا کہ فارس کی آن پر مر مٹو!"

"پوران کہاں گئی جو کہتی تھی کہ سلطنت فارس پر اپنے خون کا آخری قطرہ بھی بہا دے گی۔"

"شہنشاہ کی ماں کو بلاؤ جو اپنے بیٹے کو بچا کر لے گئی ہے۔"

"بھاگو لوگو بھاگو۔ ہمیں اپنے جرنیلوں نے دھوکہ دیا ہے۔"

جلولا کے اندر میدان حشر کا منظر تھا۔ جاگیرداروں تاجروں اور امراء کو اپنی جانوں کا، اپنی نوجوان یٹیوں اور جوان عورتوں کا اور اپنے بچوں کا غم اور فکر لگ گیا۔ عورتیں اور بچے چیخ پکار کر رہے تھے۔ بھاگنے والی فوج کے گھوڑوں کے ٹاپوؤں کا شور تھا۔ بعض فارسی سواروں نے بچوں کو روند الا۔ اُدھر مسلمان شہر میں داخل ہو رہے تھے۔ لوگ بلند آواز میں اپنے شہنشاہ اُس کے خاندان اور نیلوں کو کوس رہے تھے۔ وہاں صورتِ حال کچھ اور تھی ورنہ یہی لوگ اپنے شہنشاہ کے خ... اوت کر دیتے۔ اب تو اُن کو جان کے لالے پڑ گئے تھے۔

قیامت کی اس صورتِ حال میں لوگ اپنے اہل و عیال کو بچا کر بھاگ جانے کے سوا کچھ

بھی نہیں سوچ سکتے تھے جن کے گھروں میں زر و جواہرات اور دولت تھی وہ سب کچھ بھول گئے اور اپنی جانیں لے کر شہر سے نکل گئے۔ شہر کے باہر اُنہوں نے جو منظر دیکھا، اس سے اُن کے رہے سہے اوسان بھی خطا ہو گئے۔ انہیں اپنی فوج نظر آ رہی تھی جس کے سوار اور پیادے وسیع علاقے میں بکھرے ہوئے، مُڑ کے پیچھے دیکھے بغیر سرپٹ بھاگے جا رہے تھے۔

مجاہدین ابھی اپنی پوری تعداد میں شہر میں داخل نہیں ہوئے تھے کہ شہر خالی ہو گیا۔ پھر بھی کچھ لوگ پیچھے رہ گئے۔ ان میں بوڑھے تھے، بچے تھے، مریض تھے اور خاصی تعداد اُن لوگوں کی تھی جو محنت مزدوری یا اُمرائے کے گھروں میں نوکری کر کے روزمرہ کی ضروریات پوری کرتے تھے۔ ان میں ان کی نوجوان لڑکیاں اور عورتیں بھی تھیں۔

مکانوں کی تلاشی شروع ہوئی۔ مکان خالی تھے۔ بعض مکانوں میں سے بے انداز دولت ہیرے اور جواہرات ملے اور کچھ مکانوں میں چھپی ہوئی جوان عورتیں بھی ملیں۔ انہیں گھر والے بھاگتے وقت بھول گئے تھے۔ ان عورتوں نے چھپ جانا ہی بہتر سمجھا۔ مجاہدین جب مکانوں کی تلاشی لے رہے تھے تو یہ عورتیں اپنے آپ ہی سامنے آ گئیں۔

ان میں بہت کم ایسی عورتیں تھیں جنہوں نے رو رو کر مجاہدین سے التجا کی ہو کہ اُن کے ساتھ وحشیوں جیسا سلوک نہ کیا جائے۔ مؤرخ لکھتے ہیں کہ زیادہ تر عورتیں خود ہی مجاہدین کے سامنے آ گئیں۔ وہ اپنی فوج کو اور اپنے مردوں کو بزدل اور دھوکہ باز کہہ رہی تھیں۔ ان میں بعض نے خوشی کا اظہار کیا کہ اُن کے بزدل مرد بھاگ گئے۔ دو تین مؤرخوں نے ان کے متعلق ذرا تفصیل سے لکھا ہے۔ سعدؓ بن ابی وقاص جلولا میں آئے تو ان تمام عورتوں کو ایک جگہ اکٹھا کر کے سعدؓ کو بتایا گیا۔ سعدؓ وہاں آئے۔

"میں تمہارے چہروں پر خوف دیکھ رہا ہوں" — سعدؓ بن ابی وقاص نے ترجمان کی وساطت سے عورتوں سے کہا — "اور میں تمہاری آنکھوں میں آنسو دیکھ رہا ہوں۔ خُدا کی قسم، تم اُس قوم کے ہاتھوں میں ہو جو عورت کا احترام اور مریض کی تیمارداری کرتی ہے۔ تمہارے ساتھ وہ سلوک نہیں ہو گا جو فاتح مفتوح شہر کی عورتوں کے ساتھ کیا کرتے ہیں۔"

"اے عربی سپہ سالار!" — ایک جواں سال فارسی عورت بلند آواز سے بولی — "ہم بزدلوں کی بیویاں، بہنیں اور بیٹیاں ہیں۔ اس سے زیادہ بزدلی اور کیا ہو گی کہ وہ ہمیں اور ہمارے بچوں کو چھوڑ کر بھاگ گئے ہیں۔ تمہیں پورا حق حاصل ہے کہ تم ہمارے ساتھ وحشیوں جیسا سلوک کرو اور ہمارے مردوں کو اس کا پتہ چلے کہ ان کی عزت کے ساتھ عربی کھیل رہے ہیں۔ ہمارے جسموں کو مٹی کے کھلونے سمجھ کر توڑ پھوڑ دو۔ تم فاتح ہو اور تم بہادر ہو۔"

"خدا کی قسم، اے عجم کی بیٹی!" — سعدؓ بن ابی وقاص نے کہا — "تیری شادی تجھ جیسے بہادر ربی سے کراؤں گا۔ تم میں سے کسی ایک کے بھی ساتھ وہ سلوک نہیں ہو گا جو فاتح مفتوح شہر کی رتوں کے ساتھ کیا کرتے ہیں۔ ہم جسموں پر نہیں بلکہ جسموں کے اندر دھڑکتے ہوئے دلوں پر ننہ کیا کرتے ہیں۔ یہ ہمارا ایمان ہے اور یہ ہمارا دین ہے اور یہ ایک آسمانی تحفہ ہے جو تمہارے لیے لاتے ہیں۔"

"پھر ہمارے ساتھ کیا سلوک ہو گا؟" — ایک نوجوان لڑکی نے پوچھا۔

"تم سب کو ہم اپنی عورتوں کے حوالے کر دیں گے" — سعدؓ بن ابی وقاص نے جواب دیا — "پھر تمہیں عرب کے شہر مدینہ بھیجا جائے گا۔ تمہیں ہمارے امیرالمومنین دیکھیں گے اور تمہاری باقاعدہ شادیاں کرا دی جائیں گی۔ تم میں سے کسی کو داشتہ یعنی بے نکاحی بیوی بنا کر ں رکھا جائے گا..... کیا تم پسند کرو گی کہ تمہیں تمہارے اُن ہی مردوں کے حوالے کر دیا جائے ہیں پیچھے چھوڑ کر بھاگ گئے ہیں؟ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ آج وہ تمہیں ہمارے حوالے کر گئے اور کل وہ تمہیں رومیوں کے آگے پھینک کر بھاگ جائیں؟"

"نہیں، نہیں" — بہت سی عورتوں نے انکار کرنا شروع کر دیا اور اُن کی اس قسم کی آوازیں سنائی — "ہم اپنے مردوں کے پاس نہیں جائیں گی..... خدائے آفتاب کا قہر نازل ہو اُن بے غیرت دل مردوں پر..... اگر تم ہمیں دھوکہ نہیں دے رہے تو ہم تمہارے پاس رہیں گی..... تمہارا چاہے تو ہم پر اس کی صداقت ثابت کرو۔"

"ہم نے عراق کے کتنے ہی شہر فتح کیے ہیں" — سعدؓ بن ابی وقاص نے کہا — "اُن شہروں ولی دوسرے شہروں میں جاتے رہے ہیں۔ کیا تم نے کسی سے کبھی سنا ہے کہ عربوں نے عورت کی عزت پر ہاتھ ڈالا ہے؟"

"نہیں" — بہت سی عورتوں نے جواب دیا — "ہم نے ایسا کبھی نہیں سنا۔"

سعدؓ بن ابی وقاص نے حکم دیا کہ ان عورتوں کو اپنی عورتوں کے حوالے کر دیا جائے۔ مالِ غنیمت کے ساتھ انہیں مدینہ بھیجا جائے گا۔

سعدؓ بن ابی وقاص جلولا کے محل میں گئے جہاں مالِ غنیمت اکٹھا کیا جا رہا تھا۔ پہلے بتایا جا چکا جلولا مدائن جیسا بڑا شہر نہ تھا لیکن وہاں سے جو مالِ غنیمت ملا وہ مدائن والے مالِ غنیمت زیادہ اور قیمتی نہ تھا تو اس سے کم بھی نہ تھا۔ تاریخوں کے مطابق جلولا سے باربرداری کے اونٹ، گھوڑے اور بیل اتنے زیادہ ملے کہ ہر سوار کے حصے میں نو نو گھوڑے آئے

سعدؓ بن ابی وقاص نے یہ مالِ غنیمت اپنے تمام لشکر میں تقسیم کیا جن مجاہدین نے اسّی روز لڑ کر جلولا فتح کیا تھا، انہیں انعام کے طور پر خاصا زیادہ حصّہ دیا گیا۔ شہیدوں کی بیوگان کو ان سے بھی زیادہ حصّہ دیا گیا۔ یہ تقسیم اُس حکم کے مطابق تھی جو حضرت عمرؓ نے شروع سے ہی دے رکھا تھا۔ حضرت عمرؓ نے کبھی دیکھا ہی نہیں تھا کہ خُمس یعنی خلافت کا حصّہ کم آیا ہے یا زیادہ۔ وہ صرف یہ دیکھتے تھے کہ گھروں سے دُور صحراؤں، دریاؤں اور سنگلاخ چٹانوں میں لڑنے اور جانیں قربان کرنے والوں کو اتنا حصہ ملے کہ اُن کے بچّے جوان ہونے تک کسی کے محتاج اور دستِ نگر نہ رہیں۔

مالِ غنیمت کا خُمس زیاد بن ابی سفیان کی نگرانی میں مدینہ بھیجا گیا۔ جلولا شہر کے جن آدمیوں اور عورتوں کو پکڑا گیا تھا اُنہیں بھی اس قافلے کے ساتھ مدینہ بھیج دیا گیا۔

بہتر معلوم ہوتا ہے کہ مالِ غنیمت کا جو حصّہ مدینہ جا رہا تھا، اس کی بات پہلے کر لی جائے۔

زیاد بن ابی سفیان کے قافلے نے ایک ایسی جگہ پڑاؤ کیا جو صحرا تھا۔ اردگرد صحرائی چٹانیں تھیں۔ دُور، دُور تک آبادی کا نام ونشان نہ تھا۔ قافلے کے پاس پانی کی کوئی کمی نہیں تھی ورنہ وہاں دُور دُور تک پانی نہیں مِل سکتا تھا۔ رات کھانے کے بعد زیاد بن ابی سفیان اپنے ساتھیوں کے ساتھ بیٹھا اِدھر اُدھر کی باتیں کر رہا تھا۔

"میرے رفیقو!— زیاد نے کہا — "یہ وہ علاقہ ہے جہاں سے تاجروں کا کوئی خوش قسمت قافلہ ہی خیریت سے گزر جایا کرتا تھا۔ ڈاکو ان قافلوں کو لُوٹ لیتے تھے۔ اب کتنی ہی بار مالِ غنیمت کے قافلے یہاں سے لُٹے بغیر گزر گئے ہیں۔ اگر ڈاکو آ جائیں تو ہم سے انہیں اتنا زیادہ مال و دولت مِلے جس کا اُنہوں نے کبھی تصوّر بھی نہیں کیا ہو گا۔"

"ہاں زیاد!"— زیاد کے ایک ساتھی نے کہا — "وہ آئیں تو ہمیں لُوٹ سکتے ہیں۔ وہ تو پُوری فوج کی صورت میں آتے ہیں۔ ہم اُن کا مقابلہ کرنے کے لیے بہت کم تعداد میں ہیں۔"

"اب وہ نہیں آئیں گے"— ایک اُدھیڑ عمر مجاہد نے کہا — "جانتے ہو کیوں؟.... پہلے عرب کے یہ لوگ بڑی سخت محنت و مشقت کر کے روزی کماتے تھے پھر بھی اُن کے پیٹ پُوری طرح نہیں بھرتے تھے۔ اُنہوں نے یمن شام اور عرب کے تاجروں کے قافلوں کو لُوٹنا شروع کر دیا۔ ایک قافلے کو لُوٹ کر وہ بہت دن محنت و مشقت کے بغیر اپنے بچّوں کے پیٹ بھر لیتے تھے۔ جب سے شام اور عراق سے مالِ غنیمت آنے لگا ہے، قافلوں پر ڈاکوؤں کے حملے کم ہو گئے ہیں۔ تم شاید نہیں جانتے کہ بہت سے ڈاکو مجاہدین کے لشکر میں شامل ہو کر شام اور عراق کے محاذوں پر لڑنے کے لیے چلے گئے تھے۔ وہ بہادری اور دیانت داری سے لڑے اور اُن کے حصّے میں جو مالِ غنیمت آتا رہا وہ اپنے بیوی بچّوں کی ضروریات پُوری کرنے پر صرف کرتے رہے اور کر رہے ہیں۔"

"تمہاری یہ بات میرے لیے قابلِ قبول نہیں"— ایک اور مجاہد بولا — "جو ایک بار ڈاکو بن جائے وہ ساری عمر یہی کام کرتا ہے۔ جہاد میں شامل ہونا تو بہت دُور کی بات ہے۔"

"نہیں میرے دوست!"— ادھیڑ عمر مجاہد نے کہا — "ڈاکو مجاہد بن سکتا ہے۔ میں ہوں ایک مجاہد جو پہلے ڈاکو ہُوا کرتا تھا۔ میرے قبیلے نے تو ڈاکہ زنی اور رہزنی کو اپنا باقاعدہ پیشہ بنا لیا تھا۔ اب میرے قبیلے میں ایک بھی آدمی ڈاکو نہیں۔ سب محاذ پر لڑ رہے ہیں.... جب سے عمرؓ بن الخطاب خلیفہ بنے ہیں، ڈاکہ زنی کی وارداتیں تقریباً ختم ہو گئی ہیں۔ اس خلیفہ نے تمام عرب میں ایسے سخت حکم بھیجے ہیں کہ لوگ ہاتھ پاؤں کٹنے کے ڈر سے ڈاکہ زنی اور رہزنی چھوڑ گئے ہیں۔ ہم لوگوں نے دیکھا کہ مالِ غنیمت میں سے سالار کو بھی اتنا ہی حصّہ ملتا ہے جتنا مجھ جیسے گناہگار کو۔ تو پھر کمزوروں کے قافلوں کو لُوٹنے کی کیا ضرورت ہے۔ آدمی کو اُس کا پُورا حق اور انصاف مل جاتے تو وہ ڈاکو اور رہزن کیوں بنے۔"

مشہور تاریخ دان محمد حسنین ہیکل نے مختلف مؤرخوں اور مبصّروں کے حوالوں سے لکھا ہے کہ صحرا کے وہ تمام علاقے جن میں ڈاکوؤں کی حکمرانی تھی، جہاد کی وجہ سے محفوظ ہو گئے تھے۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ انسان کو کوئی بلند اور مقدس نصب العین دے دیا جاتے تو وہ از خود ہی جرم اور گناہ کا راستہ چھوڑ کر صراطِ مستقیم پر آ جاتا ہے۔ اگر لوگوں کو حکمران اپنے ذاتی مقاصد کے لیے استعمال کرنے لگیں اور انہیں انعام و اکرام سے بھی نوازیں تو وہ لوگ کیوں دین اور ایمان کی پابندیوں کو قبول کریں گے۔ حکمران قیادت میں مخلص ہوں اور لوگوں کو ایک عظیم نصب العین دیں تو وہاں وعظ اور خطبے کی ضرورت نہیں رہتی۔ لوگ خود ہی ایک قوم بن جاتے ہیں اور پھر اُن کا قدم راہِ راست پر آگے ہی اُٹھتا ہے، پیچھے نہیں آتا نہ اُن کے قدم لڑکھڑاتے ہیں۔

مالِ غنیمت کا قافلہ مدینہ پہنچا۔ وہاں بھی جلولا جیسا مسرّت و شادمانی اور فتح و نصرت کا ہنگامہ برپا ہو گیا۔ حضرت عمرؓ نے خود آگے بڑھ کر زیاد بن ابی سفیان کا استقبال کیا اور قافلے کا رُخ مسجدِ نبوی کی طرف کر دیا اور وہاں پہنچ کر تمام مال مسجد کے صحن میں رکھوا دیا۔

مدائن کا مالِ غنیمت آیا تھا تو حضرت عمرؓ سمیت ہر وہ شخص حیران و ششدر رہ گیا تھا جس نے یہ مال دیکھا تھا۔ سب یہ سوچ کر حیران ہوتے تھے، کیا انسان اپنی آسائش اور عیش و عشرت کے لیے اتنے خزانے اور ایسی عجیب و غریب اشیاء اپنی ملکیّت میں رکھتا ہے؟ اب جلولا کا مالِ غنیمت آیا تو ایک بار پھر عربوں کی آنکھیں اور منہ حیرت سے کھل گئے۔ اُنہوں نے جب

ان فارسی عورتوں کو دیکھا جو جلولا سے لائی گئی تھیں تو وہ اور زیادہ حیران ہوئے۔ وہ سب فارس کے حُسن کے چلتے پھرتے دلکش مجسمے تھے۔ ان میں شاہی خاندان کی کنیزیں بھی تھیں جن کا حُسن بے مثال تھا۔

حضرت عمرؓ نے ان تمام عورتوں کو وہاں بھیج دیا جہاں اُن کی نگرانی عورتوں نے ہی کرنی تھی۔ عشاء کی نماز کا وقت ہو رہا تھا۔ اذان ہوئی اور امیرالمومنین نے نماز کی امامت کی۔ نماز سے فارغ ہو کر مالِ غنیمت کھولا گیا۔ چراغوں اور مشعلوں کی روشنی میں ہیرے اور نایاب پتھر چمکنے لگے۔ ان میں سے رنگارنگ شعاعیں پھوٹ رہی تھیں۔ سونے اور چاندی کی اشیاء کی چمک الگ تھی۔ نظریں خیرہ ہو رہی تھیں۔ چمکتی ہوئی یہ بیش قیمت اشیاء کچھ کم نہ تھیں بلکہ یہ ایک انبار تھا۔ ان کے علاوہ اور بھی بیشمار چیزیں تھیں جن کی قیمت کا اندازہ لگانا محال تھا۔ مال بھی اتنا زیادہ جو کم از کم عربوں کے تصوّر میں نہیں سما سکتا تھا۔

حضرت عمرؓ کا جو ردِعمل تھا وہ تاریخ کے دامن میں آج تک محفوظ ہے۔ لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ کے آنسو نکل آئے، آنسو بہ نکلے اور حضرت عمرؓ کی سسکیاں نکل گئیں۔

"امیرالمومنین!" — عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے کہا — "خدا کی قسم یہ تو شکر اور شادمانی کا موقع ہے اور آپ رو رہے ہیں؟"

"تو نے ٹھیک کہا ابنِ عوف!" — حضرت عمرؓ نے کہا — "میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں اس شادمانی پر۔ یہ بے بہا دولت دیکھ کر مجھے رونا نہیں آیا نہ میں اس لیے رو رہا ہوں کہ یہ تقسیم ہو جائے گی۔ میرے آنسو یہ سوچ کر نکلے ہیں کہ جس قوم کو اللہ اتنے بے بہا خزانے دے دیتا ہے وہ قوم اپنے دل میں کینہ اور حسد بھی پیدا کر لیتی ہے۔ یاد رکھ ابنِ عوف! جس انسان اور جس قوم میں کینہ اور حسد پیدا ہوا وہ وقار سے بھی محروم ہو گئی۔ دولت انسان کو عیش و آرام میں ڈال دیتی ہے۔ عمل اور جہاد کی قوّتوں کو زنگ لگ جاتا ہے۔ اخوت، باہمی تعاون اور ہمدردی کا جذبہ مر جاتا ہے۔ سکون اور فراغت سے کمزوری اور کینہ پروری جنم لیتی ہے۔ بندہ بندے کا دشمن ہو جاتا ہے کہ اُس کے پاس زیادہ اور میرے پاس کم ہے.... خُدا کی قسم، میں صبح کا اجالا سفید ہونے سے پہلے یہ مال و دولت نظروں سے اوجھل کر دینا چاہتا ہوں۔"

"یہ بیت المال میں رکھ دیا جائے امیرالمومنین!" — کسی نے مشورہ دیا۔

اس کی تائید میں کئی آوازیں اٹھیں۔

"نہیں" — حضرت عمرؓ نے کہا — "بیت المال کی چھت کے نیچے رکھنے سے پہلے میں اس مال کو تقسیم کر دوں گا۔"

وہاں جو صحابۂ کرام موجود تھے وہ غالباً نہیں چاہتے تھے کہ تقسیم اتنی عجلت میں کی جائے۔ خدشہ ا کہ جلد بازی میں کسی کا حق مارا جائے گا۔ انہوں نے حضرت عمرؓ کو قائل کر لیا کہ تقسیم صبح کی جائے۔

"ہاں امیرالمومنین!" — ایک صحابی نے کہا — "تقسیم کا یہ وقت موزوں نہیں۔ ہم نے ابھی اذ کی رُوداد تو سُنی ہی نہیں۔ کیا بہتر نہیں ہوگا کہ اس وقت ہم سنیں کہ ہمارے مجاہدین نے اتنے اقتور دشمن سے اتنے بڑے دو شہر یکے بعد دیگرے کس طرح لے لیے ہیں؟"

تاریخوں کے مطابق حضرت عمرؓ زیاد بن ابی سفیان سے سن چکے تھے کہ جلولا کس طرح لیا گیا ہے۔ یہ ساری بات حضرت عمرؓ خود سب کو سنا سکتے تھے لیکن انہوں نے زیاد بن ابی سفیان سے کہا کہ وہ محاذ کے پورے حالات سب کو سنائے۔ مؤرخوں نے لکھا ہے کہ زیاد بن ابی سفیان ضرت عمرؓ کی موجودگی میں بولنے سے گھبرا رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے اُسے ایک بار پھر کہا۔ اصل محاذ کی لمحہ بہ لمحہ داستان زیاد بن ابی سفیان ہی سنا سکتا تھا کیونکہ وہ خود لڑا تھا۔ حضرت رؓ کی حوصلہ افزائی سے وہ بولنے پر آمادہ ہو گیا۔

"امیرالمومنین!" — زیاد بن ابی سفیان نے کہا — "میں اگر کسی سے مرعوب ہوں تو وہ صرف پ ہیں۔ ڈرتا ہوں کہ آپ کے مقدّس رعب اور احترام سے میری زبان رُک نہ جائے، پھر سوچتا دل کہ آپ کو سنا دیا ہے تو ان سب کو بھی سنا سکوں گا۔"

زیاد بن ابی سفیان کی یہ جھجک بے معنی معلوم ہوتی ہے۔ یہ بھی بھلا کوئی بات تھی کہ جو لڑائی یاد خود لڑا تھا، اس کا پورا حال وہ نہ سنا سکتا۔ اصل بات یہ تھی کہ عرب شاعرانہ انداز میں بات یا کرتے تھے۔ تشبیہوں اور استعاروں کا استعمال بھی خوب کرتے تھے۔ اس فن کی مہارت سی کو حاصل نہیں تھی۔ ان کی باتیں اور واقعات منظوم نثر جیسے ہوتے تھے۔ سیدھے سادے اظ میں بات کی جاتی تو وہ اسے روکھی اور پھیکی بات سمجھتے تھے۔

زیاد اپنے آپ میں یہی جھجک محسوس کر رہا تھا کیونکہ اس محفل میں صحابہ کرامؓ بھی تھے جن کا زِ تکلّم پُراثر اور دلکش تھا۔ حضرت عمرؓ تو اس فن کی خصوصی مہارت رکھتے تھے۔ بہرحال یاد بن ابی سفیان نے جلولا کے محاصرے کا اور لڑائیوں کی رُوداد سنانی شروع کر دی۔ اس کے م میں فصاحت و بلاغت اور چاشنی ایسی تھی کہ حضرت عمرؓ بیساختہ بول اُٹھے:

إِنَّ جُنْدَنَا أَطْلَقُوْنَا بِالْفَعَالِ لِسَانَنَا

خدا کی قسم، یہ ہے خطیب اور یہ زبان کا ماہر خطیب ہے

"امیرالمومنین!" — زیاد حضرت عمرؓ جیسے عظیم خطیب سے داد و تحسین پا کر حوصلہ مند ہو گیا اور بولا — "ہمارے مجاہدین نے میدانِ جنگ میں جو کارنامے کر دکھاتے ہیں انہوں نے ہماری

زبانیں کھول دی ہیں۔"

زیاد نے تمام واقعات سنا دیئے۔ یہ بھی سنایا کہ قعقاع بن عمرو فارسیوں کے تعاقب میں حلوان تک جا پہنچا ہے۔

اس کے بعد محفل برخاست ہوئی۔ مالِ غنیمت پر دو صحابہ کرام عبدالرحمٰنؓ بن عوف اور عبداللہؓ بن ارقم نے پہرہ دیا۔ فجر کی نماز کے بعد حضرت عمرؓ نے مالِ غنیمت تقسیم کر دیا۔

اب ہم جلولا کے اُس دن کی طرف لوٹتے ہیں جس دن سعدؓ بن ابی وقاص جلولا پہنچے اور حضرت عمرؓ کے نام پیغام لکھوا کر بھجوایا تھا۔ ایک روایت یہ ہے کہ فتح کا یہ پیغام زیاد بن ابی سفیانؓ کے ہاتھ بھیجا گیا تھا یعنی یہ پیغام مالِ غنیمت کے ساتھ مدینہ گیا تھا اور اس کا جواب زیاد ہی جلولا لے کر گئے تھے۔

پیغام کے جانے اور امیر المومنین کا جواب آنے کے لیے کم و بیش ایک مہینے کا عرصہ درکار تھا۔ سعدؓ بن ابی وقاص نے جلولا سے آگے پیشقدمی اور حلوان کے محاصرے کی اجازت مانگی تھی۔ حضرت عمرؓ کی اجازت کے بغیر سعدؓ ایک قدم نہیں اٹھاتے تھے لیکن وہاں ایسی صورتِ حال پیدا ہو گئی تھی کہ حضرت عمرؓ کے احکام آنے تک مجاہدین نقصان سے دوچار ہو سکتے تھے۔

یہ صورتِ حال قعقاع اور اس کے قبیلے کی شجاعت نے پیدا کی تھی۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ قعقاع جلولا سے بھاگے ہوئے فارسیوں کے تعاقب میں حلوان پہنچ گئے تھے۔ اُنہوں نے فارسیوں کے ایک نامور جرنیل مہران کو تھوڑے سے مقابلے کے بعد قتل کر دیا تھا۔ قبیلے کی مختصر سی نفری سے حلوان کو محاصرے میں نہیں لیا جا سکتا تھا لیکن قعقاع واپس بھی نہیں آنا چاہتے تھے۔ اُنہوں نے حلوان سے تین میل دُور قصرِ شیریں کے قریب پڑاؤ ڈال دیا۔

سعدؓ بن ابی وقاص کو جب یہ اطلاع ملی تو انہوں نے قعقاع کو واپس بلانا مناسب نہ سمجھا۔ ایک اس لیے کہ قعقاع اور ان کے قبیلے کا دل ٹوٹ جائے گا اور دوسری وجہ یہ کہ انہیں واپس بلایا تو فارسی اسے پسپائی سمجھیں گے اور یہ بھی کہ مسلمان نفری کی قلت کی وجہ سے کمزور ہو گئے ہیں۔ یہ سوچ کر وہ جلولا پر جوابی حملہ بھی کر سکتے تھے۔

اپنے سالاروں سے صلاح مشورہ کر کے سعدؓ بن ابی وقاص نے قعقاع بن عمرو کو کمک بھیج دی۔

اُس وقت یزدگرد حلوان میں تھا۔ اُسے ابھی کچھ خبر نہیں تھی کہ جلولا کا انجام کیا ہوا ہے۔ وہ

آخری دن کی لڑائی شروع ہونے سے کچھ دیر بعد جلولا سے نکل گیا تھا۔ اُسے اپنی فوج کے ... مخدوش نظر آرہے تھے پھر بھی اُس کے دل میں یہ امید زندہ تھی کہ اُس کی فوج مسلمانوں کو پسپا کر دے گی۔

مؤرخ لکھتے ہیں کہ یزدگرد کی ذہنی حالت بگڑ گئی تھی۔ کبھی تو وہ غصے سے پھٹنے لگتا اور کبھی بولنا شروع کرتا اور بولتا ہی چلا جاتا۔ چونکہ وہ شہنشاہ تھا اس لیے سننے والے اپنا فرض سمجھتے تھے کہ وہ جو کچھ بھی بول رہا ہے وہ سنتے رہیں۔ پھر ایسے بھی ہوتا کہ اُس پر خاموشی طاری ہو جاتی اور وہ بیٹھا خلا میں ٹکٹکی باندھ کر دیکھتا رہتا۔ وہ جب تخت نشین ہُوا تھا، اُس وقت اُس کی عمر سولہ سال تھی۔ اب وہ تقریباً اُنیس سال کا جوان آدمی تھا۔ چنانچہ اب یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ وہ کم سِن و ناتجربہ کار ہے۔

حلوان کے محل میں وہ کچھ ایسی ہی کیفیت میں بیٹھا تھا۔ اُس کے سامنے شراب کی صراحی رکھی تھی جس میں سے وہ خاصی شراب پی چکا تھا۔ اُس کے پینے کا انداز بتاتا تھا کہ وہ اب بیدار نہیں رہنا چاہتا اور اپنی زندگی کے اتنے بڑے حادثے کو شراب میں ڈبو دینا چاہتا ہے۔ وہ حقیقت کا سامنا کرنے سے گھبرا رہا تھا۔ اُس کی ماں اور پُوران اُس کے سامنے بیٹھی اُسے دیکھ رہی تھیں۔ کہنے اور سننے کے لیے ان کے پاس اب کوئی بات نہیں رہ گئی تھیں۔ ماں اب صرف یہ چاہتی تھی کہ اُس کا بیٹا زندہ رہے۔ مدائن کے بعد جلولا ان کا آخری مضبوط مورچہ تھا۔ وہ بھی ہاتھ سے نکلا جا رہا تھا۔

باہر سے کوئی آہٹ سنائی دیتی تو یزدگرد چونک کر اُس طرف دیکھتا۔ اُسے جلولا کی خبر کا انتظار تھا۔ اُس نے ایک بار پھر صراحی اٹھائی اور پیالے میں شراب انڈیلنے لگا تو پُوران نے لپک کر اُس کے ہاتھ سے صراحی چھین لی۔

"اور نہیں یزدی!"— پُوران نے کہا — "یہ وقت مدہوش ہونے کا نہیں بیدار رہنے کا ہے میرے بھائی!"

یزدگرد نے پوران کی طرف دیکھا۔ اُس کی آنکھوں میں مایوسی اور بے بسی تھی۔ پُوران نے صراحی الگ رکھ دی۔

"مجھے جھوٹی امیدوں کے سہارے کب تک ہوش میں رکھو گی پوران!"— یزدگرد نے شکست خوردہ لہجے میں کہا — "اگر تم یہ آس لگائے بیٹھی ہو کہ جلولا سے فتح کی خبر آئے گی تو یہ تمہاری خوش فہمی ہو گی۔"

دربان اندر آیا۔ یزدگرد نے اس طرح اُسے دیکھا جیسے موت کا فرشتہ آیا ہو۔

"جرنیل فیروزان آئے ہیں"— دربان نے کہا۔

"فوراً اندر آجائے" ـــــ یزدگرد نے مخمور آواز میں کہا۔
دربان اُلٹے قدموں باہر نکل گیا۔

فیروزان اندر آیا۔ آداب بجالانے کے لیے اُس نے گھٹنے فرش پر ٹیک دیئے اور سجدے میں جانے کے انداز سے جھکنے لگا۔

"کھڑے ہو جاؤ" ـــــ یزدگرد نے گرج کر کہا۔ "کیا خبر ہے؟.... تمہارا چہرہ بتا رہا ہے خبر اچھی نہیں"۔

فیروزان جو خبر زبان پر لانے سے گھبرا رہا تھا وہ آنکھوں نے آنسوؤں کی زبان میں کہہ دی۔

"مہران کہاں ہے؟" ـــــ یزدگرد نے پوچھا۔

"خانقین کے قریب مارا گیا ہے" ـــــ فیروزان نے دبی دبی زبان میں جواب دیا ـــــ "عربی سوار ہمارے پیچھے آرہے تھے"۔

"اور تم جان بچا کر بھاگ آئے!" ـــــ یزدگرد نے مدہوش سے لہجے میں طنزیہ کہا۔

"شہنشاہ فارس!" ـــــ فیروزان نے بیدار ہوتے ہوئے جاندار لہجے میں کہا ـــــ "اگر آپ ایک بھی ایسی مثال دے دیں کہ اکیلے ایک یا دو جرنیلوں نے فوج کے بغیر جنگ جیتی ہو تو میں اپنا سر پیش کرتا ہوں، اپنی تلوار سے میرا سر جسم سے الگ کر دیں۔ میں آج ایسی بات کہنا چاہتا ہوں جو شاہی دربار میں اس لیے نہیں کہی جاتی کہ شہنشاہ کا عتاب نازل ہوگا"۔

"اور اسی لیے ہم پسپا ہوتے چلے جا رہے ہیں" ـــــ یزدگرد نے کہا ـــــ "میں نے تم سب کو اجازت دے رکھی تھی کہ جو کہنا ہے کہو۔ میں ہر وقت اور ہر حالت میں سچ سننے کے لیے تیار رہتا تھا۔ یہ تم لوگوں کی بزدلی ہے اور بددیانتی بھی کہ تم نے اپنا انداز خوشامدانہ رکھا اور مجھے حقیقت حال نہ بتائی.... کہو، بات کتنی ہی کڑوی اور مایوس کن کیوں نہ ہو، میں سنوں گا اور برداشت بھی کر دوں گا، فوراً کہو"۔

"شہنشاہ معظم!" ـــــ فیروزان نے کہا ـــــ "سب سے پہلی اور بہت بُری خبر یہ ہے کہ ہم جلولا ہار بیٹھے ہیں۔ ہماری ایک لاکھ سے کچھ زیادہ فوج ماری گئی ہے"۔

"کیا عربوں کو زیادہ کمک مل گئی تھی؟" ـــــ یزدگرد نے پوچھا ـــــ "کیا عربوں نے منجنیقوں سے شہر پر سنگ باری کی تھی؟"

"نہیں شہنشاہ!" ـــــ فیروزان نے جواب دیا ـــــ "عرب اتنے ہی تھے جتنے پہلے روز تھے۔ میرا اندازہ دس بارہ ہزار ہے۔ انہوں نے منجنیقیں استعمال ہی نہیں کیں"۔

"پھر ہوا کیا؟"

"شہنشاہ!" ـــــ فیروزان نے جواب دیا ـــــ "ہم نے آخری حملہ اپنی پوری تعداد سے کیا۔ ہم عربوں سے تعداد میں دس گنا تھے۔ ہمارے دس آدمیوں کے حصے میں صرف ایک عربی آتا تھا لیکن ہُوا یہ کہ ہماری فوج خندق کے راستوں سے باہر نکلی تو عربوں نے خندق کے راستوں پر قبضہ کر لیا اور اس کے ساتھ ہی عربوں کی طرف سے اعلان ہونے لگے کہ خندق اُن کے قبضے میں آگئی ہے۔ یہ سننا تھا کہ ہماری فوج نے آگے بڑھ کر عربوں کو کاٹ دینے کی بجائے خندق کے اندر آنے کے جتن شروع کر دیئے"۔

"میں سمجھ گیا" ـــــ یزدگرد نے آہ لے کر کہا ـــــ "ان بدبختوں کے دلوں پر عربی سواروں کا جو خوف طاری تھا، وہ ہم اتار نہیں سکے"۔

"پھر جو ہُوا وہ ہماری فوج کا قتل عام تھا" ـــــ فیروزان نے کہا ـــــ "ہماری فوج اندھا دھند پیچھے ہٹ رہی تھی۔ بے شمار سوار گھوڑوں سمیت خندق میں گرے اور اپنے ہی گھوڑوں تلے کچلے گئے۔ اس صورت حال سے عربوں کا حوصلہ بلند ہونا ہی تھا۔ وہ ایک بڑبونگ تھی، افراتفری اور نفسا نفسی کا عالم تھا جس میں ہماری للکار اور چیخ و پکار رائیگاں جا رہی تھی۔ ہماری فوج نے جب دیکھا کہ خندق کے اندرونی علاقے میں جانا ممکن نہیں تو فوج تتر بتر ہو کر باہر سے ہی بھاگنے لگی۔ عربوں نے تعاقب کیا اور ہمیں مزید نقصان پہنچایا"۔

"کیا تم کچھ اور بھی کہنا چاہتے ہو؟" ـــــ یزدگرد نے پوچھا۔

"ہاں شہنشاہ!" ـــــ فیروزان نے کہا ـــــ "کہنے والی بات یہ ہے کہ جلولا کے لوگ باغی ہوتے جا رہے ہیں۔ جلولا بالکل خالی ہو گیا ہے۔ اُنہوں نے جو لعن طعن مجھے کی ہے وہ میں آپ تک نہیں پہنچا سکتا۔ مختصر بات یہ ہے کہ لوگ کہتے ہیں کہ ہمیں جانیں قربان کرنے کے سبق دینے والے بادشاہ خود بھاگ گئے ہیں۔ شہنشاہ فارس! اب ان لوگوں سے کسی تعاون کی ہمیں اُمید نہیں رکھنی چاہیئے"۔

فیروزان نڈر ہو کر یزدگرد کو جلولا کے لوگوں کا ردِ عمل پوری تفصیل سے بتاتا رہا اور یہ رائے بھی دی کہ لوگ فوج سے متنفر ہو گئے ہیں۔ یزدگرد خاموشی سے سنتا رہا۔

"کیا ہمارے پاس کوئی عربی جنگی قیدی ہے؟" ـــــ یزدگرد نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے تین ہیں" ـــــ فیروزان نے جواب دیا ـــــ "شہنشاہ! فاتح فوج کا کوئی قیدی مشکل سے ہی ہاتھ آیا کرتا ہے۔ عرب کے یہ مسلمان قید ہو جانے کی بجائے مر جانا بہتر سمجھتے ہیں۔ یہ تین قیدی اس طرح ہاتھ آئے کہ زخمی پڑے تھے۔ چلنے سے معذور تھے۔ ہمارے کسی

فوجی افسر نے حکم دیا کہ انہیں قتل کر دیا جائے لیکن دو تاجروں نے انہیں بچا لیا اور کہا کہ وہ انہیں ٹھیک کر کے اپنے ہاں غلام بنا کر رکھیں گے۔ اس طرح دو کو ایک تاجر اور ایک کو دوسرا لے گیا۔ یہ اُس وقت کی بات ہے جب ہم مدائن سے نکلے تھے۔ میرا خیال ہے کہ تینوں اب تک ٹھیک ہو چکے ہوں گے۔"

"کیا وہ مل سکتے ہیں؟" ——— یزدگرد نے پوچھا ——— "میں انہیں دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"ہاں شہنشاہ!" ——— فیروزان نے کہا ——— "اگر وہ حلوان میں ہوئے تو مل جائیں گے۔"

یزدگرد نے فیروزان کو یہ کہہ کر فارغ کر دیا کہ وہ ذرا ستا لے اور پھر اُس نے حکم دیا کہ جن تاجروں کے پاس تین غلام ہیں انہیں دربار میں پیش کیا جائے۔

"شہنشاہِ فارس!" ——— فیروزان نے جانے سے پہلے کہا ——— "عربوں کا ایک دستہ قصرِ شیریں کے قریب پہنچا ہوا ہے۔ لگتا ایسا ہے جیسے یہ دستہ واپس نہیں جائے گا۔"

"اس کا بندوبست کر لیں گے" ——— یزدگرد نے کہا۔

✪

اُسی رات کا واقعہ ہے۔ یزدگرد کھانے سے فارغ ہو کر شراب سے دل بہلا رہا تھا۔ اُس کی ماں اور پوران اُس کے پاس بیٹھی تھیں۔ شہنشاہ کے ساتھ بڑی ہی دلکش کنیزوں کی موجودگی لازمی سمجھی جاتی تھی لیکن یزدگرد اتنا دلبرداشتہ ہو گیا تھا کہ اُس نے اپنی تمام کنیزوں اور حرم کی عورتوں کو مدائن میں ہی چھوڑ دیا تھا اور اب وہ سب مسلمانوں کے پاس تھیں۔ یزدگرد کے ساتھ اب دو ہی عورتیں رہتی تھیں۔ ایک اُس کی ماں تھی اور دوسری اُس کی سوتیلی بہن پوران۔ وہ دیکھ رہی تھیں کہ یزدگرد کا ذہنی توازن بگڑتا جا رہا ہے اس لیے اُسے تنہا نہیں چھوڑتی تھیں۔

کچھ دیر پہلے اُسے اطلاع مل گئی تھی کہ تینوں مسلمان غلام مل گئے ہیں اور وہ لائے جا رہے ہیں۔ یزدگرد کی ماں نورین اور پوران نے اُس سے پوچھا کہ وہ ان قیدیوں کو کیوں بلا رہا ہے۔ توقع تھی کہ وہ ان تینوں کو اپنے ہاتھوں قتل کر کے دل کی بھڑاس نکالے گا۔

"میں ان سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں" ——— یزدگرد نے اپنی ماں اور پوران کو بتایا ——— "میرا خیال تھا کہ جادو اور سحر صرف یہودیوں کے پاس ہے۔ وہ میں نے آزما لیا ہے۔ اُس یہودی ربی نے دریا کے کنارے اپنا عمل شروع کیا تھا اور وہ خود ہی اپنے ساتھی سمیت مگرمچھوں کا نوالہ بن گیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان عربوں کے پاس کوئی ایسا جادو ہے جو یہودیوں کے جادو سے زیادہ تیز ہے۔ میں ان تین عربوں سے اس جادو کے متعلق پوچھنا چاہتا ہوں۔"

نورین اور پوران پریشانی اور غم کی حالت میں یزدگرد کو دیکھ رہی تھیں۔ وہ یقین کی حد تک محسوس کر رہی تھیں کہ یزدگرد کا دماغی توازن بہت ہی بگڑ گیا ہے۔ کبھی تو وہ خود بھی حیران ہو جاتی تھیں کہ چند ہزار مسلمان ایک لاکھ سے زیادہ فوج کو کس طرح کاٹ کر رکھ دیتے ہیں۔ ایک آدمی کس طرح دس آدمیوں کا خون بہا دیتا ہے لیکن جب یزدگرد نے اسے جادو کا کرشمہ سمجھا تو یہ دونوں عورتیں پریشان ہو گئیں کہ اُن کے لڑکے کے دماغ پر پے بہ پے شکستوں کا اثر بہت بُرا ہوا ہے۔

انسان کی تاریخ میں ایسے بہت سے واقعات ملتے ہیں جو ثابت کرتے ہیں کہ جن بادشاہوں نے اپنے ذہن میں کوئی وہم پیدا کر لیا وہ اپنی سلطنت سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ یہ دراصل انسان کی نفسیات ہے کہ اُسے جب ناکامیوں سے پالا پڑتا ہے تو وہ اصل وجہ معلوم کرنے کی بجائے کسی نہ کسی وہم میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

ان آتش پرست بادشاہوں میں وہم کا مرض عام تھا۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ رستم اپنے آپ کو علم نجوم کا ماہر سمجھتا تھا۔ اُس کی پیش گوئی یہ تھی کہ سلطنتِ فارس کا انجام بہت بُرا ہو گا۔ اُس کی اپنی پیش گوئی نے اُسے اتنا کمزور کر دیا تھا کہ وہ قادسیہ کے میدان میں مسلمانوں کے خلاف لڑنے سے گھبرا رہا تھا۔ آخر اُسی میدان میں مارا گیا۔

یزدگرد بھی مؤرخوں کے مطابق کچھ کم توہم پرست نہ تھا۔ آتش پرست کوئی کام شروع کرنے سے پہلے زائچے بنواتے تھے۔ یہ تو باعثِ حیرت تھا ہی کہ مٹھی بھر مسلمان آتش پرستوں کے اتنے بڑے لشکر کو کاٹتے اور بھگاتے چلے جا رہے ہیں۔ یزدگرد کو بجا طور پر یہ وہم ہو گیا کہ ان عربوں کے ہاتھ میں کوئی جادو ہے۔

یزدگرد کی ماں اور پوران بھی جادو اور زائچوں کی قائل تھیں لیکن یزدگرد کو دیکھ کر انہیں افسوس ہو رہا تھا کہ وہ حقیقت کو دیکھنے کی بجائے کس چکر میں پڑ گیا ہے۔ وہ اُسے روک بھی نہیں سکتی تھیں کیونکہ یزدگرد کو غصہ آ جاتا تھا۔

تھوڑی دیر بعد اطلاع ملی کہ وہ تینوں مسلمان غلام آ گئے ہیں۔ یزدگرد نے تینوں کو اندر بلا لیا۔ وہ تینوں اندر آئے تو اُن میں سے کوئی بھی شہنشاہِ فارس کی تعظیم کے لیے ذرا سا بھی نہ جھکا۔

"کیا تمہیں معلوم نہیں کہ تم شہنشاہِ فارس کے دربار میں آئے ہو؟" ——— یزدگرد نے پوچھا۔

"ہمیں معلوم ہے" ——— اُسے جواب ملا۔

"کیا تم نہیں جانتے کہ بادشاہوں کے دربار میں آ کر جھکا کرتے ہیں؟" ——— یزدگرد نے کہا۔ "تم شاید بھول گئے ہو کہ تم یہاں غلام ہو۔"

"ہم صرف اللہ کے دربار میں جھکا کرتے ہیں" ——— اُن میں سے ایک نے کہا ——— "اور ہمارے ہاں کوئی بادشاہ نہیں ہوتا۔"

"ہمیں یہاں زبردستی قید میں رکھا گیا ہے" ـــــ دوسرے قیدی نے کہا ـــــ "ہم کسی کے غلام نہیں۔ اگر ہیں تو ہم صرف اللہ اور اُس کے رسولؐ کے غلام ہیں۔"

"تم صحرائی بدو ہو" ـــــ یزدگرد نے کہا ـــــ "تم کیا جانو بادشاہی کیا چیز ہوتی ہے۔"

"یزدی!" ـــــ نورین نے کہا ـــــ "کیوں اپنا وقت ضائع کرتے ہو۔ ان سے جو پوچھنا چاہتے ہو وہ پوچھو۔"

یزدگرد نے تینوں کو اپنے سامنے فرش پر بٹھا دیا۔

"تم بھول جاؤ کہ میں بادشاہ ہوں اور تم غلام ہو" ـــــ یزدگرد نے کہا ـــــ "میں تم سے ایک بات معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ اگر تم نے صحیح بات بتا دی تو میں تم تینوں کو آزاد کر دوں گا اور تم اپنے لشکر میں واپس چلے جانا۔"

"ہم سے جھوٹ کی توقع نہ رکھیں" ـــــ ایک قیدی نے کہا ـــــ "ہماری سب سے بڑی قوت یہ ہے کہ ہم جھوٹ نہیں بولا کرتے۔"

"کیا تم میں کوئی خاص پراسرار طاقت ہے؟" ـــــ یزدگرد نے کہا ـــــ "میرا مطلب یہ ہے کہ تمہارے سالاروں کے پاس کوئی جادو ہے کہ تم اتنی تھوڑی تعداد میں ایک لاکھ سے زیادہ لشکر پر غالب آجاتے ہو۔"

تینوں مسلمان قیدیوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

"ہاں شہنشاہ!" ـــــ ایک قیدی نے کہا ـــــ "ہم اپنی ایک طاقت آپ کو بتا چکے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ ہم سچ بولا کرتے ہیں۔"

"ہمارا دین سچا ہے" ـــــ دوسرے قیدی نے کہا ـــــ "یہ سچا دین آپ کے لیے لائے ہیں لیکن آپ سچائی سے بھاگتے ہیں۔ آپ ہمارا مذہب قبول کر لیں تو آپ میں بھی یہ طاقت آجائے گی۔"

"تمہاری یہ بات میری سمجھ سے باہر ہے" ـــــ یزدگرد نے کہا ـــــ "تم مجھے صحیح بات نہیں بتا رہے۔ میں تم سے سیدھی سی بات پوچھ رہا ہوں۔ یہ بتاؤ کہ تم اتنی بڑی فوج پر کس طرح غالب آجاتے ہو؟"

"آپ کی بدقسمتی یہ ہے کہ آپ حقیقت کی بات کو تسلیم نہیں کر رہے" ـــــ ایک قیدی نے کہا ـــــ "دوسری وجہ یہ ہے کہ آپ کی فوج بزدل ہے اور بزدل اس لیے ہے کہ یہ فوج آپ کے سامنے جوابدہ ہے۔ اس کے مقابلے میں ہم اپنے اللہ کے سامنے جوابدہ ہیں۔"

"نہیں" ـــــ یزدگرد نے کہا ـــــ "تم اصل بات چھپا رہے ہو۔ تم آسمانوں سے اُترے

ہوئے فرشتے نہیں ہو۔ میں کہتا ہوں کہ تمہارے ساتھ کوئی جادوگر ہیں۔"

"اے فارس کے شہنشاہ!" ـــــ ایک قیدی نے کہا ـــــ "اگر آپ جادو کی بات کرتے ہیں تو ہم سب جادوگر ہیں۔ اگر آپ ہماری بات سمجھ جائیں تو یہ جادو آپ کو بھی مل سکتا ہے لیکن آپ اس اللہ کو نہیں مانتے جو اپنے سچے بندوں کو یہ جادو عطا کرتا ہے۔ آپ اس کی بجائے سورج اور آگ کی عبادت کرتے ہیں۔ ہم معمولی سے اور جاہل سے آدمی ہو کر بھی اس حقیقت کو سمجھتے ہیں مگر آپ اتنی بڑی سلطنت کے بادشاہ ہو کر بھی نہیں سمجھتے۔ حقیقت یہ ہے کہ سورج اللہ کے حکم کا پابند ہے اور آگ بھی اللہ کے حکم سے جلتی ہے۔ آپ یہ نہیں سوچتے کہ سورج کو گرہن لگ جاتا ہے اور کچھ دیر کے لیے نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے لیکن اللہ پلک جھپکنے کے وقت کے لیے بھی نظروں سے اوجھل نہیں ہوتا۔ بیشک اللہ نظر نہیں آتا لیکن ہماری آنکھوں میں اور ہمارے دلوں میں اللہ ہر وقت موجود رہتا ہے۔ آپ کی فوج آپ کو خوش کرنے کے لیے لڑتی ہے کیونکہ آپ اس فوج کو تنخواہ اور انعام دیتے ہیں۔ ہم اللہ کو خوش کرنے کے لیے لڑتے ہیں۔ اس کی ہمیں کوئی تنخواہ نہیں ملتی۔ ہمیں روحانی سکون ملتا ہے۔ آپ کے سپاہی تنخواہ اور انعام لینے کے لیے زندہ رہنے کی کوشش کرتے ہیں اور ہم اللہ کی راہ میں لڑتے اور اس لیے اپنی جان قربان کرنا چاہتے ہیں کہ ہم اپنے اللہ کے حضور جلدی پہنچیں۔"

"اصل بات ایک اور ہے شہنشاہ!" ـــــ ایک اور قیدی نے کہا ـــــ "ہم سینوں میں انتقام کی آگ لے کر لڑتے ہیں۔"

"کیسا انتقام؟" ـــــ یزدگرد نے کہا ـــــ "ہم نے تمہارا کیا بگاڑا ہے جس کا تم انتقام لینے آئے ہو!"

"ہم اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کا انتقام لے رہے ہیں" ـــــ قیدی نے جواب دیا ـــــ "مدائن کے محل میں ہمارے رسولؐ کے پیغامِ حق کو کسریٰ پرویز نے پھاڑ ڈالا اور ان ٹکڑوں کو اپنے دربار میں بکھیر دیا تھا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جب بتایا گیا تو آپ نے کہا تھا کہ سلطنتِ فارس کے ٹکڑے اسی طرح بکھر جائیں گے اور یہ سلطنت بہت برے انجام کو پہنچے گی۔ ہم اس پیش گوئی کو پورا کرنے کا سبب ہیں۔ چونکہ اللہ نے اس پیش گوئی کو عملی طور پر پورا کرنا ہے، اس لیے اللہ نے ہمیں کوئی ایسی طاقت عطا کر دی ہے کہ ہم میں سے ایک ایک آدمی آپ کے دس سے بیس آدمیوں تک کو ہلاک کر دیتا ہے۔"

"اور شہنشاہ!" ـــــ ایک اور قیدی بولا ـــــ "اللہ نے ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک کتاب اتاری ہے جسے ہم قرآن کہتے ہیں۔ اس میں اللہ نے یہ وعدہ کیا ہے کہ ایک

سوکفار کے مقابلے میں صرف دس ایمان والے ہوتے تو وہ ایک سو پر غالب آئیں گے اور اگر بیس ایمان والے ہوتے تو وہ دو سو پر غالب آئیں گے.... ہم سب ایمان والے ہیں۔ ہمارا تعلق براہِ راست اللہ کے ساتھ ہے یہی ہماری طاقت ہے اور یہی ہمارا جادو ہے۔"

یزدگرد خاموش ہو گیا۔ کچھ دیر تینوں قیدیوں کو دیکھتا رہا۔ پھر وہ کسی گہری سوچ میں کھو گیا۔ سر جھکا کر کمرے میں ٹہلنے لگا پھر رُک گیا اور تالی بجائی۔ دربان دوڑا آیا۔ یزدگرد نے اُسے کہا کہ ان غلاموں کے مالکوں کو اندر بھیجو۔

دونوں تاجر اندر آئے۔

"ان تینوں کو آزاد کر دو"—— یزدگرد نے تاجروں سے کہا۔

تاجر کچھ بھی نہ بولے۔ وہ شہنشاہ کے حکم کی تعمیل کرنے پر مجبور تھے۔ تینوں قیدی آزاد ہو گئے اور رات کو ہی حلوان سے نکل گئے۔

☆

اللہ جب کسی قوم کو تباہ کرنے کا فیصلہ کر لیتا ہے تو اس کے راہنماؤں، حکمرانوں اور مذہبی پیشواؤں کو گمراہی کے اُس مقام تک پہنچا دیتا ہے جہاں سے واپسی ممکن نہیں رہتی۔ راہنما اور پیشوا اپنے آپ کو بے مثال دیدہ ور اور لازوال دانشور سمجھنے لگتے ہیں مگر ان کے کردار اور گفتار سے حماقت اور جہالت ٹپکتی ہے۔ حکمران اپنے آپ کو خدا سمجھنے لگتے ہیں مگر حقائق سے دُور ہی دُور ہٹتے چلے جاتے اور تباہی کی کھائی میں جا گرتے ہیں۔

آتش پرست فارسی اُس مقام تک پہنچ گئے تھے اور ان کا شہنشاہ تین مجاہدین سے پوچھ رہا تھا کہ ان کے پاس کون سا جادو ہے۔ وہ وثوق سے کہہ رہا تھا کہ مسلمانوں کے لشکر کے ساتھ جادوگر ہیں اور وہ تین مجاہدین اسے سمجھانے کی کوشش کر رہے تھے کہ جادو کیا ہے۔ یہ تینوں مجاہدین عالم نہیں تھے، سالار نہیں تھے، اپنے اپنے قبیلے کے سردار نہیں تھے۔ وہ عام قسم کے مجاہدین تھے، لشکری تھے۔ چونکہ وہ ایمان والے تھے اور ایک سچے عقیدے کی خاطر لڑ رہے تھے اس لیے ان کے ذہنوں میں کوئی الجھاؤ نہیں تھا۔

یزدگرد کا ذہن ایسا بُرا الجھا تھا کہ وہ ذہنی مریض بن گیا۔ اگر پوران اور نورین اس کے ساتھ نہ ہوتیں تو وہ پاگل ہو چکا ہوتا۔ یہ دونوں عورتیں اُسے جذباتی سہارا دیتی رہتی تھیں۔

"یزدی!—— دوسری صبح نورین نے یزدگرد سے کہا۔"کیا یہ بہتر نہیں کہ ہم اس حقیقت کو قبول کر لیں کہ عراق سلطنتِ فارس سے نکل گیا ہے؟"

یزدگرد نے کوئی جواب دینے کی بجائے ماں کے چہرے پر نظریں گاڑ دیں۔

"ہاں یزدی!—— پوران نے کہا۔"ہمارے پاس اب کچھ نہیں رہ گیا۔ ذرا دیکھو ہمارے پاس فوج کتنی رہ گئی ہے۔ جرنیل کتنے رہ گئے ہیں۔ ہمیں اب عراق کی سرحد سے نکل جانا چاہیئے۔"

یزدگرد کے چہرے پر ایسا تاثر آ گیا جیسے یہ مشورہ اُسے اچھا لگا ہو۔ وہ کچھ کہنے ہی لگا تھا کہ باہر شور اٹھنے لگا اور یہ شور بڑھتا گیا۔

"شہنشاہِ فارس!—— اُسے بڑی بلند آواز سنائی دی۔"ہمیں بتاؤ ہم کہاں جائیں؟"

"باہر آؤ"—— ایک اور آواز آئی۔

شور اور زیادہ بلند ہو گیا۔ یہ ایک ہجوم کا شور تھا۔

پھر ایسی آوازیں سنائی دینے لگیں جیسے شاہی محافظ دستہ ہجوم کو زبردستی منتشر کر رہا ہو.... یزدگرد دوڑتا ہوا باہر نکلا۔ باہر مدائن، جلولا اور حلوان کے شہریوں کا ہجوم تھا۔ لوگ اپنے جرنیلوں کے خلاف ہی نہیں بلکہ یزدگرد کے خلاف بھی نعرے لگا رہے تھے اور محافظ دستے کے سپاہی ہجوم کو پیچھے دھکیل رہے تھے۔

"تم لوگ فوراً یہاں سے چلے جاؤ"—— محافظ دستے کے کمانڈر نے ہجوم کو خبردار کیا۔"نہ گئے تو تم پر گھوڑے دوڑا دیئے جائیں گے۔"

"دشمن کے آگے بھاگنے والوں کے گھوڑے اپنی رعایا پر ہی دوڑائے جاتے ہیں"—— ایک آدمی نے بلند آواز سے کہا۔

"یہ دھمکی باہر جا کر عربی مسلمانوں کو کیوں نہیں دیتے؟"—— ایک اور نے کہا۔

"مسلمانوں کے سامنے جانے کی ان میں جرأت ہی کہاں ہے؟"—— طنز کا ایک اور تیر چلا۔

"تم لوگ چاہتے کیا ہو؟"—— یزدگرد نے آگے ہو کر پوچھا۔

"اپنی حفاظت"—— اُسے جواب ملا۔

"اور ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہمیں دھوکے میں نہ رکھا جائے"—— ایک اور آواز۔

یہ اس ہجوم کی آوازیں تھیں اور آوازے بھی تھے۔ یزدگرد یوں بے حال ہوتا جا رہا تھا جیسے اُس کے جسم میں تیر اُترتے جا رہے ہوں۔ اُس کے آگے سجدے کرنے والے لوگ اُسے اپنے آگے جھکنے پر مجبور کر رہے تھے اور وہ جھکتا چلا جا رہا تھا۔ وہ ذہنی طور پر بیدار ہو گیا تھا۔ اُس نے حقیقت کو قبول کرنا شروع کر دیا تھا۔

اُس کی شاہانہ زندگی میں بلکہ کسریٰ کی شہنشاہی کی تاریخ میں یہ حقیقت پہلی بار ایک بادشاہ کے سامنے آئی تھی کہ لوگ اپنے آپ کو رعایا کی بجائے قوم سمجھ لیں اور متحد ہو کر اپنے بادشاہ کے خلاف باغی اور سرکش ہو جائیں تو دنیا کا سب سے زیادہ جابر اور ظالم بادشاہ بھی قوم کے آگے

گھٹنے ٹیک دیتا ہے۔

یزدگرد کے پاس دو جرنیل کھڑے تھے۔ ایک فیروزان تھا اور دوسرا ایک جواں سال جرنیل خسرو شنوم تھا۔

"دیکھ رہے ہو تم دونوں؟" ——— یزدگرد نے دونوں جرنیلوں سے کہا ——— "لعنتیں جو تم جرنیلوں پر پڑنی چاہئیں وہ میرے منہ پر ملی جا رہی ہیں۔ تم ہی کچھ بتاؤ میں ان لوگوں کو کس طرح مطمئن کروں کیا ان کے آگے سجدہ کردوں؟ یا میں خود فوج کی کمان لے کر ان عربی مسلمانوں پر حملہ کروں جو خانقین کے پاس آ چکے ہیں؟ کیا ہم ہمت کریں تو یہیں سے جوابی حملہ نہیں ہو سکتا؟"

ہجوم میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا اور باغیانہ اور احتجاجی شور و غل بڑھتا جا رہا تھا۔ اِس جگر پاش شور و غل اور نعروں میں یزدگرد بڑی اونچی آواز میں اپنے جرنیلوں کے ساتھ صلاح مشورے کر رہا تھا۔ اُس کے جرنیل یہ تو نہیں کہہ سکتے تھے کہ وہ جوابی حملہ نہیں کریں گے۔ اُنہوں نے کہا کہ وہ اسی وقت حملہ کرنے کے لیے تیار ہیں۔ فیروزان نے یہ بھی کہا کہ حملہ فوراً ہونا چاہیئے اور ضرور ہونا چاہیئے۔

"یہ حملہ تم کرو گے" ——— یزدگرد نے فیروزان سے کہا ——— "جتنی فوج کی تمہیں ضرورت ہے وہ فوراً تیار کرو اور جس قدر جلدی ہو سکے حملہ کر دو۔ میں اتنی دیر میں ان لوگوں کے ساتھ باتیں کر کے انہیں مطمئن کرتا ہوں اور میں کوشش کروں گا کہ ان میں سے کچھ لوگ لڑائی کے لیے تیار ہو جائیں۔"

"شہنشاہِ فارس!" ——— فیروزان نے کہا ——— "اب یہ لوگ لڑائی میں شامل ہونے کے لیے تیار نہیں ہوں گے۔ ان لوگوں نے ہر لڑائی میں اور ہر محاصرے میں ہمیں اپنے جوان بیٹے دیئے ہیں۔ میں نے چھوٹے چھوٹے بچوں کے باپوں کو میدانِ جنگ میں دیکھا ہے۔ انہیں ہم نے تنخواہ کے بغیر جذبات میں الجھا کر لڑایا ہے یا ہم نے انہیں انعام کے لالچ دیئے تھے۔ پھر ہوا کیا شہنشاہ! ہمارے فوجی جو تنخواہ بھی لیتے تھے اور روٹی بھی ہم سے کھاتے اور شراب بھی مفت پیتے تھے، بھاگ گئے اور مرے تو ان شہریوں کے بیٹے مرے یا چھوٹے چھوٹے بچوں کے باپ مرے ..... ہم نے کسے انعام دیا ہے؟ ..... اب یہ لوگ بپھر گئے ہیں۔ ہمارا ساتھ صرف اس صورت میں دیں گے کہ ہم انہیں کچھ کر کے دکھائیں۔"

"پھر کچھ کر کے دکھا دو" ——— یزدگرد نے کہا ——— "خانقین میں ابھی مسلمانوں کی تعداد خاصی کم ہے۔ ہو سکتا ہے وہ اپنے باقی لشکر کا انتظار کر رہے ہوں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے وہ واپس چلے جائیں۔ اس سے پہلے کہ وہ واپس چلے جائیں یا ان کا باقی لشکر آ جائے، انہیں وہیں ختم کر دو۔"

فیروزان اپنے ماتحت جرنیل خسرو شنوم کو ساتھ لے کر چلا گیا اور یزدگرد لوگوں کے ہجوم

کو مطمئن کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

فیروزان جب وہاں سے چلا تو کچھ آگے جا کر ایک شاہی ملازم نے اُسے کان میں کہا کہ اُسے ملکہ عالیہ نورین بلا رہی ہیں۔ فیروزان نے خسرو شنوم سے کہا کہ وہ چند ایک سوار دستے حملے کے لیے تیار کرے۔ وہ خود نورین کے پاس چلا گیا۔ نورین کو پتہ چل چکا تھا کہ یزدگرد نے مسلمانوں پر حملہ کرنے کا حکم دے دیا ہے۔

"فیروزان!" ——— نورین نے فیروزان کو الگ کمرے میں لے جا کر کہا ——— "ہم دونوں ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔ تم جانتے ہو کہ میں ماں ہوں اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ مجھے کس طرح مجبور کیا گیا تھا کہ اپنے بیٹے کو مدائن لا کر تخت پر بٹھاؤں۔ یہ امرا اور عوام کا مطالبہ تھا جو میں نے پورا کیا لیکن میں اپنے بیٹے کو اس حال میں نہیں مروانا چاہتی کہ شکست بھی ہو، سلطنتِ فارس سے عراق جیسا زرخیز اور بڑا خطہ نکل جائے اور میرا بیٹا مارا بھی جائے۔ اب تک یزدگرد بچتا چلا آ رہا ہے۔ اسے سب سے پہلا اور بہت بڑا دھوکہ رستم نے دیا تھا۔ اگر رستم قادسیہ پہنچنے میں اتنا زیادہ وقت ضائع نہ کرتا تو شاید اس کے بعد ہمیں اتنا زیادہ پسپا نہ ہونا پڑتا کہ مدائن اور جلولا بھی ہاتھ سے نکل جاتے۔"

"ملکہ عالیہ!" ——— فیروزان نے کہا ——— "وقت بہت تھوڑا ہے۔ آپ کی بات لمبی معلوم ہوتی ہے کیا یہ بہتر نہیں ہو گا کہ آپ بات کو ذرا مختصر کر دیں۔ آپ جو کہنا چاہتی ہیں وہ چند لفظوں میں کہہ دیں۔ میں اسے راز رکھوں گا۔"

"کہنا یہ ہے فیروزان!" ——— نورین نے کہا ——— "عراق ہمارے ہاتھ سے نکل گیا ہے۔ میرے بیٹے کا دماغی توازن ٹھیک نہیں رہا۔ مجھے خطرہ نظر آنے لگا ہے کہ یزدگرد جوش میں آ کر لڑائی میں جا شامل ہو گا اور مارا جائے گا یا وہ دماغی خرابی کی وجہ سے اپنے آپ کو خود ہی مار لے گا۔ اگر میرا یزدی پاگل ہو گیا تو مجھے یہ اطمینان تو ہو گا کہ پاگل ہی سہی، زندہ تو ہے۔ میں یہ چاہتی ہوں کہ تم یزدگرد کو قائل کرو وہ حلوان سے نکل جائے۔ آگے ہمارا بڑا شہر رے ہے۔ میں اُسے رے لے جاؤں گی۔"

"ہاں ملکہ عالیہ!" ——— فیروزان نے کہا ——— "شہنشاہ کو یہاں سے نکالنے کے لیے میرے پاس ایک جواز ہے۔ میں انہیں کہوں گا کہ اپنی فوج کی کیفیت بہت ہی مخدوش ہو گئی ہے۔ ہمارے کتنے ہی قابل اور نامور جرنیل مارے گئے ہیں۔ جرنیل تو لڑائی میں مرا ہی کرتے ہیں لیکن شہنشاہ مارا جائے یا دشمن کی قید میں چلا جائے تو پھر کہانی ختم ہو جاتی ہے۔ اتنی زیادہ بے عزتی پوری سلطنت کو اور ساری قوم کو لے ڈوبتی ہے۔ میں شہنشاہ سے کہوں گا کہ وہ سلطنت کے وقار کا خیال کریں اور یہاں سے نکل جائیں۔"

"فیروزان!" ــــ نورین نے فیروزان کو اپنے بازوؤں میں لے کر اور اُسے اپنے ساتھ لگا کر بڑے جذباتی لہجے میں کہا ــــ "یہ کام کر دو اور پھر بولو کہ تمہیں کیسا اور کتنا انعام چاہیئے۔"

"پہلے میں یہ کام کر لوں ملکۂ عالیہ!" ــــ فیروزان نے کہا ــــ "میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ شہنشاہ کو یہاں سے نکال دوں گا۔"

فیروزان وہاں سے چلا گیا۔

اُدھر یزدگرد نے لوگوں کے ہجوم کے ساتھ جھوٹے سچے وعدے کر کے اور شکستوں کی ذمہ داری جرنیلوں پر ڈال کر اور جذباتی باتیں کر کے انہیں ٹھنڈا کر لیا تھا۔ لوگ بڑے آرام سے وہاں سے چلے گئے۔ یزدگرد اپنے اُس چھوٹے سے محل میں چلا گیا جو شہنشاہوں کے لیے حلوان میں تعمیر کیا گیا تھا۔ اُس نے لوگوں کو تو ٹھنڈا کر دیا تھا لیکن اُس کے اپنے سینے میں آگ بھڑک رہی تھی۔

وہ ابھی بیٹھا ہی تھا کہ فیروزان آ گیا۔

"کیا فوج تیار ہو گئی ہے؟" ــــ یزدگرد نے پوچھا ــــ "تم کس وقت نکل رہے ہو؟"

"ہاں شہنشاہ!" ــــ فیروزان نے کہا ــــ "میں نکل ہی جاتا لیکن ایک بہت ہی ضروری بات کرنے کے لیے رُک گیا ہوں۔"

"اب باتوں میں وقت ضائع نہ کرو فیروزان!" ــــ یزدگرد نے کہا ــــ "باتیں بہت ہو چکیں۔ یہ مت بھولنا کہ فارس کے اُمرا، وزرا۔ ہماری رعایا کی اس خواہش پر مجھے مدائن لائے تھے کہ اس تخت و تاج پر کسریٰ کے خاندان نے ایک دوسرے کا خون بہا دیا تھا۔ اس خونی سلسلے کو روکنے کے لیے مجھے لایا گیا تھا اور اس لیے بھی کہ تخت پر کسریٰ کے خاندان کا کوئی مرد ہونا چاہیئے جو فارس کو عربوں سے اس طرح بچا لے کہ عربوں کو وہیں تباہ و برباد کر کے عرب پر حملہ کیا جائے لیکن فیروزان! جو ہو رہا ہے وہ تمہارے سامنے ہے۔ وہی لوگ جنہوں نے مجھے ایک فرشتہ سمجھ کر بلایا تھا، آج مجھ سے باغی ہو کر میرے منہ پر شکست کی سیاہی مل رہے ہیں۔"

"شہنشاہِ فارس!" ــــ فیروزان نے کہا ــــ "فتح و شکست ایک الگ بات ہے لیکن اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ آپ کی ذات سلطنتِ فارس کی آبرو کی علامت ہے۔ اب ہم زندگی کی آخری بازی لگا کر لڑیں گے لیکن آپ کو حلوان سے نکل جانا چاہیئے۔"

"وہ کیوں؟" ــــ یزدگرد نے پوچھا ــــ "کیا یہ بہتر نہیں کہ میں اپنی فوج اور اپنی رعایا کے ساتھ رہوں؟"

"نہیں شہنشاہ!" ــــ فیروزان نے جواب دیا ــــ "لڑنا ہم نے ہے۔ ہو سکتا ہے ہم حلوان چھوڑ دیں اور باہر مسلمانوں کو پھندے میں لا کر ختم کریں۔ ہو سکتا ہے میں حلوان کو مسلمانوں کے لیے ایسا پھندہ بنا دوں کہ اُن کی لاشیں ہی یہاں سے نکلیں گی۔ یہ ایسی صورتِ حال ہو گی جس میں اگر آپ موجود رہے تو ہمیں آپ کی اور شاہی خاندانوں کی حفاظت بھی کرنی پڑے گی۔ آپ ہم پر کرم کریں اور اس ذمہ داری سے ہمیں فارغ کر دیں۔ اگر آپ یہاں رہے تو ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ عرب آپ تک پہنچ جائیں اور آپ کو قتل کر دیں یا اپنے ساتھ ہی زندہ لے جائیں۔ اگر ایسی صورت پیدا ہو گئی تو پھر فارس کی تمام سلطنت میں بد دلی اور خوف پھیل جائے گا اور عربوں کی دھاک بیٹھ جائے گی۔ آپ یہاں سے نکل جائیں اور رے پہنچ جائیں۔"

تاریخ گواہ ہے کہ یزدگرد اپنے شاہی خاندان کے ساتھ رات کے وقت چپکے سے حلوان سے نکل گیا اور رے جا پہنچا۔

یزدگرد کو رخصت کر کے فیروزان نے فوج کے کچھ دستے تیار کر لیے اور خسرو شنوم کو خانقین کے قریب مسلمانوں پر تیز اور شدید حملہ کرنے کی ہدایات دینے لگا۔ سب جانتے تھے کہ اس حملے کی قیادت فیروزان کرے گا لیکن وہ خسرو شنوم کو کمان دے کر بھیج رہا تھا۔ اُس کے ایک ماتحت افسر نے اُس سے پوچھا کہ وہ خود کیوں نہیں جا رہا۔ یہ افسر اُس کا معتمد اور رازدار معلوم ہوتا تھا۔

"ملکۂ عالیہ اپنے بیٹے کو زندہ رکھنا چاہتی ہے" ــــ فیروزان نے کہا ــــ "اُس کے کہنے پر میں نے شہنشاہ کو یہاں سے نکال دیا ہے۔ اگر شاہی خاندان موت سے ڈرتا ہے تو میں موت کے منہ میں کیوں جاؤں؟ خسرو شنوم میرا ماتحت ہے۔ میں اُسے جہاں چاہوں بھیج سکتا ہوں اور اُسے بھیج رہا ہوں۔"

ایک روایت یہ بھی ہے کہ خسرو شنوم کو اپنے کسی مخبر یا جاسوس کے ذریعے پتہ چل گیا تھا کہ فیروزان لڑائی سے بچنے کے لیے اُسے حملے کے لیے بھیج رہا ہے لیکن خسرو شنوم اُس کے ماتحت تھا اس لیے نہ وہ بحث کر سکتا تھا نہ حکم عدولی۔ وہ سوار دستے لے کر نکل گیا۔

خانقین سے کچھ آگے قصرِ شیریں تھا جو حلوان سے صرف تین میل دُور تھا۔ قعقاع بن عمرو مجاہدین کی قلیل سی تعداد کے ساتھ قصرِ شیریں کے قریب کمک کے انتظار میں رُکے ہوئے تھے۔ انہوں نے جلولا کو اپنے ایک مجاہد کو بھیجا تھا کہ سپہ سالار سعدؓ بن ابی وقاص سے کہے کہ وہ پیچھے آنے کی بجائے آگے بڑھ کر حلوان کو محاصرے میں لینا چاہتے ہیں تاکہ فارسیوں کو سنبھلنے

اور سستانے کی مہلت نہ ملے اور وہ حلوان سے بھی نکل جائیں۔

"....اور امیرِ لشکر سے کہنا" — قعقاع نے اپنے قاصد سے کہا تھا — "کہ حلوان کے ساتھ ہی عراق کی سرحد ختم ہو جاتی ہے۔ اگر ہم نے حلوان لے لیا تو پورا عراق لے لیا۔ فارسی اپنے فارس میں چلے جائیں اور شام کی طرف سے ابو عبیدہؓ اور خالدؓ بن ولید ہم سے آملیں گے.... یہ بھی کہنا کہ فارس کا بادشاہ یزدگرد بھی حلوان میں ہے۔ میں اسے گرفتار یا ہلاک کرنے کی پوری کوشش کروں گا۔ اس طرح ہم پورے فارس کی کمر توڑ سکتے ہیں۔"

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ سعدؓ بن ابی وقاص ایک شہر فتح کر کے قاصد کو مدینہ بھیج کر حضرت عمرؓ سے حکم لیتے تھے۔ حضرت عمرؓ اس علاقے سے اچھی طرح واقف تھے اس لیے وہ دونوں طرف کی فوجوں کی کیفیت جنگی صورتِ حال اور دیگر احوال و کوائف پر غور کر کے حکم بھیجا کرتے تھے۔

جلولا فتح کر کے بھی سعدؓ بن ابی وقاص نے قاصد مدینہ بھیج دیا تھا۔ اُدھر سے قعقاع بن عمرو نے کمک مانگ لی۔ سعدؓ نے اپنے سالاروں سے صلاح مشورہ کرنے میں خاصا وقت لے لیا۔ آخر ان سب نے فیصلہ کیا کہ مدینہ سے امیر المومنین کا حکم بہت دنوں بعد آئے گا۔ قعقاع کے ارادے اور دلائل کو بھی رد نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اُس کی اس تجویز اور عزم کو نظر انداز کرنا نقصان کا باعث بن سکتا تھا۔ زیادہ انتظار میں فارسیوں کو سستانے کا اور بکھری ہوئی فوج کو یکجا ہونے کا موقع مل جانے کا خطرہ تھا۔

حلوان میں قعقاع کی مختصر سی جماعت پر حملہ کرنے کا حکم مل چکا تھا۔

سعدؓ بن ابی وقاص نے سوچ بچار کے بعد فیصلہ کر دیا کہ قعقاع کو کمک بھیج دی جائے۔

حلوان سے خسرو شنوم کی قیادت میں سوار دستے نکل آئے۔

جلولا سے کمک چل پڑی۔

حلوان سے قصرِ شیریں کا فاصلہ صرف تین میل تھا لیکن جلولا سے قصرِ شیریں زیادہ دور تھا۔ یہ ایسے ہی تھا کہ خسرو شنوم نے ایک جست میں قصرِ شیریں میں پہنچ جانا تھا اور مجاہدین کی کمک کو خاصا فاصلہ طے کرنا تھا۔

قعقاع بن عمرو کی پوزیشن ایسی تھی جیسے دشمن کے پیٹ میں بیٹھا ہوا ہو، اس لیے وہ دن رات اس طرح چوکنا رہتا تھا کہ اُس نے دیکھ بھال کے لیے اپنے تین چار مجاہدین حلوان بھیج رکھے تھے ان کے ذمے یہ کام تھا کہ حلوان یا کسی بھی طرف سے فارسیوں کی فوج آئے تو فوراً پیچھے اطلاع دیں۔

آخر یہ اطلاع آگئی۔ آگے گئے ہوئے ایک مجاہد نے پیچھے آکر قعقاع کو بتایا کہ حلوان

سے سوار دستے قصرِ شیریں کی طرف آ رہے ہیں۔ ان کی اندازاً تعداد بھی بتائی۔

قعقاع نے یہ اطلاع ملتے ہی اپنے مجاہدین کو اس طرح تقسیم کر دیا کہ تھوڑی سی تعداد کو سامنے رکھا اور باقی سب کو مکانوں اور دیگر تعمیرات کی اوٹوں میں چھپا دیا۔ ظاہر یہ کیا گیا کہ کل مجاہدین یہی ہیں جو سامنے ہیں۔

قعقاع نے ایک چال یہ چلی کہ اُن مجاہدین کو جنہیں اُس نے سامنے رکھا تھا، اس طرح اِدھر اُدھر کرنے لگا جیسے وہ بھاگ نکلنے کے راستے دیکھ رہے ہوں۔ فارسی سوار اکٹھے ہی اُن کی طرف آئے۔ قعقاع اپنے مجاہدین کے ساتھ بھاگنے کے انداز سے پیچھے ہٹنے لگا اور ہٹتے ہٹتے مکانوں کے قریب چلا گیا۔ لڑائی کی وجہ سے مکان خالی تھے۔

خسرو شنوم للکارتا آ رہا تھا — "انہیں جانے نہ دینا.... گھوڑوں تلے کچل دو.... ایک ایک کو کاٹ دو۔"

فارسی جب مکانوں کے قریب آئے تو چھتوں سے اُن پر تیر برسنے لگے۔ تیر انداز مجاہدین کی تعداد کم تھی۔ اس کمی کو مجاہدین بہت ہی تیز تیر اندازی سے پورا کر رہے تھے نشانہ لینے کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ فارسی سوار ہجوم کی صورت آ رہے تھے۔ کوئی تیر ضائع نہیں ہوتا تھا۔

اس اچانک اور غیر متوقع تیر اندازی سے فارسی بوکھلا اٹھے۔ اگلے سواروں نے یکلخت گھوڑے روک لیے تو پیچھے آنے والے ان سے ٹکرا کر رُکے۔ جن گھوڑوں کو تیر لگتے تھے وہ بے لگام ہو کر اپنی ہی فوج کے لیے قیامت بپا کر دیتے تھے۔ فارسیوں پر یقیناً یہ خوف طاری ہو گیا ہو گا کہ مسلمانوں کی تعداد اُن کے اندازوں سے کہیں زیادہ ہے۔

جب فارسیوں کے گھوڑے آپس میں پھنس گئے اور زخمی گھوڑے بے قابو ہو کر اچھے بھلے گھوڑوں کو ڈرانے لگے تو قعقاع نے اُن پر حملہ کر دیا۔ خسرو شنوم چلّا رہا تھا کہ اُس کے سوار کُھل جائیں۔ وہ دائیں بائیں پھیلنے لگے تا کہ لڑنے اور پینترے بدلنے کے لیے جگہ نکل آئے لیکن دائیں اور بائیں سے اُن پر اُن مجاہدین نے حملہ کر دیا جنہیں قعقاع نے دُور دُور مکانوں وغیرہ کی اوٹوں میں چھپایا تھا۔

ان مجاہدین کی تعداد اتنی کم تھی کہ وہ اتنے زیادہ سواروں پر غالب نہیں آ سکتے تھے۔ یہ قعقاع کی غیر معمولی دلیری تھی کہ اُس نے اتنے کثیر تعداد دشمن سے ٹکر لے لی تھی۔ وہ اُس جنگی دانش اور ہنر مندی سے لڑ رہا تھا جو اُس کی فطرت کا لازمی حصہ تھا۔ اس کی یہ چال خاصی کامیاب تھی کہ اُس نے تیر اندازوں کو مکانوں کی چھتوں پر اور دوسرے مجاہدوں کو مکانوں کے

پیچھے چھپا دیا تھا، پھر بھی فارسیوں کا دباؤ کم نہیں ہو رہا تھا حالانکہ پہلے ہلے میں اُن کا خاصا نقصان ہُوا تھا۔

قعقاع ہمت ہارنے والا سردار نہیں تھا۔ اُس کی للکار میں جوش بڑھتا جا رہا تھا لیکن کامیابی مخدوش نظر آ رہی تھی۔ مؤرخوں نے لکھا ہے کہ فارسیوں کا جرنیل خسرو شنوم پہلے اپنے سواروں کے آگے تھا، پھر وہ پیچھے ہٹتے ہٹتے اپنے سواروں میں کہیں غائب ہو گیا۔ قعقاع اُسے ڈھونڈ رہا تھا لیکن وہ کہیں نظر نہیں آتا تھا۔

معرکہ گھمسان کا تھا۔ خونریز بھی تھا۔ اچانک فارسی سواروں میں ایسی ہڑبونگ مچ گئی جسے کچھ دیر کے لیے قعقاع بھی نہ سمجھ سکا۔ پتہ اُس وقت چلا جب فارسیوں کا کُشت و خُون اتنا بڑھ گیا کہ اُنہوں نے بھاگنا شروع کر دیا ـــــ یہ جلولا کی کمک تھی جو بر وقت پہنچ گئی تھی۔ تعداد اس کی بھی کچھ زیادہ نہیں تھی لیکن ان مجاہدین نے دیکھا کہ معرکہ لڑا جا رہا ہے تو انہوں نے فارسیوں پر عقب اور ایک پہلو سے حملہ کر دیا۔

خسرو شنوم پہلے ہی بد دل ہُوا جا رہا تھا۔ اُسے فیروزان کا یہ حکم اچھا نہیں لگا تھا کہ وہ خود باہر نہیں آیا اور اُسے آگے بھیج دیا۔ اُس نے دیکھا کہ اُس کے سوار گھِر گئے ہیں اور گھوڑے اندھے ہوتے ایک دوسرے کو دبا رہے ہیں اور زخمی گھوڑے اپنی اچھل کود کر رہے ہیں۔ اس پوزیشن میں آکر سوار لڑ نہیں سکتے تھے۔ یہ دیکھ کر خسرو شنوم وہاں سے کھسک گیا۔ وہ کوئی چال نہیں چل سکتا تھا۔ مجاہدین تعداد میں بہت ہی تھوڑے تھے لیکن قعقاع کی عقل اور مجاہدین کے جذبے نے فارسیوں کو بے بس اور مجبور کر دیا تھا۔

فارسی سوار ایک ایک دو دو کر کے معرکے سے نکل کر بھاگنے لگے اور زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ میدان میں فارسیوں کی لاشیں، ان کے زخمی اور ان کے گھوڑے اِدھر اُدھر بھاگتے دوڑتے رہ گئے۔ مجاہدین نے گھوڑوں کو پکڑنا اور مرے ہوؤں اور زخمیوں کے ہتھیار اکٹھے کرنے شروع کر دیئے۔

حلوان دور نہیں تھا۔ فیروزان شہر کی دیوار پر کھڑا تھا۔ اُسے یقیناً یہ توقع تھی کہ اتنے قلیل تعداد مسلمانوں کو اس کے سوار کچل کر واپس آ رہے ہوں گے لیکن اُسے اِکّے دُکّے گھوڑے دُور دُور بھاگتے دوڑتے نظر آنے لگے۔ سب سے پہلے خسرو شنوم حلوان میں داخل ہُوا۔ فیروزان نے اُس سے لڑائی کے متعلق پوچھا تو خسرو شنوم کی زبان کانپ رہی تھی۔

پھر میدان سے بھاگے ہوئے سوار شہر میں داخل ہونے لگے۔ ان میں بہت سے زخمی تھے۔ ان کے کپڑے خون سے لال تھے۔ ایسے بھی تھے جن کے جسموں میں تیر اُترے ہوئے

تھے۔ ایک تو ان کی یہ حالت تھی جو شہر کے لوگوں کو ڈرا رہی تھی، دوسرے ان کی باتیں تھیں جو وہ خوفزدگی کے عالم میں شہریوں کو سُنا رہے تھے۔

قعقاع ان کے تعاقب میں گیا۔ مجاہدین گھوڑے سرپٹ دوڑاتے گئے۔ شہر سے لوگ بھاگنے لگے۔ وہاں جو فوج تھی وہ بغیر لڑے بھاگ اٹھی۔ یہ سب مدائن اور جلولا کے بھاگے ہوئے فوجی تھے۔

حلوان بھی مسلمانوں کے قبضے میں آگیا۔ قعقاع نے فوری طور پر دو کام کیے۔ ایک یہ کہ سعدؓ بن ابی وقاص کو اطلاع بھیجی کہ حلوان پر بھی قبضہ ہو گیا ہے اور دوسرا کام یہ کہ شہر کے چند آدمیوں سے کہا کہ وہ شہر میں اور ارد گرد کی آبادیوں میں منادی کرا دیں کہ جو لوگ اسلام قبول کر لیں گے یا جزیہ ادا کر دیں گے انہیں امن و امان اور تحفّظ میں رکھا جائے گا۔ اُن کے مال و اموال اور جائیدادوں پر کسی اور کا ناجائز قبضہ نہیں ہو گا۔

مؤرخوں نے متفقہ طور پر لکھا ہے کہ اس علاقے کے لوگوں نے دیکھ لیا تھا کہ عرب کے ان مسلمانوں نے جن علاقوں کو اپنے قبضے میں لے لیا ہے وہاں کے لوگ نہ صرف یہ کہ امن و امان میں رہتے ہیں بلکہ وہ اب آزادی سے رہتے ہیں اور وہ اس خوف سے آزاد ہو گئے ہیں کہ شاہی کارندے اچانک آ دھمکیں گے اور ان کے کھیتوں کی کمائی کا بیشتر حصّہ بلا قیمت اٹھا لے جائیں گے۔ کسی کی خوبصورت لڑکی دیکھیں گے تو اُسے اپنے ساتھ لے جائیں گے، جسے چاہیں گے بیگار میں پکڑ لیں گے، فوج میں جبراً بھرتی کر لیں گے۔

ان آتش پرستوں کو معلوم نہ تھا کہ مسلمانوں کے جس حُسنِ سلوک کو وہ اپنے اوپر احسان سمجھ رہے تھے وہ اللہ کا حکم تھا۔ آتش پرست تکریمِ انسانیت سے ناواقف تھے۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ تکریم اور تعظیم انسان کا بنیادی حق ہے اور یہ اسلام کے بنیادی احکام میں سے ہے۔ بادشاہوں کی سابق رعایا کو انسانیت کے حقوق مل گئے تو کوئی جزیہ لے کے آگیا اور کسی نے اسلام قبول کر لیا۔ کسی پہ اسلام زبردستی نہ ٹھونسا گیا۔ لوگ جوق در جوق حلقہ بگوشِ اسلام ہونے لگے۔

سعدؓ بن ابی وقاص نے مجاہدین کی خاصی نفری حلوان بھیج دی۔ انہوں نے حلوان کی فتح کا تفصیلی پیغام امیر المومنین حضرت عمرؓ کے نام لکھوا کر بھیج دیا۔

مدینہ سے سعدؓ بن ابی وقاص کے پہلے پیغام کا جواب آگیا۔ اُس پیغام میں سعدؓ نے حضرت عمرؓ کو جلولا کی فتح کی تفصیلات لکھیں اور پیش قدمی کی اجازت مانگی تھی۔ انہوں نے لکھا

تھا کہ فارسی بہت بُری حالت میں پسپا ہو رہے ہیں۔ اُن کی جنگی طاقت ختم ہو چکی ہے اور اُن کی اپنی رعایا اُن کے خلاف ہو گئی ہے۔ ان حالات میں فارسیوں کا تعاقب جاری رکھا جائے تو پورے فارس کو سلطنتِ اسلامیہ میں شامل کیا جا سکتا ہے۔

سعدؓ بن ابی وقاص کو توقع تھی کہ حضرت عمرؓ حکم بھیجیں گے کہ فارسیوں کا تعاقب جاری رکھو اور انہیں کہیں دم نہ لینے دو لیکن حضرت عمرؓ کی دُور بین نگاہوں عقل و دانش اور تدبّر کا فیصلہ کچھ اور تھا۔ کوئی سپہ سالار حضرت عمرؓ کی دُور اندیشی تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔

حضرت عمرؓ نے سعدؓ بن ابی وقاص کو جلولا سے آگے بڑھنے سے روک دیا۔ اُن کے اس طویل پیغام کے یہ الفاظ تاریخ کے دامن میں محفوظ ہیں:

"میں چاہتا ہوں کہ سواد اور پہاڑ کے درمیان ایک دفاعی دیوار کھڑی ہو جائے۔ نہ فارسی ہماری طرف آسکیں نہ ہم اُن کی طرف جا سکیں۔ ہمارے لیے سواد کا علاقہ ہی کافی ہے۔ مجھے مالِ غنیمت اور مزید زمین کی بجائے مسلمانوں کی سلامتی زیادہ عزیز ہے۔"

سواد دریائے دجلہ اور دریائے فرات کا علاقہ تھا۔ اس کے جنوب میں ڈیلٹا کا علاقہ بھی مسلمانوں نے لے لیا تھا اور شمال میں فارس (ایران) اور شام کی سرحدوں کا درمیانی علاقہ بھی مسلمانوں کا مفتوحہ تھا۔ یہ دراصل آج کا عراق ہے۔ اُس دور میں بھی اس خطّے کا نام عراق تھا لیکن عربوں نے اسے سواد اور بین النہرین یعنی دو دریاؤں کا درمیانی علاقہ کہنا شروع کر دیا تھا۔ سعدؓ بن ابی وقاص جہاں پہنچ گئے تھے وہاں عراق کی سرحد ختم ہو جاتی تھی۔

حضرت عمرؓ نے سعدؓ بن ابی وقاص کو بڑی واضح اور تفصیلی ہدایات بھیجیں۔ اُنہوں نے لکھا کہ فارسی پسپا ہو کر اپنے ملک میں پہنچ گئے ہیں اور انہیں پہاڑیوں کی حفاظت مِل گئی ہے اگر مجاہدین فارسیوں کے تعاقب میں چلے گئے تو نقصان اٹھائیں گے۔ بہتر یہ ہے کہ ان پہاڑیوں کو فارس اور عراق کے درمیان حدِّ فاصل بنا لیا جائے۔

"... اگر تم ان پہاڑیوں میں پھنس گئے تو عراق کے لوگ بغاوت پر اُتر آئیں گے" — حضرت عمرؓ نے لکھا — "اس سے پہلے بھی عراق کے وہ امراء اور جاگیردار جن کے علاقے فتح کر لیے گئے تھے اور جو ہمارے وفادار ہو گئے تھے، وہ سب اُس وقت باغی ہو گئے تھے جب مجاہدین کا لشکر آگے نکل گیا تھا۔ انہوں نے ہمارے اُن عمّال کو بھی قتل کر دیا تھا جنہیں اُن کے شہروں پر مقرر کیا گیا تھا....

"الحمد للہ، سلطنتِ اسلامیہ کی وسعت دجلہ اور فرات سے بھی آگے نکل گئی ہے شام

بھی اپنی سلطنت میں شامل کر لیا گیا ہے۔ یہ علاقے تو ہمارے زیرِ اقتدار آ گئے ہیں لیکن اصل کام یہ ہے کہ ان علاقوں کے لوگوں کو مدینہ کے زیرِ اقتدار لانا ہے۔ علاقے فتح کیے جا سکتے ہیں لیکن ان علاقوں کے لوگوں کے دلوں کو فتح کرنا بہت مشکل کام ہے۔ علاقے تیر و تلوار سے فتح ہوتے ہیں لیکن دلوں کی فتح نہ تیر سے ممکن ہوتی ہے نہ تلوار سے۔ لوگوں کو امن و امان اور سکون کی زندگی مہیا کرو۔ انہیں انسانیت کے درجے پر لاؤ اور انہیں ان کے پورے حقوق دو....

"ان کے مذہب میں دخل نہ دو۔ جبر نہ کرو اور اس کے ساتھ ہی انہیں دینِ الٰہی کی طرف مائل کرو لیکن بحث اور حجّت نہ کرو۔ پند و نصیحت کا انداز اختیار کرو۔ اپنے کردار کو اپنی پند و نصیحت کے سانچے میں ڈھالو اور دلوں پر اثر کرنے والا نمونہ پیش کرو، پھر تم دیکھو گے کہ اللہ اپنے دین کو خود ہی تمام مذاہب پر غالب کر دے گا۔ ان کے مذہبی پیشوا کتنا ہی زور کیوں نہ لگا لیں، وہ اسلام کے غلبے اور مقبولیّت کو نہیں روک سکیں گے....

"مفتوحہ علاقوں کا نظم و نسق بحال کرو اور اسے رواں کر کے ایسی شکل دو کہ لوگ خود محسوس کریں کہ اس سے پہلے ان کی حق تلفی ہوتی رہی ہے۔ اس کے ساتھ ہی لوگوں پر اور ان کے سرداروں پر نظر رکھو کہ کہیں سے بغاوت نہ اُٹھنے پائے۔"

مؤرخوں نے حضرت عمرؓ کے ان احکام کو بہت اہمیّت دی ہے بعض غیر مسلم تاریخ نویسوں اور مبصّروں نے حضرت عمرؓ کے اس تدبّر اور پالیسی کو بہت سراہا ہے۔ اگر حضرت عمرؓ کی دلچسپی صرف علاقے فتح کرنے میں ہوتی تو وہ سعدؓ بن ابی وقاص کو پہاڑی علاقوں میں پیش قدمی کا حکم دے دیتے اور یہ نہ سوچتے کہ صحرا اور میدانوں میں لڑنے والے پہاڑیوں کے اندر نہیں لڑ سکیں گے۔

سعدؓ بن ابی وقاص نے امیر المومنین حضرت عمرؓ کا یہ پیغام اپنے تمام سالاروں کو پڑھ کر سنایا۔

دریائے دجلہ کے کنارے، عراق کے شمال میں تکریت نام کا ایک شہر تھا۔ یہ رومیوں کا علاقہ تھا۔ وہاں عراق اور شام کی سرحد ملتی تھی۔ خالدؓ بن ولید اور ابوعبیدہؓ بن الجراح نے رومیوں کو [illegible] شکستیں دے کر شام سے بے دخل کر دیا تھا۔ رومی اب شمال میں محدود سے علاقے میں جوابی کارروائی کے لیے اکٹھے ہو رہے تھے۔

پہلے کسی باب میں ذکر ہو چکا ہے کہ مجاہدین کے لشکر میں بنو تغلب اور بنو نمر کے عیسائی بھی تھے۔ ایک عیسائی نے ایک فارسی جرنیل کو میدانِ جنگ میں اتنی دلیری سے قتل کیا تھا کہ خود بھی قتل ہو گیا تھا۔ اب مسلمانوں نے پورا عراق فتح کر لیا اور حضرت عمرؓ نے سعدؓ بن ابی وقاص کو

حکم بھیج دیا کہ آگے نہ بڑھیں اور مفتوحہ علاقے کے نظم و نسق کو بہتر بنائیں۔ ایک روز بنو تغلب کا ایک عیسائی مجاہد سعدؓ بن ابی وقاص کے پاس آیا۔

"سپہ سالار!" ـــــ اُس نے کہا ـــــ "میں بنو تغلب کا عیسائی ہوں۔"

"خدا کی قسم!" ـــــ سعدؓ نے اُسے ٹوکتے ہوئے کہا ـــــ "یہاں کوئی امتیاز نہیں۔ تُو ہمارے ساتھ ہے تو ہمارا بھائی ہے۔ تُو عربی ہے اور ہم سب عربی ہیں جو عجمیوں کے خلاف سینہ سپر ہیں۔ مذہب الگ ہونے سے جذبے الگ نہیں ہو جایا کرتے...... کہو، کیا کہنے آیا ہے تو؟"

"اے سپہ سالار!" ـــــ عیسائی نے کہا ـــــ "خدا کی قسم، ہم تیرے ساتھ ہیں تو پوری وفا کریں گے۔ ایک خطرہ آرہا ہے۔ اسے تو خود ہی دیکھ لے۔ تکریت ایک شہر ہے۔ شاید مُوصل سے کچھ دُور ہے۔"

"ہاں!" ـــــ سعدؓ بن ابی وقاص نے کہا ـــــ "تکریت رومیوں کا شہر ہے...... کیا ہے اس شہر میں؟"

"وہاں ہم پر حملے کی تیاریاں ہو رہی ہیں" ـــــ عیسائی مجاہد نے کہا ـــــ "میرے قبیلے تغلب کے لوگ، بنو نمر اور بنو ایاد کے بہت سے لوگ وہاں پہنچے ہوئے ہیں اور وہ رومیوں کو اُکسا رہے ہیں کہ ہم پر حملہ کریں۔ رومی شاید کہیں سے پسپا ہو کر تکریت میں اکٹھے ہو گئے ہیں۔"

"میں جانتا ہوں" ـــــ سعدؓ بن ابی وقاص نے کہا ـــــ "موصل پر ابو عبیدہؓ اور خالدؓ بن ولید نے قبضہ کر لیا ہے۔ تکریت میں اگر رومی اکٹھے ہوئے ہیں تو یہ سب پسپا ہو کر آئے ہیں۔"

تکریت شام اور عراق کی سرحد پر ایک بڑا قصبہ تھا۔ اِدھر فارسی شکست کھا کر بھاگے تھے اُدھر رومی مسلمانوں کے ہاتھوں شکست کھا کر بھاگے تو ان میں سے کچھ تکریت میں اکٹھے ہو گئے۔ تاریخ کے مطابق عرب کے کچھ عیسائی قبائل مسلمانوں کے خلاف لڑنے کے لیے رومیوں کے پاس پہنچ گئے۔ یہ عیسائی جو سعدؓ بن ابی وقاص کو یہ اطلاع دے رہا تھا، اس لیے وثوق سے بات کر رہا تھا کہ اُس کے قبیلے کا ایک عیسائی سردار تکریت سے کسی بہروپ میں یا کسی دھوکے سے جلولا آیا۔ وہ عیسائیوں کے قبیلے بنو تغلب کا سردار تھا۔ جلولا میں وہ اپنے قبیلے کے اُن عیسائیوں سے مِلا جو مسلمانوں کے ساتھ فارسیوں کے خلاف لڑنے آئے تھے۔ حضرت عمرؓ اور مثنیٰ بن حارثہ نے انہیں دل کھول کر خراجِ تحسین پیش کیا تھا اور انہیں مالِ غنیمت میں سے برابر کا حصہ دیتے رہے تھے اور ان میں سے جو خصوصی بہادری سے لڑے تھے انہیں الگ انعام بھی دیا تھا۔

یہ عیسائی سردار جلولا میں ان عیسائی مجاہدین سے ملا اور انہیں کہا کہ وہ مسلمانوں کا ساتھ چھوڑ

دیں اور اپنے مذہب کے لوگوں کے ساتھ آجائیں۔ یہ سردار انہیں تکریت لے جانا چاہتا تھا تاکہ وہ رومیوں کے ساتھ مِل کر مسلمانوں کا مقابلہ کریں۔ عیسائیوں کی اس سازش میں یہودیوں کا ہاتھ بھی تھا۔ ان عیسائی قبائل کو عرب سے یہودی ہی لائے اور انہیں تکریت پہنچایا تھا۔

یہ سعدؓ بن ابی وقاص اور اُن کے لشکر کے لیے بڑی ہی خطرناک سازش تھی۔ یہودیوں نے سعدؓ بن ابی وقاص کے لشکر کی اس کیفیت سے فائدہ اٹھانا چاہا تھا کہ یہ لشکر مسلسل لڑتا چلا آرہا تھا۔ ایک تو زخمیوں اور شہیدوں کی وجہ سے اس کی تعداد کم ہو گئی تھی اور باقی لشکر جو بظاہر صحیح سلامت تھا، تھک کر شل ہو چکا تھا۔ یہ تو ان کے جذبوں کا معجزہ تھا کہ وہ فتح حاصل کرتے جا رہے تھے۔ جہاں تک جسموں کا تعلق تھا جسم لڑنا تو دُور کی بات ہے تھوڑا سا سفر کرنے کے بھی قابل نہیں تھے۔ یہ امیر المومنین حضرت عمرؓ کی دُوراندیشی تھی کہ اُنہوں نے اس لشکر کو حلوان سے آگے بڑھنے سے روک دیا تھا۔ دوسری وجوہات کے علاوہ ایک وجہ یہ بھی تھی کہ یہ لشکر اب کچھ عرصے کے لیے لڑنے کے قابل نہیں رہا تھا۔

بنو تغلب کے اس عیسائی نے تکریت سے آئے ہوئے سردار کو مایوس نہ کیا۔ دوسرے عیسائیوں نے بھی اُسے کہا کہ وہ ادھر سے بھاگ کر تکریت پہنچ جائیں گے لیکن ان میں سے کوئی ایک بھی جانے کے لیے تیار نہ تھا۔ سردار کے جانے کے بعد ان سب نے اس عیسائی کو (جس کا تاریخ میں نام نہیں ملتا) کہا کہ وہ سپہ سالار کو خبردار کر دے کہ تکریت میں ہم پر حملہ کرنے کے لیے ایک فوج تیار ہو رہی ہے۔

سعدؓ بن ابی وقاص نے اُسی وقت ایک تیز رفتار قاصد کو پیغام دے کر مدینہ بھیجا۔ اُنہوں نے پیغام میں لکھوایا کہ انہیں اجازت دی جائے کہ پیشتر اس کے کہ رومی عرب کے ان عیسائی قبائل سے مل کر حملہ کر دیں، اِدھر سے اُن پر حملہ کر دیا جائے۔

قاصد کو بھیج کر سعدؓ بن ابی وقاص نے اپنے اُن دو تین جاسوسوں کو بلایا جو دراصل عربی تھے لیکن کچھ عرصے سے عراق میں آباد تھے۔ انہیں کچھ ہدایات دے کر تکریت بھیج دیا۔ یہ آدمی جاسوسی اور مخبری کی خصوصی مہارت رکھتے تھے۔ وہ اُسی وقت مختلف بھیس بدل کر روانہ ہو گئے۔

یہ مخبر چند دنوں بعد واپس آئے تو اُنہوں نے تصدیق کر دی کہ تکریت میں سعدؓ بن ابی وقاص کے لشکر پر حملے کی تیاریاں جوش و خروش سے ہو رہی ہیں اور دو چار دنوں میں وہاں سے لشکر کوچ کر آئے گا۔

"خُدا کی قسم!۔۔۔ سعدؓ بن ابی وقاص نے بڑے جوش سے کہا۔" ہم انہیں تکریت سے باہر نہیں آنے دیں گے۔ میرے لشکر کے جسم ٹوٹ پھوٹ گئے ہیں لیکن اللہ ہمارے ساتھ ہے اور ہمارے جذبے تر و تازہ ہیں"۔

سعدؓ نے اپنے سالاروں کو اور لشکر کو بھی خبردار کر کے تیار کر لیا۔ کچھ دن گزرے تو مدینہ سے حضرت عمرؓ کا جواب آ گیا۔

حضرت عمرؓ نے لکھا کہ رومیوں نے ابوعبیدہؓ سے شکست کھا کر سوچا ہو گا کہ جتنا علاقہ وہ مسلمانوں کو دے آتے ہیں اتنا وہ عراق میں مسلمانوں سے لے لیں گے۔ حضرت عمرؓ نے لکھا کہ انہیں تکریت سے نکلنے کی مہلت نہ دی جائے۔ عبداللہ بن معتم کو پانچ ہزار سوار دے کر فوراً تکریت بھیج دیا جائے۔

سعدؓ بن ابی وقاص نے لشکر کو پہلے ہی تیار رکھا ہُوا تھا۔ انہیں توقع تھی کہ امیرالمومنین حملے کا حکم ضرور دیں گے۔ حضرت عمرؓ کو معلوم تھا کہ تکریت کے اِردگرد دُور دُور تک کا علاقہ عیسائی قبائل کا علاقہ تھا۔ دجلہ کے ایک طرف بنو ایاد اور دوسری طرف بنو تغلب آباد تھے۔ یہ قبیلے صحرائے عرب میں بھی رہتے تھے۔

حملے کا حکم ملتے ہی سعدؓ بن ابی وقاص نے عبداللہ بن معتم کو پانچ ہزار منتخب سوار دے کر تکریت کی سمت روانہ کر دیا۔ بوقتِ رخصت سعدؓ بن ابی وقاص نے عبداللہ بن معتم کو صرف یہ الفاظ کہے کہ ابنِ معتم، میں شکست کی خبر برداشت نہیں کر سکوں گا۔

دو مؤرخوں نے لکھا ہے کہ عبداللہ بن معتم نے کوئی جواب نہ دیا۔ اُس کے ہونٹوں پر کچھ اور ہی قسم کا تبسم آ گیا اور وہ خدا حافظ کہہ کر چل پڑا۔

کچھ دنوں بعد یہ لشکر تکریت پہنچا۔ چونکہ یہ گھوڑ سواروں کا لشکر تھا اس لیے اس کے کوچ کی رفتار خاصی تیز تھی۔ رفتار کو معمول کی رفتار سے زیادہ تیز اس لیے رکھا گیا کہ تکریت کے لشکر کو وہاں سے حملے کے لیے نکلنے کی مہلت نہیں دینی تھی۔ عبداللہ بن معتم نے اپنی یہ خواہش پوری کر لی۔ تکریت سے ابھی رومیوں اور عیسائیوں کا لشکر نہیں نکلا تھا کہ عبداللہ بن معتم نے تکریت کو محاصرے میں لے لیا۔

مؤرخوں نے لکھا ہے کہ یہ محاصرہ چالیس دن تک رہا۔ شہر کے اندر جو رومی تھے وہ خالدؓ بن ولید اور بعد میں ابوعبیدہؓ بن الجراح سے بُری طرح پٹ کر بھاگے اور یہاں پہنچے تھے۔ اُن پر مسلمانوں کی دہشت کا طاری ہونا قدرتی امر تھا۔ انہیں توقع ہی نہیں تھی کہ یہ شہر محاصرے میں آ

جائے گا۔ انہیں یہ بھی توقع نہیں تھی کہ مسلمانوں کی جاسوسی کا نظام اتنا تیز اور اتنا ہوشیار ہے کہ اُنہیں ان کے ارادوں کا قبل از وقت علم ہو جائے گا۔ وہ خوش فہمی میں مبتلا رہے اور اس وجہ سے اُنہوں نے شہر میں نہ خوراک کا ذخیرہ کیا نہ پانی کا۔ نہ انہوں نے وہ انتظامات کیے جو محصور ہو کر ضروری سمجھے جاتے ہیں۔

مسلمانوں نے ان چالیس دنوں میں دروازے توڑنے اور رات کو کمندیں پھینک کر دیوار پر چڑھنے کی لگاتار کوششیں کیں۔ مسلمان اپنی ان کوششوں میں کامیاب نہ ہو سکے لیکن ان کوششوں کا شہر کے اندر ایک نفسیاتی اثر پڑا۔ شہر کے لوگوں میں بددلی پیدا ہونے لگی۔ لوگوں پر خوف طاری ہونا ہی تھا کیونکہ اُن تک نہ صرف یہ کہ شام سے رومیوں اور عراق سے فارسیوں کی پسپائی کی خبریں پہنچتی رہتی تھیں بلکہ شام سے بھاگے ہُوئے رومی بھی اُن کے درمیان موجود تھے۔

رومیوں نے کچھ اپنے آپ کو حوصلہ دینے کے لیے اور کچھ لوگوں کا حوصلہ مضبوط کرنے کے لیے دو تین مرتبہ باہر نکل کر مسلمانوں پر حملہ کیا لیکن ہر بار انہیں کئی لاشیں اور زخمی پیچھے چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔

عبداللہ بن معتم اور اُس کے دو عیسائی جاسوسوں نے ایک معجزہ نما کارنامہ کر دکھایا۔ وہ اس طرح تھا کہ عبداللہ بن معتم نے دو بڑے ہوشیار قسم کے عیسائیوں کو تیار کیا کہ اب اگر رومی باہر آ کر حملہ کریں تو یہ دونوں عیسائی آگے بڑھ کر اس طرح ان سے جا ملیں جیسے وہ اِدھر سے بھاگ کر اُن کے پاس چلے گئے ہوں۔ یہ تو یورپی مؤرخوں اور مبصروں نے بھی لکھا ہے کہ اُس دَور کے عربوں میں ایک خصوصی ذہانت تھی جو کسی اور قوم میں کم ہی پائی جاتی تھی۔ عبداللہ بن معتم نے اسی ذہانت کو بروئے کار لا کر یہ سکیم تیار کی تھی۔ اُس نے ان دونوں عیسائیوں کو یہ بتایا تھا کہ وہ شہر کے اندر جا کر ظاہر یہ کریں کہ وہ اپنے عیسائی بھائیوں کے پاس آ گئے ہیں اور مسلمانوں کے خلاف لڑیں گے لیکن انہیں اندر جا کر عیسائی قبائل کے سرداروں سے ملنا اور انہیں اپنے سالار عبداللہ بن معتم کا یہ پیغام دینا تھا کہ وہ مسلمانوں کی مدد کریں اور رومیوں کے ساتھ رہتے ہوئے اُن کے خلاف ہو جائیں۔ انہیں مالِ غنیمت میں سے وہی حصہ دیا جائے گا جو مسلمانوں کو دیا جاتا ہے اور اس کے علاوہ شہر سے جتنے رومی قیدی ملیں گے اور اُن کی جتنی عورتوں کو لونڈیوں اور کنیزوں کے طور پر پکڑا جائے گا، وہ سب کی سب عیسائیوں کو دے دی جائیں گی۔

عبداللہ بن معتم نے ان دونوں عیسائی جاسوسوں کو جو پیغام دیا تھا، اس میں یہ بھی کہا تھا کہ ہم یہ شہر آخرکار لے ہی لیں گے۔ اگر ہماری یہ پیشکش قبول نہ کی گئی تو کسی ایک بھی عیسائی سے کوئی مروت نہیں کی جائے گی اور سب کو غلام بنا کر مدینہ بھیج دیا جائے گا۔

اللہ کی مدد شاملِ حال ہو تو حالات خود ہی سازگار ہو جاتے ہیں۔ تین چار دنوں بعد رومیوں نے ایک بار پھر باہر آکر حملہ کیا۔ مجاہدین نے حملہ آوروں کو گھیرے میں لینے اور عقب میں جاکر دروازے پر قبضہ کرنے کی کوشش کی لیکن رومی اتنے محتاط تھے کہ زیادہ آگے آتے ہی نہیں تھے۔

مجاہدین نے ان رومیوں کی حالت خاصی بگاڑ دی تھی اور رومی بہت سی لاشیں اور زخمی باہر چھوڑ کر واپس چلے گئے۔ دونوں عیسائی جاسوس بھی اُن کے ساتھ شہر میں داخل ہو گئے۔

ان دونوں نے بنو تغلب، بنو اَیاد اور بنو نمر کے سرداروں سے خفیہ ملاقاتیں کیں اور انہیں عبداللہ بن معتم کا پیغام دیا۔ یہ بڑے ہوشیار جاسوس تھے۔ دوسروں کو اپنے زیرِ اثر کرنے کی مہارت رکھتے تھے۔ انہوں نے ان سرداروں کو بتایا کہ مسلمانوں کے لشکر میں فارسیوں کے خلاف لڑ کر انہیں مسلمانوں نے اتنی دولت دی ہے جو اُن کی آنے والی نسلوں کے لیے بھی کافی ہو گی ایسی بہت سی باتیں کر کے اور کچھ سبز باغ دکھا کر ان سرداروں کو رام کر لیا۔

ایک تو ان جاسوسوں کا کمال تھا کہ سرداروں نے عبداللہ بن معتم کی پیشکش قبول کر لی۔ دوسرے وہ یہ بھی دیکھ رہے تھے کہ رومی حوصلہ ہار بیٹھے ہیں اور نقصان بھی اُٹھا رہے ہیں اور پھر شہر کے لوگ تھے جو اس قدر تنگ آ گئے تھے کہ انہوں نے رومیوں کو پریشان کرنا شروع کر دیا تھا۔ یہ محاصرے کا چالیسواں دن تھا۔

ایک رات کسی عیسائی نے دیکھا کہ رومیوں نے دجلہ میں کشتیاں اکٹھی کر لی ہیں اور اُن میں سامان لاد رہے ہیں اور اپنے بیوی بچوں کو بھی بٹھا رہے ہیں۔ صاف پتہ چل گیا کہ وہ کشتیوں سے دریا پار کریں گے اور اس طرح وہ چوری چھپے بھاگیں گے۔

دونوں عیسائی جاسوسوں کو پتہ چلا تو دریا کی طرف کھلنے والے دروازے سے وہ دونوں نکل آئے۔ اُن کے لیے نکل آنا کوئی مشکل کام نہ تھا۔ اُنہوں نے نکلنے کا طریقہ یہ اختیار کیا کہ اندر سے کچھ سامان اٹھایا جو باہر جاکر ایک کشتی میں رکھا۔ وہ تو ایک ہجوم تھا جو کشتیوں میں سامان لاد رہا تھا۔ ان دونوں جاسوسوں نے کشتیوں میں سامان رکھا اور رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہاں سے نکل آئے اور اپنے سالار عبداللہ بن معتم کو اس صورتِ حال سے آگاہ کیا۔

”تم دونوں ایک بار پھر اندر چلے جاؤ“۔۔۔ عبداللہ بن معتم نے ان جاسوسوں سے کہا۔۔۔ ”اپنے عیسائی سرداروں سے کہو کہ وہ دروازوں پر قبضہ کر لیں اور دو دروازے کھول دیں“۔

دونوں جاسوس پھر دریا کے کنارے چلے گئے۔ وہاں سے اندر جانا کوئی مشکل نہ تھا عیسائی سردار خود بھی مسلمانوں کی مدد کرنے پر اُتر آئے تھے اور اُنہوں نے اپنے قبیلوں کو بھی تیار کر لیا تھا

زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ اندر کے عیسائیوں نے دو دروازے کھول دیئے عبداللہ بن معتم نے یوں کیا کہ اپنا آدھا لشکر ان دروازوں سے شہر میں داخل کیا اور آدھے لشکر کو دریا کی طرف بھیج دیا۔ شہر میں ہڑبونگ اور افراتفری بپا ہو گئی۔ رومیوں کو پسپائی کا حکم مل چکا تھا اس لیے وہ دریا کی طرف کھلنے والے دروازے سے بھاگنے لگے۔ وہ مطمئن تھے کہ کشتیاں تیار ہیں جو اُنہیں دجلہ کے پار لے جائیں گی۔

وہ جب اُس دروازے سے نکل رہے تھے تو انہیں معلوم نہ تھا کہ وہ بڑی تیزی سے موت کے مُنہ میں جا رہے ہیں۔ آگے مجاہدین تلواریں اور برچھیاں لیے ان کے انتظار میں تیار کھڑے تھے۔ انہوں نے باہر نکلنے والے رومیوں کو کاٹنا اور برچھیوں سے چھلنی کرنا شروع کر دیا۔ پیچھے سے ان عیسائیوں نے جو اُن کے اپنے ساتھی تھے، انہیں کاٹنا شروع کر دیا۔ رات بھر مسلمان اور عیسائی رومیوں کا قتلِ عام کرتے رہے۔ صبح ہُوئی تو شہر کے اندر اور باہر رومیوں کی لاشوں کے سوا کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ عیسائی سردار عبداللہ بن معتم سے ملے۔

”خدا کی قسم!“۔۔۔ عبداللہ بن معتم نے ان سرداروں سے کہا۔۔۔ ”میں تمہیں اُس سے زیادہ دوں گا جو میں نے وعدہ کیا تھا۔ ان کشتیوں میں جتنا مال و اسباب ہے وہ اٹھا لو اور اپنے قبیلوں میں تقسیم کر دو۔ یہ خیال رکھنا کہ کسی کی حق تلفی نہ ہو۔ شہر میں جتنی عورتیں اور بچے رہ گئے ہیں، وہ سب تمہارے ہیں لیکن میں تم سے اسلامی رسوم کی پابندی کرواؤں گا۔ وہ یہ ہے کہ کسی عورت کے ساتھ زیادتی نہ ہو اور کوئی بچہ لاوارث اور محتاج نہ رہ جائے۔ ان عورتوں کے ساتھ شادیاں کرو اور ان کے بچوں کو زندہ رہنے کا پُورا حق دو“۔

تین مؤرخوں نے لکھا ہے کہ جب عبداللہ بن معتم کے جاسوسوں نے عیسائی سرداروں سے بات کی تھی تو ان تمام عیسائیوں نے اسلام قبول کر لیا تھا کسی اور مستند مؤرخ نے یہ بات نہیں لکھی۔ یہ قابلِ یقین بھی نہیں لگتا کہ عیسائیوں نے اتنی جلدی اسلام قبول کر لیا تھا۔ عیسائیت ایک ٹھوس مذہب کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس کے پیروکاروں کا اجتماعی طور پر اسلام قبول کرنا قابلِ یقین نہیں لگتا۔ بہر حال ایک خطرہ جو اس طرف سے تیار ہو رہا تھا وہ وہیں ختم ہو گیا۔

حضرت عمرؓ کے اس حکم کے پیچھے کہ فارسیوں کے تعاقب میں آگے نہ بڑھا جائے ایک ایسی دانشمندی تھی جس کا سب کو بعد میں احساس ہُوا۔ اگر سعدؓ بن ابی وقاص فارسیوں کے تعاقب میں پہاڑیوں میں چلے جاتے تو تکریت کے رومیوں نے جس طرح عیسائی قبائل کو اپنے ساتھ ملا لیا تھا، اسی طرح عراق کے مفتوحہ علاقوں کے لوگوں کو بھی اپنے ساتھ ملا کر عراق پر

بغاوت پھیلا سکتے تھے اور پھر انہوں نے پہاڑی علاقے میں پھنسے ہوئے سعدؓ بن ابی وقاص کے لشکر پر عقب سے حملہ کر دینا تھا۔

اس کے فوراً بعد ایک اور طرف سے خطرہ آ گیا۔ یہ خطرہ قرقیسیا سے سر اُٹھا رہا تھا۔ یہ شہر عراق اور شام کی سرحد پر دریائے فرات اور چھوٹے سے ایک دریا خابور کے سنگم پر واقع تھا۔ اس کی اطلاع بھی سعدؓ بن ابی وقاص کو قبل از وقت مل گئی۔ انہوں نے اسی وقت تیز رفتار قاصد کو مدینہ بھیج کر امیر المومنین کا حکم لیا کہ قرقیسیا پر حملہ کر دیا جائے۔

حضرت عمرؓ نے حکم بھیجا کہ عمرو بن مالک کی قیادت میں پانچ ہزار کا لشکر قرقیسیا بھیجا جائے۔

عمرو بن مالک نے وہاں جا کر قرقیسیا تھوڑی سی مزاحمت کے بعد فتح کر لیا اور اس کے ساتھ ہی حارث بن یزید کو دو اڑھائی ہزار سوار دے کر ایک اور چھوٹے سے شہر کی طرف بھیج دیا کیونکہ وہاں سے بھی اطلاع آئی تھی کہ دشمن حملے کی تیاری کر رہا ہے۔

پھر اطلاع ملی کہ فارس کی فوجیں ایک اور شہر ماسبدان میں اکٹھی ہو رہی ہیں۔ وہاں ضرار بن خطاب کو بھیجا گیا۔ فارس کی فوج شہر سے باہر آ گئی اور کھلے میدان میں بڑی خونریز لڑائی ہوئی لیکن زیادہ تر خونریزی فارسیوں کی ہوئی۔ فارسیوں کا جرنیل بھی مارا گیا۔ وہ ضرار بن خطاب کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔

عراق کی فتح کی تاریخ ایسی مختصر نہیں کہ اسے ایک ہی کتاب میں سمیٹا جا سکے۔ یہ داستان جو پیش کی گئی ہے صرف اُن سالاروں سے تعلق رکھتی ہے جنہوں نے عراق کے شمالی، مغربی اور مشرقی حصے فتح کیے تھے۔ جنوبی علاقوں میں حضرت عمرؓ نے عتبہ بن غزوان کو بھیجا تھا۔ ان کے ساتھ ایک اور سالار عرفہ بن ہرثمہ بارقی تھا۔ یہ ابلہ کو روانہ ہوئے۔ ابلہ ایک مشہور اور بڑی مصروف بندرگاہ تھی۔ خلیج فارس کے راستے وہاں چین اور ہندوستان کے تجارتی جہاز لنگر انداز ہوتے تھے۔ شہر میں ہندوستانی تاجروں کی تعداد خاصی زیادہ تھی۔ یہی وہ مقام ہے جہاں آج کل بصرہ آباد ہے۔

تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ فارسیوں نے یہاں فوج کچھ کم ہی رکھی تھی۔ وہ زیادہ تر فوج کو قادسیہ کے علاقوں میں استعمال کر رہے تھے۔ عتبہ اور عرفہ نے ابلہ پر چڑھائی کی تو فارسی دفاع میں تو ڈٹ کر لڑے لیکن وہاں چین اور ہندوستان کے تاجروں کی خاصی تعداد تھی، انہوں نے شہر سے نکل جانے میں عافیت سمجھی۔ وہ ہلکا پھلکا سامان لے کر شہر سے نکلے۔ دروازہ کھلنے کی دیر تھی کہ مسلمان لشکر شہر میں داخل ہو گیا۔

محمد حسنین ہیکل نے متعدد مؤرخوں کے حوالے دے کر لکھا ہے کہ عراق کے جنوبی حصے میں عتبہ نے جو فتح حاصل کی وہ ایسی دشوار نہ تھی جیسی قادسیہ اور مدائن کے علاقوں میں مثنیٰ بن حارثہ، سعدؓ بن ابی وقاص اور دیگر سالاروں نے حاصل کی تھی۔ وہ تو فتوحات کا ایک سلسلہ تھا جس میں مجاہدین نے بے دریغ قربانیاں دیں۔ یہ تفصیلات بیان ہو چکی ہیں۔

عتبہ بن غزوان نے ابلہ کا مشہور، بڑا اور امیر شہر لے لیا تو اس نے بھاگتی ہوئی فارسی فوج کا تعاقب کیا۔ فارس کی فوج نے دریا پار کر لیا۔ مجاہدین نے فارسیوں کو پل تباہ کرنے کی مہلت نہ دی اور اُن کے تعاقب میں دریا پار کیا اور اُن سے ایک بڑا قصبہ دست میسان لے لیا۔ اس قصبے میں ایک فارسی سردار تھا۔ اُس کی ایک نوجوان بیٹی بہت ہی خوبصورت تھی۔ عتبہ نے اس لڑکی کو اپنے قبضے میں لے لیا۔

حضرت عمرؓ یہ خبر سن کر پریشان ہو گئے۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ مدائن اور جلولا سے مالِ غنیمت آیا تھا تو حضرت عمرؓ رو پڑے تھے۔ انہوں نے کہا تھا کہ میں ڈرتا ہوں کہ اتنی زیادہ دولت دے کر اللہ نے ہمیں بہت بڑے امتحان میں ڈال دیا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم لوگ دولت کے طلسم میں گرفتار ہو کر صراطِ مستقیم سے بھٹک جائیں۔

اب انہیں ایسی ہی رپورٹ ملی جس سے وہ ڈرتے تھے۔ انہوں نے اسی وقت ایک تیز رفتار قاصد کو یہ حکم دے کر بھیجا کہ عتبہ کو فوراً مدینہ بھیجو۔

عتبہ بن غزوان کو جونہی حکم ملا وہ مدینہ کو روانہ ہو گیا۔ کئی دنوں کی مسافت طے کر کے وہ مدینہ پہنچا اور سیدھا امیر المومنین کی خدمت میں حاضر ہوا۔

"ابن غزوان!" — حضرت عمرؓ نے عتبہ سے پہلی بات یہ پوچھی — "اپنا قائم مقام کسے مقرر کر کے آئے ہو؟"

"لشکر کے لیے مجاشع بن مسعود کو قائم مقام سالار مقرر کیا ہے" — عتبہ نے جواب دیا — "اور نماز پڑھانے کے لیے مغیرہؓ بن شعبہ کو مقرر کیا ہے۔"

"خدا کی قسم ابن غزوان!" — حضرت عمرؓ نے سخت غصیلی آواز میں کہا — "میں نے جو سنا وہ سچ سنا کہ فارسیوں کی چھوڑی ہوئی نعمتوں نے تمہارا دماغ تمہارے قبضے سے نکال دیا ہے۔ کیا مجاشع بدو نہیں ہے؟ کیا کسی بدو میں اتنی عقل ہے کہ وہ مجاہدین کے لشکر کا امیر اور مفتوحہ شہروں کے شہریوں کا حاکم بن سکے؟ .... مغیرہ نے مرغاب میں فارسیوں کو شکست دی تھی۔"

"لیکن امیر المومنین!" — عتبہ نے کہا — "مجاشع کو میں فاتح فرات سمجھتا ہوں۔ اس کے قبیلے نے فرات کے کنارے فارسیوں کو شکست دی ہے۔"

"کیا تم نہیں سمجھ سکے؟"۔۔۔ حضرت عمرؓ نے کہا۔۔۔ "کوئی بدوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی صحابی پر امیر مقرر نہیں ہو سکتا اور کسی بدوی میں اتنی دانشمندی اور اتنا تدبر ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ ابلہ جیسے بڑے شہر کا امیر مقرر کر دیا جاتے۔"

مغیرہؓ نے مرغاب کے میدان میں فارسیوں کو جو شکست دی تھی وہ کوئی معمولی سی لڑائی نہیں تھی۔ بڑا ہی خونریز معرکہ تھا۔ فارسیوں نے تو جیسے قسم کھالی تھی کہ وہ یہ جنگ جیت کر ہی رہیں گے۔ مغیرہؓ اور اُن کے مجاہدین کو بڑی سخت مشکل کا سامنا تھا۔

قریب تھا کہ مجاہدین کے پاؤں اُکھڑ جاتے۔ معرکہ ایسا گھمسان کا تھا کہ مجاہدین کی ترتیب بکھر گئی تھی۔ اچانک اللہ کی مدد آگئی۔ یہ مدد اس طرح آئی کہ پہلو کی طرف سے ایک لشکر گھوڑے سرپٹ دوڑاتا آرہا تھا۔ ان میں پیادے بھی تھے اور اس لشکر نے پرچم زیادہ تعداد میں اٹھا رکھے تھے۔ ان میں زیادہ تر پرچم سبز رنگ کے تھے۔ اس لشکر کو دیکھ کر فارسی اس خطرے کے پیش نظر معرکے سے نکلنے لگے کہ مسلمانوں کی کمک آرہی ہے۔ فارسیوں نے سنبھلنے کی کوشش کی تو مجاہدین نے زندگی کا آخری معرکہ لڑنے کے انداز سے ان پر غالب آنا شروع کر دیا۔ کمک جو آئی تھی، اس نے مجاہدین کا کام آسان کر دیا۔ فارسی بُری طرح پسپا ہونے لگے اور آخر مرغاب کے میدان میں بے انداز لاشیں اور زخمی چھوڑ کر بھاگ گئے۔

یہ کمک کوئی باقاعدہ مجاہدین کا لشکر نہ تھا بلکہ یہ مجاہدین کی بیویاں، جوان بیٹیاں، بہنیں وغیرہ تھیں جو اُس زمانے کے دستور کے مطابق لشکر کے ساتھ جایا کرتی تھیں۔ اسلام کی بیٹیوں نے دیکھا کہ اُن کے مردوں کے قدم اُکھڑ رہے ہیں اور فارسی غالب آتے جا رہے ہیں تو ان خواتین نے اپنے آنچلوں کے پرچم بنا لیے۔ ان کے پاس ہتھیار موجود تھے۔ فارسیوں کے گھوڑے بھی موجود تھے۔ سالار کا حکم لیے بغیر ان خواتین نے پہلو سے حملہ کر دیا۔

مغیرہؓ کی یہ فتح کوئی معمولی فتح نہ تھی۔ کچھ اس فتح کی وجہ سے اور زیادہ تر اس لیے کہ مغیرہؓ صحابی تھے، حضرت عمرؓ نے انہیں ہی امیرِ لشکر مقرر کر دیا۔

عتبہ بن غزوان کو مدینہ میں کئی دن گزر گئے تھے۔ حضرت عمرؓ نے اُس سے کہا کہ وہ اپنے محاذ پر واپس چلا جاتے۔ عتبہ نے کچھ عذر اور کچھ بہانے پیش کر کے محاذ پر جانے سے معذوری کا اظہار کر دیا۔ حضرت عمرؓ سمجھ گئے کہ یہ کیوں واپس نہیں جانا چاہتا۔

"امیرِ لشکر مغیرہؓ ہی رہے گا"۔۔۔ حضرت عمرؓ نے اپنے مخصوص انداز میں عتبہ کو حکم دیا۔۔۔ "تم آج ہی محاذ کو روانہ ہو جاؤ۔ مجھے یقین ہے کہ تم امیر المومنین کی حکم عدولی نہیں کرو گے۔"

عتبہ نے حکم عدولی کی جرأت نہ کی اور اُسی روز روانہ ہو گیا لیکن عراق کے محاذ تک نہ پہنچ سکا

کیونکہ بطن نخلہ کے مقام پر کسی ایسی بیماری میں مبتلا ہو گیا کہ جانبر نہ ہو سکا۔

یہاں ہم کچھ اور اہم اور دلچسپ باتیں سنانا ضروری سمجھتے ہیں۔

مجاہدین کو عراق میں مہینے نہیں بلکہ کچھ سال گزر گئے تھے۔ ایک روز جلولا، حلوان، تکریت اور موصل سے تین چار مجاہدین مدینہ آئے اور حضرت عمرؓ سے ملے۔

"خدا کی قسم!"۔۔۔ حضرت عمرؓ نے انہیں دیکھ کر کہا۔۔۔ "تمہاری صورتیں بدلی بدلی سی لگتی ہیں قادسیہ اور مدائن سے کچھ لوگ آئے تھے۔ میں نے اُن کے چہروں میں بھی یہی تبدیلی دیکھی ہے۔ کیا ہو گیا ہے تمہیں؟"

"یہ وہاں کی آب و ہوا کا اثر ہے امیر المومنین!"۔۔۔ حضرت عمرؓ کو جواب ملا۔

"ہاں، مجھے یاد آیا"۔۔۔ حضرت عمرؓ نے کہا۔۔۔ "حذیفہ بن یمان نے مجھے ایک بار مدائن سے لکھا تھا کہ یہاں عربوں کے پیٹ پچک گئے ہیں اور جسم سوکھتے چلے جا رہے ہیں اور چہروں کی رنگتیں بھی پھیکی پڑ گئی ہیں۔ میں نے ایک بار سعدؓ بن ابی وقاص سے پوچھا تھا۔ میرا خیال ہے کہ حذیفہ بن یمان نے سعدؓ کے کہنے پر ہی مجھے خط لکھا تھا۔۔۔۔ میں اس کا کچھ انتظام کرتا ہوں۔"

عراق دریاؤں، ندیوں اور ہرے بھرے جنگلات اور سبز پوش پہاڑیوں کا خوبصورت خطہ تھا۔ ظاہر ہے کہ اس خطے میں نمی زیادہ تھی جو عربوں کو راس نہیں آسکتی تھی کیونکہ عرب کے لوگ صحرا کی خشک فضاؤں میں رہنے والے تھے۔ حضرت عمرؓ نے مجاہدین کی صحت کے متعلق خاصی تشویش کا اظہار کیا اور سعدؓ بن ابی وقاص کو ایک طویل خط لکھا۔ اس کے کچھ الفاظ یہ تھے:

"۔۔۔۔ عربوں کو وہی آب و ہوا راس آئے گی جو اُن کے اونٹوں کو راس آتی ہے کوئی ایسا خطہ تلاش کرو جس میں خشکی اور تری ایک جیسی ہو۔ یہ بھی خیال رکھو کہ میرے اور اس خطے کے درمیان کوئی دریا اور کوئی پُل حائل نہ ہو۔"

حضرت عمرؓ نے اس پیغام میں پوری وضاحت کی تھی کہ ایسی جگہ تلاش کرو جو صحرا کی طرح خشک ہو لیکن اُس میں صاف ستھرے پانی کی نہریں اور چشمے بھی ہوں۔ حضرت عمرؓ کا دوسرا مقصد یہ تھا کہ جو خطہ تلاش کیا جائے اُس کے راستے میں سمندر یا دریا حائل نہ ہوں تاکہ کوئی مدد یا کمک بھیجنے کی ضرورت پڑے تو رکاوٹ نہ ہو۔

سعدؓ بن ابی وقاص نے موصل سے عبداللہ بن معتم اور جلولا سے قعقاع بن عمروؓ کو بلا کر حضرت عمرؓ کا پیغام سنایا اور انہیں کہا کہ وہ کوئی مقام تلاش کریں۔ ان دونوں سالاروں نے اُسی وقت فیصلہ دے دیا کہ کوفہ ایک ایسا مقام ہے جو فرات کے قریب ہونے کی وجہ سے سرسبز اور شاداب

بھی ہے اور صحرا بھی اتنا قریب ہے جو اس علاقے کی نمی کو زیادہ بڑھنے نہیں دیتا کہ عربوں کی صحت پر برا اثر پڑے۔

دوسرے سالاروں نے بھی اس تجویز کی تائید کر دی اور سعدؓ بن ابی وقاص اسی وقت کوفہ کو روانہ ہو گئے۔

وہاں انہوں نے ایک بلند جگہ منتخب کی اور حکم دیا کہ یہاں مسجد کی تعمیر شروع کر دی جائے۔ عربوں کا اپنا ہی ایک انداز ہوا کرتا تھا۔ ایک تیر انداز کو مسجد کی جگہ کھڑا کر کے کہا گیا کہ وہ چاروں طرف ایک ایک تیر پھینکے۔ تیر انداز نے کمان میں تیر ڈال کر چاروں طرف ایک ایک تیر چھوڑا۔ سعدؓ بن ابی وقاصؓ نے کہا کہ جہاں جہاں تک تیر پہنچے ہیں اس تمام جگہ کا بازار اور آبادی بنا دی جائے۔

مسجد تعمیر ہوئی۔ اس کی چھت کے نیچے جو ستون رکھے گئے وہ کسریٰ کے محل سے لائے گئے تھے اور مسجد کی تعمیر ایک فارسی معمار نے کی تھی۔ یہ معمار اس خاندان سے تعلق رکھتا تھا جس خاندان نے کسریٰ کے محل تعمیر کیے تھے۔ اس معمار نے مسجد کے قریب ایک بڑا ہی خوبصورت مکان تعمیر کیا جس میں بیت المال کی تعمیر بھی شامل تھی۔ اس عمارت کا نام "قصر سعدؓ" رکھا گیا۔

مجاہدین کے لشکر کو اجازت دی گئی کہ وہ اس علاقے میں اپنے اپنے مکان تعمیر کر لیں لیکن اس سے پہلے سعدؓ بن ابی وقاص نے حضرت عمرؓ کو لکھا کہ انہوں نے حیرہ اور فرات کے درمیان کوفہ کو منتخب کر لیا ہے جہاں خشکی اور نمی برابر ہیں اور مجاہدین سے کہہ دیا گیا ہے کہ وہ یہاں آکر آباد ہو جائیں۔ اس پیغام میں سعدؓ نے یہ بھی لکھا کہ مجاہدین نے آکر اپنے اپنے خیمے نصب کر لیے ہیں۔

حضرت عمرؓ نے اس پیغام کا جواب یہ دیا کہ لشکر کا مرکز اتنا مضبوط ہونا چاہیے کہ لشکر کی حفاظت کر سکے۔ اس کے لیے بہتر یہ ہے کہ خیموں کی بجائے بانسوں کے مکان بنائے جائیں۔ حضرت عمرؓ کا مقصد دراصل یہ تھا کہ عرب کے لوگ بلند و بالا اور خوبصورت مکانوں میں رہنے لگے تو ان کے دماغ اسی طرح خراب ہو جائیں گے جس طرح دولت خراب کیا کرتی ہے۔

وقت گزرتا چلا گیا۔ اس علاقے میں بانس کی کمی نہیں تھی۔ مجاہدین نے اس علاقے کے کاریگروں کی خدمات حاصل کر کے بانسوں کے مکان بنا لیے۔ یہ سب مکان ایک دوسرے سے ملے ہوئے تھے۔ کسی بھی تاریخ میں یہ واضح نہیں کہ وجہ کیا ہوئی یا عربی لوگ اس قسم کے مکانوں میں رہنے کے عادی نہیں تھے اور کسی سے کوئی بے احتیاطی ہو گئی، ہوا یہ کہ اچانک ایک مکان میں آگ بھڑک اٹھی اور دیکھتے ہی دیکھتے بانسوں کی یہ بستی جل کر راکھ ہو گئی۔

سعدؓ بن ابی وقاص نے حضرت عمرؓ کو پیغام بھیجا اور یہ اجازت مانگی کہ لوگ اینٹوں اور پتھروں کے مکان بنا لیں۔

"ہاں، اینٹوں اور پتھروں کے مکان بنانے کی اجازت دے دو" — حضرت عمرؓ نے پیغام کا جواب دیا — "لیکن سختی سے حکم جاری کر دو کہ کوئی شخص تین کمروں سے زیادہ مکان نہ بنائے اور دیواریں اونچی نہ ہوں، تم سنت کے پیچھے چلو، دولت تمہارے پیچھے چلے گی۔"

مجاہدین نے اینٹوں اور پتھروں کے مکان تعمیر کروانے شروع کر دیئے۔ تاریخوں میں لکھا ہے کہ چند ہی برسوں میں یہ بستی اتنی خوبصورت بلکہ عظیم الشان ہو گئی کہ حیرہ جو عظمت و شوکت میں یکتا تھا، اس بستی کے مقابلے میں بجھ کے رہ گیا۔ پھر کوفہ کو ہی اسلامی سلطنت کا دارالخلافہ بنا دیا گیا۔

سعدؓ بن ابی وقاص مدائن سے کوفہ منتقل ہو گئے اور نئے مکان میں رہنے لگے۔ انہوں نے خود ہی اس جگہ کے ارد گرد بازار بنوائے تھے جہاں تاجروں کی آمد و رفت شروع ہو گئی۔ شور و غل اتنا ہوتا تھا کہ سعدؓ پریشان ہو گئے۔ انہوں نے معمار کو بلا کر کہا کہ مجھے اس شور و غل اور ہنگامے سے نجات دلاؤ۔ میں اس شور و غل کو بند نہیں کر سکتا، اس شور و غل کے لیے میرے گھر کے دروازے بند کر دو۔

معمار نے اس مکان میں کچھ ایسے اضافے کیے کہ یہ چھوٹا سا ایک محل بن گیا۔ اس کے آگے معمار نے ایک مضبوط اور نہایت خوبصورت دروازہ لگا دیا جو بند ہوتا تھا تو ذرا سا بھی شور و غل اس کے اندر نہیں آتا تھا۔

ایک بار وہاں سے کوئی شخص مدینہ آیا اور امیر المومنین سے ملا۔ کوفہ کے متعلق بات چلی تو اس شخص نے حضرت عمرؓ کو بتایا کہ امیر لشکر سعدؓ نے محل جیسا مکان تعمیر کروایا ہے اور اب اس کے سامنے ایک محل جیسا دروازہ لگوایا ہے۔

حضرت عمرؓ نے یہ بات سنی تو ایک صحابی محمدؓ بن مسلمہ کو بلایا۔

"ابن مسلمہؓ!" — حضرت عمرؓ نے انہیں کہا — "ابھی کوفہ روانہ ہو جاؤ۔ سعدؓ کے مکان کے دروازے کو بغیر پوچھے آگ لگا دینا اور پھر یہ خط اسے دے دینا اور وہیں سے واپس آجانا۔"

محمدؓ بن مسلمہ اسی وقت روانہ ہو گئے۔ لمبی مسافت کے بعد کوفہ پہنچے۔ سعدؓ بن ابی وقاص کو اطلاع ملی تو انہوں نے انہیں بلایا۔ وہ سعدؓ کے گھر گئے لیکن اس کے اندر جانے سے انکار کر دیا۔ سعدؓ باہر آئے اور انہیں کہا کہ وہ اندر چل کے پہلے کھانا کھا لیں۔ محمدؓ بن مسلمہ نے انکار کر دیا اور دروازے پر تیل پھینک کر آگ لگا دی۔

سعدؓ بن ابی وقاص اس خیال سے چپ رہے کہ یہ کوئی حکم ہے جس کی تعمیل ہو رہی ہے۔ ابن مسلمہؓ نے حضرت عمرؓ کا خط سعدؓ کو دیا۔ انہوں نے خط پڑھا۔ حضرت عمرؓ نے لکھا تھا:

"مجھے اطلاع ملی ہے کہ تم نے اپنے لیے محل تعمیر کروایا ہے اور اسے ایک خوبصورت قلعے کی شکل دی ہے اور تم نے اس کا نام قصر سعدؓ رکھا ہے میں

سمجھ سکتا ہوں کہ تمہارے دروازے پر اُن لوگوں کے لیے رکاوٹ پیدا ہو گئی ہے جو تم تک پہنچنا چاہتے ہیں۔ یہ تمہارا محل نہیں، یہ تمہاری اور اُمت کی ہلاکت کا محل ہے۔ اس میں تم نے بیت المال تعمیر کروا کے اسے اپنے محل کا ایک حصّہ بنا ڈالا ہے۔ بیت المال پر باقاعدہ پہرہ کھڑا کیا جاتا ہے۔ اس پہرے کی وجہ سے تمہارے محل میں بھی کوئی داخل نہیں ہو سکتا۔ بیت المال کو فوراً وہاں سے ہٹا دو تاکہ جو کوئی تم تک پہنچنا چاہے اُس کے لیے پہرے کی وجہ سے روک ٹوک نہ ہو۔ اپنے اور لوگوں کے درمیان کوئی رکاوٹ نہ رکھو۔"

دروازہ جل رہا تھا۔ سعدؓ بن ابی وقاص نے حضرت عمرؓ کا حکمنامہ پڑھ کر محمدؓ بن مسلمہ کو بتایا کہ انہوں نے یہ دروازہ کیوں لگوایا تھا۔ انہوں نے کہا کہ میں اس ملک کا امیر ہوں اور امیرِ لشکر بھی ہوں۔ مجھے اطمینان اور سکون چاہیئے کہ میں صحیح فیصلے کر سکوں اور لوگوں کی بھلائی کے لیے سوچ سکوں۔

محمدؓ بن مسلمہ مدینہ واپس آئے اور حضرت عمرؓ کو بتایا کہ وہ حکم کی تعمیل کر آئے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے حضرت عمرؓ کو بتایا کہ سعدؓ بن ابی وقاص نے کیا عذر پیش کیا ہے اور اس قسم کا دروازہ لگانے کی وجہ کیا تھی۔

حضرت عمرؓ کی عظمت ملاحظہ ہو۔ انہوں نے یہ نہیں کہا کہ انہوں نے جو حکم دیا تھا وہ بالکل صحیح تھا۔ انہوں نے محمدؓ بن مسلمہ سے کہا کہ انہیں یہ عذر قبول کر لینا چاہیئے تھا۔

"اندھا دھند حاکم کے حکم کی تعمیل نہیں کرنی چاہیئے" — حضرت عمرؓ نے کہا — "اگر تم نے اپنی آنکھوں سے کوئی اور صورتِ حال دیکھی تھی اور اس کی صحیح وجہ تمہیں معلوم ہو گئی تھی تو تم میں اتنی سوجھ اور اتنی جرأت ہونی چاہیئے تھی کہ میرے حکم کی تعمیل نہ کرتے۔"

حضرت عمرؓ نے اُسی وقت سعدؓ بن ابی وقاص کو پیغام بھیجا کہ انہوں نے جو عذر اور جو وجہ بتائی ہے وہ قبول کی جاتی ہے اور وہ اپنا مکان پہلے کی طرح رہنے دیں۔

یہ تھا مسلمانوں کا کردار جس نے انہیں عراق اور شام سے رومیوں اور فارسیوں کا صفایا کرنے کی طاقت دی اور انہوں نے وہاں ایسی حکومت قائم کی کہ وہاں کے لوگ جوق در جوق اسلام قبول کرتے گئے۔

اختتام